فہرست

خلوصِ نیّت

قرآنیات

نماز

روزہ

حج

اِنفاق فی سبیل اللہ

اعمالِ صالحہ

حقوق العباد

زُھد و ورع

علم و تعلیم

اسوۂ حسنہ

اخلاق و آداب

اسلام اور نظام حکومت

متفرق مضامین

توبہ و استغفار

خلوص نیت

خلوصِ نیت

عَنُ اَمِیرِ الُمُؤُمِنِینَ عُمَرَ بُنِ الُخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنُهُ قَالَ: سَمِعُتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ:« اِنَّمَا الاَعُمَالُ بِالنِّیَّاتِ، وَإِنَّمَا لِکُلِّ امُرِیءٍ مَّا نَوٰی، فَمَنُ کَانَتُ هِجُرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ فَهِجُرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ، وَمَنُ کَانَتُ هِجُرَتُهٗ لِدُنُیَا یُصِیبُهَا، اَوِ امُرَأَةٍ یَّنُکِحُهَا فَهِجُرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیُهِ »

[متفق علیه۔ ریاض الصالحین، باب الاخلاص و احضار النية]

''امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔ تو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہجرت کرے گا تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہوگی اور جس کی ہجرت کا مقصد محض دنیا (کی کسی چیز) کا حصول یا کسی عورت سے شادی کرنا ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ترکِ وطن کیا۔'' (نقلِ مکانی تو کی مگر ہجرت کے ثواب سے محروم رہا۔)

آپ نے دن بھر محنت مزدوری کی اور بوقتِ شام بچوں کے لیے ثمرات خرید کر لائے، خوانچہ فروش نے ہاتھ کی صفائی سے اس میں کچھ خراب پھل ڈال دیئے جس کا علم آپ کو اُس وقت ہوا جب گھر لا کر لفافہ انڈیلا اور بچوں نے بتایا کہ دکان دار نے اس میں خراب پھل بھی ڈال دیئے ہیں، آپ کو اس بات پر بڑا رنج اور ملال ہوا اور بے اختیار آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ ''اس شخص کی نیت اچھی نہیں تھی ورنہ وہ ایسا نہ کرتا۔''

دیکھئے! یہ زندگی اور اس کی ہر نعمت اس خالق کائنات نے ہمیں عطا کی ہے اور وہ ہر لمحہ اور ہر وقت

اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے ہمیں نوازتا رہتا ہے۔ ذرا ہوا پر ہی غور کیجئے کہ اُسے کیسا لطیف اور ہلکا بنایا ہے کہ ہم آسانی سے سانس لے سکتے ہیں اور بلامعاوضہ چوبیس گھنٹے اسے استعمال میں لاتے ہیں، تھوڑی دیر کے لیے کسی بند کمرے میں ٹھہرنا پڑے تو اس نعمت کا احساس ہوتا ہے۔ دم گھٹنے لگتا ہے، جان پر بن جاتی ہے اور کھلی فضا میں آنے کی طلب ہوتی ہے۔ سعدی شیرازی کہتے ہیں:

''ہر نفسے کہ فرو مے رود ممدِ حیات است وچوں برمی آید مفرح ذات، پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و بر ہر نعمتے شکرے واجب۔''

''جو سانس نیچے جاتی ہے وہ زندگی بڑھانے والی ہے اور وہی سانس جب اوپر آتی ہے تو ذات کو اس سے فرحت حاصل ہوتی ہے گویا ہر سانس میں دو نعمتیں موجود ہیں اور ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے۔''

صرف ہوا جیسی قیمتی نعمت کا شکر بجا لانا چاہیں تو نہیں بجا لا سکتے۔

از دست و زبان کہ برآید
کز عہدۂ شکرش بدرآید

کسی نے اس کا ترجمہ اردو شعر میں کیا خوب کیا ہے:

شکر اس کی نعمتوں کا کریں کس زباں سے ہم
یہ چاہیں بھی تو لائیں گے طاقت کہاں سے ہم

پھر غور کیجئے تو یہ پانی کتنی بڑی نعمت ہے؟ تمام حیوانات و نباتات کی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے، اس کے بغیر چند گھنٹے بمشکل گزرتے ہیں۔ موسمِ گرما کی شدت میں اس نعمت کا احساس بڑھ جاتا ہے اور انسان کے لیے پانی کا ہر قطرہ آبِ حیات ثابت ہوتا ہے۔ قرآن اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ﴾ [الانبیاء:۳۰]

''اور ہم نے ہر جان دار چیز کو پانی سے زندگی عطا کی ہے۔''

ان نعمتوں کے علاوہ ان گنت نعمتیں ہمارے اردگرد بکھری پڑی ہیں۔ یہ آفتاب و ماہتاب کا طلوع و غروب اور ان کی روشنی سے فصلوں کا پکنا، یہ موسموں کا تغیر و تبدل، اور نت نئی بہاریں، یہ لیل و نہار کی آمدورفت اور ان میں کام کاج اور آرام، یہ پھل پھول اور ان کے طرح طرح کے ذائقے اور مٹھاس، کس کی قدرت کے جلوے ہیں؟

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون

کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب

کون لایا کھینچ کر پچھّم سے بادِ سازگار

خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نور آفتاب

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب

موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

پھر انسان کا اپنا جسم اس کی قدرت وعظمت کا شاہکار ہے......آنکھیں نہ ہوں تو دنیا اندھیر ہے، کان نہ ہوں تو راگ کا مزہ کرکرا ہے، ناک نہ ہو تو خوشبو بے معنی ہے، ہاتھ پاؤں نہ ہوں تو کام کاج سے عاری ہیں، دل و دماغ نہ ہوں تو سوچنے سمجھنے سے قاصر ہیں، ہاتھ کی انگلیاں کٹ جائیں تو لکھنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے:

﴿ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ﴾ [الذّٰریٰت:۲۱]

''اور خود تمہارے اپنے اندر بھی (اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں) پھر کیا تم (غور سے) نہیں دیکھتے؟۔''

حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''خود انسان اپنے جسم کی کائنات کو سمجھنے سے بھی بہت دور ہے، مثلاً دماغ کی ساخت پہ غور فرمائیں، دماغ کی ساخت اتنی پیچیدہ اور کسی زبردست خالق کی قدرتوں کا نمونہ ہے کہ سائنس دان اس کے کام کو سمجھنے سے بہت دور ہیں (جینیس انسائیکلوپیڈیا آف سائنس) کے مطابق دماغ عصبی خلیات سے مرکب ہے، دماغ میں ایسے تقریباً ایک سو بلین خلیات ہوتے ہیں، ہر خلیہ بجلی کے ذریعے سگنل وصول کرتا ہے، گویا اللہ کی کسی بھی نشانی میں غور کریں تو انسان کی کم علمی، محدود طاقت اور خالق کی بے پناہ اور لامحدود طاقت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔'' [تیسیر القرآن]

جب فرش سے عرش تک سب کچھ ربِ کائنات کا ہے تو ظاہر ہے بندوں کو اس کا شکر گزار بھی ہونا چاہیے اور تمام اعمال بھی خالص اسی کے لیے ہونے چاہئیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَ یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ

وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴿﴾ [سورة البينة: ٥]

”اور انہیں حکم تو یہی دیا گیا تھا کہ خالص اطاعت کے ساتھ اور بالکل یکسو ہو کر اللہ ہی کی بندگی کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، یہی درست اور مضبوط دین (زندگی گزارنے کا سیدھا اور کھرا راستہ) ہے۔“

بندۂ مسلم کی پوری زندگی اور اس کا ہر ہر لمحہ اور اس کے تمام اعمال صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے ہوتے ہیں۔ حکم ہوتا ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ [الانعام: ١٦٣]

”کہیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔“

اخلاص کی ضد ریا کاری ہے یعنی کوئی عمل لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کرنا۔ اس سے بڑے سے بڑا عمل بھی ضائع ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قیمت نہیں پڑتی ہے۔ اس حدیث مبارک پر غور کیجیے!

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شُجَاعَةً ، وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً اَيُّ ذٰلِكَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ»

[متفق عليه۔ رياض الصالحين۔ باب الاخلاص]

”رسول اللہ ﷺ سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا جو بہادری کے لیے جہاد کرے یا (قومی) حمیت کے لیے یا پھر نمود و نمائش کے لیے، تو اس میں سے اللہ کی راہ میں کون سا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو صرف اس لیے جہاد کرتا ہے کہ کلمۃ اللہ (دین اسلام) بلند ہو وہی اللہ کے راستے میں شمار ہوگا۔“

منافقین نے ریاء کاری کے ساتھ نماز جیسے قیمتی عمل کو ضائع کر ڈالا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿﴾ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿﴾ اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿﴾ [سورة الماعون: ٤ تا ٧]

”پھر ایسے نمازیوں کے لیے (بھی) ہلاکت ہے، جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں اور معمولی استعمال کی چیز (نمک مرچ وغیرہ) بھی (سوال کرنے پر) نہیں دیتے۔“

یہ آیات ان لوگوں کو جھنجوڑنے کے لیے کافی ہیں جو مسلمان کہلاتے ہوئے بھی اذان سننے کے بعد نماز کی تیاری نہیں کرتے، بلکہ ڈٹ کر ٹی وی کے گرد بیٹھے رہتے ہیں، یا دنیا کے مال و دولت کو سمیٹنے میں

مصروف رہتے ہیں، روپیہ پیسہ شادی بیاہ کے مواقع پر بیجا اڑانے کو تو تیار ہوتے ہیں مگر غرباء ومساکین پر ایک دانہ بھی خرچ نہیں کرتے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ: ”بہت سے چھوٹے کاموں کو نیت بڑا کر دیتی ہے اور بہت سے بڑے کاموں کو نیت چھوٹا کر دیتی ہے۔“ [جامع العلوم والحكم ابن رجب حنبلی]

آپ کسی شاہراہ سے گزر رہے ہیں، کوئی پتھر یا پھل وغیرہ کا چھلکا نظر آ گیا، پیدل ہیں یا اپنی سواری پر۔ آپ رُک کر اسے دور پھینک دیتے ہیں مبادا کہ کوئی بہن، بھائی پھسل جائے، تو اس چھوٹے سے عمل پر نہ معلوم آپ کے حصے میں کتنا بڑا اجر وثواب لکھا جاتا ہے اور بعض اوقات انسان ریا کاری کے لیے حج، عمرہ اور صدقہ وخیرات کرتا ہے مگر اجر وثواب سے محروم رہتا ہے۔

ان آیات پر غور کیجئے! طوالت کے خوف سے صرف ترجمہ عرض کرتا ہوں:

”جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں (محض اس کی رضاجوئی کے لیے) ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ (بویا جائے) جس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اس طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے، وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔“ [البقرہ: ٢٦١]

”جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے، مگر اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، اس کے خرچ کی مثال ایسے ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہ جمی ہوئی تھی، اس پر زور کا مینہ برسا، تو ساری مٹی بہ گئی اور صاف چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور کفار کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔“ [بقرہ: ٢٤٦]

محض پاکیزہ اور اچھی نیت بھی اجر وثواب سے محروم نہیں رکھتی۔ یہ حدیث مبارکہ قابل غور ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک سے پلٹ رہے تھے، آپ نے فرمایا:

”کچھ لوگ پیچھے رہ گئے، نہ تمہارے ساتھ چلے اور نہ انہوں نے اس سفر کی کوئی گھاٹی طے کی مگر وہ (ثواب میں) تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہیں، مرض نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔“ [رياض الصالحين۔ باب النية]

اب اس حدیث مبارک کے سلسلے میں چند باتیں مزید پیش خدمت ہیں:

❶...... اصلاحِ نیت کے ساتھ ساتھ اعمال بھی قرآن وسنت کے مطابق ہونے چاہئیں۔ غیر شرعی اعمال

پر نیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

❷ ...... نیت کا تعلق دل سے ہے نہ کہ زبان سے۔

❸ ...... اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے اور رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر جیسا کہ آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکہ سے مدینہ محض رضائے الٰہی کے لیے ہجرت فرمائی۔

❹ ...... ''ہجرت'' نقل مکانی کو کہتے ہیں، جب کسی جگہ مسلمانوں کے لیے دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے تو انہیں حکم ہے کہ کسی اور جگہ ہجرت کر جائیں تاکہ وہاں پہنچ کر احکامِ دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

❺ ...... محض دنیاوی امور اور شادی بیاہ کے لیے ہجرت فی سبیل اللہ نہیں کہلائے گی، محض نقل مکانی ہوگی۔ ہاں ان میں بھی اگر نیت کی اصلاح کر لی جائے تو اجر ضرور ملے گا۔ مثلاً دوسرے ملک سے مال و دولت کما کر رضائے الٰہی کے لیے غرباء ومساکین میں تقسیم کروں گا اور فلاں دین دار گھرانے میں شادی بیاہ کر کے اپنے دین کی حفاظت کروں گا۔ ہجرت کے نفع سے صرف وہ شخص محروم رہتا ہے جو محض حرص و ہوس کا بندہ رہے اور اسے دین سے کسی قسم کا کوئی لگاؤ نہ ہو۔

❻ ...... بعض اوقات انسان خلوصِ نیت سے کوئی نیک عمل کرتا ہے اور اسے اس سے اطمینانِ قلب اور سرور نصیب ہوتا ہے اور بسا اوقات لوگوں کو بھی خبر ہو جاتی ہے تو اس سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ شیاطین کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد تلاش کرنی چاہیے۔ اس حدیث پر غور کیجئے۔

سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''ایک آدمی عرض کرنے لگا! اے اللہ کے رسول! کوئی شخص نیک عمل کرتا ہے اور اسے خوشی ہوتی ہے۔ جب اچانک کوئی شخص اسے (وہ عمل کرتے) دیکھ لیتا ہے تو اسے اچھا لگنے لگتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اس کا دُگنا اجر ہے۔ (ریاء سے بچتے ہوئے) چھپ کر عمل کرنے کا اور ظاہر ہو جانے کا بھی (کہ اس سے دیکھنے والے کو بھی ترغیب ہوگی۔)''

دعاء و التجاء:

«اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیُ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیُ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِیُ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِیُ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ۔»

''اے اللہ میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریاکاری سے اور میری زبان کو دروغ گوئی

سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دے، بے شک تو ہی آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے راز سے آگاہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے

وَعَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: «اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَا یَنْظُرُ اِلٰی اَجْسَادِکُمْ، وَلَا اِلٰی صُوَرِکُمْ، وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ أَعْمَالِکُمْ» [رواہ، مسلم۔ ریاض الصالحین۔]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے جسموں اور تمھاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔''

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان ہر قسم کے شک اور ریا کاری سے کنارہ کش ہو کر اپنے ہر عمل اور ہر کوشش کو بلکہ ہر سانس اور ہر ساعت کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے وقف کر دے جیسا کہ قرآن مجید میں سیدھی اور سچی راہ اختیار کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا:

﴿ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ ﴾ [النسآء:١٤٦]

''اور انہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دیا۔''

یعنی پوری زندگی اطاعت اور وفاداری کے ساتھ احکامِ الٰہی کے مطابق گزار دی تو ایسے ہی لوگوں کے لیے آخرت کی عظیم کامیابی ہے۔

اخلاص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیوں؟

اس کائناتِ رنگ وبو میں انسان اگر غور وفکر کرے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس کے جسم وجان سے لے کر زمین وآسمان کی ہر چیز کا خالق ومالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔اسی کے احسانات بے حد وحساب ہیں۔اس کی نعمتیں بے شمار ہیں۔غور کیجئے کہ انسانی جسم انتہائی نرم ونازک اور عجیب وغریب مشینری ہے اور ہر ہر عضو کتنی بڑی نعمت ہے۔آنکھیں نہ ہوں تو دنیا اندھیر ہے،کان نہ ہوں تو باغ وراغ کا مزہ کرکرا ہے،ہاتھ پاؤں نہ ہوں تو کام کاج سے محرومی ہے، ناک خراب ہو جائے تو سانس لینے میں دشواری ہے۔معدہ میں فتور پیدا ہو جائے تو پورا جسم متاثر ہوتا ہے، جگر کی شکایت سے خونِ صالح بننے سے رک جاتا ہے۔دل اگر پورے جسم میں خون کو پمپ کرتا ہے تو دماغ سوچ و بچار کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔یہ تمام اعضاء احکامِ الٰہی کے مطابق لگے بندھے اصولوں کے مطابق اپنا اپنا کام کرتے

رہتے ہیں،ان میں سے کسی ایک عضو میں بھی خرابی پیدا ہو جائے تو انسان پریشان ہو جاتا ہے۔اور دوا دارو کرتا پھرتا ہے اور جب تک اس کی طرف سے شفاء کا حکم نہ ہوتو اسے شفاءنہیں مل سکتی،مرض کی شدت میں اس کی فریاد کس کے پاس ہوتی ہے؟ایسے وقت میں باغی اور سرکش بھی بے اختیار اللہ تعالیٰ کے حضور ہی فریاد کرتے ہیں۔ان کے دل بھی یہی گواہی دے رہے ہوتے ہیں کہ جب تک ربّ کائنات شفاء نہ دے قیمتی سے قیمتی ادویات بھی بیکار ثابت ہوں گی، وہ اگر چاہے تو خاک میں شفاڈال دے۔اور نہ چاہے تو سونا اور جواہرات بھی کچھ سود مند نہیں ہو سکتے۔

پھر غور کیجئے کہ ربّ کائنات نے انسان کو اگر شکل وصورت کے لحاظ سے تمام مخلوقات میں بہتر وبرتر بنایاہے تو اس کے کھانے پینے کے لیے بھی عمدہ سے عمدہ تر نعمتیں پیدا کی ہیں۔یہ طرح طرح کے شیریں میوہ جات اور انواع واقسام کی سبزیاں،رنگ برنگ کے پھول جن کی خوشبو سے دل ودماغ مہک جاتے ہیں اورطرح طرح کے اناج جنہیں کھا کر وہ قوت وتوانائی حاصل کرتا ہے اور جو موسموں کے ساتھ بدل بدل کر چلے آتے ہیں۔یہ سب کچھ رب کریم ورحیم کے کتنے بڑے انعامات ہیں۔

سب سے بڑھ کر انسان کوعقل وفکر کی ایسی روشنی عطا فرمائی ہے کہ اس سے مختلف علوم وفنون کے چشمے پھوٹے ہیں اور یہ شرف وعزت اسے تمام مخلوقات میں سرفراز کر دیتا ہے۔اس نے اپنے رہنے سہنے کے لیے عمدہ مکانات اور اوڑھنے بچھونے کے لیے طرح طرح کے ملبوسات تیار کر لیے ہیں۔سیر وسفر کے لیے پختہ شاہراہیں اور آرام دہ گاڑیاں بنالی ہیں بلکہ طیاروں کے ذریعہ فضامیں تیرتا پھرتا ہے کہ دنوں اور مہینوں کا سفر گھنٹوں اور منٹوں میں طے کرلیتا ہے۔ٹیلیفون، وائرلیس، ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے ملکوں اور شہروں کو اس طرح جوڑ دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہتے ہیں کہ گویا وہ ایک ہی گھر میں بس رہے ہوں۔ یہ شرف وکمال اسے ہی کیوں حاصل ہے کسی دوسری مخلوق کو کیوں نہیں حاصل ؟ اس کا جواب صاف اور روشن ہے کہ ربِ کائنات نے اسے اشرف المخلوقات بنایاہے اور علم وعقل کی نعمت سے نوازا ہے،ان نعمتوں کو پانے کے بعد بھی وہ اپنے خالق ومالک کا شکر گذار بندہ نہ بنے تو یہ احسان فراموشی ہوگی کہ انسان تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پائے اورشکر کسی اور کا ادا کرے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص تنخواہ کسی ایک حکومت سے پائے اور اس کی وفاداریاں کسی دوسری حکومت کے ساتھ ہوں۔ذرا بتلائیے کہ ایسا شخص باغی نہیں تو اور کیا ہوگا ؟تو کیا ایسا سرکش سخت سے سخت سزا کا مستحق نہیں ہے۔پس اخلاص کا لازمی تقاضایہ ہے کہ مالک کے ہر حکم کو سر آنکھوں پر رکھا جائے۔اور زندگی کو کامل وفاداری سے گذارا جائے۔اخلاص پیدا ہوتے ہی آپس کی نفرتیں اورکدورتیں ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ آقا نے حکم دیا ہے کہ آپس میں مل بیٹھو اور تفریق نہ ڈالو۔اخلاص پیدا ہوتے ہی زندگی کا

ہرلمحہ اور ہر عمل ربِ کائنات کے لیے وقف ہو جاتا ہے اور دل کی گہرائی سے یہ صدا نکلتی ہے۔

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ [الانعام:۱۶۳]

''کہہ دیجئے کہ میری نماز میرا حج، میرا جینا اور میرا مرنا (گویا سب کچھ) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے''

وہ ہجرت، ہجرت نہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ ہو اور وہ جہاد، جہاد نہ ہوگا جس میں رضائے الٰہی نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جو بہادری کے لیے جہاد کرے یا حمیت کے لیے یا دکھاوے کے لیے، اس میں اللہ کے راستے میں کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑنا ہی صرف اللہ کے راستے میں شمار ہوگا۔ [ریاض الصالحین۔ باب الاخلاص]

آیئے غور کریں کہ اخلاص جیسی لازوال نعمت سے ہم بہرہ ور ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اعمال کرتے کرتے تھک جائیں اور ریاکاری اور دنیاوی نمود و نمائش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی حیثیت نہ ہو۔ جس کا نقشہ قرآن نے یوں کھینچا ہے:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ [سورۃ الکھف: ۱۰۳-۱۰۴]

''اے پیغمبر تو کہہ دے ہم تمہیں خبر دے رہے ہیں کہ کون لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے؟ وہ جن کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوگئیں اور وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ بڑا اچھا کارخانہ بنا رہے ہیں۔'' [ترجمہ ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ]

میں اس تحریر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ، یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْأَلُكَ ۔ »

''اے اللہ! میں آپ سے ہی مانگتا ہوں اس وجہ سے کہ ہر قسم کی تعریف اور شکر آپ ہی کے لیے ہے (کہ سب عطاء بخشش آپ ہی کی طرف سے ہے آپ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔ آپ بڑے مہربان، احسان کرنے والے زمین و آسمان کو ابتداءً پیدا کرنے والے اور خبرگیری کرنے والے ہیں اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اپنی ذات کے ساتھ قائم، میں آپ سے (آپ کی رحمت و مغفرت کا) سوال کرتا ہوں۔''

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

« اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ »

اسلام ایک آسان اور پاکیزہ دین

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی مکرم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ارشاد فرمایا:

«يٰاَيُّهَا النَّاسُ ! خُذُوا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيقُوْنَ ، فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا ، وَاِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ مَادَامَ وَاِنْ قَلَّ »

[الترغیب والترھیب۔باب الترغیب فی العمل الصالح]

''اے لوگو نیک اعمال اس حد تک اختیار کرو جسے تم آسانی سے سرانجام دے سکو۔بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی بخشش وعطا سے تھکتا نہیں۔ بندے خود ہی عبادت وریاضت کرتے تھک جاتے ہیں اور جان لو کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جسے ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو۔''

سچ تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات سادہ، سہل، پاکیزہ، صاف ستھری،فطرت کے عین مطابق، دائمی اور ابدی ہیں۔ہمارے محسن خالق ومالک نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایاہے تو ہمیں اپنی زندگی گزارنے کا راستہ بھی اچھا،قابل عمل،عمدہ اور بہتر عطافرمایاہے۔

افسوس کہ اکثر انسانوں نے اپنے خالق ومالک کے احسانات وانعامات کو نہ پہچانا۔

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ [الانعام: ۹۱]

خواہشاتِ نفسانی اور شیطان کی نت نئی چالوں نے انہیں راہِ حق سے دورجا پھینکا انہوں نے اپنے لئے ضلالت اور گمراہی کے راستے اختیار کئے۔اس کے باوجود اللہ کی رحمت باربار انسانوں پر برستی رہی اور وہ اپنے نبیوں کو تاریخ انسانیت کے مختلف ادوار میں اور دنیا کے مختلف علاقوں میں بھیجتا رہا، جو بھٹکے ہوئے لوگوں کو اپنے قول وعمل سے سیدھی اور سچی راہ دکھاتے رہے یہاں تک کہ آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نسل

انسانیت کے لئے اسی پیغام حق کے ساتھ تشریف لائے جو جناب آدم علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور جسے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل نے دنیا کی مختلف قوموں اور انسانوں کے سامنے دہرایا تھا۔

﴿ وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ ۚ﴾

[النحل :٣٦]

''اور ہم نے ہر جماعت میں رسول بھیجا اس پیغام کے ساتھ کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور شیطان وخواہشات کی راہ سے بچیں۔''

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تاقیامت زندگی کو تابندگی عطا فرمائی۔انسانوں کے خود ساختہ باطل نظریات، فرسودہ خیالات، بے کار مشاغل اور غلط رسم و رواج کو مٹادیا۔ایسی لایعنی باتیں جوان کے لئے ذلت ورسوائی کا باعث تھیں اور وہ بے مقصد قیود وپابندیاں جن کے نیچے وہ دبے جارہے تھے ان سے انہیں نجات دلائی۔قرآن اس کی یوں شہادت دیتا ہے۔

﴿ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ كَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ﴾[الاعراف :١٥٧]

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان سے وہ بوجھ اتارتے ہیں جو ان پر لدے ہوئے تھے۔اور وہ بندشیں کھولتے ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔''

آیئے غور کریں کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی پاکیزہ تعلیمات نے دین پر چلنے کے لئے کتنی آسان اور میانہ روی کی روشن ہدایات فراہم کی ہیں۔

عقیدہ توحید کو لیجئے۔یہ کتنا صاف اور پاکیزہ عقیدہ ہے اس نے بتایا ہے کہ اس کائنات کا خالق ومالک یکتا ہے،خود کائنات کے اندر نظم وضبط،سلیقہ اور قرینہ اس کی قدرت اور یکتائی کی شہادت دے رہا ہے۔ آفتاب وماہتاب کی گردش اور طلوع وغروب کی باقاعدگی،لیل ونہار کی آمدروفت اور موسموں کا تغیر وتبدّل یہاں تک کہ انسان کا اپنا وجود اوراس کی موت وحیات ، اس کی قدرت کی ایسی ظاہر و باہر نشانیاں ہیں کہ ان میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں ہے۔ جسے وہ مارتا ہے اسے کوئی زندگی نہیں دے سکتا اور جسے وہ زندہ رکھتا ہے اسے کوئی موت نہیں دے سکتا ہے۔قرآن کہتا ہے۔

﴿ لَوۡ كَانَ فِیۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ [الانبیاء:٢٢]

''اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ درہم برہم ہوجاتے۔''

پھر نماز کو لیجئے۔دن رات میں ایک مسلمان پر پانچ نمازیں فرض ہیں جو سفر وحضر،صحت وبیماری،امن وجنگ کی حالت میں بھی معاف نہیں ہیں۔مگر حالات کے مطابق اس میں رعایت ضرور دی گئی ہے سفراور جنگ میں قصر(دوگانہ) نیز دو نمازوں کو جمع کرکے پڑھنے کی رخصت ہے بیماری کی حالت میں بیٹھ کر،لیٹ کر،سیدھے یا کروٹ کے بل یہاں تک کہ اشاروں سے نماز ادا کرنے کی اجازت ہے،سفر میں ابر کی وجہ سے قبلہ کی سمت معلوم نہ ہوسکے تو جدھر بھی رخ کرلو تمہاری نماز ہوجائے گی۔نیند کا غلبہ ہے تو حکم ہوتا ہے کہ پہلے نیند پوری کرلو پھر اٹھ کر پورے سوز اور سرور سے نماز ادا کرو۔بھوک لگی ہوئی ہے تو یہ رعایت ہے کہ پہلے کھانا کھاؤ اور پھر تسلی سے نماز ادا کرو۔

ذرا اس بات پر غور کیجئے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آئے اور ایک رسی دوستونوں کے درمیان کھینچی ہوئی تھی آپ نے فرمایا یہ رسی کیسی ہے؟لوگوں نے عرض کیا:کہ یہ زینب رضی اللہ عنہا کی رسی ہے جب نیند کا جھونکا آتا ہے تو اس سے لٹک جاتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اسے کھول دو۔جب تک چستی رہے اس وقت تک نماز پڑھو اور جب سستی آنے لگے تو سوجاؤ۔''

[بخاری ومسلم۔ریاض الصالحین :باب الاقتصاد فی الطاعة]

یہ تو ایک مخصوص واقعہ کے متعلق گفتگو تھی اور عام لوگوں کے متعلق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ملاحظہ ہو:

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور نیند اسے پریشان کررہی ہوتو وہ سوجائے اور نیند لینے کے بعد نماز ادا کرے اگر وہ نیند کی حالت میں ہی نماز ادا کرتا رہا تو ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے کی بجائے اپنے لئے بددعا ہی کرنے لگے۔'' [حوالہ ایضا]

غور کیجئے کہ ادائیگیٔ نماز کے لئے کس قدر آسانی اور سہولت دی گئی ہے؟ یہ بات صرف نماز تک ہی محدود نہیں بلکہ دوسری عبادات اور معاملات میں بھی رعائتیں عطا کی گئی ہیں۔

مسلمانوں پر رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔اس میں بھی مسافروں،مریضوں اور عورتوں کو ایامِ حمل ورضاعت میں رخصت دی گئی ہے کہ وہ صحت وسلامتی کی حالت میں روزوں کی گنتی پوری کریں اور پھر یہاں تک کہ ایسا بوڑھا شخص جسے کمزوری کے باعث روزہ رکھنے کی ہمت نہیں رہی۔اسے حکم ہے کہ

وہ کسی غریب مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے اور اگر وہ خود ہی مفلوک الحال ہے تو اس پر یہ ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے بلکہ پھر اس کی مدد اور خدمت بھی اجر وثواب کا باعث ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور بتاتا ہے: کہ روزہ کی حالت میں اس سے غلطی اور لغزش ہوگئی ہے ۔اس کا کفارہ دو ماہ کے روزے رکھنا اسے بتایا جاتا ہے جس پر وہ شخص اپنی مجبوری اور معذوری ظاہر کرتا ہے اس کے بدلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی اسے رخصت دی جاتی ہے اس پر بھی وہ اپنی تنگدستی اور غربت کے سبب معذرت خواہ ہوتا ہے۔اتنے میں نبی ﷺ کے پاس کوئی شخص تقسیم کے لئے کھجوروں سے بھری باسکٹ (ٹوکری) لاتا ہے تو آپ ﷺ اس معذور شخص کو دے کر فرماتے ہیں: اسے شہر کے غریب اور مسکین لوگوں میں تقسیم کر دو۔وہ عرض کرتا ہے کہ مدینہ کے آس پاس خود اس کے گھرانہ میں سب سے زیادہ غربت ہے تو رحمت دو عالم ﷺ مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جاؤ خود کھاؤ اور اپنے اہل خانہ کو کھلاؤ''

اللہ اکبر! کیا احسان ومروّت، نرمی اور شفقت کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ بار بار اسلامی تعلیمات پر غور کیجئے آپ کو یہاں متوازن ومعتدل ہمہ گیر اور ہمہ جہت پھلتی پھولتی، چمکتی دمکتی زندگی نظر آئے گی۔ ہمارا دین کتنا پیارا اور میٹھا ہے۔وہ یہ کہتا ہے کہ تم اگر محنت ومزدوری کرتے ہو تو اپنے آرام و آسائش کا خیال بھی رکھو، عبادت و ریاضت کرو تو اہل خانہ اور احباب واقرباء کی خدمت اور ان کے دکھ درد میں سہارا بھی بنو۔اگر تعلیم وتعلم کے لئے وقت نکالتے ہو تو کچھ دیر کے لئے آرام بھی کر سکتے ہو۔اگر اپنوں کے ساتھ شفقت ہو تو غیروں کے ساتھ بھی مروّت سے پیش آؤ گویا کہ زندگی کیا ہے؟ رنگ برنگ تر و تازہ پھولوں کا گلدستہ ہے جن کی مہک سے معاشرتی زندگی میں انقلاب آتا ہے اور ہر سو امن اور سکون پھیلتا چلا جاتا ہے ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے:

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات کو عبادت کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! فرمایا: تم ایسا نہ کرو۔روزے رکھو اور افطار کرو نیند لو اور جاگو، بے شک تمہارے جسم کا تم پر حق ہے تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے تمہارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں کا تم پر حق ہے۔مہینے میں تین دن روزے رکھو یہ تمہارے لئے کافی ہے تمہارے لئے اس میں دس گناہ ثواب ہے یہ پورے زمانے کے روزے ہیں، لیکن میں نے سختی کی تو مجھ پر سختی کی گئی، میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھ میں قوت وطاقت زیادہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر جناب داؤد علیہ السلام کے روزے رکھو جیسے وہ رکھتے تھے اس سے زیادہ نہ رکھو۔میں نے عرض کیا: وہ روزے کیسے رکھتے تھے؟ فرمایا: «كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَ يُفْطِرُ يَوْمًا» ''وہ ایک دن روزہ

رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بڑھاپے کو پہنچے تو کہا کرتے تھے اے کاش میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ مبارک پر عمل کرلیتا۔[ریاض الصالحین۔باب الاقتصاد]

مسلمانو! ذرا ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کرو۔ ہماری زندگیاں افراط وتفریط کا شکار ہوچکی ہیں یہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان گھرانوں میں پیدا کیا ہے مگر اسلامی تعلیمات کی جھلک ہماری زندگیوں میں نظر نہیں آتی۔اسلام کی صاف اور نتھری ہوئی تعلیمات تو بڑی سہل اور آسان ہیں اس میں کہیں تھوڑی سی مشقت اور تکلیف ہے تو اس میں صبر وعزیمت کی تربیت بھی ملتی ہے۔جس کی غزوات وجہاد میں زبردست ضرورت پیش آتی ہے اور خود زندگی میں کئی نشیب وفراز آتے ہیں جہاں صبر واستقامت کے ساتھ ہی حالات پر قابو پایا جاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے نبی ﷺ کی باتوں کو سمجھنے کی اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔آمین

دعاء والتجاء:

«فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾» [یوسف:۱۰۱]

"اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرے ولی (دوست) ہیں۔آپ مجھے مسلمان کرکے وفات دیجئے اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیجئے" (آمین یا رب العالمین)

اسلام ہی ہماری راہ ہے

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ: هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ: هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِّنْهَا شَيْطَانٌ يَّدْعُوْ اِلَيْهِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾[رواہ احمد۔والنسائی، والدارمی مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ]

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا پھر ارشاد فرمایا: یہ اللہ کی راہ ہے اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دائیں اور بائیں جانب بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ (بکھری ہوئی)

راہیں ہیں اور ان میں سے ہر راہ پر شیطان کھڑا ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے اور آپ ﷺ نے قرآنِ حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ [الانعام: ۱۵۴]

''(اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ) یہی راہ ہماری (ٹھہرائی ہوئی) سیدھی راہ ہے سو اسی پر چلو اور (دوسری) راہوں پر نہ چلو کہ (ان پر چل کر) اللہ کی راہ سے الگ ہو جاؤ گے ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم پرہیز گار بنو۔''

خطِّ مستقیم وہ سیدھا خط ہوتا ہے جس میں ادنیٰ سی بھی ٹیڑھ نہ ہو اور اگر اس میں معمولی سا بھی ٹیڑھ آ جائے تو وہ خط منحنی بن جائے گا۔اللہ کی راہ یعنی اسلام ہی وہ خطِّ مستقیم ہے جس پر چل کر کوئی شخص کامیابی سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔ اس کرہ ارضی پر سب سے پہلے انسان جناب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسی راہ صداقت پر چلنے کا حکم دیا اور تاکید فرمادی کہ وہ اپنی اولاد کو بھی اسی راہِ ہدایت پر چلنے کی تلقین کرتے رہیں۔ اولادِ آدم پھلی پھولی اور دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہوتی چلی گئی۔شیطان انسان کو نت نئی چالوں سے بھٹکانے اور ورغلانے کی کوشش کرتا رہا مگر جو انسان اللہ تعالیٰ کی مدد تلاش کرتے ہوئے صراطِ مستقیم پر ڈٹے رہے۔ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا اور جو خواہشاتِ نفسانی کا شکار ہوگئے اور شیطان کے مکروفریب میں آ گئے تو وہ سیدھی راہ سے دور جا پڑے اور تباہی و بربادی ان کا مقدر ٹھہرا۔ البتہ جو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر کے راہِ راست پر آ گئے وہ فلاح پا گئے۔ رحمت الٰہی نے ان بھولے بھٹکے انسانوں کے لئے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری فرمایا جن کی زندگیوں کا مشن یہی رہا کہ وہ خود بھی اسلام کی راہِ ہدایت پر چلے اور دوسرے انسانوں کو بھی اسی راہ پر چلنے کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ بھی اسی روشن ہدایت کو لے کر نسل انسانیت کے لیے تشریف لائے اور آپ کی امت کے لیے بھی اسی ہدایت کو زمین کے طول وعرض میں پھیلانے کا حکم ہوا۔

پس اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی سیدھی اور سچی راہ ہے، مکمل ضابطۂ حیات ہے، زندگی گزارنے کا لائحہ عمل ہے اور اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔صراطِ مستقیم صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اس کے علاوہ جو بھی ہوگا نافرمانی ہوگی شرک اور کفر ہوگا ،بدعت اور گمراہی ہوگی،نفاق ہوگا، بغاوت اور سرکشی ہوگی،ضد اور ہٹ دھرمی ہوگی۔ یہود و نصاریٰ کو یہی پندار اور غرور دعوتِ اسلام قبول کرنے سے مانع رہا ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ [آل عمران:۱۹]

''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا اور جو شخص اللہ کی آیات کو نہ مانے تو اللہ جلد حساب لینے والا (سزا دینے والا) ہے۔''

اس کے برعکس انسان جب عاجزی و خاکساری اختیار کرتا ہے اور سچائی اور نیکی کو دل میں جگہ دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ نورِ ایمان سے جلا پا جاتا ہے۔فرمایا:

﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ [المائدہ:۸۳]

''اور اہل کتاب میں سے وہ بھی تھے جب انہوں نے حق بات (قرآنِ حکیم) کو سنا جو آخری رسول محمد ﷺ پر نازل ہوا تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق بات کو پہچان لیا اور رب تعالیٰ کے حضور فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے تو ہمیں تسلیم و رضا اختیار کرنے والوں میں لکھ لے۔''

اسلام قبول کرنے کے بعد بندہ مومن کی زندگی سراپا احکامِ الٰہی کے تابع ہوجاتی ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ ﴾ [البقرہ:۲۰۸]

''مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ۔''

یہ آیت روشن اور واضح ہے کہ تمہاری زندگی کا ہر پہلو......! معاملات' تجارت' معاشرت اور معیشت' سیاست اور حکومت غرض یہ کہ زندگی کی ہر دوڑ دھوپ احکامِ الٰہی کے تابع ہوجائے آیئے تھوڑی دیر کے لئے ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں، کیا ہم اسلامی اصولوں کے مطابق زندگیاں گزار رہے ہیں ؟ کیا ہماری تعلیم' تجارت' حکومت' سیاست' عدالت' ہمارے لیل و نہار اسلامی اصولوں کے تحت بسر ہورہے ہیں؟ جواب میں سوائے شرمندگی اور ندامت کے کچھ بھی نہیں۔ اب تو یہ احساس بھی رخصت ہو رہا ہے۔ کم ازکم کوتاہیوں پر احساسِ ندامت بھی غنیمت تھا کہ اصلاح کی توقع کی جا سکتی ہے مگر افسوس اس کی جگہ تکبر اور غرور نے لے لی۔ جانتے بوجھتے ہوئے جرائم کا ارتکاب ہورہا ہے اور روز بروز بڑھتا ہی جارہا ہے۔ انہیں روکنے کی کسے فکر ہے؟ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی حکومت آج تک اسلامی نظامِ عدل قائم نہ کرسکی دینی احساس رکھنے والے دھڑے بندیوں کا شکار ہیں وہ آج تک اسلامی نظام برپا نہ کرسکے۔ کیا ہماری زندگیوں کے قیمتی لمحات یوں برباد

ہوجائیں گے؟ کیا ہم اللہ کے دین کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکیں گے؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہوجائیں گے؟

آیئے! خوابِ غفلت سے بیدار ہوجائیں اور باہم مل کر نظامِ اسلام کو غالب کرنے میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوجائیں۔

دعاء و التجاء:

«رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝»

[آل عمران:۸]

"اے ہمارے ربّ! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کیجئے گا اور ہم کو اپنی جناب سے رحمت عنایت فرمائیں بے شک آپ عطا فرمانے والے ہیں۔" (آمین یا رب العالمین)

قرآن اور قوموں کا عروج و زوال

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّ يَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ »

[رواہ مسلم، معارف الحدیث، کتاب الاذکار و الدعوات]

"سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآنِ حکیم) کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو رفعت اور بلندی عطا فرماتا ہے (عمل سے) اور بہت سے لوگوں کو پستی اور ذلت دیتا ہے (بدعملی سے)۔"

مولانا محمد منظور نعمانی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو قوم اور جو امت خواہ وہ کسی نسل سے ہو۔ اس کا کوئی بھی رنگ ہو اور کوئی بھی زبان ہو، قرآنِ مجید کو اپنا رہنما بنا کر اپنے آپ کو اس کا فرماں بردار بنا دے گی اور اس کے ساتھ وہ تعلق رکھے گی جو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سر بلند کرے گا اور اس کے برعکس جو قوم اور امت اس سے انحراف اور سرکشی کرے گی وہ اگر بلندیوں کے آسمان پر بھی ہوگی تو نیچے گرا دی جائے گی۔ اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ اس حدیث کی صداقت پر گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی آئینہ دار ہے۔ اس حدیث میں "أَقْوَامًا" کے لفظ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ عروج و زوال کے اس الٰہی قانون کا تعلق افراد سے نہیں بلکہ قوموں اور امتوں سے ہے۔" [معارف الحدیث، ج:۵]

آیئے ......! اپنے اسلاف کی زندگیوں کا قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کس طرح ان پر عمل پیرا ہو کر انھیں کامیابیاں اور سرفرازیاں ملی ہیں۔قرآنِ حکیم کی آیات شہ پارے ہیں اور وہ زندگی گزارنے کے ایسے سنہری اصول بتاتا ہے جن سے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انقلاب پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک ایسی شاہراہ پر گامزن ہو جاتی ہے جہاں کامیابی اور کامرانی یقینی ہو جاتی ہے مثلاً وہ افرادِ ملت کی ایسی شیرازہ بندی کرتا ہے کہ وہ ایک مضبوط قوت بن کر ابھریں ۔اس سلسلے میں اس کا یہ اعلان ابدی اوردائمی ہے:

﴿ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۖ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ ﴾ [آل عمران:۱۰۳]

”اور اللہ کی رسی (قرآنِ حکیم) کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ بندی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت (دین اسلام) کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی ۔ جب کہ (دورِ جاہلیت میں) تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اس (اللہ) نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی (نورِ ہدایت سے بہرہ ور ہوئے) تو تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔“

اخوّت کے اس رشتے کا عملی مظاہرہ ہجرت کے وقت ہوا : انصارِ مدینہ نے مہاجرین مکہ کا جس خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور جس جوش و جذبہ سے دیدہ و دل فرش راہ کیے۔ وہ تاریخ کا انمٹ حصہ بن گئے ۔انھیں اپنے کھیتوں اور کھلیانوں کی ، اپنے مکانوں اور زمینوں کی نصف نصف پیش کش کردی مگر مہاجرین کی غیرت نے اسے قبول نہ کیا اور اپنے دست و بازو سے محنت مزدوری سے تجارت اور کاروبار سے حق حلال کی روزی کمائی۔ اور انصار کی رفاقت اور محبت کے ہمیشہ ممنون رہے اور اخوّت کا یہ رشتہ ایسا مضبوط ہوا کہ میدانِ جنگ میں بھی وہ دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹ گئے اور اللہ کی رحمت سے فتح و نصرت سے ہمکنار ہوئے ۔قرآن ایسے ہی لوگوں کی تعریف اس طرح کرتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ۝﴾

[الصف:٤]

”اللہ یقیناً ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“

گوکہ وہ تعداد میں تھوڑے تھے مگر اتفاق و اتحاد کی قوت سے لیس تھے اور بڑے بڑے لشکروں پر

غالب آ جاتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ایسے ہی لوگوں کے شاملِ حال ہوتی ہے۔

﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ [البقرہ: ٢٤٩]

’’کتنی ہی تھوڑی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب رہی۔‘‘

اتفاق کی قوت ٹینکوں اور میزائلوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم یہی قوت مسلمانوں میں پیدا کرتا ہے۔ ہمارے اسلاف نے قرآن کی اس تعلیم پر عمل کیا تو وہ کامیاب رہے اور دشمنوں کو بھاری نقصان پہنچایا۔

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے

اسی اتفاق سے کبھی وہ دنیا کی بہترین قوت تھے اور جب سے نفس کے غرور اور امارت کے تکبر کے سبب فرقوں اور ٹولیوں میں بٹے ہیں۔ تمام تر شان وشکوہ اور عزت و وقار سے تہی دامن ہو چکے ہیں:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں!

قرآنِ حکیم نے بڑے شدّ و مدّ کے ساتھ دھڑے بندی سے روکا ہے اور تنبیہ کی ہے کہ اگر ایسا کرو گے تو زبردست نقصان اٹھاؤ گے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ [الانفال: ٤٦]

’’اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو، اللہ تعالیٰ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘

آج جدھر دیکھیں مسلمان اغیار کے ہاتھوں زَک اٹھا رہا ہے...... اسرائیل نے عربوں کا ناک میں دَم کر رکھا ہے۔ چیچنیا اور کشمیر میں مسلسل ظلم ہو رہا ہے۔ فلسطین کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ مسلمانوں میں اتحاد اور یک جہتی کا فقدان ہے۔ کیا اس کی وجہ مال و دولت کی کمی ہے؟ یقیناً یہ بات نہیں ہے۔ عرب ریاستیں سونا اگلتی ہیں، ان کے پاس اتنی دولت ہے کہ دنیا کو خرید سکتے ہیں مگر افسوس کہ فہم وشعور رخصت ہو چکا ہے اور ان میں اتحاد و اتفاق نظر نہیں آتا ہے۔

یہ تو صرف مسلمانوں کے آپس میں افتراق پر بات ہوئی ہے۔ ذرا غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ہماری زندگیوں کے مختلف شعبہ جات، قرآن کی زرّیں تعلیمات سے خالی نظر آتے ہیں۔ ہماری عدلیہ، ہماری سیاست، ہماری معیشت، ہمارے معاملات، ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی خواہشات، رسم ورواج، دنیاوی نام ونمود، تکبر اور ریا کاری کا شکار ہو چکے ہیں۔

حصول وطن کے لیے جو ان گنت جانی و مالی قربانیاں دی گئیں تھیں۔ان کا کیا مقصد تھا؟ یہ کہ اس خطۂ زمین پر اسلام کا پاکیزہ اور مصفی نظام جاری و ساری ہوگا سب کو بلا معاوضہ عدل و انصاف ملے گا۔مگر آج (۵۶)برس بیت جانے کے باوجود یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا ۔ اس وقت نو خیز اور نوجوان نسل گمراہی اور بے راہ روی کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے،ملک مقروض ، عدلیہ کمزور ، رشوت عام،ظلم و ستم کی راجدھانی، خیانت اور بد دیانتی کا دور دورہ ،عزت اور جان غیر محفوظ ۔ وغیرہ وغیرہ اور ادھر دینی جماعتیں آپس میں کٹی پھٹی...... اندھیرا ہی اندھیرا اور دُور دُور تک کہیں روشنی نظر نہیں آتی۔ سچ ہے:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

دعاء و التجاء:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [البقرة: ٢٠١]

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمایئے اور آتشِ جہنم سے بچایئے۔“ (آمین یا رب العالمین)

ذلت و اِدبار کی وجہ اور نجات کا طریقہ

وَ عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ: «یُوْشِكُ اَنْ تَدَاعٰی عَلَیْكُمُ الْاُمَمُ مِنْ كُلِّ اُفُقٍ كَمَا تَدَاعَی الْاَكَلَةُ عَلٰی قَصْعَتِهَا» فَقَالَ قَائِلٌ: فَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ ؟ قَالَ:« بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ كَثِیْرٌ وَلٰـكِنَّـكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّیْلِ وَلَیَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ وَلَیَقْذِفَنَّ فِیْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ » قَالَ قَائِلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: «حُبُّ الدُّنْیَا وَ كَرَاهِیَةُ الْمَوْتِ » [مشکوٰة باب تغیر الناس]

”سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قریب ہے کہ ہر طرف سے کفر کے گروہ تم پر جمع ہو کر تمہارے ساتھ لڑنے کے لئے اس طرح پل پڑیں جس طرح بھوکا کھانے کے پیالے کی طرف لپکتا ہے، ایک کہنے والے نے کہا: کیا ہم اس دن تعداد میں تھوڑے ہوں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعداد کے لحاظ سے تم اس دن بہت زیادہ ہوگے لیکن تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ہوؤ گے اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے سینوں

سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وھن (سستی) ڈال دے گا، کہنے والے نے پھر عرض کیا: اس وہن کا سبب کیا ہوگا؟ ارشاد ہوا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔"

لسانِ نبوت سے جو کچھ ارشاد ہوا آج وہ حقیقت ہمارے سامنے ہے مسلم ریاستوں اور ان میں کروڑوں کی تعداد میں بسنے والے مسلمانوں پر نگاہ ڈالئے ان کے معاشی و اقتصادی احوال بھی کوئی اتنے کمزور نہیں ہیں بلکہ عرب ریاستوں کی زمینیں تو اس وقت سونا اگلتی ہیں مال و دولت کی فراوانی ہے اور انہیں زندگی کی ہر سہولت اور آسائش مہیا ہے اس قدر خوش حالی، فارغ البالی کے باوجود ان میں کمزوری اور بزدلی پیدا ہو چکی ہے۔ اور وہ اغیار کے ہاتھوں بری طرح پس رہے ہیں۔ اسرائیل کو دیکھ لیجئے کہ سرزمینِ عرب پر سالہا سال سے غاصبانہ قبضہ جمائے ہوئے ہے اور عرب اس سے تعداد میں کئی گناہ ہونے کے باوجود بے چارگی و بے کسی کی کیفیت میں ہیں اور اس ظالم کے پیہم اور مسلسل ظلم وستم فلسطینیوں پر جاری ہیں مگر دوسرے مسلمان خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں کئی کروڑ مسلمان آباد ہیں اور آئے دن ہندوؤں کی زیادتیوں کا نشانہ بنتے رہتے ہیں مگر کتنے مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لئے بیقراری پیدا ہوتی ہے اور ان کی مدد کے لئے عملی قدم اٹھایا جاتا ہے مقبوضہ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کو آزادی دلانے میں ہم نے کیا کچھ کیا ہے؟ محض جلسوں اور جلوسوں سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا ہے۔ آذربائیجان کے مسلمان کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں مگر دشمن کے پنجۂ استبداد سے انہیں نجات دلانے کے لئے کتنے مسلمان ملکوں میں بیداری پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے عملی قدم اٹھایا ہے؟ حالانکہ جس پاکیزہ شریعت کو رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان ہمدردی و غمخواری میں ایک جسم کی مانند ہیں جب جسم کا ایک حصہ بے قرار ہو جاتا ہے تو جب تک اس حصہ کو آرام نہ آجائے تمام جسم کو کسی کروٹ راحت نصیب نہیں ہوتی ۔ یہ تعلیمات صرف منبر ومحراب تک سنانے کے لئے رہ گئی ہیں عملی طور پر اس کی کوئی شکل نظر نہیں آتی ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیے اور پڑھیے کہ ہمارے اسلاف میں جذبۂ اسلامی پوری طرح بیدار تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں ہمدردیوں کی قرآن شہادت دیتا ہے۔

﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ [الفتح:٢٩]

"وہ کفار کے مقابلے میں انتہائی سخت اور آپس میں انتہائی مہربان تھے۔"

تم ہو آپس میں غضب ناک، وہ آپس میں رحیم

تم خطا کار و خطابین' وہ خطا پوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

اخوت اور ہمدردی کا یہ جذبہ مسلمانوں میں صدیوں تک قائم رہا یہی جذبہ تھا جس نے حجاج بن یوسف کو ابھارا تھا کہ وہ بے گناہ مسلمان خواتین اور بچوں کو ظالموں سے نجات دلانے کے لئے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو سمندر پار سرزمین ہند بھیجے اور یہی وہ جذبہ تھا جو مسلمانوں کو انگریزوں اور سکھوں کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لئے سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید کو سرزمین بالاکوٹ کھینچ لایا تھا جہاں انہوں نے کفار سے جہاد کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔

جب تک مسلمانوں میں تعاون اور ہمدردی کا جذبہ رہا اور آڑے وقت میں وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے رہے انہیں عزت و رفعت کا مقام حاصل ہوا اور جب یہ جذبہ مضمحل ہوگیا تو جہاد کا سلسلہ بند ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی شوکت و عظمت بھی رخصت ہوگئی۔

آج مسلمان کو نیک اعمال سے نہیں دولت سے پیار ہے۔اسے شہادت حاصل کرنے کی نہیں دنیا میں رہنے کی آرزو ہے۔ ظاہر ہے کہ جب شہرت و اقتدار اور سیم و زر ہی مقصد زیست بن جائے تو دنیا اور اس کی چمک دمک میں دل لگتا ہے، جہاد اور شہادت کی خواہش رخصت ہوجاتی ہے۔ شہادت کی تمنا تو اسے ہوتی ہے جس کا دل اپنے رب سے ملاقات کے لئے تڑپتا ہو اور اس کے لئے وہ اپنی جان اور اپنا مال داؤ پر لگا دیتا ہے۔

مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمت صرف اور صرف اس طرح حاصل کرسکتا ہے کہ وہ اپنی جان اور مال راہ حق میں لٹا دے۔ اے اللہ ہمیں سچائی کی سمجھ عطا فرما اور ہمارے دلوں کو اس کی طرف پھیر دے۔آمین

دعاء و التجاء

« اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَآءِ وَدَرْكِ الشَّقَآءِ وَسُوْءِ الْقَضَآءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ »

”اے اللہ! ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں بلا کی مشقت سے اور بدبختی کے ملنے سے اور برے فیصلے سے اور دشمنوں کی خوشی سے۔“

اَفَحُکُمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ؟

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ اَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ: اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِیْثَ مِنْ یَهُوْدَ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰی اَنْ نَّکْتُبَ بَعْضَهَا ؟ قَالَ: «اَمُتَهَوِّکُوْنَ اَنْتُمْ کَمَا تَهَوَّکَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی ؟لَقَدْ جِئْتُکُمْ بِهَا بَیْضَاءَ نَقِیَّةً،وَلَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَّا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ »

''سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کی: کہ ہمیں یہودیوں کی کچھ باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں تو آپ کی کیا رائے ہے؟ کیاان میں سے کچھ ہم لکھ لیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم بھی گمراہی کے کھڈ میں گرنا چاہتے ہو جیسے یہود ونصارٰی (اپنی کتاب چھوڑ کر) کھڈ میں گر گئے ؟میں تمہارے پاس وہ شریعت لایا ہوں جو (مانندِ آفتاب)روشن ودرخشندہ اور (مانندِ آئینہ)صاف وشفاف ہے اور اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری ہی پیروی کرنی پڑتی۔''

تاریخ انسانیت پر نظر ڈالئے یہ انسان کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی عام مخلوق میں اشرف وافضل بنایاہے۔خواہشاتِ نفس کا غلام بن کر اپنا تمام تر شرف وکمال اورعزت ووقار کھودیتاہے۔سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کراس کے احکام کی پیروی کرے تو رتبہ میں فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔اور اگر وہ نفس کا غلام بن جائے تو پھر حیوانوں اور چارپایوں سے بھی بدتر ہے،اسکے اچھے برے اعمال ہی اس کی قدر وقیمت کو بڑھاتے یا گھٹاتے ہیں۔اس کے اعمالِ حسنہ اسے اوجِ ثریا پر پہنچا دیتے ہیں،اور اس کی بداخلاقیاں اسے قعرِ مذلت میں گرا دیتی ہیں۔جب اس کی زبان سچائی اور راست بازی سے آشنا رہتی ہے تو وہاں سے نکلا ہوا ہر لفظ وزن پاتاہے اور اس کی کامیابی کا سامان بنتاہے اور جب یہی گوشت کا چھوٹا سا لوتھڑا بدکلامی،فحش گوئی،غیبت اور جھوٹ سے گندہ ہوجاتاہے تو اس کے لیے تباہی وبربادی کا سامان بن جاتاہے۔سینے میں دھڑکتاہوا یہ مضغۂ گوشت جسے دل کہتے ہیں۔جب نورِ ہدایت سے روشن ہوتاہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی سماتی ہے اور وہ اس کے بندوں کے لیے سراپا خیر بن جاتاہے اور جب اس میں فساد وبگاڑ پیدا ہوتاہے تو یہ انسان کو کفر وشرک کی طرف دھکیلتاہے اور اس سے حسد وبغض،کینہ ونفرت ایسی برائیوں کا صدور ہوتاہے۔

انسان تعلیم وتربیت سے نیز کسی نمونہ اور آئیڈیل کی زندگی سے سیکھتا اور عمل کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مختلف ادوار میں انہی انسانوں میں سے نیک دل اور پاکیزہ انسانوں کو منتخب فرماتا رہا کہ یہ صالحین نیکی اور پاکیزگی کی راہ پر نہ صرف خود چلے بلکہ اس پر چلنے کی دوسروں کو تاکید ونصیحت کرتے رہے۔

پاکباز انسانوں کی یہ جماعت انبیاء ورسل کہلائی۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی ہے۔ ہر بستی اور ہر ملک میں پیغامِ حق سنانے والے تشریف لائے اور بھولے بھٹکے انسانوں کے لیے روشنی کا سامان فراہم کرتے رہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور ان کی تشریف آوری سے قبل انسانوں کی حالت کیا ہوگئی تھی۔ قرآن نے اس کا نقشہ کھینچا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾

[الجمعۃ۔۲]

”وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمد ﷺ) کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتے ان کا تزکیہ فرماتے اور انہیں اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتیں سکھاتے ہیں۔ یقیناً اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔“

الفاظ ﴿ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ کہہ کر قرآنِ حکیم نے عرب کی تمام برائیوں، بے حیائیوں، بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کو آشکار کر دیا ہے، پھر اس بگڑی ہوئی قوم کو رسول اللہ ﷺ نے جس طرح آیاتِ الٰہی کی تعلیم دی۔ ان کے اخلاق کو سنوارا اور نکھارا اور انہیں حکمت وبصیرت کی جس راہ پر ڈالا وہ بھی روشن اور ظاہر ہے۔ اس آیت کے تحت امام مراغی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

” ذَاكَ اَنَّ الْعَرَبَ قَدِیْمًا كَانُوْا عَلٰی دِیْنِ اِبْرَاهِیْمَ فَبَدَّلُوْا وَغَیَّرُوْا وَاسْتَبْدَلُوْا بِالتَّوْحِیْدِ شِرْكًا وَبِالْیَقِیْنِ شَكًّا وَابْتَدَعُوْا اَشْیَاءَ لَمْ یَأْذَنْ بِهَا اللّٰهُ،فَكَانَ مِنَ الْحِكْمَةِ اَنْ یَّبْعَثَ سُبْحَانَهُ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ بِشَرْعٍ عَظِیْمٍ فِیْهِ هِدَایَةٌ لِلْبَشَرِ وَبَیَانُ مَا هُمْ فِیْ حَاجَةٍ اِلَیْهِ مِنْ اُمُوْرِ مَعَاشِهِمْ وَمَعَادِهِمْ “ [تفسیر مراغی]

”یہ بات ہے کہ عرب شروع میں ابراہیم علیہ السلام کے سچے دین پر تھے۔ پھر اس میں ردّوبدل شروع کیا۔ توحید کی جگہ شرک نے لے لی۔ راہِ یقین کی جگہ شک وشبہات کے کانٹے بکھر گئے اور ان سے ایسے ایسے اعمال سرزد ہونے لگے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تھا۔ اس کی رحمت وحکمت کا تقاضا ہوا کہ رسول معظم ﷺ کو عظیم شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس

میں نوعِ انسانی کے لیے ہدایت ورہنمائی ہے اور ان کی دنیوی واخروی صلاح وفلاح کا سروسامان موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے ذریعہ انسانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو دنیا کے لیے امن وسلامتی کا پیغام لے کر اٹھی۔انہوں نے تعلیماتِ قرآن کو حرزِ جان بنایا۔اللہ تعالیٰ کی رحمت نے انہیں ڈھانپ لیا۔وہ جہاں کہیں جاتے کامیابیاں ان کے قدم چومتیں۔وہ تعداد میں تھوڑے تھے مگر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مربوط اور منظّم تھے۔وہ اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے مشرق ومغرب میں پھیل گئے اور جہاں گئے وہاں اسلام کا نظامِ عدل قائم کیا۔ان کے زیر سایہ اقوامِ عالم نے سکھ اور اطمینان کا سانس لیا۔بعد میں آنے والے جولوگ ان ابرار وصالحین کے نقشِ قدم پر چلے تو انہیں بھی ویسی ہی کامیابیاں ملتی رہیں پھر رفتہ رفتہ ایسے لوگ آئے جنہوں نے سچائیوں کو نظر انداز کیا اور وہ خواہشاتِ نفس کا شکار ہوئے دینی تعلیمات اور فرائض کو بھلادیا۔تو ذلت ونامرادی کا انہیں سامنا کرنا پڑا۔

﴿ فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ أَضَاعُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَٱتَّبَعُواْ ٱلشَّهَوَٰتِۖ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۝ ﴾ [مریم-۵۹]

"پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو چھوڑا (گویا اسے ضائع کردیا)اورخواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ گئے سوعنقریب انہیں (وادی) غَیّ میں ڈالا جائے گا۔"

آج مسلمانوں پر ذلت و ادبار کی گھٹا چھارہی ہے۔وہ جابجا پریشانیوں سے دو چار ہیں۔ انہیں فقروفاقہ کانہیں بلکہ دشمن کا خوف ستارہاہے۔ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے مکان کے پاس ہی ٹھنڈے پانی کا چشمہ رواں دواں ہومگر وہ اپنی پیاس بجھانے کے لیے ادھرادھر مارا مارا پھرتا ہو، انہوں نے اللہ کے دین کو بھلادیاہے تعلیماتِ اسلامی سے ان کی زندگیاں خالی نظر آتی ہیں۔ان کی پریشانیوں کا سبب یہی ہے۔انھیں اپنی کھوئی ہوئی عظمت صرف اورصرف اسلام پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہونے سے ہی مل سکتی ہے۔لیکن وہ روشن دین کو چھوڑ کر جاہلیت کے تاریک نظام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ الۡهُدٰى وَالتُّقٰى وَالۡعَفَافَ وَالۡغِنٰى »

"اے اللہ میں آپ سے ہدایت، پرہیز گاری، عفت اور (دل کی) تونگری کا طلب گارہوں۔" (آمین)

نماز

پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی یاد

عَنْ أَبِیْ مَالِكٍ الْحَارِثِ بْنِ عَاصِمٍ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ۔ اَوْتَمْلَاءُ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ، وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَايِعٌ نَّفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا» [رواہ مسلم]

''سیدنا ابو مالک حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پاکیزگی نصف ایمان ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (کا ورد، روزِ جزا) میزان کو بھر دے گا، اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ (کی تسبیحات) یا ان میں سے ہر ایک زمین و آسمان (کے خلا) کو (نیکیوں سے) بھر دیتے ہیں، اور نماز نور ہے، اور صدقہ، برہان (کامیابی کی دلیل) ہے۔ اور صبر (مصائب و مشکلات میں زادِ راہ) روشنی ہے اور قرآن حجت ہے تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف (تمہارے حق میں سند کا کام دے گا اگر اس کی تعلیمات پر عمل کیا اور تمہارے خلاف حجت بن جائے گا اگر اس کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا) ہر شخص ہر (طلوع ہونے والے دن میں) اپنے نفس کا سودا کرتا ہے، یا تو اسے آزاد کرا لیتا ہے یا اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔''

بعض الفاظ کی تشریح:

''اَلطُّهُوْرُ'' مصدر ہے جس کے معنی پاک اور صاف ستھرا ہونا یا حاصل بالمصدر کے طور پر اس کے معنیٰ ''پاکیزگی'' اور ''صفائی'' کے ہیں، امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''طہارت (پاکیزگی) دو قسم پر ہے: طہارتِ جسمانی اور طہارتِ قلبی، اور قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں طہارت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ وہاں بالعموم دونوں قسم کی طہارت مراد ہے۔'' [مفردات القرآن]

حقیقت یہ ہے طہارتِ جسمانی تو جسم و لباس کو میل کچیل اور بول و براز سے حفاظت اور نظافت سے حاصل ہوتی ہے جب کہ طہارتِ قلبی کا حصول شرک و بدعت حسد و بغض ایسے رذائل سے بچنے اور دعوتِ ایمان قبول کرنے سے ممکن ہوتا ہے، ایمان کے بغیر دل کبھی پاکیزہ نہیں ہوسکتا ہے، اس لیے مشرکین کے بارے میں قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ ﴾

[التوبہ: ۲۸]

''مشرکین ناپاک ہیں، لہٰذا اس سال (فتح مکہ) کے بعد یہ مسجدِ حرام (حرمت اور عزت والی مسجد) کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔''

جو لوگ حالتِ ایمان میں رہیں اور جسم و لباس کی پاکیزگی کا بھی خیال رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ پسندیدہ لوگ ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ [البقرہ: ۲۲۲]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو (اپنی خطاؤں اور غلطیوں پر اس کے حضور) توبہ کرتے رہتے ہیں اور پاکیزگی اختیار کیے رہتے ہیں۔''

بلاشبہ شرفِ انسانیت کا کمال ظاہر اور باطن کی صفائی اور پاکیزگی ہی سے اجاگر ہوتا ہے۔

'' شَطْرُ الْاِيْمَانِ'' نصف ایمان، اور بعض نے اس کا ترجمہ جزوِ ایمان کیا ہے، اس کو مثال سے یوں سمجھیے کہ جس طرح کوئی عمارت بنیاد کے بغیر کھڑی نہیں ہوسکتی ہے، اسی طرح ظاہر و باطن کی طہارت کے بغیر اعمال پروان نہیں چڑھ سکتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں ایک جگہ آتا ہے:

﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ ﴾ [فاطر: ۱۰]

''اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور عملِ صالح انہیں پروان چڑھاتے ہیں۔ (درجۂ قبولیت تک پہنچاتے ہیں)''

یعنی جب تک طہارتِ نفس سے کوئی عمل نہ کیا جائے اس کے یہاں شرفِ قبولیت نہیں پاتا۔

ایک اور مقام پر اصلاحِ نفس کو کامیابی کی نوید بتلایا گیا ہے۔

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ ﴾ [الشمس: ۹-۱۰]

''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے خاک میں ملا دیا۔''

باطن کی طہارت لامحالہ ظاہری طہارت کا شعور اجاگر کرتی ہے۔ بندۂ مومن کے جسم و لباس پر اگر غلاظت لگ جائے، تو جب تک وہ اسے پانی سے اچھی طرح صاف نہیں کر لیتا ہے اسے اطمینان اور یکسوئی نصیب نہیں ہوتی ہے، وہ کسی گلی کوچے سے گزرتے وقت ٹپکتے ہوئے پرنالے سے بچ بچا کر گزرتا ہے، اسی طرح کسی برائی کی مجلس اور محفل سے پہلو تہی کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴾ [الفرقان:۷۲]

''(رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جن کا اگر کسی لغو چیز پر گزر ہو تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔''

(یعنی بے پرواہی سے گزر جاتے ہیں ادھر نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔)

اسی سے انہیں باطنی طہارت نصیب ہوتی ہے، اس کے بغیر کوئی عبادت بھی قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ ﴾ [سورۃ الاعلیٰ: ۱۴،۱۵]

''فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور پھر نماز پڑھی۔''

آیاتِ مبارکہ کی ترتیب واضح اور روشن ہے، نماز ایسی قیمتی عبادت سے پہلے ضروری ہے کہ انسان اپنے دل کو قرآن و سنت کی روشنی میں تمام رذائل سے پاک و صاف بنا لے ......جن میں سرفہرست شرک و کفر، حسد و بغض، مکر و فریب، خیانت اور بددیانتی اور اسی قبیل کے دوسرے رذائل ہیں۔

حج ایسے قیمتی سفر کے لیے، آنے جانے کا خرچہ (حق حلال روزی) ضروری امر ہے، مگر اصل زادِ راہ کیا ہے، قرآن بتاتا ہے:

﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ﴾ [البقرہ:۱۹۰]

''سفرِ حج کے لیے زادِ راہ ساتھ لے جاؤ اور سب سے بہتر زادِ راہ تو پرہیز گاری ہے۔''

ظاہر ہے کہ تقویٰ کا تعلق باطن سے ہے اور باطن کی اصلاح ہی سے اعمال کی قدر و قیمت پڑتی ہے رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے اصلاحِ نفس کے لیے یہ دعائیں بھی تھیں۔

((اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا، وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا، اَنْتَ وَلِيُّهَا ، وَمَوْلَاهَا۔))

''اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ سے آراستہ فرما، اور اس کا تزکیہ فرما دے، تو ہی اس کا بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے، تو ہی اس کا ولی (نگہبان) اور تو ہی اس کا آقا ہے۔''

« اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِّنْ عَلَانِیَتِیْ ، وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحًا۔ »

''اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا دے اور میرے ظاہر کو بھی صالح بنا دے۔''

(دیکھیے، حصن حصین اور پیارے رسول ﷺ کی پیاری دعائیں)

جب انسان کے ظاہر و باطن کو طہارت میسر آجاتی ہے تو پھر اس کے تمام اعمال سنورتے اور سدھرتے ہیں، روشن ہوتے ہیں اور قیمت پاتے ہیں، جس کے لمحات اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر ہوتے ہیں وہ ان لوگوں میں ہو جاتا ہے۔ جن کے متعلق قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ ﴾ [آل عمران: ۱۹۱]

''جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال اور ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کی یاد تو سب سے بلند و بالا ہے۔

﴿ وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ ﴾ [العنبکوت: ٤٥]

''اور اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی بات ہے۔''

اسی ذکر سے زمین و آسمان کی خلا بندۂ مومن کی ذکر و فکر سے معطر ہو جاتی ہے اور یہی ذکر روزِ جزاء میزان کو بھر دے گا جس میں انسانوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کی ابتداء « اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ » سے کی ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اعمال کو پروان چڑھانے کے لیے نیتوں کی اصلاح ضروری ہے اور آخری حدیث کو اس طرح لکھا ہے۔

« کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ، خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ، ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ : سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ »

''(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا) دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ زبان پر وہ ہلکے پھلکے ہیں اور (روزِ قیامت) اعمال کے ترازو میں بوجھل اور وزنی ہوں گے۔

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ))

''پاک ہے اللہ تعالیٰ اپنی حمد و ستائش کے ساتھ اور پاک ہے اللہ تعالیٰ اپنی عظمتوں کے ساتھ۔''

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کا ذکر ہی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ ظاہر و باطن کی طہارت کے ساتھ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے، اعمال کی قیمت بڑھتی جاتی ہے، پھر ''اَلصَّلٰوۃُ نُوْرٌ'' (نماز روشنی کا سامان ہے۔)

مومن کو اس سے ٹھنڈک اور راحت نصیب ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کرتے تھے۔

« یَا بِلَالُ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاَرِحْنَا بِھَا » [سنن ابی داؤد، بحوالہ تحفہ علم و حکمت ابو عامر محمد اسحاق خاں]

''اے بلال! نماز کے لیے اذان و اقامت کہہ کر ہماری راحت کا سامان کرو۔''

پھر ارشاد ہوا۔

« جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ » [تحفہ علم وحکمت]

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔''

''پھر یہی نماز قبر کی تاریکی میں راحت کا سامان بنے گی۔''

« صَلُّوْا رَکْعَتَیْنِ فِیْ ظُلَمِ اللَّیْلِ لِظُلْمَۃِ الْقُبُوْرِ » [تحفہ علم وحکمت]

''قبر کے اندھیرے سے بچنے کے لیے رات کے اندھیروں میں دو رکعت نماز پڑھا کرو۔''

اور پھر روزِ جزا یہی روشنی جنت کی طرف راستہ آسان بنا دے گی۔''

﴿ یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ ﴾

[الحدید:۱۲]

''اس دن جب کہ تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا (کہ کامیابی کا پروانہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا)''

''وَالصَّدَقَۃُ بُرْھَانٌ'' اورصدقہ، برہان (کامیابی کی دلیل) ہے، صدقہ و خیرات سے نفس کو طہارت اور تزکیہ نصیب ہوتا ہے، اللہ کی راہ میں غرباء و مساکین کی خدمت سے اللہ سے محبت اور لگاؤ بڑھتا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا ﴾ [التوبہ: ۱۰۳]

'' (اے نبی ﷺ) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کیجئے (اس طرح) ان کا تزکیہ کیجئے۔''

''وَالصَّبْرُ ضِیَاءٌ'' (اور صبر روشنی ہے) صبر سے بندۂ مومن مشکلات و مصائب پر قابو پا لیتا ہے، قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر اس کی نصیحت کی ہے، ایک جگہ ارشاد ہوا۔

﴿ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ﴾ [البقرہ: ۴۵]

''(مشکلات و مصائب میں) صبر اور نماز (کی ادائیگی) سے (اللہ تعالیٰ) کی مدد طلب کرو۔''

صبر کا اجرعظیم اور لازوال ہے۔

﴿ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾ [الزمر: ۱۰]

صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

" وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَیْكَ "

"قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف حجت بن جائے گا۔"

ظاہر ہے کہ اس کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونا کامیابی کی راہ ہے۔ جب کہ اس کی تعلیمات کو نظر انداز کر دینا خسارے اور نقصان کا باعث ہے۔ آج امتِ مسلمہ کی زبوں حالی اور رسوائی کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ اس نے اس کی زرّیں تعلیمات کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے۔ اس پر شاعرِ مشرق اس طرح آنسو بہاتے ہیں۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یہ تو دنیا کا حال ہے اور میدانِ محشر زبانِ رسول ﷺ ربِّ کریم کے حضور اس طرح فریاد کناں ہوگی۔

﴿ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ [الفرقان: ۳۰]

اور رسول اللہ ﷺ کہیں گے "میرے رب! میری قوم کے یہی لوگ ہیں (بے عمل) جنہوں نے اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنا رکھا تھا۔"

« كُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْا فَبَایِعٌ نَّفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا اَوْمُوْبِقُهَا۔ »

"ہر شخص ہر (طلوع ہونے والے دن میں) اپنے نفس کا سودا کرتا ہے یا تو اسے (جہنم) سے آزاد کرا لیتا ہے، (اعمالِ حسنہ کے ساتھ) یا اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ (اعمالِ سیئہ کے ساتھ)"

شاعر اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

دعا والتجاء:

« یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ »

" اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثبات و قرار عطا فرمایئے۔" (آمین یا رب العالمین)

مسواک

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :« لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ »

[رواہ البخاری و مسلم ، المتجر الرابح ۔ابواب الطهارة]

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر اس چیز کے گراں گزرنے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔“

کسی ڈینٹسٹ (Dentist) کے یہاں علاج معالجے کی غرض سے آپ کو اگر جانے کا اتفاق ہوا ہے تو آپ کی نظر سے یہ جملہ جلی حروف میں لکھا ہوا گزرا ہوگا ”دانت اچھے تو صحت اچھی......“

یہ نوشتۂ دیوار اچھی صحت کا وہ سنہری اصول ہے جسے طبیب اعظم خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے کوئی سوا چودہ سو برس قبل اپنی امت کو باتاکید نہ صرف ارشاد فرمایا بلکہ اس پر عمل پیرا ہو کر اچھی صحت کی عمدہ مثال بھی قائم فرما دی، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دستورِ حیات ہمیں روحانی مسرتیں بھی عطا کرتا ہے اور جسمانی راحتیں بھی ، ہماری آخرت بھی سنوارتا ہے اور دنیا بھی ، ہماری معاش کی بھی نگرانی کرتا ہے اور ہمارے معاد کی بھی۔

ہمارے کھانے پینے کا راستہ ہمارا منہ (Mouth) ہے جس میں دانت اور زبان کی بڑی اہمیت ہے۔ ہمارے جسم میں گوشت پوست، طاقت و توانائی، ہڈیوں کی بڑھوتی اور مضبوطی کا انحصار خوراک کے اچھی طرح ہضم ہونے پر ہے۔ اگر دانت مضبوط ہوں گے اور منہ صاف رہے گا تو منہ کے ذریعے صاف ستھری غذا معدہ میں پہنچ کر جزوِ بدن ہوگی اور اس سے صالح خون پیدا ہوگا جو رگوں میں گردش کرکے ہمیں چاق و چوبند رکھے گا۔ اور یاد رہے کہ دانتوں کی مضبوطی اور منہ کی صفائی اسی صورت میں ممکن ہے کہ ترتیب اور تواتر سے مسواک کی جائے جس سے معدے اور دانتوں کو مضبوطی ملے گی اور اس کے نتیجے میں صحت بھی بحال رہے گی۔

اطباء کا کہنا ہے: کہ اگر دانتوں کی دیکھ بھال اور صفائی نہ کی جائے تو انہیں کیڑا لگ جاتا ہیں وہ اندر سے کھوکھلے ہو جاتے ہیں۔ بسااوقات درد کرتے ہیں، کیڑا لگنے کا مرض علاج معالجے سے عارضی طور پر دب جاتا ہے اور اگر صفائی نہ رکھی جائے تو پھر لوٹ آتا ہے۔ مسوڑھوں سے پیپ آنے لگ جاتی ہے۔ وہ پیپ تھوک کے ساتھ پیٹ میں جاتی رہتی ہے جس سے معدہ خراب ہونے لگتا ہے اور اس کا زہر تمام جسم

میں پھیل جاتا ہے جس سے صحت گرنے لگتی ہے اور نت نئی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ دل تیز دھڑکنے لگتا ہے جگر اپنا کام چھوڑ دیتا ہے ۔ پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں، دماغ کمزور اور آنکھوں کی بینائی کم ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

پیٹ کے بہت سے امراض سے نجات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دانتوں کی صفائی کا پوری طرح خیال رکھا جائے۔اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مختلف پیرائے اور انداز سے لوگوں کو ترغیب دلائی ہے۔

سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کے فرشتے جبرائیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آئے ہر دفعہ انھوں نے مجھے مسواک کے لیے ضرور کہا۔ خطرہ ہے کہ (جبرائیل علیہ السلام کی بار بار کی اس تاکید اور وصیت کی وجہ سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو مسواک کرتے کرتے گھسا نہ ڈالوں۔“ [مسنداحمد معارف الحدیث، جلد سوم]

مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے اس کی معنی خیز تشریح فرمائی ہے۔

”مسواک کے بارے میں جناب جبرائیل علیہ السلام کی بار بار یہ تاکید و وصیت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ تعالیٰ سے مخاطب اور مناجات میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا وظیفہ ہو، اس کے لیے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔“ [کتاب الطہارۃ، معارف الحدیث]

- اور یہ بھی آتا ہے کہ ہر نیند لینے کے بعد آپ ﷺ وضو اور مسواک کا اہتمام ضرور فرماتے تھے۔
- سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے۔

[سنن ابی داؤد۔ معارف الحدیث کتاب الطہارۃ]

- ایک اور حدیث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مسواک کرنا، سنتِ انبیاء اور فطرت کا تقاضا ہے۔
- سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں...... ایک حیا، دوسری خوشبو لگانا، تیسری مسواک کرنا اور چوتھی نکاح کرنا۔

« اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ ، اَلْحَیَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ »

[رواہ الترمذی معارف الحدیث ، ایضا]

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق دس باتیں امورِ فطرت میں سے ہیں۔ امّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دس چیزیں امورِ فطرت میں سے ہیں:

1. مونچھوں کا ترشوانا۔
2. داڑھی کا چھوڑنا۔ (یعنی اس کی حالت پر چھوڑ دینا کہ بڑھتی رہے)
3. مسواک کرنا۔
4. ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا۔
5. ناخن ترشوانا۔
6. انگلیوں کے جوڑوں کو (جن میں اکثر میل کچیل رہ جاتا ہے انہیں اہتمام سے) دھونا۔
7. بغل کے بال لینا۔
8. زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرنا۔
9. اور پانی سے استنجا کرنا۔......''

حدیث کے راوی زکریا کہتے ہیں: ہمارے شیخ مصعب نے بس یہی نو چیزیں ذکر کیں اور فرمایا کہ دسویں چیز بھول گیا ہوں اور میرا گمان یہی ہے کہ ''وہ کلی کرنا ہے۔'' [مسلم۔ معارف الحدیث۔ حوالہ ایضاً]

یہ دس باتیں " عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ " کہلاتی ہیں بعض شارحین نے " اَلْفِطْرَةُ " سے دینِ فطرت یعنی دینِ اسلام مراد لیا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی آتا ہے۔ [سورة الروم : ۳۰]

اپنی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں: کہ دانتوں کی صفائی اور منہ کی پاکیزگی انسانی فطرت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مسواک کیا کرو، مسواک کرنا منہ کی صفائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا سبب ہے۔ جب بھی جناب جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے، انھوں نے مجھے مسواک کی تاکید کے ساتھ نصیحت کی، یہاں تک کہ مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ مجھ پر اور میری امت پر فرض کر دی جائے گی اور اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ یہ (بات) امت کے لیے مشکل کا باعث ہو گی تو میں اسے فرض کر دیتا۔ میں اس قدر مسواک کرتا ہوں کہ مجھے اگلے دانتوں کے گرنے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔'' [ابن ماجة۔ المتجر الرابح، باب فضائل الطهارة]

جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے اس کی فضیلت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے اس نماز کے مقابلہ میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے، ستر گنا فضیلت رکھتی ہے۔“

[شعب الایمان للبیہقی۔معارف الحدیث]

مسواک کرنے سے طبیعت ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے اور نمازی کو چونکہ اپنے خالق و مالک سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس نظافت و طہارت کے ساتھ رتبہ احسان کی کیفیت پیدا ہونے کا بھی خاصا امکان ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ صحیح و سالم عقل کے لیے صحت مند جسم کا ہونا ضروری ہے۔ٹھیک اسی طرح مضبوط اور اچھے معدے کے لیے صحت مند زبان اور دانتوں کا ہونا لازمی ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ انھیں باقاعدگی سے صاف رکھا جائے۔ دانتوں کی صفائی مسواک کے علاوہ ٹوتھ برش اور ٹوتھ پیسٹ اور کسی اچھے منجن ، نمک ،پھٹکری وغیرہ سے بھی ہوسکتی ہے۔مقصد منہ کی اچھی طرح صفائی ہے مگر تازہ کیکر یا پھلاہی کی مسواک افادیت میں لا جواب ہے، اسے آہستہ آہستہ کرکے پانچ ، دس منٹ تک چبایا جائے تو اس سے مسوڑھے مضبوط رہتے ہیں۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ صِحَّةً فِیۡ اِیۡمَانٍ وَاِیۡمَانًا فِیۡ حُسۡنِ خُلُقٍ »

”اے اللہ ! میں آپ سے ایمان کی حالت میں تندرستی کا طلب گار ہوں اور حسنِ اخلاق میں ایمان کا طالب ہوں۔“

وضو کی اہمیت و فضیلت

عَنۡ أَبِیۡ هُرَیۡرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ :« أَلَا اَدُلُّكُمۡ عَلٰی مَا یَمۡحُوۡاللّٰهُ بِهِ الۡخَطَایَا وَیَرۡفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ » قَالُوۡا: بَلٰی یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ ، قَالَ:« اِسۡبَاغُ الۡوُضُوۡءِ عَلَی الۡمَكَارِهِ ، وَكَثۡرَةُ الۡخُطَا اِلَی الۡمَسَاجِدِ ، وَانۡتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعۡدَ الصَّلٰوةِ ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ ! فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ »

[رواہ مسلم۔ المتجر الرابح ابواب اطھارۃ]

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایسے کام نہ بتاؤں جن کے باعث اللہ تعالیٰ گناہ ختم کردیتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے؟ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیں۔ آپ نے فرمایا: تکلیف اور ناگواری کے باوجود مکمل وضو کرنا، مسجد کی طرف زیادہ قدم چل کر جانا (دور دراز سے آنا اور بار بار آنا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ یہی رباط ہے، یہی رباط ہے۔''

وضو کیا ہے؟:

بظاہر ایک خاص طریقے کے مطابق بعض جسمانی اعضاء کی طہارت اور پاکیزگی کا نام وضو ہے جو فریضۂ نماز کی ادائیگی کے لیے شرط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندۂ عاجز خالقِ کائنات کے حضور جب کھڑا ہوتا ہے تو آدابِ بندگی کا تقاضا ہے کہ وہ جسم و روح دونوں کی طہارت کے ساتھ کھڑا ہو۔ باطن اگر کفر و شرک کے رذائل سے پاک ہو تو ظاہر بھی نجاست اور گردو غبار سے صاف ہوتا ہے۔ ایسی ہی نماز فلاح و کامرانی کی ضامن ہوتی ہے۔

ذرا غور کیجیے کہ کسی برتن کو باہر سے مانجھ کر خواہ کتنا ہی چمکا دیا گیا ہو، اگر وہ اندر سے گندا نظر آئے تو سلیم الفطرت شخص اس میں کھانا پینا کبھی بھی پسند نہیں کرے گا یا پھر اس برتن کو اندر سے تو خوب چمکایا گیا ہو مگر اس کے باہر کے کنارے غلیظ نظر آئیں تو بھی اس میں کھانے پینے سے طبیعت اِبا (انکار) کرے گی۔ معلوم ہوا کہ ظاہر اور باطن دونوں کا صاف ستھرا ہونا فطرت کی آواز ہے۔

اسلام کے نزدیک باطن کی طہارت یہ ہے: کہ وہ شرک و کفر، حسد و بغض، حرص و طمع، فخر و غرور ایسے رذائل سے پاک ہو، اور ظاہر کی طہارت یہ ہے: کہ وہ بول و براز، نجاست اور گندگی سے صاف ہو۔ ربّ کریم کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ ﴾ [البقرہ:۲۲۲]

بلاشبہ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو بہت زیادہ توبہ کرتے ہیں اور جو پاکیزگی اختیار کیے رہتے ہیں۔''

اس میں اشارہ ہے کہ یہ ابرار و صالحین اپنے باطن اور ظاہر دونوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ قباء کی بستی میں رہنے والے اہل ایمان کی تعریف میں قرآنِ حکیم اعلان کرتا ہے:

﴿ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ ﴾ [التوبہ:۱۰۸]

''اس میں ایسے بندے ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والے بندوں کو پسند کرتا ہے۔''

پھر لسانِ نبوت ﷺ سے جو ارشاد ہوا ہے کہ:

« اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ »

”طہارت (اسلام کا صرف ایک حکم ہی نہیں ہے بلکہ) نصف ایمان ہے۔“

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں فلسفۂ طہارت پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ایک سلیم الفطرت اور صحیح المزاج انسان جس کا قلب بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب اور ان میں مشغول نہ ہو، جب وہ کسی نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے یا اسے بول و براز کا تقاضا ہوتا ہے یا وہ حالتِ جنابت میں ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس میں ایک خاص قسم کا انقباض و تکدّر، گرانی، ثقالت، ظلمت اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔ پھر جب وہ فراغت حاصل کرکے استنجا و طہارت کرلیتا ہے اور غسل کرنے کے بعد صاف ستھرا لباس زیبِ تن کرتا ہے اور خوشبو سے دل و دماغ کو معطر کرتا ہے تو یہ انقباض و تکدّر کی کیفیت جاتی رہتی ہے۔ اور اس کی جگہ فرحت و انبساط، خوشی اور انشراحِ صدر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو پہلی کیفیت اور حالت کو ”حَدَث“ یا ناپاکی اور دوسری حالت کو ”طہارت“ یا پاکیزگی کہتے ہیں۔ سلیم الفطرت اور صاحبِ ذوق ان دونوں حالتوں میں واضح فرق محسوس کرتے ہیں وہ حالتِ اولیٰ کو ناپسند اور ثانیہ کو پسند کرتے ہیں۔“

حالت ثانیہ یعنی طہارت کی حالت ملاء اعلیٰ یعنی مَلَائِکَۃُ اللّٰہِ (اللہ کے فرشتوں) سے بہت مشابہت و مناسبت رکھتی ہے، اس لیے کہ وہ دائمی طور پر بہیمی آلودگیوں سے پاک صاف اور اپنی نورانی کیفیات سے شاداں وفرحاں رہتے ہیں، چنانچہ حسبِ امکان طہارت و پاکیزگی کا اہتمام و دوام انسانی روح کو ملکوتی کمالات (فرشتوں کی خوبیاں) حاصل کرنے اور رب کائنات کی خوشنودی حاصل کرنے کا اہل بنا دیتا ہے۔ اس کے برعکس جب انسان حدث اور ناپاکی کی حالت میں ڈوبا رہتا ہے تو اس کو شیاطین سے ایک مناسبت و مشابہت حاصل ہو جاتی ہے اور شیطانی وساوس و خیالات کی قبولیت کی ایک خاص استعداد اور صلاحیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس کا باطن اور اس کی روح تاریکی اور ظلمت کا شکار ہو جاتے ہیں۔“ [حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱]

اسی لیے نماز سے قبل جب کوئی بندۂ مومن وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے اور کوئی عضو خشک رہنے نہیں دیتا اور پھر وضو کے بعد صدق دل سے کہتا ہے:

« اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ »

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

ان کلمات کی ادائیگی کے ساتھ جنت کے آٹھوں دروازے اس شخص کے لیے کھول دیے جاتے ہیں وہ جس دروازے سے بھی چاہے گا اس میں داخل ہو جائے گا۔[صحیح مسلم۔معارف الحدیث ، کتاب الطهارة]

اس حدیث کی تشریح میں مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے:

"وضو کرنے سے بظاہر صرف اعضاءِ وضو کی صفائی ہوتی ہے، اس لیے مومن بندہ وضو کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل میں اعضاءِ وضو تو دھو لیے اور ظاہری طہارت اور صفائی کر لی لیکن اصل گندگی تو ایمان کی کمزوری ، اخلاص کی کمی اور اعمال کی خرابی کی گندگی ہے۔ اس احساس کے تحت وہ کلمۂ شہادت پڑھ کے ایمان کی تجدید اور اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی پوری پیروی کا گویا نئے سرے سے عہد کرتا ہے، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کامل مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے، اور جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے ۔ اس کے لیے جنت کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔ امام مسلم ہی نے ایک دوسری روایت میں اسی موقع پر کلمۂ شہادت کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:

« اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ »

نیز اسی حدیث کی ترمذی کی روایت میں اس کلمۂ شہادت کے بعد « اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ » کا بھی اضافہ ہے۔[معارف الحدیث: ج:۳]

وضو سے نہ صرف ظاہری طور پر طہارت و نظافت اور پاکیزگی کا سامان ہوتا ہے بلکہ اس سے ایک خاص قسم کی روحانی نشاط و انبساط کی کیفیت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ طبی نقطۂ نظر سے بھی بہت سے فوائد و ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ آنکھوں کی صفائی سے وہ روشن ہوتی ہیں ، منہ اور دانتوں کی صفائی سے معدے کی بہت سی بیماریوں سے حفاظت ہوتی ہے۔ سر کے مسح سے دورانِ خونِ متوازن ہوتا ہے اور یہ بلڈ پریشر کا شافی علاج ہے، وضو کرنے کے بعد تھکا ماندہ جسم تر و تازہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کے نتائج اس طرح بھی ظاہر ہوتے ہیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرے امتی قیامت کے دن بلائے جائیں گے تو وضو کے اثر سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں روشن اور منور ہوں گے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس تم میں سے جو کوئی اپنی وہ روشنی اور نورانیت بڑھا سکے اور مکمل کر سکے تو ایسا ضرور کرے۔" [بخاری ومسلم بحوالہ معارف الحدیث]

جب تک بول و براز کی حاجت نہ ہو یا پیٹ سے ریح کا اخراج نہ ہو، وضو قائم رہتا ہے اور اس وضو سے نمازیں ادا کی جا سکتی ہیں تاہم وضو پر وضو کرنا بھی اپنی جگہ بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے طہارت کے باوجود (یعنی باوضو ہونے کے باوجود تازہ) وضو کیا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔''

[جامع ترمذی بحوالہ معارف الحدیث]

اس میں بھی وقت اور حالات کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ سفر کی حالت میں بار بار وضو مشکل ہوگا، پھر کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض جگہ پانی کی قلت ہوتی ہے اگر آپ کا وضو قائم ہے تو قلیل پانی کسی اور بھائی کے کام آ جائے گا۔ اس بھائی کی خدمت بھی ثواب کا باعث ہوگی۔

ہمہ وقت باوضو رہنا بندۂ مومن کے لیے سعادت کی علامت ہے، وہ اس حال میں ذکر و اذکار کرے، درود شریف کا وِرد کرے، قرآن حکیم کی تلاوت کرے، بس اور ویگن میں سفر کرتے ہوئے اللہ کی یاد میں محو رہے تو اس کا نامۂ اعمال کتنا وزنی ہو جائے گا۔ ذرا یہ واقعہ پڑھیے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا: ''اپنا کوئی ایسا عمل بتاؤ جس پر ثواب کی توقع سب سے زیادہ ہو، کیونکہ میں نے تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے جنت میں سنی ہے۔'' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے ایسا عمل تو کوئی نہیں کیا البتہ دن رات میں کوئی وضو ایسا نہیں ہے کہ اس کے بعد میں نے نماز نہ پڑھی ہو۔''

[غلامان اسلام، سعید احمد بحوالہ باب فضل الطھور باللیل والنھار، صحیح البخاری]

اگر ممنوعہ اوقات کو چھوڑ کر ہر وضو کے بعد دو رکعت نفل ادا کر لیے جائیں تو سبحان اللہ! کیا ہی اجر و ثواب ہے۔

طریقۂ وضو:

آخر میں وضو کا طریقہ پیشِ خدمت ہے:

''جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے مسواک کرو (کیونکہ یہ مسنون عمل ہے) پھر بسم اللہ پڑھ کر پہلے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک تین بار دھوؤ، اس کے بعد تین بار کلّی کرو، اور تین بار ناک میں (دائیں ہاتھ) سے پانی ڈال کر اسے (بائیں ہاتھ سے) صاف کرو، پھر سر کے بالوں سے ٹھوڑی تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک تین بار منہ دھوؤ، پھر

دونوں بازو (پہلے دائیاں پھر بائیاں) کہنیوں تک دھوؤ۔ پھر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال کرو۔ اگر انگوٹھی وغیرہ پہنی ہو تو اس کو ہلا لو تاکہ اس کے نیچے بھی پانی پہنچ جائے پھر اس کے بعد ایک بار تمام سر کا مسح کرو یعنی تر ہاتھوں کو سر پر اس طرح پھیرو کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو پہلے پیشانی پر رکھ کر پیچھے گدّی کی طرف پھیرتے ہوئے لے جاؤ، پھر گدّی سے واپس پیشانی تک پھیر کر اٹھا لو، دونوں کانوں کا اس طرح مسح کرو کہ شہادت کی انگلی سے کان کے سوراخ اور انگوٹھے سے کان کے باہر کا مسح کرو، پھر اس کے بعد پہلے دائیں پاؤں کو ٹخنوں سمیت تین بار دھوؤ، پھر بائیں پاؤں کو ٹخنوں سمیت تین بار دھوؤ اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کے اندر خلال کرو تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہے۔ ان اعضا کے اس طرح دھونے کو وضو کہتے ہیں۔'' [اسلامی تعلیم حصہ اوّل۔ مولانا عبدالسلام بستوی]

آپ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اسراف سے منع فرمایا ہے خواہ وہ کسی بہتے ہوئے دریا کے کنارے کیوں نہ ہو (اسراف سے بچنا زندگی کے ہر معاملے میں سود مند ہے) اور اعضائے وضو کو کبھی ایک بار، کبھی دو بار اور کبھی تین بار دھویا جا سکتا ہے، گویا تین بار دھونے سے مکمل صفائی ہو جاتی ہے اور کسی عضو کو اگر دو بار یا ایک بار دھونے سے صفائی ہوتی ہے تو وہ بھی کافی ہے۔

تیمّم:

اسلام دین فطرت ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت اور کمزوریوں کا خیال رکھتے ہوئے احکام نازل فرمائے ہیں، بیماری اور مجبوری زندگی کا حصہ ہے، بسا اوقات بیماری اتنی شدید ہوتی ہے کہ پانی کا استعمال مضر ہوتا ہے یا کسی صحرائی علاقے سے گزرنے کا اتفاق ہوتا ہے جہاں دور دور تک پانی کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ یا پھر بس اور ریل کا سفر طویل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات شہری ٹیوب ویل کی خرابی پر پانی کی سپلائی اچانک منقطع ہو جاتی ہے۔ ان تمام حالات میں تیمّم کی اجازت دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ ﴾ [النساء:۴۳]

''اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت سے فراغت پائے، یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اس

سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو، بلاشبہ اللہ نرمی سے کام لینے والا اور (تمہارے گناہوں کی) بخشش فرمانے والا ہے۔"

تیمّم یہ ہے کہ سطح زمین پر، یا مٹی یا پتھر یا ریت جیسی کسی چیز پر، بس یا ٹرین پر سفر کرتے ہوئے ان کی اطراف پر یا آفس کی کرسی پر بیٹھے ہوئے دیوار پر، طہارت کی نیت سے ہاتھ مار کر وہ ہاتھ چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیے جائیں، مٹی وغیرہ کا چہرے یا ہاتھوں پر لگنا ضروری ہے۔

تیمّم غسل اور وضو کا بدل ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ بندۂ مومن کے اندر حصولِ پاکیزگی کا تصور قائم رہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غسل اور وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت میں اس کے بجائے تیمّم کا حکم دیا، جس میں مٹی اور پتھر وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے، اس کی ایک حکمت تو بعض اہل تحقیق نے یہ بیان کی ہے کہ پوری زمین کے دو ہی حصے ہیں۔ ایک بڑے حصہ کی سطح پانی ہے، دوسرے حصہ کی سطح مٹی، پتھر وغیرہ، اسی لیے پانی اور مٹی میں خاص مناسبت ہے۔ نیز انسان کی ابتدائی تخلیق بھی مٹی اور پانی ہی سے ہوئی ہے، علاوہ ازیں مٹی ہی ایسی چیز ہے جس کو انسان سمندر کے علاوہ ہر جگہ پا سکتا ہے اور مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ پر پھیرنے میں تذلل اور خاکساری کی بھی ایک خاص شان ہے اور چونکہ انسان کا آخری ٹھکانا مٹی اور خاک ہی ہے اور اس کو خاک ہی میں ملنا ہے، اس لیے تیمّم موت اور قبر کی یاد بھی ہے۔"

[معارف الحدیث، ج:۳]

دعاء و التجاء:

« يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قُلُوبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ »

" اے دلوں کے پھیرنے والے آپ ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھیے۔" (آمین یا رب العالمین)

اذان

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِیْ صَعْصَعَةَ أَنَّ أَبَا سَعِيدِ نِالْخُدْرِيَّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَهٗ :« إِنِّیْ أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ ، فَإِذَا كُنْتَ فِیْ غَنَمِكَ وَبَادِيَتِكَ ، فَأَذَّنْتَ لِلصَّلٰوةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهٗ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَیْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ:

سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

[رواہ البخاری ، المتجر الرابح ۔ابواب الصلاۃ]

”عبد الرحمٰن بن ابو صعصعہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں بکریوں اور جنگل سے لگاؤ ہے، جب تم اپنی بکریوں کے ساتھ جنگل میں ہو تو نماز کے لیے اذان کہو تو آواز بلند کرو، کیونکہ جن و انس اور ہر وہ چیز جسے اذان سنائی دے وہ قیامت کے دن مؤذن کے لیے گواہی دے گی۔ اس کے بعد (سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ) کہنے لگے: میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔“

اس روایت کو ابن خزیمہ نے بھی ذکر کیا ہے تاہم اس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

« لَا يَسْمَعُ صَوْتَهٗ شَجَرٌ وَّلَا مَدَرٌ وَّ لَا حَجَرٌ وَّلَا جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ »

یعنی جو درخت پتھر، انسان یا جن اس کی آواز (یعنی مؤذن کی آواز) کو سنتا ہے (وہ روزِ جزا) اس کے لیے شاہد بن جائے گا۔“

اذان کے چند جملوں میں اسلام کی مکمل دعوت اور پیغامِ حق موجود ہے۔ مؤذن لیل و نہار کی ساعتوں میں پانچ بار با آوازِ بلند اس صداقت کو دہراتا ہے اور یہ پیغام مشرق و مغرب کی ہر مسجد سے دھرایا اور سنایا جاتا ہے اگر چوبیس گھنٹوں میں آفتاب کی گردش اور طلوع و غروب کے فرق کو سامنے رکھیں تو دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں پانچ نمازوں میں سے کسی نماز کا وقت ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً یہاں کے لوگ اگر عشاء پڑھتے ہیں یا اس سے فارغ ہوتے ہیں تو سعودیہ میں مغرب کا وقت ہو جاتا ہے۔ دنیا کے ہر ملک اور ہر خطے میں مسلمان موجود ہیں اور جہاں کہیں مسلمان ہیں وہاں نماز اور اذان کا انتظام ضرور ہوتا ہے، اذان کے کلمات درج ذیل ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ ،......اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ ،

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ،اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ،

حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ

حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ......لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ

اقامت کے کلمات اس طرح ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ......اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ،

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، ......حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ،

قَدْ قَامَتَ الصَّلٰوۃُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ......لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

'' اذان و اقامت کے سلسلہ میں یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ناظرین کے لیے اِن شاءَ اللہ مفید اور موجبِ بصیرت ہوگا کہ اگرچہ یہ دونوں چیزیں بظاہر وقتِ نماز کے اعلان کا ایک وسیلہ اور نماز کا بلاوا ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسے جامع کلمات الہام فرمائے ہیں جو دین کی روح بلکہ دین کے پورے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں، دین کے سلسلہ میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا مسئلہ ہے اس بارے میں اسلام کا جو نظریہ ہے اس کے اعلان کے لیے اللہ اکبر! اللہ اکبر سے بہتر اور اتنے جاندار الفاظ تلاش نہیں کیے جاسکتے۔ اس کے بعد نمبر آتا ہے عقیدہ توحید کا بلکہ صفات کا مسئلہ اسی سے صاف اور مکمل ہوتا ہے۔ اس کے لیے ‹‹ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ›› جیسا جاندار اور مؤثر کوئی دوسرا مختصر کلمہ منتخب نہیں کیا جاسکتا ...... پھر اس حقیقت کے واضح اور معلوم ہوجانے کے بعد کہ بس اللہ ہی ہمارا الٰہ و معبود برحق ہے، یہ سوال فوراً سامنے آجاتا ہے کہ اس اللہ تک پہنچنے کا راستہ یعنی اس سے بندگی کا صحیح رابطہ قائم کرنے کا طریقہ کہاں سے معلوم ہو سکے گا ؟ اس کے جواب کے لیے ‹‹اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ›› سے بہتر کوئی کلمہ نہیں سوچا جا سکتا۔ اس کے بعد ‹‹ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ›› کے ذریعے اس صلوٰۃ کی دعوت دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور اس سے رابطہ قائم کرنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے اور اللہ کی طرف چلنے والے کا سب سے پہلا قدم بھی ہے، اس کے بعد ‹‹ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ›› کے ذریعے اس حقیقت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ یہی راستہ فلاح یعنی نجات و کامیابی کی منزل تک پہنچانے والا ہے اور جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چلیں گے وہ فلاح سے محروم رہیں گے۔ گویا اس میں عقیدۂ آخرت کا اعلان ہے اور ایسے الفاظ کے ذریعے

اعلان ہے کہ ان سے صرف عقیدہ ہی کا علم نہیں ہوگا بلکہ وہ زندگی کا سب سے اہم اور قابل فکر مسئلہ بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور آخر میں «اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ» کے ذریعے پھر یہ اعلان اور پکار ہے کہ انتہائی عظمت و کبریائی والا بس اللہ ہی ہے اور وہی بلا شرکتِ غیرے الٰہ برحق ہے اس لیے بس اسی کی رضا کو اپنا مطلوب و مقصود بناؤ۔

بار بار غور کیجئے کہ اذان و اقامت کے ان چند کلمات میں دین کے بنیادی اصولوں کا کس قدر جامع اعلان ہے اور کتنی جاندار اور مؤثر دعوت ہے۔ گویا ہماری ہر مسجد میں (دنیا کے ہر کونے اور ہر خطہ سے) روزانہ پانچ وقت دین کی یہ بلیغ دعوت نشر کی جاتی ہے۔

ہم مسلمان اگر اتنا ہی کر لیں کہ اپنے ہر بچہ کو اذان یاد کرادیں اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا مطلب سمجھا دیں، خصوصاً «اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» اور «اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ» کا مطلب زمانہ اور ماحول کے مطابق سمجھا دیں تو ان شاء اللہ کبھی کسی غیر اسلامی دعوت کا شکار نہ ہو سکے گا۔''

[معارف الحدیث ،ج:۳]

اذان شعائرِ اسلامی کا اہم اور مفید ترین ، مختصر اور جامع پیغام ہے ، یہ دعوتِ اسلام کا شب و روز اعلان ہے۔ ربّ کریم کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ [حٰم السجدة :۳۳]

'' اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے ، اور نیک عمل کرے اور کہے: میں مسلمان ہوں۔''

« قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا : أَرَى هٰذِهِ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِى الْمُؤَذِّنِيْنَ »

[المتجر الرابح ،ابواب الصلاۃ]

'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ اذان کہنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔''

مؤذنوں کا اجروثواب:

اس پیغامِ حق کی منادی کرنے والوں کے لیے اجر وثواب کیا ہے؟ آیئے لسانِ نبوّت سے سنیئے :

عَنْ مُّعَاوِيَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :«اَلْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ » [رواہ مسلم، معارف الحدیث، کتاب الصلاۃ]

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے، آپ فرماتے تھے: اذان کہنے والے قیامت کے دن سب لوگوں میں دراز گردن (یعنی سر بلند) ہوں گے۔''

ایک اور حدیثِ مبارک میں آتا ہے: کہ اذان دینے والے خوش بخت مسک (کستوری) کے ٹیلوں پر ہوں گے۔

اذان سننے کے چند آداب کچھ اس طرح ہیں:

① مؤذن کے کلمات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اذان والے کلمات دہرائے جائیں، پھر مؤذّن جب « حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ » اور « حَیَّ عَلَی الفَلَاحِ » کے کلمات ادا کرے تو سننے والا « لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ » کہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ مؤذّن کے ساتھ اذان کے کلمات دہرانے والا جنت میں جائے گا۔'' (کہ حقیقت میں وہ بھی توحید و رسالت کا اقرار کر رہا ہے۔) [معارف الحدیث، بحوالہ صحیح مسلم]

② رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ''کہ جو شخص مؤذن کی اذان سننے کے بعد یہ کلمات کہے:

« أَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا » [رواہ مسلم، حوالہ ایضا]

''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور میں راضی ہوں اللہ کے رب ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر اور اسلام کے دین حق ہونے پر۔''

تو اس کے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

③ ان کلمات کی ادائیگی کے بعد رسول ﷺ نے یہ دعا سکھلائی ہے:

« اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ »

'' اے اللہ! اس دعوتِ کاملہ اور اس قائم رہنے والی نماز کے رب! (اپنے رسول) محمد ﷺ کو (جنت میں) وسیلہ اور فضیلہ کا خاص درجہ عطا فرما اور انھیں اس مقامِ محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کلمات کو ادا کرنے والا بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حق دار ہو گا۔ [معارف الحدیث بحوالہ صحیح بخاری]

یہ وہی مقامِ محمود ہے جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں اس طرح آتا ہے:

﴿وَ مِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓی اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴾

[بنی اسرائیل:۷۹]

”اور(اے نبی ﷺ) رات کے کچھ حصے میں نماز تہجد میں قرآن پڑھیے یہ آپ کے لیے زائد نماز ہوگی ،عنقریب آپ کا رب آپ کو” مقامِ محمود پر کھڑا کرے گا۔“

④ حدیثِ مبارک میں آتا ہے کہ اذان اور تکبیر کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی۔

« لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيۡنَ الۡأَذَانِ وَالۡإِقَامَةِ »

لہٰذا ان قیمتی لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اور اپنی مشکلات وتکالیف ربِ کریم کے حضور پیش کردینی چاہیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شوق و ذوق دیکھئے کہ انھوں نے پوچھا کہ ہم ان لمحات میں کیا مانگیں؟ارشاد ہوا: اللہ تعالیٰ سے معافی اور دنیا و آخرت میں عافیت کا سوال کرو:

« سَلُوا اللّٰهَ الۡعَفۡوَ وَالۡعَافِيَةَ فِي الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ » [ابوداؤد، ترمذی بحوالہ المتجر الرابح]

⑤ اذان سننے کے بعد ایک مسلمان پر اضطرابی کیفیت طاری ہونی چاہیے کہ اسے اپنے رب کا بلاوا آیا ہے وہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر نماز کی تیاری میں مصروف ہو جائے ،ضروریات سے فارغ ہوکر دانتوں کی صفائی کا التزام کرے، وضو گھر سے کرے اور بہتر ہے کہ سنتیں گھر میں ہی ادا کرے اور نماز با جماعت اپنے پاس پڑوس کی مسجد میں ادا کرے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ذہن میں رہنا چاہیے جس میں آپ نے تنبیہ کے طور پر ان لوگوں کے بارے میں فرمایا تھا جو اذان سن کر گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں:

« لَقَدۡ هَمَمۡتُ اَنۡ اٰمُرَ الۡمُؤَذِّنَ فَيُقِيۡمَ ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا ، يَّؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اٰخُذَ شُعَلًا مِّنۡ نَّارٍ فَاُحَرِّقَ عَلٰى مَنۡ لَّا يَخۡرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ بَعۡدُ »

[رواہ البخاری ، معارف الحدیث ، کتاب الصلاۃ]

”میرے جی میں آتا ہے کہ (کسی دن) میں مؤذّن کو حکم دوں کہ جماعت کے لیے اقامت کہے ، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ(میری جگہ)وہ لوگوں کی امامت کرے اور میں خود آگ کے فتیلے ہاتھ میں لوں اوران لوگوں پر (یعنی ان کے موجود ہوتے ہوئے ان کے گھروں میں) آگ لگادوں جو اس کے بعد بھی (یعنی اذان سننے کے بعد بھی) نماز میں شرکت کے لیے نہیں نکلتے۔“

دعاء والتجاء:

« رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ »

''اے رب بخش دیجیے اور رحم فرمائیے اور آپ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔'' (آمین)

احسان

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ: « اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ یَرَاكَ »

[حدیث جبریل ـ صحیح بخاری]

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت اس انداز میں کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ (تصور کر) کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

لغوی تشریح: احسان: نیکی، اچھا سلوک، بھلائی، مہربانی، برتاؤ، اچھے سلوک کا اعتراف، ممنونیت، عملِ خیر (فیروز اللغات) امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''احسان'' عربی میں دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

① یہ کہ دوسروں پر انعام کرنا، مروّت سے پیش آنا جیسا کہ عربی میں کہتے ہیں:

" اَحْسَنَ اِلٰی فُلَانٍ " (اس نے فلاں کے ساتھ مروّت وہمدردی کی۔)

② یہ کہ اپنے عمل میں حسن پیدا کرنا اور یہ بات حسنِ علم اور حسنِ عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین نے فرمایا:

" اَلنَّاسُ اَبْنَاءُ مَا یُحْسِنُوْنَ "

''یعنی لوگ اپنے علم اور اعمالِ حسنہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔''

احسان عدل سے بڑھ کر ہے۔ دوسرے کا حق پورا پورا ادا کر دینا اور اپنا حق پورا طلب کرنے کا نام عدل ہے۔ لیکن احسان یہ ہے کہ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے اور اپنے حق سے کم لیا جائے۔ لہٰذا احسان کا درجہ عدل سے بڑھ کر ہے اور انسان پر عدل وانصاف سے کام لینا تو واجب اور فرض ہے جب کہ احسان کرنا مستحسن اور باعثِ اجر وفضیلت ہے۔ [مفردات القرآن]

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے احسان کو مزید وسعت دے کر اس کا دائرہ وسیع تر کر دیا ہے۔

بندہ مؤمن کی تمام زندگی بندگیٔ ربّ میں اس طرح بسر ہو کہ ہر لمحہ اور ہر وقت وہ اپنے مولا و مالک کی اطاعت وفرمانبرداری کا دم بھرتا رہے ۔اس کی نافرمانی اور معصیت سے بچتے ہوئے غرباء ومساکین، یتامیٰ و بیوگان ،بے کسوں اور بے بسوں ،مظلوموں اور محتاجوں کے دکھ درد میں کام آتا رہے اور حتی المقدور ان کا سہارا بنتا رہے ۔ یہ ہے احسان کا وہ بلند مقام جو اسلام ہمارے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اخلاص تمام اعمال کی بنیاد ہے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا ہر عمل صرف اور صرف رب العالمین کی رضامندی کے لئے ہونا چاہئے ،قرآنِ حکیم نے صفت اخلاص کے ساتھ صفت احسان کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ دین کی بہترین خوبی بتائی ہے ۔فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ [سورة النساء:١٢٥]

’’ اور اس شخص سے بہتر کس کا دین ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کردیا ہواور وہ محسن بھی ہو۔‘‘ (احسان ومروّت اس کی گھٹی میں بھرے ہوئے ہوں)

اور کہیں احسان کا ذکر عدل کے ساتھ کیا ہے۔اس لیے کہ عدل کے قیام سے معاشرتی زندگی سکون اور اطمینان سے ہمکنار ہوتی ہے۔مظلوموں کی فریاد رسی ہوتی ہے اور ظالموں کو پنپنے کا موقع نہیں ملتا جب کہ احسان سے معاشی ناہمواریوں کا مسئلہ حل ہوتا ہے ۔غرباء ومساکین باعزت زندگی گزارنے کے قابل ہوتے ہیں۔فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى ﴾ [النحل :٩٠]

’’اللہ تعالی عدل وانصاف اور احسان مروّت کا حکم دیتا ہے اور اہلِ قرابت پرخرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے ۔‘‘

ہرانسان کو ربّ کریم لامحدود احسانات سے نوازتا رہتا ہے ۔سعدی شیرازی گلستان میں لکھتے ہیں:

’’کہ انسان صرف سانس کی آمدورفت پر غور کرے کہ ایک منٹ میں کتنی بار اسے یہ سہولت میسر ہے اگراندر کی ہوا باہر نہ نکلے اور باہر کی ہوا اندر نہ جائے تو کتنی مشکل پیش آئے۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب حلق میں روٹی کا ٹکڑا اٹک جاتا ہے اور جب تک وہ نیچے نہیں اترتا انسان کو کسی کروٹ چین نصیب نہیں ہوتا۔اس کے علاوہ انسان کا پورا جسم اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے ۔یہ آنکھیں ،یہ کان دل ودماغ ،یہ اعضاء وجوراح ان میں سے ہر عضو اور جسم کا ہر حصہّ انمول نعمت ہے ۔پھر کھانے پینے کی اشیاء میں اَن گنت نعمتیں،یہ طرح طرح کے پھل پھول ،یہ انواع واقسام کے ساگ پات، یہ شیریں دودھ اور ٹھنڈا میٹھا پانی جن کا ہر ہر

گھونٹ آبِ حیات کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ اردگرد پھیلی ہوئی وسیع وعریض کائنات اور باغ وراغ ربِّ کائنات کے کتنے انعامات ہیں ۔گویا عرش سے فرش تک جو کچھ ہے وہ اسی کے احسانات کی جلوہ نمائی ہے ۔

﴿ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ كَفَّارٌ ۝ ﴾ [ابراهيم : ٣٤]

''اگراللہ کی نعمتیں گنوتوانہیں پورا نہ گن سکوگے ۔بیشک انسان بے انصاف ناشکرا ہے ۔''

ان بے شمار نعمتوں کو پانے کے بعد انسان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ایک طرف اپنے خالق ومالک کا شکرادا کرتے ہوئے اپنی جبینِ نیاز اس کی چوکھٹ پر جھکائے رکھے (دن رات میں پانچ نمازیں قائم کرے)اور دوسری طرف اس کے بندوں کے ساتھ احسان ومروت کا سلوک روا رکھے کہ یہ بھی اسی کا حکم ہے۔

﴿ وَاَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ﴾ [القصص: ٧٧]

''تو بھی لوگوں پر احسان کرجس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا۔''

اگرچہ اس آیت کا سیاق وسباق قارون سے متعلق ہے جو کہ جناب موسٰی علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مال ودولت کے انبار عطا کئے تھے مگر وہ اپنے مفادات کی خاطر فرعون کا آلہ کار بن گیا تھا۔اور قوم کے مفلس اور غریب لوگوں نے اس سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ بھی لوگوں پر احسان کرے جس طرح اللہ نے مال ودولت سے نواز کر اس پر احسان کیا ہے مگر وہ غرور وتکبر کا شکار ہوا۔اور نتیجتاً اپنے تمام خزانوں سمیت زمین میں دھنسادیا گیا۔تاہم یہ آیت ہر اس شخص کے لئے ہے جسے نعمتوں سے نوازا گیا ہے اور انجام قارون اس کے لئے عبرت کا نشان ہے ۔

اسلام نے احسان ومروت اور صدقہ وخیرات کی بہت سی راہیں بتادی ہیں جن پر چلنا غریب سے غریب تر کے لئے بھی ممکن ہے ۔

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان پر اپنے ہرجوڑ کا صدقہ دینا لازم ہے ۔دوآدمیوں کے درمیان عدل کرنا صدقہ ہے اور کسی بھائی کی مدد کرنا،اسے اس کی سواری پر سوار کرا دینا ،کسی کا سامان اس کی سواری پر لاد دینا صدقہ ہے ۔اچھی بات کہنا صدقہ ہے اور ہر قدم جو نماز کے لئے اٹھے صدقہ ہے ۔راستہ سے کانٹا وغیرہ ہٹا دینا صدقہ ہے ۔''

[رياض الصالحين ۔بخاری ومسلم ۔باب كثرة طرق الخير]

احسان ومروّت میں قرآنِ حکیم نے بڑی خوبصورت ترتیب دی ہے ۔جہاں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حکم ہے وہاں اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

﴿ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ ۡ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ [البقرۃ: ۸۳]

’’اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے حسنِ سلوک کرو۔لوگوں سے بھلائی کے ساتھ بات کرو۔نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔‘‘

احسان کے نتائج وثمرات اتنے مفید اور لازوال مرتب ہوتے ہیں کہ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس مادی دنیا میں لگانا مشکل ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَنۡ يُّسۡلِمۡ وَجۡهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ؕ ﴾

[لقمان: ۲۲]

’’اور جو شخص اپنا چہرہ اللہ کے آگے جھکا دے اور نیکو کار ہو تو اس نے یقیناً ایک مضبوط حلقے کو تھام لیا۔‘‘

’’گویا اس نے ایسے مضبوط حلقے کو تھام لیا جو نہ ٹوٹے گا نہ ساتھ چھوڑے گا اور بالآخر ایسا شخص دنیا اور آخرت میں کامیابیوں سے ہمکنار ہو کر رہے گا۔‘‘

محسنین کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی معیت ورفاقت رہتی ہے اور یہ سب سے بڑا انعام ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ ﴾

[العنکبوت: ۶۹]

’’اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں (شیاطین، خواہشات اور برادری کے رسمی بتوں کو توڑ ڈالتے ہیں) یقیناً ہم انہیں اپنی راہیں دکھلا دیتے ہیں (حق بات کی طرف دل راغب ہو جاتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے محسنوں کے ساتھ ہے۔‘‘

آج ہم نے اسلام کی عطا کردہ اتنی ارفع واعلیٰ تعلیم کو بھلا دیا ہے، نتیجتاً بھائی بھائی سے روٹھا ہوا ہے جب کہ ہمارے اسلاف احسان کو اپنا کر دشمن کو بھی دوست بنا لیتے تھے اور ہمارا حال یہ ہے کہ اپنے بھی بیگانے ہوتے جا رہے ہیں۔

اے ربّ کریم! ہمیں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے آشنا کیجیے اور اس میں بصیرت اور روشنی سے نوازیے۔ہمیں نہ صرف عبادت وریاضت میں احسان کا مرتبہ عطا فرمائیے بلکہ اپنے بندوں کے ساتھ بھی

احسان ومروّت کا جذبہ عطا فرمائیے۔آمین ۔

دعا و التجاء:

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْأَلُكَ صِحَّةً فِیٓ اِیْمَانٍ وَّ اِیْمَانًا فِیٓ حُسْنِ خُلُقٍ وَّ نَجَاحًا یَّتْبَعُهٗ فَلَاحًا وَّرَحْمَةً مِّنْكَ وَعَافِیَةً وَّمَغْفِرَةً مِّنْكَ وَرِضْوَانًا »

’’اے اللہ !میں آپ سے صحت چاہتاہوں ایمان کے ساتھ اور ایمان اچھے خلق کے ساتھ اور نجات جس کے آخر میں آپ کامیابی سے بہرہ ور فرمائیں اور آپ کی طرف سے رحمت وعافیت اور مغفرت اور رضامندی کا طلب گارہوں ۔‘‘ (آمین یا رب العالمین)

مساجد اور ان کی عظمت و اہمیت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :
« اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا ، وَ أَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا »

[رواہ مسلم ۔ معارف الحدیث، کتاب الصلوٰۃ]

’’ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہروں اور بستیوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض ان کے بازاراور مارکیٹیں ہیں۔‘‘

مَسَاجِدُ جمع ہے مفرد مَسْجِدٌ (ظرف مکان) ہے،یعنی جائے نماز ، اس کا مادّہ(س ج د) ہے سَجَدَ ، یَسْجُدُ، سُجُوْدًا ، زمین پر پیشانی رکھنا، سر جھکانا اس کے لغوی معنی ہیں اوراصطلاح میں ربّ کائنات کے آگے اس کی عبادت کے لیے سرخم کرنا ہے۔

بندۂ مومن صرف اورصرف اسی کے آگے جھکتا ہے اوراسی کی بندگی بجالاتا ہے کیوں کہ اُسے حکم ہوتا ہے۔

﴿ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۩ ﴾ [النجم:٦٢]

’’پس سجدہ کرو(جھک جاؤ) اللہ کے آگے اوراس کی بندگی بجالاؤ۔‘‘

مَسْجِدُ کا مفہوم وسیع ہے ، ایک تو وہ خاص مقام ہے جہاں مسلمان (اپنے علاقوں اور بستیوں میں) اکٹھے ہوکر اجتماعی طور پر امام کی اقتدا میں دن میں پانچ بار نماز قائم کرتے ہیں ۔

دوسرے معنی حدیث مبارک کی روشنی میں رُوئے زمین مراد ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام

زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنایا گیا ہے۔

《 جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا 》

"تمام زمین میرے لیے پاکیزہ اور جائے نماز بنادی گئی ہے۔"

اس سے دینِ اسلام کی وسعت اور عالم گیری کا پتا چلتا ہے۔مثلاً ایک شخص کسی صحرائی علاقے میں سفر کر رہا ہے اور نماز کا وقت آ جاتا ہے، وہاں دور دور تک کسی آبادی اور مسجد کا نام و نشان نہیں ہے، کیا وہ نماز چھوڑ دے؟ نہیں، حکم ہوتا ہے کہ وہ کہیں بھی صاف جگہ پر نماز ادا کرلے، اللہ تعالیٰ قبول فرمالے گا، پھر سفر میں قبلے کا رخ معلوم کرنے کی مقدور بھر کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اس لیے کہ اجتماعی نظم و ضبط کو اسلام ہر حال میں قائم رکھتا ہے، اگر کسی طرح معلوم نہ ہو سکے تو حکم ہوتا ہے کہ نماز کو کسی حال میں نہ چھوڑو، اللہ ہر جگہ اور ہر طرف ہے۔

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ ﴾ [البقرہ: ١١٥]

"اور اللہ ہی کا مشرق و مغرب ہے، سوتم جدھر بھی منہ پھیرو، اللہ ہی کی ذات ہے۔"

قرآنِ حکیم سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلی مسجد جناب آدم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں تعمیر فرمائی تھی، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

[آل عمران: ٩٦]

"بے شک سب سے پہلی مسجد (عبادت گاہ) جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے، اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا۔"

مولانا عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں:

"اس سے مراد خانہ کعبہ ہے جس کی اوّلین تعمیر جناب آدم علیہ السلام نے کی تھی اور اس کے منہدم ہوجانے کے بعد ازسرنو سیدنا ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے کی۔" [تفسیر ماجدی، ج:١]

اور اس کا ذکر قرآنِ حکیم میں اس طرح آتا ہے:

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ [البقرہ: ١٢٧]

"اور (یاد کرو) ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے (تو دعا کرتے

جاتے تھے) اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

''یَرۡفَعُ'' کا لفظ قابل غور ہے، بنیادیں اوّل بار رکھی نہیں جارہی تھیں وہ تو جناب آدم علیہ السلام اپنے عہد میں رکھ گئے تھے، عمارت کے منہدم ہو جانے کے بعد اب انہیں از سرِ نو اٹھایا جا رہا تھا اور بلند کیا جا رہا تھا۔'' [تفسیر ماجدی، ج:۱]

اس مرکزِ توحید کو جس کی دیواروں کو جناب ابراہیم اور ان کے فرزندِ ارجمند جنابِ اسماعیل علیہما السلام نے اپنے مقدس ہاتھوں سے چنا تھا، اہل عرب نے تعلیمِ ابراہیمی کو چھوڑ کر یہاں پر سینکڑوں بت نصب کر دیے تھے جنھیں خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن توڑ پھوڑ کر ربّ کائنات کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کیا اور اس کی پاکیزگی کو بحال کیا جس کا تقدس تا قیامت قائم رہے گا۔ ان شاء اللہ

پھر غور کیجئے کہ جب قریش مکہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے لیے مکہ کی سرزمین میں رہنا مشکل کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مدینہ کے قریب'' قباء'' کی بستی میں چند روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام رہا۔ دورانِ قیام سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کا انتظام فرمایا، ہجرت کے بعد یہ پہلی مسجد تھی جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے رکھی گئی، اسی مسجد کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہوا۔

﴿ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى مِنۡ اَوَّلِ يَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِيۡهِ ؕ فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ ۝ ﴾ [التوبہ:۱۰۸]

'' جس مسجد کی بنیاد روزِ اوّل سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو، وہی اس کی حق دار ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کھڑے ہوں (اور بندگانِ الٰہی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں) اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک صاف رہیں اور اللہ بھی پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

بعض روایات میں اس سے مراد مسجدِ نبوی ہے جس کی بنیاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منوّرہ پہنچنے پر رکھی، مسجد قبا ہو یا مسجد نبوی اس کے ذیل میں دنیا کی ہر وہ مسجد آجاتی ہے، جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو۔ عبادات، مساجد اور مسلمانوں کے اجتماعی و معاشرتی مسائل سے متعلق جو احکام کتاب وسنت میں اور بالخصوص مذکورہ آیت میں دیے گئے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① کسی بستی میں، جہاں مسلمان آباد ہوں انہیں باہم مل کر نماز کا نظام (اقامت صلوٰۃ) قائم کرنا

چاہیے اور اس کے لیے حسب استطاعت مسجد بنانی چاہیے۔

۲ مسجد کی بنیاد تقویٰ اور پرہیز گاری پر رکھنی چاہیے۔ ''تقویٰ'' اتنا جامع لفظ ہے کہ اس میں بہت سی باتیں آ جاتی ہیں...... حق حلال کی روزی اور جائز آمدنی سے مسجد کی تعمیر، رضائے الٰہی کا حصول، آپس میں مل جل کر مٹھاس اور محبت سے اقامتِ صلوٰۃ کا فریضہ انجام دینا وغیرہ۔

۳ کسی بھی قطعۂ زمین پر غاصبانہ قبضہ کر کے مسجد بنانا تقویٰ کے خلاف ہے، غور کیجیے کہ مسجد نبوی کے لیے جو قطعہ زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا وہ دو یتیم بچوں سھل اور سھیل کی ملکیت تھا اور وہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں تھے، آپ نے اس قطعۂ زمین کو قیمتاً خریدنے کی خواہش کی۔ بنی نجار ہی نہیں (جس قبیلے سے ان بچوں کا تعلق تھا) وہ بچے بھی اسے بطیب خاطر ہبہ کر دینے پر آمادہ تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ اصرار قیمت ادا فرمائی، پھر اسے صاف اور ہموار کر کے مسجد کی داغ بیل ڈال دی، اس کی تعمیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کے ساتھ بنفس نفیس شریک رہے۔

۴ طہارتِ ظاہری اور طہارتِ باطنی دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں...... ظاہری طہارت، جسم و لباس کی پاکیزگی ہے تو باطنی طہارت شرک و کفر، حسد و بغض ایسی بیماریوں سے نفس کو پاک رکھنا ہے۔ اسی بات کو حدیثِ مبارک میں « اَلطَّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ » یعنی پاکیزگی نصف ایمان کہا گیا ہے۔ بقیہ ایمان کی تکمیل اعمال صالحہ سے ہوتی ہے۔ مساجد اہل تقویٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی بندوں کو پسند فرماتا ہے۔

۵ مساجد تعمیر کرنا اور انھیں نماز اور تعلیم سے آباد رکھنا یہ ایمان کی نشانی ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خدمت اور نگہداشت کرتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾

''اللہ کی مسجدوں کو آباد وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔'' [جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، معارف الحدیث]

ظاہر ہے کہ مسجد کی آبادی اِقامت صلوٰۃ اور تعلیم و تعلّم سے ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح مسجد نبوی کو آباد کیا تھا۔ گو اس مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں سے تیار کی گئی تھیں اور کھجور کے تنے اور شاخیں چھت پر بچھا کر مٹی ڈال دی گئی تھی اور ستونوں کا کام بھی کھجور کے تنوں سے لیا گیا تھا، فرش

خام تھا، مینہ برستا اور چھت سے پانی ٹپکتا تو فرش کیچڑ کی شکل اختیار کر لیتا۔ تاہم اس مسجد سے جس کی بنیاد تقویٰ اور خلوص پر رکھی گئی تھی ابرار و صالحین اور نفوسِ قدسیہ کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جنھوں نے چار دانگ عالم میں امن اور صداقت کے جھنڈے گاڑے۔

شہروں اور بستیوں میں سے مساجد کے قطعے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں کیونکہ ان میں اس کی عبادت ہوتی ہے، لوگوں کو تعلیم دی جاتی ہے، الفت اور محبت کے چشمے پھوٹتے ہیں، زندگی کا نظم و ضبط (ڈسپلن) قائم ہوتا ہے، اسی طرح روحانی بالیدگی کا سرو سامان ہوتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کو بازار اور مارکیٹیں سب سے زیادہ مبغوض ہیں کیونکہ اس میں دنگا اور فساد ہوتے ہیں، لڑائی اور جھگڑے ہوتے ہیں جس سے روح کثیف اور ثقیل ہو جاتی ہے۔

⑥ اگر کسی مسجد کو تقویٰ اور پرہیز گاری کی بنیاد پر بنایا اور اٹھایا نہ گیا ہو تو وہ مسجدِ ضرار کہلائے گی جس کا ذکر سورۂ توبہ کی آیت نمبر: ۱۰۷ میں کیا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اور جن لوگوں نے ایک مسجد (مسلمانوں کو) ضرر پہنچانے کے لیے اور کفر (پھیلانے کی غرض سے) اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے بنائی اور ان لوگوں کو پناہ دینے کے لیے جو اللہ اور رسول سے پہلے ہی لڑ چکے ہیں اور (اے رسول) وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو (اسلام کی) بھلائی ہی چاہی تھی لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔'' یہ منافقین کی بات ہو رہی ہے۔

⑦ مسلمانوں کو یہی بات زیب دیتی ہے کہ مساجد کو تقویٰ اور پرہیز گاری، امن اور سلامتی، تعلیم و تعلّم اور دعوت و تبلیغ کے گہوارے بنائیں۔

دعاء والتجاء:

«اَللّٰھُمَّ افۡتَحۡ لِیۡ اَبۡوَابَ رَحۡمَتِكَ»

''اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجیے۔'' (آمین یارب العالمین)

نماز، باجماعت کی فضیلت اور برکت

عَنِ ابۡنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ :
«صَلوٰةُ الۡجَمَاعَةِ تَفۡضُلُ صَلوٰةَ الۡفَذِّ بِسَبۡعٍ وَّعِشۡرِیۡنَ دَرَجَةً ۔»

[رواہ البخاری و مسلم، معارف الحدیث]

’’سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:’’ باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔‘‘

’’اَلْجَمَاعَةُ‘‘ جماعت، گروہ، ’’صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ‘‘ باہم مل کر نماز ادا کرنا، باجماعت نماز پڑھنا۔

قرآن حکیم میں اقامت صلٰوۃ کا حکم آیا ہے، سورۂ بقرہ کے آغاز میں متقین کی صفات میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ [البقرة:٣]

’’اور وہ نماز کو قائم کرتے ہیں۔‘‘

ظاہر ہے کہ نماز پڑھنے اور اقامت میں واضح فرق ہے، اقامت صلٰوۃ میں ان تمام آداب و ارکان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا ہوتا ہے جن کا ذکر قرآن وسنت میں ہوا ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

’’قرآن حکیم میں جہاں کہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے یا نمازیوں کی تعریف کی گئی ہے وہاں ’’اِقَامَةٌ‘‘ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، جس میں اس بات کی تنبیہ کرنا ہے کہ نماز سے مقصود محض اس کی ظاہری ہیئت کا ادا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اسے جملۂ شرائط کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے۔‘‘ [مفردات القرآن]

چنانچہ وہ منافقین جو ان آدابِ بندگی سے بے نیاز تھے انہیں ’’مُصَلِّيْن‘‘ کے نام سے یاد کیا گیا ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ ﴾ [الماعون:٤تا٦]

’’پس ایسے نمازیوں کے لیے افسوس (اور ویل نامی جہنم کی جگہ) ہے جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں (یہ وہ ہیں) جو ریا کاری کرتے ہیں۔‘‘

اقامتِ صلٰوۃ کے آداب قرآن وسنت میں موجود ہیں:

۱۔ طہارتِ جسمانی:

وضو، طہارتِ جسمانی اور پانی نہ ملنے پر تیمّم کا ذکر سورۃ المائدہ کی آیت نمبر:٦ میں آتا ہے۔

۲۔ اوقاتِ مقررہ پر ادا کرنا:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا ۝ ﴾ [النساء:١٠٣]

’’بلا شبہ مؤمنوں پر نماز مقررہ اوقات پر فرض کی گئی ہے۔‘‘

۳۔نماز پر دوام:

﴿ أَلَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَا تِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ ﴾ [المعارج:۲۳]

"جو ہمیشہ اپنی نمازوں کو ادا کرتے رہتے ہیں۔"

۴۔نمازوں کی حفاظت:

﴿ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ﴾[المعارج:۳٤]

"اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔"(انھیں کبھی ضائع نہیں ہونے دیتے ، بیماری و صحت، سفر و حضر، صلح و جنگ کی حالت میں بھی ادا کرتے ہیں۔)

۵۔خشوع و خضوع:

﴿ اَلَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلَا تِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ﴾[المومنون:۲]

"جو اپنی نمازوں کو عاجزی سے ادا کرتے ہیں۔"

٦۔تجارت کی محویت بھی غافل نہیں کرتی :

﴿ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ ﴾ [النور:۳۷]

"(اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں) جنھیں اللہ کے ذکر اور اقامت صلٰوۃ سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت ۔"

۷۔نماز چھوڑنے پر زبردست تنبیہ:

﴿ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا ﴾ [الروم:۳۱،۳۲]

"اور نماز قائم کرو اور ان مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ، جنھوں نے اپنا دین الگ کر لیا اور وہ گروہوں میں بٹ گئے (فرقہ بندیوں کا شکار ہو گئے)

۸۔باجماعت:

﴿ وَارۡكَعُوۡا مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ﴾ [البقرہ: ٤۳]

"اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"(یعنی اجتماعی طور پر مسجد میں نماز ادا کرو)

نماز باجماعت ادا کرنے کے بہت سے معاشرتی اور روحانی ثمرات مرتب ہوتے ہیں ، مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

(ا) ہمارے نزدیک اس نظامِ جماعت کا خاص راز اور اس کی خاص الخاص حکمت یہی ہے کہ اس کے ذریعے افرادِ امت کا روزانہ، بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ احتساب ہو جاتا ہے۔ نیز تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اس جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبے کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہیں کر سکتے۔

(ب) باجماعت نماز کا یہ نظام بجائے خود افراد امت کی دینی تعلیم و تربیت کا اور ایک دوسرے کے احوال سے باخبری کا ایک ایسا غیر رسمی اور بے تکلف انتظام بھی ہے جس کا بدل سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

(ج) نماز باجماعت کی وجہ سے مسجد میں عبادت و انابت اور توجہ الی اللہ و دعواتِ صالحہ کی جو فضاء قائم ہوتی ہے اور زندہ قلوب پر اس کے جو اثرات پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے مختلف الحال بندوں کے قلوب ایک ساتھ متوجہ ہونے کی وجہ سے آسمانی رحمتوں کا جو نزول ہوتا ہے اور جماعت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی شرکت کی وجہ سے (جس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ نے بہت سی حدیثوں میں دی ہے) نماز جیسی عبادت میں اللہ کے فرشتوں کی جو معیت اور رفاقت نصیب ہوتی ہے، یہ اسی نظامِ جماعت کی برکات ہیں۔

(د) اس نظام جماعت کے ذریعے امت میں جو اجتماعیت پیدا کی جا سکتی ہے اور محلّہ کی مسجد کے روزانہ پانچ وقتی اجتماع اور پوری بستی کی جامع مسجد کے ہفتہ وار وسیع اجتماع (جمعۃ المبارک کے موقع پر) اور سال میں دو دفعہ عید گاہ کے اس سے بھی وسیع تر اجتماع سے جو عظیم اجتماعی اور ملی فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں، ان کا سمجھنا تو آج کے ہر آدمی کے لیے بہت آسان ہے۔"

[معارف الحدیث: جلد سوم]

اسلامی عبادات پر بار بار غور کیجیے اس میں اجتماعیت کا رنگ نمایاں دکھائی دے گا، نماز کے علاوہ حج کا موسم عالمگیر اجتماع کا روح پرور منظر پیش کرتا ہے، مختلف شہروں اور بستیوں میں رمضان المبارک کے اوقاتِ سحر و افطار کی یکسانیت پرکشش اور دیدنی منظر پیش کرتی ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی بھی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی دشمن کے مقابلے میں اپنی صفوں کو مضبوط بنانا، اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۝﴾

[الصف:٤]

"اور اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ

ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔‘‘

مسلمانوں کو اس فولادی طاقت کی تربیت روزانہ پانچ بار اجتماعی نماز سے ملتی ہے، نماز با جماعت کی تاکید متعدد احادیث مبارکہ میں آئی ہے، کہیں ترغیب دلائی گئی ہے اور کہیں ترہیب سے متنبہ کیا گیا ہے ،تاکہ مسلمان اس اہم تربیت سے کسی طرح محروم نہ رہ جائیں کیونکہ انھوں نے نسل انسانیت کے لیے رہبری اور رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا ہے، اس کے ساتھ ساتھ باطل قوتوں کو زیر کرنا ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا ، عدالت کا ، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

پانچ وقت کی با جماعت نماز مسلمانوں کو سیرت و کردار کے بہترین سانچے میں ڈھالتی ہے اور انہیں اخوت ومحبت کی لڑی میں پرو دیتی ہے، وہ اللہ کی رحمت کے حقدار بن جاتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’آدمی کی با جماعت نماز گھر یا بازار کی نماز سے پچیس درجے بڑھا دی جاتی ہے، جب آدمی بہترین وضو کر کے مسجد کی طرف محض نماز کے لیے جاتا ہے تو اس کے ہر قدم کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے، جب نماز ادا کر لیتا ہے تو جب تک اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہے تاوقتیکہ بے وضو نہ ہو جائے، فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں:

« اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ »

’’اے اللہ! اس پر اپنی خاص عنایت و رحمت فرما۔‘‘

جب تک کوئی شخص نماز کا انتظار کرتا رہے، وہ نماز ہی میں ہوتا ہے، ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

« اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ ، اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ »

’’اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔‘‘ [بخاری ، مسلم بحوالہ المتجر الرابح]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی خاطر چالیس دن با جماعت تکبیر تحریمہ کے ساتھ شامل ہو کر نماز ادا کرے، اسے دو آزادیاں مل جاتی ہیں: ایک دوزخ سے آزادی اور دوسری نفاق سے آزادی۔‘‘ [ترمذی حوالہ ایضاً]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں نماز کے لیے تکبیر کہنے کا حکم دوں پھر کسی آدمی کو نماز پڑھانے

کے لیے کہوں، پھر کچھ آدمیوں کو ایندھن کی گٹھڑیاں لیے اپنے ساتھ ان لوگوں کی طرف لے جاؤں جو نماز کے لیے نہیں آتے ہیں تاکہ ان کے گھروں کو آگ سے جلا دوں۔" [بخاری و مسلم، حوالہ ایضاً]

مسلمانو! تمہارے اسلاف تو میدانِ جنگ میں بھی جماعت کا التزام کرتے اور صف بندی سے ربّ کائنات کے آگے جھک جاتے تھے۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

مگر افسوس اور صد افسوس کہ تم نے اپنے اسلاف کے نقش قدم سے روگردانی کی، دنیا کی دولت نے تمہیں دین سے باغی بنا دیا، تم نے نماز اور روزے کو خیر باد کہا، تم نے اسلامی روایات کو چھوڑا، تمہارا جماعتی نظم پراگندہ ہوگیا، تمہاری صفیں ٹوٹ پھوٹ گئیں۔

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے!
ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے
تمہی کہہ دو یہی آئینِ وفاداری ہے
قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

غفلت کی نیند کے کب تک مزے لیتے رہو گے؟ دشمن نے تمہاری ناک میں دم کر رکھا ہے، وہ تمہیں غلامی کے پھندوں میں جکڑنا چاہتا ہے، تمہاری زمینوں پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی فکر میں ہے۔ گذشتہ دو سال کے دوران افغانستان اور عراق پر کیا بیتی ہے؟ روزانہ فلسطین اور کشمیر میں تمہارے کتنے بھائی جام شہادت نوش کر جاتے ہیں؟ کیا قومیں اسی طرح زندہ رہتی ہیں؟

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

دعاء والتجاء:

« رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ »

''اے پروردگار مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا دیجیے۔'' (آمین)......[الاعتصام:۲۰۰۳]

نماز با جماعت میں صف بندی

عَنۡ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ : قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ :« سَوُّوۡا صُفُوۡفَکُمۡ فَاِنَّ تَسۡوِیَۃَ الصُّفُوۡفِ مِنۡ اِقَامَۃِ الصَّلٰوۃِ »[رواہ البخاری و مسلم۔ معارف الحدیث]

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'' لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو، کیونکہ صفوں کا (سیدھا اور) برابر کرنا، اقامتِ صلوٰۃ میں سے ہے۔''

زندگی میں نظم و ضبط (Discipline) برقرار رکھنا شرفِ انسانیت کا تقاضا ہے، اگر انسانی معاشرے میں یہ مفقود ہو جائے پھر تو وہ بھیڑوں کا ریوڑ کہلائے گا۔

اسلام دین فطرت ہے، یہ زندگی کو سلیقہ اور قرینہ عطا کرتا ہے، اسلامی عبادات پر نظر ڈالیے، اس میں زبردست نظم و ضبط نظر آئے گا، نماز ہی کو لیجیے......اقامت صلوٰۃ میں کیا شان نظر آتی ہے۔......طہارت اور نظافت، ترتیب و تنظیم، وقت کی پابندی، امام کی اقتداء میں نماز کی ادائیگی سے اطاعت و فرماں برداری، صف بندی سے اتحاد و اتفاق کی جھلک، اقصائے عالم میں قبلہ کے رخ کی یکسانیت سے امت مسلمہ کا اتحاد، پانچ وقت مساجد کے نورانی ماحول سے مٹھاس اور محبت کی فضا اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی رضا مندی سے دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح اور دائمی زندگی کی نوید ...... یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر احسان عظیم ہے جس پر انھیں اس کا سراپا شکر گزار ہونا چاہیے۔

جماعت میں صف بندی کی اہمیت پر مولانا محمد منظور نعمانی رقمطراز ہیں:

'' نماز کے لیے جو اجتماعی نظام '' جماعت'' کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے، اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ: لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں، ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لیے اس سے زیادہ حسین و سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کی تکمیل کے لیے آپ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں، کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو اور نہ پیچھے، پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے، اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے، بڑے اور ذمہ دار اور اصحابِ

علم و فہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں ، چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو، امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو...... ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانا ہے۔

رسول اللہ ﷺ خود بھی ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے ، نیز ان امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔[معارف الحدیث۔ ج:۳]

فرض نمازوں کے لیے ، اقامت کہنا یقیناً اس بات کا اعلان ہے کہ اب انفرادی طور پر سنت اور نوافل ادا کرنا بند کردو اور اجتماعی صف بندی کو درست کرو، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے جیسا کہ بعض احباب سمجھتے ہیں کہ ((قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ)) پر یا اقامت کے اختتام پر امام بلا تاخیر اللہ اکبر کہہ کر نماز کے لیے ہاتھ باندھ لے، بلکہ امام کے ذمہ یہ بات ضروری ہے کہ وہ صفوں پر نگاہ ڈالے اور اقامت سے پہلے اور مناسب سمجھے تو اقامت کے بعد بھی صفوں کو درست کرائے۔

سنن ابی داؤد وغیرہ میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوتے تو پہلے داہنی جانب رخ کر کے لوگوں سے فرماتے کہ برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو، پھر اسی طرح بائیں جانب رخ کر کے ارشاد فرماتے کہ برابر ، برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو...... اس حدیث سے اور اس کے علاوہ بھی بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خصوصاً نماز کے لیے کھڑے ہونے کے وقت اکثر و بیشتر یہ تاکید فرماتے تھے۔[بحوالہ معارف الحدیث]

یہ تو اقامت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی، اقامت کے بعد بھی آپ کی نگاہ پڑی تو آپ ﷺ نے اسے درست فرما دیا، اس حدیث پر غور کیجیے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کراتے تھے گویا ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے، یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب لوگ سمجھ گئے (کہ ہم کو کس طرح برابر کھڑا ہونا چاہیے) اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لیے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہو گئے (گویا اقامت ہو چکی تھی) یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کر نماز شروع فرما دیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ:'' اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل

برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا۔‘‘

[صحیح مسلم بحوالہ معارف الحدیث]

’’رسول اللہ ﷺ صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر فرماتے گویا کہ ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے‘‘ کا مطلب سمجھنے کے لیے یہ جان لینا چاہیے کہ اہلِ عرب شکار یا جنگ میں استعمال کے لیے جو تیر تیار کرتے تھے ،ان کو بالکل سیدھا اور برابر کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی تھی، اس لیے کسی چیز کی برابری اور سیدھے پن کی تعریف میں مبالغے کے طور پر وہاں کہا جاتا تھا کہ وہ چیز ایسی برابر اور اس قدر سیدھی ہے کہ اس کے ذریعہ تیروں کو سیدھا کیا جا سکتا ہے ، یعنی وہ تیروں کو سیدھا اور برابر کرنے میں معیار اور پیمانہ کا کام دے سکتی ہے۔ گویا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھی اور برابر کرنے کی کوشش فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی سوت برابر بھی آگے یا پیچھے نہ ہو ، یہاں تک کہ طویل مدت کی اس مسلسل کوشش اور ترتیب کے بعد آپ کو اطمینان ہو گیا کہ ہم کو یہ بات آ گئی ، لیکن اس کے بعد جب ایک دن آپ نے اس معاملہ میں ایک آدمی کی کوتاہی دیکھی تو بڑے جلال کے انداز میں فرمایا کہ ’’ اللہ کے بندو! میں تم کو آگاہی دیتا ہوں کہ اگر صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں تم بے پروائی اور کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں تمہارے رخ ایک دوسرے سے مختلف کر دے گا۔‘‘ یعنی تمہاری وحدت اور اجتماعیت پارہ پارہ کر دی جائے گی اور تم میں پھوٹ پڑ جائے گی جو امتوں اور قوموں کے لیے اس دنیا میں سو عذابوں کا ایک عذاب ہے۔[معارف الحدیث]

اس وقت امت مسلمہ میں جو انتشار اور افتراق ہے، اس کی کئی ایک وجوہات ہیں ، اور بڑی وجہ تو قرآنی تعلیمات سے منہ موڑنا اور دین سے دُوری ہے جس کا شاعر نے بڑا اچھا نقشہ کھینچا ہے۔

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ہمارے اسلاف کی تمام کامیابیاں اور تمام کامرانیاں قرآن کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہوئیں اور ہماری ذلت وخواری ان روشن تعلیمات کو چھوڑنے سے ہوئی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ جو تعلیم و تربیت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی اسے بھی فراموش کر دیا گیا ۔ غور کیجیے کہ مسلمانوں کی اکثریت نماز سے غافل ہے اور جو تھوڑے بہت پڑھتے ہیں ان کی صفوں میں خلا ہے ۔ اور مجھے شاعر کا ہمنوا ہونا پڑتا ہے۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے

صفیں کج، دل پریشاں ، سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

دینِ اسلام کی تعلیمات سب کے لیے اجتماعی ہیں، کسی خاص جماعت اور مسلک کے لیے نہیں ہیں۔ نماز با جماعت میں صف بندی اسی وقت ممکن ہے جب کندھوں کے ساتھ کندھے اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملائے جائیں۔ اس طرح کہ ہر شخص اپنے جسم کے عرض کے مطابق پاؤں پھیلائے یعنی کندھوں کی چوڑائی کے مطابق پاؤں پھیل جائیں، اس سے نہ صرف صفیں سیدھی ہو جائیں گی بلکہ درمیانی خلا بھی پُر ہو جائیں گے، مگر کیا کیجیے کہ لوگ افراط وتفریط کا شکار ہو گئے۔ بعض لوگ پاؤں اتنے سکیڑ لیتے ہیں کہ دونوں پاؤں کے درمیان صرف ہاتھ کی چار انگلیوں کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اور بعض اپنے کندھوں سے تجاوز کر کے پاؤں دور تک پھیلا دیتے ہیں جس سے بدنمائی کا احساس ہوتا ہے۔ خاص طور پر احناف کے یہاں تو بسا اوقات صفوں میں اتنا خلا ہوتا ہے کہ ان میں چھوٹے بچے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے درمیان کوئی سلفی کھڑا ہو تو اسے بڑی مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ پاؤں دوسرے بھائی کے ساتھ ملانا چاہتا ہے مگر وہ سکیڑتا ہے۔ یہ کھینچا تانی مناسب نہیں ہے جس کے ساتھ پاؤں ملائے جائیں اسے چاہیے کہ وہ بھی ملا لے۔

دیندار لوگوں میں اسی خلا کی وجہ سے ان کے دِل پارہ پارہ ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی تھی کہ دیکھنا اپنی صفوں کو ٹیڑھی نہ ہونے دینا ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ ہمارے یہاں جو گِنے چنے دیندار ہیں ان میں اتحاد نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے اٹھاون سال کا طویل عرصہ بیت چکا ہے اور دیندار لوگ یہاں پر نظام اسلام برپا نہ کر سکے۔ اس کے برعکس منافقین کا ٹولہ ان پر حکومت کر رہا ہے اور عوام الناس اسلامی نظام عدل سے محروم ہیں۔ اس کے لیے یقیناً ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں مسئول ہیں، اس مضمون کو سمیٹتے ہوئے صف بندی سے متعلق چند باتیں ذہن نشین کر لیجیے۔

① نماز باجماعت میں صف بندی اقامتِ صلوٰۃ میں سے ہے اور اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یعنی جو اللہ نے فرمایا ہے کہ: ﴿ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ...... ﴾ (نماز قائم کرو۔) اس پر مکمل عمل کرنے کے لیے سنت کے مطابق صف بندی ضروری ہے۔

② امام کے فرائض میں سے ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کو سیدھا کرائے۔

③ پہلی صف مکمل ہونے پر دوسری صف بنائی جائے اور دوسری صف امام کے پیچھے سے شروع کی

جائے، پھر دائیں بائیں یکساں طور پر اس صف کو پُر کیا جائے۔

(۴) ذمہ دار اور اصحابِ علم وفہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر امام سے بھول اور خطا ہو جائے تو وہ فوری اصلاح کر سکیں اور کبھی ایسا ہو کہ امام کا وضوء ٹوٹ جائے یا کوئی اَور عذر پیش آ جائے، تو فوری طور اس کی جگہ صاحبِ علم اس نماز کو مکمل کرا دے۔

(۵) امام کے قریب اصحابِ علم وفضیلت، پھر دائیں بائیں بڑی عمر کے لوگ، آخر میں بچوں کی صف اور اگر خواتین ہوں تو سب سے پیچھے ان کی صف تا کہ نماز سے فراغت کے بعد وہ سب سے پہلے مسجد سے نکل سکیں۔

(۶) صفوں کے خلا کو امام کی طرف پُر کیا جائے یعنی امام کے دائیں طرف کھڑے ہونے والے اپنے بائیں رخ اور بائیں طرف کھڑے ہونے والے اپنے دائیں رخ جڑتے جائیں، اس طرح کہ پاؤں اور کندھے ملے ہوئے ہوں ﴿ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ گویا وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں۔

(۷) پہلی صف مکمل ہونے پر کوئی شخص آتا ہے جب کہ جماعت ہو رہی ہو، وہ اکیلا کھڑا نہ ہو، اسے چاہیے کہ اگلی صف کے وسط میں سے کسی شخص کو پیچھے آنے کا اشارہ کرے گویا صف بنانے کے لیے دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، امام صاحب کو لوگوں کو یہ مسائل سمجھانے چاہئیں۔

(۸) صفِ اوّل کی فضیلت کو کبھی نہ بھولیے، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعا کرتے ہیں، تین بار آپ نے فرمایا اور چوتھی بار دوسری صف کے لیے بھی بشارت دی۔ [مسند احمد بحوالہ معارف الحدیث]

دعا و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا »

"اے اللہ ہمارے دلوں میں الفت ڈال دیجیے۔" (آمین یا رب العالمین)

نماز میں خشوع کیوں اور کیسے؟

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « اَوَّلُ شَيْءٍ يُرْفَعُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْخُشُوْعُ فِي الصَّلَاةِ، حَتّٰى لَا تَرٰى فِيْهَا خَاشِعًا »

[المعجم الکبیر للطبرانی بحوالہ سبب للخشوع فی الصلاۃ علامہ محمد صالح المنجد]

’’رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’اس امت میں سب سے پہلے خشوع ختم ہو گا۔ وہ زمانہ بھی آئے گا کہ تمھیں ایک بھی خشوع کرنے والا آدمی نظر نہ آئے گا۔‘‘ [علامہ البانی نے صحیح الترغیب میں اسے صحیح کہا ہے]

خشوع کا مفہوم:

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ’’اَلْخُشُوْعُ‘‘ کے معنی ’’ضَرَاعَةٌ‘‘ یعنی عاجزی کرنے اور جھک جانے کے ہیں مگر زیادہ تر خشوع کا لفظ جوارح اور ضَرَاعَتُ کا لفظ قلب کی عاجزی پر بولا جاتا ہے، اسی لیے ایک روایت میں ہے:

« اِذَا ضَرَعَتِ الْقَلْبُ ، خَشَعَتِ الْجَوَارِحُ » [مفردات القرآن]

’’جب دل میں فروتنی اور عاجزی پیدا ہو تو اس کے اثرات اعضاء و جوارح سے رونما ہوتے ہیں۔‘‘

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے خشوع کی بڑی جامع تعریف کی ہے:

’’خشوع ایسی کیفیت کا نام ہے کہ دل عاجزی و انکساری کے احساس کے ساتھ رب العالمین کے سامنے کھڑا ہو۔‘‘

امام موصوف نے ایمان بھرے خشوع اور منافقانہ خشوع میں فرق ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’’ایمان بھرا خشوع وہ ہے جس میں دل اللہ کے حضور ڈر رہا ہو، اس کی عظمت اور جلال کی وجہ سے ، ہیبت اور حیا کے ساتھ...... چنانچہ دل خوف، شرمندگی، محبت اور حیا کے ساتھ ٹوٹا جا رہا ہو، اللہ کی نعمتیں یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہیوں کا بھی اعتراف ہو، نتیجتاً دل میں لازماً خشوع پیدا ہو جائے گا اور دل میں خشوع کے نتیجے میں اعضاء و جوارح پر بھی خشوع طاری ہو جائے گا اس کے برعکس منافقانہ خشوع یہ ہوتا ہے کہ جسمانی اعضا پر تو بناوٹی اور منافقانہ خشوع نظر آتا ہے مگر دل میں خشوع کی کیفیت نہیں ہوتی۔‘‘

[مدارج السالکین بحوالہ سببا للخشوع فی الصلاۃ ترجمہ: ابو عبد الرحمن شبیر بن نور]

﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ ﴾ [البقرہ: ۲۳۸]

’’اللہ کے حضور عاجزی سے کھڑے رہو۔‘‘

اس کی تفسیر کرتے ہوئے مجاہد رحمہ اللہ ’’قنوت‘‘ کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ’’قنوت یہ ہے کہ اللہ کے خوف کی وجہ سے جسم پر سکون ہو ، دل ڈر رہا ہو ، آنکھیں جھکی ہوئی ہوں اور پہلو نرم پڑ چکے ہوں۔‘‘ [قدر الصلوۃ للمروزی بحوالہ ایضاً]

قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ ﴾

[المومنون: ۱-۲]

''یقیناً وہ مؤمن فلاح پا گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔''

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ نے اس پر بڑی عمدہ گفتگو کی ہے لکھتے ہیں: ''نماز حقیقی معنوں میں اس وقت نماز کہلا سکتی ہے جب اس میں خشوع و خضوع کا احساس پایا جاتا ہے، جب انسان اپنے اعضاء و جوارح اور قلب و ذہن سے اپنی فروتنی، اپنا عجز اور اللہ تعالیٰ کی جلالت قدر کے جذبات لیے ہوئے ہو اور اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ میری روحانی، ذہنی اور فکری تکمیل اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک کہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کمال اور اپنی کم مائیگی کا اعتراف نہیں کرتا۔ یعنی عبودیت اور اُلوہیت میں فرق کو محسوس کئے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہمارے لیے سر چشمۂ ہدایت اور نمونہ قرار نہیں پاتی اور نہ یہ ہمارے لیے ممکن ہے کہ ہم اپنے حدود اختیار و ادراک سے آگاہ ہوسکیں۔ [لسان القرآن، ج:۱]

احساسِ عبودیت:

گویا کہ نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے لیے اصولی اور بنیادی بات یہ ہے کہ نمازی کے دل میں اس بات کا گہرا یقین پیدا ہو کہ جس کے آگے اپنی جبین نیاز جھکا رہا ہوں وہ میرا خالق اور معبودِ حقیقی ہے میں اس کا بندہ اور غلام ہوں وہ آقا اتنا مہربان اور مشفق ہے کہ اس نے مجھے یہ زندگی اور زندگی کی تمام نعمتوں سے نوازا ہے اور شب و روز اس کے احسانات کی مجھ پر بارش ہوتی رہتی ہے۔ جب دل اس خیال سے سرشار ہو جائے گا تو اس کے جسم کا رُواں رُواں عجز وخلوص کے ساتھ اپنے رب کے حضور بچھ جائے گا۔ ایسی نماز میں ہی سرور وگداز پیدا ہوگا اور یہی نماز خشوع وخضوع کا باعث ہوگی اور یہی نماز فوز وفلاح کا مژدہ بنے گی۔ خشوع پیدا کرنے میں چند باتیں مفید ہوسکتی ہیں:

نماز کی حفاظت:

قرآن حکیم نے نمازوں کی حفاظت پر زور دیتے ہوئے کہا ہے:

﴿ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ﴾ [البقرہ: ۲۳۸]

''اپنی سب نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً درمیانی نماز (یعنی نماز عصر) کی''

اور اہلِ ایمان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ ﴾ [الانعام: ٩٢]

''اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ نمازوں کی حفاظت میں بہت سی باتیں آجاتی ہیں۔ اوقات اور جماعت کی پابندی، باقاعدگی اور ترتیب سے ادائیگی نیز اس میں شوق اور رغبت کا پہلو بھی مضمر ہے کیونکہ کسی اچھی چیز کی حفاظت اسی وقت کی جاتی ہے جب کہ اس سے لگن اور دلچسپی ہو، ابرار و صالحین کے بارے میں آتا ہے:

﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ﴾ [السجدة: ١٦]

''(رات کا کچھ حصہ نیند لینے کے بعد) ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔''

حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''ایک مؤمن کی زندگی خوف اور امید کا حسین امتزاج ہوتی ہے۔ خوف اس بات کا کہ ہمارے گناہ بخشے بھی گئے ہیں یا نہیں؟ کہیں ہمیں جہنم ہی میں نہ جھونک دیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے حسن ظن کہ اللہ ہمارے سب گناہ بخش کر ہمیں اپنی رحمت سے نواز دے گا تاہم امید کا پہلو ہمیشہ راجح ہونا چاہیے۔''

پھر ایسے ہی وہ لوگ ہیں جنھیں کاروبار کی مشغولیت بھی نماز ادا کرنے سے نہیں روکتی، جونہی مؤذن کی صدا دلنواز ان کے کانوں میں پڑتی ہے، یہ ملازمت ہو یا کاروبار، اسے چھوڑ چھاڑ کر کشاں کشاں اپنے یہاں کی مسجد کی طرف چل پڑتے ہیں۔

﴿ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ﴾ [النور: ٣٧]

''(یہ وہ لوگ ہیں) جنھیں اللہ کے ذکر، اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت (بلکہ ذوق و شوق سے یہ فرائض ادا کرتے ہیں)

پھر نماز عاجزی کرنے والوں کے لیے ٹھنڈک اور طمانیت کا باعث بنتی ہے جنھیں اپنے خالق و مالک سے ملنے کی قوی امید ہوتی ہے انھیں حکم ہوتا ہے کہ مشکلات و مصائب میں صبر اور نماز کو کبھی نہ بھولیں:

﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿٤٦﴾ [البقرۃ: ٤٥، ٤٦]

”صبر اور نماز کے ساتھ (اللہ تعالیٰ سے) مدد طلب کرو بے شک نماز ایک مشکل کام ہے، مگر ان فرمانبردار بندوں کے لیے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انھیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔“

احسان کی کیفیت:

احسان کی کیفیت رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

« اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ »

[بخاری بحوالہ سبباً لِلخسوع فی الصَّلَاۃ]

”تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو، گویا تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو کم سے کم یہ خیال ضرور رہے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔“

اس میں پہلا درجہ، کمال کا ہے « كَاَنَّكَ تَرَاهُ »اور دوسرا درجہ « فَاِنَّهٗ يَرَاكَ» یہ بھی اجرو ثواب سے خالی نہیں ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں تو ”احسان“ کے معنی کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں، لیکن یہاں جس احسان کا ذکر ہے، وہ اس کے علاوہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی ہے جو حدیث زیر تشریح میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرنا جیسے کہ وہ قہار و قدوس اور ذوالجلال والجبروت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔“

اس کو یوں سمجھئے کہ غلام ایک تو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جب کہ وہ اس کے سامنے موجود ہو، اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ایک رویہ اس کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کرتا ہے عموماً ان دونوں وقتوں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہے اور عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جس قدر دلی دھیان اور محنت اور خوبصورتی کے ساتھ وہ آقا کی آنکھوں کے سامنے کام کرتا اور جس خوش اسلوبی سے اس وقت وظائفِ خدمت کو انجام دیتا ہے، مالک کی عدم موجودگی میں اس کا حال وہ نہیں ہوتا، یہی حال بندوں کا اپنے حقیقی مولا کے ساتھ بھی ہے جس وقت بندہ

یہ محسوس کرے کہ میرا مولا میرے ہر کام ، بلکہ میری ہر ہر حرکت اور ہر ہر سکون کو دیکھ رہا ہے ، تو اس کی ایک خاص کیفیت اور اس کی بندگی میں ایک خاص شانِ نیاز مندی ہو گی ، جو اس وقت نہیں ہوسکتی جب کہ اس کا دل اس تصوّر اور اس احساس سے خالی ہو۔ [معارف الحدیث، ج:۱]

''احسان'' کی یہ کیفیت صرف نماز میں ہی نہیں بلکہ اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے اور ہر معاملے میں اور ہمہ وقت یہ بات پیشِ نظر رہے کہ میں اپنے خالق و مالک کو دیکھ رہا ہوں یا کم از کم یہ جانے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں کوئی بھی کام ایسا نہ کروں جو اس کی ناراضی کا سبب بنے ،تو یہی بندگیٔ رب کا صحیح مفہوم ہے۔

نماز میں اطمینان وسکون:

رسول اللہ ﷺ نماز میں پرسکون طریقے سے کھڑے ہوتے ، یہاں تک کہ ہر ہڈی اور ہر جوڑ اپنی طبعی جگہ پر آ جاتا، نماز میں کوتاہی کرنے والے کو بھی آپ ﷺ نے اطمینان وسکون کا حکم دیا اور فرمایا:

«لَا تَتِمُّ صَلَاةُ اَحَدِكُمْ حَتّٰى يَفْعَلَ ذٰلِكَ »[سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ، بحوالہ سببا للخشوع فی الصلاۃ]

''تم میں سے کسی کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہو گی ، جب تک وہ اس طرح نماز ادا نہ کرے۔'' (یعنی پُرسکون اور اطمینان سے نماز ادا کرے)

''خشوع وخضوع حاصل کرنے اور آدابِ بندگی کے لیے یہ ضروری امر ہے۔''

نمازی اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے:

حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« اِنَّ الْمُصَلِّيَ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ ، فَلْيَنْظُرْ بِمَا يُنَاجِيْهِ بِهٖ »

[مؤطا اما مالك، كتاب النداء للصلاة ، باب العمل فی القراء ة]

''بلاشبہ نمازی اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے، اسے جاننا چاہیے کہ وہ کیا کلام کر رہا ہے۔''

اس لیے سورۃ الفاتحہ اور دوسری آیات کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ، جنت کی آیات آ جائیں تو دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے اس کی آرزو کرنا، دوزخ اور وعید کی آیات آ جائیں تو دل ہی دل میں استعاذہ چاہنا نماز کو بڑا قیمتی بنا دیتا ہے ، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :''کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر رکھا ہے اور میرے بندے کے لیے وہی ہے جو وہ مانگ لے ، پس جب بندہ کہتا ہے :﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ اللہ تعالیٰ کہتا ہے ، میرے

بندے نے میری تعریف کی ہے اور جب بندہ ﴿ اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴾ کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے ''میرے بندے نے میری ثنا بیان کی'' اور جب بندہ ﴿ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے: '' میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے'' اور جب بندہ کہتا ہے ﴿ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ﴾ اللہ تعالیٰ کہتا ہے''یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے نے جو مانگ لیا وہ اس کا ہے۔'' اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: '' یہ میرے بندے کا حق ہے اور جو میرے بندے نے مانگ لیا وہ اس کا ہوا۔'' [صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، بحواله ايضاً]

یہ اتنی خوبصورت حدیث ہے کہ اسے بار بار پڑھیے اور آئندہ یہ عزم کر لیجیے کہ سورۃ الفاتحہ کو بڑے غور سے آہستہ آہستہ پڑھنا ہے اور اس کی ہر آیت پر ٹھہرنا اور غور کرتے جانا ہے۔

اپنی ہر نماز کو زندگی کی آخری نماز سمجھنا:

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

« اِذَا قُمۡتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ »[مسند احمد، كتاب الزهد ،بحواله ايضاً]

''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اسے الوداعی نماز سمجھ کر ادا کیا کرو۔''

اب اگر ہر نمازی اس شعور سے نماز ادا کرے کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے تو اس پر بھلا خشوع وخضوع اور گریہ و زاری کی کیفیت کیوں طاری نہ ہو گی؟ گفتگو کو سمیٹتے ہوئے خشوع کے سلسلہ میں چند اور باتوں کو اختصار سے یوں بیان کر سکتے ہیں:

۱. جسم ولباس اور جائے نماز کی پاکیزگی۔
۲. نمازوں کو ذوق و شوق اور پابندی سے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ادا کرنا، مردوں کے لیے جماعت کی پابندی لازمی ہے اور وہ صفِ اوّل میں شامل ہونے کی کوشش کریں۔
۳. مسواک کے ساتھ وضو اچھی طرح کرنا۔
۴. صفیں سیدھی بنانا اور مل کر کھڑے ہونا۔
۵. نماز اطمینان اور سکون سے پڑھنا اور تلاوت کردہ آیات پر غور وفکر کرنا۔
۶. کھلی جگہ میں سترے (اوٹ) کا اہتمام کرنا۔
۷. دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا بھی عاجزی و انکساری کی علامت ہے۔
۸. سجدہ گاہ پر نظر ٹکائے رکھنا۔
۹. قرآنی سورتوں اور آیات کو ادل بدل کر پڑھنا اور سجدۂ تلاوت آ جائے تو اسے ادا کرنا تاکہ احکام

الٰہی دل پر ثبت ہوتے رہیں۔

⑩ رکوع وسجود کو نہایت ہی اطمینان سے ادا کرنا۔

⑪ نماز میں شیطانی وساوس پریشان کریں۔ تو " أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھ کر تین دفعہ بائیں طرف (دل کے قریب) تھوتھو کر دیا جائے۔

⑫ نماز کے دوران داڑھی یا انگلیوں کے ساتھ کھیلنے سے اجتناب کرنا۔

⑬ بھوک ستا رہی ہو اور کھانا سامنے آجائے یا سخت تھکاوٹ اور نیند کا غلبہ ہو تو پہلے بھوک کا بندوبست کرنا اور نیند لے کر نماز ادا کرنا۔

⑭ بیت الخلاء کی ضرورت روک کر بھی نماز پڑھنا ناپسندیدہ ہے۔

⑮ نماز کی جگہ سادہ اور صاف ستھری ہونی چاہیے، تصاویر اور نقش و نگار والے پردے بھی نہیں ہونے چاہیے کیونکہ ان چیزوں سے خشوع و خضوع میں فرق آتا ہے۔

⑯ نماز کے دوران دائیں بائیں یا آسمان کی جانب نظر اٹھانا منع ہے اور یہ خشوع کے لیے مانع ہے اسی طرح جمائی کو حتی الوسع روکنا چاہیے، نیز کپڑا لٹک رہا ہو تو اسے باندھ لینا چاہیے۔

دعاء و التجاء:

« رَبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا »

"اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما (اور میرا عمل اس کے مطابق فرمادے) (آمین)

نماز کے ثمرات و برکات

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: « أَرَاَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَىْءٌ ؟» قَالُوْا : لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَىْءٌ ، قَالَ :« فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ »

[متفق علیہ۔ ریاض الصالحین، باب فضل الصلوٰۃ]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بھلا یہ تو بتلاؤ اگر کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ روزانہ پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو،

تو کیا اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہے گی ؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: بالکل نہیں، آپ نے فرمایا: یہی مثال پنجگانہ نماز کی ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمام خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔''

یہ وسیع و عریض کائنات جو ہمارے سامنے پھیلی ہوئی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا اور سجایا ہے، خالق کائنات کی بے شمار اور لا تعداد مخلوق ہے اور صرف وہی اس کا علم رکھتا ہے۔ نہ معلوم کہاں کہاں اس کی مخلوق آباد ہے اور سب کی سب اس کی حمد و ثنا میں مصروف ہے۔

جب کائنات میں ہر ذی روح مخلوق بلکہ ہر ذرّہ اور ہر پتّا خالق کائنات کی تعریف میں رطب اللسان ہے تو اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے انسان کو کہیں زیادہ اس کی حمد و ثنا اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہونا چاہیے اور اس کی سب سے احسن و افضل صورت ''نماز'' ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا ہر مسلمان کے لیے فرض قرار دیا ہے اور جان بوجھ کر جس کے ترک کو کفر ٹھہرایا ہے۔

نماز کیا ہے؟

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''نماز کیا ہے؟ مخلوق کا اپنے دل، زبان اور ہاتھ پاؤں سے اپنے خالق کے سامنے بندگی اور عبودّیت کا اظہار، اس رحمان و رحیم کی یاد اور اس کے بے انتہا احسانات کا شکریہ۔ حسن ازل کی حمد و ثنا اور اس کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار، یہ اپنے محبوب سے مہجور روح کا خطاب ہے، یہ اپنے آقا کے حضور میں جسم و جان کی بندگی ہے، یہ ہمارے اندرونی احساسات کا عرضِ نیاز ہے، یہ ہمارے دل کے ساز کا فطری ترانہ ہے، یہ خالق و مخلوق کے درمیان تعلق کی گرہ اور وابستگی کا شیرازہ ہے۔ یہ بے قرار روح کی تسکین، مضطرب قلب کی تشفی اور مایوس دل کی آس ہے۔ یہ فطرت کی آواز ہے، یہ حسّاس و اثر پذیر طبیعت کی اندرونی پکار ہے، یہ زندگی کا حاصل اور ہستی کا خلاصہ ہے۔'' [سیرت النبی: ج:۵]

انسان کی بے بسی:

انسان انتہائی کمزور پیدا کیا گیا ہے: ﴿وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا﴾ [النساء:۲۸]

یہ ٹھیک ہے کہ جب وہ قوی اور توانا ہوتا ہے اور فخر و غرور اسے آ گھیرتا ہے تو جوش میں اترانے لگتا

ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا ہے اور پھر جب ظلم وستم پر اترتا ہے تو انتہائی سفا کی اور ستم گری کا مظاہرہ کرتا ہے۔مگر اس کے ساتھ ساتھ جب وہ کسی مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ مرض شدت اختیار کر جاتا ہے تو اس کی بے کسی اور بے بسی بھی دیدنی ہوتی ہے ۔ جب اطبا اور ڈاکٹروں کی ادویات بھی بے اثر ہو جاتی ہیں تو پھر وہ ایک ایسی ہستی کی تلاش میں ہوتا ہے جو اس کی تکلیف کو دور کردے۔ اس کے زخموں پر پھاہا رکھے اور وہ مندمل ہو جائیں۔

چنانچہ قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ [النمل:٦٢]

”کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اَور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں مگر) تم بہت کم غور کرتے ہو۔“

تو نماز اسی معبودِ برحق کی یاد اور اُسی سے مصائب کے ہجوم اور تکلیفوں کی شدت میں اس کی مدد کی تلاش اور اس سے رحم کی اپیل ہے۔حکم ہوتا ہے:

﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ [البقرہ:٤٥]

”صبر اور نماز سے اللہ تعالیٰ کی مدد لو۔“

کثیف روح کا علاج:

جب خطاؤں اور گناہوں سے انسان کی روح کثیف اور بوجھل ہوجاتی ہے اور وہ اضطرابی کیفیت سے دو چار ہوتا ہے تو اس وقت وہ ایک ایسی ذات کی پناہ میں آنا چاہتا ہے جو نہ صرف اسے معاف فرمادے بلکہ اس کی روح کو خوشیوں اور مسرتوں سے ہمکنار کردے۔قرآن حکیم اس مژدہ جانفزا کی خبر اس طرح دیتا ہے:

﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝﴾ [هود: ١١٤]

”اور نماز قائم کرو، دن کے دونوں اطراف میں اور کچھ رات گزرنے پر، درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں............۔“

سبحان اللہ! نمازیں بلاشبہ نیکیاں ہیں جن سے برائیاں رفع دفع ہو جاتی ہیں۔ دن کے دونوں اطراف سے مراد صبح اور مغرب کی نماز ہے جب کہ کچھ رات گذرنے پر ''عشاء'' کی نماز مراد ہے۔

اوران آیات پر بھی غور کر لیجیے جن میں ظہر اور عصر کا بھی ذکر آ گیا ہے۔

﴿ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ۝ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ۝﴾ [الروم:۱۷-۱۸]

''پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو، صبح کو بھی اور شام کو بھی اور اُسی کی ستائش ہے آسمانوں میں اور زمین میں (نیز) پچھلے پہر اور ظہر کے وقت بھی (اس کی پاکیزگی بیان کیا کرو)''

اس میں چار نمازوں فجر، مغرب، ظہر اور عصر کا واضح اشارہ ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مؤمن فرض نماز پڑھے جس کے لیے اچھا وضو کیا ہو پھر نماز خشوع و خضوع سے ادا کرے اور رکوع وسجود اچھے ہوں تو یہ گزشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے بشرط یہ کہ وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے۔

[مسلم شریف، بحوالہ تیسیرالقرآن، عبد الرحمن کیلانی]

پریشانی اور بخل کا علاج:

مصائب و مشکلات میں صبر کا دامن چھوڑ دینا اور آسودگی اور خوشحالی میں بخل کی راہ اختیار کرنا شرفِ انسانیت سے گری ہوئی باتیں ہیں اور کامیاب زندگی گذارنے میں مانع ہیں اور معاشرتی زندگی میں کئی خرابیوں کا باعث بنتی ہیں۔ قرآن حکیم نے اس کا مؤثر علاج نماز کو باقاعدگی سے ادا کرنا بتلایا ہے، انسانی عادات و خصائل کا کس خوبصورتی سے نقشہ کھینچا گیا ہے۔

﴿ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ۝ وَاِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًا ۝ اِلَّا الۡمُصَلِّيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ ۝﴾

[المعارج:۱۹تا۲۳]

''بلاشبہ انسان پیدائشی طور پر بے صبر و ہمت ہے، جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اسے خوشحالی ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی (اس خرابی

سے بچ نکلتے ہیں) جو اپنی نمازوں میں مداومت کرتے ہیں۔“

اطمینانِ قلب اور یکسوئی:

دل کی یکسوئی اور قلب کا اطمینان اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کے مقابلے میں دنیا کے تمام خزانے ہیچ ہیں، یہ جسے مل جائے وہ بڑے ہی نصیب والا ہے۔ یہ گراں مایہ دولت بھی نمازی کے کھاتے میں ڈال دی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝﴾ [طٰهٰ: ١٤]

”اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔“

اور اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝﴾ [الرعد: ٢٨]

”ہاں! اللہ ہی کی یاد سے دل تسکین پاتے ہیں۔“

بُرائیوں سے بچنے کا علاج:

انسان یقیناً کمزور اور بے بس پیدا ہوا ہے، وہ بڑی جلدی بہکاوے میں آجاتا ہے، ابلیس اور اس کے ساتھی متواتر اور پیہم ذرّیتِ آدم کو بہکانے پر تلے ہوئے ہیں، وہ نت نئی چالوں سے ورغلاتے اور بہکاتے ہیں۔پھر انسان کے اپنے اندر نفسِ امّارہ اسے گناہوں پر آمادہ کرتا رہتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ مرحلہ بڑا مشکل ہے، بندۂ مؤمن اپنے رب کے سہارے اس آزمائش کا مقابلہ کرتا ہے۔

وہ لیل ونہار میں پانچ بار اپنے قادر وقدیر مالک کے در پر جبین نیاز جھکا کر اس کی مدد اور رحمت کا متلاشی ہوتا ہے وہ نماز میں پڑھی جانے والی آیات پر غور کرتا ہے۔اس طرح احکامِ الٰہی سے باخبر رہتا ہے اور کوئی کام ایسا نہیں کرتا ہے جو مالک کی ناراضی کا سبب بنے،اور اس حال میں اس کے در پر حاضری دینا چاہتا ہے کہ اس کا دامن جان بوجھ کر کی ہوئی برائیوں سے مبرّا ہو، اس طرح نماز اس کے لیے نسخۂ شفا بن جاتی ہے۔

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾ [العنکبوت: ٤٥]

”یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔“

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

'' نماز'' بے حیائی اور برائی کے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری کو روکتی ہے اور واقعتاً ایسا ہوتا ہے لیکن کب ؟ جب دو باتوں کا التزام کیا جائے: ایک دوائی کو پابندی کے ساتھ اس طریقے اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے جو حکیم اور ڈاکٹر بتلائے، دوسرا پرہیز یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو دوائی کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں۔ اسی طرح نماز کے اندر بھی یقیناً اللہ نے ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ لیکن اس وقت جب نماز کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق ان آداب و شرائط کے ساتھ پڑھا جائے جو اس کی صحت و قبولیت کے لیے ضروری ہیں مثلاً :

❶ ...... اس کی پہلی چیز اخلاص ہے۔

❷ ...... طہارت قلب یعنی نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف التفات نہ ہو۔

❸ ...... با جماعت اوقاتِ مقررہ پر اس کا اہتمام۔

❹ ...... ارکانِ صلوٰۃ (قراءت، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ) میں اعتدال و اطمینان ۔

❺ ...... خشوع و خضوع اور رقّت کی کیفیت۔

❻ ...... مواظبت یعنی پابندی کے ساتھ اس کا التزام ۔

❼ ...... رزق حلال کا اہتمام۔

ہماری نمازیں ان آداب و شرائط سے عاری ہیں، اس لیے اس کے وہ اثرات بھی ہماری زندگی میں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں جو قرآن کریم میں بتلائے گئے ہیں۔'' [تفسیر احسن البیان]

کامیابی کا یقینی راستہ:

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی نماز کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے جو تزکیۂ نفس کے ساتھ ادا کی جائے یعنی نفس کو اخلاق رذیلہ سے اور دلوں کو شرک و معصیت کی آلودگیوں سے پاک کر لیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ ﴾ [الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵]

'' بلاشبہ وہ لوگ کامیاب ہو گئے جنھوں نے اپنا تزکیہ کر لیا۔ اور جو اپنے رب کی یاد میں محو رہے اور (باقاعدگی) سے نماز ادا کرتے رہے۔''

نماز اور مسلمانوں کی باہم ہمدردیاں:

ہر علاقے، گاؤں، بستی اور گلی کوچے میں بسنے والے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے یہاں کی مسجد میں اجتماعی نماز کا نظام قائم کریں اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالیں۔ جب ایک ہی صف میں امیر و غریب اور شاہ و گدا پاؤں سے پاؤں اور کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں گے تو ان کے دلوں سے کدورت ونفرت کے فاسد جراثیم ختم ہو جائیں گے اور باہم ہمدردیاں پیدا ہوں گی۔ بلکہ نماز کے بعد باہم علیک سلیک سے ایک دوسرے کے حالات سے نہ صرف باخبر رہیں گے بلکہ نرم وگرم حالات میں بہترین رفیق اور مددگار ثابت ہوں گے۔، اس لیے حکم ہے:

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ﴾ [البقرہ:۴۳]

”نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔“

دورِ حاضر کے مسلمانوں کی زبوں حالی:

اس کے برخلاف قرآن حکیم نے ترک نماز کو ناجائز نفسانی خواہشات کا عنوان، ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہونے کا پیش خیمہ اور دائمی عذابِ دوزخ کا سبب قرار دیا ہے۔ دورِ حاضر کے مسلمانوں کی ذلت وخواری کے بہت سے اسباب میں سے ایک بڑا سبب نماز سے دوری بھی ہے، قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ ﴾ [مریم:۵۹]

”(پھر ابرار وصالحین کے بعد) اُن کی نالائق اولاد ان کی جانشین بنی، جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے، وہ عنقریب برے انجام سے دو چار ہوں گے۔“

(غَيًّا کے معنی ہلاکت اور انجامِ بد کے ہیں یا جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔)

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیۂ مبارکہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”نماز کے ضائع کرنے سے مُراد یا تو بالکلیہ نماز کا ترک ہے جو کفر ہے یا ان کے اوقات کو ضائع کرنا ہے یعنی وقت پر نماز نہ پڑھنا، جب جی چاہا نماز پڑھ لی، یا بلا عذر اکٹھی کر کے پڑھنا یا کبھی دو، کبھی چار، کبھی ایک اور کبھی پانچوں نمازیں (بعض جمعۃ المبارک اور عیدین کی نمازیں پڑھتے ہیں) یہ بھی تمام صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں جس کا مرتکب سخت گناہ گار

اور آیت میں بیان کردہ وعید کا سزا وار ہوسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ربّ کریم کی رحمت اور مغفرت کی خوشخبری بھی ہے۔'' [احسن البیان]

﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ ﴾ [مریم: ٦٠]

'' مگر جو لوگ (سچی) توبہ کرکے ایمان کی راہ اختیار کرلیں اور اعمالِ صالحہ کرنے لگیں تو وہ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا سی بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔''

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ »

'' اے اللہ! سارے کاموں میں ہمارا انجام اچھا کیجیے اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ میں رکھیے۔'' (آمین)

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

اَلْحِيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ

یہ ہے اے دوستو! قولِ پیغمبرؐ
حیاء و شرم بہتر ہے سراسر

روزہ

رمضانُ المبارک اور قرآن

عَنۡ عُمَرَ بۡنِ الۡخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ: «اِنَّ اللّٰہَ یَرۡفَعُ بِھٰذَا الۡکِتَابِ اَقۡوَاماً وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیۡنَ»

[رواہ مسلم، ریاض الصالحین، کتاب الفضائل]

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کی بدولت بہت سے لوگوں کو بلند فرمائے گا اور بہت سے لوگوں کو نیچے گرائے گا (اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والے سرفراز ہوں گے جبکہ اس سے منہ موڑنے والے نامراد ہوں گے)''

رمضان المبارک کی عظمت و برکت یقیناً نزول قرآن سے ہے کہ اس ماہ مبارک میں ربّ کائنات نے اپنی آخری کتاب، ابدی اور لازوال دستورِ حیات خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمانا شروع کیا۔

﴿ شَھۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ ﴾ [البقرۃ:۱۸۵]

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کا نزول (شروع) ہوا۔''

اور جس رات اس کا نزول شروع ہوا وہ بھی ربّ کریم کی رحمتوں سے شبِّ قدر قرار پائی اور اس میں عبادت و ریاضت کا ثواب بھی ہزاروں مہینوں پر سبقت لے گیا سبحان اللہ۔

﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۝ وَمَاۤ اَدۡرٰكَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۝ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَھۡرٍ ۝ ﴾ [سورۃ القدر:۱-۳]

''ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کرنا شروع کیا اور تم کیا جانو کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر (میں عبادت) ہزار مہینوں (کی عبادت) سے بہتر ہے۔''

یہ بنی نوع انسان کے لیے زندگی گزارنے کا واضح اور روشن دستور العمل ہے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴾
[النساء:۱۷۵]

’’لوگو! تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ گئی ہے (کہ تم اس کی ہدایت اور روشنی کے مطابق زندگی گزار سکو) اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔‘‘

قرآن کی روشنی ہی تمہیں بالآخر کامیابی سے ہمکنار کر دے گی ۔ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ﴾ [القصص:۸۵]

’’اے (نبی ﷺ) بلاشبہ جس اللہ نے آپ پر قرآن (عمل اور تبلیغ) کے لیے فرض کیا ہے وہ آپ کو ایک اچھی جگہ (جنت الفردوس) میں لوٹا دے گا۔‘‘

قرآن ہی کا راستہ سب سے سیدھا ہے جس میں خطا اور نقصان کا ادنیٰ سا بھی اندیشہ نہیں ہے۔

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ﴾ [بنی اسرائیل: ۹]

اس کی آیات پر غور وفکر کرنا اور اسے حرزِ جان بنانا ہی اس کی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے۔

﴿ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾
[ص:۲۹]

’’جو کتاب ہم نے آپ ﷺ کی طرف نازل کی ہے بڑی بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور وفکر کریں اور اہل عقل و بصیرت سبق حاصل کریں (اپنی زندگیاں اس کے پیش کردہ اصولوں کے سانچے میں ڈھالیں)۔‘‘

ہمارے اسلاف یقیناً اس آیۂ مبارکہ پر عمل پیرا ہو کر دین و دنیا میں سُرخرو ہوئے مگر افسوس! کہ ہم اس سے قطعی طور پر غافل ہو چکے ہیں جس کے نتیجے میں ذلّت وخواری ہمارا مقدر بن چکی ہے۔

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

ہمارا تعلق قرآن سے محض رسمی طور پر رہ گیا ہے، اس کی آیات پر غور وفکر کرنا تو بہت بڑی بات ہے، ہمارے گھرانے تو اس کی تلاوت سے بھی محروم ہو چکے ہیں ۔ پاکستان کو معرض وجود میں آنے کے چند سال بعد بھی ہمارے گھرانوں میں خواتین و حضرات، بچے اور بوڑھے نمازِ فجر کے بعد تلاوت قرآن میں مصروف نظر آتے تھے اور گلی کوچوں میں سے گزرتے وقت قرآن کے شیریں بول فضا میں عجب

سماں پیدا کرتے تھے۔ اب وہی گلی کوچے بوقت فجر قبرستان کا منظر پیش کرتے ہیں۔ رات گئے تک ٹی وی دیکھنے والے صبح دیر تک خوابِ خرگوش میں محو رہتے ہیں۔ ہمارا تعلق قرآن سے کیسا ہے؟ بقول شاعر:

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں
آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں
دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں
جز دان حریر و ریشم کے
اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے
خوشبو میں بسایا جاتا ہوں
جس طرح سے طوطا مینا کو
کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں
اس طرح سِکھایا جاتا ہوں
جب قول و قسم لینے کیلئے
تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے
ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں
دل سوز سے خالی رہتے ہیں
آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اِک اِک جلسہ میں
پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں
نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے
سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے
ایک بار ہنسایا جاتا ہوں

سو بار رلایا جاتا ہوں
یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے
قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں
ایسے بھی ستایا جاتا ہوں
کس بزم میں مجھ کو بار نہیں
کس عرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں
مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

یہ ماہر القادری رحمہ اللہ نے قرآن سے ہمارے تعلق کی ٹھیک ٹھیک عکاسی کی ہے، ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں قرآنی اخلاق کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی ہے، ہمارا کردار مؤمنانہ صفات کی نفی کرتا ہے اپنوں اور دوسروں کے ساتھ ہمارا رویّہ شرف انسانیت سے گرا ہوا ہے۔

روزانہ اخبارات میں ایسے واقعات چھپتے ہیں جنھیں پڑھ کر ایک حسّاس انسان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے، اسی رمضان المبارک پر دو چار روز قبل روزنامہ ''آواز'' کے سامنے کے صفحہ پر علاقہ گوجراں والا کے ایک ریڑھی بان کا واقعہ چھپا کہ اس کی دو بیٹیوں نے (جن کی عمریں (۸) اور (۱۳) برس تھیں) اپنے والد سے عید کے لیے چوڑیوں کی فرمائش کی تو اخلاق سے تہی دامن اور غربت میں گرفتار اس سنگدل باپ نے اپنے ہاتھ سے ان کے گلے دبا کر ہلاک کر دیا۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

روزانہ اس طرح کے کتنے ہی واقعات ہم پڑھتے ہیں مگر اس نظام جاہلیت کو بدلنے کی کوئی فکر دامن گیر نہیں ہوتی ، اور افرادِ حکومت کی نظر بھی ان پر پڑتی ہوگی مگر نہ تو انہیں قوم کی تعلیم وتربیت ہی کی کوئی فکر ہے اور نہ ہی غریبوں کی غربت کے مداوے کا ہی کوئی خیال، وہ تو سیاسی جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہیں اور انہیں صرف اپنی کرسی مضبوط کرنے کا خیال رہتا ہے۔

پھر بحیثیتِ مجموعی امتِ مسلمہ کی زبوں حالی پر نظر ڈالیے، ہر سو انہیں مار پڑ رہی ہے، انہیں ستایا اور دبایا جا رہا ہے، سرکش اور شیطان امریکہ اپنے چیلوں کے ساتھ ان کے درپے آزار ہے۔ گزشتہ سال افغانستان پر اس کا ظلم وستم تاریخ کا شرمناک باب ہے اور امتِ مسلمہ کیلئے لمحۂ فکریہ۔ اسی کے اشاروں پر اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں پر درندگی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ کشمیری مسلمان بھارت کے پنجۂ استبداد میں

جکڑے ہوئے ہیں، چیچنیا کے مسلمان روس کی جارحیت کا شکار ہیں۔

مسلمانوں کے لیے قرآنِ حکیم اور اس کی پاکیزہ تعلیمات روشنی کا مینار ہیں اور وہ انہیں ایک لڑی میں پُرونا چاہتا ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آل عمران:۱۰۳]

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسّی (قرآن) کو مضبوط پکڑ لو اور آپس میں تفریق نہ ڈالو۔''

اس تفریق اور فرقہ بندیوں کا یقیناً تمہیں نقصان پہنچے گا، قرآن اعلان کرتا ہے۔

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ [الانفال:۴۶]

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

قرآنِ حکیم مسلمانوں کی عزت اور شوکت کا راز ہے وہ اپنی عظمت رفتہ صرف اور صرف اس کی روشنی میں ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست؟
زیر گردوں سرّ تمکین تو چیست؟
آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت اولایزال است و قدیم

''(اے مسلمان!) کیا تو جانتا ہے کہ تیرا آئین کیا ہے؟ آسمان کے نیچے تیری شان و شوکت کا راز کیا ہے، وہ کتاب زندہ قرآنِ حکیم ہے، یقیناً اس میں درج حکمت کی باتیں ہمیشہ رہنے والی اور قدیم ہیں (اور حکمت کبھی پرانی نہیں ہوتی)''

مسلمانو! یاد رکھو قومیں سیم و زر سے نہیں بلکہ اخلاق و ایمان سے بنتی ہیں اور تمہارے پاس ایسی کتابِ اخلاق ہے جس کے مقابلے میں دنیا کے تمام خزانے ہیچ ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝﴾

[یونس:۵۸]

''(اے رسول اللہ ﷺ) فرما دیجیے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (یہ کتاب نازل ہوئی ہے) تو اس پر انہیں خوش ہونا چاہیے (کیونکہ روحانی عظمتوں کا یہ لازوال گنجینۂ) اس سے کہیں بہتر ہے جو یہ لوگ (مال و دولت) کے ڈھیر جمع کر رہے ہیں۔

مسلمانو! اگر تم نے اس زرّیں ہدایت کو نظر انداز کر دیا تو روزِ قیامت تمہیں کفِ افسوس ملنا پڑے گا اور اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا اور تمہارے خلاف رسول اللہ ﷺ کی شہادت ہوگی۔

﴿ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ [الفرقان:۳۰]

اور رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے اے میرے پروردگار! بیشک میری امت (کے یہ لوگ ہیں) جنہوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔"

اس وقت کس قدر حسرت اور افسوس کا مقام ہوگا۔ (فاعتبروا یااولی الابصار)

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي وَزِدْنِي عِلْمًا »

"اے اللہ! جو بات آپ نے مجھے سکھلائی ہے اس سے مجھے نفع دیجیے اور مجھے وہ سکھلایئے جو مجھے فائدہ دے اور علم کے میدان میں مجھے آگے بڑھایئے۔" (آمین یا ربّ العالمین)

رمضانُ المبارک کو قیمتی بنایئے

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَاناً وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ »

[متفقٌ عَلَيه، رياض الصالحين، باب وجوب صوم رمضان]

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ »

[متفقٌ عَلَيه، رياض الصاليحن، باب استحباب قيام رمضان]

"سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ایمان اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے، اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔"

"سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ایمان اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے رمضان میں قیام اللیل (نماز تراویح) کا اہتمام کیا، اس کے (بھی) سابقہ سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔"

الفاظ کی تشریح:

"صَامَ" (صَامَ، یصُومُ، صَوْمًا) امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الصّوم" کے اصل معنی کسی کام سے رک جانے اور باز رہنے کے ہیں، خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو یا چلنے پھرنے یا گفتگو کرنے سے۔ اسی بنا پر گھوڑا چلنے سے رک جائے یا چارہ نہ کھائے، اسے بھی صائمۃٌ کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

" خَيْلٌ صِيَامٌ وَّاُخْرٰی غَيْرُ صَائِمَةٍ "

"کچھ گھوڑے اپنے تھان پر کھڑے ہیں اور دوسرے میدان جنگ میں ہیں۔"

اور ہوا کے ساکن ہونے اور دوپہر کے وقت پر بھی صوم کا لفظ بولا جاتا ہے، اسی تصور پر کہ اس وقت آفتاب وسطِ آسمان پر ٹھہر جاتا ہے، اسی اعتبار سے "قَامَ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ " کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنٰی دوپہر کے وقت سورج کے خط نصف النہار پر ہونے کے ہیں۔ "مَصَامُ الْفَرَسِ اَوْ مَصَامَتُهُ" گھوڑے کے کھڑا ہونے کی جگہ (اصطبل) کو کہتے ہیں۔

اصطلاحِ شریعت میں کسی مکلّف کا روزہ کی نیت کے ساتھ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے، ازدواجی تعلقات اور عمداً قے کرنے سے رک جانے کا نام صوم ہے اور قرآنِ حکیم میں اس آیت مبارکہ میں ﴿ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا ﴾ [مریم:۲۶] "میں نے رحمٰن کے لئے روزے کی نذر مانی ہے اس لئے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔" کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں صوم سے مراد کلام سے رکنے یعنی خاموش رہنے کے ہیں جیسا کہ آیت کے بعد والے حصہ میں آیا ہے

﴿ فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴾ [سورۃ مریم:۲۶]

"تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی" سے اس کی تفسیر کی گئی ہے (سورۃ مریم میں ان آیات کا مطالعہ کیجیے)۔" [مفردات القرآن]

رَمَضَانَ :

یہ رَمَضٌ سے مشتق ہے جس کے معنٰی سورج کی سخت تپش کے ہیں۔ [مفردات القرآن]

مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"رمضان سنہ قمری کے نویں مہینہ کا نام ہے۔ شریعت نے اعتبار قمری مہینوں کا کیا ہے اور اپنے حسابات میں اسی تقویم سے کام لیا ہے۔ قمری مہینے چونکہ مختلف موسموں میں بدل بدل کر آتے رہتے ہیں۔ مسلمان روزہ دار بھی رمضان کی اس گردش سے ہلکی گرمی اور ہلکی سردی، شدید گرمی

اور شدید سردی خشک وتر، ہر موسم میں، بھوک اور پیاس کے ضبط وتحمّل کا خوگر ہو جاتا ہے۔ روزوں کی تعداد تو شریعت نے مقرر کر ہی دی ہے، زمانہ بھی ایک متعیّن ومقرر ہے۔ یہ نہیں کہ محض تعداد، جس کا جب جی چاہے پوری کر لے۔ انفرادی اصلاح تو شاید حسبِ مرضی روزوں سے ہو بھی جاتی لیکن اجتماعی منافع ومصالح کے لئے تعداد کی طرح زمانے کی تعیین بھی ناگزیر تھی۔ وحدتِ امّت کے لئے لازمی تھا کہ عرب وچین، مصر وہندوستان، طرابلس وجاپان، حبش وآسٹریلیا، افغانستان وکینیڈا، سائبیریا اور میکسیکو، برطانیہ اور آسٹریا، غرض سارے روئے زمین پر، اسلامی آبادی جہاں کہیں بھی ہو، سب ایک ہی وقت میں روحانیت کی اس سالانہ پریڈ میں شریک ہوں۔ علم الاجتماع کے مبصرین جانتے ہیں کہ وحدتِ امت وتنظیمِ ملت میں کتنا زیادہ دخل اس ہم وقتی یا وقت کی ہم آہنگی کو ہوتا ہے۔ قرآن کی مناسبت رمضان کے ساتھ ہر صاحبِ نظر پر بالکل روشن ہے، مسلمان اسی لئے قرآن مجید کے اس نزول کی سالانہ یادگار اس مہینہ (رمضان) میں راتوں کو اپنی مسجدوں میں مناتے ہیں اور تراویح کی رکعتوں میں سارے قرآن کو اپنے حافظہ میں تازہ کر لیتے ہیں'' [تفسیر ماجدی، ج:۱]

اِیْمَانًا:

ایمان کی کیفیّت نفسی شک، ریب، تردّد وتذبذب کی بالکل ضدّ ہے۔ ایمان سے اس کے برعکس دماغ کو سکون، دل کو اطمینان روح کو تسلی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی صاحب ایمان کو خودکشی کرتے نہیں پایا گیا، ایمان کے بغیر دل میں بے کلی اور بے چینی رہا کرتی ہے۔ لیکن ایمان والے کو سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی ڈھارس بندھی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اس کا خالق و مالک ہے وہ بڑا سہارا اور مضبوط آسرا ہے۔''

ایمان کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوتا ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [الانعام:۱۶۳]

''کہیے، میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیّت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لئے ہے''

ہر عبادت اور ہر بندگی بلکہ زندگی کا ہر ہر لمحہ صرف اور صرف ربّ کائنات کی رضا مندی کے لئے وقف ہونا چاہیے، اسی کو ایمانی کیفیت کہتے ہیں۔

اِحۡتِسَابًا:

اس لفظ کا مادہ 'ح س ب' ہے۔ حساب کے معنٰی شمار اور گنتی کے ہیں احتساب کے معنٰی شمار کرنے کے ہیں۔ اردو زبان میں احتساب نفس، اپنے نفس کا محاسبہ کرنا استعمال ہوتا ہے، روزے کے لیے احتساب کا لفظ اسی معنوں پر استعمال ہوا ہے کہ روزہ کی پوری طرح نگرانی اور نگہداشت کی جائے۔ اسے انگریزی میں to take into account کہا جا سکتا ہے۔ گویا روزے کی قیمت ایمان اور احتساب سے پڑتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو حکم دیا:

« اِذَا كَانَ يَوۡمُ صَوۡمِ اَحَدِكُمۡ فَلَا يَرۡفُثۡ وَلَا يَصۡخَبۡ فَاِنۡ سَابَّهٗ أَحَدٌ اَوۡ قَاتَلَهٗ فَلۡيَقُلۡ اِنِّيۡ صَائِمٌ۔ » [متفق علیہ، ریاض الصالحین، باب امر الصائم بحفظ لسانہ]

”روزہ دار کو چاہیے کہ روزے کے دن بے حیائی اور شور و شغب سے باز رہے اور اگر کوئی اس کو گالی دے یا لڑنا چاہے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں“ (یعنی لڑائی کا لڑائی اور گالی کا گالی سے جواب نہ دے)

ایک دوسری حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا:

« مَنۡ لَّمۡ يَدَعۡ قَوۡلَ الزُّوۡرِ وَالۡعَمَلَ بِهٖ فَلَيۡسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيۡ اَنۡ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔ » [رواہ البخاری، حوالہ ایضاً]

”جس شخص نے جھوٹ بولنا اور جھوٹی بات پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں“

گویا روزہ دار نہ صرف اپنی زبان و بیان، اپنے افکار وخیالات، اپنے معاملات و معمولات میں احکامِ الٰہی اور سنت رسول ﷺ کی مہینہ بھر تربیت حاصل کرتا ہے، بلکہ شب کو بھی قیام اللیل (نمازِ تراویح) میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو توجہ اور انہماک سے سنتا ہے، اس طرح اس کی زندگی میں انقلاب آتا ہے اور اگر وہ ٹھیک ٹھیک ان ہدایات کو اپناتا ہے تو یقیناً اس کی زندگی میں تبدیلی آنی چاہیے اور یہی تبدیلی اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ ایسے ہی جیسے کوئی بیمار کسی حاذق طبیب سے اس کی ہدایت کے مطابق پابندی سے علاج کراتا ہے تو اللہ کی رحمت سے شفایاب ہو جاتا ہے۔

چند مفید تجاویز:

رمضان المبارک کو قیمتی بنانے کے لئے مندرجہ ذیل امور سود مند ہو سکتے ہیں:

① **درجۂ احسان کی کیفیت**: حدیث میں آتا ہے کہ

« اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ، فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ۔ »

''اللہ تعالیٰ کی بندگی ایسے کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے تو کم از کم یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

جب یہ احساس ہر وقت بیدار رہے تو کوئی شخص کسی کا نہ تو حق مار سکتا ہے اور نہ ظلم و زیادتی ہی کر سکتا ہے اور روزہ تو ہر وقت اسی بات کی تربیت کرتا ہے۔ کہ دیکھو تم نے صبح صادق سے غروب آفتاب تک حلال اور مباح چیزوں کو چھوڑ دیا ہے تو کیا حرام اور ناپسندیدہ چیزیں تمہارے لئے حلال ہو جاتی ہیں۔؟

۲۔ ''**تقویٰ**'' (ہر جگہ اور ہر حال میں اللہ سے ڈرنا): تقویٰ پیدا کرنے میں روزہ کمال کا نسخہ ہے۔ تم اگر چاہو تو بند کمرے میں پانی پی سکتے ہو یا نہاتے ہوئے پانی کے نل سے منہ لگا سکتے ہو۔ مگر ایسا نہیں کرتے، تمہارا ضمیر کہتا ہے کہ ''اللہ دیکھ رہا ہے'' اسی کا نام تو تقویٰ ہے۔ اگر زندگی کے ہر ہر معاملے میں اللہ کی رضا مندی کو پیشِ نظر رکھا جائے اور اس کی ناراضی سے بچا جائے، تو زندگی تقویٰ سے عبارت ہو جاتی ہے اور اُخروی نجات تو اہل تقویٰ کی ہے۔

﴿ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ [القصص: ۸۳]

۳۔ **قرآنِ حکیم پر تدبر**: اسی ماہ مبارک میں قرآن حکیم کا نزول ہوا۔ اسکی قیمتی ہدایات کو حرزِ جان بنانا ہی ہماری کامیابی کی راہ ہے۔ اس کی آیات پر تدبر و تفکّر کرنا ہمیں ساحل مراد سے ہمکنار کر دے گا۔

۴۔ **کثرتِ نوافل**: اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے جب بھی فرصت اور وقت ملے اور خصوصًا شب کے خاموش لمحات میں نوافل ادا کئے جائیں۔ ذرا اس خوبصورت حدیث پر بھی غور فرما لیجئے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

« اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ » [رواه الترمذی، رياض الصالحين، باب فضل قيام الّيل]

''لوگو! سلام پھیلا دو (یعنی ایک دوسرے کو کہو: السلام علیکم) (غرباء و مساکین کو) کھانا کھلایا کرو اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھا کرو، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے''

ایک حدیث مبارک میں اس طرح آتا ہے کہ:

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ مِنْ

رَّمَضَانَ أَحْيَا اللَّيْلَ وَاَيْقَظَ اَهْلَهُ وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ»

[متفق علیه، ریاض الصالحین باب فضل لیلة القدر]

”رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں رات جاگتے تھے اور اپنے اہل خانہ کو بھی جگاتے تھے اور عبادت کے لئے کمر کس کر تیار ہو جاتے تھے“

⑤ **ذکر وفکر، دعاء و مناجات کی کثرت** : اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا جائے، قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے بارے میں آ رہا ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ [آل عمران:۱۹۱]

”جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں“

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ ﴾

[سورة الاحزاب:۴۱، ۴۲]

”اے اہل ایمان! اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو“

⑥ **افطار کے وقت دعا**: حدیث مبارک میں آتا ہے کہ روزہ دار کی افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ دن بھر کی محنت کے بعد یہ مزدوری ملنے کا وقت ہوتا ہے، افطار سے چند منٹ قبل باوضو ہو کر بیٹھ جایئے، اس وقت اپنے لئے، اپنے اہل و عیال کے لیے، دوستوں کے لئے اپنے وطن کے لئے اور امتِ مسلمہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور خلوصِ قلب سے دعا کیجئے۔ نیز نوجوانوں کے لئے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نماز کا پابند بنا دے۔مضمون طویل ہو گیا ہے آخر میں اتنا عرض کرتا چلوں کہ اس ماہ میں صدقہ و خیرات بہت زیادہ کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِىْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَىَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِىْ ، فَاغْفِرْلِىْ فَاِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ »

”اے اللہ! آپ ہی میرے ربّ ہیں، آپ کے سوا میرا کوئی معبود برحق نہیں آپ نے مجھے پیدا کیا اور میں آپ کا بندہ ہوں اور میں آپ کے وعدہ اور اقرار پر(حتی المقدور) قائم

ہوں اپنی خطاؤں اور غلطیوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور آپ کی عطا کردہ نعمتوں کا اقرار بھی کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا مجھے اعتراف ہے، آپ مجھے بخش دیجیے، اور آپ ہی گناہوں کو بخشنے والے ہیں۔'' (آمین یا رب العالمین)

رمضان المبارک اور جُود وسخاوت

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: «کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَکَانَ أَجْوَدُ مَا یَکُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ حِیْنَ یَلْقَاہُ جِبْرِیلُ، وَکَانَ جِبْرِیْلُ یَلْقَاہُ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ مِّنْ رَّمَضَانَ فَیُدَارِسُہُ الْقُرْاٰنَ، فَلَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ یَلْقَاہُ جِبْرِیْلُ أَجْوَدُ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ۔»

[متفق علیہ۔ ریاض الصالحین، باب الجود و فعل المعروف فی شہر رمضان]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں اور بھی زیادہ سخاوت کیا کرتے تھے کہ جب جبریل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور وہ ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور آپ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے۔ تو جب جبریل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز ہوا سے زیادہ سخاوت فرماتے۔'' (سخاوت فرمانے میں مصروف ہوتے)

قرآن و حدیث میں جود و سخاوت کی فضیلت اور درجات کے بارے بہت کچھ آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں یہ خوبی بتمام و کمال نظر آتی ہے۔ سخاوت کے بارے میں سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سچائی کے بعد اسلام کی دوسری بنیادی اخلاقی تعلیم سخاوت ہے، سخاوت کے حقیقی معنٰی اپنے کسی حق کو خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر دینے کے ہیں اور اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔ اپنا حق کسی کو معاف کرنا، اپنا بچا ہوا مال کسی دوسرے کو دینا، اپنی ضرورت کا خیال کیے بغیر کسی دوسرے کو دینا، اپنی ضرورت روک کر کسی دوسرے کو دینا، دوسرے کے لیے اپنے جسم کی قوّت خرچ کرنا، اپنے دماغ کی قوت کو خرچ کرنا، اپنی آبرو کو خطرہ میں ڈال دینا، دوسروں کو بچانے کے لیے یا حق کی حمایت میں اپنی جان دے دینا، یہ سب سخاوت کی ادنیٰ و اعلیٰ قسمیں ہیں، جن کے امتیاز کے لیے الگ الگ نام رکھے گئے ہیں۔'' [سیرت النّبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد ششم]

سخاوتِ نبویہ کے چند واقعات:

سخاوت کی ان اقسام کو پڑھنے کے بعد آپ محمد ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو یقیناً آپ کی ذات اقدس کو کہیں بڑھ کر پائیں گے ان واقعات پر غور کیجئے۔

① ایک دفعہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک سائل آیا، آپ نے اسے ایک کھجور دی سائل کہنے لگا: اللہ کے رسول! صرف ایک کھجور؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے ایک لونڈی سے فرمایا:
"ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ چالیس درہم جو تمہارے پاس ہیں دے دو۔"
لونڈی چالیس درہم لے کر آئی تو آپ ﷺ نے وہ درہم سائل کو دے دیے۔" [شمائل کبریٰ]

② رسول اللہ ﷺ کا جذبۂ سخاوت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ کسی ضرورت مند کی ضرورت کو ہر حال میں پورا فرماتے' اگر آپ کے پاس مال نہ بھی ہوتا تو قرض لے کر بھی دوسروں کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ ایک شخص نے آ کر سوال کیا۔ فرمایا:
"میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لے لو میں اسے اتار دوں گا۔"
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جو قریب بیٹھے تھے کہنے لگے: اللہ نے آپ ﷺ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ قدرت و طاقت سے بڑھ کر کام کریں نبی ﷺ چپ سے رہ گئے ایک انصاری نے پاس سے کہہ دیا: یا رسول اللہ! خوب دیجئے ربّ العرش مالک ہے تنگدستی کا کیا ڈر ہے۔ آپ ﷺ مسکرا دیئے، چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار آشکارا ہو گئے، فرمایا: "ہاں! مجھے یہی حکم ملا ہے۔" [رحمة للعالمین، قاضی منصور پوریؒ ج:۱]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کبھی بھی ایسے نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے (جواب میں) "نہ" فرمایا ہو۔ [مسلم، اسوۃ حسنہ، ج:۲ بنت الاسلام]

حقیقت میں یہ قرآنِ حکیم کی پاکیزہ اور بلند تعلیمات تھیں جس کا عکس آپ ﷺ کی زندگی پر نظر آتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ﴾ [آل عمران:۱۳۴]

"(اللہ سے ڈرنے والے وہ ہیں) جو ہر حال میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں خواہ تنگی ترشی میں ہوں یا آسانی اور خوشحالی میں، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی نیک لوگوں کو اللہ پسند فرماتا ہے۔"

ایک جگہ اس طرح بھی ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾

[الرعد: ٢٢]

''وہ جو اپنے ربّ کی رضا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں، آخرت کا گھر تو انہی لوگوں کے لیے ہے۔''

خرچ کرنے کے آداب:

اس سلسلے میں اس خوبصورت آیۂ مبارکہ پر بھی غور کرتے چلئے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ [البقرة:٢٦٢]

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے، نہ دُکھ دیتے ہیں، اُن کا اجر ان کے ربّ کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔''

خالص اللہ کی رضا کے لیے مذکورہ آلائشوں سے بچ کر خرچ کرنے والوں کے لیے اجر وثواب بھی بے پناہ ہے۔ اس بات کو کتنی خوبصورت مثال سے سمجھا دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَّاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

[البقرة : ٢٦١]

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اس طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی ہے۔''

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی کوئی حد نہیں ہے، زکوۃ تو انفاق کی کم از کم حد ہے، اس کے علاوہ کوئی شخص صدقات و خیرات جس قدر چاہے کر سکتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ [البقرة، آیت ٢١٩]

''تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے جو کچھ تمہاری

ضرورت سے زیادہ ہو۔''

اب اس بات کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات کس قدر ہیں؟ کتنا ضروری مال ان کے لیے اندوختہ کرنا ہے اور بقیہ کتنا فاضل مال ہے جسے وہ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کما سکتا ہے، اس حدیث پر غور کیجیے۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابن آدم اگر تو اپنے بچے ہوئے مال کو خرچ کر ڈالے گا تو یہ تیرے لیے بہتر ہو گا اور اگر تو اس کو بچا بچا کے رکھے گا تو یہ تیرے حق میں برا ہو گا اور بقدر ضرورت روکنے پر تجھے کوئی ملامت نہ کرے گا اور خرچ کی ابتداء اس شخص سے کر جس کا تو کفیل ہے اور اوپر والا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

« وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى » [رواہ مسلم، ریاض الصالحین، باب الکرم والجود]

''یعنی سخی کا ہاتھ سائل کے ہاتھ سے بہتر ہے''

انسان کو شاید اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی بہت بڑی بھول ہے، حقیقت یہ ہے کہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔

پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو پڑھیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک بکری ذبح کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کچھ باقی ہے'' میں نے عرض کیا: ایک بازو باقی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس بازو کے سوا سب باقی ہے۔'' [ترمذی، ریاض الصالحین، حوالہ ایضاً]

یعنی جو اللہ کے راستے میں گیا وہ تو محفوظ ہو گیا اور اس کا اجر و ثواب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ثبت ہو گیا اور جو پیچھے رہ گیا اس فائدے سے محروم رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی تعلیم و تربیت فرمائی تھی کہ یہ نفوسِ قدسیہ ہمہ وقت اللہ کی راہ پر اپنے جان و مال لٹانے کے لیے تیار رہتے تھے اور جو خرچ کرنے سے محروم رہتے انہیں اس بات کا بڑا قلق ہوتا تھا، قرآن بیان کرتا ہے:

﴿ وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ [التوبہ:۹۲]

''(وہ لوگ بھی قابل معافی ہیں) جنہوں نے خود آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی (کہ جہاد کے دور دراز سفر کے لیے) سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور آپ نے کہا کہ میں تمہارے

لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا۔(حالات اجازت نہیں دیتے) تو وہ مجبورًا واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر جہاد میں شامل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔"

پھر ان پاک بازوں میں سے ایسے بھی تھے جو خود بھوکے رہ کر دوسروں کو دے ڈالتے تھے، قرآن ان کے ایثارِ نفس کی شہادت دیتا ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر:۹]

"اور وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔"

سید سلیمان ندوی کہتے ہیں:

"ہر صحابی کا گھر ایک یتیم خانہ بن گیا، ایک ایک یتیم کے لطف و شفقت کے لیے کئی ہاتھ ایک ساتھ بڑھنے لگے اور ہر ایک اس کی پرورش اور کفالت کے لیے اپنی آغوش محبت کو پیش کرنے لگا۔ بدر کے یتیموں کے مقابلہ میں جگر گوشۂ رسول فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے دعوی کو اٹھا لیتی ہیں، چکّی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں کہ کوئی خادمہ کام کرنے کے لیے عطا کیجئے، مگر آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ابھی بدر کے یتیموں کی ضرورتیں پوری نہیں کر سکا ہوں، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان اور انصار وغیرہ کی یتیم لڑکیوں کو اپنے گھر لے جا کر دل و جان سے پالتی ہیں، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابی رسول کا یہ حال تھا کہ وہ کسی یتیم بچہ کو ساتھ لیے بغیر کبھی کھانا نہ کھاتے تھے۔" [سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم]

شاعر ان ابرار و صالحین اسلام اور غریبوں سے محبت کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

سب اسلام کے حکم بردار بندے
سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے
یتیموں کے، بیواؤں کے غم خوار بندے

مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے۔ اختصار سے عرض کرتا ہوں کہ ہمارے اسلاف ایمان و عمل کے لحاظ سے کتنے بلند تھے اور ہماری حالت کیا ہے؟

تم ہو آپس میں غضبناک وہ آپس میں رحیم
تم خطاء کار و خطابیں وہ خطاپوش و کریم

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

دعاء والتجاء:

«اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا»

''اے اللہ! آپ مجھے بہت زیادہ صابر و شاکر بنا دیجیے، مجھے میری نظر میں چھوٹا (عاجز) اور دوسروں کی نظر میں بڑا (باعزت) بنا دیجئے۔'' (آمین یارب العالمین)

روحانی و اخلاقی تربیت کا مہینہ......(۱)

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِ یَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: یٰاَیُّھَا النَّاسُ! قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ، شَھْرٌ مُبَارَکٌ، شَھْرٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَقِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْہِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ وَھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُـہُ الْجَنَّۃُ وَ شَھْرُ الْمُؤَاسَاۃِ وَشَھْرٌ یُزَادُ فِیْہِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِیْہِ صَائِمًا کَانَ لَہٗ مَغْفِرَۃً لِذُنُوْبِہٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِہٖ مِنَ النَّارِ وَکَانَ لَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْءٌ قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! لَیْسَ کُلُّنَا یَجِدُ مَا یُفَطِّرُ بِہِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یُعْطِی اللّٰہُ ھٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی تَمْرَۃٍ اَوْ عَلٰی شُرْبَۃِ مَآءٍ، اَوْ مَذْقَۃِ لَبَنٍ، وَھُوَ شَھْرٌ اَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ وَاَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ وَاٰخِرُہٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوْکِہٖ فِیْہِ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَاسْتَکْثِرُوْا فِیْہِ مِنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ: خَصْلَتَیْنِ تُرْضُوْنَ بِھِمَا رَبَّکُمْ فَشَھَادَۃُ اَنْ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَتَسْتَغْفِرُوْنَہٗ وَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ لَا غِنَاءَ بِکُمْ عَنْھُمَا فَتَسْأَلُوْنَ اللّٰہَ الْجَنَّۃَ وَتَعُوْذُوْنَ بِہٖ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ سَقٰی صَآئِمًا سَقَاہُ اللّٰہُ مِنْ حَوْضِیْ شُرْبَۃً لَا یَظْمَأُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ» [الترغیب والترھیب، کتاب الصوم]

''سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تم پر ایک عظیم اور بابرکت مہینہ سایہ گستر ہونے کو ہے ۔ اس بابرکت مہینے کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس ماہ کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور رات کا قیام نفل عبادت قرار دیا ہے جو شخص اس مہینے میں ایک نفل ادا کرے گا اسے فرض کے برابر ثواب ملے گا اور جو ایک فرض ادا کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر ثواب پائے گا اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر جنت ہے اور یہ ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے ۔ اس ماہ مقدس میں بندہ مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا ۔اس کا یہ عمل اس کے لیے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی و رہائی کا ذریعہ ہو گا اور روزہ افطار کرانے والا روزہ رکھنے والے کے برابر ثواب حاصل کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر شخص کو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (وہ افطار کرانے کے ثواب سے کیسے بہرہ ور ہو سکتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو ایک کھجور یا دودھ کی تھوڑی سی لسی یا صرف پانی کے ایک گھونٹ پر ہی کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ماہِ مبارک کا ابتدائی (عشرہ) رحمت ہے اور درمیانی (عشرہ) مغفرت ہے اور آخری (عشرہ) آتشِ دوزخ سے آزادی ہے جو شخص اس مہینے میں اپنے غلام اور خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا (وقت سے پہلے رخصت دے دی) اللہ تعالیٰ اس کی معفرت فرما دے گا اور اسے دوزخ سے آزادی اور رہائی عطا فرمائے گا۔ اس مہینے میں چار چیزوں کا بہت زیادہ خیال کرو۔ ان میں سے دو باتیں ایسی ہیں جن سے تم اپنے ربّ کو خوش کرو گے۔(پہلی بات یہ ہے) کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا وِرد کثرت سے کرو(دل کی گہرائی سے اقرار کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں) اور (دوسری بات یہ ہے) کہ تم اسی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو اور دو باتیں ایسی ہیں جن سے تم کسی طرح بھی بے نیاز نہیں رہ سکتے ہو(پہلی یہ) کہ اللہ تعالیٰ سے جنت طلب کرو۔ اور (دوسری یہ) کہ جہنم سے بچنے کے لیے ربّ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاؤ۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے کسی روزہ دار کو سیراب کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض(کوثر) سے سیراب فرمائے گا۔ اسے پیاس نہ ستائے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے۔''

نبی ﷺ کے اس عظیم الشان خطبہ میں ہمارے لیے انمول نصیحتیں اور لازوال انعامات کی خوشخبریاں ہیں۔آیئے ان پر غور کریں۔

خطبہ کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کی آمد پر اس کی سعادتوں سے بہرور ہونے اور خیر و برکت کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے اس کی قدر و منزلت کا احساس دلایا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ پورے فکر وشعور اور ذوق وشوق سے ان قیمتی لمحات سے بھر پور فائدہ اٹھائیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ معلوم نہیں اس حیاتِ مستعار کا سلسلہ اس دنیائے فانی سے کب منقطع ہو جائے اور آئندہ ہم رمضان کے خیرو برکت سے فائدہ اٹھا سکیں یا نہ۔

پہلی بات جس کی طرف آپ ﷺ نے امت کو توجہ دلائی وہ یہ ہے کہ اس ماہ مقدس میں ربّ العالمین کی کتاب قرآنِ مجید کا نزول سب سے آخری رسول جناب محمد ﷺ کے قلبِ اطہر پر ہوا جسے جلیل القدر فرشتے جبریل امین لے کر آتے رہے۔ یہ کتابِ ہدایت نسلِ انسانیت کے لیے کامیاب زندگی گزارنے کا پاکیزہ منشور ہے۔اس کی حفاظت کا ذمہ ربّ کریم نے لیا ہے اور محض اس کی رحمت سے چھ سات برس کا بچہ اسے اپنے سینے میں ضبط کر لیتا ہے ، آج اس کے حفاظ کی تعداد ہزاروں نہیں لاکھوں تک ہوگی اور دنیا کے جس جس کونے میں مسلمان آباد ہیں۔وہاں حفاظ کرام نمازِ عشاء کے بعد صلاۃ التراویح میں اسے سناتے ہیں۔ اس عظیم کتاب کے نزول سے ماہ رمضان کی عظمت بڑھ گئی ہے اور اس ہدایت اورروشنی ملنے پر مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے روزے رکھتے ہیں تاکہ رحمٰن و رحیم کا شکریہ ادا کریں۔ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ [البقرة : ١٨٥]

”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو نسل انسانیت کے لیے ہدایت ہے اور اس میں روشن، حق و باطل میں امتیاز کرنے والے واضح دلائل ہیں۔لہٰذا تم میں سے جو شخص اس ماہ کو پالے(اس کی زندگی میں یہ مہینہ آجائے) تو اس پر لازم ہے کہ پورا مہینہ روزے رکھے ہاں اگر کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرسکتا ہے، اللہ تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ چاہتا ہے سختی کا نہیں(یہ اس لیے کہ) تم مہینہ بھر کے دنوں کی گنتی پوری کرلو

اور جو اللہ نے (قرآن کی صورت میں) تمھیں ہدایت دی ہے اس پر اس کی کبریائی کا اعلان کرو اور اس لیے بھی کہ تم اس کے شکر گزار بندے بن کر رہو۔‘‘

غور کیجیے کہ اس عظیم نعمت ملنے پر مسافر اور مریض کو اگرچہ وقتی طور پر روزے چھوڑنے کی اجازت ہے مگر حکم ہے کہ صحت بحال ہونے اور سفر سے واپسی پر اس کی گنتی کو پورا کرو کہ زندگی کے مختصر سفر میں تمہارے اجر وثواب میں کمی نہ رہ جائے پھر غور کیجیے کہ روزے رکھنے سے مسلمانوں کی ذہنی اور فکری تربیت کا سرو سامان بھی ہے، زندگی کا مقصد محض کھانا پینا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے تقویٰ و طہارت سے آراستہ بھی کرنا ہے۔ یہی وہ ارفع و اعلیٰ نصب العین ہے جس کے حصول کے بعد کوئی انسان اپنے ربّ تعالیٰ کا مقرب ترین بندہ بن جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ [البقرہ:۱۸۳]

’’اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے جاتے ہیں، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔ (تم پرہیز گاری کی زندگی گزار کر کامیابی سے ہمکنار ہوسکو)

اسی ماہ میں ربّ کریم کی طرف سے مسلمانوں کو مزید انعام سے نوازا گیا ہے جس میں ایک ہی رات میں خلوص سے کی ہوئی عبادت ہزاروں مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اور اس کا اجر وثواب لامحدود اور لامتناہی ہے اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ جس طرح اس مادی دنیا میں انسان تیز رفتار ہوائی جہاز کے ذریعہ منٹوں اور گھنٹوں میں وہ سفر طے کر لیتا ہے جو ماضی میں دنوں اور مہینوں میں ہوتا تھا، اسی طرح رضائے الٰہی اور قربِ الٰہی کے سفر کی رفتار شب قدر میں اتنی تیز کردی جاتی ہے کہ جو مخلص بندوں کو سینکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہوسکتی وہ اسی مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اور رسول کریم ﷺ نے تلاش وجستجو کے بعد امت کو یہ نوید سنائی ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ ›› [رواہ البخاری ،ریاض الصالحین، باب استحباب قیام رمضان]

’’سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔‘‘

اورسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت و ریاضت میں وہ مجاہدہ اور مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے بلکہ ان سعادتوں کو حاصل کرنے کے لیے اہلِ خانہ کو بھی شوق و رغبت دلاتے۔

ویسے تو اس رات میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش کے علاوہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں طلب کی جاسکتی ہیں تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا سکھلائی۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ » [رواہ الترمذی، ریاض الصالحین، ایضا]

”اے میرے اللہ! تو بڑا ہی معاف کرنے والا ہے اور معاف کردینا تجھے پسند ہے۔ پس تو میری خطائیں معاف فرما۔“ (آمین یارب العالمین)

ہم پاکستانی یقیناً بڑے خطاکار اور مجرم ہیں۔ آزادی حاصل کیے ہوئے ۵۸ برس گزر چکے ہیں مگر اسلام کا عادلانہ نظامِ حیات نہ اپنا سکے اور نہ ہی اسے ملک میں جاری کر سکے، ہم اپنے کوائف خوب جانتے ہیں۔ دعا ہے کہ ربّ کریم ہماری زندگیوں کو اپنی رحمت سے بدل ڈالے اور ایمان کی حلاوت نصیب فرمائے۔ آمین۔

روحانی و اخلاقی تربیت کا مہینہ......(۲)

رمضان کے خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اس ماہ میں ایک نفل ادا کرے گا اسے فرض کے برابر ثواب ملے گا۔ اور فرض کا ثواب ستّر درجے بڑھ جاتا ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہے کہ نیک اعمال کا وزن اور ثواب اس نے زیادہ رکھا ہے اس میں خلوص اور اس کی رضا مندی ضروری ہے۔ قرآنِ کریم نے حلال طریقے سے کمائے ہوئے مال میں سے خلوصِ نیت کے ساتھ خرچ کرنے پر لازوال اجر وثواب کا ذکر اس طرح کیا ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَّاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴾

[البقرۃ: ۲۶۱]

”جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے جس سے سات بالیاں اگیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے

چاہے اس کا اجر اس سے بھی بڑھا دیتا ہے اور اللہ بڑا ہی فراخی والا اور جاننے والا ہے۔ (اس کی کشادہ دستی کا بھلا کون اندازہ کرسکتا ہے اس کا علم وسیع ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون کس نیت سے عمل کر رہا ہے۔)

یہ تو عام دنوں کا حال ہے اور رمضان المبارک میں تو ربّ کریم کی رحمت اور بخشش کا کیا کہنا ! بندوں کو تو اپنے اعمال میں صفائی اور خلوص پیدا کرنے کی ضرورت ہے اس حدیثِ مبارک پر غور کیجیے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ صرف پاک مال قبول کرتا ہے جس نے اپنے رزقِ حلال سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کی یوں نشوونما فرماتا ہے جیسے تم اپنے بچھڑے کی نشو ونما کرتے ہو۔حتیٰ کہ وہ کھجور پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔"

[بخاری، بحوالہ تیسیرالقرآن مولانا عبد الرحمن کیلانی]

اسی مثال سے ہر عمل کی قیمت اور وزن اور اجر وثواب کا اندازہ لگا لیجیے پھر لسانِ صدق سے ارشاد ہوا: "یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر جنت ہے۔"

حالتِ صوم میں صرف بھوک اور پیاس پر ہی صبر نہیں ہوتا بلکہ دن بھر اپنے نفس کو لگام دینا، زبان و بیان کی لغزشوں سے بچنا، آنکھ اور کان کی حفاظت کرنا، خواہشاتِ نفس کو زیر کرنا، حصولِ رزق میں جائز ذرائع اختیار کرنا، خواہ اس میں نقصان ہی ہوتا ہو، کمال صبر ہے کہ جنھیں اپنا کر بندۂ مومن اخلاق اور کردار کی بلندیوں کو چھوتا ہے۔

استاذ عفیف عبد الفتاح طبارہ اپنی مشہور کتاب "روح الدّین الاسلامی" میں رقمطراز ہیں (عربی سے اردو ترجمہ اس طرح ہے)

"صبر اخلاقی فضائل میں سے ہے اور یہ ایک ایسی روحانی خوشبو ہے کہ جب ایک مؤمن اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے تو اس کے رنج و الم، دکھ اور مصائب ہلکے پڑ جاتے ہیں اور اس کے قلب میں سکون و اطمینان گھر کر لیتا ہے یہ اس کے ان زخموں کی دوا بن جاتا ہے جن سے وہ کرب و اذیت محسوس کر رہا تھا۔ پس ایک صابر شخص شدائد و مشکلات کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہتا ہے اور ان کو اللہ کی طرف سے خیال کر لیتا ہے۔غور وفکر کے بعد ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ان سختیوں پر صبر اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کے نتیجے میں رحمت الٰہی کے جھونکے ہماری طرف جھکتے چلے آتے ہیں۔ وہ شخص جاہل ہے جو شور مچاتا اور غمگین ہو کر کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے مگر عقلمند شخص جن مشکلات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے گھرا

ہوا ہوتا ہے ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے نیکی کی راہیں تلاش کرتا ہے۔''

قرآنِ حکیم میں صبر کی نصیحت اور اس کے ثمرات کا کئی جگہ ذکر آیا ہے اور ایک جگہ صابرین کو ان الفاظ میں زبردست بشارت دی گئی ہے۔

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ [الزمر: ۱۰]

''بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلاحساب دیا جائے گا۔''

اسی خطبہ میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اور یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے اس ماہِ مقدس میں بندۂ مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے۔

اگر روزہ صحیح شعور سے رکھا ہے تو بھوک اور پیاس کی شدت میں ان غرباء و مساکین کا خیال ضرور آئے گا جنھیں پیٹ بھرنے کے لیے نانِ جویں اور تن ڈھانپنے کے لیے کھردرا لباس بھی میسر نہیں ہے اگر کوئی شخص قساوتِ قلبی کا شکار نہیں ہے تو وہ انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے نادار اور غریب لوگوں سے ہمدردی و غمخواری کا اظہار ضرور کرتا ہے۔ کسی دشوار گزار گھاٹی مثلاً کے ٹو اور ہمالیہ کو سر کرنا اور وہاں اپنی عظمت و شوکت کے جھنڈے گاڑنا ہمارے نزدیک عظیم کام ہے مگر قرآنِ حکیم کے نزدیک دشوار گزار گھاٹی کیا ہے۔ آیئے دیکھیں وہ کیا کہتا ہے؟

﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ﴾ [البلد: ۱۰ تا ۱۶]

''انسان کہ جسے اللہ تعالیٰ نے عزت و عظمت سے نوازا) مگر اس نے دشوار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی اور آپ کیا جانیں کہ وہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ وہ ہے کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا ، یا فاقہ کے دنوں میں کھانا کھلانا' کسی قرابتدار یتیم کو یا کسی خاکسار مسکین کو۔''

یاد رکھئے ......! فضول خرچی کرکے ڈینگیں مارنے ، نمودو نمائش کے لیے بلند و بالا عمارتوں پر چراغاں کرنے کی بجائے مال خرچ کرنے کے یہ حقیقی مصرف ہیں جن کا ذکر مندرجہ بالا آیات میں ہوا ہے۔ یہ کام کرنے سے شہرت کے ڈنکے تو نہیں بجتے نہ وہ چرچے ہوتے ہیں جو ہزاروں کھاتے پیتے لوگوں کی دعوتیں کرنے سے ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں لا زوال اجر ثبت ہو جاتا ہے جس کا اندازہ اس دنیا میں نہیں بلکہ یومِ جزا کو لگایا جا سکے گا۔ جس کا اعلان ربّ کریم نے اس طرح کیا ہے۔

﴿ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝ ﴾ [آل عمران: ۱۹۸]

"لیکن جو لوگ اپنے ربّ سے ڈرتے رہے (اور زندگی کو متوازن اور با مقصد گزارا) ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن میں نہریں رواں دواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کے ہاں ان کی مہمانی ہوگی اور جو کچھ اللہ کے ہاں موجود ہے نیک لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے۔"

مولانا عبد الرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کے ترجمہ قرآن میں حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

"(ابرار و صالحین کی) سب سے بڑھ کر مہمان نوازی ہوگی، مہمان وہ خود ہوں گے، میزبان اللہ تعالیٰ اور دسترخوان جنت ہوگا۔ اس میزبانی کے کیا کہنے؟" [تیسیر القرآن] (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائیں آمین)

یہ تو آخرت کی سدا بہار زندگی ہے اور دنیا سے اس کی کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ مگر غور کریں تو رمضان میں بندۂ مومن کا تھوڑا بہت رزق اس دنیا میں بھی بڑھا دیا جاتا ہے سحری و افطاری کے وقت متوسط گھرانوں کے دسترخوان بھی کچھ زیادہ ہی سجے ہوتے ہیں۔

یہاں رک جائیے اور افطاری وسحری کرتے وقت ان غریبوں اور مسکینوں کا خیال بھی دل میں لائیے جو پاس پڑوس اور دور و نزدیک رہتے ہیں جن کے گھر میں شام کا راشن نہیں ان تک رسائی کرنا اور ان کی مدد کرنا بڑا ہی اجر ہے۔

میں یہ سطور لکھ رہا ہوں اور مجھے ان ہزاروں چیچنی مسلمانوں کی یاد ستا رہی ہے جو اس غضب کی سردی میں خیموں میں پناہ لیے ہوئے ہیں روسی درندوں نے زبردست گولہ باری کر کے سینکڑوں کو شہید کر ڈالا۔ ان کی عمارتیں ملبے کا ڈھیر بن گئیں ان کے ہسپتال مریضوں سمیت تباہ کر دیے گئے ان کے کاروبار ٹھپ ہو گئے اور وہ کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں کیا اس ماہِ مقدس میں عالمِ اسلام کے مسلمان ان نہتے مجاہدوں اور خیموں میں ٹھہرے ہزاروں بوڑھوں، بچوں، خواتین و حضرات کی مدد کو اٹھیں گے؟ کیا حکومتِ پاکستان حکومتی سطح پر اجتماعی فنڈ اکٹھا کر کے ان مظلوم، بے کس لوگوں تک پہنچا سکتی ہے۔ اس زندگی کا کیا فائدہ؟ جس میں ہمدردی، غمخواری کا جذبہ نہیں ہے اے ربّ کریم! ہمیں فہم و بصیرت کی دولت سے نواز۔ آمین۔ [الاعتصام ۱۵/رمضان ۱۴۲۰]

دعاء و التجاء:

«رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝»

[الممتحنة: ۵]

"اے ہمارے رب! ہمیں کفار کا زیر دست اور تختۂ مشق نہ بنائیے اور اے ہمارے پالنہار ہماری خطاؤں کو بخش دیجیے۔ بے شک آپ ہی غالب اور حکیم ہیں۔" (آمین یا رب العالمین)

روزہ روحانی اور جسمانی تربیت

وَ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ کُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّیَامَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَأَنَا أَجْزِیْ بِهٖ وَالصِّیَامُ جُنَّةٌ، فَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ أَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ: اِنِّیْ صَائِمٌ ، وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِّیْحِ الْمِسْكِ۔ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ یَفْرَحُهُمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ بِفِطْرِهٖ وَاِذَا لَقِیَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ »

[متفق علیه ریاض الصالحین باب وجوب صوم رمضان]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آدمی کا ہر عمل اس کے لئے ہے اور روزہ خاص میرے لئے ہے میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور روزے ڈھال ہیں اگر تم میں سے کوئی روزہ سے ہو تو نہ وہ جنسی باتیں کرے اور نہ شور مچائے (یہاں تک کہ) اگر اسے کوئی گالی بھی دے یا جھگڑا کرنے پر آمادہ ہو جائے تو کہہ دے (دلی زبان سے یا دل سے) کہ میں روزے سے ہوں (اور لڑائی جھگڑے سے الگ ہو جائے) قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو کستوری سے زیادہ پسند ہے اور فرمایا کہ روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں ایک افطار کے وقت (دن بھر محنت کرنے کے بعد) کہ اس کا دل خوشیوں سے لبریز ہو جاتا ہے اور دوسرے جب وہ (یوم جزا) ربّ تعالیٰ سے اس کا اجر لے گا تو اس وقت بھی (انعام ملنے پر) فرحاں و شاداں ہوگا۔"

لغت : اَلرَّفَثُ : اَلْکَلَامُ الْفَاحِشُ، فحش اور بیہودہ گفتگو) اَلصَّخَبُ، اَلْغَطُّ، غل غپاڑہ۔ اَلْخُلُوْفُ ۔ تَغَیُّرُ رِیْحِ الْفَمِ "منہ کی ہوا کا بدل جانا" (الشیخ محمد ناصر الدین البانی) جُنَّةٌ : وِقَایَةٌ مِّنَ النَّارِ أَوِ الْمَعَاصِیِ گناہوں سے چھٹکارا اور آتش جہنم سے رہائی۔

انسانی زندگی جسم اور روح سے مرکب ہے اور ان دونوں کے کمال ہی سے انسان کو عروج اور سربلندی نصیب ہوتی ہے صحت مند جسم میں پاکیزہ اور صاف ستھری روح ہو تو عبادت میں حلاوت پیدا ہوتی ہے اور زندگی بامقصد بن جاتی ہے صحت مند انسان قلبِ سلیم کے ساتھ ایک طرف اللہ تعالیٰ کے ان

گنت احسانات پر اس کا شکر بجا لاتا ہے تو دوسری طرف اس کے بندوں کے ساتھ مروت و احسان سے پیش آتا ہے اس کی زندگی کا ہر ہر لمحہ نیکیوں اور پاکیزگیوں میں بسر ہوتا ہے وہ خود بھی نیک بن کر زندہ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی نیکی اور سچائی کی دعوت دیتا ہے انبیاء علیہم السلام اور ان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی زندگیاں اسی صداقت کا نمونہ ہوتی تھیں۔

اس کے برعکس جسمِ انسانی میں بگاڑ پیدا ہوجائے، بخار آجائے نزلہ و زکام میں گرفتار ہوجائے، درد سر اور درد پیٹ میں مبتلا ہوجائے تو ذہن وفکر پریشانی سے دوچار ہوجاتا ہے ایسا شخص فرائضِ بندگی کما حقہ ادا نہیں کرسکتا دوسری طرف اگر جسم تو ظاہری طور پر ٹھیک نظر آئے مگر روح کمزور ہوجائے وہ حسد و بغض کا شکار ہوجائے، کفر و نفاق کی کیفیت پیدا ہونے لگے، نظر و فکر معاصی کا ارتکاب کرنے لگیں، زبان پر قابو نہ رہے، خیالات منتشر اور پراگندہ ہوجائیں، جھوٹ اور فریب دہی سے دھن دولت اکٹھی کی جائے تو ایسی بیماریاں جسمانی بیماریوں سے بھی کہیں خطرناک اور مہلک ثابت ہوتی ہیں۔ ان بیماریوں کی موجودگی میں ظاہری طور پر جسم خواہ کتنا ہی خوبصورت اور مضبوط نظر آئے مگر حقیقت میں اس کی مثال اس دیمک شدہ لکڑی کی طرح ہوتی ہے جسے رنگ روغن سے چمکا دیا گیا ہو مگر اندر ہی اندر سے اسے دیمک نے چاٹ کھایا ہو وہ عنقریب ہی دھڑام سے زمین پر گرنے والی ہوتی ہے۔ قرآن کی روشنی میں ایسے انسان ظاہری طور پر بصارت رکھنے کے باوجود اندھے ہوتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اپنی بصیرت کو ضائع کر رکھا ہے اور سب سے بڑا اندھا وہ شخص ہے جو اپنے فہم و بصیرت سے تہی دامن ہوجائے ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ [الحج:٤٦]

بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں (کہ حق بات کو جگہ نہیں دیتے) اور پھر ایسے انسان جو دل و دماغ، فکر وشعور سے کام نہیں لیتے وہ شرف انسانی کو ضائع کر دیتے ہیں اور عزت وفضیلت ایسے کھو بیٹھتے ہیں گویا کہ وہ حیوانات ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں فرمایا:

﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾

[الاعراف:١٧٩]

"ان کے دل ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے (سچائی کو) دیکھتے نہیں۔

اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں (حق بات کو جگہ نہیں دیتے) یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔"

اسلام جسم اور روح دونوں کی صحت کی ضمانت دیتا ہے اور روزہ اس کا بہترین علاج ہے صبح سے شام تک کھانے پینے سے رک جانے سے جسم کے فاسد مادّے تحلیل ہوجاتے ہیں معدہ پرخوری کے باعث جو تھک چکا ہوتا ہے اس وقفہ سے آرام پاجاتا ہے وہ تندرست وتوانا ہوکر غذا کو بہتر طور پر ہضم کرنے کے قابل ہوجاتا ہے اور اس طرح انسان کی صحت ٹھیک رہتی ہے اور وہ اپنی زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ اللہ کے حکم سے چند گھنٹوں کے لئے رزقِ حلال کو ترک کر دیتا ہے تو روزہ اس کی تربیت کرتا ہے کہ وہ حرام باتوں کو بدرجہ اولیٰ چھوڑ دے وہ ہر لمحہ انسان کو (بشرطیکہ وہ اپنا محاسبہ کرتا رہے) یاد دلاتا ہے کہ تم نے اپنے مولا و مالک کی رضا کی خاطر کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے تم چاہو تو تخلیہ میں کھا پی سکتے ہو مگر تمہیں اپنے ربّ کا خوف ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے تو پھر تمہارے تمام اعضاء جوارح بھی اسی کے مطیع وفرمانبردار بن جانے چاہئیں۔ وہ جونہی کسی ناجائز کام کا ارتکاب کرنے لگتا ہے روزہ اس کے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے اسی طرح مسلسل تربیت سے وہ برائیوں سے بچنے والا اور نیک باتوں کا عادی بن جاتا ہے گویا کہ بندہ مومن روزہ رکھ کر شیطان اور نفس امارہ کے مکروفریب سے بچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ انسان بن کر اس کے لازوال انعامات سے سرفراز ہوتا ہے۔

ویسے تو انسان کا ہر عمل ربّ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہی ہوتا ہے اور اس کا اجر وثواب اسی کے یہاں سے ملے گا دوسرے اعمال مثلاً نماز' زکوٰۃ' حج' جہاد وغیرہ ظاہری طور پر دکھائی دیتے ہیں اور ان اعمال کی ادائیگی میں جس قدر محنت اور خلوص سے کام لیا ہوگا اسی کے مطابق اجر کا حقدار ٹھہرے گا مگر روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے اور روزہ دار کی قدرومنزلت اس کے ہاں اتنی زیادہ ہے کہ وہ لامحدود انعام کا امیدوار بن جاتا ہے اس بات کو مثال سے یوں سمجھئے کہ امتحان پاس کرنے والوں کو سند تو امتحانی بورڈ کی طرف سے ہی ملتی ہے لیکن بہت اچھی پوزیشن لینے والوں کو امتحانی بورڈ میں طلب کیا جاتا ہے اور خصوصی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان مبارک کی برکات سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین

دعاء و التجاء:

«اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْنَا وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْنَا ، فَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ »

''یا اللہ! آپ کی خوشنودی کیلئے ہم نے روزہ رکھا اور آپ کی دی ہوئی روزی پر ہم نے افطار کیا اے ہمارے ربّ قبول فرمائیے آپ سننے والے اور جاننے والے ہیں۔''(آمین یارب العالمین)

روزہ......حصولِ تقویٰ اور اس کے ثمرات

نبی مکرم رسولِ معظم ﷺ کا اِرشاد گرامی ہے:

« اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ» [باب وجوب صوم رمضان ، رياض الصالحين]

''روزے ڈھال ہیں۔''

" جُنَّةٌ اَیْ وِقَايَةٌ مِنَ النَّارِ اَوِ الْمَعَاصِی " [الشيخ البانی]

'یعنی روزے آتشِ جہنم یا گناہوں سے بچنے کے لیے روک بن جاتے ہیں۔''

یا دوسرے لفظوں میں وہ بندۂ مومن کو تقویٰ کی راہ پر ڈال دیتے ہیں اور تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ سمیع و بصیر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر و شر کی تمیز اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتا ہے ارکانِ اسلام میں روزہ ایسی عبادت ہے جس میں حصولِ تقویٰ کی مسلسل تربیت ملتی ہے۔ ذرا غور کیجیے۔

① تم نے طلوع فجر سے غروبِ آفتاب تک محض ربّ تعالیٰ کی رضا کے لیے رزقِ حلال کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے روزہ تمھیں یاد دلاتا ہے کہ دیکھو جو باتیں پہلے ہی حرام اور ناجائز ہیں انھیں تو بدرجۂ اولیٰ چھوڑ دو۔

② تمہارے روزے کا حال صرف تمہارے ربّ کے علم میں ہے تم اگر چاہو تو تخلیہ میں کھا پی سکتے ہو مگر تمہارا ضمیر تمھیں ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمھیں علیم و خبیر دیکھ رہا ہے اور تم کھانے پینے سے رک جاتے ہو۔ ضمیر کی تنبیہ اور چوکس رہنے سے ایسا پرہیز حاصل ہو جاتا ہے جو تمہارے اور منکرات اور رذالتِ نفس کے میلانات کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ نعمتِ تقویٰ سے بہرہ ور ہوتا ہے اور یہ دولت اسے دنیا و آخرت کے انعامات سے مالا مال کر دیتی ہے اور اس کے ثمرات اس طرح ملتے ہیں:

① **ہدایت:** ارشاد ہوتا ہے:

﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [البقرة:٢]

''یعنی اللہ سے ڈرنے والے ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور کتابِ ہدایت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔''

② **نصرت:** متقین کو اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ مدد ملتی ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ﴾ [النحل:١٢٨]

''بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔''

③ **ولایت:** متقین کو اللہ دوست رکھتا ہے۔

﴿ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ [الجاثية:١٩]

''اور اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

④ **محبت:** متقین اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ لوگ ہوتے ہیں، ارشاد ہوا:

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ [آل عمران:٧٦]

''پس بے شک اللہ تعالیٰ متقین کو پسند فرماتا ہے۔''

⑤ **تکریم:** متقین قدر و منزلت کے لحاظ سے بھی رتبہ و فضیلت رکھتے ہیں، فرمایا:

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ [الحجرات، ١٣]

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے محترم وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔''

⑥ **بشارت:** دنیا اور آخرت کی نویدِ کامیابی انھیں سنائی جاتی ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ [يونس:٦٣]

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ اللہ سے ڈرتے رہے ان کے لیے دنیا و آخرت کی خوشخبریاں ہیں۔''

⑦ **حفاظت و حراست:** منافقین اور حاسدین کے مکر و فریب سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔

﴿ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ﴾ [آل عمران:١٢٠]

”ان کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہوسکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔“

⑧ **تنگی سے نجات اور رزق حلال کی فراہمی:** دنیاوی زندگی میں انھیں فقر و فاقہ کے غم سے نجات مل جاتی ہے اور رزقِ حلال کی راہ کشادہ ہو جاتی ہے۔ تھوڑا رزق ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں جذبۂ قناعت کی توفیق ملتی ہے اور رزقِ قلیل میں بھی خیر و برکت نازل ہوتی ہے۔

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾

[الطلاق:۳]

”اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی (کی صورت) پیدا کردے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم و گماں بھی نہ ہو۔“

⑨ **زندگی کی تاریکیوں میں اجالا:** زندگی کی تاریکیوں میں ان کے لیے چاروں طرف روشنی کی کرنیں بکھر جاتی ہیں کہ وہ اس روشنی میں سفرِ حیات طے کرتے ہیں اور اللہ کے ہاں دوہرے اجر کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔

﴿ اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ ﴾ [الحدید:۲۸]

”اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، وہ تمھیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمھیں ایسی روشنی دے گا جس میں چلو گے (اور ساحلِ مراد سے ہمکنار ہو جاؤ گے)

⑩ **کام میں آسانی:** ان کے معاملات میں اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ ﴾ [الطلاق:۴]

”اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے معاملات (زندگی) میں آسانی پیدا فرمائے گا۔“

⑪ **گناہوں سے چھٹکارا اور اجر میں اضافہ:** زندگی میں خطاؤں کی وجہ سے انسان اجر کے لحاظ سے بہت پیچھے رہ جاتا ہے مگر دولتِ تقویٰ پانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے اس نقصان کی نہ صرف تلافی فرماتا ہے بلکہ مزید اجر عطا فرماتا ہے اور یہ اس کی شانِ کریمی ہے۔ ارشاد ہوا۔

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝ ﴾ [الطلاق:۵]

”اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے اس کے گناہ دور کرے گا اور اسے اجرِ عظیم بخشے گا۔“

⑫ **زمین وآسمان کی برکات:** متقین کے لیے زمین وآسمان کی برکتیں عام کردی جاتی ہیں۔ فرمایا:

﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ [الاعراف:٩٦]

''اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہوجاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔''

⑬ **جنت میں داخلہ:** انھیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہنے والے باغات میں داخل کرے گا وہ آرام وآسائش کی زندگی گذاریں گے۔

﴿ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴾ [القلم:٣٤]

''پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں نعمت کے باغ ہیں۔''

اے ربّ کریم! رمضان المبارک کی ان قیمتی ساعتوں میں تجھ سے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں اور تجھ سے دولتِ تقویٰ کی تمنا کرتے ہیں۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ »

''اے اللہ! بے شک آپ سراپا بخشش کرنے والے ہیں، آپ بخشش چاہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں، پس میری بخشش فرما دیجیے۔'' (آمین یا رب العالمین)

روزہ اور تہذیبِ نفس

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: « اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ »

''جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ'' روزہ ڈھال ہے۔''

انسان معراجِ انسانیت پر اُس وقت فائز ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ کو برائیوں سے بچا کر چند صفات وکمالات سے آراستہ کر لے۔ اپنے نفس کو شرک وکفر، حسد وبغض، کذب وخیانت، غیبت اور بدگوئی ایسے رذائل کی غلاظت سے صاف کرکے ایمان واسلام، شرم وحیاء صدق وامانت، عفو ودرگزر اور ایثار وخدمت ایسی خوبیوں سے زینت دے لے۔''

روزہ ایک جامع عبادت ہے اور بیک وقت ایک مسلمان کی کئی طرح سے تربیت کرتا ہے، وہ شب و روز مسلسل ایک ماہ ذہن وفکر کو نکھارتا اور سنوارتا ہے اور جس طرح کسی زنگ آلود (برتن کو متواتر رگڑ کر

صاف ستھرا بنایا جاتا ہے اسی طرح ربّ کریم کی رحمت سے بندۂ مومن کا ذہن وفکر پاکیزگی حاصل کرکے شاہراہِ زندگی پر رواں دواں ہو جاتا ہے آیئے۔ آج کی نشست میں اس بات پر غور وفکر کریں کہ روزہ کس طرح تربیت کرتا ہے اور ہم اس تربیت سے کس طرح فیض یاب ہو سکتے ہیں۔

اسلامی عبادات کی غرض و غایت انسانی قلب و دماغ کو تقویٰ اور پرہیزگاری سے مزین کرنا ہے، تقویٰ وہ اعلیٰ صفت ہے کہ ہر لحظہ اور ہر لمحہ ایک انسان اپنے ربّ کا خوف محسوس کرتا ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے مولا و مالک ناراض ہو جائے۔ اس کی بودو باش، نقل وحرکت، نشست و برخاست، خور ونوش، یہاں تک کہ ہر سانس اور ہر ساعت اپنے آقا کی رضا میں بسر ہوتی ہے۔ روزہ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ [البقرة:۱۸۳]

''مسلمانو! جس طرح ان لوگوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، روزہ فرض کردیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کردیا گیا تا کہ تم میں پرہیزگاری پیدا ہو۔'' [ترجمہ ،مولانا ابو الکلام آزاد]

تقویٰ وہ صاف ستھری شاہراہ ہے جس پر چل کر اللہ کی رضا مندی اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ تقویٰ کا مفہوم سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے واضح ہو جاتا ہے جو انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے استفسار پر دیا تھا۔

اے امیر المؤمنین ! اگر آپ کو ایسے راستے سے گزرنے کا اتفاق ہو جہاں کانٹے ہی کانٹے بکھرے ہوں تو آپ کیا کریں گے؟ فرمایا: '' میں اپنے کپڑوں کو سمیٹ لوں گا اور بچ بچ کر نکل جاؤں گا۔'' عرض کیا: 'بس یہی تقویٰ ہے۔'' پس بندۂ مومن بھی زندگی میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہے اور ہر وقت اپنے ربّ کے احکام کو سامنے رکھتا ہے، جہاں اس کی ناراضی ہو، اسے چھوڑ دیتا ہے اور جہاں اس کی رضا مندی ہو اسے اختیار کر لیتا ہے، سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حیاتِ طیبہ کا سب سے روشن پہلو یہی ہے، آپ کی زندگی سراپا رضائے الٰہی میں بسر ہوئی اور آپ ہی کی زندگی مسلمانوں کے لیے نمونہ بنی۔

روزہ برائیوں سے بچنے کے لیے ہر وقت ڈھال بنتا ہے۔ ڈھال اسے کہتے ہیں جس سے دشمن کے وار کو روکتے ہیں اور جنگ میں کامیابی حاصل کی جاتی ہے۔

روزہ یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ تم نے اپنے مالک کی رضا کے لیے طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب

تک حلال اور مباح چیزوں سے پرہیز کیا ہے تو وہ باتیں جو پہلے ہی حرام تھیں بھلا کیسے جائز ہو جائیں گی؟ کھانے پینے کی حلال چیزوں سے تم رک گئے ہو تو کیا ظلم اور جھوٹ ایسی حرام باتوں میں تم آزاد رہو گے؟ اگر تمھیں تھوڑا سا بھی شعور ہے اور تمہارے پہلو میں جو دل ہے اس میں حیاء کی تھوڑی سی بھی رمق ہے تو پھر شرمساری پیدا ہوگی اور فوراً ظلم و زیادتی اور کذب و دروغ گوئی سے رک جاؤ گے ایسا روزہ جس میں کھانے پینے سے تو ہاتھ منہ روک لیا جائے مگر مکر و فریب کو جاری رکھا جائے اللہ تعالیٰ کو قطعاً ناپسند ہے اور اجر وثواب سے وہ خالی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ » [بخاری۔مشکوٰۃ، باب تنزیہ الصوم]

''جس شخص نے دروغ گوئی اور اس کے مطابق عمل سے پرہیز نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے سے رک جانے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔''

تم نے روزہ سے دس بارہ گھنٹے کی بھوک اور پیاس تو برداشت کی اور دن کے درمیانی حصہ میں خصوصاً موسم گرما میں تمھیں پیاس اور بھوک نے تڑپایا ہے اس وقت تمہارے دل میں اگر تم نے غور وفکر سے کام لیا، ان غرباء اور مساکین، یتامیٰ اور بیوگان کا بھی احساس پیدا ہوا ہوگا، جن کے گھر کا چولھا بوجہ عسرت اور تنگی دو دن سے گرم نہیں ہو سکا۔ روزہ تمھیں ان کی مالی اعانت کی ترغیب دلاتا ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ پیارے رسول اللہ ﷺ کا انفاق فی سبیل اللہ میں اسوۂ حسنہ کیا تھا، ویسے تو آپ کا دستِ مبارک ہمیشہ کشادہ رہتا تھا اور مقدور بھر ہر کمزور اور بے کس کی مدد فرماتے تھے مگر جب رمضان مبارک آتا تو کیفیت اس طرح ہوتی تھی۔

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ ، وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ ، وَكَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ رَّمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ فَلَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ اَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ »

[متفق علیہ، ریاض الصالحین، باب الجود و فصل الخیر فی شہر رمضان]

''جناب رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں اور بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے، جبریل امین رمضان میں ہر رات آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن کا

دور کرتے تو جب جبرائیل آپ سے ملاقات کرتے تو آپ تیز ہوا سے زیادہ سخاوت فرماتے۔''

غور کیجیے تو روزہ بخل اور حرص پر ضرب کاری لگا کر غرباء و مساکین کے لیے شفقت اور ہمدردی پیدا کرتا ہے وہ فکر و خیال کو بیدار کر کے یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ اے مرغن غذائیں کھانے والو، ان بھوکوں اور ناداروں کا خیال رکھو، جنھیں ایک وقت کی خشک روٹی بھی نصیب نہیں ہے۔

پس روزہ نہ صرف تمھیں اس دنیا میں شیطانی چالوں اور حربوں سے بچاتا ہے بلکہ تمہاری آخرت بھی سنوارتا ہے اور تمھیں ابدی فوز و فلاح کی نوید سناتا ہے۔

دعاء و التجاء:

« ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ »

'' پیاس جاتی رہی اور رگیں تر و تازہ ہوگئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر ثبت ہوگیا۔''

روزہ اور حصولِ تقوی

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ :

« مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ، فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ » [متفق علیه۔مشکوة باب تنزیه الصوم]

''سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص روزہ رکھتے ہوئے باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں''

انسان کا شرف و کمال صرف اور صرف ربّ کائنات کی بندگی میں ہے اور اسی سے وہ مسلم یعنی اللہ کا مطیع اور فرمانبردار بندہ کہلاتا ہے اور مسلمان کا شرف یہ ہے کہ وہ زیورِ تقوی سے آراستہ ہو اور تقوی ایسی کیفیت ہے کہ بندۂ مؤمن کے دل میں ہر وقت اللہ کا خوف سمایا رہے اور وہ ہمیشہ اسی کی اطاعت کا دم بھرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے۔

اسلام میں عبادات کی فرضیت اسی نعمت کے حصول کے لئے ہے۔نماز، روزہ، حج اور زکوۃ دل و دماغ کو جِلاء بخش کر تقوی و طہارت سے آراستہ کرتے ہیں نماز کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ﴾ [العنکبوت :٤٥]

”بے شک نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے بچاتی ہے ۔“

گویا کہ ایک سچا اور اچھا نمازی دن میں پانچ بار جب اپنے آقا ومولا کے حضور کھڑا ہوتا ہے تو اس کا دل اپنے ربّ کے خوف وخشیت سے لبریز ہوجاتا ہے،نمازوں کے اوقات کے درمیان اس سے اگر کوئی غلطی ہوبھی جائے تو وہ فوراً نادم وشرمسار ہوکر اپنے ربّ کے حضور معافی مانگ لیتا ہے،اس ندامت اور شرمساری کا احساس ہی اسے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا راز بندے اور اس کے ربّ کے درمیان رہتا ہے،ایک روزہ دار چاہے تو بند کمرے میں کھاپی سکتا ہے مگر اسے یہ احساس اور خوف دامن گیر رہتا ہے کہ اس کا ربّ اسے دیکھ رہاہے اور وہ کھانے پینے سے رک جاتا ہے بس اسی خوف کا نام تقوی ہے۔

اسلام یہ کہتا ہے کہ تمہارے ہاتھ اپنے آقا ومالک کی رضا کے لئے پانی اور خوراک سے رک گئے ہیں جوکہ تمہارے لئے حلال اور طیب تھے۔تو بھلاوہ باتیں جو پہلے سے ہی حرام اور ناجائز تھیں وہ روزہ کے ساتھ کیونکر جائز ہوسکتی ہیں ؟مثلاً کسی کی غیبت کرنااور گالی گلوچ دینا گناہ کے کام ہیں انہیں تو روزہ رکھ کر بدرجۂ اولیٰ چھوڑ دینا چاہیے اب اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے باوجود گالی گلوچ سے پرہیز نہیں کرتا،یا ناپ تول اور لین دین میں خیانت کرتا ہے تو ایسا شخص رمضان کی برکات سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جو طبیب حاذق کی بہتر سے بہتر دوائی سے بھی فیض نہیں اٹھارہا۔اس لیے کہ وہ دوائی کھانے کے ساتھ ہی بد پرہیزی شروع کردیتا ہے ادھر دوائی پھانکی اور ادھر سموسے اور پکوڑے چبانے شروع کردیے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی روزہ داروں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :

«کَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَّیْسَ لَهٗ مِنْ صِیَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَکَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَّیْسَ لَهٗ مِنْ قِیَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ» [رواہ الدارمی۔مشکوۃ کتاب تنزیه الصوم]

”کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ جن کے روزے میں سوائے پیاسے رہنے کے اور کچھ اجر مرتب نہیں ہوتا اور کتنے ہی قیام کرنے والے ہیں کہ جن کو قیام میں سوائے جاگنے کے اور کوئی ثواب نہیں ملتا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک حکم دیاہے کہ روزہ کی حالت میں تم گالی گلوچ اور یاوہ گوئی سے بچو یہاں تک کہ اگر تمہارے ساتھ کوئی بدزبانی اورلڑائی جھگڑے کا معاملہ کرتا ہے تو دبی زبان سے یوں کہہ دو:

«اِنِّیْ صَائِمٌ» [رواہ مسلم۔بحوالہ شخصیته المسلم،دکتور مصطفی عبدالواحد]

”میں تو روزے سے ہوں“

ماہِ رمضان مسلسل تربیت کا مہینہ ہے یہ چوبیس گھنٹے کی ٹریننگ ہے یہ کھانے پینے سونے جاگنے اور عبادت وریاضت نیز زبان وبیان اور فکر ونظر کی شب و روز مشق وتمرین ہے۔زندگی میں سلیقہ اور قرینہ پیدا ہوجاتا ہے اور بندۂ مومن نکھر کر اپنے ربّ کا پسندیدہ غلام بن جاتا ہے اور پھراس کے لیے آئندہ گیارہ ماہ اسی تربیت کو قائم رکھنا آسان ہوجاتا ہے۔قرآن میں جہاں روزوں کی فرضیت کا ذکر ہوا تو آخر میں ارشاد ہوا۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

روزے تمہارے اوپر اس لیے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ گویا کہ تم صاف ستھرے طریقہ سے زندگی گذار سکو۔

روزہ دار کے لئے اس دنیامیں تقوی وطہارت ایسی عظیم نعمت ملنے کے علاوہ ربّ کریم کی طرف سے اس کے سابقہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ»

[رواہ مسلم،بحوالہ شخصية المسلم۔مصطفى عبدالواحد]

’’جس نے رمضان المبارک کے روزے ایمان واحتساب سے رکھے (روزے کی ہرطرح سے حفاظت کی)اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کردیے جائیں گے‘‘

گویا کہ روزہ دار رمضان المبارک کے بعدنئ صاف ستھری زندگی سے منزل کی طرف رواں دواں ہوجاتا ہے۔یہی خوشخبری قیام اللیل اور شب قدر کو پانے کے لیے بھی سنائی گئ ہے۔

یہ تو دنیا میں انعام واکرام تھا اور آخرت کا بدلہ تو سوائے رحمان ورحیم کے اور کوئی نہیں جانتا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ ،اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهُ لِىْ وَاَنَا اَجْزِىْ بِهٖ»[متفق عليه]

’’آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گناہ سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے (جس قدر خلوص بڑھتا جاتا ہے اسی قدر ثواب بھی بڑھتا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ میرے لیے اور میں ہی اس کی جزادوں گا۔‘‘اس کا ترجمہ یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ میں ہی اس کی جزا ہوں‘‘

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِىْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا »

’’اے اللہ : میرے نفس کو تقوی سے آراستہ کرکے اس کا تزکیہ فرمائیے آپ اس کے سرپرست اور آپ ہی اس کے نگران اعلی ہیں‘‘ (آمین یارب العالمین)

روزہ اور ضبطِ نفس ......(۱)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ: «اِذَاکَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلاَ یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ ، فَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْقَاتَلَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ» [متفق علیہ۔ریاض الصالحین۔امر الصائم بحفظ لسانہ]

''سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزہ دار نہ تو برائی اور بے حیائی کے کام کرے اور نہ ہی شور وشغب کرے اوراگر کوئی اسے گالی گلوچ دے یالڑناچاہے تو کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں (دبی زبان سے الفاظ اداکرکے یاویسے ہی دل میں خیال کرکے فسادیوں سے الگ ہوجائے)''

انسان کا تمام تر شرف وکمال اس کے عمدہ اخلاق اور پاکیزہ عادات کی وجہ سے ہے اچھی خوبیوں میں ضبطِ نفس بہت بڑی خوبی ہے ضبطِ نفس کا مفہوم یہ ہے کہ: ایک اچھا انسان غم وغصہ کی حالت میں، دکھ درد میں، مصائب وآلائم میں اور بھوک پیاس کی شدت میں بے صبرا اور بے قابونہیں ہوجاتا۔ بلکہ وہ صبر وسکون اور ضبط وتحمل سے کام لیتاہے۔غیظ وغضب کی حالت میں دوسروں کو معاف کردیتاہے مصائب اور تکالیف کو خندہ پیشانی سے سہتاہے۔امراض جسمانی اورعوارضاتِ بدنی کوصبر وثبات سے برداشت کرتاہے جہاد اورہجرت کے مواقع پر بھوک اور پیاس کی تکالیف اٹھاتاہے۔یہی خوبی جہادِ زندگی میں اسے کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔

دراصل زندگی کا کمال نفس کو قابو کرنے سے ہی حاصل ہوتاہے۔اور شاید دنیامیں انسان کے لئے سب سے مؤذی اور تکلیف دہ چیز نفس کا بے قابو اور بے لگام ہوناہے نفس کی سرکشی فتنہ وفساد کا موجب ہوتی ہے قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوجاتاہے۔غم وغصہ کے شرارے بھڑکنے لگتے ہیں اور برائی، بے حیائی کی آگ پھیل جاتی ہے۔پھر انسانوں کی بستیاں درندگی کا نقشہ پیش کرتی ہیں بلکہ انہیں بھی مات کرجاتی ہیں کرۂ ارض پر جس قدر فساد اور تباہ کاریاں ہوئیں یا ہورہی ہیں اس میں خباثتِ نفس ہی کا عمل دخل ہے۔اگر یہ نفس درست ہوجائے تو ساراجسم درست ہوجاتاہے اور اگر یہ بگڑ جائے تو ساراجسم بگڑ جاتاہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کواس طرح سمجھایاہے۔

«اِنَّ فِیْ الْجَسَدِ مُضْغَۃٌ ، اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَ ھِیَ الْقَلْبُ»

”بے شک جسم میں ایک ایسا لوتھڑا ہے کہ جس کے سدھرنے سے سارا جسم سدھر جاتا ہے اور جس کے بگڑنے سے سارا جسم بگڑ جاتا ہے، جان لو کہ وہ دل ہے۔“

حقیقت میں بہادری اور عزیمت تو اس شخص کی ہے جو طیش اور غصے میں اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے سرورِ کونین ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»

[رياض الصالحين۔باب الصبر]

”پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقی پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے غصے پر قابو رکھے۔

یہی ایسا بہادر اور جوانمرد ہے جو دنیا کی موذی ترین چیز کو زیر کر لیتا ہے کیا خوب کسی نے کہا ہے:

نہنگ واژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

آیئے ......! اب دیکھیں کہ روزہ ضبط نفس کی تربیت کیسے کرتا ہے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ روزہ ایسی مخفی عبادت ہے کہ جس کا راز بندے اور اس کے ربّ کے درمیان ہوتا ہے یہ ٹھیک ہے کہ لوگوں کے سامنے سحری وافطاری کا انتظام ہوتا ہے اور کوئی شخص افرادِ خانہ کے سامنے ہی ان اوقات میں خورونوش کرتا ہے مگر دن بھر علیحدگی میں کھانے پینے کے بہت سے مواقع میسر آسکتے ہیں کہ سوائے علیم وخبیر پروردگار کے کسی کو خبر بھی نہیں ہوسکتی مثلاً غسل خانے میں نہاتے ہوئے پانی پیا جاسکتا ہے یا اپنے مطالعہ کے کمرے میں کھایا جاسکتا ہے مگر کوئی روزہ دار ایسا نہیں کرتا ہے اس لیے کہ اس کا یہ عقیدہ اور یقین ہے کہ اس کا ربّ اسے دیکھ رہا ہے اور یہی وہ احسان کا مرتبہ ہے جس پر بندۂ مومن فائز ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّـهٗ يَرَاكَ»

”(احسان یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

روزہ: اسی جذبۂ احسان کو پروان چڑھاتا ہے اور ہر لمحہ روزہ اس کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ دیکھو مولا و مالک کی رضا کے لئے تم نے رزقِ حلال کو چھوڑ رکھا ہے حرام باتوں کو بدرجۂ اولیٰ ترک کردو، وہ جھوٹ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو روزہ اسے جھنجھوڑتا ہے کہ دیکھو تمہارے اجر وثواب میں کمی واقع ہوجائے گی

اس خیال کے آتے ہی وہ جھوٹ سے بچ جاتا ہے۔ وہ کسی کو دھوکہ دینے کا خیال کرتا ہے تو روزہ اسے متنبہ کرتا ہے کہ یہ گناہ کا کام ہے دل میں احساسِ شرمساری پیدا ہوتے ہی وہ اس گناہ سے بچ جاتا ہے۔

روزہ اور ضبطِ نفس ......(۲)

روزہ کی مسلسل تربیت سے نفس میں نکھار پیدا ہوتا چلا جاتا ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلصَّوْمُ جُنَّـةٌ »

"روزہ ڈھال ہے"

جس طرح کہ میدانِ جنگ میں دشمن سے بچاؤ کے لئے ڈھال کام کرتی ہے اسی طرح روزہ بندۂ مؤمن کو برائیوں اور بے حیائیوں سے روکنے کے لئے ڈھال کا کام دیتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ روزہ رکھنے کے باوجود ہم سے کئی لغزشیں اور خطائیں سرزد ہوتی ہیں مثلاً روزہ بھی رکھتے ہیں اور ناپ تول میں خیانت کرتے ہیں، یا روزہ بھی رکھتے ہیں اور دوسروں کے حقوق کو پورا نہیں کرتے وغیرہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں ڈھال اسے ہی فائدہ دیتی ہے جو اسے استعمال میں لائے، اسی طرح روزہ بھی اس شخص کے لئے ڈھال بنے گا جو اپنا محاسبہ اور نگرانی کرتا رہے اور بروقت اللہ کا خوف رکھتے ہوئے اپنا روزہ پورا کرے۔

نبی مکرم ﷺ نے یہی حقیقت ارشاد فرمائی ہے:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ»

[متفق علیہ۔ریاض الصالحین : باب وجوب صوم رمضان]

"جس شخص نے ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں"

ایمان اور احتساب کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین کے ساتھ اپنے روزے کی ہر طرح سے حفاظت کی جائے۔ زبان وبیان، دست وبازو اور نظر وفکر کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے اپنے آپ کو حتی المقدور بچایا جائے ہر آن اور ہر لمحہ اپنے ربّ پر نظر رہے کہ وہ میرے ہر کام کو دیکھ رہا ہے میرے نیک اعمال پر وہ مجھے جزا اور برے اعمال پر سزا دے گا۔ اس احساس کے قوی ہوتے ہی وہ نیکیوں کا راستہ اختیار کرلیتا ہے اور برائیوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہ ایمان واحتساب کی راہ ہے۔ قرآنِ حکیم میں جہاں روزوں کی فرضیت کا ذکر ہے وہاں اس کے نتائج وثمرات بھی بتائے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ

قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ﴾ [البقرۃ:۱۸۳]

''مؤمنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔''

معلوم یہ ہوا کہ جب بندۂ مومن روزوں کو ایمان واحتساب سے پورا کرتا ہے تو وہ دولتِ تقویٰ سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے۔تقویٰ یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں سمایا رہنا اسے گناہوں سے دور رکھتا ہے اور ضبطِ نفس کی خوبی اسی سے پیدا ہوتی ہے جب اللہ کا خوف دل میں سمایا رہے تو وہ کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کرتا بلکہ دوسرں کی غلطیوں پر عفو و درگزر سے کام لیتا ہے دکھوں اور تکلیفوں میں وہ اپنے ربّ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی رحمت و مدد کا طلبگار رہتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہر سال رمضان آتا ہے اور چلا جاتا ہے کیا ہم اس کے فیوض وبرکات سے فائدہ اٹھاتے ہیں ؟ کیا ہماری زندگیوں میں کوئی انقلاب رونما ہوتا ہے ؟اس کا جواب ہمارے حالات سے مل جائے گا۔ہماری معاشرتی زندگی میں اسلامی اخلاق وآداب ناپید ہوچکے ہیں یہاں تک کہ انسانیت کی کوئی رمق نظر نہیں آتی ہے۔

مسلم معاشرہ جس میں اتفاق واتحاد،اخوت ومحبت ہمدردی وغمخواری اور احسان ومروّت کے پھول کھلتے ہیں اب ہماری کوتاہیوں اور بدعملیوں کی وجہ سے وہاں افتراق ونفاق،حسد وبغض،عداوت وبغاوت اور نفرت وکدورت کے کانٹے بکھرے ہوئے ہیں ہمارے اس معاشرے میں قتل وغارت،چوری وڈکیتی،لوٹ مار،بچوں کا اغوا،خواتین کی عزتیں لٹنا،رشوت،اقربا نوازی اور چور بازاری ایسی بری عادتیں عام ہیں،پھر بھی مسلمان کے مسلمان ہیں۔

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا
ہر اک کھونٹ میں جس کا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا
وہ امت لقب جس کا خیر الامم تھا
نشان اس کا باقی ہے صرف اس قدریاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں [حالی]

اسی صوم وصلوۃ نے نبی مکرم رسولِ معظم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا تھا،ان کے آپس میں مہر ومحبت اور اتفاق واتحاد نے انہیں ایسا مضبوط بنادیا تھا کہ اللہ کی رحمت سے انہوں

نے چار دانگ عالم میں حق وصداقت کا ڈنکا بجایا تھا اور اہل دنیا کو امن وسلامتی سے آشنا کیا تھا۔مگر کیا بات ہے کہ اسی صوم وصلوۃ سے ہماری زندگیوں میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہماری عبادات حقیقی روح سے خالی ہیں آہ ؎

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی [اقبال]

اے ربّ کریم ! اپنی بے پایاں رحمتوں سے ہماری بگڑی ہوئی حالت سنوار دے۔ہمیں علم وعمل کی وہی تابانی عطا فرما جو ہمارے اسلاف میں تھی۔آمین

دعاء والتجاء:

«اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ»

''اے اللہ میں نے آپ کے لیے روزہ رکھااور آپ ہی کے (عطا کردہ)رزق سے افطار کرتا ہوں''

پیغامِ رمضان۔بنام مسلمان

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ:«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ»

[متفق علیہ۔ریاض الصالحین :باب وجوب صوم رمضان]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :'' جس نے ایمان اور اخلاص سے رمضان المبارک کے روزے رکھ لیے اس کے پہلے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

مسلمانو ! کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ اسلامی عبادات اپنے اندر کتنا عظیم پیغام رکھتی ہیں۔ان عبادات کی ادائیگی سے نہ صرف ذہن وفکر جِلا پاتے ہیں اور مسلمان اچھے انسان بن کر نہ صرف خالقِ کائنات کی بندگی بجالاتے ہیں بلکہ ان کے درمیان مہر و محبت،اخوت ومروت کے جذبات بھی پروان چڑھتے ہیں اور ایک ایسا فلاحی معاشرہ وجود میں آتا ہے جہاں ہرسو امن وسلامتی اور اتفاق واتحاد کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔

تمام اسلامی عبادات میں اجتماعیت کا روح پرور رنگ جھلکتا ہے۔نماز کو لیجئے کہ دن میں پانچ مرتبہ اہلِ محلّہ کو اپنی قریب ترین مسجد میں جمع ہونے کا موقع ملتاہے اور باہم مل کر نماز ادا کرنے سے جہاں ان

میں اونچ نیچ اور امیر وغریب کا امتیاز اٹھ جاتا ہے۔وہاں ایک امام کی اقتدا میں نظم و ضبط کا مظاہرہ ہوتا ہے۔پھر نماز کے بعد آپس میں ملنے اور ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہنے کا وقت بھی مل جاتا ہے۔اسلام کی ہدایت تو یہ ہے کہ ایک امیر شخص اگر کسی غریب اور مسکین بھائی کے حالات سے واقف ہوجائے تو اس کی اس طرح امداد کرے کہ کانوں کان کسی کو پتہ بھی نہ چلے اور وہ اس طرح صدقہ وخیرات کرے کہ سیدھے ہاتھ کے خرچ کی بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔اس بندۂ مؤمن کا شمار ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہوگا،جنہیں روزِمحشر ربِّ کریم اپنے سایۂ رحمت میں ڈھانپ لے گا۔اور جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کسی کا سایہ نہ ہوگا۔

حدیثِ مبارک کے الفاظ اس طرح ہیں :

«رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ»

[ریاض الصالحین۔باب الوالی العادل]

’’ایسا شخص جوصدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ سیدھے ہاتھ کے خرچ کی بائیں ہاتھ کوخبر نہ ہو۔‘‘

روزہ کو لیجئے۔طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک مسلسل اور پیہم بندۂ مومن کی تربیت ہے۔رضائے الٰہی کے لیے کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی سے رک جانا۔غلط باتوں اور ناپسندیدہ اعمال سے کنارہ کش ہو جانا گویاکہ رمضان المبارک کا پورا مہینہ سونے جاگنے،اٹھنے بیٹھنے،کھانے پینے،پڑھنے لکھنے،عبادت وریاضت اور زندگی کے دوسرے معاملات میں امانت و دیانت اختیار کرنے کی اتنی خوبصورت مشق وتمرین ہے کہ جسے اگر سال کے بقیہ مہینوں میں برقرار رکھاجائے تو یقیناً زندگی میں بہار آ سکتی ہے اور دنیا و آخرت سنور سکتی ہے۔روزہ جہاں صبرو مشقت کی تربیت دیتاہے وہاں ہمدردی وغمخواری کے جذبات بھی پروان چڑھاتا ہے۔امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد میں بڑی خوبصورت بات کہی ہے۔

’’روزہ خالی معدوں کی یاد تازہ کرتاہے اور بتلاتاہے کہ ان مساکین اور فاقہ کشوں پر کیا گذرتی ہے جن کومعدوں کی آگ بجھانے اور اپنے جگر کوٹھنڈا کرنے کے لیے سامان نصیب نہیں۔‘‘

مگر افسوس کہ آج مسلمان ان عبادات کی غرض وغایت سے بے خبر ہوچکے ہیں۔بہت سے مسلمان تو ویسے ہی فرائضِ اسلامی سے غافل ہیں اور جو ادا کرتے بھی ہیں تو اس کے روحانی ومادی ثمرات سے بہرہ ورنہیں ہوتے ہیں :

رہ گئی رسمِ اذاں ، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا ، تلقینِ غزالی نہ رہی

میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلامی عبادات میں ہمارے تمام معاشی، معاشرتی، اخلاقی وسیاسی مسائل کا کافی وشافی حل موجود ہے، یہ ہماری زندگیوں میں انقلاب برپا کردیتی ہیں، زندگی نئی کروٹ لیتی ہے۔ اس میں رونق اور بہار آتی ہے، وہ سرسبز وشاداب چمن کی طرح تروتازہ نظر آتی ہے۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ ہم نمازیں بھی ادا کرتے ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ چند لوگ زکوٰۃ وصدقات بھی نکالتے ہیں اور بعضوں کو حج اور عمرہ کی سعادت بھی نصیب ہوتی ہے مگر زندگی میں کوئی خیر وبرکت نظر نہیں آتی۔ جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہیں خصوصا اسلامی کہلانے والے ملکوں میں معاشرتی زندگی دکھوں اور غموں کی تصویر ہے اور اس وقت بحیثیتِ مجموعی عالمِ اسلام مسائل میں گھرا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ مسلمان جب تک اسلامی تعلیمات پر دل وجان سے عمل پیرا رہے انہیں دنیا میں ہر قسم کی عزت وعظمت اور شان وشوکت نصیب رہی اور جب ان میں کوتاہی اور غفلت پیدا ہوئی اور عبادات کی حقیقی روح جاتی رہی تو رفعت ومنزلت نے بھی بوریا بستر لپیٹ لیا۔

مسلمانو! تمہیں اپنے اسلاف کی تاریخ یاد ہے کہ اس ماہِ مقدس میں مٹھی بھر مسلمان بے سروسامانی کی حالت میں بھوکے اور پیاسے میدانِ بدر میں کفار کے لشکر جرار سے جاٹکرائے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح ونصرت سے ہمکنار کیا تھا۔ صرف میدانِ بدر ہی نہیں بلکہ اس کے بعد برسوں تک کئی میدانوں میں بفضلہٖ تعالیٰ فتوحات کا سہرا انہی کے سروں پر بندھا:

تھے ہمی ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

آج اسلام اور اس کی پاکیزہ تعلیمات ویسے ہی روشن وتابندہ ہیں مگر اس کے نام لیوا عارضی دنیا کے چمکتے ہوئے سکوں میں کھو کر اخلاقی وروحانی اقدار سے محروم ہوچکے ہیں۔ ماہِ رمضان ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اگر تم پھر سے عظمتِ رفتہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چل پڑو، تمہیں پھر سے شوکت وسلطنت نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فہم وذکا اور عقل وبصیرت کی دولت سے نوازے۔ آمین

دعاء والتجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ بِرَحۡمَتِكَ الَّتِیۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَیۡءٍ اَنۡ تَغۡفِرَ لِیۡ ذُنُوۡبِیۡ »

''اے اللہ میں آپ سے اس رحمت کا سوال کرتا ہوں جو (کائنات) کی ہر چیز پر محیط ہے یہ کہ آپ میرے گناہوں کی بخشش فرما دیجئے۔'' (آمین یا رب العالمین)

روزہ اور تعمیرِ اخلاق

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ « مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ »

[متفق علیہ، ریاض الصالحین، باب وجوب رمضان]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان (کی بنیاد پر) اور احتساب (ثواب کی نیت) سے روزے رکھے، اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

زبان کی تصدیق اور دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے کو ایمان کہتے ہیں ''احتساب'' نیک نیتی سے عمل سرانجام دینے کو اور اس کی جانچ پڑتال (کہ ان میں ریا کاری، تصنع اور دنیاوی مفاد شامل نہ ہو) کو کہتے ہیں، اس سے مؤمن کے اعمال میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور ان کی قبولیت یقینی بن جاتی ہے۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ رمضان میں ایمان اور احتساب کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ اور یہ بات بھی یاد رکھئے کہ اسلامی عبادات میں جہاں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی رضا مندی کا حصول ہوتا ہے وہاں اس کے کئی معاشرتی، اخلاقی، طبی اور روحانی فوائد بھی مرتب ہوتے ہیں، روزہ صبح سے شام تک بھوکا پیاسا ہی نہیں رکھتا بلکہ تعمیر اخلاق اور تربیت نفس بھی کرتا ہے۔ آیئے یہ بھی دیکھیں کہ یہ تربیت کیسے ہوتی ہے؟

رذائل سے اجتناب:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ بندۂ مؤمن صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دس، بارہ گھنٹے حلال اور جائز چیزوں کی اپنے اوپر پابندی لگاتا ہے غور طلب بات یہ ہے کہ روزہ کے ساتھ حلال چیزیں اس کے لیے ممنوع ہو چکی ہیں تو کیا حرام باتیں جائز ہو جائیں گی، مثلاً کھانا پینا حلال ہے مگر فجر سے مغرب تک وہ حرام ہو گیا، وہ ایسے بند کمرے میں بیٹھا ہوا ہے جہاں اسے کوئی شخص نہیں دیکھ پاتا اور وہ آرام سے کھا پی سکتا ہے مگر یہ خیال اسے روکتا ہے کہ دیکھو تمہارا ربّ تمھیں دیکھ رہا ہے اور وہ باز آ جاتا ہے۔ اب ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیے کہ جو باتیں ہمیشہ کے لیے ممنوع اور حرام ہیں مثلاً مکر و فریب،

جھوٹ اور غیبت اور اسی قبیل کی بہت سی برائیاں، تو کیا روزے کے ساتھ ان کا ارتکاب جائز ہو جائے گا؟ ہرگز ہرگز نہیں!

پس روزہ اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ اے بندے! تم نے مباح اور حلال چیزوں کو مقررہ اوقات میں محض رضائے الٰہی کے لیے چھوڑ دیا ہے تو حرام باتوں سے بدرجۂ اولیٰ کنارہ کش ہو جا! اس نصیحت پر عمل پیرا ہونے سے روزہ دار رذائل کو چھوڑ کر فضائل سے آراستہ ہو جاتا ہے اور یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ روزے کی نگرانی کرتا ہے۔ بلکہ ہمہ وقت کیفیتِ احسان سے سرشار رہتا ہے۔ احسان کا ایک مفہوم تو دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور خیر و مروّت سے پیش آنا ہے۔ اور اس سے وسیع تر مفہوم جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

《 اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ》

"تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو (کم از کم یہ خیال کرو کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

احسان کی کیفیت پیدا ہوتے ہی بندہ اپنے مولا و مالک کی نافرمانی سے بچے گا اور اسے احکامِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ پیش نظر رہیں گے۔

کہیں اگر زبان کی لغزش ہو رہی ہے تو روزہ دار کو فوراً اپنے ربّ کا حکم یاد آ جائے گا۔

﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ ﴾ [ق:۱۸]

"(انسان) کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران موجود ہوتا ہے۔" (جو اس کی گفتگو ریکارڈ کر لیتا ہے)

اور پھر روزِ جزا ہمارے جسم و جان کے متعلق باز پرس ہو گی:

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝﴾ [بنی اسرائیل:۳۶]

"بلاشبہ، کان، آنکھ اور دل (ان سب اعضاء) کے متعلق سوال ہو گا۔"

روزہ رکھنے کے بعد اگر کوئی شخص زبان و بیان کو قابو میں نہیں رکھتا تو اس کے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِىْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ 》 [بخاری]

”جس نے دروغ گوئی اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا، تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔“

بلکہ حکم ہے کہ روزہ دار کے ساتھ کوئی زبان درازی کرتا ہے تو وہ اپنے دل میں یا دبی زبان سے یہ الفاظ کہہ کر الگ تھلگ ہو جائے۔

« اِنِّی صَائِمٌ »

”میں تو روزے سے ہوں۔“

اس طرح نہ صرف وہ اپنے مخالف کو زیر کر لیتا ہے بلکہ اپنے نفس کو بھی پامال کر لیتا ہے، یاد رہے کہ بندۂ مومن کے لیے دن کا روزہ اور راتوں کا قیام اسے ہوشیار اور چوکس رکھتا ہے، اگر وہ دن کے وقت پوری ہوشمندی اور ہوشیاری سے روزے کی حفاظت کرتا ہے اور راتوں کے قیام کو مکمل فہم وشعور سے پورا کر لیتا ہے تو اس طرح وہ شیطان اور نفس کے حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

صبر وتحمل کی تربیت:

جناب رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے آخر میں خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں رمضان اور روزے سے متعلق فضائل واحکام بتائے، اس میں یہ بھی فرمایا:

« هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ » [شعب الایمان للبیهقی عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ]

”یہ صبر وتحمل کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ تو جنت ہے۔“

یہ حقیقت بھی ہے کہ روزہ دار نہ صرف بھوک اور پیاس برداشت کر کے صبر کا نمونہ پیش کرتا ہے بلکہ لوگوں کی ایذاؤں اور تکلیفوں پر بھی خاموشی اور صبر کا مظاہرہ کرتا ہے اس طرح وہ اخلاق حسنہ سے مزین ہو کر معاشرے کا خوبصورت اور مفید فرد بن جاتا ہے۔ اس دنیا میں اس کی شخصیت ہی پھول کی طرح ہو جاتی ہے جس کی خوشبو اور مہک سے اردگرد کا ماحول معطر ہو جاتا ہے اور آخرت میں ربّ کریم کے یہاں بے حد وحساب اجر ثبت ہو جاتا ہے اور صابرین کے لیے تو بے حساب اور لازوال اجر ہے۔

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ [الزمر: ١٠]

”لاریب صبر کرنے والوں کے لیے تو بغیر حساب کے اجر وثواب ہے۔“

ہمدردو غمخواری کی تربیت:

اسی خطبۂ مبارک میں پیارے رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

« وَهُوَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ »

’’یہ ہمدردی وغمگساری کا مہینہ ہے۔‘‘

بھوکا اور پیاسا رہ کر روزہ دار کو غرباء اور مساکین، بھوکوں اور فاقہ کشوں کا خیال آتا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

’’لَمَّا كَانَ الْمَقْصُودُ مِنَ الصِّيَامِ حَبْسُ النَّفْسِ عَنِ الشَّهَوَاتِ وَفِطَامُهَا عَنِ الْمَأْلُوفَاتِ وَ تَعْدِيلُ قُوَّتِهَا الشَّهْوَانِيَةِ لِتَسْتَعِدَّ لِطَلَبِ مَا فِيهِ غَايَةُ سَعَادَتِهَا وَنَعِيمِهَا وَقَبُولِ مَا تَزْكُو بِهِ مِمَّا فِيهِ حَيَاتُهَا الْاَبَدِيَّةُ وَيُكْسِرُ الْجُوعَ وَالظَّمَأَ مِنْ حِدَّتِهَا وَسُورَتِهَا وَيُذَكِّرُ بِحَالِ الْاَكْبَادِ الْجَائِعَةِ مِنَ الْمَسَاكِيْنِ وَتَضْيِيقِ مَجَارِي الشَّيْطٰنِ مِنَ الْعَبْدِ بِتَضْيِيقِ مَجَارِي الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ‘‘ [زاد المعاد فی هدیه صلی الله علیه وسلم فی الصیام]

’’روزے سے مقصود نفس کو خواہشاتِ نفسانی سے روکنا اور ان چیزوں سے رکنے کی عادات پیدا کرنا ہے جن کا انسان عادی اور خوگر ہے اور اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ انسان کی قوتِ شہوانی اعتدال پر آجائے (وہ محض حرص و ہوا کا بندہ نہ بن جائے) اس طرح اس میں ایسی روحانی استعداد پیدا ہو جو اس کے لیے سعادت مندی اور حیاتِ جاودانی کا سامان فراہم کرے اور جس سے تزکیۂ نفس اور درجات کی بلندی حاصل ہو سکے۔ روزہ سے وہ بڑھتی ہوئی کھانے پینے کی خواہشات کو روکتا ہے۔ روزہ خالی معدوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔ روزہ دار کو معلوم ہوتا ہے کہ مساکین اور فاقہ کشوں پر کیا گزرتی ہے۔ اس طرح روزہ اکل و شرب پر پابندی کے ذریعے شیطان کو انسانی زندگی میں تصرف اور من مانی کارروائی کرنے سے بھی روکتا ہے۔‘‘

اے سحری و افطاری کے وقت اپنے دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے سجانے والو! تمھیں خبر بھی ہے کہ تمہارے پاس پڑوس میں کوئی بیوہ اور اس کے یتیم بچوں کو دو وقت کے لیے نانِ جویں بھی میسر نہیں ہے۔ کاش کہ تم رمضان کا پیغام سمجھتے اور اپنے لیے سادہ خوراک پر قناعت کرتے ہوئے اس بیوہ کے گھر مہینہ بھر کا راشن بھجوا دیتے پھر دیکھیے کہ تمہیں روزے رکھنے میں کتنا سرور اور مزہ آتا اور تمہارا یہ رمضان کتنا قیمتی بن جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں لا زوال اجر ثبت ہو جاتا۔

ہمہ گیر اجتماعی سالانہ پروگرام:

رمضانُ المبارک میں سحری و افطاری کی یکسانی سے ایک شہر اور ایک بستی کے لوگوں میں شاندار اور ہمہ گیر اجتماعی منظر کا روح پرور نمونہ ہوتا ہے اور پھر شب کو ہر مسجد کے منبر و محراب سے قرآن حکیم کی دلنواز آواز فضا کو مسحور کرتی چلی جاتی ہے۔ جس سے اہل ایمان کے قلب و روح فرحاں و شاداں ہو جاتے ہیں۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

’’ان تمام چیزوں نے رمضان کو عبادت، ذکر، تلاوت اور زہد و تقویٰ کا ایک ایسا عالمی موسم اور جشن عام کا زمانہ بنا دیا ہے۔ جس میں مشرق و مغرب کے تمام مسلمان، عالم و جاہل، امیر و فقیر، کم ہمت اور عالی حوصلہ، ہر قسم اور ہر گروہ کے لوگ ایک دوسرے کے شریک و رفیق اور ہمدم و دمساز نظر آتے ہیں، یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر اور ہر گاؤں اور ہر بستی میں ہوتا ہے۔ امیر کے محل اور غریب کی جھونپڑی دونوں میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کوئی شخص خودسری اور خودآرائی کرتا ہے نہ روزے کے لیے دنوں کے انتخاب میں کوئی انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں عطا کی ہیں۔ عالم اسلام کے وسیع و عریض رقبہ میں ہر جگہ اس کے جلال و جمال کا مشاہدہ خود کر سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے اسلامی معاشرہ پر نورانیت اور سکینت کا ایک وسیع شامیانہ سایہ فگن ہے۔ [ارکانِ اربعہ ابو الحسن علی ندوی]

قرآن کی سالگرہ:

مسلمانو! کبھی ہم نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام خزانوں اور مال و دولت کے انبار سے کہیں بڑھ کر ہمیں قرآن حکیم ایسی نعمت سے نوازا ہے:

﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝﴾

[یونس: ۵۸]

’’کہیے کہ یہ اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل کردہ ہے) لہٰذا انھیں اس پر خوش ہونا چاہیے۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ (مال) جمع کر رہے ہیں۔‘‘

پھر اس قرآن حکیم کی جیتی جاگتی تصویر خاتم النبیین ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو بنا دیا۔

«كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ»

آپ ﷺ کی زندگی قرآنی اخلاق کا مرقع تھی۔ رمضان المبارک ہمیں پیغام دیتا ہے کہ قرآن حکیم کی پاکیزہ تعلیمات کو سیرت طیبہ کی روشنی میں سمجھ کر اپنی زندگیوں کو اسی سانچے میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کریں۔

مسلمانو! رمضان ہر سال خیر و برکت لیے آتا ہے مگر افسوس کہ ہماری زندگیوں میں کوئی انقلاب نہیں آتا ہے۔ ہم بلندیوں کی بجائے پستیوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرصِ دنیا اور

خواہشاتِ نفسانی نے ہماری زندگیوں سے سکون و راحت کی دولت چھین لی ہے ہمارے اسلاف نے اسی کتابِ مبین کی روشن تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اور پیارے رسول ﷺ کی اطاعت سے دنیا و آخرت کی سرفرازیاں حاصل کی تھیں مگر ہم ہیں کہ

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے ؟
نوعِ انسان کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟
تھے تو آباء وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو۔

رمضان اور پاکستان:

پاکستان کا قیام رمضان المبارک میں ہوا تھا، جو اس بات کی طرف واضح اشارہ تھا کہ یہاں سنت مطہرہ کی روشنی میں قرآن کا نظامِ عدل جاری و ساری ہوگا مگر اٹھاون (۵۸) سال کی طویل مدت گزرنے کے باوجود یہ عادلانہ نظام جاری نہ ہو سکا۔ اس ملک پر اسلام کے باغی اور غدار حکمران برسر اقتدار رہے ہیں جنھوں نے ملک کی دولت دونوں ہاتھوں سے لوٹی ہے اور اسے کنگال اور دیوالیہ بنا دیا ہے اسلامی قوانین کا اجراء آج تک نہیں ہو سکا ہے۔ جس سے ہر طرف بے یقینی کی فضا مسلط ہے۔ ہر شخص پریشان نظر آتا ہے۔ اس لیے کہ لوگوں کو انصاف نہیں ملتا ہے۔ ان کے حقوق غصب ہو رہے ہیں۔ دیندار کہلانے والے کئی جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم ہیں جو سرا سر قرآن کی تعلیمات کی خلاف ورزی ہے اور کھلم کھلا جرم ہے، کیا وہ آخرت میں اس جرم کی سزا سے بچ سکیں گے؟ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر وہ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو جائیں تو اسلامی انقلاب چند دنوں میں آ سکتا ہے ۔آیئے ہم رمضان اور قرآن کے پیغام کو سمجھیں او راپنی زندگیوں میں انقلاب لائیں۔ ربّ کریم! تو محض اپنی رحمت کے صدقے امت مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کو بحال فرما اور پاکستان میں دیندار لوگوں میں اتفاق اور محبت پیدا فرما۔ آمین

دعاء و التجاء:

« ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ »

’’پیاس جاتی رہی اور رگیں تر و تازہ ہو گئیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو اجر بھی ثابت ہو جائے گا۔‘‘

روزہ اور تربیتِ نفس

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ: ‹‹إِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَ لَا یَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ›› [متفق علیه، ریاض الصالحین، باب امر الصائم بحفظ لسانه]

’’ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو اپنی زبان سے فحش بات نہ نکالے اور نہ شور و ہنگامہ کرے۔ اگر کوئی اس سے گالی گلوچ کرے یا دنگا و فساد پر آمادہ ہو تو روزہ دار خیال کرے میں تو روزہ سے ہوں (ایسی باتیں تو میری شانِ بندگی کے خلاف ہیں)

انسان کا تمام تر شرف و کمال پاکیزہ اخلاق اور حسنِ آداب میں پوشیدہ ہے اور اس میں اچھی صفات مسلسل ترین اور باقاعدہ تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام تربیتِ نفس کے بہت سے مواقع فراہم کرتا ہے ...... اسلامی عبادت کی روح ہی فکر و نظر کی اصلاح اور اخلاق و عادات کو سنوارنا اور نکھارنا ہے...... نماز ہو یا زکوٰۃ، حج ہو یا روزہ، یہ فرائض جہاں شانِ بندگی پیدا کرتے ہیں وہاں اخلاق حسنہ سے بھی آراستہ کرتے ہیں۔ آیئے! آج کی نشست میں اس بات کا جائزہ لیں کہ روزہ تربیتِ نفس میں کیسے معاون بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو محض تکلیف اور مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ جہاں ان میں شانِ عبودیت پیدا ہو وہاں وہ نظم و ضبط، صبر و تحمل، محنت و مشقت، ایثار و ہمدردی، عفو و درگذر ایسی صفات سے بھی آراستہ ہوں کہ یہی مقصودِ زندگی ہے اور اسی میں دنیا و آخرت کی سربلندیاں اور سرفرازیاں ہیں، روزہ ان خوبیوں کو ہمارے اندر پیدا کرتا ہے۔

نظم و ضبط:

آپ غور کیجیے کہ ماہِ رمضان میں ہمارے چوبیس گھنٹے کی زندگی میں کس قدر نظم و ضبط پیدا ہو جاتا ہے۔ سحری و افطاری میں، کھانے پینے کے اوقات میں، عبادت و ریاضت کے اوقات میں، اپنے روزمرہ کے مشاغل کے اوقات میں اور سونے جاگنے کے اوقات میں ایسا توازن پیدا ہو جاتا ہے کہ زندگی بامقصد نظر آنے لگتی ہے اور کامیاب زندگی اسے کہتے ہیں جو منظّم و مرتب ہو۔ آپ قوموں کے عروج و زوال کی

تاریخ پڑھیں آپ کو معلوم ہو گا کہ دنیا میں جن قوموں نے ترقی کی ہے انھوں نے وقت کی قدر و قیمت کو پہچانتے ہوئے اپنی زندگیوں میں نظم و ضبط پیدا کیا۔ خود مسلمانوں کا درخشندۂ ماضی بھی اس پر گواہ ہے۔

صبر و تحمل:

زندگی پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں سے عبارت ہے ۔ یہ مصائب و آلام، دکھ اور تکالیف میں گھری ہوئی ہے۔ بیماریاں ہیں، حادثات ہیں ، کاروباری نقصانات اور دشمنوں کی یلغار ہے ۔ ان مشکلات و حادثات کا مقابلہ ، صبر و تحمل سے کرنے کا نام ہی عزیمت و جوانمردی ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [البقرة:١٥٥]

”اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک ، جان و مال اور پھلوں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (خوشنودیٔ رب) کی بشارت سنا دیجیے۔“

روزہ میں بھوک اور پیاس کی برداشت، زبان و بیان کی حفاظت نیز غم و غصہ کے موقع پر جذبات پر قابو کی تربیت سے صبر و تحمل کا وصف نشو و نما پاتا ہے۔ اس لیے نبی مکرم ﷺ نے رمضان المبارک کی آمد پر اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

« وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ » [الترغيب والترهيب ، كتاب الصوم]

”یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ تو جنت ہے۔“

یہ صبر و تحمل کی صفت تھی کہ مٹھی بھر مسلمان گرمی کی شدت میں، بھوکے اور پیاسے ، بے سرو سامانی کی حالت میں، محض اللہ کی قوت کے سہارے ، میدانِ بدر میں کفار کے لشکر جرار کے مقابلہ میں کود پڑے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان صابرین کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا تھا۔

ایثار و ہمدردی:

وہ روزہ جسے احتیاط و حفاظت سے رکھا جائے اس سے ایثار و ہمدردی کے جذبات پرورش پاتے ہیں امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

” وَيَكْسِرُ الْجُوْعَ وَالظَّمَا مِنْ حِدَّتِهَا وَيُذَكِّرُهَا بِحَالِ الْاَكْبَادِ الْجَائِعَةِ مِنَ الْمَسَاكِيْنِ “

[زاد المعاد فصل فی هدیه صلی الله علیه وسلم فی الصیام]

”روزہ بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے ۔ وہ خالی معدوں کی یاد تازہ کرتا

ہے اور بتاتا ہے کہ ان مساکین اور فاقہ کشوں پر کیا گزرتی ہے (جن کو معدوں کی آگ بجھانے اور اپنے جگر کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سامان نصیب نہیں)

زندگی کا مقصد صرف مال و دولت کا حصول اور بذاتِ خود عیش و راحت کے مزے اڑانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے غرباء و مساکین کی خدمت ، بیواؤں اور یتامیٰ کی مدد کرنا بھی ضروری ہے اور یہی صفت ربّ کریم کو پسند ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ ﴾ [الدھر:۸]

” اور اللہ کی محبت میں مسکین ، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔“

اور جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی ماہِ رمضان کو شہر المؤاسات یعنی ہمدردی اور غمخواری کے مہینہ سے یاد کیا ہے۔

زبان کی حفاظت:

زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اوراظہارِ بیان کا ذریعہ ہے ۔ شیریں اور پاکیزہ گفتگو سے پھول جھڑتے ہیں۔ یہ دلوں کو موہ لیتی ہے، اور انھیں ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے اور یہی زبان بدکلامی اور تلخ گفتگو سے دلوں کو زخمی اور گھائل کردیتی ہے پھر جنگ اور فساد کا باعث ہوتی ہے ، کہتے ہیں کہ تلوار کا وار مندمل ہو جاتا ہے مگر زبان کا وار مندمل نہیں ہوتا ۔ اسلام نے اس کی حفاظت اور تربیت پر بہت زور دیا ہے ۔ زیر مطالعہ حدیث میں بھی نبی مکرم ﷺ نے روزہ دار کو کتنی جامع نصیحت فرمائی ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں فحش کلامی سے باز رہے جب رضائے الٰہی کے لیے ، اس نے صبح سے شام تک رزقِ حلال سے منہ موڑ لیا ہے اور اپنے اوپر حرام کرلیا ہے تو جو بات پہلے ہی حرام ہے وہ روزہ کی حالت میں کیونکر جائز ہوسکتی ہے؟

اسی لیے نبی مکرم ﷺ نے تنبیہ فرمادی ہے۔

« مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ » [رواہ البخاری، ریاض الصالحین]

” جس شخص نے جھوٹ بولنے اور جھوٹی بات پر عمل کرنے کو ترک نہ کیا تو اس کے کھانے پینے کو چھوڑنے کی اللہ کو کوئی پروا نہیں ہے۔“

مسلمانو ! آؤ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جھانکیں کہ اسلام تو ہماری ہر طرح سے تربیت کرتا ہے مگر ہماری حالت کس قدر دگرگوں ہے، اسلامی عبادات کی جھلک ہماری زندگیوں میں مفقود ہے ، ہماری مثال اس مریض کی سی ہے جو بڑی قیمتی دوائیں کھا رہا ہے مگر اپنی بدپرہیزی کی وجہ سے صحت یاب نہیں ہو

رہا ہے۔ ہر سال رمضان آتا ہے مگر ہماری زندگیوں میں کوئی انقلاب پیدا نہیں ہوتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کی کجیوں کو دور فرمائے۔ آمین

دعاء و التجاء:

« رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ، وَاغْفِرْلَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ » [التحریم :۸]

"اے ہمارے رب! آپ پوری فرمائیے ہمارے لیے روشنی (کہ ہم نورِ ایمان کے ساتھ اپنی منزل کو پہنچ جائیں) اور ہمیں بخش دیجیے آپ ہی تو ہر چیز پر قادر ہیں۔" (آمین یارب العالمین)

رمضانُ المبارک اور دعا

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: « قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَّا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: اَلصَّائِمُ حِيْنَ يُفْطِرُ، وَالْاِمَامُ الْعَادِلُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ، تُفْتَحُ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ، وَيَقُوْلُ الرَّبُّ: وَعِزَّتِىْ وَجَلَالِىْ لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْبَعْدَ حِيْنٍ۔» [رواہ احمد الترغیب والترھیب ،کتاب الصوم]

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے لوگوں کی دعا رَدّ نہیں کی جاتی ہے (پہلا) روزہ دار جبکہ وہ روزہ افطار کرتا ہے، (دوسرا) عدل و انصاف کرنے والا حاکم، (تیسرا) مظلوم کی دعا، (ان کی دعا) اللہ تعالیٰ بادلوں سے بھی اوپر اٹھا لیتا ہے ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ربّ تعالیٰ فرماتا ہے، میری عزت اور جلال کی قسم! میں تیری ضرور بضرور مدد کروں گا خواہ تھوڑی دیر کے بعد ہی (کہ اس تاخیر میں بھی تمہارا بھلا مقصود ہوگا)"

ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے۔

« ثَلَاثٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يَرُدَّ لَهُمْ دَعْوَةً: اَلصَّائِمُ حَتّٰى يُفْطِرَ، وَالْمَظْلُوْمُ حَتّٰى يُنْتَصَرَ وَالْمُسَافِرُ حَتّٰى يَرْجِعَ» [رواہ البزار الترغیب والترھیب باب الصیام]

تین شخص ایسے ہیں کہ ان کی دعا، اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے روزہ دار جب تک وہ افطار نہ کرے، اور مظلوم کی جب تک اس کی مدد نہ ہو اور مسافر کی جب تک وہ حالت سفر میں رہے

(اور بعض روایات میں آتا ہے کہ والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔)

دعاء کی حقیقت:

"اَلدُّعَاءُ" (دَعَا، یَدْعُوْ، دُعَاءً) کا لغوی معنی پکارنا، بلانا، مدد طلب کرنا، سوال کرنا اور شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغاثہ اور عرض معروض کرنا، اور دعا کی حقیقت دو چیزوں سے مرکب ہے، اللہ کے حضور اپنی عبودیّت، غلامی، عجز اور بے بسی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی قدرت، رحمت اور عظمت وجلال کا اقرار، انسان جب اپنی بندگی و پستی اور اللہ تعالیٰ کی آقائی و بالا دستی کے زندہ شعور اور احساس کے ساتھ اس کی بارگاہ میں عرض و نیاز کرکے اس سے اپنی ضروریات طلب کرتا ہے پھر اپنے دکھوں اور تکلیفوں کا ازالہ چاہتا ہے تو دعا کی حقیقت وجود میں آتی ہے۔

دعاء فطرت کی آواز ہے:

انسان اپنی تمام تر قوت و طاقت کے باوجود کمزور اور بے بس ہے اس کی بے بسی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ آنکھ میں کوئی ذرّہ پڑ جائے تو کسی کروٹ چین نہیں ہے، دانت اور کان میں درد ہونے لگے تو کسی پہلو آرام نہیں ہے۔ شدید بخار آجائے تو کراہنے لگتا ہے، کسی حادثہ میں چوٹ آجائے اور زخم لگ جائے تو چیخنے اور پکارنے لگتا ہے، گرمی کی شدّت میں چند گھنٹے پانی نہ ملے تو تڑپنا شروع کر دیتا ہے، بارانِ رحمت کا نزول نہ ہو اور کھیتیاں خشک ہونے لگیں تو حواس باختہ ہو جاتا ہے اور ہر طرف موت کے سائے منڈلانے لگتے ہیں، اس کی کشتیاں اور جہاز بھنور میں پھنس جائیں تو پریشان حال ہو جاتا ہے، اس وقت وہ ایسی قوّت کا متلاشی ہوتا ہے۔ جو اسے مشکلات کے بھنور سے نکالے' اس کی تکالیف کو دور کرے' اس کی پریشانیاں مٹائے' اس کے دکھوں کا مداوا بنے' اسے غرق ہونے سے بچا کر کنارے پر لگائے' اس کے رستے زخموں پر مرہم لگائے۔ جو اسے ان مصائب سے نجات دلا کر آسودگی اور راحت سے ہمکنار کر دے قرآنِ حکیم اس فطرت کی آواز کو یوں بیان کرتا ہے۔

﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ [النمل، ٦٢]

"بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے اور (کون اس کی) تکلیف کو دور کرتا ہے اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے (یہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود برحق بھی ہے؟ (ہرگز نہیں مگر) تم بہت کم غور کرتے ہو غیر معمولی مشکلات

ومصائب میں مشرکین کی حسِ باطنی بھی جاگ اٹھتی ہے اور وہ خالص اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔''

﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ [العنکبوت، ٦٥]

''جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکا یک یہ شرک کرنے لگتے ہیں (فطرت کی آواز کی خلاف ورزی شروع کر دیتے ہیں)۔''

دعاء صرف اللہ تعالیٰ سے کی جائے:

جب مشکلات ومصائب میں صرف اور صرف ربّ کائنات نجات دیتا اور دلاتا ہے اور زندگی کی ہر راحت وآرام وہی عطا کرتا ہے تو صرف اور صرف اُسے ہی پکارا جائے، وہ کہاں اور کب ملتا ہے قرآن جواب دیتا ہے۔

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ ﴾ [البقرۃ، ١٨٦]

''اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو (کہیے) میں قریب ہوں اور (ہر) عرضی درخواست کرنے والا جب وہ میرے حضور درخواست دے منظور کر لیتا ہوں (اور وہ بھی اپنی بندگی کا ثبوت دیتے ہوئے) میرے احکام بجا لائیں (جو سراسر حکمت پر مبنی ہیں اور انہیں دنیا وآخرت میں کامیابی دلاتے ہیں) اس طرح وہ ہدایت سے ہمکنار ہو جائیں۔''

اس آیت مبارکہ سے قبل روزوں کا بیان تھا اور اس کے بعد بھی مسائل صوم کا ذکر ہے حافظ صلاح الدّین یوسف لکھتے ہیں:

''رمضان المبارک کے احکام ومسائل کے درمیان دعا کا مسئلہ بیان کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ رمضان میں دعا کی بھی بڑی فضیلت ہے، جس کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً افطاری کے وقت کو قبولیت دعا کا خاص وقت بتلایا گیا ہے، تاہم قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان آداب و شرائط کو ملحوظ رکھا جائے جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں جن میں سے دو (اس آیت مبارکہ) میں بیان کیے گئے ہیں۔ ایک اللہ پر صحیح معنوں میں ایمان اور دوسرا اس کی اطاعت وفرمانبرداری، اسی طرح احادیث میں حرام خوراک سے بچنے اور خشوع وخضوع کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی

ہے۔" [تفسیر احسن البیان]

چند آدابِ دعا

(۱) توجہ، یکسوئی اور قبولیت کا پختہ یقین:

نبی ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا اس طرح مانگو کہ تمہیں قبولیت کا پختہ یقین ہو۔

« اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ » [مشکوۃ، کتاب الدعوات]

(۲) چپکے چپکے گریہ و زاری:

رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ [الاعراف، ۵۵]

"اپنے ربّ سے گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے مانگو، یقیناً وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

حد سے بڑھنے سے مراد کوئی نامعقول بات دعا میں کہنا ہے جیسے کوئی اپنے لیے ہمیشہ کی زندگی مانگے، چوری چکاری کی توفیق طلب کرے وغیرہ۔

(۳) عزم وجزم:

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جب کوئی شخص دعا مانگے تو یہ نہ کہے اے اللہ! اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما، اے اللہ! تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، اے اللہ تو چاہے تو مجھے رزق عطا فرما بلکہ دعا مانگتے وقت اللہ تعالیٰ سے عزم و اصرار سے طلب کرنا چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو جو چاہے کرسکتا ہے اور اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا ہے۔ [بخاری بحوالہ مسنون دعائیں، سید بشیر احمد]

(۴) رغبت اور خوف سے پکارنا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَباً وَّرَهَباً ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴾ [الانبیاء، ۹۰]

"(بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول) نیکیوں کی طرف دوڑ دھوپ کرتے اور ہمیں ہی رغبت و خوف سے پکارتے تھے اور ان کی (پیشانیاں) ہمارے ہی آگے جھکی رہتی تھیں۔"

(۵) جب مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگو:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سوال کرو تو اللہ ہی سے سوال کرو اور جب مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو۔

« اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ » [ترمذی اربعین نووی]

(۶) اکل حلال اور صدقِ مقال:

دعا کی قبولیت اس وقت یقینی ہو جاتی ہے جب کوئی شخص اپنی روزی حلال اور جائز ذرائع سے حاصل کرتا ہے اور اس میں جھوٹ اور دروغ گوئی سے کام نہیں لیتا، صاف ستھری زندگی گزارنا ہی ایک اچھے اور سچے مسلمان کی شان ہے۔

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اسی بات کا حکم دیتا ہے، جس کا حکم اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کو دیا ہے، اس کے ثبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیۃ مبارکہ پڑھی۔

﴿ يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

[المومنون، ۵۱]

”اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو، میں اسے خوب جانتا ہوں۔“

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ پڑھی۔

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ ﴾ [البقرۃ، ۱۷۲]

”اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔“

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے آدمی کا ذکر فرمایا ہے جو ایک طول طویل سفر پر ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ خستہ حال ہے اور اس کا جسم گرد وغبار سے اٹا ہوا ہے (اس خستگی اور درماندگی کی حالت میں اس کی دعا تو ضرور قبول ہونی چاہیے) اور وہ اس حال میں آسمان کی طرف منہ کر کے اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور یوں گویا ہوتا ہے۔

« يَا رَبِّ، يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِىَ بِالْحَرَامِ

فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ» [رواہ مسلم، بحوالہ الجواب الکافی، ابن قیّم]

"اے رب، اے رب! اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا پینا حرام کا ہے، اوڑھنا بچھونا حرام کا ہے اور وہ حرام کی غذا سے ہی پلا بڑھا ہے، بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہو؟"

(۷) اسماء الحسنٰی کے ساتھ پکارنا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ [الاعراف، ۱۸۰]

" اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام، سو اس کو پکارو (دعا مانگو) ان اچھے ناموں کا واسطہ دے کر۔"

ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ سے اس کی صفاتِ حسنہ، اَحَدُ الصَّمَدُ، لَمْ یَلِدْ، وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ کا واسطہ دے کر اپنے لیے مغفرت طلب کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا ہے۔ [ابو داؤد، نسائی بحوالہ مسنون دعائیں ،شبیر احمد]

اور حدیث مبارکہ میں دعا کو ان کلماتِ توحید سے شروع کرنے کا بھی پتہ چلتا ہے۔

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُكَ بِاَنِّیْ أَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ» [حصن المسلم، سعید بن علی]

" اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی اللہ (معبود برحق) ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو اکیلا بے نیاز ہے اور سب تیرے محتاج ہیں وہ ذات کہ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی کوئی اس کا ہم سر ہے۔"

(۸) دعاء سے پہلے اور بعد درود شریف:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ہر دعا معلّق رہتی ہے جب تک کہ دعا کے ساتھ (اوّل و آخر) آپ صلی اللہ علیہ سلم پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجا جائے، اور یہ دورد ِابراہیمی ہے جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

[صحیح الجامع، بحوالہ مسنون دعائیں، سید شبیر احمد]

(۹) سچّے دل سے توبہ و استغفار:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحاً ﴾ [التحریم، ۸]

''اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے سچی خالص توبہ کرو۔''

معصیت کی راہ ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرنا اور ربّ کریم کے حضور کثرت سے استغفار کرنا، '' اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ '' اے اللہ! میں اپنے گناہوں اور خطاؤں کی آپ سے معافی مانگتا ہوں، (مانگتی ہوں)، اس سے بندے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حقدار بن جاتے ہیں۔ سیدنا نوح علیہ السلام اپنی قوم کو خطاب کرتے ہیں۔

﴿ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ ﴾

[نوح، ۱۰ ۔۱۲]

''اپنے ربّ سے معافی مانگو، بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمانوں سے خوب بارشیں برسائے گا، تمہیں مال و اولاد سے نوازے گا تمہارے لیے باغات اور نہروں سے (لہر بہر کر دے گا)۔''

(۱۰) غموں اور دُکھوں کا مداوا:

اللہ تعالیٰ کے حضور مندرجہ ذیل کلمات دکھوں اور غموں سے نجات حاصل کرنے کا بہترین راستہ ہے۔

﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ [الانبیاء:۸۷]

''(اے اللہ) تیرے سوا میرا کوئی مشکل کشا نہیں ہے تو ہر (عیب و نقص) سے پاک ہے، میں ہی قصور وار تھا۔''

یہ سیدنا یونس علیہ السلام کی دعا ہے جو آپ نے سخت تکلیف کی حالت میں یعنی جب ایک خاص مچھلی نے بحکمِ الٰہی آپ کو نگل لیا تھا مانگی تھی، ساتھ ہی اس کی قبولیت کا بھی ذکر ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ [الانبیاء:۸۸]

''سو قبول کی ہم نے اس کی دعا اور نجات بخشی ہم نے اس کو غم سے اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو۔''

اس آیت مبارکہ میں ارشاد ہے کہ جو مومن بھی اس کا ورد کرے گا وہ رحمت الٰہی سے بہرہ ور ہو گا۔

(۱۱) انہماک اور توجہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: دعا اس طرح مانگو کہ تمہیں قبولیت کا مکمل یقین ہو اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی دعا ہرگز قبول نہیں فرماتا جو مانگتے وقت غافل اور غیر سنجیدہ ہو، یعنی مانگتے ہوئے اس کو یہ بھی

پتہ نہ ہو کہ وہ کیا مانگ رہا ہے اور کس لیے مانگ رہا ہے۔

[سلسلہ الاحادیث الصحیحہ، الشیخ الالبانی بحوالہ، مسنون دعائیں ، سید شبیر احمد]

(۱۲) دعاء میں تکرار:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے ربّ سے سوال کرتے یا دعا مانگتے تو تین تین بار دہرایا کرتے تھے۔ [متفق علیہ، بحوالہ ایضاً]

استغفار کے الفاظ تو کئی بار دھرائے جا سکتے ہیں، اسی طرح ہر دعا کو بھی کئی بار دھرایا جاسکتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے'' اللہ کی قسم! میں اس سے بخشش چاہتا ہوں اور دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں :

« وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً »

[باب التوبہ ، ریاض الصالحین]

تکرار سے مفہومِ دعا کو اپنے دل میں جگہ دینا اور خالق و مالک سے بار بار التجا کرنا مقصود ہوتا ہے، بار بار مانگنے سے اپنی بے کسی اور بے بسی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور رحمٰن و رحیم کی عزت وعظمت دل میں جگہ پاتی ہے اور ہم سب اس کے در کے فقیر ہیں۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝ ﴾ [فاطر، ۱۵]

'' لوگو! تم سب ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو غنی وحمید ہے۔''

سیدنا یونس علیہ السلام نہ معلوم کتنے دن اور کتنے گھنٹے اللہ تعالی کے حضور گریہ و زاری کرتے رہے ہوں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کی شب دعا و مناجات میں گزار دی۔

(۱۳) ہر حال میں دعاء مانگنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ مصائب و آلام اور تکلیف و پریشانی میں اس کی دعائیں قبول ہوں تو اسے چاہیے کہ راحت و آرام کے زمانے میں زیادہ دعائیں مانگتا رہے۔

[ترمذی بحوالہ مسنون دعائیں، سید بشیر احمد]

(۱۴) نیک افعال کو وسیلہ بنا کر دعا مانگنا:

صحیحین میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بنی اسرائیل کے تین اشخاص نے ایک غار میں بارش کی وجہ سے پناہ لے رکھی تھی کہ ایک پتھر سے غار کا منہ بند ہو گیا اور وہ غار میں پھنس گئے، ان میں

سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے نیک کام کو وسیلہ بنا کر دعا مانگی اور ان کی دعا قبول ہوئی اور غار کے منہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر ہٹ گیا۔ [متفق علیه، بحواله مسنون دعائیں، سید شبیر احمد]

قرآن حکیم کی اس آیتِ مبارکہ میں جو ارشاد ہوا ہے۔

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ﴾ [المائدة، ۳۵]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو۔“

اس سے مراد یہ ہے کہ اس ذریعہ کے طالب اور آرزومند رہو جس سے تم اللہ کا تقرّب حاصل کر سکو اور اس کی رضا مندی پا سکو۔ ظاہر ہے کہ وہ نیک اعمال ہیں جو قرآن وسنت کے مطابق ہوں۔ جُہلاء اور کم علم لوگوں نے جو اس کے معنی بزرگوں کے نام کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا مفہوم نکال لیا ہے سراسر غلط ہے۔

قبولیتِ دعاء کے اوقات:

- روزہ کی حالت میں اور روزہ افطار کرنے سے پہلے کہ اس وقت روزہ دار کو مولا و مالک سے مزدوری ملنے کے لمحات ہوتے ہیں۔
- شب قدر میں کہ اس کی بڑی فضیلت آئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان مبارک ساعتوں میں اس دعا کی تلقین فرمائی تھی۔

« اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفُوَ فَاعْفُ عَنِّىْ » [ترمذی، مسنون دعائیں]

”اے اللہ! بے شک تو معاف فرمانے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے سو میرے گناہ بھی معاف فرمادے۔“

- یومِ عرفہ، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: بہترین دعا یومِ عرفہ کی دعا ہے اور بہترین کلمات وہ ہیں جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے کہے، وہ یہ ہیں۔

« لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ » [صحیح الجامع، حواله ایضا]

”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، حکومت اور ستائش صرف اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“

- جمعۃ المبارک کے دن عصر کے وقت کی آخری ساعت۔
- رات کی کسی ایک گھڑی میں۔

رات کی پہلی تہائی گزرنے کے بعد اور جب رات ایک تہائی باقی رہ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اس وقت ربّ کریم اپنے بندوں سے مخاطب ہوتا ہے۔

« اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٍ فَأَرْزُقَهٗ اَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهٗ أَلَا كَذَا اَلَا كَذَا »

''کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اسے بخش دوں، کوئی ہے جو مجھ سے رزق کا خواہشمند ہو اور میں اسے رزق سے نوازوں، کوئی ہے جو مجھ سے کسی ابتلا (بیماری، مشکل) پر مدد طلب کرنے والا کہ میں اسے اُس بیماری اور مشکل سے نجات دوں، کیا کوئی ایسا ہے، کیا کوئی ایسا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی یہ پکار بندوں کے لیے مسلسل رہتی ہے یہاں تک صبح صادق روشن ہو جاتی ہے۔

[الترغيب والترهيب، حواله ايضاً]

اس کے علاوہ اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ اور سجدے کی حالت بھی دعا کی قبولیت کے لمحات ہیں۔ اور ویسے تو خلوصِ دل سے جب بھی اس کریم و رحیم کے حضور میں دعا کی جائے وہ ضرور قبول کرتا ہے کیونکہ اس کا حکم ہے۔

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [المومن: ٦٠]

''تمہارا ربّ کہتا ہے مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔''

یعنی دعائیں قبول کرنے کے جملۂ اختیارات میرے پاس ہی ہیں لہٰذا تم دوسروں سے دعائیں نہ مانگو بلکہ صرف اور صرف مجھ سے مانگو۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ نَرْجُوْا فَلَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّ اَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهٗ، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ »

''اے اللہ! ہم آپ کی رحمت کے متلاشی ہیں، ہمیں ہمارے نفسوں کے سپرد پل بھر کے لیے بھی نہ کیجیے اور ہمارے تمام کے تمام احوال سنوار دیجیے کہ آپ کے سوا ہمارا کوئی مشکل کشا نہیں ہے۔'' (آمین یارب العالمین)

عید کا روحانی و اخلاقی پہلو

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا فَقَالَ:مَا ھٰذَانِ الْیَوْمَانِ؟ قَالُوْا:کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللّٰہُ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا ، یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ» [رواہ ابو داؤد، مشکوٰۃ ،باب صلوۃ العیدین]

” سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ : نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کو سال کے دو دنوں میں (لہو و لعب) خوشیاں مناتے دیکھا ، پوچھا یہ کیسے دن ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم ان دو دنوں میں کھیل تماشا کیا کرتے تھے۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان سے بہتر دو دن مقرر فرما دیے ہیں۔ ایک عید الاضحیٰ اور دوسرا عید الفطر (ان دنوں میں تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی وعظمت بیان کر کے دلوں کو سکون دو اور آپس میں میل ملاقات سے اور تحفے تحائف کے تبادلوں سے خوشیاں حاصل کرو)

لفظ عید کا مادہ عَوْدٌ ہے جس کے لغوی معنی لوٹنے اور واپس آنے کے ہیں ۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:”عید وہ ہے جو بار بار لوٹ کر آئے اور اصطلاح شریعت میں یہ لفظ یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ پر بولا جاتا ہے چونکہ شرعی طورر پر یہ دن خوشی کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور حدیث میں عید کے دنوں کو ایام اکل و شرب یعنی کھانے پینے کے دنوں سے یاد کیا گیا ہے اس لیے ہر وہ دن جس میں کوئی مسرت اور شادمانی حاصل ہو، اس پر عید کا لفظ بولا جانے لگا۔ چنانچہ آیہ کریمہ:

﴿ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا ﴾ [سورة المائدہ: ۱۱٤]

” اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے خوان نعمت نازل فرما کہ ہمارے لیے وہ دن عید قرار پائے۔“

اس میں عید سے مسرت اور شادمانی کا دن ہی مراد ہے۔[مفردات القرآن]

الفِطْرُ: اَلْاِفْطَارُ۔ روزہ کا افطار کرنا

”عِیْدُ الْفِطْرِ : الْعِیْدُ الَّذِیْ یَعْقِبُ صَوْمَ رَمَضَانَ۔“

”وہ عید جو رمضان کے روزوں کے بعد آتی ہے (کہ مسلمان افطار کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں)

" زَكٰوةُ الْفِطْرِ ، صَدَقَةٌ وَاجِبَةٌ يُقَدِّمُهَا الْمُسْلِمُوْنَ اِلَى الْمُحْتَاجِيْنَ بِمُنَاسَبَةِ عِيْدِ الْفِطْرِ۔"

" صدقۂ فطر وہ لازمی اور ضروری صدقہ ہے، جو(صاحب حیثیت مسلمان عید الفطر سے قبل غرباء و مساکین کو(محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دیتے ہیں تاکہ وہ بھی عید کی خوشیوں میں ان کے ساتھ شامل ہوسکیں۔)

اسلامی اور غیر اسلامی تہوار میں فرق:

دنیا کی ہر قوم کے لیے سال بھر میں بعض دن ایسے ضرور آتے ہیں جن کو وہ اپنے قومی تہوار کے طور پر عزیز رکھتی ہے اور اسے منانے کے لیے ہر قسم کے مادّی سازو سامان، عیش و عشرت، نغمہ وسرود، شراب اور راگ کی مجلسیں قائم کی جاتی ہیں۔ ڈھول ڈھمکوں اور بگل باجوں سے انھیں سجایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کا جشن اور ماتم خوشی اورغمی، مرنا اور جینا سب کچھ اپنے مولا و مالک کی رضا کے لیے ہے۔

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾ [الانعام: ۱۶۳]

" (آپ اُن سے کہیے) کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اورمیری موت سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے۔ اور میں اوّلین فرماں بردار ہوں۔"

لہو ولعب کی محفلوں میں وقتی طور پر خوشی تو ضرور حاصل ہوتی ہے مگر اس کا انجام قلب وروح کی پژمردگی اورفکرِ آخرت سے بے تعلقی کی صورت میں نکلتا ہے اس کے برعکس اسلام میں عیدین کی خوشیوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے بندوں کی خدمت سے دل کے کنول دائمی طور پر کھل جاتے ہیں اور وہ لازوال مسرتوں سے سرشار ہو جاتے ہیں جس کے ثمرات نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

اسلام مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو مضبوط اور مربوط بناتا ہے۔ نماز، روزہ حج، زکوٰۃ اوردوسرے شعائرِ اسلامی میں یہ شان پوری طرح جھلکتی ہے۔ نماز کی ادائیگی انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر فرض قرار دی گئی ہے ایک ہی صف میں شاہ وگدا، امیر وفقیر، ادنیٰ و اعلیٰ کھڑے ہو کر ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کرکے کئی قسم کے روحانی و معاشرتی فوائد حاصل کرتے ہیں۔ رمضان المبارک میں بیک وقت سحری و افطاری سے نظم وضبط کی شاندار تربیت ملتی ہے۔ حج مسلمانوں کا روح

پر و رعالمگیر اجتماع انھیں اخوت و محبت کی لڑی میں پر و دیتا ہے زکوٰۃ کا مقصد معاشرے کے نادار اور کمزور لوگوں کو ساتھ ملا کر زندگی کے سفر میں قدم کے ساتھ قدم ملا کر آگے بڑھنا ہے۔ غور کیجیے تو اسلام مسلمانوں میں کہیں بھی رخنہ پیدا ہونے نہیں دیتا ہے ۔ کاش کہ مسلمان عبادات کی غرض و غایت کو سمجھ جائیں۔

عیدین کے ایام بھی ہمارے لیے بہت سے روحانی و اخلاقی پیغام لاتے ہیں روزہ رکھنے والے صاحبِ حیثیت لوگوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مفلس اور تنگدست احباب کی خدمت کریں اور عید کی خوشیوں میں انھیں اپنے ساتھ شامل کریں ، جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« زَكَاةَ الفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ »

[ابو داؤد، فقه السنه]

’’صدقۂ فطر کی ادائیگی روزہ دار کی زبان و بیان کی لغزشوں سے طہارت حاصل کرنا (کہ روزہ کے اجر میں کمی نہ رہ جائے)اور غرباء و مساکین کے لیے کھانا فراہم کرنا ہے۔‘‘

آیئے !اب ذرا عیدین کے روح پرور مناظر کا جائزہ لیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم عید کے روز نہا دھو کر اجلا اور اچھا لباس زیبِ تن فرماتے۔ عطر اور خوشبو کا استعمال کرتے۔ اسلام زیب و زینت سے منع نہیں کرتا ، ہاں اسراف اور ریا کاری اسے نا پسند ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم عید الفطر میں نماز سے پہلے چند طاق کھجوریں نوش فرماتے اور نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور عید الاضحیٰ میں نماز سے پہلے نہیں کھاتے تھے بلکہ واپسی کے بعد قربانی کے گوشت میں سے تناول فرماتے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ نمازِ عید شہر سے باہر کھلے میدان میں ادا فرماتے۔ مصلحت یہ ہے کہ اتنے بڑے اجتماع میں لوگوں کو آنے جانے کی پریشانی نہ ہو۔ ایک راستہ سے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس آتے اور جن راستوں پر مسلمان گزرتے وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے گونج اٹھتے۔

« اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔»

’’اللہ سب سے بڑا ہے (ہم دل و جان سے گواہی دیتے ہیں) کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے اور تمام تعریفوں کا حق دار بھی وہی ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب عید گاہ پہنچتے تو صف بندی کے ساتھ دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ اس میں نہ اذان ہے اور نہ ہی اقامت اور نماز سے پہلے نہ کوئی تقریر ہے اور نہ ہی کوئی خطبہ اس

کا موقع نماز کے بعد ہے۔ ہاں نماز میں تکبیرات کی تعداد بڑھ جاتی ہے پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں اور تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا کہ ہاتھوں کا کندھوں یا کانوں کی لو کے برابر بلند کرنا ربِ کائنات کی بڑائی کا اعلان ہے۔

سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عید کی پہلی رکعت میں (سورۃ فاتحہ) کے بعد سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ پڑھا کرتے تھے اس کے علاوہ سورۂ ق اور سورہ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ کا بھی ذکر آیا ہے۔

نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف چہرہ مبارک کرتے اور بڑا جامع اور مختصر خطبہ ارشاد فرماتے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، لوگوں کو تقویٰ و طہارت اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرنے کی نصیحت ہوتی اور خواتین کے حلقہ میں تشریف لے جا کر انھیں بھی الگ سے خطاب فرماتے۔ خواتین کے لیے بھی حکم ہے کہ وہ عید گاہ جائیں بلکہ وہ خواتین بھی شامل ہوں جنھیں بعض ایام میں نماز کی رخصت ہوتی ہے۔ نماز نہ پڑھیں تو مسلمانوں کے ساتھ دعاء میں تو شامل ہوسکیں۔ ذرا اسلام کی تعلیمات پر غور کیجیے کہ اس نے اجتماعیت پر کتنا زور دیا ہے۔

عیدین کی نماز کے بعد مسلمان آپس میں ملتے ملاتے ہیں۔ خنداں اور مسرور چہروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کرتے ہوئے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ [اختصار۔ اسلامی تعلیم، مولانا عبدالسلام بستوی]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عید الفطر کے دن فرشتے راستوں کے اہم موڑوں پر کھڑے یہ اعلان کرتے ہیں۔ مسلمانو! سویرے سویرے (نمازِ عید کے لیے) اپنے کرم کرنے والے ربّ کی طرف نکلو جو احسان فرما کر نیکی کی توفیق دیتا ہے اور پھر اس پر بڑی جزا بھی دیتا ہے۔ تم نے رات کا قیام کر کے اور دن بھر روزے رکھ کر اس کے حکم کی تعمیل کی اور امکان بھر اس کی اطاعت میں لگے رہے۔ آج اللہ کے انعامات وصول کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازِ عید سے فراغت کے بعد پھر ایک اعلان ہوتا ہے۔

"دیکھو تمہارے ربّ نے تمہاری سب کوتاہیاں اور گناہ معاف فرما دیے۔ آج بھلے بن کر گھروں کو جاؤ آج تقسیم انعامات کا دن ہے۔ [مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۲۰۱]

یہ خوشخبریاں کن کے لیے ہیں۔ ان کے لیے جنھوں نے حزم و احتیاط سے دن بھر روزہ رکھا اور خلوص و محبت سے راتوں کو قیام کیا اور جن کی زندگیاں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے میں بسر ہوئیں۔

یہاں ذرا رک جائیے۔ پھر مجھے چیچنی مسلمانوں کی یاد ستا رہی ہے۔ ہزاروں اپنے گھروں کو چھوڑ کر (جواَب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں) سخت سردی میں خیموں میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ ہزاروں بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں روسی درندوں کی بمباری سے جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں اور پوری مغربی دنیا خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی ہے مجھے ان سے شکوہ نہیں ہے کہ کیونکہ وہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے دشمن ٹھہرے ہیں۔ مجھے افسوس مسلمان ملکوں پر ہے جن کی رگِ حمیت اپنے بھائیوں کے نقصان پر نہ پھڑکی اورجنھوں نے نہتے چیچنی جانبازوں کی کوئی مدد نہ کی۔ عرب ریاستوں کی دولت، جن کی زمینیں سونا اگلتی ہیں۔ صرف امریکہ کے لیے رہ گئی ہے کہ وہ شیطان مختلف ہتھکنڈوں سے ان کی دولت چھین لیتا ہے کیا مسلمانی اسے کہتے ہیں؟

دعاء و التجاء:

« رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝ »

”اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں (کے مظالم) کا تختہ مشق نہ بنائیے اور ہمارے پروردگار ہمیں معاف فرمائیے۔ بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔“

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ

”خَیۡرُ الزَّادِ التَّقۡوٰی“

نبیؐ کا یوں ہوا ارشاد جاری
کہ بہتر توشہ ہے پرہیز گاری

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

« مَنْ حَجَّ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّـہٗ »

حج

حج کے اخلاقی و معاشرتی، روحانی اور تربیتی پہلو

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ « مَنْ حَجَّ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ » [متفق علیہ۔ مشکوۃ کتاب المناسك]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش باتوں کا ارتکاب کیا اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو کر گھر لوٹتا ہے جیسا اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔''

حج کے لغوی معنی کسی کی زیارت کا ارادہ اور قصد کے ہیں جب کہ اصطلاحِ شریعت میں مناسکِ حج کے لیے بیت اللہ کا قصد ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت ﴿یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ﴾ حج اکبر سے مراد یوم النحر یا یوم عرفہ ہے۔ یہ حدیث شریف کی ایک روایت کے مطابق " اَلْعُمْرَةُ : اَلْحَجُّ الْاَصْغَرُ " یعنی عمرہ حج اصغر ہے۔[مفردات القرآن ۔ امام راغب اصفہانی]

اسلامی عبادات پر گہری نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ ان سے نہ صرف بندگیٔ ربّ کی تعمیل ہوتی ہے بلکہ بہت سے اخلاقی و معاشرتی، روحانی اور تربیتی پہلوؤں کی تکمیل بھی ہوتی ہے اسلام دینِ رحمت ہے تو اس کی تعلیمات فوز و فلاح کا باعث ہیں۔

کلمۂ طیبہ کے اقرار سے جہاں لا زوال اور غیر متزلزل ایمان و یقین کی دولت ملتی ہے وہاں اس بات کی تربیت بھی حاصل ہوتی ہے کہ ہم سب ایک ہی ربّ کے بندے ہیں اس سے ذات پات، اونچ نیچ، حسب و نسب اور فخر و غرور کے بت پاش پاش ہوجاتے ہیں اور رسالت پر ایمان سے اندھی تقلید و جہالت کے پردے چاک ہو جاتے ہیں اور یہ روشنی ملتی ہے کہ ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے اور امت کے لیے اتفاق کی راہ صرف یہی ہے کہ آپ ہی کی اتباع کی

جائے آپ ہی ہمارے قائد اور امام ہیں۔

نماز میں جہاں ربّ کائنات کی بندگی اور اس کے ان گنت انعامات و احسانات کا شکر ہے وہاں جسم و جان کی طہارت و نظافت، روح کی بالیدگی اور اطمینان قلب ہے تو اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا باہمی اتحاد، امام کی اطاعت اور نظم وضبط کا مظاہرہ اور آپس میں میل ملاقات سے ان کے آپس کے مسائل ومشکلات کا حل اور ہمدردی و غمخواری کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی سے جہاں ربّ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے وہاں اس کے بندوں کے ساتھ احسان و مروّت بھی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ زندگی کا مقصد بھی متعین ہوتا ہے مقصدِ حیات محض دھن دولت اکٹھا کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ کی بندگی اور اس کے بندوں کی خدمت ہی سے گوہرِ مقصود کو پانا ہے۔

روزہ جہاں وفاداری اور اطاعتِ الٰہی کا اظہار ہے وہاں روزہ دار کو ان بھوکوں اور ناداروں کے لیے احساس وشعور بیدار ہوتا ہے جنھیں پیٹ بھرنے کے لیے نانِ جویں بھی میسر نہیں ہے اسے اگر اللہ تعالیٰ دولت سے نوازتا ہے تو وہ اسے محض تجوریوں اور بینکوں میں نہیں رکھتا بلکہ اس میں سے غرباء و مساکین، یتامیٰ اور بیوگان کی مدد بھی کرتا ہے۔ فریضہٴ حج کی ادائیگی سے بہت سے اخلاقی و روحانی پہلو روشن ہوتے ہیں، آیئے ذرا ان پر نظر ڈالیں۔

۱۔ نفس کو زیر کرنا:

انسان کے جینے کا مقصد محض کھانا پینا اور جبلی خواہشات کو پورا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر وفکر ہے۔ ایامِ حج میں اس کی تربیت ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾ [البقرۃ:۱۹۷]

”حج کے مہینے معیّن ہیں جو معلوم ہیں پس جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے تو ایامِ حج میں شہوانی اور فحش باتوں سے بچے اور لڑائی جھگڑے سے دور رہے۔“

۲۔ تقویٰ بہترین زادِ راہ ہے:

حج اس پر فرض ہے جس کے پاس سفرِ حج کا خرچ موجود ہو اور وہ بھی اس نے جائز اور حلال کمائی سے حاصل کیا ہو، اس موقع پر قرآنِ حکیم کی عظمت و بلاغت پر غور کیجیے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ [البقرہ:۱۹۷]

"اور زادِ راہ (یعنی راستے کا خرچ ساتھ لو کہ اسکے بغیر حج نہیں ہوسکتا ہے) (لیکن یاد رکھو اصل) حقیقت تو صرف توشۂ پرہیز گاری ہے (جسے تمھیں ہر حال میں ساتھ رکھنا ہے) اور اے اہلِ عقل مجھ سے ڈرتے رہو۔"

پس یہی آیۂ مبارکہ حج کا بنیادی مقصد ہے ۔ بلکہ تمام عبادات کا مقصد مسلمانوں میں صفتِ تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ اسی سے انسانیت کا کمال اور اس کی معراج ہے۔ بندہ ظاہر اور باطن میں گھر اور بازار میں، مسجد اور میدان میں، اپنے وطن اور دیارِ غیر میں صرف اور صرف اپنے خالق و مالک سے ڈرتا رہے۔ نیکیوں کو اختیار کرے اور برائیوں سے اجتناب کرے۔ یہی اس کی دنیا و آخرت میں کامیابی کی نوید ہے۔

حج کے دوران اس کے لیے آزمائش کی سخت گھڑیاں ہیں۔ اللہ کے گھر پہنچ کر پیغامِ تقویٰ اس کے دل کو متنبہ اور چوکس رکھتا ہے کہ تمہارا زادِ راہ حقیقت میں مال نہیں ہے بلکہ تقوی کا توشہ ہے کہیں اسے ضائع نہ کردینا۔ تم نے اس قدر سفر خرچ برداشت کیے تم نے راستہ کی مشکلات و مصائب کو سہا ہے تم اگر حج کو ٹھیک ٹھیک سرانجام دیتے ہو تو ربِّ کائنات تمھیں بے پناہ انعامات سے نوازے گا۔ تم اس طرح گھر لوٹو گے گویا آج تم دنیا میں پیدا ہوئے ہو اور معصوم بچوں کے ذمہ کون سے گناہ ہوتے ہیں؟ یہ بشارت، یہ خوشخبری کسے مل رہی ہے۔ اسے جس نے حج کو اپنے ربّ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں ادا کیا۔

۳۔ دعاء ومناجات:

حج کیا ہے؟ دیوانہ وار عشق و چاہت کا، خلوص ومحبت کا، تسلیم و رضا کا، اطاعت وفرماں برداری کا، وطن سے بے وطن ہونے کا، اسی طرح مظاہرہ ہے جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے لختِ جگر سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کی فرماں بردار اہلیہ، سیدہ بی بی ہاجرہ علیہا السلام نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان باوفا بندوں کی قربانیاں اس قدر پسند آئیں کہ انھیں نہ صرف شرفِ قبولیت سے نوازا بلکہ ان کے مقدس ہاتھوں سے بیت اللہ کی تعمیر کو وہ عزت و عظمت بخشی کہ اقصائے عالم کے لوگوں کا وہاں جمع ہونا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کے شعائر کو بجا لانا ضروری قرار دیا۔ اسی وفا شعاری سے جو لوگ حج پورا کرتے ہیں ان کی دعائیں ربِّ کائنات کے حضور قبول ہوتی ہیں۔

۴۔ عالمگیر اجتماع:

حج میں جہاں اطرافِ عالم کے مسلمان ربّ کریم کے گھر کھنچے چلے آتے ہیں اور اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہوئے نیکیوں کے طلب گار ہوتے ہیں وہاں ان کو مل بیٹھنے کا موقع بھی مل جاتا

ہے ان میں عربی عجمی کی تفریق ختم ہو جاتی ہے کالے اور گورے کا امتیاز بھی جاتا رہتا ہے، سب کے سب ایک ہی طرح کے لباس میں نظر آتے ہیں اور سب کی زبانوں پر ایک ہی ترانہ ہوتا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

ان کے لیے یہ موقع (Golden Chance) بڑا غنیمت ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاشی، معاشرتی، سیاسی اور تمدنی مسائل حل کریں، اس وقت کفر کی تمام طاقتیں اکٹھی ہو چکی ہیں اور وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہیں۔ ان کا سرغنہ امریکہ ہے۔ آپ غور کیجیے کہ گزشتہ چھ ماہ سے چیچنی مسلمانوں پر روسی درندوں نے جو ظلم وستم ڈھایا ہے وہ تاریخ انسانیت کا انتہائی کرب ناک باب ہے اور گزشتہ اٹھاون برس سے ظالم و سفاک ہندوؤں نے مظلوم کشمیریوں پر جو وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی تاریخ کا انتہائی شرمناک باب ہے اس کے علاوہ فلسطین، کوسوو، لبنان میں جو کچھ ہوا اور اب تک جو ہو رہا ہے وہ ظلم کی طویل داستان ہے اس پر پورا یورپ اور کافر برادری تماشائی بنی ہوئی ہے اور تعجب و حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلامی ممالک نے بھی چپ سادھ رکھی ہے شاید وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کا سرپرست امریکہ ان سے ناراض ہو جائے گا۔ آہ! انھیں لوگوں کی ناراضی کا ڈر ہے مگر اللہ مالکُ الملک کی ناراضی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

﴿ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ [التوبة:١٣]

”کیا تم ان سے ڈرتے ہو، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو۔“

اے عرب ریاستوں میں بسنے والو! تمھیں اللہ نے بے پناہ دولت سے نوازا ہے، اس لیے نہیں کہ بلند و بالا محلات تعمیر کرو اور عیش و عشرت کے مزے اڑاؤ اور اس لیے نہیں کہ شیطان امریکہ مختلف ہتھکنڈوں سے تمہاری دولت چھین کر لے جائے بلکہ اس لیے تمھیں دولت عطا کی گئی ہے کہ تم غریب مسلمان ملکوں کی مدد کرو۔ تمہیں اپنے دشمنوں کے خلاف اسلحہ کی فیکٹریاں لگانی چاہئیں۔ ہوائی جہاز اور ٹینک بنانے چاہئیں۔ میزائل اور توپیں تیار کرنی چاہئیں تاکہ تم اپنے دشمنوں پر ضربِ کاری لگا سکو۔

آج چیچنی مسلمان تمہاری امداد کے مستحق ہیں۔ ان کے مکانات کھنڈر بن چکے ہیں وہ ہزاروں کی تعداد میں شہید ہو چکے ہیں۔ اور لاکھوں کی تعداد میں کھلے آسمان کے نیچے کیمپوں میں پڑے ہیں۔ مجھے بتلاؤ کہ یورپ کے بینکوں میں تمہاری دولت سے کون فائدہ اٹھا رہا ہے؟ تمہارے کھلے دشمن جو تمہاری دولت سے سامانِ حرب تیار کر کے بالآخر تمہارے ہی اوپر استعمال کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ اِیۡمَانًا یُّبَاشِرُ قَلۡبِیۡ وَیَقِیۡنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعۡلَمَ اَنَّهٗ لَنۡ یُّصِیۡبَنِیۡ اِلَّا مَا كَتَبۡتَ لِیۡ وَالرِّضَا بِمَا قَضَیۡتَ »

''اے اللہ تعالیٰ! میں آپ سے ایسے ایمان کا طالب ہوں جو میرے قلب میں جا گزیں ہو اور یقینِ صادق کا خواستگار ہوں حتی کہ مجھے اس امر کا کامل اطمینان ہو جائے کہ مجھ پر کوئی مصیبت نہیں آتی مگر صرف جو آپ نے میرے لیے لکھ دی ہے۔

(آمین یا رب العالمین)

حج کے ثمرات و برکات

عَنۡ أَبِیۡ هُرَیۡرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ أَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:« اَلۡحَجُّ الۡمَبۡرُوۡرُ لَیۡسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الۡجَنَّةَ۔ » [متفق علیه، ریاض الصالحین، کتاب الحج]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' حج مبرور (تقویٰ وطہارت سے ادا کئے ہوئے حج) کا اجر وثواب جنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔''

لُغت: اَلۡحَجُّ:اَلۡقَصۡدُ لِلزِّیَارَةِ وَخُصَّ فِیۡ تَعَارُفِ الشَّرۡعِ بِقَصۡدِ بَیۡتِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِقَامَةً لِلنُّسُكِ۔ [مفردات القرآن]

''حج کے لغوی معنٰی کسی کی زیارت کا قصد و ارادہ کے ہیں، جب کہ اصطلاحِ شریعت میں مناسکِ حج کے ارادے سے بیت اللہ میں قیام اور حاضری کے ہیں۔''

اَلۡمَبۡرُوۡرُ: گناہوں سے بچتے ہوئے اور پرہیز گاری اختیار کرتے ہوئے جو حج کیا جائے وہ مقبول ومبرور کہلائے گا۔

حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رُکن ہے۔کلمۂ توحید و رسالت کا دل اور زبان سے اقرار، دن رات میں پانچ نمازوں کا قیام، رمضان المبارک کے روزوں کا اہتمام تو ہر امیر غریب مسلمان پر فرض ہے، جب کہ زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی صاحبِ نصاب اور صاحبِ استطاعت لوگوں پر ہی لازم اور فرض ہے اور اصحابِ مال کے لیے ان کی ادائیگی ایسے ہی ضروری ہے جس طرح صوم وصلوۃ کی پابندی لازمی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡهِ سَبِیۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ

غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ [آل عمران: ۹۷]

''اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو وہ اس کے گھر کا حج کرے اور جو (اس کا) انکار کرے گا تو (وہ جان لے کہ) اللہ سارے جہان والوں سے بے نیاز ہے۔''

غور کیجیے کہ جسے اللہ تعالیٰ صحت و عافیت اور مال و دولت کی نعمت سے نوازے اور اُسے اپنے گھر کی زیارت کے لیے بلائے تو وہ یہ سب کچھ پانے کے باوجود ناشکری کی روش اختیار کرتے ہوئے اپنے ربّ کے بلاوے کو نظر انداز کر دے اُس سے زیادہ بدنصیب اور بدقسمت اور کون ہو گا؟ اس روش کو قرآن نے ''کفر'' (انکار، ناقدری، ناشکری) قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی تارکین حج کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''جس شخص کو سفرِ حج کا ضروری سامان اور سواری میّسر ہو جو اُسے بیت اللہ تک پہنچا سکے اور وہ پھر بھی حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔''

گویا اس حدیث مبارک میں تارکین حج و عمرہ کو یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی ہے، جب کہ قرآن میں تارکین صلوٰۃ کو مشرکین سے تشبیہ دی گئی ہے:

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ [الروم: آیت ۳۱]

''اور تم نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔''

قرآن و حدیث میں مذکور تشبیہات کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مشرکین مکّہ حج تو ادا کرتے تھے مگر نماز کے تارک تھے اور یہود و نصاریٰ نماز تو پڑھتے تھے مگر حج کے تارک تھے۔ اسی لیے ترکِ صلوٰۃ کے رویّے کو مشرکین کا رویہ بتایا گیا ہے اور ترکِ حج کے رویے کو یہود و نصاریٰ کا وطیرہ قرار دیا گیا، مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ دونوں کے عقائد و اعمال غلط تھے جن سے مسلمانوں کا بچنا ضروری ہے۔

حج کے لیے ''استطاعت'' کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی بیت اللہ تک پہنچنے کے لیے نہ صرف مالی لحاظ سے بلکہ جسمانی لحاظ سے بھی طاقت اور توانائی کا ہونا لازمی ہے، ایک شخص کے پاس مال ہی نہیں اور وہ لوگوں سے قرض اٹھاتا پھرے یا ایک شخص چلنے پھرنے سے معذور اور بے بس ہے اور اس بیماری کی حالت میں سفر کرے اور دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث ہو تو یہ بات مناسب نہیں ہے، اور زادِ راہ سے بھی کہیں بڑھ کر توشۂ پرہیز گاری ہے۔ یقیناً یہ سفر مبارک اس کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ

التَّقْوٰی ۫ وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ [البقرة: آیت ۱۹۷]

''حج کے مہینے مقرر اور معلوم ہیں، جو شخص ان میں حج کا عزم کرے، (اُسے خبردار رہنا چاہیے کہ) ان (مہینوں میں) نہ کوئی فحش بات ہونے پائے اور نہ کسی بُرے عمل اور لڑائی جھگڑے کی بات ہی سرزد ہو اور نیک عمل جو تم سرانجام دو گے، وہ اللہ کے علم میں ہو گا اور (دیکھو) سفرِ حج کے لیے زادِ راہ ساتھ لے جاؤ اور سب سے بہتر زادِ راہ تو پرہیز گاری ہے، سو عقل مندو! میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔''

اس آیت مبارکہ میں کئی پہلو ہیں۔

(ا) حج کے مہینے شوّال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرّم ہیں، اصل ارکان تو ذو الحجہ کے دوسرے ہفتہ میں ادا ہوتے ہیں لیکن احرامِ حج شوال ہی سے بندھنا شروع ہو جاتے ہیں اور لوگ اطرافِ عالم سے کُشاں کُشاں سرزمینِ حرم میں آنے لگتے ہیں اور حج سے قبل عمرہ کرنے والوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔

(ب) جو شخص فریضۂ حج ادا کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے ، اسے دورانِ سفر ربِ کریم کی طرف سے چند اصولوں کی پیروی لازمی ٹھہرائی گئی ہے تاکہ اس کا یہ سفر مبارک ، سفر سعادت بن جائے اور وہ اجر وثواب سے بہرہ ور ہو کر گھر لوٹے ، مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

''ایام صوم کی طرح ایاّم حج کو بھی اعمال خیر کے ساتھ مناسبت حاصل ہے جو چیزیں حرام ہیں وہ تو خیر ہمیشہ ہی حرام ہیں، باقی جو امور جائز و مباح ہیں، ان میں سے بھی بہت سی چیزوں سے زمانۂ صیام کی طرح حالتِ احرام میں دستبردار ہونا پڑتا ہے، "فَلَا رَفَثَ" رفث کا مفہوم عام ہے ہر قسم کی شہوانیت یعنی مباشرت کے دواعی و مبادی اس میں شامل ہیں۔''

اللہ اکبر! ایک معیار یہ ہے عبادت میں طہارت و پاکبازی کا جو اسلام کا قائم کیا ہوا ہے کہ اشارۃً وکنایۃً بھی اُس زمانہ میں جائز شہوانی خیالات زبان پر نہ لائے جائیں اور دوسری طرف مشرک قوموں کے میلے ٹھیلے، تیر تہوار، تیرتھ جاترا نمائشیں اور جلسے ہیں جن کی گرم بازاری ہی فحش کاریوں اور شہوت انگیزیوں سے ہے اور پھر عرب جاہلیت کے تو ارکانِ حج میں فحش داخل تھا۔

﴿ وَلَا فُسُوْقَ ﴾ اس کے تحت میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہ کی ممانعت آ گئی ۔ حالتِ احرام میں جب متعدد جائز مشغلے مثلاً شکار ناجائز ہو جاتے ہیں تو چھوٹی بڑی کسی قسم کی معصیت کی گنجائش ظاہر ہے کہاں نکل سکتی ہے۔

﴿ وَلاَ جِدَالَ ﴾ جدال اپنے عام وسیع معنیٰ میں ہے، مار پیٹ، ہاتھا پائی الگ رہی، زبانی حُجّت و تکرار جو اکثر مسابقت و مفاخرت کے موقعوں پر ہو جاتی ہے، سب احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔ حج کے موقع پر دنیا کے گوشہ گوشہ کی آبادیاں کھینچ کر آ جاتی ہیں، ہر قسم، ہر عمر، ہر قماش، ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، بوڑھے بھی، جوان بھی، بچے بھی، بڑے تیز مزاج اور غصّہ ور بھی، آوارہ مزاج بھی حریص اور طامع بھی، حسین و نوجوان عورتیں بھی، پھر تکلیفیں اور صعوبتیں بھی راہ اور سواری کے سلسلہ میں طرح طرح کی پیش آتی ہیں...... بڑے بڑے حلیم بھی دامنِ صبر چھوڑ بیٹھتے ہیں، رشک و منافقت، بدنظری و بدکاری، نزاع و جدل کے مواقع قدم قدم پر رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

حکیمِ مطلق کی حکیمانہ نگاہ نے رفث اور فسوق اور جدال سب کی تصریحاً اور تاکیداً ممانعت کر کے کمزور بندوں کے حق میں کیا خوب انتظام کر دیا ہے۔

﴿ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ﴾ اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے، اللہ کو اس کا علم ہو کر رہے گا اور اس کے مطابق صلہ بھی دے گا۔ حاجیوں کے اعمالِ خیر کی تشویق و رغبت افزائی کے لیے یہ بہترین و مؤثر ترین یاد دہانی ہے، اللہ کے عالم کل و عالم جزئیات ہونے کا پورا استحضار رکھو، اہل جاہلیت کی طرح کہیں اس تذبذب میں نہ پڑ جاؤ کہ ہمارے فلاں عملِ خیر کا صلہ ملے گا یا نہ ملے گا، علمِ الٰہی میں وہ آئے گا بھی یا آنے سے رہ جائے گا۔ مؤمن کے لیے تو بڑی سے بڑی ہمت بھی اس عقیدہ کا استحضار پیدا کرتی ہے کہ خفی سے خفی، باریک سے باریک نیکی بھی عالم الغیب کی نظر سے مخفی نہیں۔ اطباء یونانی موسم بہار میں مصفیّات پلاتے ہیں اور جاڑے کے زمانہ میں مقویّات استعمال کراتے ہیں کہ ان موسموں کو ان دواؤں کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ رمضان کا مہینہ اور حج کا موسم بھی رُوحانیت کے عالم میں اپنی صحت بخش آب و ہوا کے لیے ممتاز ہیں، تو طبیب حقیقی ان موسموں میں اعمال خیر کی طرف خصوصی توجہ کیسے نہ دلاتا۔

”(اور جب ارادۂ حج سے نکلو) تو زادِراہ ساتھ لو، اس ہدایت کی قدر اس وقت ہو گی جب جاہلی قوموں کے زائرین کی ذہنیت پر نظر ہو، خصوصاً جاہلیت عرب کی تاریخ پر۔ آج بھی ہندوستان میں کتنی ہی قومیں ایسی ہیں جو تیرتھ جاترا کے وقت گھر سے مفلس و تہی دست نکلنا ہی اپنی روحانیت کا کمال سمجھتے ہیں۔ راستہ میں مانگتے ہوئے جائیں گے، کوئی دوسرا انہیں کھلا پلا دیا کرے گا، یہ اپنے فقیر ہونے پر فخر کریں گے۔ اس قسم کے سارے تخیّلات و اوہام اسلام نے مِٹا دیئے اور حکم دیا کہ جب گھر سے حج و زیارت کے لیے نکلو تو ضرورت بھر کا روپیہ پیسہ

لے کر نکلو، راستہ میں دوسروں پر بار بننے کی کوشش نہ کرو، عرب جاہلیت میں یہ مرض اور زیادہ پھیلا ہوا تھا، بلکہ بعض گروہوں کو تو یہ غلوّ تھا کہ احرام پہننے کے بعد جو کچھ سرمایہ ہوتا بھی، اسے بھی پھینک دیتے...... اسلام ایسے دستور کا جو جھوٹی اور نمائشی روحانیت پر مبنی تھا اور ایک طرف شخصی غیرت اور خودداری کے بھی منافی تھا اور دوسری طرف معاشیات اجتماعی پر ایک خواہ مخواہ کا بار تھا، کیسے روا دار ہو سکتا تھا اور اسے کیوں کر باقی رہنے دیتا۔" [تفسیر ماجدی، ج:۱]

(د) پھر غور کریں تو "زادِ تقویٰ" میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حج اور زیارت کے لیے جو "زادِ راہ" تم لے رہے ہو وہ حق حلال کی روزی اور خون پسینے کی کمائی سے ہے یا سود اور رشوت سے کمایا ہوا حرام مال ہے؟ اللہ تعالیٰ کا تو فرمان ہے:

﴿ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ [المائدہ: آیت ۲۷]

"اللہ تو متقیوں (پرہیزگاروں) ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔"

(ھ) سفر حج سے پہلے یہ بھی سوچ لیا جائے کہ کسی کا دل تو نہیں دُکھایا ہوا، کسی کا مال تو نہیں دبایا ہوا، تقویٰ اور پرہیزگاری کا تقاضا ہے کہ فلاں فلاں سے معافی مانگ لی جائے اور فلاں فلاں کا حق ادا کر دیا جائے تاکہ اخلاص نیّت سے ربّ کے حضور پیشی ہو اور بخشے بخشائے گھر لوٹو اور اگر راستے میں موت آجائے تو پاک صاف ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو۔

(ی) "حج" عالم اسلام کا عظیم اجتماع ہے، دنیا بھر کے مسلمان مرکز اسلام میں جمع ہوتے ہیں، جہاں وہ ربّ کریم کی مغفرت کے طلب گار بنتے ہیں، وہاں انہیں معاشرتی، معاشی، اقتصادی اور سیاسی مسائل حل کرنے کا زریں موقع ملتا ہے ہر ملک سے نمائندوں کا اجتماع لازمی ہے اور اس میں امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لیے اجتماعی طور پر فیصلے کرنے چاہئیں، اس وقت یہود و ہنود اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے درپے آزار ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بھی حُکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف مادّی و اخلاقی وسائل بروئے کار لائیں، مگر افسوس کہ ہمارے بہت سے اعمال کی طرح حج کی اصل حقیقت اور روح بھی رخصت ہو چکی ہے۔

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی

دعاء والتجا:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ، رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ »

”اے اللہ! میں آپ سے معافی اور دونوں جہاں میں عافیت طلب کرتا ہوں ، اے ہمارے ربّ آپ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمایئے اور آخرت میں بھی نیکی سے نوازیئے۔ اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچایئے۔“ (آمین یا رب العالمین)

عید الاضحیٰ کا پیغام

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِیُ ؟ قَالَ: « سُنَّةُ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیهِ السَّلَامُ » قَالُوْا: فَمَا لَنَا فِیْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ:« بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ » قَالُوْا: فَالصُّوْفُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ » [ترمذی، ابن ماجه: بحواله اسلامی تعلیم ، عبدالسلام بستویؒ]

” یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔“ انہوں نے کہا:اس میں ہمیں کیا ثواب ہے؟ فرمایا: ”ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے۔“ پھر انہوں نے دریافت کیا: اُون کا معاملہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا: ”اُون کے بھی ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے۔“

جلیل القدر پیغمبر سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیرانہ سالی میں اپنے ربّ کے حضور دعا کرتے ہیں:

﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ [الصّٰفٰت: ۱۰۰]

”اے پروردگار! مجھے ایک فرزندِ صالح عطا فرما۔“

بارہ گاہِ الٰہی میں یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بی بی ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل ایسا نیک بیٹا عطا کیا جس کی پیشانی پر صلاح وتقوٰی اور صبر وحلم کے نقوش چمک رہے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ﴾ [الصّٰفٰت: آیت ۱۰۱]

”پس ہم نے انہیں ایک صاحبِ حلم لڑکے (کی ولادت) کی بشارت دی۔“

یہ فرزند ارجمند بوڑھے باپ کی ضعیفی کا سہارا ہی نہیں تھا بلکہ اُن کے پیغامِ حق کو باقی رکھنے کا بھی واحد ذریعہ تھا۔ سیدنا ابراہیم اور بی بی ہاجرہ علیہما السلام نے اس گوہر بے بہا اور متاع گراں مایہ کی دیکھ بھال میں کوئی کسر روا نہ رکھی اور ہونہار بچہ نیک تمنّاؤں اور بڑے ارمانوں سے پلنے بڑھنے لگا اور جب یہ نورِ نظر

اورلختِ جگر کھیلنے کودنے اور باپ کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہوا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا جس میں انہیں اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا اشارہ مل رہا تھا۔

پیغمبر برحق علیہ السلام نے پہلی دفعہ آٹھویں ذی الحجہ کو خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے ابراہیم! بیٹے کی قربانی دو، صبح ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام تعجب و حیرت کے عالم میں شام تک صورتِ حال کی نوعیت پر غور کرتے رہے، نویں تاریخ کی رات کو پھر یہی کچھ دیکھا اور سمجھ گئے کہ خواب کے پیرائے میں یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، نویں تاریخ کا نام یوم عرفہ اسی لیے ہے یعنی عرفان و معرفت کا دن، یہاں تک کہ جب دسویں تاریخ کی شب میں بھی یہی حکم دکھایا گیا تو اس پیکر توحید نے محسوس کر لیا کہ یہ لازماً حکم ربانی ہے اور تعمیل حکم کے لیے بے قرار ہو گئے اور لختِ جگر کو ذبح کر دینے کا فیصلہ کر لیا، دسویں ذی الحجہ کو یوم النحر یعنی ذبح کر دینے کا دن اسی لیے کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ہی مرحلہ رہ گیا تھا اور وہ تھا اس راہ میں بیٹے کی ثابت قدمی کا مرحلہ، نیک اور صالح باپ کے سعادت مند فرزند نے انتہائی خندہ پیشانی سے راہ حق میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کا اقرار کیا۔ ربّ کائنات کے حکم کے سامنے باپ اور بیٹے کی تسلیم و رضا اور بندگی و سپردگی کا ایسا ایمان افروز اور ولولہ انگیز منظر تھا کہ قرآن حکیم نے اُسے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔

﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗـؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ [الصٰفٰت: ۱۰۲ تا ۱۱۱]

یعنی ''(اسماعیل) جب اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہوئے تو ابراہیم نے کہا جانِ پدر! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں' سوچو! اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے، بیٹے نے کہا: ابا جان آپ کو جو حکم ہے اس پر عمل کیجئے، آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے، پھر جب دونوں نے ہمارے سامنے اطاعت کی گردن جھکا دی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے پکارا اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بلا شبہ یہ ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم

نے ایک بڑی قربانی کا اُن کو فدیہ دیا اور بعد کے آنے والوں میں ابراہیم کا ذکرِ خیر چھوڑ دیا، ابراہیم پر سلام و رحمت ہو وہ ہمارے فرماں بردار بندوں میں سے تھے۔“

ان آیاتِ مبارکہ میں معارف و مطالب کی بہت سی باتیں آجاتی ہیں ۔

① انبیاءِ کرام کے خواب سچّے ہوتے ہیں، انہیں خواب میں جو حکم ملتا ہے وہ اُسے بجا لاتے ہیں۔

② انبیاءِ کرام کو ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تو وہ صبر و ثبات کی عمدہ مثال پیش کرتے ہیں۔

③ والدین کی اچھی تعلیم و تربیت سے بچوں میں اطاعت و فرماں برداری پیدا ہوتی ہے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے ”ان شاء اللہ مجھے صابرین میں سے پائیں گے“ فرما کر ایک طرف اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین کا اظہار فرمایا تو دوسری طرف اطاعت و فرماں برداری کی بہترین مثال قائم کی، اس میں یہ نکتہ بھی مضمر ہے کہ انسان اپنے عزم و ارادہ کو محض اللہ کی رحمت اور اس کی تائید سے ہی پورا کر سکتا ہے۔

④ سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی تسلیم و رضا ” فَلَمَّا اَسۡلَمَا “ اسلام کی جیتی جاگتی تصویر ہے، اسلام کے معنٰی ہی احکامِ الٰہی کے سامنے گردن جھکا دینے کے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کے انقیاد و اطاعت کا نقشہ زندگی کے ہر مقام پر نظر آتا ہے اور یہی مقصودِ حیات ہے۔

﴿ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُكِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ [الانعام:١٦٢]

”کہیے کہ میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت ، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے“

یہ آیہ مبارکہ تمام کے تمام دینِ اسلام کا لُبِ لباب اور ملت ابراہیمی کا عطر و مغز ہے۔

⑤ ﴿ وَفَدَیۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ ﴾ میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے خلوص کو قبول فرما کر فرشتے کے ذریعہ مینڈھا بھیجا کہ بیٹے کے بدلے اس کو ذبح کریں۔

⑥ سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا یہ اندازِ اطاعت و رضا، اللہ تعالیٰ کو ایسا پسند آیا کہ اُسے ہمیشہ کے لیے ایک مِلّی نشان قرار دے دیا اور قربانی ایک اہم اور مستقل سنت بن گئی اور قربانی کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف گوشت اور خون کی قربانی نہیں روح اور دل کی قربانی ہے، خواہشات اور جذبات پر قابو پانے کی قربانی ہے، یہاں تک کے معبودِ حقیقی کی رضا اور خوشنودی کے لیے اپنی قیمتی سے قیمتی متاع کو نذر کر دینے کی قربانی ہے اور اس کے یہاں تو دلوں کا ادب اور روح کی پاکیزگی ہی مقبول ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

﴿ لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ ﴾ [الحج: آیت ۳۷]

’’اللہ تعالیٰ کو ان (قربانی کے جانوروں) کا گوشت نہیں پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، اسے تو تمہاری پرہیز گاری پہنچتی ہے‘‘

اس لیے قربانی کرنے سے پہلے سوچ لو آیا تمہارے اندر اس کی رضا اور خوشنودی اور اس کے لیے تقوٰی و طہارت کے جذبات موجود ہیں۔

۷۔ جو افراد اور قومیں خلوص اور وفاداری سے اطاعتِ الٰہی کا دم بھرتی ہیں، اپنے میں ایثار وقربانی کے جذبات کو معمور رکھتی ہیں، مصائب مشکلات کو برداشت کرنا سیکھتی ہیں اور باطل کے خلاف سینہ سپر ہو جاتی ہیں وہی دنیا اور آخرت میں سُرخرو ہوتی ہیں۔

اس وقت عالمِ اسلام میں نکبت و ادبار کی گھٹائیں چھا رہی ہیں اور دشمن ہمارے خلاف سر جوڑ چکا ہے۔عیدالاضحیٰ کا یہ پیغام ہے کہ ہم جذبۂ ایثار کے ساتھ ایک دوسرے کے دست و بازو بن جائیں اور ایک صف میں اکٹھے ہو کر دشمن کو منہ توڑ جواب دیں۔

دعا و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا ، وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا »

’’ اے اللہ ہمارے دلوں میں الفت ڈال دیجیے اور ہمارے درمیان اصلاح کا راستہ ہموار کیجیے۔‘‘ (آمین یا رب العالمین)

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

” خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا “

نبیؐ فرماتے ہیں اے اہل اسلام
کہ ہے کاموں میں بہتر بیچ کا کام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ :

مَا مِنْ يَّوْمٍ يُّصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ

فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا :

《اَللّٰهمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا》

وَ يَقُولُ الْآخَرُ:

《اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا》

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کے راستے میں خرچ کرنا

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا قَالَ: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ ، وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِي رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ ، وَكَانَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِّن رَّمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ ، فَلَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَ سَلَّمَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ اَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ »

[متفق علیه، رياض الصالحين، باب الجود و فعل المعروف]

”سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ (لوگوں میں) سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان مبارک میں جب کہ جبریل علیہ السلام امین آپ کی خدمت میں آتے تو آپ کی سخاوت اور بھی بڑھ جاتی (ربّ کائنات کے احسانِ عظیم کے شکریہ میں) جبریل علیہ السلام رمضان میں ہر رات آپ سے ملاقات کرتے اور قرآن کا دور کرتے۔ تو جب جبریل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو آپ تیز ہوا سے زیادہ سخاوت فرماتے۔“

جود وسخا سیرتِ طیبہ کا روشن اور درخشندہ پہلو ہے اور قرآنِ حکیم کی پاکیزہ تعلیم بھی ہے:

﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ [البقرة:٣]

”اور جو ہم نے عطا کیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

﴿ وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ [قصص: ٧٧]

”اور تم بھی احسان کرو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔“

بلکہ اس سے بڑھ کر:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر:٩]

”اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں کو اپنی جانوں پر مقدّم رکھتے ہیں۔“

کی عملی تفسیر تھی۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی سائل کو ردّ نہیں فرمایا۔ اور ہمیشہ آنے والے کی ضرورت کو پورا کیا، اگر اپنے پاس نہ ہوا تو قرض اٹھا کر بھی حاجتمند اور پریشان حال کے فکر کو دور فرمادیا اس سے اندازہ کیجیے کہ آپ کے پہلو میں کتنا ہمدرد اور مہربان دل تھا اور اس بات سے امت کو یہ سبق سکھانا بھی مقصود تھا کہ زندگی کا اصل مقصد دھن دولت جمع کر کے محض اپنے اوپر خرچ کرنا اور اسے سینت سینت کے رکھنا نہیں ہے ۔ بلکہ اس مال کو اہل و عیال ، عزیز و اقارب ، غرباء و مساکین، یتامیٰ اور بیوگان ، ضرورت مندوں اور محتاجوں پر خرچ کرنا بھی ہے کہ

«اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُكُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ» [حدیث مبارك]

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

اسی سے ہی مقصدِ حیات کی تکمیل اور رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے حیاتِ طیبہ ﷺ کو بار بار پڑھیے اور زندگی کی تاریکیوں میں روشنی حاصل کیجیے۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی اور آپ نے سب کی سب دے دیں۔ اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کرلو۔ محمد ﷺ ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پروا نہیں کرتے۔

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دار الاسلام میں نہیں آئی تھی، آپ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے صحن میں ڈال دو۔ اس کے بعد جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو اس پر مڑ کر بھی نظر نہ ڈالی، نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس کی تقسیم شروع کی، جو سامنے آتا اس کو دیتے چلے جاتے ۔ سیدنا عباس کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولت مند نہیں رہے تھے اتنا دیا کہ اٹھا کر چل نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح اور لوگوں کو بھی عنایت فرماتے جاتے ۔ جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ [سیرت النّبی ﷺ، شبلی نعمانی، ج:۲]

انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت و اہمیت کے متعلق قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ کو پڑھ جایئے اور پھر سیرت طیبہ کے واقعات ،صحابہ کرام اور صلحائے امت کی سخاوت و دریا دلی پر نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ یہ باب انتہائی کشادہ اور فراخ ہے ۔ اسی جذبہ سخاوت سے انھیں دنیا میں عزت و سربلندی نصیب ہوئی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر عظیم کا مستحق بنایا۔

سخاوت و فیاضی کے اثرات معاشرتی زندگی میں یہ مرتب ہوتے ہیں کہ اونچ نیچ اور فخر و غرور کے

بت پاش پاش ہو جاتے ہیں، گردشِ دولت سے گروہ بندی اور طبقاتی تقسیم ختم ہو جاتی ہے نتیجتاً ایسے معاشرہ میں حسد و بغض اور فتنہ و فساد کی چنگاریاں بھسم ہو جاتی ہیں اور وہ معاشرہ سلامتی اور خوشحالی سے ہمکنار ہوتا ہے ، امیروں کو غریبوں سے ہمدردی و غمخواری ہوتی ہے اور وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے فقراء و مساکین پر خرچ کرتے ہیں اور انھیں بھی اپنے امیر بھائیوں سے انس اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح ایسے معاشرے میں محبت و مودّت کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔

زکوٰۃ کا فلسفہ یہ ہے کہ ہر صاحبِ نصاب اسے ادا کرے تا کہ دولت صرف امراء کے ہاتھوں میں ہی نہ رکی رہے بلکہ غرباء اور مساکین بھی اس نعمتِ الٰہی سے فیض یاب ہوں۔

﴿ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ﴾ [الحشر:٧]

”تا کہ (یہ مال) وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔“

اسلام نے خرچ کی مَد صرف زکوٰۃ تک ہی محدود نہیں رکھی۔ بلکہ اس سے بڑھ کر صدقات و خیرات کی بھی ترغیب دی ہے۔ اور اس میں کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ برضا و رغبت جس قدر چاہے کوئی شخص خرچ کرسکتا ہے:

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ [البقرۃ:٢١٩]

”یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس قدر مال خرچ کریں، کہہ دیجیے کہ جو ضرورت سے زائد ہو۔“

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شب کو وہ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رستہ سے گذر رہے تھے۔ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ذر! اگر احد کا پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے لیکن وہ دینار جس کو میں ادائے قرض کے لیے چھوڑ دوں۔ [سیرت النبی، شبلی نعمانی ،ج:٢]

آج مسلمانوں نے اسلام کی سچی اور پاکیزہ تعلیمات کو بھلا دیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انحطاط کا شکار ہیں۔ وہ مال جو کہ غرباء اور مساکین کا حق تھا۔ عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں برباد ہونے لگا ہے۔ آج ان کا مال بلند و بالا عمارتیں کھڑی کرنے میں، اور انھیں عمدہ سے عمدہ فرنیچر سے آراستہ و پیراستہ کرنے میں شادی بیاہ کے موقع پر پر تکلف کھانوں میں، چراغاں کرنے میں ۔ آتش بازی اور پتنگ بازی میں اور ایسی ہی بہت سی خرافات میں ضائع ہو رہا ہے ۔ سیاسی پارٹیاں انتخابات میں ، جلسوں اور جلوسوں میں اربوں روپیہ برباد کردیتی ہیں۔ اس دنیا میں تو ان کا محاسبہ کرنے والی کوئی عدالت نہیں

ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی عدالت سے وہ بچ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فکر و شعور کی نعمت سے نوازے۔

دعا و التجاء:

« رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَكَ شَكَّارًا ،لَّكَ ذَكَّارًا ،لَّكَ رَهَّابًا ، لَّكَ مِطْوَاعًا ، لَّكَ مُخْبِتًا، إِلَيْكَ اَوَّاهًا مُّنِيبًا » [سنن التِرْمذی=کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ ،رقم الحدیث:۳۴۴۷]

''اے میرے ربّ مجھے اپنے لیے بہت ذکر کرنے والا زیادہ شکر کرنے والا، آپ سے بہت ڈرنے والا اور بہت زیادہ اطاعت گذار آپ کے حضور بہت عاجزی کرنے والا اور گڑگڑانے والا اور آپ کی طرف رجوع کرنے والا بنا دیجیے۔'' (آمین یا رب العالمین)

مال و دولت کی آزمائش

عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: « اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَ فِتْنَةُ اُمَّتِی اَلْمَالُ »
[رواہ الترمذی ـ مشکوٰۃ : کتاب الرقاق]

''سیدنا کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کہ ہر امت کا ایک فتنہ (آزمائش)ہوتا ہے اور میری امت کے لیے فتنہ مال ہے۔''

بندۂ مؤمن کی زندگی سراپا خیر اور بھلائی ، سراپا مفید اور کارآمد ہے ۔ اس کی صبح شام بندگیٔ ربّ اور اس کے بندوں کی خدمت میں بسر ہوتی ہے۔ وہ اپنے اوقات کو ٹھیک ٹھیک مصرف میں لاکرزندگی سے بہترین فائدہ اٹھاتا ہے۔وہ حصولِ علم میں مصروف ہوتا ہے۔تو نفع بخش علم میں غوطہ زن ہوکر اپنی زندگی کو بسر کرتا ہے اور اس روشنی کو اپنے اردگرد پھیلاتا ہے جس سے ماحول چمک اٹھتا ہے۔

" اَلْعِلْمُ شَجَرَةٌ وَالْعَمَلُ ثِمَارُهَا"

''علم درخت ہےاور عمل اس کا پھل ہے۔''

وہ رزق حلال کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے اگر قسمت میں زیادہ مال آجائے تو اس کی خواہش اور تمنا اپنے بینک بیلنس کو بڑھانے اور مال سے تجوریاں بھرنے کی نہیں ہوتی بلکہ ایک طرف وہ اپنے اہل وعیال پرخرچ کرتا ہےاور دوسری طرف غرباء ومساکین ، یتامیٰ و بیوگان کی خدمت سے اپنے مولا و مالک کی رضا

کا طالب ہوتا ہے۔

﴿ وَيُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسۡكِيۡنًا وَّيَـتِيۡمًا وَّ اَسِيۡرًا ۝﴾ [الدھر:۸]

''اور وہ (نیکوکار) اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسکین ،یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

مسلمان کی اصل منزل یہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے اور اس سفر کے لیے وہ زادِ راہ مہیا کرتا ہے۔

منزل ہے بعید باندھ لو زادِ سفر
موّاج بحر ہے رکھو کشتی کی خبر

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اسلام کے نزدیک حصول دولت باعث نفرت چیز نہیں ہے۔ یہ زندگی کے قیام و بقا کے لیے ایسی ہی ضروری ہے جیسے روشنی اور ہوا۔

یتامیٰ کے سر پرستوں کو حکم ہوتا ہے کہ ان کے مال و متاع کی حفاظت کریں۔ ایسا نہ ہو کہ چھوٹی عمر میں فہم وفراست کی کمی کے باعث وہ اسے تباہ و برباد کر ڈالیں ۔ہاں جب وہ سنِ شعور کو پہنچ جائیں تو اس وقت انھیں سونپ دو۔

﴿ وَ لَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَـكُمُ الَّتِىۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَـكُمۡ قِيٰمًا وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِيۡهَا وَاكۡسُوۡهُمۡ وَ قُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝﴾ [النساء:۵]

''اور نادانوں (کہ چھوٹے بچے نادان ہوتے ہیں) کو اپنے مال نہ سونپو (وہ مال) جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے متاعِ حیات بنایا ہے (ہاں) اس میں سے انھیں کھلاؤ اور پہناؤ اور جب ان سے بات کرو تو اچھی (کہ خیر خواہی ہر حال میں بہتر ہے) بات کرو۔''

اس آیۂ مبارکہ پر پھر غور کیجیے کہ مال و دولت کو قیامِ حیات کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے دوسرے لفظوں میں مال قومی دولت National wealth ہے جس کی حفاظت سر پرست کے لیے ضروری ہے اور جو لوگ اسے ضائع کریں، قرآن کی روشنی میں وہ بے وقوف اور احمق قرار پائیں گے اور جو سر پرست یتامیٰ کے مال کی حفاظت نہ کریں وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مجرم اور گنہگار ٹھہریں گے۔

اسی آیۂ مبارکہ کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ حکومت عوام کی نگران اور سر پرست ہوتی ہے۔

حکومت کا فریضہ بنتا ہے کہ افرادِ حکومت خود بھی نیک بنیں اور عوام الناس کو بھی نیکی کی ترغیب دیں۔ بلکہ اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں تو کہیں بڑھ جاتی ہیں۔ معروف کو پھیلانا اور منکرات کو روکنا اس کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے اور اس سلسلہ میں کہیں طاقت اور قوت کا استعمال بھی ناگزیر ہو جاتا

ہے۔ جیسا کہ حکومت بلوں اور ٹیکسوں کی جبراً وصولی کرتی ہے۔

اِس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ " اَلنَّاسُ عَلٰی دِیۡنِ مُلُوۡکِھِمۡ "عوام الناس اپنے حاکموں کے طور طریقوں پر چلتے ہیں۔ اگر حکمران دیانتدار محتاط، اعتدال پسند، سلامت رو اور عادل ہوں گے تو اس کا عکس عوام پر اچھا پڑے گا اگر وہ خائن، بے احتیاط، فضول خرچ اور ظالم ہوں گے تو عوام پر اس کے بُرے اثرات پڑیں گے۔

اگر زباغِ رعیّت ملک خورد سیبے
بر آورند غلاماں او درخت از بیخ
بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد
نہند لشکر یانش ہزار مرغ بہ سیخ

" اگر بادشاہ رعیّت کے باغ سے ایک سیب کھائے تو اُس کے نوکر جڑ سے درخت اکھاڑ ڈالیں۔ اگر بادشاہ آدھے انڈے کا ظلم کرے تو اس کے لشکری ہزار مرغ سیخ پر کباب کریں گے۔"

آیئے! ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے اپنے وطن پر نگاہ ڈالیں جو سال بسال اخلاقی انحطاط اور زوال کا شکار ہو رہا ہے اور ہمارے حکمرنوں کو اس کی قطعی فکر نہیں ہے ہر سال موسم سرما کے آخر میں بسنت میلہ بڑے زور و شور اور کرّ وفر سے منایا جاتا ہے جس میں لاکھوں نہیں کروڑوں روپے ضائع و برباد ہو جاتے ہیں۔حکومت خاموش تماشائی بنی رہتی ہے۔ بلکہ پتنگ بازوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ ٹی وی پر پتنگ بازی کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ مرد تو مرد، نوجوان بے پردہ، بغیر دوپٹہ کے خواتین بھی اس میلہ میں شمولیت کو باعثِ فخر خیال کرتی ہیں۔ دن تو دن رہا راتوں کو بے تحاشا بجلی کے چکا چوند قمقموں کی روشنی میں بسنت منائی جاتی ہے جس میں اس قوم کی ان گنت دولت ضائع ہو جاتی ہے جو برسہا برس سے اربوں ڈالر کی مقروض چلی آرہی ہے اور ہر سال مزید سُود در سُود تلے دب جاتی ہے، کیا اُسے یہ فضول خرچی کسی طرح بھی زیب دیتی ہے؟

اندرونِ ملک نہ معلوم کتنے سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں اور شاہراہوں کی ابھی شدید ضرورت ہے۔ بیرون ملک کشمیری اور چیچنی مسلمانوں کی فوری اور شدید مدد کی ضرورت ہے کیا حکومت یہ لاکھوں اور کروڑوں روپے بچا کر ان مظلوم اور ستم رسیدہ بھائیوں کی مدد نہیں کرسکتی۔ کیا عوام کی نرمی و سختی سے تعلیم و

تربیت نہیں کی جا سکتی؟

آہ! اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حکومت کی مثال تو باڑ کی سی ہے جو کھیت کی حفاظت اور نگہداشت کرتی ہے مگر کیا کیجیے کہ اگر باڑ ہی کھیت کو کھانا شروع کر دے تو کھیت پر کیا گزرے گی۔

یاد رکھئے! جہاں یہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے وہاں یہ زبردست آزمائش بھی ہے اور روزِ جزا اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (قیامت کے دن) بندے کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے جب تک (ان باتوں کے بارے میں) باز پرس نہ ہو۔ اس کی عمر کے بارے میں کہ کس کام میں کھپائی؟ علم کے بارے میں کہ اُس نے اس سے کیا کام لیا؟ (کتنا عمل کیا؟) اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کن کاموں میں خرچ کیا؟ اور اُس کے جسم کے بارے میں کہ کس کام میں اسے بوسیدہ کیا۔"

[ترمذی، مشکوٰۃ: کتاب الرقاق]

قرآن کہتا ہے:

﴿ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝ ﴾ [التکاثر:۸]

"پھر اس دن (یومِ جزا) ضرور بضرور تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔"

اے میرے پاکستانی بھائیو! دشمن تمہاری سرحدوں میں جمع ہو رہا ہے اور تم ہندوؤں کی رسمیں تازہ کرنے میں مگن ہو۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

اے اللہ تجھ ہی سے فریاد ہے کہ ہماری غفلتوں کے پردے چاک کر دے۔ [آمین]

دعاء و التجاء:

« رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِیٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ »

"اے ہمارے رب! معاف فرما دیجیے، ہمارے گناہ اور بے اعتدالیاں جو ہم سے سرزد ہوئیں اپنے معاملات میں اور (دین پر) ہمیں ثابت قدم رکھیے اور کفار پر فتح و کامرانی نصیب

فرمائیے۔" (آمین یا رب العالمین)

دولتمندی کے ساتھ شکر گزاری

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:« لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ یَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ مَالًا ، فَهُوَ یُنْفِقُهُ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ »

[متفق علیه۔ ریاض الصالحین ، باب فضل الغنی الشاکر]

"سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قابل رشک دو آدمی ہیں ایک وہ شخص جسے اللہ نے قرآن کا علم دیا وہ اس پر دن رات عمل کرتا ہے، دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے، وہ اُسے دن رات بہتر طریقہ پر خرچ کرتا ہے۔"

دولت خواہ علم کی ہو یا مال کی کم ہی لوگ اسے پانے کے بعد اس کے قدر شناس اور شکر گزار ہوتے ہیں، اکثر نخوت وغرور کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انھیں اس بات کا احساس تک نہیں رہتا کہ ان پر یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔

قرآنِ حکیم میں ایک دولت مند شخص قارون کا عبرتناک واقعہ بیان ہوا ہے۔ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا مگر اپنے مفادات کی خاطر فرعون کا آلہ کار بن گیا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے بے پناہ دولت عطا کی تھی کہ اس کے وسیع خزانوں کی چابیاں ایک طاقتور جماعت بمشکل اٹھا سکتی تھی۔ وہ دولت کے نشے میں سرشار رہتا اور اپنی طاقت کا لوہا منوانے کے لیے لوگوں پر ظلم وستم ڈھاتا۔

ایک دفعہ قوم کے چند سمجھدار لوگوں نے اسے سمجھایا بجھایا کہ تمھیں اپنی دولت پر اس قدر گھمنڈ اور غرور نہیں ہونا چاہیے اور جس مال و دولت سے اللہ نے تمہیں نوازا ہے اس سے آخرت کے گھر بنانے کی فکر وجستجو کرو اور ہمارے دشمنوں سے مل کر فتنہ وفساد نہ پھیلاؤ۔

﴿ وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝﴾ [القصص:۷۷]

"اور لوگوں سے ایسے ہی احسان کرو جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے اور ملک میں فساد کرنے کی کوشش نہ کرو کیوں کہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

قارون اس قدر تکبر وغرور میں تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے تمام احسانات کو یکسر بھلا کر جواب میں کہا:

﴿ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ﴾ [القصص:۷۸]

’’کہنے لگا کہ جو کچھ مجھے ملا ہے اس علم کی بدولت ملا ہے جو مجھے حاصل ہے۔‘‘

یہی ایک نادان انسان کی سب سے بڑی بھول ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ مال و دولت اس کے علم و ہنر کا نتیجہ ہے ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے تو معلوم ہوگا کہ جس ذات نے اسے زندگی عطا کی ہے جسم و جان سے نوازا ہے جس نے یہ نعمتیں عطا کی ہیں وہ انھیں چھیننے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

اب قارون کی بغاوت و سرکشی کا انجام دیکھیے:

﴿ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴾ [القصص:۸۱]

’’پھر ہم نے قارون اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اس کے حامیوں کی کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ ہی وہ خود بدلہ لے سکا۔‘‘

قارون کے اس عبرت ناک انجام کو دیکھ کر ان لوگوں کی آنکھیں کھلیں جو کل تک اس کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر اس جیسے مال و دولت کی تمنا و آرزو کر رہے تھے۔

﴿ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [القصص:۸۲]

’’اب وہی لوگ جو کل تک قارون کے رتبہ کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے، ہماری حالت پر افسوس، اللہ اپنے بندوں سے جس کا چاہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کا چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ افسوس اصل بات یہی ہے کہ کافر لوگ فلاح نہیں پا سکتے۔‘‘

نتیجہ یہ نکلا کہ دین و دنیا کی کامیابی کے لیے دولتمندی کے ساتھ شکر گزاری کا جذبہ ہی اچھا ہوتا ہے اور اس جذبہ کی تکمیل اللہ کی راہ میں خلوصِ نیت کے ساتھ مال لٹانے سے ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ ﴾ [سورۃ اللیل:۵-۷]

نیز فرمایا:

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ ﴾ [سورۃ اللیل:۱۷-۲۰]

”پس جس نے (اللہ کی راہ میں دیا) اور تقویٰ اختیار کیا اور بھلی باتوں کی تصدیق کی (دینِ اسلام کو قبول کیا) تو ہم اسے اس آسان راہ پر چلنے کی توفیق عطا کردیں گے (اَلدِّیْنُ یُسْرٌ......دین آسان ہے۔)اور جو شخص پرہیز گار ہوا اُسے (جہنم سے) دُور رکھا جائے گا (اس کی خوبی یہ ہے کہ) اس نے پاکیزہ ہونے کی خاطر (انفاق فی سبیل اللہ دل کو پاکیزہ کرتا ہے) اپنا مال دیا۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہ تھا کہ جس کا وہ بدلہ چکاتا بلکہ اس نے تو محض اپنے ربّ برتر کی رضا کے لیے (مال خرچ کیا) اور جلد ہی وہ (آخرت کا انعام پانے کے بعد) خوش ہو جائے گا۔“

ان آیات کا عملی طور پر مصداق جناب رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور صحابہ کرام کی زندگیاں تھیں۔ اگرچہ ان پر عمل کرکے ہر شخص اس سعادت سے بہرہ ور ہوسکتا ہے تاہم اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیات سیدنا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

آپ قریش کے متمول فرد تھے۔ کپڑے کے تاجر تھے جب نومسلم غلاموں کو ان کے مالک اسلام قبول کرنے کی وجہ سے زد و کوب کرتے تو آپ ﷺ، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہتے کہ انھیں آزاد کراؤ، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کی منہ مانگی قیمت ادا کرکے انھیں آزاد کرادیتے۔

[تیسیر القرآن ۔ مولانا عبد الرحمن کیلانی]

اللہ تعالیٰ نے جنابِ رسول اللہ ﷺ کو مال و دولت سے نوازا تو اپنی تمام دولت غرباء و مساکین یتامیٰ و بیوگان کو دے کر فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دی، آپ ﷺ کو ایسا ہی حکم ملا تھا، ارشاد ہوا۔

﴿ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ﴾ [الضحیٰ:۸۔۱۱]

”اور آپ کو مفلس پایا تو مالدار کردیا۔ لہٰذا کسی یتیم پر سختی نہ کیجئے اور نہ ہی کسی سائل کو جھڑکیے اور آپ اپنے ربّ کے انعام بیان کیا کیجیے۔“

جو چیز رسول اللہ ﷺ کے پاس آتی، جب تک صرف نہ ہو جاتی آپ ﷺ کو چین نہ آتا۔ بیقراری سی رہتی۔ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی مکرّم ﷺ گھر میں تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خیر ہے؟ فرمایا: کل جو سات دینار آئے تھے۔ شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔ [سیرت النبی، ج:۲]

رئیسِ فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کرکے خدمت نبوی میں بھیجا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے

بازار میں فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر اطلاع کی، آپ ﷺ نے پوچھا کچھ بچ تو نہیں رہا؟ بولے ہاں کچھ بچ بھی رہا ہے،فرمایا کہ جب تک کچھ باقی رہے گا ، گھر میں نہیں جا سکتا ، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کیا کروں،کوئی سائل نہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں رات بسر کی۔ دوسرے دن سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبکدوش کردیا یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر تشریف لے گئے۔ [سیرۃ النّبی، ج:۲،شبلی نعمانی]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی مسکین کی شرکت کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ان کے سامنے جب دسترخوان چنا جاتا اور اتفاق سے کسی معزز شخص کا گزر ہو جاتا تو ان کے اہل وعیال اس کو شریک طعام کر لیتے لیکن وہ خود اس کو نہ بلاتے البتہ جب کوئی مسکین سامنے سے گزرتا تو اس کو ضرور شریک طعام کرتے اور کہتے کہ یہ لوگ اس کو بلاتے ہیں جس کو کھانے کی خواہش نہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں جس کو کھانے کی خواہش ہے۔[اسوہ صحابہ، عبد السلام ندوی]

اس درس میں ایک تو آپ نے قارون ایسے بخیل کے حالات پڑھے ہیں جو اپنی اَن گنت دولت میں سے کسی غریب کو ایک پائی بھی دینے کو تیار نہ تھا۔ اسی درس میں عثمان رضی اللہ عنہ ایسے سخی کے حالات بھی پڑھتے جائیے کہ جن کی تمام دولت مسلمانوں اور ان کی فلاح و بہبود کے لے وقف تھی۔

مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو میٹھے پانی کی بڑی تکلیف تھی۔ شہر میں بئر رومہ کے نام سے ایک کنواں تھا جس کا پانی شیریں تھا۔ قبیلہ بنو غفار کا ایک شخص اس کا مالک تھا اور وہ اس پانی کی ایک مشک ایک مُد (تقریباً دو سیر) اناج کے بدلہ میں بیچتا تھا۔ رسول کریم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا: دیکھیں بئر رومہ کون خریدتا اور اسے مسلمانوں کے لیے وقف کرتا ہے،اسے جنت ملے گی ،سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کی اور ۳۵ ہزار درہم میں اُسے خرید کر وقفِ عام کردیا۔[عثمان ذوالنورین۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی]

عثمان رضی اللہ عنہ کی انفاقِ فی سبیل اللہ کے باب میں اتنی خدمات ہیں کہ اس کے لیے مستقل مضمون درکار ہے۔

ایک دولت مند شخص کے لیے شکر گزاری کی بہتر راہ یہی ہے کہ وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں لٹاتا رہے اور جتنا وہ لٹائے گا اتنا ہی اسے ذہنی آسودگی اور فکری کشائش حاصل ہوگی ، زمین پر اس کے لیے خیرو برکت کا نزول ہوتا ہے۔ آسمان پر اس کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

ان احادیث پر غور کیجیے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی کسی لق و دق صحرا میں جا رہا تھا کہ اس نے ابر میں سے ایک آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو۔ وہ بادل چلا اور ایک ریتلی جگہ کو سیراب کیا۔ ایک نالہ پانی سے لبا لب بھر گیا وہ شخص پانی کے ساتھ ہو لیا۔(کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص باغ میں کھڑا پھاوڑے سے پانی اِدھر اُدھر کر رہا ہے تو اس نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! تیرا کیا نام ہے؟ تو اس نے وہی نام بتایا جس کو اس نے ابر سے سنا تھا، تو باغ والے نے کہا: اے اللہ کے بندے! میرا نام تم کیوں دریافت کر رہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا۔ میں نے اس ابر سے جس کا یہ پانی ہے ایک آواز سنی تھی۔تمہارا نام لے کر کوئی کہتا تھا۔ « اِسْقِ حَدِیْقَةَ فُلَانٍ لِاِسْمِكَ » کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو، « فَمَا تَصْنَعُ فِیْهَا؟ » تم ایسا کون سا کام کرتے ہو جس کی وجہ سے تم پر ایسی عنایت ہے تو باغ والے نے جواب دیا۔

« اَمَّا اِذْ قُلْتَ هٰذَا فَاِنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مَا یَخْرُجُ مِنْهَا فَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَاٰكُلُ اَنَا وَعِیَالِیْ ثُلُثًا وَاَرُدُّ فِیْهَا ثُلُثَهٗ »

”تم نے پوچھا ہے تو لو سنو! بات یہ ہے کہ زمین کی جو پیداوار ہوتی ہے اس کے تین حصے کرتا ہوں ایک حصہ صدقہ و خیرات کرتا ہوں۔ دوسرا اپنے بال بچوں کی خوراک کے لیے چھوڑتا ہوں اور تیسرا پھر اسی کھیتی میں لگا دیتا ہوں۔“ [متفق علیه، باب الكرم والجود، رياض الصالحين]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں ایک کہتا ہے:

« اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا »

”اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو نعم البدل عطا فرما۔“ اور دوسرا یوں صدا لگاتا ہے۔

« اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا » [باب الكرم والجود۔ رياض الصالحين]

”اے اللہ! بخل کرنے والے کو تباہ و برباد کر۔“ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا الْعَمَلِ)

زکوٰۃ مال کا وہ حصہ ہے جو نصاب پورا ہونے پر ہر صاحبِ حیثیت پر فرض ہو جاتا ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد تم بری الذمہ ہو گئے ہو لیکن وہ تمھیں اس سے کہیں بڑھ کر صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتا ہے اور اسی سے تم بلندیوں اور عظمتوں کو چھو سکتے ہو۔

﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ﴾ [البلد:۱۲تا۱۶]

”آپ کیا جانیں کہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ وہ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقہ کے دنوں میں، کسی قرابت داریتیم کو یا کسی خاکسار مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔“

جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کی عظیم تعلیمات کو پہچانا اور ان پر عمل کرکے پاکیزہ نقوش چھوڑے۔ آپ ﷺ نے کبھی سائل کو رد نہ فرمایا، قرضہ اٹھا کر بھی مدد فرما دی۔ آپ ﷺ کے صحابہ میں ایسے بھی تھے جو بھوک اور تنگدستی کے باوجود بھوکوں اور ناداروں کے کام آتے۔قرآن ان کی یوں شہادت دیتا ہے۔

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر:۹]

”(اور انصار) مہاجرین کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔خواہ وہ خود فاقہ سے ہوں۔“

اسلام میں انفاق کا باب اتنا وسیع ہے کہ اس کا اس مختصر مضمون میں احاطہ نہیں ہوسکتا ہے صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک میں اگر امراء دل کھول کر صدقہ و خیرات کریں۔ طلباء کے لیے مدارس بنائیں۔ مریضوں کے لیے بیت المال کھولیں۔ بے کسوں اور بے بسوں کی امداد کریں۔ یتامیٰ اور بیوگان کے ساتھ تعاون کریں، تو یقیناً ان کے لیے اور ملک کے لیے یہ بات مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ عقل وشعور کی نعمت سے نواز دے۔آمین۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ »

”اے اللہ تعالیٰ میری مدد فرمایئے کہ میں ذکر، شکر اور بہتر طریق پر آپ کی بندگی بجا لاؤں۔“(آمین)

جودوسخا

وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ :« مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا : اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا » [متفق علیه۔ریاض الصالحین باب الجود والانفاق]

”سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا“ ہر صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں،ایک کہتا ہے،اے اللہ! خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما،دوسرا کہتا ہے اے اللہ! بخل کرنیوالے کو تباہ وبرباد کر۔“

اسلام نے ہمیں جینے کا سلیقہ اور قرینہ عطا کیا ہے۔زندگی کا اعلیٰ وارفع مقصد اللہ کی بندگی اور اللہ کے

بندوں کی خدمت ہے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہی سے کوئی شخص کامیابی سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔

انسان کی پوری زندگی امتحان ہے اور یہ دنیا اس کے لیے امتحان گاہ ہے۔رب کریم کسی کو مال دے کر آزماتا ہے۔اور کسی کو غربت میں رکھ کر پرکھتا ہے۔کسی کی صحت میں آزمائش کرتا ہے اور کسی کو بیماری میں جانچتا ہے۔وہ دیکھتا ہے کہ کون راحت پاکر اس کا شاکر و ذاکر بندہ بنتا ہے۔اور کون تکلیف اٹھا کر اس کا صابر وعاجز غلام رہتا ہے۔

بندۂ مؤمن ان دونوں حالتوں میں استقامت کی راہ اختیار کرکے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر پاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"مؤمن کا معاملہ بھی خوب ہے۔یہ مؤمن ہی کی خصوصیت ہے کہ جب اسے خوشی پہنچتی ہے تو (اس پر اللہ کا)شکر کرتا ہے(تو یہ شکر کرنا بھی)اس کے لیے بہتر ہوتا ہے (یعنی اس میں اجر ہے) اور جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو صبر سے کام لیتا ہے تو یہ (صبر کرنا بھی) اس کے لیے بہتر ہوتا ہے(کہ صبر بھی بجائے خود نیک عمل اور باعثِ اجر ہے)" [مسلم،ریاض الصالحین،باب الصبر]

رزق میں کشادگی اور تنگی،زیادتی اور کمی سب اللہ کی طرف سے ہے۔کسی شخص کو یہ غرور نہ ہونا چاہیے کہ اس نے اپنی عقل وفراست کی وجہ سے مال کمایا ہے۔اگر عقل اور ذہانت سے ہی مال کمایا جاتا تو احمق اور جاہل بھوکوں مرتے۔بتانا یہ مقصود ہے کہ مالدار کے پاس مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ اس امانت کا کس طرح ٹھیک ٹھیک استعمال کرتا ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اسے سمیٹ سمیٹ کر رکھے اور غرباء اور مساکین پر خرچ کرنے کے لیے اس کا ہاتھ کبھی کشادہ نہ ہو۔وہ اپنے لیے تو محلات تعمیر کرے مگر غریب کو معمولی سی جھونپڑی تعمیر کرنے کے لیے دو چار سو روپے بھی نہ دے۔وہ خود تو صبح وشام گھی میں تلی ہوئی کھائے مگر کسی مسکین اور بیوہ کو نان جویں کے لیے دو چار روپے بھی نہ دے۔اس کا اپنا لباس تو حریر و پرنیاں کا ہو مگر اس کے پاس پڑوس میں یتیم اور غریب کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے معمولی سا کپڑا بھی نہ ہو۔اس کے ہر بچے کے پاس نئے ماڈل کی کار ہو۔مگر غریب کے بچے کے لیے گھر سے سکول تک جانے کے لیے معمولی سائیکل بھی نہ ہو۔اسلام ہرگز ہرگز دولت مندوں کو اس طرح آزاد نہیں چھوڑتا ہے۔وہ یہ کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔تم مال پر محض امین ہو اور تمہیں اس میں سے مستحق لوگوں کو دینا چاہیے۔سورۂ بقرہ کے آغاز میں ہی پرہیز گاروں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ [البقرہ:٣]

''اور اس میں سے جو ہم نے انہیں رزق عطا کیا خرچ کرتے رہتے ہیں؟''

بعض اہلِ تفسیر نے اس خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ لی ہے۔مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔[تفسیر ابن جریر طبری،سیرت النبی ﷺ جلد٦]

انفاقِ فی سبیل اللہ پر قرآنِ حکیم کے متعدد مقامات میں ترغیب دی گئی ہے۔اللہ کے نیک بندوں کے متعلق فرمایا گیا۔

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [بقرہ: آیت٢٧٤]

''اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات اور دن، پوشیدہ اور اعلانیہ ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس اجر ہے۔نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

مقصد یہ ہے کہ دن اور وقت کا تعین کیے بغیر جب بھی اور جہاں کہیں بھی کسی غریب اور مسکین کو دیکھتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔بعض اوقات پوشیدہ۔کہ ان کا دایاں ہاتھ خرچ کرتا ہے تو بائیں کو خبر تک نہیں ہوتی۔اور کبھی اعلانیہ کہ دوسرے بھائیوں کو بھی انفاق فی سبیل اللہ کی رغبت دلائی جائے،اس کا اجر ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس لازوال اور بے حساب ہے اور ایسے لوگ دنیاوی اور اخروی تفکرات اور پریشانیوں سے محفوظ و مامون ہوجاتے ہیں۔

دنیاوی پریشانیوں سے اس طرح کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کا قلبی لگاؤ مال و دولت سے نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہوجاتا ہے اور آخرت میں نار جہنم سے آزادی کا پروانہ مل جاتا ہے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ » [متفق علیه،ریاض الصالحین،باب الجود والانفاق]

''آگ سے بچو کچھ نہیں تو کھجور کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہی دے کر''۔

مطلب یہ ہے کہ معمولی سی چیز بھی رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرنا کتنا وزنی زادِ آخرت بن جاتا ہے۔

اسلام معاشرتی زندگی میں ہر طرف الفت و محبت کی فضاء قائم کرتا ہے۔وہ معاشرے میں طبقاتی تقسیم کو ختم کرتا ہے۔ وہ امیروں اور غریبوں میں رقابت اور حسد کی دیواروں کو پاٹتا ہے۔ رسولِ رحمت ﷺ اپنے امتیوں کو اس طرح نصیحت فرماتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ ؟ قَالَ:« تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ

عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ »[متفق علیه،ریاض الصالحین: باب الجود والانفاق]

''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے راویت ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اسلام میں کون سی خوبی اچھی ہے؟ فرمایا:'' کھانا کھلاؤ اور سلام کرو جسے تم جانتے ہو اور جسے تم نہیں جانتے۔''

ذرا سوچئے! بھلا ایسے معاشرے میں جہاں بھوکوں اور ناداروں کا خیال رکھا جائے اور جہاں ہر سمت ایک دوسرے پر سلامتی کی مترنم آوازوں سے فضا گونجتی رہے،وہاں دشمنیاں اور رقابتیں کبھی سر اٹھا سکتی ہیں؟ میرے بھائی! ہم اسلام کی زریں تعلیمات سے کہیں دور جا پڑے ہیں۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا عقلمندی کی بہت بڑی دلیل ہے۔اور روپے پیسے کو بنکوں اور تجوریوں میں بند رکھنا بہت خسارے کا سودا ہے۔حریص انسان مال اکٹھا کرنے کی تگ ودو میں رہتا ہے۔اسے حلال وحرام کی بھی پروا نہیں رہتی کہ اچانک فرشتۂ اجل موت کا نقارہ بجاتے ہوئے آپہنچتا ہے۔قرآن اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے۔

﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ ﴾ [سورۃ التکاثر:۱-۲]

(اے لوگو) تمہیں کثرتِ مال کی طلب نے غفلت میں ڈال دیا۔یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔''

مرنے کے بعد انسان کو وہی مال فائدہ دیتا ہے جو اس نے غرباء اور مساکین، یتامیٰ اور بیوگان پر خرچ کیا تھا۔اور وہی مال سفر آخرت کے لیے زاد راہ بنتا ہے اور بقیہ اندوختہ کے مالک تو اس کے وارث بن جاتے ہیں۔اس بات کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے دل نشین انداز میں سمجھا دیا ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پسند ہے؟ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! سب کو اپنا مال محبوب ہے۔آپ نے فرمایا آدمی کا اپنا مال وہی ہے جو اس نے آگے بھیجا (اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت میں ذخیرہ بنایا) اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو اس نے پیچھے رکھا۔(وہ مال جو اس نے ترکہ میں چھوڑا)

[بخاری۔ریاض الصالحین:باب الجود]

اسلام کی بلند تعلیمات نے زندگی کو تابندگی عطا کی ہے۔وہ انسان کو قعرِ مذلت سے نکال کر اوج ثریا پر پہنچاتا ہے۔وہ نفس کو سخاوت اور جذبۂ احسان سے سرشار کرتا ہے۔وہ حرص اور بخل سے نجات دلا کر ابدی اور لازوال زندگی کا مژدہ سناتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [التغابن:١٦]

’’غرض تم اللہ تعالیٰ سے حتی الوسع ڈرتے رہو۔اور(احکامِ اسلام)کو پورے غور سے سنو اور اطاعت کی راہ اختیار کرو(اور ہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو،یہی بات تمہارے لیے بہتر ہے اور جسے نفس کی حرص وطمع سے بچادیا گیا۔وہی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوا‘‘۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت پڑھ جایئے۔حیاتِ طیبہ کا ورق انفاق فی سبیل اللہ میں اتنا روشن اور درخشاں ہے کہ روئے زمین پر کوئی آپ سے زیادہ سخی نظر نہیں آتا،اس مختصر مضمون میں صرف یہ واقعہ نقل کرتا ہوں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے بعد جس کسی نے سوال کیا۔آپ ﷺ نے ضرور دیا۔ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا،آپ ﷺ نے دو پہاڑوں کے درمیان جتنی بکریاں تھیں سب عنایت فرمائیں،وہ شخص اپنی قوم کی طرف پلٹا اور کہنے لگا کہ اے قوم! مسلمان ہوجاؤ۔بے شک رسول اللہ ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ فقر سے بھی نہیں ڈرتے۔

« يَا قَوْمِ ! اَسْلِمُوْا فَاِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِيْ عَطَاءَ مَنْ لَّا يَخْشَى الْفَقْرَ »

[مسلم،ریاض الصالحین : باب الجود]

اور بعض آدمی دنیا کے لیے اسلام لاتے تھے لیکن جلد ہی اسلام ان کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوجاتا تھا۔

اس وقت پاکستان کے معاشی حالات بڑے دگرگوں ہیں۔ یہاں پر دو طبقے پیدا ہوچکے ہیں۔یا تو انتہائی امیر کہ دولت کے ایسے انبار لگے ہوئے ہیں کہ جنہیں سنبھالنا مشکل ہے۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک اکاؤنٹس کھلے ہوئے ہیں یا پھر انتہائی غریب کہ جنہیں جینا بھی دشوار ہو رہا ہے۔ان کے لیے دو وقت کا پیٹ بھر کھانا بھی نصیب نہیں ہے۔چہ جائیکہ بچوں کی تعلیم اور ان کے دوا دارو کے لیے پیسے ہوں۔اوپر سے بجلی اور گیس کے بلوں کی بھرمار ان کی کمر توڑ رہی ہے۔ادھر ہماری حکومت بیرونی قرضہ جات میں زبردست زیرِ بار ہے۔ان حالات میں اگر امیر لوگ احساس ذمہ داری کو پہچانیں تو ہزاروں سکول اور ہسپتال کھل سکتے ہیں۔اور کوئی شخص ہماری بستیوں میں بھوکا نظر نہیں آ سکتا۔

یاد رکھیے انفاقِ فی سبیل اللہ ہی میں دنیا اور آخرت میں سرخروئی اور بلندی ہے۔ورنہ یہی دولت یومِ جزا اس کی تباہی کا باعث ہوگی۔سورۃ توبہ کی آیت ۳۴ اور ۳۵ ذرا غور سے ترجمہ کے ساتھ پڑھ ڈالیے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فہم وبصیرت کی دولت سے نوازے۔آمین۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ لَا یَأْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَ لَا یَذْھَبُ بِالسَّیِّاٰتِ اِلَّا اَنْتَ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِكَ »

”اے اللہ! آپ کے سوا کوئی نیکیاں نہیں لاتا (آپ کی مدد کے بغیر نیکیاں سرانجام نہیں پا سکتی ہیں) اور آپ کے سوا کوئی برائیاں نہیں دور کرتا ہے اور آپ کی مدد کے بغیر نہ برائی چھوڑنے کی طاقت اور نہ نیکی کرنے کی قوت۔“

سود یا قرضِ حسنہ؟

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ :«کَانَ رَجُلٌ یُدَاینُ النَّاسَ ،فَکَانَ یَقُوْلُ لِفَتَاہُ : اِذَا اَتَیْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْہُ لَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یَّتَجَاوَزَ عَنَّا، قَالَ :فَلَقِیَ اللّٰہَ فَتَجَاوَزَ عَنْہُ » [متفق علیہ۔مشکوٰۃ باب الافلاس والافطار]

”ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ یوں بیان فرمایا کہ ایک شخص لوگوں کو قرضہ دیا کرتا تھا، پھر وہ اپنے کارندے سے جسے وہ اپنے قرضے کی وصولی کے لئے بھیجتا،اسے ہدایت کرتا کہ اگر تو کسی تنگدست قرضدار کے پاس پہنچے تو اسے معاف کردے۔شاید اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ درگذر کا معاملہ کرے نبی مکرّم ﷺ فرماتے ہیں: یہ شخص جب اللہ تعالیٰ سے ملا تو اللہ نے اس کے ساتھ درگذر کا معاملہ کیا۔“

اللہ اکبر:لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک پر اجر وثواب کی یہ اتنی بڑی خوشخبری ہے کہ دنیا کے تمام سازوسامان اور مال ومتاع اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

غور کیجئے تو زندگی کے نشیب وفراز میں ہر شخص کو نرم وگرم حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔حالات کبھی یکساں نہیں رہتے۔یہاں تک کہ ایک شخص جوکسی سلطنت کا آج فرمانروا ہے،عین ممکن ہے کہ کل کو اس کی حکومت جاتی رہے اور وہ بھی فقروفاقہ کی کیفیت سے دوچار ہو۔

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا (میر)

لہٰذا انسانوں کے لیے زور و زر پر گھمنڈ بے معنیٰ اور مال و دولت پر ناز بے مطلب ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی بجا لانے میں شرفِ انسانیت اور اس کے بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں ہی کامیابی کا راز ہے۔

ذرا غور کیجیے کسی دفتر میں کام کرنے والا ایک کلرک ہے جس کا تنخواہ میں بمشکل گذارا ہوتا ہے۔اس کا چھوٹا بچہ بیمار پڑ جاتا ہے۔ بیماری کی شدت کی بنا پر اسے اپنے لختِ جگر کو ہسپتال لے جانا پڑتا ہے۔ علاج معالجے کے سلسلے میں فوری طور پر رقم کی ضرورت پیش آتی ہے۔آپ اس کے پڑوس میں رہتے ہیں،وہ آپ کو جانتا ہے کہ آپ صاحب حیثیت ہیں اور آپ بھی اسے جانتے ہیں کہ وہ غریب اور شریف انسان ہے،وہ آپ کے پاس آتا ہے اور اپنی پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے آپ سے کچھ رقم بطور قرضِ حسنہ مانگتا ہے قرض حسنہ کا مطلب یہ ہے کہ جتنی رقم بطور قرض لی جائے مقررہ مدت کے بعد اتنی ہی اس کے مالک کو لوٹا دی جائے۔یعنی سو روپے کے عوض سو روپے ہی واپس ادا کیے جائیں اور اگر سو روپے کے عوض ایک سو پندرہ (۱۱۵) روپے لوٹانے پڑیں تو پندرہ روپے سود ہو گا جسے اسلام ناپسند کرتا ہے اور اسے سختی سے روکتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُو اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْ ا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ [البقرہ۔۲۷۸۔۲۷۹]

”اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو۔اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔اگر واقعی تم ایمان لائے ہو (تو حکم بجالاؤ کہ ایمان کا تقاضا ہی اطاعت ہے)لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔“

اس آیت سے صریح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی نظام میں سودی کاروبار کرنے والوں کی حیثیت باغیوں اور مفسدوں کی ہے جن کی سرکوبی کے لیے ضرورت پڑنے پر فوجی کاروائی بھی کی جاسکتی ہے اور اگر مسلمانوں پر کوئی ایسی حکومت مسلط ہوجاتی ہے جو سودی کاروبار کو جائز قرار دیتی ہو تو علمائے حق کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ اس کے خلاف ہر قسم کا جہاد کریں۔

اسلام یہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت اور فراخی دی ہے تو لوجہِ اللہ غریب اور مساکین،حاجت مند اور ضرورت مند کی خدمت کر دیجئے کہ اگر تمہارا دایاں ہاتھ سخاوت کرے تو بائیں ہاتھ کو خبر بھی نہ ہو اور اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں بے پایاں ہے اور اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو پھر قرضِ حسنہ ہی دے ڈالئے۔اس خیال سے کہ کل کو آپ پر بھی تنگدستی کے دن آسکتے ہیں۔آپ پر افتاد پڑسکتی ہے،آپ کا بچہ بھی شدید بیمار پڑ سکتا ہے جسے ہسپتال لے جانے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ چلئے اگر

یہاں نہیں تو یومِ جزا کو جہاں نفسا نفسی کا عالم ہو گا اور حالات اس قدر سنگین اور نازک ہوں گے کہ والدین اور اولاد، خاوند اور بیوی ایسے قریبی رشتے بھی ایک دوسرے کے کام نہ آ سکیں گے۔ ایسی پریشانی اور مصیبت کے وقت نبی مکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّنَجِّيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُّعْسِرٍ اَوْ يَضَعْ عَنْهُ» [مشکوٰۃ۔باب الافلاس والإنظار]

"جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن غم اور گھٹن سے بچائے تو اسے چاہیے کہ تنگدست قرضدار کو مہلت دے یا قرض کا بوجھ اس کے اوپر سے اتار دے۔"

پس اس دن کے غموں اور پریشانیوں سے نجات پانے کے لیے اپنے کسی ضرورت مند بھائی کو قرضِ حسنہ دے ڈالے، اگر وہ قرض کی مقررہ مدت کے اندر اپنے نرم حالات کی بناء پر آپ کو قرض واپس نہیں کر پاتا تو اسے مزید وقت اور مہلت دیجئے۔ اسلام پھر آپ کو بشارت دیتا ہے:

« اَللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ » [ریاض الصالحین]

"اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندے کی مدد کرتا ہے جب تک کہ وہ اپنے بھائی کا مدد گار رہتا ہے۔"

اور پھر لسانِ نبوت ﷺ سے یوں بھی ارشاد ہوا:

« اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ »

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر (حالی)

اور قرض دار کے ساتھ حسنِ سلوک کی قرآنِ حکیم نے کتنے خوبصورت الفاظ میں نصیحت کی ہے کہ اس سے بہتر نصیحت دنیا کے کسی مذہب اور قانون میں نہیں مل سکتی۔

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ [البقرۃ۔۲۸۰]

"اگر تمہارا قرضدار تنگدست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور صدقہ کردو (اس کا قرض کلیۃً معاف کر دو) تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔"

دوسروں کے قرض معاف کرنے والے شخص کو دنیا میں اطمینان قلب اور طمانیت نفوس کی دولت سے نواز دیا جاتا ہے۔ جو سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے اور جسے لاکھوں روپے دے کر بھی خریدا نہیں جا سکتا اور آخرت میں ربِّ کریم کی دائمی جنت سے فرحان وشاداں ہونے کی نویدِ جانفزا ہے۔

نیز مذکورہ آیت سے قبل سود اور سود خوروں کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ وہ انسانیت کے لیے بدنما داغ اور ذلت ورسوائی کا ذریعہ ہیں اس لئے کہ وہ مجبور و بے بس انسانوں سے سود در سود کی شکل میں مال وصول کر کے اپنی تجوریاں بھرتے رہتے ہیں۔سود خوری کی انسانیت سوز حرکت کے برعکس،اسلام غریبوں اور ناداروں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے اور خود محسنِ انسانیت ﷺ کی حیاتِ طیبہ جودوسخاوت اور احسان ومروت کا بہترین نمونہ تھی۔سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور ماہِ رمضان میں آپ کی سخاوت کہیں زیادہ بڑھ جاتی تھی۔لوگوں کو عام حکم تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو،میں اس کو ادا کروں گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے،مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔[سیرت النبی ﷺ، جلد :۲]

مسلمانوں نے خطۂ پاکستان بے شمار جانی ومالی قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا تاکہ ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی اقدار کو اپنا سکیں مگر افسوس کہ حریص اور مفاد پرست سیاستدانوں نے ملک کو بنایا نہیں بگاڑا ہے جس کے نتیجہ میں ملک اخلاقی طور پر انحطاط کا شکار ہو چکا ہے اور آج ہمارے معاشرے میں ہر قسم کی برائیاں اکاس بیل کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔ہر دور کے حکمران اپنے آپ کو اسلام کے سچے خادم بنا کر عوام پر حکومت کرتے رہے ہیں اور اپنا اپنا وقت پورا کر کے قومی خزانے سے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جیبیں بھر کر چلتے بنے ہیں۔موجودہ حکومت سے بھی ہمیں نظامِ اسلام کے متعلق بڑی توقعات وابستہ تھیں۔بلکہ انہوں نے ووٹ ہی اسلام کے نام پر لیا تھا مگر افسوس کہ خاصا وقت گذر جانے پر بھی وہ وعدے پورے ہوتے نظر نہیں آرہے ہیں۔شریعت کو نافذ کرنا تو الگ رہا،خلافِ شریعت باتوں کا اعلان انتہائی تکلیف دہ امر ہے۔حال ہی میں بیروز گاری کے خاتمہ کے لیے لوگوں کو سود پر دس ہزار سے تین لاکھ کی رقم دینے کا اعلان کیا گیا ہے،کیا شریعت کی خلاف ورزی کر کے ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخرو ہو سکیں گے؟

اپنے دکھوں اور غموں کی شکایت کے لیے ہمارے لیے صرف ربّ کریم کا در ہے۔وہی اپنے فضل وکرم سے ہمارے حالات تبدیل فرمادے۔آمین [الاعتصام ۲۹ مئی ۱۹۹۲]

دعاء و التجاء:

《 رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ 》

''اے ہمارے ربّ ہمیں دنیا اور آخرت،دونوں جگہ بھلائیاں عطا فرمائیے اور دوزخ کے عذاب سے نجات دیجئے'' (آمین یارب العالمین)

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ قَالَ :

« بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا :هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْـرًا مُّنْسِيًا اَوْ غِنًى مُّطْغِيًا اَوْ مَرَضًا مُّفْسِدًا اَوْهَرَمًا مُّفَنِّدًا اَوْ مَوْتًا مُّجْهِزًا اَوِ الدَّجَّالَ فَشَرُّ غَائِبٍ يُّنْتَظَرُ اَوِ السَّاعَةَ فَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ »

اعمال صالحہ

زندگی کے بلند مقاصد

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ :
« اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالعَفَافَ، وَالْغِنٰی »

[رواہ مسلم، ریاض الصالحین، باب فی التقویٰ]

"سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی دعاؤں میں سے ایک دعا میں یوں) فرمایا کرتے : " اے اللہ ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، ہدایت کا، پرہیزگاری کا، پاکدامنی کا اور استغناء کا۔"

(۱) اَلْھُدٰی اور ھدایۃ اگرچہ لغۃً ہم معنی ہیں لیکن قرآن حکیم نے ھُدًی کا لفظ خاص کر ہدایت الٰہی کے لیے استعمال کیا ہے اور کسی انسان کی طرف اس کی نسبت نہیں جا سکتی۔ارشاد ہوتا ہے :

﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ﴾ [البقرہ: ۱۲۰]

"آپ (ان سے) کہیے کہ ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔" [مفردات القرآن، راغب اصفہانی]

بندۂ مؤمن کے لیے نورِ ہدایت ہی سب سے بڑی دولت اور سب سے قیمتی سرمایۂ حیات ہے۔ جس کے مقابلے میں پوری دنیا کی دولت ہیچ ہے اور اس کی طلب وجستجو ہر آن اس کے پیش نظر رہتی ہے۔ نماز کی ہر رکعت میں وہ اپنے مالک سے اسی بات کی آرزو کرتا ہے اور یہ نہ صرف اپنے لیے بلکہ اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب کو بھی اس میں شامل کرتا ہے۔

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ [الفاتحہ : ٦]

" (اے اللہ!) ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔"

یہ رہبری اور ہدایت، دینِ اسلام کی رہنمائی اور اس پر استقامت ہے:

﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ

وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [الانعام: ١٦١]

”کہہ دیجیے کہ بلا شبہ میرے ربّ نے مجھے سیدھی راہ دکھلائی ہے۔ یہی وہ مستحکم دین ہے جو ابراہیم حنیف کا دستور العمل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔“

۲ التُّقٰی: وقٰی یعنی بچانا۔ اتَّقٰی یَتَّقِیُ بچنا، پرہیز کرنا اسی سے التَّقْوٰی اور التُّقٰی (پرہیز گاری، اللہ کا خوف اور اس کی اطاعت) ہیں۔ متقین وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہمہ وقت خائف رہتے ہوئے گناہ چھوڑ دیتے ہیں اور شریعت کے مطابق صاف ستھری زندگی گزارتے ہیں۔

اَلتَّقْوٰی، التُّقٰی: ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا: ما التقوٰی؟ ”تقویٰ کیا ہے؟“ آپ نے پوچھا: هَل وَجَدتَّ طَرِيقًا ذَا شَوْكٍ ؟ ”کبھی خار دار راستے سے گزرے ہو؟، قال: نَعَمْ عرض کیا: ہاں!“ پوچھا: فَكَيفَ صَنَعْتَ ؟ ”پھر کیا کیا ؟“ قالَ: اِذَا رَاَيْتُ الشَّوْكَ عَدَلْتُ عَنْهُ، اَوْ جَاوَزْتُهٗ اور قَصَّرْتُ عَنْهُ ”عرض کیا: جب کانٹے سامنے آئے تو ان سے اِدھر اُدھر ہو کر بچتے بچاتے نکل گیا۔“ فرمایا: ذَاكَ التَّقْوٰى ”یہی تقویٰ ہے۔“ [فتح القدیر۔ امام شوکانی رحمہ اللہ]

اللہ کے نیک بندے یہ بستیاں اور شہر چھوڑ کر جنگلوں اور غاروں میں پناہ نہیں لیتے بلکہ ان آبادیوں میں رہتے ہوئے بھی ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف سمایا رہتا ہے اور اپنے مالک کی مدد تلاش کرتے ہوئے وہ گناہوں سے بچ نکلتے ہیں اور فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ﴾ [الطور: ١٧]

”بلاشبہ متقی باغات اور نعمتوں میں ہوں گے۔“

۳ اَلْعَفَافُ: عَفَّ يَعِفُّ عَفًّا وَعِفَّةً وَعَفَافًا: حرام یا غیر مستحسن سے رکنا، پاکدامن ہونا، العِفَّةُ: پارسائی، پاکدامنی، طہارتِ بدن، تقویٰ اختیار کرنے کا لازمی ثمرہ عفت کی راہ اختیار کرنا ہے اور یہ عزیمت وہمت کی بلند راہ ہے جس کی بہترین مثال قرآنِ حکیم میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی عفت و پارسائی کی ہے۔

جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ: سات طرح کے آدمی ہوں گے جن کو بروزِ محشر عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا جب کہ اس سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا اس میں خوش نصیب وہ لوگ بھی ہوں گے، جنھوں نے بے حیائی پر لات مار کر عفت و پارسائی کی زندگی گزاری ۔ قرآن ایک جگہ یہ

بشارت دیتا ہے۔

﴿ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ ﴾ [النّٰزِعٰتِ: ۳۹تا۴۰]

"اور جو اپنے ربّ کے حضور (جوابدہی کے لیے) کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا، اور اسنے اپنے آپ کو خواہش نفس سے روکے رکھا تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔"

۴ اَلْغِنٰى: اِسْتَغْنٰى يَسْتَغْنِيُ بے نیاز ہونا، اکتفا۔ تونگری۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے در کے سوا ہر در سے بے نیاز ہو جانا اور اس کیفیت کو تونگری یا بے نیازی کہتے ہیں اور یہ وہ حالت ہے جس سے بندۂ مؤمن کو زندگی کا سکون اور سرور نصیب ہوتا ہے وہ اپنی ہر مشکل اور مصیبت کا اظہار اپنے مولا کے پاس کرتا ہے۔

﴿ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ [یوسف: ۸۶]

"میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔"

وہ صرف اور صرف اس کے در کا محتاج ہے۔ جس کی محتاجی ہر شاہ و گدا کے لیے لازمی امر ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ ﴾ [فاطر: ۱۵]

"لوگو! تم (سب کے سب) اس اللہ کے محتاج ہو (جس نے تمہیں زندگی اور اس کی نعمتوں سے نوازا ہے) اور وہ (ہر چیز سے) بے نیاز اور حمد کے لائق ہے۔"

تم زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر لمحہ صرف اسی پر بھروسہ کیا کرو۔

﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ﴾ [الفرقان: ۵۸]

"اور اس ذات پر توکل کیجیے جو زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اسی کا سہارا کافی و وافی ہے۔"

﴿ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ ﴾

[التوبہ: ۱۳۹]

مجھے میرا اللہ کافی ہے جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔"

اے اللہ کریم! حدیث مبارکہ کی یہ دعا تیرے نبی ﷺ نے تجھ سے مانگی اور یقیناً تو نے قبول فرمائی

ہو گی۔ ہم عاجز گنہگار بندے بھی تیرے حضور اسی دعا کے ساتھ حاضر ہیں۔ تیرے لطف و کرم سے امید ہے کہ تو یہ دعا ہمارے حق میں بھی قبول فرمائے گا۔

اعمالِ خیر کی مختلف راہیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : « كُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ قَالَ تَعْدِلُ بَیْنَ الِاثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَ تُعِیْنُ الرَّجُلَ فِیْ دَابَّتِهٖ فَتَحْمِلُهٗ عَلَیْهَا اَوْ تَرْفَعُ لَهٗ عَلَیْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِیْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ، وَ تُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ »

[متفق علیه، ریاض الصالحین، باب فی بیان کثرة طرق الخیر]

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دن جس میں آفتاب طلوع ہوتا ہے لوگوں کے (بدن کے ہر ہر جوڑ پر صدقہ (واجب) ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان عدل و انصاف کرنا صدقہ ہے اور کسی آدمی کو سواری پر چڑھنے یا اس کا سامان اٹھا کر رکھنے میں مدد دینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے۔ اور ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھے صدقہ ہے۔ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا (پتھر، چھلکا وغیرہ کہ لوگ پھسل نہ جائیں) بھی صدقہ ہے۔“

انسانی جسم میں کتنے جوڑ ہیں؟ اس کا ذکر اس حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کہ آدم کی اولاد میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں میں پیدا کیا گیا ہے جس نے اللہ کی بڑائی کی (اللہ اکبر کہا) اللہ کی تہلیل کی (لا الہ الا اللہ کا ورد کیا) اللہ کی تسبیح کی (سبحان اللہ پڑھا) اللہ کی تحمید کی (الحمد للہ سے زبان تر رہی) اللہ سے بخشش چاہی (استغفر اللہ زبان پر جاری ہوا) اور پتھر، کانٹا یا ہڈی لوگوں کے راستہ سے ہٹا دی اور نیکی کا حکم دیا اور برائی سے باز رکھا (اس طرح) تین سو ساٹھ کی تعداد میں یہ سب نیکیاں کیں تو وہ اس دن اس حالت میں چلے پھرے گا کہ اپنے آپ کو جہنم سے بچا چکا ہو گا۔“ [ریاض الصالحین، باب فی بیان کثرة طرق الخیر]

جس طرح کوئی چمن رنگ برنگ پھولوں سے خوشنما معلوم ہوتا ہے اسی طرح بندۂ مؤمن کی زندگی

مختلف اعمالِ حسنہ سے مزیّن ہوتی ہے۔ اسلام کے نزدیک زندگی محض کھانے پینے اور عیش وعشرت کے مزے لوٹنے کا نام نہیں ہے۔ اگر وہ اس عالمِ رنگ و بو میں اشرف المخلوقات ہے تو پھر اسکے رتبے کے مطابق اعمال بھی اچھے اور پاکیزہ سرزد ہونے چاہئیں تاکہ وہ اپنے خالق و مالک سے اجروثواب پا سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی زندگی کے لمحات مفید اور کارآمد صرف اس طرح ہو سکتے ہیں ادھر رب تعالیٰ کی بندگی سے فراغت ہوئی تو ادھر اہل خانہ کے لیے رزق حلال کی تلاش شروع ہوئی تو ادھر عزیز و اقارب کے ساتھ احسان و مروّت کا موقع میسر آیا تو ادھر پڑوسیوں کی خدمت کے لیے وقت نکالا، کہیں مہمانوں کی مہمان نوازی ہو رہی ہے اور کہیں بیماروں کی تیمار داری کی جا رہی ہے۔ دوست احباب کے ساتھ خندہ جبینی سے پیش آ رہے ہیں اور بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت کا سلوک ہو رہا ہے اور زبانیں ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اللہ کی یاد سے تر ہیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ [آل عمران:۱۹۱]

”جو لوگ اللہ کا ذکر کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے کرتے ہیں۔“

زندگی کیا ہے؟ نیک اعمال کا خوشنما گلدستہ ہے سدا بہار اور ہمیشہ تروتازہ رہتا ہے نہیں نہیں بلکہ اسے نیک اعمال سے تروتازہ رکھا جاتا ہے انسان پر اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات ہیں۔ جب اس کی نعمتوں کی برسات شمار وقطار سے باہر ہے تو ان سب کا شکر کیسے ادا ہوسکتا ہے؟ سعدی شیرازی لکھتے ہیں:

”ہر نفسے کہ فرومے رود ممد حیات است و چوں برمی آید مفرح ذات، پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و ہر نعمتے شکرے واجب است۔“

”ہماری یہ سانس جو اندر جاتی ہے وہ زندگی کو بڑھانے والی ہے اور وہی سانس جب باہر آتی ہے، وہ روح پرور ہے تو گویا ہر سانس میں دو نعمتیں موجود ہیں اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔“

پھر وہ کہتے ہیں:

از دست و زبان کہ برآید
کز عہدۂ شکرش بدر آید
شکر اس کی نعمتوں کا کریں کس زباں سے ہم
یہ چاہیں بھی تو لائیں گے طاقت کہاں سے ہم

یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے دین میں اور پیارے رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ

طیبہ کی روشنی میں نیک اعمال سرانجام دینے کی مختلف راہیں بتلا دیں اگر انھیں اخلاص سے سرانجام دیں تو شکر تھوڑا بہت ادا ہو جاتا ہے اور آخرت میں فوز و فلاح کی امید بندھ جاتی ہے۔

ابن ابی الدنیا نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو فارغ البالی نصیب فرمائی وہ اللہ کا شکر بجا لاتا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے وہ مال و اسباب اس سے چھننے لگا، یہاں تک کہ اسکے پاس تھوڑا سا مال رہ گیا پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا رہا۔ ایک دوسرے مالدار شخص نے اس تنگدست سے کہا ''کس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کر رہے ہو کہنے لگا اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اب بھی مجھے جو کچھ دے رکھا ہے انھیں ساری مخلوق کو عطا کردہ چیزوں کے بدلے میں بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' اس نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' وہ ایک ایک کرکے جسم کے اعضاء آنکھ، زبان، ہاتھ اور پیر وغیرہ گنانے لگا۔'' [جامع العلوم والحکم۔ ابن رجب حنبلیؒ]

یونس بن عبید رحمہ اللہ سے کسی نے تنگدستی کی شکایت کی۔ انھوں نے کہا: ''کیا تم پسند کرو گے کہ ایک لاکھ درہم میں اپنی آنکھیں بیچ دو۔'' اس نے جواب دیا: ''نہیں'' اور پھر وہ جسم کے بہت سے اعضاء کی ایک ایک لاکھ درہم قیمت لگاتے رہے پھر اس تنگدست سے کہنے لگے:

'' اَرٰی عِندَكَ مِئِینَ الُوفَاءَ وَاَنْتَ تَشْکُوا الْحَاجَةَ '' [جامع العلوم والحکم]

''میرے خیال میں تمہارے پاس لاکھوں کا سرمایہ ہے اور تم پریشان حالی کی شکایت کر رہے ہو۔''

میں کہتا ہوں کہ انسان اپنے اِردگرد پھیلی ہوئی بہت سی چیزوں کا بنظرِ غائر مشاہدہ کرتا جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا جال بچھا ہوا نظر آئے گا اور پھر بے اختیار اس کا دل اعترافِ نعمت پر مجبور ہو جائے گا یہ ہوا جس کے بغیر چند منٹ گزارنے مشکل ہیں ...... یہ پانی جس پر زندگی کا دارو مدار ہے۔ یہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی جس سے ہماری فصلیں تیار ہوتی ہیں اور ہم کام کاج کرتے ہیں۔ یہ طرح طرح کے رسیلے پھل جو ہماری مرغوب غذا بنتے ہیں اور یہ رنگ برنگ کے پھول جن کی بھینی بھینی خوشبو ہمارے دلوں اور دماغوں کو تازگی مہیا کرتی ہے۔ یہ دور دور تک سر بفلک سرسبز پہاڑ جنکی خوشنمائی دلوں کو موہ لیتی اور یہ باغ و راغ کے مزے جو زندگی میں شادابی پیدا کرتے ہیں۔ کیا ان انمول اور قیمتی انعامات پر ہمارے دل خالقِ کائنات کے لیے شکر سے لبریز نہیں ہو سکتے؟

پھر ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہماری روح کو نکھارنے اور سنوارنے کے لیے اس نے وحیٔ الٰہی کا سرو سامان کیا اور رسول اللہ ﷺ کو بھیج کر مؤمنوں پر احسانِ عظیم فرمایا کہ انکی حیات طیبہ زندگی گزارنے

اور اسے کامیاب بنانے کا بہترین نمونہ ہے۔

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [آل عمران:١٦٤]

"بلاشبہ اللہ نے مؤمنوں پر بہت احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کو سنوارتا اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسم و روح کی اتنی نعمتیں پانے کے باوجود اگر کوئی شخص اپنے مولا و مالک کا شکر نہ بجا لائے تو وہ انتہائی بدبخت اور بدنصیب ہے۔ ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچئے کہ ہمارا شمار کن لوگوں میں ہوسکتا ہے؟ شکر گزار اور احسان شناس بندوں میں یا ناشکر گزار اور ناسپاس لوگوں میں؟ نعمتِ آزادی پانے کے بعد ہم نے گزشتہ اٹھاون برسوں میں کیا کیا؟ کیا نیک اعمال کمائے ہیں؟ اور اب ہم کس مقام پر کھڑے ہیں؟ «فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَار»

دعاء والتجاء:

« رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ » [الشعراء: ٨٣-٨٥]

"اے ربّ! مجھے علم و دانش عطا فرمایئے اور نیکوکاروں میں شامل کیجیے اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکرِ نیک جاری فرمایئے اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں شامل فرمایئے۔"

اعمالِ صالحہ میں جلدی کیجئے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ قَالَ: « بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا: هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْرًا مُّنْسِيًا اَوْ غِنًى مُّطْغِيًا اَوْمَرَضًا مُّفْسِدًا اَوْهَرَمًا مُّفَنِّدًا اَوْ مَوْتًا مُّجْهِزًا اَوِ الدَّجَّالَ فَشَرُّ غَائِبٍ يُّنْتَظَرُ اَوِالسَّاعَةَ فَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ »

[رواہ الترمذی = کتاب الزهد عن رسو ل الله ﷺ، باب ما جاء فی المبادرة بالعمل: رقم الحديث: ٢٣٠٦ ۔ وقال: حديث حسن ايضا]

''سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات چیزوں سے پہلے اچھے اعمال میں جلدی کرو کیا تم ایسے فقر کا انتظار کرتے ہو جو بھلا دینے والا ہو، یا ایسی دولت کا جو سرکش بنا دینے والی ہو یا ایسے مرض کا جو (عقل یا جسم کو) بگاڑ دینے والا ہو، یا ایسے بڑھاپے کا جو سٹھیا دینے والا ہو، یا ایسی موت کا جو کام تمام کردینے والی ہو، یا دجال کا جو نہایت بُری غیر موجود چیز ہے جس کا انتظار کیا جائے یا قیامت کا؟ پس قیامت بہت ہولناک اور نہایت کڑوی چیز ہے۔''

اکثر انسان غفلت وجہالت کا شکار ہوتے ہیں۔ زندگی کی گہما گہمی میں انہیں اپنی منزل بھول جاتی ہے وہ اسی طرح ادھیڑبن میں رہتے ہیں کہ اچانک کسی افتاد کا شکار ہوجاتے ہیں، یکایک انقلاب زمانہ انہیں گھیرتا ہے۔کوئی پریشانی اور مصیبت لاحق ہوجاتی ہے اور پھر کمزوری اور بڑھاپے کے نشانات ظاہر ہونے لگتے ہیں یا پھر فرشتۂ اجل نقارۂ موت کے ساتھ آ پہنچتا ہے۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سوبرس کا ہے پل کی خبر نہیں

اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ زندگی کے ہر لحظہ اور ہر لمحہ کو غنیمت جانو اور نیک اعمال سرانجام دینے میں کسی غفلت اور سستی کا شکار نہ ہوجاؤ۔

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ [البقرۃ۔۱۴۸]

''(لوگو) تم نیک اعمال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی نصیحت ان الفاظ میں فرمائی:

«اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغُلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ»

[رواه الترمذی مرسلا۔مشکوٰۃ۔کتاب الرقاق]

اس حدیث کو شاعر نے بڑے خوبصورت اشعار میں قلم بند کیا ہے۔

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے
فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے

فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت

دراصل تندرستی اور فرصت کسی انسان کے پاس دو اتنی بڑی نعمتیں ہیں جن سے بھرپور فائدہ اٹھا کر ہی وہ کامیاب انسان بن سکتا ہے اور فرصت کے قیمتی لمحات ہی اس کے لئے نیک اعمال کا سرمایہ مہیا کرتے ہیں جو اسے دنیا و آخرت میں سُرخروئی عطا کرتا ہے مگر افسوس کہ اس سے اکثر و بیشتر انسان غافل ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسی حقیقت کی نشاندہی اس طرح فرمائی ہے :

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ اس سے فائدہ اٹھانے سے قاصر ہیں تندرستی اور فرصت ۔[بخاری ۔ریاض الصالحین ۔باب فی المجاھدہ]

یہ بھی حقیقت ہے کہ نیک اعمال سرانجام دینا مشقت طلب اور مشکل ہے مگر ان کا انجام راحت وسرور ہے جب کہ برے اعمال کی طرف بڑھنا آسان اور لذیذ ہے مگر ان کا انجام تلخ اور جان لیوا ہے۔۔ قرآن نے یہ بات اس طرح بیان کی ہے :

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ ﴾

[سورۃ اللیل: ۵۔۱۰]

”جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور تقوی اختیار کیا (ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بچتا رہا) اور بھلی باتوں کی تصدیق کی تو ہم اسے آسان راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے (اس راہ میں طمانیت اور سرور ملے گا) اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور بھلائی کو جھٹلایا تو ہم اسے تنگی کی راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے (زندگی کا انجام تلخ اور کڑوا ہوگا)

زیر مطالعہ حدیث مبارکہ میں نیک اعمال کو بلا تاخیر سرانجام دینے کی تاکید کی گئی ہے ۔نماز کا وقت ہوا تو اسے فوری طور پر قائم کیا صدقہ وخیرات ادا کرنے میں جلدی کی ۔والدین کی خدمت ہو یا پڑوسیوں کی مدد، بڑوں کا ادب ہو یا چھوٹوں پر شفقت، یتیموں کی سرپرستی ہو یا بیماروں کی تیمارداری، غرضیکہ ہر نیک کام میں سبقت کی، مبادا کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن میں انسان اعمالِ حسنہ سرانجام دینے میں قاصر اور بے بس ہو جائے مثلا:

① فقر میں ایسی پریشانی آ گھیرے جس کے متعلق ارشاد ہوا:

"كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا"

''بعض اوقات انسان کو فقر اور تنگدستی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

جنابِ رسول اکرم ﷺ نے ایسے فقر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے۔

۲ ایسی دولت جو انسان کو سرکش بنادے جیسا کہ خزانۂ قارون (کہ اس نے اسے غرباء ومساکین پر صرف نہ کیا) اور وہ اپنے تمام خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

۳ یا پھر کوئی انسان ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جس کی وجہ سے وہ عبادت وریاضت سے بھی قاصر ہو جائے۔

۴ بسا اوقات بڑھاپے کے اس مرحلہ پر پہنچ جائے کہ وہ فہم وبصیرت سے عاری ہو جائے۔

۵ یا پھر ناگہانی موت آجائے کہ توبہ کی توفیق سے محروم ہو جائے۔

۶ قربِ قیامت کے فتنوں میں سے مسیح الدجال کا فتنہ ہے (دجال کے معنی جھوٹا اور کذاب کے ہیں) یہ شخص لوگوں کو دیار وامصار میں گمراہ کرتا پھرے گا۔ کبھی نبوت کا اور کبھی الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔ ہزاروں یہودیوں کے لشکر کے ساتھ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے گا۔ سیدنا عیسیٰ دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی کنارے پر آسمان سے نازل ہوں گے۔ اس وقت امام مہدی علیہ السلام اپنی فوج کے ساتھ آپ کے استقبال کے لیے موجود ہوں گے اور عیسی علیہ السلام ان کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے۔ پھر وہ اسلامی لشکر عیسی علیہ السلام کی قیادت میں آگے بڑھے گا اور لد (بیت المقدس کے پاس) کے مقام پر دجال اپنے پیروکاروں کے ساتھ تباہ وبرباد ہو جائے گا۔ (خلاصہ دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی)

جناب رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں فتنہ مسیح الدجال سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی گئی ہے۔

۷ قیامت بھی اچانک آسکتی ہے حدیث میں آتا ہے کہ لوگ کاروبارِ دنیا میں مشغول ومصروف ہوں گے کہ زبردست زلزلوں اور جھٹکوں سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ دنیا زیروزبر ہو جائے گی۔ اس وقت ہمالہ اور کے ٹو کی چوٹیاں روئی کے گالوں کی طرح فضا میں ادھر ادھر اڑتی پھریں گی۔ قرآن اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝﴾ [القارعة: ۵-۱]

''کھڑکھڑانے والی، کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی؟ اور آپ کیا جانیں کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟

جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوجائیں گے۔اور پہاڑ ایسے جیسے مختلف رنگوں کی دھنکی ہوئی اون''

انسان کو اعمالِ حسنہ سرانجام دینے میں قطعی تاخیر نہیں کرنی چاہئے معلوم نہیں کہ آئندہ لمحہ کیا کچھ ہوجائے۔ابھی عاجز یہ سطور لکھ رہا تھا کہ موجودہ حکومت کا تختہ الٹ گیا اور فوج نے ملک کا اقتدار سنبھال لیا۔معزول حکومت نے تقریباً آج سے دو سال قبل قومی اسمبلی سے قرآن وسنت کو سپریم لاء کے طور پر منظوری دی تھی جس پر انہیں بڑی شاباش ملی تھی۔جسے سینٹ نے آج تک منظور نہ کیا اور نہ ہی قومی اسمبلی نے اس پر تگ و دو کی بلکہ معزول حکومت نے چپ سادھ لی۔شریعت کا قانون نافذ ہوگیا ہوتا تو آج شرمندگی کا سامنا نہ ہوتا اور ہر شخص اپنے حقوق سے امن اور سکھ کی زندگی گزارتا۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ وَفِتۡنَةِ الدُّنۡيَا وَفِتۡنَةِ الۡمَسِيۡحِ الدَّجَّالِ »

''اے اللہ میں عذاب قبر اور دنیا کے فتنہ اور دجال کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

عرشِ الٰہی کے سائے میں

وَعَنۡ اَبِیۡ هُرَيۡرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ سَلَّمَ قَالَ : « سَبۡعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیۡ ظِلِّهٖ يَوۡمَ لَاظِلَّ اِلَّاظِلُّهٗ ! اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَّشَاَ فِیۡ عِبَادَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَرَجُلٌ قَلۡبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالۡمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجۡتَمَعَا عَلَيۡهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيۡهِ ،وَرَجُلٌ دَعَتۡهُ امۡرَاَةٌ ذَاتُ مَنۡصَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیۡ اَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخۡفَاهَاحَتّٰی لَا تَعۡلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنۡفِقُ يَمِيۡنُهٗ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتۡ عَيۡنَاهُ »

[متفق علیه ۔ریاض الصالحین ۔باب فضل الحب فی الله]

''سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:سات افراد ایسے ہیں جن پر(میدان محشر میں) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا سایہ فرمائے گا اور اس دن اس کی رحمت کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا(اور وہ سات خوش نصیب کون ہیں ؟)

(۱) انصاف کرنے والا حاکم ۔

(۲) وہ جوان جس نے اللہ عزوجل کی عبادت وریاضت میں نشوونما پائی۔

(۳) وہ شخص جس کا دل مساجد میں اٹکا رہے (نمازوں کے انتظار میں اور مساجد میں جانے کا شوق اور توجہ ہے)

(۴) وہ دو شخص جنھوں نے اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کی،وہ اسی پر جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے۔

(۵) وہ شخص جسے صاحب حسن و جمال عورت بلائے (برائی کی دعوت دے)تو وہ کہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں ۔

(۶) وہ شخص جس نے اس طرح چھپا کر صدقہ وخیرات کیا کہ بائیں ہاتھ کو بھی یہ خبر نہ ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا(نیکی کر کے فورا بھول گیا)

(۷) اور وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور (پھر اپنے گناہوں کو یاد کر کے)اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے ۔"

اچھے اعمال و اخلاق کی تعلیم اور بُرے اعمال واخلاق سے نفرت کے لیے احادیثِ مبارکہ میں جو اعداد استعمال کیے گئے ہیں عام طور پر ان سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ اعمال واخلاق انہی اعداد میں محدود ہیں۔اس حدیثِ مبارک میں بھی سات کا عدد تحدید کے لئے نہیں ہے ۔اس سات کے علاوہ کچھ دوسرے افراد بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ روز جزاء اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔مثال کے طور پر مسلم شریف میں تنگدست قرض دار کو مہلت دینے والا اور اپنے قرض کے بعض حصے کو معاف کر دینے والے کے لیے بھی اسی اجر کی بشارت سنائی گئی ہے۔قرآنِ حکیم میں انعام یافتہ لوگوں میں سرِ فہرست انبیائے کرام ہیں۔اس کے بعد صدیقین،شہداء اور صالحین کا مقام ہے ۔ظاہر ہے کہ رحمتِ الٰہی کے سایہ میں یہ لوگ پیش پیش ہوں گے۔زیر مطالعہ حدیث میں جن خوش بختوں کا ذکر آیا ہے وہ اس طرح ہے کہ:

① سب سے پہلے عادل حاکم کا ذکر آیا ہے اس کا عدل وانصاف ہی ریاست کے قیام وبقاء کی اساس بنے گا،معاشرتی زندگی امن وسکون پائے گی،زندگی کے تمام شعبوں میں تعمیر وترقی ہوگی اور اگر یہ تہ وبالا ہو جائے تو ہر طرف فتنہ وفساد پھیل جائے گا۔اور نظامِ حیات معطل ہو کر رہ جائے گا۔اس لیے جہاں ظالم حکمرانوں اور ظالم لوگوں کے لیے بڑی وعید ہے وہاں عادل

حکمرانوں اور عادل لوگوں کے لئے بہت بڑی خوشخبریاں بھی ہیں ۔مسلم کی ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے ۔

« اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ عَنْ یَّمِیْنِ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَعْدِلُوْنَ فِیْ حُکْمِهِمْ وَاَهْلِیْهِمْ وَمَا وَلُوْا » [مسلم کتاب الامارة]

''انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک داہنے جانب نور کے منبروں پر ہوں گے ۔وہ لوگ اپنے فیصلوں،اپنے اہل وعیال اور ہراس چیز میں عدل کرتے ہیں جس کے وہ والی اور حاکم بنائے جاتے ہیں ۔''

اپنا ہو یا غیر سب کے ساتھ انصاف کرنا ہی پرہیزگاری کی علامت ہے ۔

﴿ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ﴾ [المائدة:۸]

''(اے ایمان والو)!ہمیشہ انصاف کیا کرو کہ یہی بات تمہاری پرہیزگاری کے قریب تر ہے ۔''

مسلمان کا یہی عدل تھا جس نے اسے دنیا میں عزت وشرف بخشا تھا اور اقوامِ عالم میں وہ سربلند ہوا تھا۔

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قوی لوث مراعات سے پاک
شجر فطرت مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

② دوسرا وہ جس نے اللہ تعالیٰ عزوجل کی بندگی اور عبادت میں نشوونما پائی۔ جو بچپن ہی سے نماز،روزہ کا پابند ہوگیا،نیک اور پرہیزگار والدین اپنے بچوں کو بچپن سے ہی صوم وصلوۃ کی طرف لگادیتے ہیں ان کے بچے قرآنی آیات کو اپنی معصوم زبانوں سے ادا کرتے ہیں ۔ان میں سے بعض اپنے سینوں میں ضبط کرلیتے ہیں ۔اس طرح اللہ تعالیٰ کی یاد میں وہ پھلتے پھولتے ہیں۔ایسے ہی بچے آگے چل کر اسلام کے جاں نثار سپوت ثابت ہوتے ہیں اور روزِ جزا سایۂ رحمت میں جگہ پاتے ہیں ۔

③ تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے ۔یعنی ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کے لئے منتظر اور بیقرار رہے ۔ یہ وہی شخص ہوسکتا ہے جو اپنے مولا کی ملاقات اور اس سے مناجات کا انتہائی مشتاق ہو۔ نماز ایسے شخص کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہوتی ہے۔

« وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ » اور جونہی مؤذن کی صدائے دلنواز کانوں میں گونجتی ہے وہ

فورا اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور رغبت وچاہت سے ربّ کریم کے در پر جبینِ نیاز جھکانے کے لئے چل پڑتا ہے۔ بلکہ دوست واحباب اور بچوں کو بھی نماز پڑھنے کی نصیحت وتلقین کرتا ہے۔وہ پاک اور صاف ہوکر اپنے مالک کے حضور عجز وخاکساری کی تصویر بن کر ادب واحترام سے مناجات کرتا ہے۔ «اِنَّ الْمُصَلِّی یُنَاجِیُ رَبَّهٗ» سفر ہو یا حضر،راحت ہو یا مصیبت،صحت ہو یا بیماری،گاڑی پر ہو یا پاپیادہ، وطن میں ہو یا دیارِغیر میں، امن میں ہو یا جنگ میں کسی حال میں بھی اور کسی صورت میں بھی وہ ربّ کریم کو نہیں بھولتا۔صرف اور صرف اسی کی مدد کا طلبگار رہتا ہے۔ جہاں کہیں بھی وہ جارہا ہو جونہی مسجد سے مؤذن کی پکار سنتا ہے فوراً لبیک کہتے ہوئے مالک کے در پر جاکر جھک جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کہتا ہے۔!

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَابَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ﴾ [النور:۳۷]

”(انعام پانے والے یہ)وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کے ذکر،اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوۃ سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ ہی خرید وفروخت“

اور شاعر نے ان کی کیفیت نماز کو حالت جنگ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج وغنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

④ چوتھے نمبر میں ان لوگوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے جنہوں نے تمام محبتوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس طرح گم کر دیا ہو کہ وہی محبت تمام انسانی تعلقات کی بنیاد بن گئی ہو ان کی محبت میں اللہ کے باغیوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے محبت کرتے ہیں۔اور وہ جس سے نفرت کرتے ہیں اس میں بھی اسی کی رضا ہوتی ہے بلکہ ان کا ہر ہر عمل مولا ومالک کی رضا کے لئے ہوتا ہے۔اسی سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

« مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَاَعْطٰى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ »

''جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے دشمنی کی، اللہ کے لئے کسی کو عطا کیا اور اللہ ہی کے لئے کسی سے روکا، تو اس نے اپنے ایمان کو مکمل کرلیا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں محبت ونفرت کا ایسا ہی معیار تھا ذرا اس واقعہ پر غور کیجیے:

کفرواسلام کا پہلا معرکہ (غزوۂ بدر) اس اعتبار سے بڑا صبر طلب اور درد انگیز تھا کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوئیں تو اچانک نظر آیا کہ باپ بیٹے کے سامنے نبرد آزما تھا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اس وجہ سے مکہ میں ہی رہ گئے تھے۔ بدر میں قریش کی فوج کے ایک سپاہی وہ بھی تھے، انہوں نے میدانِ جنگ میں بڑھ کر پکارا کہ میرے مقابلہ میں کون آتا ہے؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خود تلوار کھینچ کر مقابلہ کو نکلے، لیکن رحمتِ دو عالم ﷺ کو یہ گوارا نہ ہوا، فوراً ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روکا۔ [صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ سعید احمد اکبر آبادی]

⑤ پانچواں وہ شخص جس نے خواہشاتِ نفس پر قابو پاتے ہوئے برائی اور بے حیائی کا قلع قمع کرڈالا اور تمام مواقع میسر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا۔ یہ واقعی بہت بڑی عظمت ہے اور ایسا شخص قابل ستائش ہے۔ قرآن حکیم نے سیدنا یوسف علیہ السلام کا کردار پیش کیا ہے سورۃ یوسف کا مطالعہ ہرنوجوان کے لیے سرمۂ بصیرت ہے۔ پھر محمد رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق وکردار پر نگاہ ڈالیے کہ وہ عرب جہاں ہرطرف فسق وفجور اور گناہ وسرکشی کے طوفان ہی نہیں جھکڑ اور آندھیاں چل رہی تھیں۔ ایسے پراگندہ ماحول میں آپ ﷺ کا دامن پاکیزہ اور مصفی رہا اور اپنی جوانی کے ایام غارحرا میں غور وفکر اور خالقِ کائنات کی یاد میں بسر کیے۔

⑥ چھٹا وہ شخص جو اس قدر اخلاص سے صدقہ وخیرات کرتا ہے کہ وہ کسی پر کوئی احسان نہیں جتلاتا بلکہ راہِ حق میں مال دے کر بھول جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝﴾ [سورۃ الدھر: ۸۔۹]

''اور اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور (اور زبانِ حال سے کہتے ہوئے ان کے دل شہادت دے رہے ہوتے ہیں) کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہے

ہیں ہم تم سے نہ تو کسی شکریہ کے طالب ہیں اور نہ ہی کسی جزا کے۔“

⑦ ساتواں وہ شخص ہے جو بیتے ہوئے ایام کے گناہوں کو یاد کر کے ربّ تعالیٰ سے تنہائی کے لمحات میں شرمساری کے آنسو بہاتا ہے اللہ تعالیٰ کو بندۂ مؤمن کے وہ آنسو جو اس ندامت سے بہتے ہیں بہت پسند ہیں۔

سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ڈر سے رونے والے کا دوزخ میں جانا اس طرح مشکل ہے جس طرح دوہے ہوئے دودھ کا تھن میں واپس ہونا اور اللہ کے راستہ کا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہ ہوں گے۔[بخاری۔ریاض الصالحین :باب البکامن خشیۃاللہ]

نیز سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز اتنی اچھی نہیں جتنے دوقطرے اور دونشان دوقطروں میں سے ایک وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہے اور دوسراوہ جو اللہ کے ڈر سے گرے اور ایک نشان قدم وہ جو اللہ کے راستہ میں (جہاد میں) اور دوسراوہ جو اللہ کے فرائض میں سے کسی ایک فرض کے سلسلہ میں لگے۔(جیسا کہ نماز کے لئے یا حج کے لئے جارہا ہو۔)

اے ربّ کریم !ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ »

”اے اللہ !میں آپ سے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام کا طلب گار ہوں اور دوزخ سے آپ کی پناہ پکڑتا ہوں۔“

اسلام کا اخلاقی نظام ...پسندیدہ اعمال

وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْه قَالَ :سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی ؟قَالَ :« اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا » قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ « بِرُّ الْوَالِدَیْنِ » قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟قَالَ : « اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ »[متفق علیه ریاض الصالحین ’باب برالوالدین وصلة الارحام]

”ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا:”وقت پر نماز پڑھنا“میں نے عرض کیا پھر؟ فرمایا:”والدین سے حسن سلوک کرنا“میں نے عرض کیا پھر؟ تو آپ نے فرمایا:”اللہ کے راستے میں جہاد کرنا“۔

نماز... اس کائنات کے خالق و مالک کے ان گنت احسانات کا عملی اظہار تشکر اور عجز و خاکساری کے ساتھ اپنی جبین نیاز اس کی چوکھٹ پر جھکا دینے کا نام نماز ہے۔ گویا بندہ اپنے ربّ کے در پر جھک کر یہ اقرار کرتا ہے کہ جسم و جان کی عطا اور بخشش کے علاوہ بے شمار مادی انعامات و احسانات اور ہدایت و رہنمائی کے الطاف و اکرام بھی اسی کی جانب سے ہیں اور پھر بندہ اپنے محسن و مشفق مالک سے التجا کرتا ہے کہ وہ اپنی نعمتوں سے اسے ہمیشہ نوازتا رہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کو توحید کے بعد سب سے پہلا حکم جو ملا وہ نماز کا تھا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ [المدثر : ۱-۳]

''اے (محمد ﷺ) جو کمبل اوڑھے ہوئے ہو، اٹھیے اور ڈرایئے اور اپنے ربّ کی بڑائی بیان کیجیے۔''

''رب کی بڑائی بیان کرنا'' یہی نماز کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ نماز تکمیل کے مدارج طے کرتی ہوئی اس نقطہ پر پہنچ گئی جو روحانی معراج کی آخری سرحد ہے۔ جس میں بندہ مؤمن چوبیس گھنٹے میں پانچ بار اپنے ربّ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''بے شک نمازی اپنے ربّ تعالیٰ سے مناجات (سرگوشیاں) کرتا ہے۔'' بلکہ جب وہ اپنی جبین نیاز اس کے در پر جھکا دیتا ہے تو اس وقت اپنے مولا و مالک کے قریب ترین ہو جاتا ہے۔''

﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝﴾ [سورۃ العلق:۱۹]

''اور سجدہ کر کے (اللہ تعالیٰ) کا قرب حاصل کیجیے۔''

نماز سے افراد کا قلب و ذہن بدلتا ہے اور کردار و سیرت کی نئی تشکیل ہوتی ہے۔ خصوصاً باجماعت نماز سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اتحاد و اتفاق کے سانچے میں ڈھلتی ہے، زندگی میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے، اطاعتِ امیر کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، لیل و نہار میں اوقات کی پابندی سے زندگی ترقی کی طرف رواں دواں ہوتی ہے، صحت وصفائی سے روح نکھرتی اور سنورتی ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اگر صرف لفظ صلوٰۃ ہی کو اس کے دوسرے مشتقات سے الگ کر کے دیکھا جائے تو قرآن حکیم کی مختلف سورتوں میں تقریباً ۶۷ مرتبہ اس کا ذکر آیا ہے۔ ہر جگہ سیاق وسباق کی مناسبتیں جدا ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات میں نماز کے اوقات کا تذکرہ ہے:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝﴾ [النساء:۱۰۳]

”بلاشبہ نماز مؤمنوں پر اس کے مقررہ اوقات پر فرض کی گئی ہے۔“

مقررہ اوقات کی نشاندہی اس طرح کی گئی ہے:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ [هود:١١٤]

”دن کے دونوں اطراف (کناروں) اور کچھ رات گئے نماز قائم کیجئے۔“

دن کے دونوں اطراف سے مراد صبح اور مغرب کی نماز ہے جبکہ کچھ رات گئے سے مراد عشاء کی نماز ہے۔

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ﴾ [اسراء:٧٨]

”زوال آفتاب سے رات کے اندھیرے تک نماز قائم کیجئے۔“

زوال آفتاب سے رات کے اندھیرے تک ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں۔

﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝﴾ [اسراء:٧٨]

”اور فجر کے وقت قرآن (پڑھیئے) کیونکہ فجر کو قرآن پڑھنے پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔“

اس سے مراد نماز فجر میں امام کی طویل قرأت ہے۔

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ [البقرة:٢٣٨]

”اپنی سب نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی“

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”صلوٰۃ وسطیٰ“ سے مراد نماز عصر ہے۔“ [ترمذی]

بالخصوص نماز عصر کی تاکید فرمائی۔ غالباً اس لیے کہ یہ دنیوی مشاغل کے لحاظ سے بہت اہم وقت ہوتا ہے۔ [تیسیر القران مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمہ اللہ]

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہمیشہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

﴿وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝﴾ [الانعام:٩٢]

”اور وہ اپنی نمازوں کی نگہداشت کرتے ہیں۔“

اور ایسا نہیں ہوتا کہ نماز کبھی ادا کرلی اور کبھی چھوڑ دی۔ سفر و حضر میں، صحت و بیماری میں، صلح و جنگ میں، ہر حال اور ہر کیفیت میں نمازوں میں دوام اختیار کرتے ہیں۔

﴿اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝﴾ [المعارج:٢٣]

”جو اپنی نماز ہمیشہ ادا کرتے ہیں۔“

ایسے ہی مؤمنوں کے لیے کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔وہ اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع اور گریہ وزاری کرتے ہیں:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝﴾ [المؤمنون: ١-٢]

”ایماندار لوگ کامیاب ہوگئے جو اپنی نمازوں میں عاجزی اختیار کرتے ہیں۔“

یہی لوگ اللہ کے گھروں کو آباد کرتے ہیں اور وہاں باجماعت نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

﴿ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ﴾ [التوبہ: ١٨]

”اللہ کی مساجد کو آباد کرنا تو اس کا کام ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نماز قائم کرے۔“

قرآن حکیم نے نماز کے لیے اقامت کا لفظ استعمال کیا ہے جو قابل توجہ ہے۔اقامت میں اذان، تکبیر، اقامت، جماعت کا اہتمام اور وقت کی پابندی لازمی آجاتی ہے۔رہی کیفیتِ نماز تو اس بارے میں سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔آپ ہی کا ارشاد ہے:

« صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي »

”تم نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔“

چونکہ ہر شخص کی براہ راست کتب احادیث تک رسائی نہیں ہے۔اس لیے آپ ﷺ کی نماز کی کیفیت کو جاننے کے لیے نماز سے متعلق کوئی اچھی سی کتاب گھر میں ضرور رکھنی چاہیے جس سے بچے اور بڑے فائدہ اٹھا سکیں۔عاجز کی نظر میں مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ بڑی مفید ہے۔

افسوس کہ مسلمان ہونے کے باوجود ہم یہ اہم فریضہ بھلا چکے ہیں۔اچھے اچھے گھرانوں میں مرد وخواتین غفلت کا شکار ہیں۔ٹی وی کلچر نے ہمیں بربادی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے۔رات دیر تک ٹی وی کی مجلسیں قائم رہتی ہیں، جس سے فجر کے وقت اٹھنا نصیب نہیں ہوتا:

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے!
ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبع آزاد پہ قید رمضاں بھاری ہے
تمہی کہہ دو یہی آئین وفاداری ہے؟

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں

آج کے درس حدیث میں والدین کے ساتھ بھلائی اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر آیا ہے اس کے متعلق زندگی رہی تو آئندہ عرض کروں گا۔ انشاء اللہ

دعا و التجاء:

﴿ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ﴾
”اے میرے ربّ مجھے بھی اور میری اولاد کو بھی نمازی بنادیں۔“

پسندیدہ اعمال (۱)

گزشتہ درس میں نماز کے بارے میں عرض کرچکاہوں ۔موجودہ درس میں والدین کے ساتھ ہمدردی اور بھلائی کے متعلق عرض کرتاہوں ۔

اسلامی زندگی کے دو بڑے شعبے ہیں ۔۔حقوق اللہ اور حقوق العباد نماز، روزہ، حج اور حدود اللہ کی پابندی حقوق اللہ ہیں تو صدقہ وخیرات (زکوٰۃ) والدین کے ساتھ احسان ومروت، پڑوسیوں کی خدمت، بیماروں کی تیمارداری، بیواؤں کی خیرخواہی وغیرہ حقوق العباد ہیں اور یہ دونوں شعبے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، بندہ مؤمن اگر پانچ وقت نماز کی پابندی کرتاہے تو نماز سے فراغت کے بعد بیوی بچوں کے لیے رزق حلال کی تلاش بھی کرتاہے، اگرو ہ رمضان میں اہتما م سے روزے رکھتاہے تو والدین کے ساتھ احسان ومروت کا خیال بھی رکھتاہے ۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی ہی سے ایمان کی تکمیل اور عبادت میں حلاوت نصیب ہوتی ہے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاسبانی کا ربّ کریم نے حکم دیاہے۔حقوق العباد میں سرفہرست والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت وخدمت ہے، ارشاد ہوتاہے :

﴿ وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ﴾ [بنی اسرائیل :۲۳]

”آپ کے ربّ نے فیصلہ کر دیاہے کہ تم اس کے علاوہ اور کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔“

اللہ کی نظر میں والدین کے ساتھ مروت اور مہربانی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اس نے

قرآن کریم میں کئی مقامات پر اپنے ذکر کے فوری بعد والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا ذکر کیا ہے۔

انسان کے بڑھاپے میں اعضاء وجوارح کمزور اور ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور وہ ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اس کا کوئی پرسان حال ہو، دکھ درد میں اس کا کوئی سہارا اور آسرا بنے۔ شریعت اسلامی کا یہ فتویٰ نہیں کہ بچے جب عاقل وبالغ ہو جائیں تو فرنگی تہذیب کی طرح بوڑھے والدین کو بے یارومددگار چھوڑ دیں اور وہ حکومتی اداروں میں ذہنی وروحانی کرب کے ساتھ زندگی کے یہ آخری ایام گزاریں۔ یہاں انہیں خدمت واطاعت اور راحت وآرام کی تمام سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں، رب کریم کا حکم ہوتا ہے۔

﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾ [بنی اسرائیل: ۲۳-۲۴]

”اگر ان میں سے (یعنی والدین) ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف بھی نہ کہو اور نہ ان پر خفا ہو اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرو اور ان کے لیے اطاعت کا بازو محبت سے جھکاؤ اور (ہمیشہ ان کے لیے یوں دعا کرتے رہو) اے میرے پروردگار! تو ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا (ہر طرح سے یعنی کھانے پینے، دوادارو، تعلیم وتربیت کا خیال رکھا)“

اللہ اللہ! کس ادب اور محبت کی تعلیم ہے بلکہ ان کے لیے دعائیہ کلمات بھی رحمان ورحیم نے سکھلا دیئے ہیں۔

پھر غور کیجئے کہ یہ صرف اور صرف دین اسلام کی شان ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جاتا ہے تو اسے حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ خواہ وہ کسی بھی مذہب وملت پر ہوں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۝﴾ [لقمان: ۱۵]

”اور اگر وہ دونوں (یعنی والدین) تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ البتہ دنیوی معاملات میں ان

سے بھلائی کے ساتھ رفاقت کرنا (ہاں اپنے دین پر جمے رہنا اور حدود اللہ کی نگہداشت کرنا)
والدین میں سے والدہ کے ساتھ حسن سلوک مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے کہ بچوں کے لیے، اس کی تکلیف اور مشقت، الفت و محبت بھی لامتناہی ہوتی ہے۔ سورۃ احقاف میں اس کا تذکرہ یوں آتا ہے:

''ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اس کی ماں نے مشقت سے اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت سے جنا، اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگے حتی کہ جب وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوا تو کہنے لگا ''میرے ربّ! مجھے توفیق عنایت فرما کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا ہے اور یہ کہ اعمال صالحہ کروں جو تجھے پسند ہوں اور میری اولاد کی اصلاح فرمادے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور بلاشبہ میں فرمانبردار ہوں۔'' [الاحقاف: ۱۵]

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث مبارک سے بھی والدہ کے حقوق کی فوقیت ثابت ہوتی ہے۔
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یارسول اللہ! میرے اچھے برتاؤ کا سب سے زیادہ کون حقدار ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں کہا پھر؟ فرمایا تمہاری ماں، کہا پھر؟ فرمایا تمہاری ماں، کہا پھر؟ فرمایا: ''پھر تمہارا باپ۔''

[بخاری ومسلم، ریاض الصالحین باب برالوالدین]

اسی لیے فرمایا کہ
《 اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ 》
بہشت تمہاری ماؤں کے قدموں کے تلے ہے (ان کی خدمت بجالاؤ اور جنت لے لو)
آہ شاعر! اس خدمت سے محرومی کے باعث آنسو بہاتا ہے۔

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

اے ہونہار فرزندو! اپنی ماؤں کی خدمت میں کوتاہی نہ کرو ایسا نہ ہو کہ کفِ افسوس ملنا پڑے۔
والدین کے ساتھ احسان و مروت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا پسندیدہ عمل ہے کہ شیر خوارگی میں سیدنا عیسیٰ ماں کی گود میں جہاں نماز اور زکوۃ کی پابندی کا ذکر کرتے ہیں وہاں والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا بھی اعلان کرتے ہیں۔

﴿وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ وَّبَرًّا ۢبِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ

جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ [مریم : ۳۲-۳۳]

''مجھے نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور والدہ سے حسن سلوک کا بھی نیز اللہ نے مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔''

اللہ کی راہ میں جہاد یقیناً پسندیدہ اور اونچا عمل ہے ۔مگر ضعیف وناتواں والدین کی خدمت سے ایسا پسندیدہ عمل بھی ساقط ہوجاتا ہے ۔البتہ اجر وثواب جہاد کا بھی ملتا ہے اور والدین کی خدمت کا بھی ۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا اور کہا میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنا چاہتا ہوں اور اللہ سے اس کے اجر کی خواہش رکھتا ہوں آپ نے فرمایا تمہارے والدین میں کوئی زندہ ہے؟ کہا ہاں دونوں زندہ ہیں فرمایا تم اللہ سے اجر چاہتے ہو؟ کہا ہاں فرمایا تم اپنے والدین کی طرف پلٹ جاؤ اور ان سے اچھا برتاؤ کرو کہ وہ بڑھاپے میں ہیں۔

[ریاض الصالحین ۔با ب برالوالدین]

ایک صحابی آپ کا ماں باپ تھے جس کے ضعیف
کی طلب رخصت حضور پاک سے بہر جہاد
سن کے مادر اور پدر کا حال حضرت نے کہا
گھر میں جا کر ان کی خدمت کر جوان خوش نہاد

آج نئی نسل صوم وصلوٰۃ سے فارغ اور خدمت واطاعت سے عاری ہوچکی ہے نہ دینی مدارس ومکاتب میں اخلاقی اقدار کا کوئی وجود رہا ہے اور نہ ہی سکولز وکالجز میں تعلیم وتربیت کا کوئی سامان ہے، ہرطرف خاک اڑ رہی ہے، ادھر ٹی وی کلچر نے رہی سہی کسر پوری کردی ہے، پوری قوم اخلاقی طور پر دیوالیہ ہوچکی ہے، عام گھرانوں کا تو ذکر ہی کیا بڑے بڑے اچھے گھرانوں میں بچے ماں باپ کا ادب واحترام نہیں کرتے جو کہ بہت بڑا المیہ ہے ۔آنے والی حکومتوں کو ملک کے معاشی ڈھانچے کی تو بڑی فکر ہوتی ہے جس کا وہ بڑی شدومد سے اظہار کرتے ہیں مگر اخلاقی ڈھانچے کا خیال نہیں آتا، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو قوم اخلاقی زوال کا شکار ہوجائے اسے مال ودولت کی فراوانی بھی تباہی وبربادی سے نہیں بچاسکتی، کاش کہ موجودہ حکومت ٹی وی سے بے حیائی کو دور کرسکے ۔انشاء اللہ آئندہ جہاد پر بات ہوگی ۔

دعاو التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ »

”اے اللہ ہمارے سارے کاموں کی اصلاح فرما تیرے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں۔“

پسندیدہ اعمال (۲)

گزشتہ دروس میں پابندی نماز اور والدین سے حسن سلوک پر بات چیت ہوچکی ہے۔آیئے !آج جہاد فی سبیل اللہ پر گفتگو کرتے ہیں۔

اَلْجِهَادُ وَالْمُجَاهَدَةُ ...... یہ دشمن کے مقابلہ اور مدافعت میں بھر پور طاقت وقوت کے مظاہرہ کو کہتے ہیں اور جہاد تین قسم پر ہے۔ ①......ظاہری دشمن یعنی کفار سے جہاد کرنا ②......شیطان (چھپے ہوئے دشمن) سے مقابلہ کرنا ③......نفس کے اندر دشمن (یعنی نفسِ امارّہ سے) مجاہدہ کرنا اور آیۂ مبارکہ:

﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ [الحج:۷۸]

”اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔“میں مندرجہ بالا تینوں اقسام آجاتی ہیں۔

﴿وَجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ [التوبة:۴۱]

”اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔“

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾

[الانفال:۷۲]

”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے جان ومال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔اللہ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔“

اور حدیثِ مبارکہ میں ہے:

« جَاهِدُوْا اَهْوَاءَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَاءَكُمْ »

”کہ جس طرح اپنے دشمن سے جہاد کرتے ہو اسی طرح اپنی خواہشات سے بھی جہاد کیا کرو۔“

اور مجاہدہ ہاتھ اور زبان دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

چنانچہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« جَاهِدُوا الْكُفَّارَ بِاَيْدِيْكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ »

یعنی ”کفار سے ہاتھ اور زبان دونوں کے ذریعہ جہاد کرو۔“[مفردات القرآن۔راغب اصفہانی]

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بندۂ مؤمن ربِّ کائنات کی عطا کردہ زندگی کا حق اس طرح ادا کرتا ہے کہ کہیں اپنے نفس کی غلط اور بے جا خواہشات سے لڑتا ہے اور کبھی قوم اور برادری کی لایعنی رسومات سے نبردآزما ہوتا ہے۔ کبھی شیطانی ہتھکنڈوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔ اور کبھی امن اور سلامتی بحال کرنے کے لیے اللہ کے باغیوں سے لڑ کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ گویا اس کی زندگی اس چومکھی جنگ میں گزر جاتی ہے اور یہی وہ زندگی کا ارفع واعلیٰ مقصد ہے جس کی قرآن یوں شہادت دیتا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ [الصف:۱۱]

''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتلاؤں جو تمہیں المناک عذاب سے بچائے؟ (اور ارفع واعلیٰ زندگی سے ہمکنار کردے اور وہ یہ ہے) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنی جان ومال سے جہاد کرو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم اس حقیقت کو جان لو۔''

پھر ہماری تہذیب کے تابناک اصول کا یہ ایک انتہائی درخشندہ پہلو بھی ہے کہ اس نے جس طرح ہم پر یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ ہم اپنی عزت وحریت پر کوئی آنچ نہ آنے دیں۔ اسی طرح ہمارے لیے یہ لازم قرار دیا ہے کہ دوسرے کمزور اور مظلوم گروہوں، بے کس اور بے بس انسانی طبقوں کے معاون اور مددگار بنیں۔ اور انہیں ظالموں کے پنجۂ استبداد سے نجات دلائیں۔ حکم ہوتا ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝﴾ [النسآء: ۷۵]

''مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے۔ جب کہ کمزور مرد، عورتیں اور بچے ایسے ہیں جو یہ فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارے لیے کوئی حامی مقرر کردے اور اپنی جناب سے ہی ہمارا کوئی مددگار بھی پیدا فرمادے۔''

اگرچہ اس آیت میں ان کمزور مسلمان بیواؤں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کی طرف اشارہ ہے جو مکہ

اور اردگرد کے بعض قبائل میں آباد تھے ۔اسلام قبول کر چکے تھے ۔ہجرت کی قدرت نہ رکھتے تھے اور کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہے تھے۔چنانچہ مدینہ اور اردگرد کے بسنے والے مسلمانوں کو اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے چوکس کیا جارہا ہے تاہم یہ آیت ہر دور اور ہر زمانے کے آزاد اسلامی ریاست میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے بھی ہے جو نہ صرف مسلمانوں بلکہ عام انسانوں پر ظلم وستم ٹوٹتا دیکھیں تو قوت وطاقت سے ان کی مدد کو پہنچیں ۔اور ان مظلوموں کو ظالموں کے گھراؤ سے نکال کر وہاں امن اور سلامتی کی فضا پیدا کریں ۔اس لیے کہ مسلمان ہی اس دنیا میں امن اور سلامتی کا نمائندہ ہے ۔اسی مقصد کے لیے ہمارے اسلاف نے بحرو بر کو عبور کیا اور جہاں گئے عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کی ۔

محفل کون ومکاں سحر وشام پھرے
مَے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں،دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

جب تک مسلمانوں میں جذبہ جہاد بیدار رہا وہ دنیا میں زبردست قوت (Super power) تھے۔ کوئی قوم اور کوئی ملک ان کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔مال ودولت کی ریل پیل نے ان میں تن آسانیاں پیدا کردی ہیں ۔وہ بزدلی،خوف،پست ہمتی،مداہنت ایسی بیماریوں کا شکار ہوگئے ہیں ۔

تیرے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

آج دنیا میں مسلمانوں پر جہاں کہیں ظلم وستم ڈھایا جا رہا ہے۔ یورپی ممالک (بالخصوص امریکہ) تماشائی بن کر خوشیاں منارہے ہیں ۔خیر وہ تو مسلمانوں کے دشمن ٹھہرے ۔وہ اگر ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کی خباثت کا کھلا ثبوت ہے ۔مگر وہ مسلمان حکومتیں اور عامۃ المسلمین آج کہاں ہیں ۔جنہیں اپنے اسلام پر بڑا ناز ہے ۔گزشتہ دوماہ میں چیچن مسلمانوں پر جو قیامت گزری ہے اور جس بری طرح روسی درندوں نے ان نہتے مسلمان،مردوں،عورتوں،بوڑھوں اور بچوں کی جانوں کے ساتھ راکٹوں اور میزائلوں سے کھیلا ہے ۔یہاں تک کہ ہسپتالوں کے مریضوں کو بھون ڈالا وہ تاریخ کا انتہائی المناک باب رہے گا ۔اور دنیا بھر کے مسلمانوں نے جس بے حسی کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی تاریخ کا انتہائی شرمناک باب رقم کیا جائے گا۔

اسلامی حمیت کا فوری تقاضا تھا کہ تمام اسلامی ملکوں سے فوجی دستے ان مظلوم مسلمانوں کی مدد کو پہنچتے اور دشمن کو عبرتناک سزا دیتے مگر۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اور پھر کشمیری مسلمانوں پر گزشتہ ۵۸ برس سے جو بیت رہی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ہزاروں کی تعداد میں جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں ۔لاتعداد خواتین کی عصمت دری کی جا چکی ہے۔ بے شمار بچوں اور بوڑھوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا ہے ۔اَن گنت مکانوں کو مسمار کر دیا گیا ہے ۔ یہ سب کچھ مسلمانانِ عالم کے سامنے ہو رہا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ بعض انجمنوں اور جماعتوں کے نوجوان جذبہء جہاد سے سرشار ہو کر کشمیری مسلمانوں کے مدد گار بنتے ہیں ۔اور انہوں نے کتنے ہی بھارتی درندوں کو جھنم واصل کیا ہے اور ان میں سے کئی رتبۂ شہادت سے سرفراز ہو چکے ہیں ۔مگر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ایک ایسی اسلامی فوج ترتیب دی جائے جس کے دستے تمام اسلامی ملکوں سے لیے گئے ہوں ۔اور وہ جدید ترین اسلحہ سے لیس ہوں اور جس کا جرنیل محمد بن قاسم اور صلاح الدین ایوبی جیسا بہادر اور زیرک نوجوان ہو اور یہ اسلامی فوج (Islamic force) ہراس مقام پر پہنچے جہاں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ انہیں ظالموں کے پنجہء استبداد سے نجات دلا کر ہی دم لے ۔

صرف اور صرف جذبہء جہاد اور اجتماعی قوت سے ہی مسلمان عظمتِ رفتہ کو بحال کر سکتے ہیں۔اگر امت مسلمہ کو ایک جسم قرار دیا جائے تو یہ جہاد اس جسم کی بقاء،نشوونما،صحت اور سلامتی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ پودوں کے پھلنے، پھولنے کے لیے کھاد اور پانی ۔

من آں علم و فراست را پر کاہے نمے گیرم
کہ از تیغ وسپر بیگانہ سازد مردِ غازی را

”میں اس علم وعقل کی قدر وقیمت ایک تنکے کے برابر بھی نہیں سمجھتا جو تلوار وڈھال سے مسلمانوں کو غافل کر دے ۔“آخر میں دعا کرتا ہوں ۔

دعا و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْھَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ »

”اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں، ناتوانی اور کاہلی سے اور بخیلی اور بزدلی، بڑھاپے (ناکارہ بنادینے والے)اور قبر کے عذاب سے ۔“

اللہ تعالیٰ صورت اور مال کو نہیں دل اور اعمال کو دیکھتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «اِنَّ اللّٰهَ لَايَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِ كُمْ وَاَمْوَالِكُمْ،وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ »

[رواہ مسلم۔مشکوۃ: باب الریاء والسمعة]

”سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکل وصورت اور مال ودولت کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں پر نگاہ رکھتا ہے۔“

انسان کا تمام تر شرف وکمال علم وعمل میں ہے نہ کہ مال ودولت میں۔اس کی قدر ومنزلت حسن سیرت میں ہے کہ نہ حسن صورت میں۔حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا ہے تو گویا اس کے دل میں ایمان کا بیج بویا جاتا ہے پھر وہ خلوص کے پانی سے اس کی آبیاری کرتا ہے تو نیکی کا بیج پھوٹتا ہے اور عمل صالح سے وہ برگ وبار لاتا اور پھلتا پھولتا ہے اور تب وہ سدا بہار نخل کی طرح لہلہاتا ہے جس سے وہ خود بھی تروتازہ رہتا ہے اور اس سے اللہ کی دوسری مخلوق بھی فیض یاب ہوتی رہتی ہے اور یہی اچھے انسانوں کے جینے کا مقصد ہے کہ ایک طرف ربّ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا کریں تو دوسری طرف اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں جس کے صلہ میں دنیا وآخرت کی سرفرازیاں انہیں نصیب ہوتی ہیں۔ارشاد ہوتا ہے

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾

[البقرۃ :۸۲]

”اور جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے اور ہمیشہ اس میں (خوشی کی) زندگی گزاریں گے۔“

یہ اخروی انعام کی نوید ہے تو دنیا کے انعام کی خوشخبری یہ ہے۔:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ﴾[النور:۵۵]

”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے،ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

ان کو ملک کا حاکم بنادے گا۔جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اوران کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم وپائدار کرے گااور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔''

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کی نیکیوں کے ثمرات وبرکات کا ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض انہیں زمین پر خلافت عطا کرتا ہے۔دین پر مضبوطی اور استقامت کی توفیق بخشتا ہے اور زندگی میں انہیں دشمنوں کے خوف سے نیز معاشی بحران کے خوف سے نجات دے کر امن وخوش حالی سے ہمکنار کرتا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عہد سعادت اس کی عمدہ مثال ہے دین کے لیے ان کی محنت وخدمت کی وجہ سے اسلام تیزی سے مشرق ومغرب میں پھیلا،قیصر وکسری جیسی قوت والی مضبوط ترین حکومتیں بھی مسلمانوں کی عظمت وشوکت کے آگے نہ ٹھہرسکیں۔اور انہیں بھی مغلوب ہونا پڑا۔مسلمان جہاں کہیں گئے ظلم وستم کو مٹایا،عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کی۔اسلامی حکومت کا مشن بھی درحقیقت یہی ہے۔ارشاد ہوتا ہے :

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝﴾ [سورة الحج : ٤١]

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگرہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز اور زکاۃ کا نظام قائم کریں، نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں کو مٹائیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

سرزمین پاکستان بھی مسلمانوں کی بے پناہ جانی ومالی قربانیوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام تھا تاکہ یہاں وہ شریعت کا قانون جاری وساری کرسکیں اور لوگوں کو اس نظام رحمت میں عزت وآبرو اور جان ومال کا تحفظ مل سکے۔مگر کیا کہیے کہ بعض اوقات فخر وغرور احسان فراموشی کا سبب بن جاتا ہے پھر اس کے نتیجہ میں نکبت وزوال کا دورشروع ہوجاتا ہے۔

حصولِ آزادی کی تاریخ تو بڑی روشن اور تابناک ہے۔مگر آزادی ملنے کے بعد سے اب تک کی تاریخ بڑی بے مقصد اور تاریک ہے اس لیے کہ شرعی نظام کے بغیر ہی ملک چلتا رہا ہے اس نظام کو قائم کرنے کے لئے بے شمار قربانیاں دی گئی تھیں اور وطن کی زمین حاصل کی گئی تھی مگر افسوس کہ یہاں پر نہ تو قانون کوعملا بالادستی حاصل ہوسکی اور نہ ہی افرادقوم کی صحیح تعلیم وتربیت ہی ہوسکی۔نتیجہ اخلاقی زوال شروع ہوا سقوطِ ڈھاکہ بھی اسی اخلاقی زوال کا سبب ہے۔اور معاشرہ میں جو بے شمار برائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں پر قانون کو بالادستی حاصل نہیں ہے،عدل وانصاف کی حکمرانی کا فقدان ہے۔نیز لوگ صالح تعلیم وتربیت سے محروم ہیں۔

اب جب کہ شریعت بل منظور ہو چکا ہے اس کے نفاذ میں تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔ ہر طلوع ہونے والے دن میں کوئی پیش رفت ہونی چاہئے۔ بے حیائی اور ظلم کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ اخبارات میں شور بپا ہو جائے کہ فلاں مجرم کو اس جرم کی پاداش میں یہ سزا دی گئی محض زبانی جمع خرچ کہ شریعت بل پاس ہو گیا ہے کسی طرح بھی سودمند نہ ہوگا۔ مجرموں کو جب تک عبرت ناک سزائیں نہ دی جائیں گی کبھی بھی امن وسکون قائم نہ ہو سکے گا۔ ان سینماؤں نے جو بے حیائی پھیلا رکھی ہے اور بے حیائی کے بورڈ جگہ جگہ جو آویزاں ہیں وہ فوری طور پر اتروائے جائیں ٹی وی اور ریڈیو کے پروگراموں کی تطہیر ہو جائے۔ عزت وآبرو لوٹنے والوں کو چوراہوں پر درے لگنے شروع ہو جائیں، قاتلوں کو جرم کا ثبوت ملتے ہی شہر کی اہم جگہوں پر قتل کے بدلے قتل کیا جائے، چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں زانیوں کو سنگسار کیا جانے لگے، رشوت خوروں اور دھوکہ بازوں کو سزائیں دینے کا آغاز ہو جائے شراب کے رسیوں کو کوڑے لگائے جائیں۔ پھر تو سمجھیں گے کہ شریعت بل صرف کاغذ نہیں بلکہ عملاً منظور ہوا ہے۔ ارباب اقتدار اس حدیث مبارکہ پر غور فرمائیں اور شریعت بل کے عملا نفاذ کا اہتمام کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی صورتوں اور مال وجاہ کو نہیں آپ کے دل اور نیت کی پاکیزگی اور آپ کے عمل کو دیکھتا ہے۔

دعاو التجاء:

”رَبِّ اغْفِرْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ“

”اے ربّ: بخش دیجئے اور رحم فرمائیے آپ ہی سب سے بہتر رحم کرنے والے ہیں“

اسلام پر لبیک کہنے والے کہاں ہیں؟

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: « ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَّضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا » [رواہ مسلم]

”سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ حلاوتِ ایمان سے وہ شخص بہرہ ور ہوا جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور ہادی و رہبر ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔“

دولت ایمان سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ہی زندگی میں انقلاب آ جاتا ہے۔ عقیدہ ویقین بدلتا ہے۔ سوچ اور فکر کے دھارے تبدیل ہو جاتے ہیں اخلاق اور اعمال سنورتے ہیں خواہشات

اور تمنائیں بدل جاتی ہیں گویا کہ زندگی ایک نئے سانچے میں ڈھلتی ہے اب بندہ مؤمن خواہشات کی غلامی سے نکل کر صرف اور صرف ربّ تعالیٰ کی غلامی میں آ جاتا ہے اور اس کے دل کی گہرائی سے یہ صدا آتی ہے۔

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾[الانعام:۱۶۲]

"کہہ دیجئے کہ میری نماز اور عبادت، میرا جینا اور مرنا سب کچھ جہانوں کے پالنہار ہی کے لئے ہے۔"

اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم کرنے کے معنی ہیں کہ بندہ اس کے احکام اور اس کی مرضیات، اس کے اوامر اور اس کے نواہی کو ہر وقت اور ہر حال میں دل وجان سے بجالائے اور جونہی آقا کا کوئی حکم ملے غلام اس کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے:

﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [البقرۃ:۱۳۱]

"جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ مطیع اور فرمانبردار بن جاؤ تو انہوں نے عرض کی میں ربّ العالمین کے آگے سرِ اطاعت خم کرتا ہوں۔"

ربّ کائنات نے زندگی گزارنے کا مکمل پروگرام عطا کیا ہے جس کا نام اسلام ہے فرمایا:

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾[آل عمران:۱۹]

"دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے"

زندگی کے اس لائحہ عمل کو اپنانے والوں کا نام اس نے خود ہی تجویز کر دیا ہے۔

﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾[الحج:۷۸]

"اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے"

مسلمان کے معنی ہی ربّ کائنات کا مطیع وفرمانبردار بندہ کے ہیں اور مسلمانوں کے لئے آئیڈیل اور نمونہ جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾[الاحزاب:۲۱]

"اور یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے"

اس قدر محسن اور مہربان پروردگار کا عطا کردہ اتنا روشن اور واضح دستور حیات اور اس پر عمل کرنے والے صالح اور فرماں بردار بندے کا اسوہ حسنہ اتنا صاف اور پاکیزہ، روشن اور بے داغ ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو تشنہ نہیں پھر بھی کوئی بھٹکتا پھرے تو یہ اس کی کتنی بڑی بدنصیبی ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آج کا مسلمان اپنے پاس مصفی روشنی رکھنے کے باوجود تاریکیوں میں مارا مارا پھر رہا ہے اور واضح ہدایت رکھنے کے باوجود گمراہیوں میں دربدر ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس نے اپنا ربّ مانا ہے، مگر اس کے احکام سے روگردانی کی ہے، مثلاً دیکھئے کہ اس کا کتنا روشن حکم ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾[آل عمران:۱۰۳]

''اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت) رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور متفرق نہ ہو۔''

مگر ہم خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے مختلف ٹولیوں اور دھڑے بندیوں کا شکار ہوگئے ہیں اور آپس میں نفرتیں اور عداوتیں پیدا ہوچکی ہیں۔ نتیجتاً ہماری قوت پارہ پارہ ہے اور نیکی غالب نہیں ہوتی ہے جب کہ ہمارے اسلاف کی تمام تر کامیابیوں کا راز آپس کے اتحاد ومروت میں تھا وہ اللہ کا نام لے کر جدھر جاتے تھے حق کا بول بالا ہوتا تھا۔

تم آپس میں غضب ناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطابیں، وہ خطا پوش وکریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم [اقبال]

یہ ٹھیک ہے کہ ہم مسلمان ہیں مگر اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی جھلک ہماری انفرادی واجتماعی زندگیوں میں نظر نہیں آتی، دنیائے فانی کے عارضی فائدہ کے لئے ہم اخلاقی حدود کو پامال کردیتے ہیں۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ رشوت لینا اور دینا گناہ کے کام ہیں اور آخرت میں اس کی سخت سزا ہے مگر دل کو سمجھا دیتے ہیں کہ اب موقع سے فائدہ اٹھالو۔ پھر اللہ کے حضور توبہ کرلینا، یہ حیلے اور بہانے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہیں اور ایسے بہانہ تراش سزا سے بھلا کیسے بچ سکتے ہیں؟

اسلام کی سیدھی اور سچی راہ ایک ہی ہے وہ بیّن اور واضح ہے، اس میں کوئی ٹیڑھ میڑھ نہیں ہے اس کے علاوہ جو بھی راہیں ہیں، ضلالت وگمراہی کی ہیں، کفر اور نفاق کی ہیں۔ جس کا نتیجہ تباہی وبربادی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝﴾ [الانعام:۱۵۴]

''اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی (اسلام) ہے تو تم اس پر ہی چلنا اور اس کے علاوہ دوسرے

راستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ان باتوں کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

اسلام روشن ہے اور اس روشنی میں چلنے والا اپنے ربّ کی طرف سے انشراح صدر سے ہمکنار ہوتا ہے۔فرمایا:

﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ [الزمر:۲۲]

''بھلا جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہوتا ہے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل جہان کے لیے ایسے روشن آفتابِ ہدایت ہیں جو کبھی ماند نہیں پڑتا ہے۔ارشاد ہوا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ ﴾ [الاحزاب:۴۵-۴۶]

''اے پیغمبر! ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا اور روشن آفتاب (ہدایت) بنا کر بھیجا ہے۔''

میں بار بار سوچتا اور غور کرتا ہوں کہ اس قدر واضح اور روشن ہدایت پانے کے باوجود آج مسلمان کیوں بھٹک رہا ہے۔جب کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وعدہ بھی ہے۔

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ [الروم:۴۷]

''اور مؤمنوں کی مدد ہم پر لازم تھی''

اگر ہم سچے اور اچھے مؤمن بن کر اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد ہمیں ملے گی۔جس طرح کہ ہمارے اسلاف اس کی مدد سے کامیاب و کامران ہوئے، کیا اسلام پر لبیک کہنے والے غور کریں گے کہ ان میں کیا کیا خامیاں اور کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں۔جنہیں وہ دور کرکے پھر سے دنیا و آخرت کی سرفرازیاں حاصل کرسکیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں فہم و بصیرت عطا کرے۔آمین

دعا و التجاء:

« رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ وَاَجِبْ دَعْوَتِيْ وَثَبِّتْ حُجَّتِيْ وَسَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ »

''اے میرے ربّ آپ میری توبہ قبول فرمائیے میرے گناہوں کو دھو ڈالیے اور میری

دعا قبول فرمایئے اور میری حجت کو ثابت کر دیجیے اور میری زبان کو صاف گو بنا دیجیے اور میرے دل کو ہدایت سے بہرہ ور فرمایئے اور میرے سینے کی میل کچیل کو صاف کر دیجیے۔''

سدا بہار نیک اعمال

وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: «اِسْتَکْثِرُوْا مِنَ الْبَاقِیَاتِ الصَّالِحَاتِ قِیْلَ: وَمَا هُنَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلتَّکْبِیْرُ، وَالتَّهْلِیْلُ وَالتَّسْبِیْحُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ»

[مسند احمد بحوالہ نضرة النور۔ از مصطفی محمد عمارہ]

''سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ہمیشہ قائم و دائم رہنے والے نیک اعمال کثرت سے سرانجام دو! پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کونسے ہیں؟ ارشاد ہوا: اَللّٰهُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ''لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کا ورد کرنا۔''

دراصل زندگی کی قدر و قیمت طولانی عمر سے نہیں بلکہ اعمالِ صالحہ سے پڑتی ہے۔ کسی شخص نے مختصر زندگی پائی اور اسے اللہ تعالیٰ کی یاد اور خدمتِ خلق سے آراستہ کر لیا تو وہ اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جس نے طویل زندگی پائی مگر اسے لہو و لعب میں برباد کر ڈالا۔ غور کیجیے کہ ایک پھول کی زندگی کتنی مختصر ہوتی ہے مگر اختصارِ وقت کے باوجود اس کی خوبصورتی چمن کی زینت اور اس کی مہک دل و دماغ کے لیے فرحت کا سامان ہوتی ہے اور وہ کبھی ہار کی شکل میں گلے کی زیبائش اور کبھی گلدستہ کی شکل میں محفلوں میں باعثِ آرائش ہوتا ہے۔ اس کے برعکس خاردار جھاڑیاں سالہا سال سے بکھری پڑی رہتی ہیں جن سے الجھ کر کبھی تو انسانوں کے کپڑے پھٹتے ہیں اور کبھی ان کے پاؤں زخمی ہو جاتے ہیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

قرآن ہمیں پستیوں سے نکال کر بلندیوں سے ہمکنار کرتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ تم نیکیوں کی طرف دوڑ

لگاؤ۔

﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾ [البقرة: ١٤٨]

وقت تیزی سے گزر رہا ہے تم لمحاتِ زندگی سے بھر پور فائدہ اٹھاؤ، مال اور اولاد تو محض دنیا کی زیب و زینت ہے۔ اصل چیز تو ایسے اعمال ہیں جن کا اجروثواب ہمیشہ قائم رہتا ہے۔

﴿ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ ﴾ [الكهف: ٤٦]

”مال اور بیٹے محض دنیا کی زیب و زینت ہیں اور سدا بہار نیکیوں کا تیرے ربّ کے ہاں بہتر بدلہ اور (انعام کی) بہتر توقع ہے۔“

قائم و دائم رہنے والے اعمال کی فہرست بڑی طویل ہے۔ شریعت اسلامیہ نے جن اعمال کا حکم دیا ہے، وہ یقیناً سدا بہار ہیں اور جن سے منع کیا ہے ان کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہے، اس بات کو اختصار سے بیان کیا جائے تو یوں سمجھئے کہ بندگیٔ ربّ اور خدمتِ خلق سے نیکی کا بلند مقام حاصل ہوتا ہے۔

زیر مطالعہ حدیث میں یہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، تحمید وتقدیس ہمیشہ رہنے والے اعمال ہیں اور ان کلمات کو پورے شعور اور احساسِ بندگی سے ادا کرنا چاہیے۔

جب بندے کی زبان سے اللہ اکبر ادا ہو تو اس یقین کے ساتھ کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ کبریائی اور بڑائی کے لائق صرف وہی ہے جب زبان لا الٰہ الا اللہ کا وِرد کرے تو اس یقین و ایمان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا، مشکل کشا، داتا و دستگیر، گنج بخش، غوث اعظم، غریب نواز، بگڑی بنانے والا اور معبود و مالک نہیں ہے۔ جب بھی دعا مانگے یا مدد کے لیے غائبانہ پکارے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرے۔ تمام جن و انس اکٹھے ہو جائیں اور کسی شخص کو کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر رائی برابر بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر سارے جن و انسان اکٹھے ہو جائیں اور کسی کو تھوڑا سا بھی نقصان پہنچانا چاہیں تو مالک کی مرضی کے بغیر رائی برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ عزت و ذلت، موت و حیات صرف اور صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اس تمام کائنات کا تنہا مالک ہے۔ کوئی اس کے کام میں دخیل اور حارج نہیں ہو سکتا ہے۔ کیا نبی اور کیا ولی سب اس کے حضور بے کس اور بے بس ہیں اور سب اس کے در کے فقیر ہیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ ﴾ [فاطر: ١٥]

”اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو۔ اور وہ (ہر چیز سے) بے نیاز اور حمد کے لائق ہے۔“

کون ہے جو اس کے حضور بغیر اس کی اجازت کے لب کشائی بھی کر سکے؟

﴿ مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ [البقرہ: ۲۵۵]

”کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے؟“

مصائب و مشکلات کے بھنور سے اس کے سوا اور کوئی نکال سکتا ہے؟ اور بھلائی اور اچھائی سے اس کے سوا کون ہمکنار کر سکتا ہے؟

﴿ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [الانعام: ۱۷]

”اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس تکلیف کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی تجھ سے بھلائی کرنا چاہے تو بھی وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

آپ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے:

« اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ » [تیسیر القرآن، مولانا عبد الرحمن کیلانی ۔ مسلم]

”اے اللہ ! جو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں جو تو روک لے ۔ اُسے کوئی دینے والا نہیں اور کسی صاحب حیثیت کو اس کی حیثیت تیرے مقابلے میں نفع نہیں دے سکتی۔“

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ﴾

[البقرہ: ۱۸۶]

”جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو (کہہ دیں) میں قریب ہوں ۔ جب بھی دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے۔ میں دعا قبول کرتا ہوں۔“

اس آیہ مبارکہ سے قبل رمضان المبارک کی فضیلت اور روزوں کے مسائل کا ذکر ہے۔ آیہ مبارکہ میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ رمضان میں دعا کی بڑی اہمیت ہے ۔ خاص طور پر روزہ افطار کرتے وقت، رات کے آخری حصے میں اور رمضان کے آخری عشرہ میں۔ دوسری عبادات کی طرح اس عبادت کا بھی خوب التزام کرنا چاہیے۔ دعا کی شرائط اور آداب سے آگاہی حاصل کرنی چاہیے۔

[حاشیہ تیسیر القرآن۔ عبد الرحمن کیلانی رحمہ اللہ]

شعبان کے آخر میں جناب رسول اللہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں چار باتوں کے خصوصی التزام کی تاکید فرمائی تھی۔

« اِسْتَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ خَصْلَتَيْنِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ : فَشَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَتَسْتَغْفِرُوْنَهُ وَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا : فَتَسْأَلُوْنَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعُوْذُوْنَ بِهٖ مِنَ النَّارِ » [الترغیب والترھیب۔ کتاب الصوم]

”اس ماہ میں چار باتوں کا بہت زیادہ خیال کرو۔ ان میں سے دو باتیں ایسی ہیں جن سے ربّ کی رضامندی ملے گی۔(پہلی بات یہ ہے کہ) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا وِرد کثرت سے کرو (دوسری بات یہ ہے کہ) تم اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو(یعنی استغفر اللّٰہ کثرت سے پڑھو) اور دو باتیں ایسی ہیں جن سے تم کسی طرح بھی بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ (پہلی یہ کہ) اللہ تعالیٰ سے جنت طلب کرو« اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ الْفِرْدَوسَ الْاَعْلیٰ » اور (دوسری یہ کہ) جہنم سے بچنے کے لیے ربّ تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ۔

(اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ) بہتر یہ ہے کہ اس دعا میں اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو بھی شامل کر لیجیے اور یوں مانگیے: « اللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ الْفِرْدَوسَ الْاَعْلیٰ»
اے اللہ ! ہم تجھ سے جنت کا سوال کرتے ہیں۔“

« اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ»
”اے اللہ! ہمیں آتش جہنم سے رہائی عطا فرما۔“

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

زندگی واقعی بڑی مختصر ہے ۔اسے قیمتی اور وقیع بنانے کے لیے اس سے زیادہ سے زیادہ کام لیجیے۔ ہر صبح نئے عزم اور نئے جوش سے جاگیے۔ نمازوں کی پابندی کیجیے کہ نماز بھی اللہ تعالیٰ کا بہترین ذکر ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ ﴾ [طٰهٰ:١٤]
”اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔“

اللہ تعالیٰ کی کتاب غور و فکر سے پڑھنا اور اس کے احکام کو حرزِ جان بنانا بھی ذکر ہے۔

﴿ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ [البقرہ: ٦٣]

''(اے اہل کتاب) جو کتاب ہم نے تمھیں دی ہے، اس پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونا اور جو احکام اس میں ہیں انھیں یاد رکھنا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔'' (اور نجات تو اہل تقویٰ کے لیے ہے)

اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، سواری پر، گاڑی پر، ہوائی جہاز پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، تحمید و تقدیس سے زندگی کے لمحات قیمتی بنتے جاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے ابرار و صالحین بندوں کی صفات ہیں کہ وہ اپنے مولا و مالک کو کبھی نہیں بھولتے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ [آل عمران: ١٩١]

''وہ جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔''

اور پھر ربّ کریم ایسے بندوں کو کبھی فراموش نہیں فرماتا۔

﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ [البقرہ: ١٥٢]

''تم مجھے یاد رکھو میں تمھیں یاد رکھوں گا۔''

سبحان اللہ! وہ ربّ کریم کیسا مہربان ہے!

« رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ »

''اے میرے ربّ مجھے اپنے ذکر، شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔'' آمین

دعا والتجاء:

« رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ »[النمل: ١٩]

''اے میرے ربّ! آپ مجھے توفیق دیجیے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہیں اور مجھے اس بات کی توفیق دیجیے کہ میں نیک عمل کرتا رہوں جس پر آپ راضی ہو جائیں اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں داخل فرمایئے۔''

بلندی کی راہیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ :
« مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ »

[رواه مسلم= كتاب البر والصلة والآداب: باب استحباب العفو والتواضع، رقم الحديث: ٤٦٨٩]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صدقہ و خیرات کرنے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔اورعفو ودرگزر سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے اورکوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اور عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلندی ہی عطافرماتا ہے۔''

حدیث کا نفسیاتی پہلو:

تہذیبِ نفس سے ہی انسان شرف وکمال حاصل کرتا ہے۔وہ اگر رذائل کو چھوڑ دے اورفضائل اختیار کرلے تو انسانیت کے بلند مقام پرفائز ہوجاتا ہے۔اور دین ودنیا میں فوزوفلاح سے ہمکنار ہونے کی امید روشن ہوجاتی ہے ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [التغابن: ١٦]

''اورجوشخص طبیعت کے بخل سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''

اور دیکھئے تہذیبِ نفس سے کامیابی کوصرف ایک جملے میں سمیٹ دیا ہے۔

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴾ [الشمس: ٩]

''لاریب وہ کامیاب ہوگیا جس نے اسے سنوارلیا''

حدیث مذکورہ کی پہلی بات میں صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب ہے۔ظاہری آنکھ یہی دیکھتی ہے کہ غرباء ومساکین کو مال عطا کرنے پراس میں کمی واقع ہوجائے گی،مگرحقیقت میں اس شخص کے مال میں دنیا میں بھی خیروبرکت حاصل ہوتی ہے اورآخرت میں تو لازوال اجروثواب کا اضافہ ہوتا ہے۔

﴿ وَمَا اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴾
[الروم: ٣٩]

''اورجوتم زکوۃ دیتے ہو اس سے اللہ کی رضامندی طلب کرتے ہوتو وہ (موجب برکت

ہے) اور ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) کئی گنا کرنے والے ہیں۔''

پھر دیکھئے جب ہاتھ اللہ کی راہ میں کشادہ ہوجاتا ہے تو نفس سے بخل ایسی بری عادت جاتی رہتی ہے اور انفاق فی سبیل اللہ سے دل کو طمانیت اور سرور حاصل ہوتا ہے۔اور اطمینان قلب اتنی بڑی دولت ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت ہیچ ہے، پھر ایسے شخص کو خرچ کرنے میں ایسی لذت نصیب ہوتی ہے کہ تنگی اور ترشی میں بھی وہ راہ حق میں خرچ کرتا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر:٩]

''اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (غرباء اور مساکین کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔''

اس صحابی رضی اللہ عنہ کا کتنا بڑا ایثار تھا، جس نے اپنی اہلیہ سے کہا تھا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی مہمان نوازی کرو۔حدیث مبارک میں دوسری بات لوگوں سے عفو و درگذر کی تلقین ہے (دراصل یہ وہ صفت ہے کہ اس کے اظہار سے بسا اوقات دشمن بھی دوست بن جاتا ہے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے کئی واقعات ملتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے دشمنوں کو معاف کردیا بلکہ ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔فتح مکہ کے موقع پر جس فراخدلی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ کو معاف کیا وہ تاریخ انسانیت کی نادر مثال ہے۔نتیجتاً نہ صرف لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہوئے بلکہ قرآن نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ اعلان فرمایا کہ آپ اخلاق کی عظیم چوٹیوں پر فائز ہیں۔

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ [القلم:٤]

''اور بے شک آپ تو اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں''

قرآن حکیم کی زندہ جاوید تعلیم یہی ہے کہ تم برائی کا جواب بھلائی سے دو۔

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ ﴾

[حم السجدہ:٣٤]

''تم (سخت کلامی) کا ایسے طریقے سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھوگے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا کہ وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔''

حدیث مبارک میں تیسری بات تواضع اور عاجزی اختیار کرنے کے لیے ارشاد فرمائی گئی۔اس سے نرم دلی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تکبر اور غرور سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔سیدنا آدم اور بی بی حوا علیہما السلام سے بھول

ہوگئی تو دل میں ندامت پیدا ہوئی اور وہ عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے تو نہ صرف ربّ کریم نے انہیں معاف فرمادیا بلکہ عزت اور سربلندی بھی عطا فرمائی۔اس کے برعکس ابلیس بوجہ تکبر اور غرور کے ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار ہوا۔

حدیث مبارک کا معاشرتی پہلو:

حدیث مذکورہ پر عمل کرنے سے،معاشرتی زندگی بہت سی خرابیوں سے محفوظ ہو جاتی ہے۔صدقہ وخیرات سے مال ودولت کا ارتکاز نہیں ہوتا۔جس طرح چشمے کا پانی رواں رہے تو اس میں تعفن پیدا نہیں ہوتا۔اسی طرح وہ مال جو گردش میں رہے معاشرے میں طہارت اور پاکیزگی کا سامان بنتا ہے فقراء اورمساکین کا افلاس اورتنگدستی دور ہوجاتی ہے، چوری ڈکیتی ایسی معاشرتی برائیاں جنم نہیں لیتی ہیں۔ دولتمندوں کوحکم ہے کہ فقراء،مساکین،بیوگان اور یتامیٰ کی خدمت کرتے رہیں۔

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ [الحشر:۷]

’’(اور دیکھو یہ مال)جو دولت مند ہیں صرف انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے (بلکہ یہ غرباء ومساکین میں گردش کرے)‘‘

عفو ودرگزر سے معاشرے میں بہت سے لڑائی جھگڑے ختم ہوجاتے ہیں۔قرآن نے کتنے خوبصورت انداز میں اس کی تعلیم دی ہے:

﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

[آل عمران:۱۳۴]

’’اور غصے کو پی جانے والے اورلوگوں کے قصور معاف کرنے والے تو اللہ ایسے ہی محسنوں کو دوست رکھتا ہے۔‘‘

عفو ودرگذر سے معاشرتی زندگی میں مہر ومحبت کی خوشبو پھیلتی ہے اور امن وسکون قائم ہوتا ہے، جو اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ لوگ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ترقی کریں۔

ہمارا معاشرہ:

ہماری معاشرتی زندگی میں اسلامی اقدار غائب اور ناپید ہوچکی ہیں۔صدقہ وخیرات کرنا تو بڑی اونچی بات ہے۔زکوۃ جو ہرصاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے وہ نہ ترتیب سے ادا کی جاتی ہے اور نہ ہی حکومت کی طرف سے اسے کوئی ایسا محکمہ ہے جو سلیقے سے جمع کرے اور احتیاط سے انہیں غربا اور مساکین میں تقسیم کرے۔

ہمارے علم میں ہے کہ ماہ رمضان میں بینکوں میں زکوۃ کی کٹوتی ہوتی ہے تعجب کی بات ہے کہ

تاجر پیشہ لوگ جن کا کرنٹ اکاؤنٹ ہوتا ہے۔زکوۃ سے چھوٹ جاتے ہیں اور ملازم پیشہ افراد سے جن کا عام طور پر سیونگ اکاؤنٹ ہوتا ہے زکوۃ کی رقم کاٹ لی جاتی ہے اور پھر اس کی تقسیم میں حزم واحتیاط کا کوئی اصول نہیں ہے پھر دیکھئے امیر لوگ شادی بیاہ کے وقت مال ودولت کو فراوانی سے لٹاتے ہیں جس میں مختلف قسم کا بے جا اسراف ہوتا ہے۔کیا ان کی سادگی سے کئی غریب اور یتیم بچیوں کی شادی نہیں ہوسکتی؟ پھر دیکھئے ہماری معاشرتی زندگی میں عفو ودرگزر اور تواضع اور عاجزی کا کتنا فقدان ہے جس سے پورا ملک فتنہ وفساد کی لپیٹ میں آچکا ہے۔

آیئے قرآن وسنت کی پاکیزہ تعلیمات کو اپنا کر اپنی زندگیوں کو خوشگوار بنالیں۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اَغْنِنَا بِالْعِلْمِ وَ زَیِّنَّا بِالْحِلْمِ وَاَکْرِمْنَا بِالتَّقْوٰی وَجَمِّلْنَا بِالْعَافِیَةِ »

”اے اللہ ہمیں علم کے ذریعے (دنیا سے) بے نیاز کردے اور حلم سے مزین کردے اور تقویٰ سے عزت دے اور عافیت سے ہمیں جمال عطا فرما۔“

محبتِ الٰہی کا حصول

رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ »

[جامع ترمذی۔ بحوالہ اسلامی وظائف،مولانا عبدالسلام بستوی]

”اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں، اور آپ کے چاہنے والوں کی محبت اور ایسا عمل (کرنے کی توفیق) چاہتا ہوں جو مجھے آپ کی محبت کی طرف لے جائے۔ الٰہی! آپ اپنی محبت مجھے میری جان و مال، اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب کردیجیے۔“

بندۂ مؤمن کی تمام امیدوں، سہاروں، تمناؤں اور دنیا و آخرت کی کامیابیوں کا مرکز صرف ذاتِ واحد ہے۔

﴿ اِنَّمَآ اِلٰھُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾ [طٰہٰ: ۹۸]

”تمہارا معبود برحق تو صرف وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔“

چنانچہ بندوں پر لازم ہے کہ اس ربّ کریم کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کے احکام دل و جان سے بجا لائیں، اس پر ایمان لائیں تا کہ وہ ابدی ہدایت سے ہمکنار ہو جائیں۔

یہ احکام اس نے اپنی روشن کتاب قرآن حکیم میں بتلا دیئے ہیں اور اس پر خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ نے عمل کر کے بہترین اسوہ اور نمونہ قائم فرما دیا ہے۔

ان میں چند احکام کی پابندی سے، اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

اتباع رسول ﷺ:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [آل عمران:٣١]

''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اللہ بہت بخشنے والا رحیم ہے۔''

صبر کرنے والے:

دشمن کے مقابلے میں، بیماریوں، دکھوں اور تکلیفوں میں ثابت قدم رہنے والوں کو یہ خوشخبری دی جا رہی ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [آل عمران: ١٤٦]

''(ایسے ہی) ثابت قدم رہنے والوں کو اللہ پسند فرماتا ہے۔''

نیکی پر چلنے والے:

جو استقامت کے ساتھ نیکی پر ڈٹے رہے، ان کو یہ مژدہ جانفزا سنایا جا رہا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [آل عمران:١٤٨]

''اور اللہ ایسے ہی نیک عمل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''

انصاف کرنے والے:

جو لوگ اپنوں اور غیروں میں، دوست اور دشمن میں حق اور انصاف کی بات کہتے ہیں اور کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے بلکہ ظلم و زیادتی کو روکتے ہیں۔ ان کے بارے میں اعلان ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ [الحجرات :٩]

''اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

تقویٰ اختیار کرنے والے:

جن کے دلوں میں ہر حال اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف جاگزیں رہتا ہے اور وہ اس کی نافرمانی سے بچتے ہیں:

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ [آل عمران:٧٦]

''تو اللہ تعالیٰ متقین کو پسند فرماتا ہے۔''

لوگوں سے درگذر کرنے والے:

جو غصہ پی جاتے ہیں اور غیظ وغضب کے وقت لوگوں سے درگذر کرتے ہیں، وہ رتبۂ احسان پر فائز ہوجاتے ہیں۔

﴿ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

[ال عمران : ١٣٤]

''جو غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ ایسے ہی نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔''

پاکیزگی اختیار کرنے والے:

وہ لوگ جن کے باطن شرک وکفر، اور حسد وبغض ایسی غلاظتوں سے مبرا اور جن کے ظاہر نجاست اورگندگی سے مصفّٰی ہوتے ہیں۔

﴿ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ [التوبہ: ١٠٨]

''ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی اختیار کرنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

ایسے ابرار وصالحین کی چند مزید صفات اس طرح بیان ہورہی ہیں۔

﴿اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [التوبہ: ١١٢]

''(وہ مؤمن اپنی خطاؤں پر اللہ تعالیٰ کے حضور) توبہ کرنے والے عبادت گذار، (رب کریم کی) حمد وثنا کرنے والے، روزہ دار، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کام کا حکم

دینے والے، برے کام سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں، ایسے مؤمنوں کو (اللہ کی رحمت اور اس کی جنت کی) خوشخبری دیجیے۔''

حقیقت یہ ہے کہ مؤمنوں کی محبت اللہ تعالیٰ سے سب سے بڑھ کر ہوتی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ [البقرہ:١٦٥]

''اور اہل ایمان سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے اسی کی یاد میں زندگی گزارتے ہیں۔''

﴿ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ ﴾ [آل عمران:١٩١]

''جو اٹھتے بیٹھتے، اور لیٹتے (ہر وقت اور ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں۔''

اب آیئے چند وہ باتیں بھی جانتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس کی محبت سے دوری ہو جاتی ہے۔

حدود سے بڑھنے والے:

حدود انسان کو ضابطۂ اخلاق کا پابند بناتے ہیں۔ مثلاً حلال اور حرام باتوں کی اسلام نے وضاحت کر دی ہے اور کسی کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دے، عدل و انصاف کا معاملہ ہو تو دشمن کے ساتھ بھی اسے روا رکھا جائے گا۔ گواہی اور شہادت کی بات ہو تو اپنے عزیز و اقارب یا اپنے خلاف بھی دینی پڑے تو دی جائے گی، اور کسی پر ظلم و زیادتی کو اچھا نہیں سمجھا جائے گا۔

﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ [المائدہ:٨٧]

''اور حد سے نہ بڑھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔''

شرک سب سے بڑا ظلم ہے:

اس پوری کائنات کا تنہا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے۔ زمین و آسمان پر صرف اسی کی بادشاہت ہے۔ موت و حیات، عزت و ذلت صرف اسی کے ہاتھ میں ہے، انسان کو جسم و جان اور عقل و فکر کی صلاحیتیں اسی نے عطا کی ہیں، پھر ان گنت نعمتیں جنہیں وہ شب و روز استعمال کرتا ہے، اسی کی عطا و بخشش ہے، جب یہ سب کچھ ربّ کائنات کی کرشمہ سازیاں ہیں تو شکر بھی اسی کا ہونا چاہیے اور یہ جبین نیاز اسی کی چوکھٹ پر جھکنی چاہیے، اور اس کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک کرنا تو سراسر جہالت اور ظلم ہے۔

﴿ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان:١٣]

''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

اترانے والے:

جو لوگ مال و دولت کے گھمنڈ میں اور زور و زر کے غرور میں اللہ کی زمین پر اتراتے پھرتے ہیں اور جاہ و مال کے حصول میں دوسروں پر ظلم و ستم ڈھانے کی بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴾ [القصص:٧٦]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

زمین پر فساد پھیلانے والے:

یہی لوگ جب سرکشی پر اترتے ہیں تو زمین پر فساد پھیلاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتے ہیں۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ [القصص:٧٧]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

ناشکرے اور بدعمل انسان:

انسان اس کائنات میں اشرف المخلوقات میں سے ہے۔ اس کی تمام تر عزت و عظمت شکر گزاری اور اعمال حسنہ میں پنہاں ہے۔ جس سے وہ دین و دنیا میں تمام سرفرازیاں حاصل کرتا ہے۔ جب کہ ناشکری اور برے اعمال اسے قعرِ مذلت میں گرا دیتے ہیں۔

﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴾ [البقرہ:٢٧٦]

''اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔''

ظلم کرنے والے:

جو لوگ ناحق کسی کے جان و مال پر ہاتھ صاف کرتے ہیں اگرچہ وہ قانون کی زد سے بچ نکلتے ہیں، مگر عذاب آخرت سے ان کا بچنا مشکل ہی نہیں محال ہے، یاد رکھئے زندگی کا ہر ہر لمحہ ریکارڈ ہو رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [آل عمران:٥٧]

’’اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔‘‘

تکبر اور خود پسندی:

تکبر اور بخل انسانی شرف کے خلاف اعمال ہیں۔ یہ تو شیطان کے اوصاف ہیں اسی بنا پر وہ ربّ کائنات کے دربار سے راندہ گیا، اس کے برعکس شرف انسانیت عجز اور سخاوت میں نمایاں ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ ﴾ [النساء:٣٦]

’’بے شک اللہ تعالیٰ مغرور اور خود پسند بننے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔‘‘

خائن اور گنہگار:

جہاں کسی کے مال میں دھوکہ فریب کرنا خیانت ہے، وہاں حق بات کو چھپانا بھی خیانت ہے، اس سے معاشرتی زندگی میں زبردست بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝ ﴾ [النساء :١٠٧]

’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے مجرموں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

فضول خرچی کرنے والے:

اعتدال اور میانہ روی افراد یا اقوام کی معاش اور معیشت کو بحال اور برقرار رکھتی ہے۔ جب کہ اسراف وتبذیر اسے تنگدست اور کنگال بنا ڈالتی ہے، اسراف ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا جیسا کہ ہمارے یہاں شادی بیاہ کے مواقع پر امیر لوگوں کا دستور ہے اور تبذیر، ناجائز باتوں پر خرچ کرنا ہے جیسے یہاں پتنگ بازی پر ہر سال اربوں روپے ضائع ہو رہے ہیں، اگر صرف یہی رقم بچا لی جائے تو ہم بیرونی قرضہ جات سے نجات پا سکتے ہیں۔ مگر حال یہ ہے کہ حکومت بھی بسنت ایسے فضول تہوار منانے میں حصہ لیتی ہے، ملک نہ صرف اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے بلکہ اقتصادی طور پر بھی کنگال ہے، قرآن حکیم میں اسراف وتبذیر دونوں سے منع کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴾ [الاعراف:٣١]

’’اور کھاؤ، پیو لیکن اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ ﴾

[بنی اسرائیل:٢٧]

’’فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے ربّ کا ناشکرا ہے۔‘‘

میرے بھائی! یہ زندگی بڑی ہی عارضی اور ناپائیدار ہے کامیاب وہی ہے جو ہر وقت اور ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسوۂ رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتا ہے، وہ ابدی راحتوں سے ہمکنار ہوجاتا ہے اور ناکام وہی ہے جو اپنی جھوٹی آرزوؤں سے اس دنیا کو بساتا ہے اور دنیا کے عارضی چمکتے ہوئے سِکّوں کی خاطر اپنا ایمان اور اپنی آخرت برباد کر ڈالتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم روزانہ قرآن میں سے اور سیرت رسول ﷺ میں سے کچھ نہ کچھ ضرور مطالعہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے عمل کی توفیق طلب کریں۔

دعاوالتجاء:

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ»

”اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں اور آپ کے چاہنے والوں کی محبت اور ایسے عمل کی توفیق چاہتا ہوں جو مجھے آپ کی محبت کی طرف لے جائے۔ الٰہی! آپ اپنی محبت میرے جان و مال اور اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ مجھے عطا فرمایئے۔“

(آمین یا رب العالمین)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

” اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ “

کرے　گا　جو　کوئی　توبہ　گنہ　سے

تو　ہو　گا　وہ　برابر　بے　گنہ　کے

والدین کے ساتھ حسن سلوک

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ ؟ قَالَ :« اُمُّكَ » قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «اُمُّكَ» قَالَ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ :« اُمُّكَ» قَالَ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ « اَ بُوْكَ » [متفق علیه ۔ ریاض الصالحین باب بر الوالدین]

سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میرے اچھے برتاؤ کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ کہا پھر؟ فرمایا: تمہاری ماں۔ کہا پھر؟ فرمایا: تمہاری ماں کہا پھر؟ فرمایا تمہارا باپ"

اس حدیث مبارکہ پر بار بار غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بچوں کو پالنے پوسنے، ان کی تعلیم وتربیت اور دیکھ بھال میں ماں کی خدمات واحسانات باپ سے کہیں زیادہ ہیں، جو محنت ومشقت طلب بھی ہیں اور ایثار وقربانی سے بھرپور اور الفت ومحبت سے لبریز۔ اس لئے ماں کے ساتھ احسان ومروت بھی بڑھ گئے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ باپ سے نیک برتاؤ کو بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کیا گیا۔

بندگیٔ ربّ یعنی حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد میں سب سے پہلا حق والدین کا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ﴾ [البقرہ: ۸۳]

"تم لوگ اللہ تعالی کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور والدین سے اچھا سلوک کرو۔"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ﴾ [النساء : ۳۶]

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین سے اچھا سلوک کیا کرو۔''

اسلام کی بلند اور پاکیزہ تعلیمات نے والدین کے ساتھ حسن مروت کی ہر حال میں تلقین کی ہے، یہاں تک کہ اپنے ایمان وعقیدہ کو مضبوط رکھتے ہوئے غیر مسلم والدین سے بھی خیر و بھلائی سے پیش آنے کی نصیحت کی جا رہی ہے، غور کیجئے:

﴿ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا ‌ وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ ﴾ [لقمان - ۱۵]

اور اگر وہ (یعنی تمہارے والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو (اسلام وایمان پر قائم رہنا) اور انکا کہنا نہ ماننا، البتہ دنیوی معاملات میں ان سے بھلائی کے ساتھ رفاقت کرنا، مگر چلنا اس شخص کی راہ پر جس نے میری طرف رجوع کیا ہو......''

معلوم ہوا کہ عقیدہ اور ایمان ایسا مضبوط سہارا ہے جس پر بندۂ مؤمن کو کسی لمحہ کوئی آنچ نہیں آنے دینی چاہیئے وہ سب کو اور سب کچھ چھوڑ دے سب سے روٹھ جائے، مگر اپنے ربّ کی بندگی کبھی نہ چھوڑے۔

بڑھاپا انسان کی زندگی میں، کمزوری اور ناتوانی کا دور ہے، اس وقت اس کے اعضاء سست اور مضمحل ہوجاتے ہیں اور وہ کام کاج کے قابل نہیں رہتا، کسمپرسی کے ان لمحات میں وہ آرام وسکون چاہتا ہے، وہ آرزومند ہوتا ہے کہ کوئی اسکا سہارا بنے، اسے تسلی اور تشفی دے۔ وہ اگر بیمار پڑ جائے تو اس کی تیمار داری کیلئے کوئی موجود ہو، تو انہی لمحات کیلئے ربّ العالمین اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے:

﴿ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ۝ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل : ۲۳-۲۴]

اگر (تمہارے والدین میں سے) کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ ہی انہیں جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو، اور ان پر رحم کرتے ہوئے انکساری وخاکساری سے پیش آؤ اور (ان کے لئے ہمیشہ) دعا گو رہو اے میرے ربّ! ان پر رحم فرما، جیسے (رحمت وشفقت) سے انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا پوسا تھا۔''

سبحان اللہ! ربّ کریم کی بے پایاں رحمتوں اور بخششوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے! اس کے کلام کے حسن وجمال کو کون پہنچ سکتا ہے، مندرجہ بالا آیات کو دوبارہ پڑھیئے، آپ نئی لذت سے آشنا ہوں گے، دنیا

کی کوئی تہذیب اور کلچر کوئی مذہب، اور ازم اسلام کے پیش کردہ اخلاقیات کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے کہا

کسی مسلمان کے اگر ماں باپ زندہ ہیں اور وہ صبح کے وقت ان کی خیریت دریافت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھول دیتا ہے، اگر والدین میں سے ایک ہی ہے تو ایک دروازہ اور اگر اس نے والدین میں سے کسی کو ناراض کردیا تو اللہ اس شخص سے اس وقت تک راضی نہیں ہوگا جب تک وہ اس سے راضی نہ ہوجائیں۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس سے کہا گیا کہ اگر ماں باپ ظلم کریں، جب بھی؟ کہا:

ظلم کریں جب بھی'' [الادب المفرد۔ امام بخاری باب بر والدیه وان ظلما]

اس سے بھی عجیب وغریب یہ حدیث ہے طیسلہ بن میاس کہتے ہیں کہ میں جنگ میں تھا، وہاں بعض گناہ سرزد ہوئے، جو مجھے گناہ کبیرہ معلوم ہوئے تھے۔ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ وہ گناہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا یہ، یہ ہیں، فرمایا: یہ تو گناہ کبیرہ نہیں گناہ کبیرہ تو نو (۹) ہیں:

شرک، ناحق قتل، جہاد سے فراری، قذف محصنہ (شریف عورت پر بدکاری کی تہمت لگنا) سود خوری، مال یتیم کھانا، مسجد میں الحاد پھیلانا، (دین کا) مذاق اڑانا اور والدین کا بیٹے کی نافرمانی کی وجہ سے رو پڑنا۔''

پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے پوچھا'' کیا تم جہنم سے ڈرتے ہو اور چاہتے ہو کہ جنت میں جاؤ؟ کہا: اللہ کی قسم! یہی چاہتا ہوں، پوچھا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ جواب دیا کہ والدہ ہیں، کہا: اللہ کی قسم! اگر تم اس سے نرمی سے باتیں کرو اور اس کو کھلاؤ تو جنت میں ضرور جاؤ گے بشرطیکہ گناہ کبیرہ سے اجتناب کرو۔

" لَوْ اَلَنْتَ لَهَا الْكَلَامَ ، وَ اَطْعَمْتَهَا الطَّعَامَ لَتَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مَا اجْتَنَبْتَ الْكَبَائِرَ "

[الادب المفرد۔ امام بخاری باب لین الکلام]

آپ قرآنی آیات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی تکلیف اور پریشانی کا اپنی کتاب مبین میں الگ ذکر فرمایا:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ [لقمان: ۱۴]

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے (حسن سلوک کا) تاکیدی حکم دیا اس کی ماں نے کمزوری سہتے ہوئے اسے اٹھائے رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھڑانے میں لگے، لہٰذا میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی (بالآخر) میرے پاس ہی لوٹ آنا ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَّحَمْلُهُ وَ فِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾ [الاحقاف :۱۵]

''ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے والدین سے اچھا سلوک کرے، اس کی ماں نے مشقت سے اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت سے جنا ، اس کے اٹھانے اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگے''

اس بے مثال ایثار وقربانی اور تکلیف ومشقت کی وجہ سے ماں کا مرتبہ اور اجر باپ کی نسبت کہیں بڑھ گیا ہے ۔اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

« اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ » [مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب سیرت النبی ﷺ جلد ششم]

''جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

مقصود اس سے یہ ہے کہ اپنی ماؤں کی خدمت کرلو اور جنت لے لو۔

ذارا ٹھنڈے دل ودماغ سے ماں ، باپ کی خدمات پر غور کریں خصوصا ماں کی قربانیوں کا جائزہ لیں کہ اس بیچاری نے سردی اور گرمی کی راتیں بچوں کی خاطر کس فکر اور دردمندی سے گزاری ہیں اور خود بے آرام ہوکر بھی بچوں کو آرام دیا ہے۔ ؎

ماں کو آرام کی کہاں فرصت
سوئی بے ڈھب تو آگئی شامت
کپڑے لتوں کی ہوگئی کیا گت
ہے بچھونا بھی تر بتر لت پت
صبح اٹھ کے کھنگالتی ہے تمام
جاڑے پالے کا وقت اور یہ کام

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک یمنی کو دیکھا کہ اپنی پیٹھ پر ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کعبہ کر رہا ہے اور زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

اِنِّی لَهَا بَعِیْرُهَا الْمُذَلَّلُ
اِنْ اُذْعِرَتْ رُكَّابُهَا لَمْ اَذْعَرْ

''میں اس کے لئے (اپنی ماں کے لئے) ایک سواری کا اونٹ ہوں، جب سواروں کو

ڈرایا جائے تو میں نہیں ڈرتا۔“

پھر اس نے ابن عمر سے مخاطب ہوکر پوچھا: کیا میں نے ماں کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے؟ ابن عمر نے جواب دیا: نہیں، اس کی ایک آہ کا بدلہ بھی نہ ہوا

”وَ لَا بِزُفْرَةٍ وَاحِدَةٍ“ [الادب المفرد باب جزاء الوالدین]

ماں باپ اور خصوصاً ماں وہ قیمتی موتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے، اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب یہ موتی چھن جاتا ہے شاعر وطن سے بے وطن تھا کہ ماں داغ مفارقت دے گئی، وہ شعر کی زبان میں اس طرح آنسو بہاتا ہے۔

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار؟
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تیری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین ودنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

عاجز کی نظر جب بھی ان اشعار پر پڑتی ہے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے اور بے اختیار والدہ کی یاد ستانے لگتی ہے، میں نے یہ مضمون خصوصاً زمانۂ حاضر کے نوجوانوں کے لئے زیبِ قرطاس کیا ہے، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر نوجوان، لڑکے اور لڑکیاں عقل وخرد سے عاری، اخلاق وادب سے فارغ، اپنے ماں باپ کے سامنے گستاخ اور منہ پھٹ دکھائی دیتے ہیں، اس میں کس کا قصور ہے؟ والدین، حکومت، ماحول، ناقص تعلیم وتربیت، فضول اور غلط ذرائع ابلاغ، سب شامل ہیں، ہمارا نظام تعلیم انگریز کا چھوڑا ہوا ہے، جو دور غلامی کی یاد دلاتا ہے۔ اسے بدلنے کی آج تک کوشش نہیں کی گئی ہے، بلکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم نے کئی خرابیاں پیدا کی ہیں اور نوجوانوں کو بے حیائی کی دلدل میں پھنسا دیا ہے۔ پھر ذرائع ابلاغ ٹی وی، اخبارات انٹرنیٹ وغیرہ کی عریانی اور

بیہودہ ڈائجسٹوں کی بھر مار نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے، ادھر دیندار لوگوں نے آپس کی تفرقہ بازیوں اور پھوٹ سے نیکی کی قوت کو مزید کمزور بنا دیا ہے اور نظام جاہلیت کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا ہے جو نا قابل معافی جرم ہے، ابھی تک آپس میں کٹے پھٹے ہوئے ہیں ذرا بتلایئے کہ ہم ربّ کریم کے حضور کس طرح سرخرو ہو سکتے ہیں؟

دعا والتجاء:

«رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝» [ابراھیم:۴۰-۴۱]

”اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا دیجئے، اے ہمارے رب، دعا کو قبول فرمایئے، اے ہمارے ربّ، مجھے اور میرے والدین اور سب اہل ایمان کو اپنے سایہ رحمت وغفران میں ڈھانپ لیجئے جب روز محشر احتساب ہو۔“

اہل وعیال کے ساتھ اچھا سلوک

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : «اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ خِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِهِمْ»

[رواه الترمذی و قال حدیث حسن صحیح ، ریاض الصالحین ،باب الوصیة بالنساء]

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”سب سے کامل مؤمن وہ ہے جو اخلاق میں بلند تر ہو اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے اچھا ہو۔“

کسی شخص کے حسنِ اخلاق کا پتہ لگانا ہو تو اس کے اہل وعیال سے پوچھ لیجیے۔ اگر اہل خانہ اس کے بارے میں اچھی شہادت دیں تو یقیناً وہ شخص قابلِ ستائش اور قابلِ تعریف ہے اور اس میں خلوص کا جذبہ ہے اس کے برعکس جو اہل خانہ کے ساتھ ترش رو اور تلخ زبان ہے مگر دوست احباب کے ساتھ نرم خو اور شیریں زبان ہے تو ایسا شخص ریا کار ہے جو محض دکھلاوے کے لیے بیرونِ خانہ اپنا بھرم قائم رکھے ہوئے ہے اور اس کا یہ بھرم کبھی بھی ٹوٹ سکتا ہے۔

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ ڈالئے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مجموعی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیکر حسن اخلاق تھے۔ آپ گھر اور باہر، اپنوں اور عزیزوں میں مجسمہ اخلاق تھے۔ دعوتِ اسلام کا آغاز بھی اہل

وعیال سے ہوا۔ اور آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والے اوّلین سعادت مند لوگ افراد خانہ ہی تھے...... خواتین میں وفا شعار اہلیہ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا لڑکوں میں نیک خو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں وفادار خادم سیدنا زید رضی اللہ عنہ تھے اور دوستوں میں مخلص ساتھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے قریب سے آپ ﷺ کو دیکھا بھالا تھا۔ اور وہ آپ کے حسن اخلاق کے سبب آپ ﷺ کے زبردست گرویدہ تھے۔

حسن سلوک ہو یا دعوت وتبلیغ اس کے اوّلین حق دار اہل و عیال ہوتے ہیں۔قرآن یہ اعلان کرتا ہے۔

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ [التحریم:٦]

”اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتشِ جہنم سے بچالو۔“

﴿ وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ [طٰهٰ :١٣٢]

”اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی اس پر ڈٹ جایئے۔“

جناب عیسیٰ علیہ السلام ولادت کے بعد ماں کی گود میں محض اللہ کی قدرت سے یوں گویا ہوتے ہیں:

﴿ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَ بَرًّا ۢ بِوَالِدَتِيْ ﴾ [مریم:٣١-٣٢]

”اور مجھے میرے ربّ نے حکم دیا ہے کہ نماز قائم کروں اور زکوۃ ادا کروں ، جب تک زندہ رہوں اور اپنی والدہ سے بہتر سلوک کرتا رہوں۔“

سیدنا لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت فرماتے ہیں:

﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان:١٣]

”اے (میرے پیارے) بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

اس آیہ مبارکہ کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا:

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ﴾ [لقمان:١٤]

”اور ہم نے انسان کو اس کے والدین سے حسن سلوک کا تاکیدی حکم دیا۔“

ان آیات کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ غور کریں کہ اسلام ایک گھر کو کس طرح سنوارتا اور نکھارتا ہے ۔ دراصل وہ مکان یقیناً خوبصورت ہے جس کے مکین الفت ومحبت اور احسان وسلوک کے رشتے میں بندھے ہوں۔ اگر ایک فرد کو کانٹا چبھے تو اس کا درد سب کو محسوس ہو اور اگر ایک فرد تکلیف میں مبتلا ہو تو سب پریشان ہو جائیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهِ وَ اَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ» [رواہ الترمذی: مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء]

”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنے اہل وعیال سے سب سے اچھا ہے اور میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ تم سب سے اچھا ہوں۔“

ایسا کیوں نہ ہوتا ؟ جب کہ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کا سرو سامان ربّ کریم کی طرف سے ہوا تھا۔ایک شخص نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ ﷺ گھر میں کیسے وقت گزارتے ؟ جواب دیا کہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے۔ کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگا لیتے تھے۔ گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے، دودھ دوہ لیتے تھے۔ بازار سے سودا خرید لاتے تھے۔ جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے۔ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے۔ اس کو چارہ دیتے ۔ غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے۔[سیرت النبی، جلد دوم، شبلی نعمانی]

آپ نے غور کیا کہ رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین ﷺ اپنے اہل خانہ کے کام کاج میں کتنا ہاتھ بٹاتے اوران کا کام کتنا آسان بنا دیتے تھے۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ خندہ جبینی سے گفتگو فرماتے اور ان کی گفتگو کو بھی نہایت اطمینان اور توجہ سے سنتے تھے۔ ہاں موذن کی صدائے دلنواز جونہی کانوں میں پڑتی ، تمام باتوں سے رخ موڑ کر ربِ کریم کے حضور جبینِ نیاز جھکانے کے لیے چلے آتے اور امہات المؤمنین بیان فرماتی ہیں کہ اس وقت آپ ﷺ کا حال یہ ہوتا گویا ہم سے کوئی جان پہچان ہی نہیں ہے:

اللہ اکبر......! ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ [البقرہ:١٦٥]

”اور اہل ایمان سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔“

ایمان کی اس کیفیت کا اثر جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں نمایاں نظر آتا ہے۔

اسلام کی اتنی پسندیدہ ،اتنی پاکیزہ، اتنی شفاف اور صاف ستھری تعلیمات کو ہم یکسر فراموش کر چکے ہیں۔ ہمارے اکثر وبیشتر گھرانوں میں مہر ومحبت، مٹھاس اور پیار کی فضا رخصت ہو چکی ہے۔ ایک دوسرے کا ادب و احترام جاتا رہا ہے ۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر شکر رنجیاں، تلخیاں، لڑائی ،جھگڑے، دنگا اورفساد کی نوبت آ جاتی ہے۔ اخبارات ایسی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں۔ گویا کہ خاندانی نظام بکھر چکا ہے۔ میاں بیوی کے جھگڑے اور علیحدگیاں روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں جس سے خاندان تباہ اور بچے برباد ہو رہے ہیں۔

دراصل یہ نتیجہ ہے اسلام کی تعلیمات سے دُوری کا ، قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں ایک دوسرے کو معاف کرنے اور اس سے درگزر کرنے کی بڑی ترغیب دی گئی ہے کیا ہم ایسی آیات غور سے پڑھتے ہیں اوران احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں؟

﴿ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾ [آل عمران:١٣٤]

"اورغصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ایسے ہی محسنین کو پسند فرماتا ہے۔"

﴿ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ [النور:٢٢]

"انھیں چاہیے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھیں بھی معاف کردے؟"

اللہ اکبر! اس سے بڑی خوشخبری اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایک دوسرے کو معاف کردینے پر ربّ کریم کی طرف سے بخشش کا انعام ملے۔ ذرا یہ احادیث پڑھتے چلیے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے (حقیقت میں) پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔"

[بخاری، مسلم، ریاض الصالحین، باب العفو والاعراض عن الجاھلین]

سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی کی حکایت بیان فرما رہے تھے، حضور کے بیان کرنے کا منظر اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے ان پر اللہ کا دُرود اور سلام ہو، فرمایا: ان کی قوم انھیں مار مار کر خون آلودہ کردیتی تھی اور وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ» [متفق علیه، ریاض الصالحین، باب ایضاً]

"اے اللہ! میری قوم کو معاف فرمادے کہ یہ (راہِ حق) کو جانتے پہچانتے نہیں ہیں۔"

پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وادی طائف میں اسی کیفیت سے دو چار ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک لبوں پر یہی کلمات جاری ہوئے۔ سیرت طیبہ کا یہ واقعہ پڑھتے ہوئے ایک مسلمان کی آنکھیں نم آلود ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ دوسروں کو معاف کرتے جائیں۔

ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ہم اپنے جسموں کو طرح طرح کی غذاؤں سے خوب پالتے ہیں مگر ہماری روحیں فقدانِ علم اور ذکر سے کم زور رہ جاتی ہیں۔ انسانی شرف یہ ہے کہ اس کی روح اس کے جسم پر حاوی ہو۔ جب روحانی طاقت مضبوط ہوتی ہے۔ تو احسان و مروّت کے پھول کھلتے ہیں اور عفو و حلم سے فضا معطر ہو جاتی ہے اور اگر جسم روح پر حاوی ہو جائے تو پھر غیظ و غضب کی چنگاریاں سلگتی ہیں، نفرتوں اور کدورتوں کے شعلے بھڑکتے ہیں۔ یاد رکھئے! اسلام دینِ رحمت ہے وہ لوگوں

کو سلامتی کا پیغام دیتا ہے ، وہ انسان کی روح کو سنوارتا اور نکھارتا ہے۔ اس وقت پوری کی پوری قوم روحانی امراض کا شکار ہے ۔ اسکا علاج قرآن یہ تجویز کرتا ہے:

﴿ اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّ یُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡہٰرًا ﴿۱۲﴾﴾

[نوح : ۱۰-۱۲]

" اپنے ربّ سے معافی مانگ لو۔ بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے تم پر آسمان سے بارانِ رحمت کا نزول فرمائے گا۔ اور مال و اولاد سے تمہاری مدد کرے گا (تمہاری اقتصادی اورفوجی طاقت مضبوط ہو جائے گی) تمہارے لیے باغات پیدا کرے گا اورتمہارے لیے نہریں جاری کرے گا(قحط سالی کا ازالہ ہو جائے گا)۔"

افرادِ حکومت اور عوام دونوں کو مل کر کثرت سے توبہ و استغفار کرنی چاہئے اور اپنے معاملات سیدھے کرنے چاہئیں ۔ مطالعہ قرآن ، پابندی نماز ، فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی ، ذکر وفکر ، نیک لوگوں کی مجالس اور خدمتِ خلق کا جذبہ ہر وقت پیش نظر رہے اس سے نہ صرف فساد اور جھگڑے ختم ہو جائیں گے بلکہ نیکی کے جذبات پیدا ہوں گے اور پاکستان فلاحی اسلامی مملکت بن جائے گا۔ ان شاء اللہ

دعاو التجاء:

« رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡيُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ » [الفرقان:۷٤]

" اے ہمارے رب! آپ ہمیں عنایت فرمایئے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اورہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنایئے۔"

گھر والوں پر خرچ کرنے کا اجر

عَنۡ أَبِی هُرَيۡرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: دِيۡنَارٌ اَنۡفَقۡتَهٗ فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ، وَدِيۡنَارٌ اَنۡفَقۡتَهٗ فِیۡ رَقَبَةٍ ، وَدِيۡنَارٌ تَصَدَّقۡتَ بِهٖ عَلٰی مِسۡكِيۡنٍ، وَدِيۡنَارٌ اَنۡفَقۡتَهٗ عَلٰی أَهۡلِكَ ، أَعۡظَمُهَا أَجۡرًا الَّذِیۡ اَنۡفَقۡتَهٗ عَلٰی اَهۡلِكَ»

[رواہ مسلم۔ ریاض الصالحین باب النفقة علی العیال]

"سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، ایک دینار گردن آزاد کرنے میں، ایک دینار غرباء و مساکین پر صدقہ کیااور

ایک دینار گھر والوں پر خرچ کیا، سو جو دینار گھر والوں پر خرچ کیا اس کا درجہ اور ثواب سب سے زیادہ ہے۔''

انفاق فی سبیل اللہ کا اجر یقیناً بہت بڑا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ [البقرة: ٢٦١]

''جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ جس سے سات بالیاں اگیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں (یعنی ایک کی جگہ سات سو گنا اجر پائیں گے) اور اللہ جس کو چاہتا ہے کئی گنا اجر عطا فرماتا ہے (وہاں عطاء و بخشش کے خزانے وسیع اور بے انداز ہیں) اور اللہ نہایت کشائش اور علم والا ہے۔''

کسی بے گناہ قیدی کو قید و بند سے آزاد کرانا، یا بے بس اور ستم رسیدہ لوگوں کو ظالموں کی گرفت سے چھڑانا بھی بہت بڑا اجر ہے، اسی طرح یتامیٰ اور مساکین کی خبرگیری کرنا بھی گویا دشوار گزار گھاٹی کو عبور کرنا ہے۔قرآن اس کا ذکر یوں کرتا ہے:

﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝﴾ [البلد: ۱۲ ۔۱۶]

''اور تمہیں معلوم ہے کہ (خیر اور عمل صالح کی) گھاٹی کیا ہے؟ (یعنی) کسی کی گردن کا (مشکلات اور قید و بند سے) چھڑانا یا بھوک کے دن (یا زمانۂ قحط میں) کھانا کھلانا ہے، یتیم کو جو قرابت دار ہے (کہ اس میں قرابت داری کا ثواب الگ ہے) یا مسکین (نادار اور غریب) کو کھانا کھلانا جو خاک نشین ہے (تنگدست اور مفلوک الحال ہے۔)''

یہ ثواب اور اجر اپنی اپنی جگہ یقیناً لامحدود اور بے انتہا ہیں اور انہیں حاصل کرنے میں کسی غفلت اور کوتاہی کا شکار نہیں ہونا چاہیے مگر ان سب سے سبقت لے جانے والا اجر جس کی رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے، وہ اہل خانہ پر خرچ کرنے کا اجر ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہ سمجھ لیا جائے کہ جو رزق حلال آپ کمائیں وہ سب کا سب گھر والوں پر خرچ کر ڈالیں بلکہ اس میں بھی اعتدال اور میانہ روی ضروری ہے۔ آپ کے پاس پڑوس میں بعض لوگ فاقوں سے زندگی گزار رہے ہوں اور آپ کے گھر میں انواع و اقسام کے کھانے پک رہے ہوں اور جنہیں زائد ہونے کی صورت میں رات کے وقت گلی کوچے

میں پھینک دیا جائے، یہ کسی صورت بھی جائز نہیں۔

اسلام ہر حال میں اعتدال اور انصاف کی راہ پر چلاتا ہے، گھر والوں پر خرچ کرنے کا زیادہ اجر وثواب اس لیے رکھا ہے کہ ان کی کفالت اور ذمہ داری آپ پر ہے، کیا آپ یہ بات پسند کریں گے کہ تنخواہ یا آمدنی کی رقم جو مہینے کے آغاز میں آپ کی جیب میں آئی ہے، اس کا بڑا حصہ شاندار ہوٹلوں میں دوست واحباب کی دعوتوں میں اڑا دیں اور آپ کے بیوی بچے سادہ اور معمولی کھانے کے لیے ترس جائیں، پھر اِدھر اُدھر ادھار رقم اٹھاتے پھریں، پھر کوئی ادھار دینے سے انکار کر دے۔اور آپ کو خفت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے، اس شرمساری سے بچنے کے لیے اسلام جہاں کفایت شعاری اور اعتدال کی تعلیم دیتا ہے وہاں خرچ کرنے کی ابتدا گھر سے کرتا ہے اور اسے بھی صدقہ قرار دیتا ہے، اس حدیث مبارک پر غور کیجئے۔

سیدنا ابومسعود البدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مرد اپنے اہل خانہ پر اجر وثواب طلب کرتے ہوئے خرچ کرے تو یہ صدقہ ہے۔''

[بخاری۔ مسلم۔ ریاض الصالحین باب النفقة علی العیال]

صدقہ تو بہت بڑی نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر بھی لامحدود ہے، اور اس نیکی سے ہاتھ اٹھانا گناہ بھی ہے۔سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انسان کا گناہ یہی کافی ہے کہ جس کا کفیل ہو اس کی کفالت سے ہاتھ اٹھالے۔''

[ابود دائود۔ مسلم۔ ریاض الصالحین باب ایضاً]

عام صدقہ و خیرات بھی وہی بہتر ہوتا ہے جو گھر کے مناسب اخراجات سے بچا کر کیا جائے، احتیاط اور معتدل زندگی اسے کہتے ہیں، اس حدیث مبارک پر بھی غور کر لیجئے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اونچا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی صدقہ و خیرات کرنے والا ہاتھ مانگنے والے ہاتھ سے بہتر ہے) اور خرچ کی ابتدا ان لوگوں سے کرو جن کی تم پرورش کرتے ہو اور بہترین صدقہ وہ ہے جو کچھ دولت بچا کر کیا جائے اور جو محتاط رہنا چاہے گا، اللہ اسے محتاط رکھے گا اور جو استغنا چاہے گا، اللہ اس کو غنی کرے گا۔'' [بخاری بحوالہ ریاض الصالحین باب ایضاً]

مندرجہ بالا احادیث زندگی کو مطمئن اور پرسکون گزارنے کے لیے بہترین روشنی فراہم کرتی ہیں۔

آیئے !ہم اپنی معاشرتی زندگی پر نگاہ ڈالیں ......خرچ کے معاملے میں آئے دن بہت سے گھروں

میں جھگڑے اور فساد رہتے ہیں۔۔ میاں بیوی سے الجھ رہا ہے اور بیوی میاں سے جھگڑ رہی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ میاں نے اگر دو شادیاں کر رکھی ہیں تو ایک بیوی کو بنگلہ اور کار دے رکھی ہے اور دوسری کے لیے معمولی سا مکان ہے، پہلی بیوی کے گھر صبح و شام عید کا سماں ہے تو دوسری کو معمول کا کھانا بھی میسر نہیں ہے، پہلی بیوی کے بچے اگر اچھے سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں تو دوسری کے بچے گلی کوچے کے عام کارپوریشن کے سکولوں میں پڑھ رہے ہیں، ظاہر کہ دوسری بیوی اس امتیازی سلوک کی بنا پر میاں سے الجھتی رہتی ہے اور بعض اوقات طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے، ایسا شخص اگر دو بیویوں کے درمیان عدل و انصاف نہیں کرسکتا تھا تو اس نے دوسری شادی سراسر اسلام کی تعلیمات کے خلاف کی۔

لوگوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ تم اللہ کی راہ میں تبلیغ کے لیے نکلو اور جب گھر کا معاملہ سامنے آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس کی فکر نہ کرو، اللہ مالک ہے اس جملے میں کوئی شک اور کلام نہیں ہے مگر یہ بات بھی تو اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے کلام میں سمجھائی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ [التحریم: ٦]

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

اس آیۂ مبارکہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اولین ذمہ داری اپنے آپ کو اور اہل خانہ کو سنوارنا اور بنانا ہے۔ پھر غور کیجئے کہ باہر جا کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا سب پر فرض نہیں ہے، یہ تو اہل علم کا منصب ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اشاعتِ اسلام کے لیے مدینہ منورہ بھیجا تھا اور انہیں اس سے پہلے علم و اخلاق سے پوری طرح آراستہ فرمایا تھا البتہ حصول علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

« طَلَبُ العِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ » [مجموعہ الاحادیث۔ مصطفی محمد عمارہ]

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

ہاں اگر اہل خانہ کے لیے نان و نفقہ پوری طرح مہیا کر دیا گیا ہے اور بال بچوں کی حفاظت کا مناسب انتظام ہے اور آپ علوم اسلامیہ سے آراستہ ہیں، تو شوق سے دعوت و تبلیغ کے لیے نکلئے، لیکن یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں کو گھیرتا ہے۔ وہ صرف مسجد تک محدود نہیں ہے، بلکہ گھر اور بازار، اسمبلی اور عدالت، انفرادی اور اجتماعی زندگی، غرضیکہ پورا معاشرتی ڈھانچہ احکام الٰہی کے ماتحت آنا ضروری ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾ [البقرہ: ۱۹۳]

''اور ان سے جنگ کرو (جو فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں) حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور (تمام) دین اللہ کے لیے ہو جائے۔''

حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی اس کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

''یہاں فتنہ سے مراد ایسی طاقتیں ہیں جو تبلیغ و اشاعت اسلام کی راہ میں آڑے آئیں، گویا اسلام میں صرف مدافعانہ جنگ ہی نہیں بلکہ اگر کوئی تبلیغ کے رستہ میں رکاوٹ بنے تو اس سے جارحانہ جنگ بھی ضروری ہے۔'' [تیسیر القرآن]

آیئے اللہ تعالیٰ کے دین کو ہر شعبۂ حیات میں جاری و ساری کرنے کے لیے اتحاد و اتفاق کی قوت پیدا کریں۔

دعا والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا »

''اے اللہ ہمارے دلوں کے درمیان محبت ڈال دے اور ہمارے درمیان اصلاح فرما۔''

پڑوسیوں کے حقوق

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ: « خَيْرُ الْاَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ ، وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهٖ » [الترمذی، کتاب البر...... ، الادب المفرد، باب خیر الجیران ، امام بخاری]

''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بہترین ساتھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیں جو اپنے ساتھی کے لئے بہتر ہوں اور بہترین ہمسائے وہ ہیں، جو اپنے ہمسایہ کے لئے بہتر ہوں''۔

اسلام کی پاکیزہ اور صاف ستھری تعلیمات معاشرتی زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہیں۔ وہ افراد معاشرہ کی اس طرح تعلیم و تربیت کرتا ہے کہ ہر طرف سکون اور سلامتی کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے پڑوسیوں کے بارے میں اس طرح ہدایت کی ہے:

﴿ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ ﴾ [النساء: ۳۶]

''اور (اللہ تعالیٰ نے) قرابت دار ہمسائے اور ہمسایہ بیگانہ اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ (نیکی کا حکم دیا ہے)۔''

آپ کے قرب وجوار میں رہنے والا''پڑوسی'' یا''ہمسایہ'' کہلاتا ہے۔ لفظ''ہمسایہ'' بڑا معنی خیز ہے، یعنی وہ لوگ جن کا سایہ ایک دوسرے کے لئے باعث رحمت وبرکت ہو، قرابت دار ہمسائے کے ساتھ اجنبی ہمسائے کا ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ پڑوسی سے حسنِ سلوک کیا جائے، خواہ وہ رشتے دار ہو یا کوئی غیر رشتے دار، البتہ قرابت دار پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے کا ثواب زیادہ ہے۔ پہلو کے ساتھی سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکتب اور مدرسہ کے ساتھی، تجارت اور کاروبار میں دوست، سیر وسفر کے رفیق، دفتر اور فیکٹری پر باہم کام کرنے والے یا اپنی بیوی بچے، ان سب کا آپس پر اچھا برتاؤ، پاکیزہ گفتگو، نیک سلوک، اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آنا باعث اجر وثواب ہے اور انہیں کسی طرح بھی دکھ اور تکلیف دینا، دھوکہ اور فریب دینا، سخت کلامی اور برے رویّے سے پیش آنا اور قطع تعلق کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے، اس سے نہ صرف کوئی شخص اجر وثواب سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت میں آ جاتا ہے۔ اس حدیث مبارک پر غور کیجئے:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! فلاں عورت ساری رات نمازیں پڑھتی ہے، دن کو روزے رکھتی ہے (اور نیک) عمل کرتی ہے، صدقہ وخیرات کرتی ہے مگر اپنے ہمسایوں کو اپنی زبان سے دکھ پہنچاتی ہے۔''

((اَنَّ فُلَانَةَ تَقُوْمُ اللَّیْلَ، وَتَصُوْمُ النَّهَارَ وتَفْعَلُ وَتُصَدِّقُ وَتُؤْذِیْ جِیْرَانَهَا بِلِسَانِهَا))

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے وہ جہنمیوں میں سے ہے'' لوگوں نے عرض کیا: اور فلاں عورت فرض نمازیں پڑھتی ہے، مناسب صدقہ بھی دیتی ہے اور کسی کو دکھ نہیں پہنچاتی۔

((وَفُلَانَةَ تُصَلِّی الْمَكْتُوْبَةَ، وَتُصَدِّقُ بِأَثْوَابٍ وَلَا تُؤْذِیْ أَحَداً))

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هِیَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ)) [الادب المفرد۔ باب لا یوذی جاره]

''یہ اہل جنت میں سے ہے۔''

غور کیجئے کہ ایمان کتنی قیمتی متاع ہے اور دنیا کی تمام دولتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں، اب اگر کوئی شخص اپنے پڑوسی کو تکلیف دیتا ہے، تو اسے اس گراں مایہ دولت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ ایک اور حدیث پڑھیے۔

سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ مؤمن نہیں اللہ کی قسم وہ

مؤمن نہیں اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں! (تین بار فرمانے سے معاملے کی اہمیت مقصود ہے) لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کون؟ فرمایا جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

« اَلَّذِیْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ » [ریاض الصالحین ۔ باب حق الجار]

اس کے برعکس پڑوسی کا خیال رکھنا اور اسے تکلیف دینے سے اجتناب کرنا، ایمان کی نشانی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے''

« مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَہٗ »

ایک مسلمان کا اس وقت تک اسلام مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے پڑوسی کو اپنے کھانے پینے میں شامل نہیں کر لیتا ہے۔

سیدنا ابن عباس ،سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ مسلمان نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور ہمسایہ بھوکا ہو۔

« لَیْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ » [الادب المفرد۔ باب لایشبع دون جارہ]

ذرا رسول اللہ ﷺ کی وہ نصیحت بھی پڑھتے جایئے جو آپ ﷺ نے اپنے پیارے صحابی ابوذر رضی اللہ عنہ کو کی تھی، اور ابوذر رضی اللہ عنہ اسے کتنے محبت بھرے لہجے میں بیان کرتے ہیں:

« اِنَّ خَلِیْلِیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِیْ : اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَۃً فَاَکْثِرْ مَآءَ ھَا ثُمَّ انْظُرْ اَھْلَ بَیْتٍ مِّنْ جِیْرَانِکَ فَاَصِبْھُمْ مِنْھَا بِمَعْرُوْفٍ »

''میرے خلیل (دوست) محمد (ﷺ) نے مجھے وصیت کی کہ جب میں کوئی سالن پکاؤں تو شوربہ زیادہ کر دیا کروں، پھر اپنے ہمسائے کے گھر کی خبر لوں پھر ان کو اس میں سے دستور کے مطابق دے دیا کروں''۔

اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ پڑوسی مسلم ہو یا غیر مسلم، اونچی ذات کا ہو یا نیچ ذات کا وہ ہر حال میں تمہاری شفقت اور توجہ کا مستحق ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ان کا غلام بکری کی کھال اتار رہا تھا، انہوں نے کہا، کہ لڑکے! جب اس کام سے فارغ ہو جائے تو سب سے پہلے گوشت اپنے یہودی ہمسائے کو دینا، ایک شخص نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ ہمسائے کے بارے میں اتنی تاکید فرماتے تھے کہ ہم ڈرے یا ہم سے بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ اسے وارث قرار دے دیں گے۔

« اِنِّیُ سَمِعُتُ النَّبِیَّ ﷺ یُوصِی بِالُجَارِ حَتّٰی خَشِیُنَا اَوُ رُوِیُنَا اَنَّهٗ سَیُوَرِّثُهٗ »

[الادب المفرد۔ باب جار الیھودی]

جو شخص ہمسائے کو تنگ کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی رحمت کا حقدار نہیں ہوسکتا ہے، ذرا اس واقعے پر غور کر لیجئے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ! میرا ایک ہمسایہ ہے جو مجھے دکھ پہنچاتا ہے، آپ نے فرمایا: ''جاؤ اپنا سب سامان نکال کر راستے میں رکھ دو'' وہ گیا اور اس نے سامان نکال کر راستے پر رکھ دیا آنے جانے والے لوگ وہاں جمع ہوگئے، اور پوچھنے لگے، یہ کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ میرا ہمسایہ مجھے دکھ پہنچاتا ہے، لوگوں نے کہنا شروع کیا اس ہمسائے پر اللہ کی لعنت، اللہ اسے رسوا کرے، یہ بات ہمسائے تک پہنچی، وہ آیا اور اس نے کہا، اپنے گھر جاؤ، اللہ کی قسم! اب تمہیں کبھی دکھ نہ پہنچاؤں گا۔

« اِرُجِعُ اِلٰی مَنُزِلِكَ فَوَاللّٰهِ لَا اُوُذِیُكَ » [ابوداؤد، کتاب الادب، والادب المفرد]

ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک پر بہتر انجام اور بدسلوکی پر برے انجام کے متعلق ہم نے پڑھ لیا ہے، آیئے ذرا اپنی معاشرتی زندگی کا جائزہ لیں:

① جو لوگ سبزی بنا کر یا پھل کھا کر ان کے چھلکے اپنے مکان کے باہر ادھر ادھر پھینک دیتے ہیں، جس سے نہ صرف گندگی میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ اپنے پڑوسیوں اور راہ گیروں کو ذہنی کرب میں مبتلا کرتے ہیں، انہوں نے کبھی سوچا کہ لوگوں کو اس طرح اذیت دینا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، جب کہ راستے سے تکلیف دہ چیزیں ہٹانا ایمان کا ایک جزء ہے؟

② جو طالب علم مکتب ومدرسہ میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی اشیاء اٹھا لیتے ہیں اور انہیں ذہنی تکلیف پہنچاتے ہیں، کیا انہیں اپنے انجام کی خبر ہے؟

③ جو لوگ اپنے دوست احباب کو سیدھے راستے کی تلقین کرنے کی بجائے انہیں بھٹکاتے اور ورغلاتے ہیں، اللہ کی نافرمانی کی دعوت دیتے ہیں وہ حق ہمسائیگی پورا کرنے کی بجائے، عذاب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

④ شادی بیاہ کی تقریبات میں جو لوگ رات بھر رقص وسرود اور گانے بجانے کی محافل جاری رکھتے اور لہو ولعب کے ذریعے اردگرد کے پڑوسیوں کی نیند، طالب علموں کی تعلیم، شب زندہ داروں کی عبادت اور مریضوں کے سکون میں خلل ڈالتے ہیں، وہ اپنے لئے کیا کماتے ہیں؟

⑤ کتنے لوگ دورانِ سفر لوگوں کی جان ومال پر ہاتھ صاف کر کے حقِ ہمسائیگی میں خیانت کرتے ہیں؟

⑥ کتنی مساجد میں بعض اوقات دعوتی اور تبلیغی جلسے ہوتے ہیں، جن میں تلاوتِ قرآن، نعت خوانی اورتقاریر کا سلسلہ تقریباً رات بھر جاری رہتا ہے، جس سے بیمار اور طالب علم پریشان ہو جاتے ہیں، کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ آواز مسجد تک محدود رہے کیا ان خطیبوں اور ائمہ کرام کو حق ہمسائیگی کی فکر نہیں ہے؟

اے ربّ کریم ہمیں فہم وبصیرت عطا فرما!

دعا و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَ تَرْحَمَنِیْ »

''اے اللہ ! میں نیک کام کرنے کی توفیق آپ سے مانگتا ہوں اور برے کام چھوڑنے کی درخواست کرتا ہوں، مسکینوں اور غریبوں کی محبت کی دعا کرتا ہوں، اور(اس بات کی طلب رکھتا ہوں) کہ آپ مجھے بخش دیجیے اور میرے حال پر رحم کیجیے۔''

(آمین یا رب العالمین)

کچھ پڑوسیوں کا بھی خیال کیجیے

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ »

[باب حق الجار والوصية به۔رياض الصالحين]

'' سیدنا ابن عمراور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل امین مجھے برابر ہمسائے کے بارے میں وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھ کو خیال ہوا کہ پڑوسی کو وارث بنا دیا جائے گا۔''

۱۲/ ربیع الاوّل کی رات تھی اور میرے مکان سے کچھ تھوڑے سے فاصلہ پر ایک جامع مسجد میں ، اس جلیل القدر بندۂ کامل (ﷺ) کے اسوہ حسنہ پر روشنی ڈالنے کے لیے جلسہ منعقد ہو رہا تھا جس

نے اپنی پوری زندگی میں کسی کی دل آزاری نہیں کی ، کبھی کسی کو پریشان نہیں کیا۔ کبھی کسی پر ظلم و زیادتی نہ فرمائی۔ کسی کا حق نہیں چھینا، کسی کو دھوکہ اور فریب نہ دیا بلکہ اس محسنِ انسانیت کی پاکیزہ زندگی کا ہر لمحہ بندگیٔ رب اور خدمتِ خلق میں بسر ہوا۔ جس سے اپنوں کو ہی نہیں بلکہ غیروں کو بھی راحت اور ٹھنڈک نصیب ہوئی جس نے دوستوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا یہاں تک کہ جس نے دشمنوں کے ہاتھوں سے پتھر کھا کر بھی ان کے حق میں دعائے خیر کے کلمات ادا کیے اور جس کا اخلاق سراپا قرآن کی تفسیر تھا۔ اس خلقِ عظیم، پیکرِ صدق و صفا، رہبر کامل، نبی مکرم، سیّد المرسلین۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ سلم کی سیرت طیبہ کا پڑھنا سننا یقیناً بہت بڑا اجرو ثواب ہے مگر حقیقی محبت کا تقاضا تو حیاتِ طیبہ کی اتباع کر کے ہی راہِ سعادت اور رضائے الٰہی کو پانا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ [آل عمران:۳۱]

”(اے پیغمبر) ان لوگوں سے کہہ دیجیے اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تمھیں چاہیے کہ میری پیروی کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، تمہاری خطائیں بخش دے گا، وہ بڑا ہی بخشنے والا، رحمت کرنے والا ہے۔“

کامل اتباع تو وہی کہلائے گی کہ جس میں ہر معاملہ اور ہر قدم پر اسوہِ رسول ﷺ پیش نظر رہے۔

بات سیرت النبی ﷺ کے جلسہ سے شروع ہوئی تھی، رات کافی بیت چکی تھی۔ شعلہ بیان مقررین اپنے زورِ خطابت کی حاضرین سے داد وصول کر رہے تھے اور ان کی دھواں دھار تقاریر سے رات کی خاموش فضا میں اچھی خاصی گونج تھی۔ اس حال میں میری بیمار بچی (جو مسلسل انیس برس تک بیمار رہنے کے بعد اللہ کے حضور پہنچ چکی ہے) بار بار دبک کر رونے لگتی، میں اس کو گود میں اٹھائے لیے پھرتا تھا۔ پریشانی کے عالم میں دل ہی دل میں کڑھتا اور پیچ و تاب کھاتا ہوا گہری سوچ میں ڈوب گیا کہ اسلام کی تعلیمات کتنی پاکیزہ اور صاف ستھری ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کی پیاری زندگی کتنی سچی اور بے ضرر ہے مگر افسوس کہ ہم نے اسے سمجھا نہیں ہے اور اگر سمجھا ہے تو عمل نہیں کیا۔ غور کیجیے کہ جس سچے نبی ﷺ نے اپنے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑوسیوں کے متعلق یہ تعلیم دی ہو کہ جب کوئی سالن پکاؤ تو شوربہ زیادہ کردو پھر اپنے ہمسایہ کی خبر لو اور یہ فرمایا ہو کہ جو شخص پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کے

قریب اس کا پڑوسی بھوکا رہے تو وہ مؤمن نہیں ہے، جو اپنے ہمسایہ کو تکلیف اور ایذا دے وہ ایمان سے خالی ہے اور پھر پڑوسی کے متعلق جبریل امین اس قدر تاکید کا پیغام لاتے رہے ہوں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو خیال پیدا ہوا کہ اسے مال وجائیداد میں وارث بنانے کا حکم نازل ہو جائے گا تو بتلایئے کہ ہم رات کے وقت گھن گرج کے ساتھ تقاریر کرکے کہیں ہمسایوں کو پریشان تو نہیں کرتے۔ اس میں بیمار ہوتے ہیں جو سکون کے متلاشی ہیں، عبادت گذار ہوتے ہیں جو یکسوئی چاہتے ہیں، اگر آپ کو ایسا شوق ہی ہے تو پھر لاؤڈ سپیکر کو اس طرح سیٹ کیجیے کہ اس کی آواز صرف حاضرین تک پہنچ سکے اور رات بھر لگے رہیے۔ میرے خیال میں شریعت نے جمعۃ المبارک کا خطبہ وعظ ونصیحت کے لیے رکھا ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اس کی اہمیت وضرورت کو بھی بھلا دیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں فہم وشعور کی دولت عطا کرے۔ آمین

[الاعتصام، ۱٤۔ کتوبر/۱۹۹۱ء]

دعا والتجاء:

«رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ»

"اے میرے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے آپ مجھے بخش دیجیے۔"

اللہ تعالیٰ کب اور کہاں ملتا ہے؟

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ : یَا ابْنَ آدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ قَالَ: یَا رَبِّ! کَیْفَ أَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ؟ قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّہٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَہٗ ، یَا ابْنَ اٰدَمَ! اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ قَالَ : یَا رَبِّ! کَیْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّہٗ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْہُ أَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَہٗ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِیْ۔ یَا ابْنَ اٰدَمَ! اِسْتَسْقَیْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ ۔ قَالَ: یَا رَبِّ! کَیْفَ اَسْقِیْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ: اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِہٖ ، اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ سَقَیْتَہٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ »

[صحیح مسلم = کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل عیادۃ المریض، رقم الحدیث: ٤٦٦١]

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا : اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا ، اے میرے رب! میں آپ کی عیادت کیوں کر کرتا، آپ تو سارے جہان کے ربّ ہیں، وہ فرمائے گا، کیا تجھے معلوم نہیں میرا فلاں بندہ بیمار ہوا۔ تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا ، اے آدم کے بیٹے ! میں نے تجھ سے کھانا مانگا ، تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا ، وہ عرض کرے گا ، اے میرے رب! میں آپ کو کھانا کیسے کھلاتا آپ تو سارے جہان کے ربّ ہیں۔ ارشاد ہو گا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا۔ تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے !میں نے تجھ سے پانی طلب کیا ۔تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! میں کیونکر پانی پلاتا؟ آپ تو ربّ العالمین ہیں، وہ فرمائے گا ،میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اسے نہیں پلایا، اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔“

اسلام کی تعلیمات پر بار بار غور کیجیے۔ آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ایک طرف اللہ کی بندگی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندوں کی خدمت بھی ہے گویا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد اچھی زندگی گزارنے کے دو اہم شعبے ہیں جن کی پاسبانی سے ہی کامیابی کی نوید ملتی ہے۔ ایک شخص اگر صبح سے شام تک مسجد کے اندر صلوٰۃ واذکار میں مشغول رہے اور اہلِ خانہ نانِ جویں کے لیے ترس رہے ہوں تو کیا اس سے وہ رضائے الٰہی حاصل کر لے گا؟ ہرگز نہیں، وہاں تو حکم ہوتا ہے:

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾

[الجمعة:١٠]

”پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور (اہلِ خانہ کے لیے) اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔“

جہاں نماز اپنی جگہ اہم ہے وہاں رزقِ حلال کی تلاش بھی ضروری ہے ۔حکم ہوتا ہے کہ جونہی اذان کی آواز سنو تو زندگی کا کاروبار اور کام کاج چھوڑ کر ذکرِ الٰہی کی طرف سعی وجستجو سے لپکو!

﴿ إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ﴾

[الجمعة:٩]

’’جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکرِ الٰہی کی طرف سعی وجستجو سے آؤ اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔‘‘

اگرچہ اس آیہ مبارکہ میں جمعۃ المبارک کا ذکر ہے تاہم اس میں ہر نماز کے لیے طلب وتڑپ رکھنا بھی ویسا ہی ضروری ہے کیونکہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ ﴾ [النور:۳۷]

’’(اللہ کے بندے) ایسے لوگ ہیں جنھیں اللہ کے ذکر اور اقامتِ صلٰوۃ سے نہ تجارت غافل کرتی ہے۔ اور نہ خرید وفروخت۔‘‘

اسلام نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں شعبوں کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اگر ان میں سے ایک شعبہ حیات کمزور رہ جاتا ہے تو بندوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور اس میں حقوق العباد تو اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ جب تک بندے آپس میں ایک دوسرے کو معاف نہ کریں، اللہ تعالیٰ کے یہاں چھٹکارا مشکل ہے۔ اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ ’’تجھے پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو‘‘ اگر ایک شخص کے گھر کو آگ لگ جاتی ہے تو اردگرد بسنے والوں کا فریضہ بن جاتا ہے کہ اس کے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو سب کے سب مجرم قرار پائیں گے۔ اگرچہ دنیا کے قانون کے مطابق سزا نہ بھی ملے مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں باز پرس ضروری ہوگی۔

ہم اپنے اردگرد کسی کو بھوکا اور پیاسا دیکھتے ہیں، یا تنگ دست اور بیمار پاتے ہیں، حسبِ توفیق ان کی مدد کو پہنچنا ہمارا دینی، اخلاقی، ملی اور معاشرتی فریضہ بن جاتا ہے، پرشکوہ عمارتیں بنا لینا یا بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں کو عبور کر لینا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔ آیئے دیکھیں کہ قرآن کے نزدیک بلندیوں کو چھونا کسے کہتے ہیں:

﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝﴾ [البلد:۱۲تا۱۶]

’’اور آپ کیا جانیں کہ وہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ وہ ہے کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقہ کے دنوں میں کھانا کھلانا، کسی قرابتدار یتیم کو یا کسی خاکسار مسکین کو۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غریب پروری کا نقشہ قرآن یوں کھینچتا ہے:

﴿ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝ ﴾ [الدھر:۸۔۹]

''اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلا دیتے ہیں (اور انھیں کہتے ہیں کہ) ہم تمھیں صرف اللہ کی رضا کی خاطر کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔''

بلکہ اس سے بھی آگے وہ خود بھوکے اور پیاسے رہ کر بھی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر:۹]

''اور وہ (مہاجرین کو) اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود فاقے سے ہوں۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت بھوکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المؤمنین کے ہاں سے پتہ کرایا لیکن وہاں سے کوئی کھانے کی چیز میسر نہ آئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا، کوئی ہے جو اس شخص کی مہمانی کرے، اللہ اس پر رحم کرے۔ ایک انصاری (ابوطلحہ) نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی مہمانی کروں گا اور یہ شخص اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی (ام سلیم) سے کہا یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا مہمان ہے۔ لہٰذا جو چیز بھی موجود ہو، اسے کھلاؤ۔ وہ کہنے لگی: ''اللہ کی قسم میرے پاس تو بمشکل بچوں کا کھانا ہے، ابوطلحہ نے کہا اچھا یوں کرو بچے جب کھانا مانگیں تو (بہلا کر) انھیں سلا دو۔ اور جب ہم دونوں (میں اور مہمان) کھانا کھانے لگیں تو چراغ گل کر دینا (کہ مہمان سیر ہو جائے اور میں یوں ہی چباتا رہوں) اس طرح ہم آج رات کچھ نہیں کھائیں گے۔ چنانچہ ام سلیم نے ایسا ہی کیا۔ صبح جب ابوطلحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ فلاں مرد (ابوطلحہ) اور فلاں عورت (ام سلیم) پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا اور اسے ہنسی آ گئی۔'' [بخاری، بحوالہ تیسیر القرآن، عبد الرحمن کیلانی]

یاد رکھیے! ہماری ذرہ برابر نیکی بھی اللہ تعالیٰ علیم و خبیر جانتا ہے۔ آج کسی بھوکے اور پیاسے، کسی مسکین اور یتیم کی خدمت کرتے ہیں تو روزِ محشر اس کا اجر بھی عظیم ہے۔

اے اپنی دولت کو فضول ضائع کرنے والو! ذرا سوچو تمھارے پاس پڑوس میں کوئی بیوہ اور اس کے یتیم بچے بھوکے پڑے ہیں۔ ان کے تن پر کام کا لباس بھی نہیں ہے۔ ان میں سے ایک بچہ بخار میں کراہ

رہا ہے۔ آہ مگر دوائی کے لیے پیسے نہیں ہیں اور تم اپنے بیٹے بیٹی کی شادی پر بے تحاشا چراغاں کیے ہوئے ہو۔ تمھیں اس عالم کی خبر ہے؟ جہاں نفسا نفسی کا ساماں ہو گا اور سوائے اچھے اعمال کے اور کوئی بات کام نہ آئے گی۔﴿ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓا اُولِی الْاَبْصَارِ ﴾

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ »

”اے اللہ! جسے آپ عطا فرما دیں، اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جس سے آپ روک لیں اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے اور آپ کی کبریائی کے مقابلے میں کسی بڑے کی بڑائی فائدہ نہیں دے سکتی ہے۔“

مسلمانوں کے باہمی حقوق

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ :« اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ لَایَظْلِمُهُ وَلَا یُسْلِمُهُ مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ کَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُّسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا کُرْبَةً مِّنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ »

[متفق علیه ۔ریاض الصالحین ۔باب تعظیم حرمات المسلمین]

”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں نہ کوئی بھائی اپنے بھائی پر ظلم کرے اور نہ ہی اسے بے یارومددگار چھوڑے، جو کوئی اپنے بھائی کی احتیاج اور ضرورت کو پورا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی احتیاج وضرورت پوری فرمائے گا، اور جس نے کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور کردی، روز جزا اللہ تعالیٰ اس کی تکالیف میں سے کوئی تکلیف دور فرمائے گا، جو کسی مسلم کی ستر پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی فرمائے گا۔“

اسلامی معاشرہ اپنے اندر متعدد خوبیاں اور صفات رکھتا ہے۔ دراصل معاشرہ افراد سے بنتا ہے۔ اگر افراد کی سیرت وکردار ان خوبیوں کے سانچے میں ڈھلے گی تو وہ معاشرہ اچھا اور خوبصورت بنے گا اور اگر

افراد ہی اخلاق وآداب سے عاری ہوئے تو بھلا وہ معاشرہ کیسے سنور سکتا ہے؟

اسلام افرادِ معاشرہ کی اتنی مضبوط اور صحت مند تربیت کرتا ہے کہ زندگی امن اور سکون سے ہمکنار ہوجاتی ہے ۔اور جسے دیکھ کر دوسرے مذہب وملت کے لوگ بھی دائرۂ اسلام میں چلے آتے ہیں ۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک سچا مسلمان اس دنیامیں امن او رسلامتی کا نمائندہ ہوتا ہے اس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی ، اس کی ذات نہ صرف اپنوں کے لیے سلامتی کا باعث ہوتی ہے بلکہ غیر بھی اس سے امن اور عافیت پاتے ہیں ۔حدیث میں مسلمان اور مؤمن کی تعریف اس طرح کی گئی ہے :

« اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ » [ترمذی ۔النسائی ۔معارف الحدیث ۔منظور نعمانیؒ]

”مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے دوسرے انسانوں کو اپنی جانوں اور مالوں کا خطرہ نہ رہے ۔“

اس کے علاوہ بھی مسلمان کئی صفات اور متعدد خوبیوں سے متصف ہوتا ہے ۔وہ ہمدرد ہوتا ہے۔مہربان ہوتا ہے۔مہمان نواز اور سلیقہ شعار ہوتا ہے ۔مسکینوں کا غم گسار اور یتیموں کا پاسبان ہوتا ہے۔نرم خو اور وفا شعار ہوتا ہے۔غرضیکہ ایسی ہی بہت سی اچھی صفات اس میں پائی جاتی ہیں یہ باتیں صرف نطق وزبان اور قلم وقرطاس کی زینت نہیں بنیں بلکہ عملی زندگی میں ان کا مظاہرہ ہوا ہے۔جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس زندگیوں کا مطالعہ کیجیے ۔یہ خوبیاں وہاں نمایاں نظر آئینگی۔ ہاں دور حاضر کے مسلمان نے ان تمام خوبیوں کو اسلامی تعلیمات سے صرفِ نظر کرکے اور خواہشات کے پیچھے لگ کر بھلا ڈالا ہے جس کا شاعر نے اس طرح موازنہ کیا ہے ۔

تم ہو آپس میں غضبناک ،وہ آپس میں رحیم
تم خطاکار وخطابیں ،وہ خطاپوش وکریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم
تختِ فغفور بھی ان کا تھا سریرِ کَے بھی
یوں ہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی ؟

خود کشی شیوہ تمہارا وہ غیور وخودار
تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستان بکنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

ناحق کسی کی جان لینا تو کجا ہادئ برحق ﷺ نے لوگوں کو یہ نصیحت فرمائی تھی ،''جو شخص ہماری مسجد، ہمارے بازاروں کے پاس سے گذرے اور اس کے پاس تیر ہوں تو وہ ان کی انی (BLADE) کو روک لے یا تھام لے ،اس خیال سے کہ کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔

[متفق علیه ـ ریاض الصالحین ـ تعظیم حرمات المسلمین]

غور فرمایئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کی عزت وعظمت کا کتنا خیال فرمایا کہ اس کے سامنے کھلے ہتھیار (Open Weapon) سے چلنا بھی ممنوع قرار دیا، مبادا اس سے کسی کی دل آزاری ہو اور وہ وقتی طور پر پریشان ہوجائے۔

اسلام سلامتی کا دین ہے وہ کرہ ارض کے انسانوں کو سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔حقیقی اسلامی فلاحی مملکت میں غیر مسلموں کی جان ومال اور ان کی عزت وآبرو تک محفوظ رہتی ہے کسی بھی انسانی جان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس آیہ مبارکہ سے لگایئے۔:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ [المائدة:٣٢]

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے کے علاوہ (یعنی ناحق) یا زمین پر فساد برپا کرنے کی غرض سے قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی''

جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ ایک جان پر ہی ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا ضمیر مردہ ہوچکا ہے۔اور ایسا شخص پوری انسانیت اور امنِ عامہ کا دشمن ہے ،دوسرے لوگ بھی اس کی اس بری حرکت پر دلیر وجری ہوجاتے ہیں،اس کے برعکس جو شخص انسانی زندگی کا تحفظ کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے عمل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ نسلِ انسانی کا حامی اور دوست ہے اور اس کی یہ نیکی دوسروں کے لئے

چراغِ راہ بنتی ہے۔

ایک صاحبِ ایمان ،مسلمان کو ناحق قتل کرنا کتنا بڑا جرم ہے اور اس کی کتنی سنگین سزا ہے ۔اس بارے میں قرآن کا فیصلہ سن لیجئے ۔:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ [النساء:۹۳]

''اور جو شخص کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ۔اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کررکھا ہے ۔''

اس قدر دردناک عذاب اور وعید کے بعد کیا کبھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی جان ومال اور عزت وآبرو کے درپے ہوسکتا ہے ۔قرآن کی اس عظیم تنذیر کے علاوہ نبی مکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں مسلمانوں کے عظیم اجتماع میں یہ اعلان کیا تھا،

« اِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِىْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِىْ بَلَدِكُمْ هٰذَا » [صحیح بخاری= کتاب الحج، رقم الحدیث:۱۷۳۹]

''(لوگو)تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت وآبرو اسی طرح قیامت تک (ایک دوسرے)پر حرام ہیں جس طرح یہ دین ،یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے (یعنی واجب الاحترام ہے)''

افسوس! آج مسلمان نے اللہ کی کتاب اور فرمودات رسول اللہ ﷺ کو طاق نسیان میں سجا رکھا ہے اسے معلوم نہیں کہ ایک انسانی جان کا ناحق قتل اور پھر ایک مسلمان کا ناجائز قتل اپنے انجام کا کتنا بڑا نقصان اور کتنا بڑا خسارہ ہے اور مسلمانوں کے باہمی حقوق میں سب سے بڑا حق ایک دوسرے کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت ہے ۔آج مجموعی طور پر اس کرۂ ارض پر انسانی جان کی قدر وقیمت ختم ہوچکی ہے مگر خاص طور پر ہمارے وطن اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسلمان جس طرح مادر پدر آزاد ہوا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ معمولی معمولی باتوں پر فساد ،لڑائی جھگڑے اور پھر قتل وغارت روز مرہ کا معمول بن چکے ہیں ۔بے شمار گھر اور خاندان تباہ ہوچکے ہیں گاجر،مولی کی طرح یہاں گردنیں کاٹ ڈالی جاتی ہیں اور شاید روزانہ پرندوں کی جانیں اتنی تلف نہیں ہوتیں جتنی انسانی جانیں تہ تیغ کردی جاتی ہیں ۔ادھر ہماری تمام حکومتیں آج تک اسلامی قانون سے بغاوت کرتی آئی ہیں۔ ہمارے یہاں انگریز کا چھوڑا ہوا وہی کالا قانون نافذ

ہے۔ہم بڑے جوش وخروش سے قرآن وحدیث کو سپریم لاء محض پارلیمنٹ میں سنا کر خوش ہوجاتے ہیں مگر عملاً اس کے نفاذ سے طبیعتیں گریزاں ہیں ،کیا اسے منافقت نہیں کہتے ؟ آخر میں دعا کرتا ہوں :

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّیَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْکَذِبِ وَاَعْیُنَنَا مِنَ الْخِیَانَةِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ۔ »

''اے اللہ !ہمارے دلوں کو نفاق سے ہمارے اعمال کو ریاکاری سے ،ہماری زبانوں کو جھوٹ سے اور ہماری آنکھوں کو خیانت سے پاک فرمادے ،بے شک تو ہی آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے راز سے آگاہ ہے۔

مریضوں کی عیادت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :« مَنْ اَصْبَحَ الْیَوْمَ مِنْکُمْ صَائِمًا ؟ » قَالَ اَبُوْبَکْرٍ : اَنَا، قَالَ :« مَنْ عَادَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ مَرِیْضًا ؟ »قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا ، قَالَ : « مَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ جَنَازَةً ؟ » قَالَ اَبُوْبَکْرٍ : اَنَا قَالَ:« مَنْ اَطْعَمَ الْیَوْمَ مِسْکِیْنًا؟ » قَالَ اَبُوْبَکْرٍ : اَنَا قَالَ مَرْوَانُ : بَلَغَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:« مَا اجْتَمَعَ ھٰذِہِ الْخِصَالُ فِیْ رَجُلٍ فِیْ یَوْمٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ »

[الادب المفرد باب عیادۃ المرضیٰ۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابہ]

''سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے۔فرمایا: آج کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا : میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: آج کس نے جنازے میں شرکت کی ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا: تم میں کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے ؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔ مروان نے بیان کیا ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جب کسی شخص میں ایک ہی دن یہ سب خصلتیں جمع ہوجائیں، وہ جنت میں ضرور جائے گا۔''

آپ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر غور کرتے جائیں، معلوم ہوگا کہ یہاں پر بندگیٔ ربّ کے ساتھ ساتھ اس کے بندوں کی خدمت، ان سے احسان ومروت ان کی دلجوئی اور ہمہ وقت ان کے ساتھ تعاون بھی زندگی کا حصہ ہے۔کسی تنگدست بیمار شخص کے حال پر غور کیجئے۔ اس کے پاس علاج کیلئے رقم نہیں ہے، جبکہ اس کے پاس پڑوس میں کوئی ایسا شخص ہے، جسے اللہ تعالی نے مال ودولت سے نوازا ہے، اسے اپنے اس تنگدست مریض بھائی کی خبر ہوتی ہے، وہ نہ صرف اس کی بیمار پرسی کے لئے جاتا ہے بلکہ دوا دارُو میں اس کا ہاتھ بھی بٹاتا ہے، بیمار شخص کے دل سے اسکے لئے دعا نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے خوش ہوکر نہ صرف اس مالدار کو معاف فرماتا ہے بلکہ اُسے اپنی نعمتوں سے مزید نوازتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص استطاعت اورقوت رکھتے ہوئے بھی کسی بھائی کی مدد کو نہیں پہنچتا تو روز قیامت اس سے اس کا مؤاخذہ بھی ہوگا۔ اس حدیث مبارک پر غور کیجئے۔ سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

”اللہ تعالی (روزِ جزا) فرمائے گا: (اے بندے) میں نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے کھانا نہیں دیا، بندہ کہے گا: اے پروردگار! تو نے مجھ سے کیسے کھانا مانگا اور میں نے نہیں دیا؟، تُو تو پروردگار عالم ہے۔ یارب!

« وَكَيْفَ اسْتَطْعَمْتَنِي، وَلَمْ أُطْعِمْكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟ »

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے خبر نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے نہیں دیا۔ کیا تجھے خبر نہ تھی کہ تو اگر اسے کھانا کھلا دیتا تو اس کا اجر میرے پاس پاتا۔

« أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ كُنْتَ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِي »

اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی بندے سے فلاں کو پانی پلانے اور فلاں کی عیادت کرنے کے بارے میں سوال کرے گا۔ [الادب المفرد۔ امام بخاری۔ باب عیادۃ المرضیٰ]

اس حدیث مبارک سے یہ بات استنباط کی جا سکتی ہے کہ کسی بھی شخص کو اس بات کا غرور نہ ہونا چاہئے کہ جو مال ودولت اس کے پاس ہے وہ اسے زور بازو سے ملا ہے،نہیں نہیں! یہ تو محض اللہ تعالیٰ کی عنایت ورحمت ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اس مال سے غرباء ومساکین، بیوگان اور یتامیٰ کی خبر گیری کرے۔ قرآن میں ابرار وصالحین کی صفات میں آتا ہے:

﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ ﴾ [الدھر ۸-۹]

”وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسکین ، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور انہیں کہتے

ہیں کہ)ہم تمہیں صرف لوجہ اللہ کھلا رہے ہیں، تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ (ہمارا بدلہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔)''

عیادت کی فضیلت:

حقیقت یہ ہے کہ بیماروں کی عیادت کرنے یا کسی جنازے میں شرکت کرنے سے انسان کا اپنا دل نرم ہوتا ہے اور آخرت کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ اس بات کا اس حدیث مبارک سے پتہ چلتا ہے۔ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عُوْدُوا الْمَرِيْضَ ، وَاتَّبِعُوا الْجَنَائِزَ ، تُذَكِّرُكُمُ الْاٰخِرَةَ »[الادب المفرد باب عيادة المريض]

''مریضوں کی عیادت کرو، جنازے میں شرکت کرو، یہ تمہیں آخرت کی یاد دلائے گا۔''

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے، تو واپس ہونے تک برابر جنت کی خوشہ چینی میں رہتا ہے۔''

« اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ »

لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ! جنت کی خوشہ چینی کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: اس کے میوہ جات چن چن کے کھانا: «قَالَ جَنَاهَا »[رواه مسلم۔ رياض الصالحين ۔ كتاب عيادة المريض]

اللہ اکبر! مریض کی عیادت پر کتنا بڑا انعام جو کسی مسلمان کو حاصل ہوتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ:

''کوئی مسلمان کسی مسلمان کی عیادت صبح ہی صبح کرتا ہے، تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر رحمت کے لیے دعا کرتے ہیں اور اگر شام کو عیادت کے لئے جاتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کیلئے دعا کرتے ہیں اور اس کے لئے بہشت کی میوہ خوری ہے۔'' [ترمذی۔ رياض الصالحين]

مسلم اور غیر مسلم کی عیادت:

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ وہ اپنے پرائے، مسلم اور غیر مسلم سب کی عیادت فرماتے تھے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کا یہ واقعہ بھی پڑھتے جائیے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ایک یہودی کا لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، جب وہ بیمار ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اسکے سر کے قریب بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا: مسلمان ہوجاؤ! لڑکے کا باپ اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا، اس نے باپ کی طرف دیکھا، باپ نے کہا: ابوالقاسم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت تھی) کی بات مان لو! تو وہ اسلام لے آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے نکلے:

« اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَنۡقَذَہٗ مِنَ النَّارِ » [بخاری ریاض الصالحین باب عیادۃ المریض]

"اللہ کا شکر ہے جس نے اسے آگ سے بچالیا۔"

مریض کے لئے دعا:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کسی گھر والے کی عیادت فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ (اس کے) سر پر پھیرتے اور یہ کلمات فرماتے:

« اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ! اَذۡھِبِ الۡبَأۡسَ، وَ اشۡفِ اَنۡتَ الشَّافِیۡ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا »

اے اللہ! اے لوگوں کے رب، تکلیف دور کر، شفا عطا فرما، تیرے سوا کوئی شفا عطا فرمانے والا نہیں ہے، ایسی شفا کہ مرض ہمیشہ کے لئے جاتا رہے۔"

عیادت کے آداب:

مریض کے ساتھ خندہ پیشانی سے اور پُر امید گفتگو کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کے پاس بیمار پرسی کے لئے جاتے تو اسے فرماتے:

« لَا بَأۡسَ طَھُوۡرٌ اِنۡ شَاءَ اللّٰہُ » [حصن المسلم]

"کوئی حرج نہیں یہ بیماری اللہ نے چاہا تو (گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔"

مریض کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھنا اور فضول اِدھر اُدھر کی باتیں کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعا والتجاء:

« اَسۡأَلُ اللّٰہَ الۡعَظِیۡمَ رَبَّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ اَنۡ یَّشۡفِیَكَ »

"میں بزرگ و برتر اللہ سے جو عرشِ عظیم کا ربّ ہے، یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے تندرستی سے بہرور فرمائے۔"

مریض کی عیادت اور مسلمان کی زیارت

وَ عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: « مَنۡ عَادَ مَرِیۡضًا اَوۡ زَارَ اَخًا لَّہٗ فِی اللّٰہِ نَادَاہُ مُنَادٍ بِاَنۡ طِبۡتَ وَطَابَ مَمۡشَاكَ وَتَبَوَّأۡتَ مِنَ الۡجَنَّۃِ مَنۡزِلًا » [رواہ الترمذی، ریاض الصالحین، باب زیارۃ اھل الخیر]

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کسی مریض کی عیادت کرتا ہے یا اللہ کی رضا کے لیے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کرنے جاتا ہے تو ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ تو مبارک ہے اور تیرا چلنا مبارک ہے تو نے جنت میں ایک جگہ بنا لی۔“

انسانوں کے باہم مل جل کر رہنے اور دکھ سکھ میں کام آنے کو معاشرتی زندگی کہتے ہیں اور اسلام ایک صحت مند، صاف ستھرے پاکیزہ اور فعال معاشرے کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ ارکانِ اسلام پر غور کیجیے...... صوم وصلوٰۃ ہو یا زکوٰۃ و حج۔ ان تمام میں اجتماعی ومعاشرتی نظم و ضبط کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ افراد کو کہیں بھی تنہا اور الگ نہیں چھوڑتا گویا ”ایک فرد سب کے لیے اور سب ایک کے لیے۔“ یہ جملہ اسلامی معاشرتی زندگی پر صادق آتا ہے۔

اسلام نے ہر عمل کے لیے اخلاص کو ضروری قرار دیا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کی بشارت سنائی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ تمہاری آپس میں ہمدردیاں اور غمخواریاں ،خوشیاں اور مسرّتیں محض رضائے الٰہی کے لیے ہونی چاہیے۔ ان احادیثِ مبارکہ پر غور کیجیے۔

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ میری عظمت کی وجہ سے جو آپس میں محبت کرتے تھے، وہ کہاں ہیں؟ آج میں ان پر اپنا سایہ کروں گا اور آج میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں۔“ [مسلم،ریاض الصالحین،باب فضل الحب فی اللہ]

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کے لیے دوسری بستی روانہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا۔ جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے پوچھا: کہاں کا ارادہ رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا: میں فلاں بستی میں اپنے بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا: کیا اس نے تم پر کوئی احسان کیا ہے جو اس کو نبھاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! مجھے اس سے محض اللہ کی رضا کے لیے محبت ہے۔ فرشتہ بولا۔ میں تیری طرف اللہ کا قاصد ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے محبت کی جیسے تم نے اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کی۔“ [مسلم ، ریاض الصالحین، باب ایضا]

③ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”جو میری عظمت کی وجہ سے آپس میں محبت رکھیں ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے، ان پر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے؟“ [ترمذی، ریاض الصالحین، باب ایضاً]

ان احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اچھا اور سچا مسلمان اپنے کسی بھائی سے محبت

کرتا ہے تو اس کی بنیاد مال و دولت یا کوئی اور دنیاوی غرض نہیں ہوتی بلکہ محض رضائے الٰہی کی طلب ہوتی ہے، اس لیے دوست احباب کے انتخاب میں بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

④ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس آدمی کو دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔''

[ابو داؤد، ترمذی، ریاض الصالحین، باب ایضاً]

بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کی ترغیب اس لیے دی گئی ہے کہ بیماری کے سبب مریض، نڈھال اور کمزور ہو جاتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس حال میں کوئی اس کی دلجوئی کرے، اس کی ڈھارس بندھائے اور اس کی تسلی اور تشفی کرے، اس لیے بیمار کی عیادت کے وقت یہ دعاء سکھلائی گئی ہے:

«لَا بَأْسَ طَهُورٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ» [الحزب المقبول]

''کوئی بات نہیں (جلد شفا یاب ہو جاؤ گے) ان شاء اللہ (یہ بیماری تمھیں گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔''

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماروں کی عیادت کرنے میں دوست، دشمن، مؤمن، کافر کسی کی تخصیص نہ رکھی۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کو تشریف لے گئے۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلے پر تھا لیکن پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے۔''

ایک صاحب بیمار ہوئے۔ آپ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے۔ جب انھوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے۔ آپ کو تکلیف ہو گی۔ خبر نہ کی اور دفن کر دیا صبح کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکایت کی اور قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔ [بخاری، کتاب الجنائز، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد دوم]

ماضی میں ہمارے درمیان جو محبتیں اور الفتیں تھیں وہ رخصت ہو گئیں۔ اب تو رشتہ داریاں بھی محض رسمی رہ گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کون ایک دوسرے کو ملتا ہے؟ اگر کوئی امیر اور دولت مند ہو جاتا ہے و وہ غریب رشتہ داروں سے ملنا ہی چھوڑ دیتا ہے کیونکہ وہ اس کے مرتبہ (Status) پر پورے نہیں اترتے، اب تو محض اغراض و خواہشات یا دنیاوی اور مادی فوائد کے لیے ملنا، جلنا، ہنسنا، بولنا اور چلنا پھرنا رہ گیا ہے؟ ہر بات کو دولت کے پیمانے سے دیکھا اور شمار کیا جاتا ہے۔ ایک غریب بچی سے (خواہ سگھڑ، تعلیم یافتہ اور دیندار ہو) لوگ اس لیے نہیں شادی کرتے کہ وہاں دولت کی کمی ہے۔ دولت مند خواہ بیوقوف ہوں لوگ انھیں پسند کرتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک عزت و مرتبہ کچھ اور ہے اور لوگوں کے نزدیک

کچھ اور۔ قرآن کے نزدیک عزت و مرتبہ والا کون ہے؟

﴿ اِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ [الحجرات: ١٣]

”بلاشبہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ترین وہ ہے جو تقویٰ اور پرہیز گاری میں سب سے آگے ہو۔“

لوگو! اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھو، بڑا تو صرف اللہ ہے، عاجزی اختیار کرو۔ عجز سے ہی سر بلندی ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو پڑھو، آپ خاتم النبیین سردار الانبیاء تھے مگر آپ کی عجز وخاکساری کے واقعات اوپر پڑھ چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فہم وبصیرت عطا فرمائے۔

دعاء والتجا:

« بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ ، وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ فِيْكَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الْعُقَدِ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ »

”اللہ کے نام کے ساتھ تیرے اوپر دم کرتا ہوں اور اللہ تمھیں شفا بخشے ہر بیماری اور جادوگروں کی برائی سے جو گرہوں پر پھونک مارنے والے ہیں اور حسد کرنے والوں کی برائی سے جب حسد کرنے لگے۔“

مسلمان کا حق مار لینے کی سزا

وَعَنْ أَبِىْ أُمَامَةَ إِيَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْحَارِثِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِىءٍ مُّسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ أَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ » فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: «وَاِنْ قَضِيْبًا مِّنْ اَرَاكٍ۔» [رواه مسلم=كتاب الايمان، باب وعيد من اقتطع حق المسلم بيمين فاجرة بالنار، رقم الحديث:١٩٦]

”سیدنا ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کا حق مار لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ واجب کی اور جنت حرام کی۔ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر معمولی چیز ہو۔“ آپ نے فرمایا ”اگرچہ ایک پیلو کی لکڑی ہو۔“

اسلام معاشرتی زندگی کا ایک مضبوط اور پائیدار نظام فراہم کرتا ہے، اس کے لیے ہدایات اور اصول

دیتا ہے، حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے، گھر سے اسمبلی تک اور قصرِ صدارت سے عدالت تک ضابطے اور قوانین بناتا ہے اور اتنا پاکیزہ اور صاف ستھرا دستور حیات عطا کرتا ہے کہ معاشرے میں رہتے ہوئے ہر شخص امن اور سلامتی سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور وہ اطمینان اور سکون کی نیند لیتا ہے۔ اسے یقیناً فلاحی معاشرے سے موسوم کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن و حدیث میں واضح ہدایات موجود ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہوا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ ﴾ [النسا: ۲۹۔ ۳۰]

”مؤمنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، ہاں اگر آپس کی رضا مندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے اور جو ظلم و زیادتی سے ایسا کرے گا ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ بات اللہ کو آسان ہے۔“

”آپس کے مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ“ اس پر حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

”بالباطل“ میں دھوکہ، فریب، جعل سازی، ملاوٹ کے علاوہ تمام وہ کاروبار بھی شامل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے جیسے قمار، ربوٰ (سود) وغیرہ، اسی طرح ممنوع اور حرام چیزوں کا کاروبار کرنا بھی باطل میں شامل ہے۔ مثلاً فوٹو گرافی، ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں اور (فحش) کیسٹیں ان کا بنانا، بیچنا، مرمت کرنا سب ناجائز ہیں۔“ [احسن البیان]

”مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضا مندی سے خرید و فروخت ہو۔“ اس پر حافظ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:

”اس کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ لین دین حلال اشیاء کا ہو حرام اشیاء کا کاروبار باہمی رضا مندی کے باوجود ناجائز ہی رہے گا، علاوہ ازیں رضا مندی میں خیار مجلس کا مسئلہ بھی آ جاتا ہے۔ یعنی جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں، سودا فسخ کرنے کا اختیار رہے گا جیسا کہ حدیث میں ہے۔

« اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا » [بخاری کتاب البیوع]

دونوں باہم سودا کرنے والوں کو، جب تک جدا نہ ہوں، سودا فسخ (ختم) کرنے کا اختیار ہے۔''

''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔'' اس پر محترم حافظ صاحب لکھتے ہیں:

''اس سے مراد خودکشی بھی ہوسکتی ہے جو کبیرہ گناہ ہے اور ارتکاب معصیت بھی جو ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی، کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں اس لیے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کرنا۔'' [حوالہ ایضاً]

مندرجہ بالا حدیث اور سورۂ نساء کی اس آیۂ مبارکہ کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔

① جو شخص کسی مسلمان کا حق...... جانی ہو یا مالی ......مارتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے، اس کی سزا جہنم ہے۔

② یہ حق تلفی کئی طرح سے ہوسکتی ہے۔۔۔ دھوکہ،فریب سے بھی ،جعل سازی اور ملاوٹ سے بھی، جو لوگ اس کے مرتکب ہوں، وہ بھی سزا کے مستحق ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا »

''جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

غَشَّ: ”خَانَ، وَلَيْسَ هُوَ عَلٰى سُنَّتِنَا اَوْ طَرِيْقَتِنَا“

غَشَّ کے معنی ہیں کہ اس نے خیانت کی، وہ ہماری سنت اور طریقے پر نہیں ہے یہ بات آپ ﷺ نے اس وقت فرمائی جب آپ کا گذر مارکیٹ میں غلے کے ایک ڈھیر سے ہوا، آپ نے اسے دیکھا تو اوپر سے خشک اور نیچے سے تر پایا، آپ نے دکان دار سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بارش ہوئی تو میں نے ایسا کر دیا، آپ نے فرمایا: پانی میں تر حصہ اوپر ہی رہنے دیا جاتا تاکہ لوگوں کو (جنس کی) اصلیت معلوم ہوتی اور ساتھ ہی مندرجہ بالا جملہ ”مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا“ ارشاد فرمایا:

[نضرة النور ۔۔۔ مصطفى محمد عماره]

③ لین دین میں دیانت اور امانت داری ضروری ہے، چرب زبانی سے کسی کو پھنسا کر سودا بیچنا بھی اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔

④ حرام کاروبار میں جہاں افراد مجرم ہیں تو ان پر نگران حکومت بھی ویسے ہی مجرم ہے۔

⑤ اپنے آپ کو نیک کہلانے والے لوگ (نمازی اور حاجی) اگر اس خرابی کے خلاف نفرت کا اظہار نہ کریں اور اس نظام جاہلیت کو بدلنے کی کوشش نہ کریں تو وہ بھی مجرم اور سزا کے مستحق ہیں۔

بنی اسرائیل کا جو گروہ لوگوں کو برائی سے روکتا تھا وہ عذاب الٰہی سے بچ نکلا اور نافرمان عذاب کا شکار ہوگئے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾ [الاعراف: ۱۶۵]

"آخر کار (مجرمین) جب ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو انہیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ فسق (بے حکمی) کیا کرتے تھے۔"

قرآن و حدیث کی ان روشن اور واضح ہدایات پڑھنے کے بعد جب میں اپنے ملکی نظام اور حالات کو دیکھتا ہوں تو دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔لوگوں کے آپس میں ظلم وستم کے واقعات، زر زمین کے جھگڑے اور معاشرتی فسادات ، انہیں عدالتوں میں کھینچ لاتے ہیں اور وہاں ہر وقت میلے کا سماں رہتا ہے، انہیں یہ تکلیف دہ لمحات زندگی کے سکون سے محروم کر دیتے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف رقابتوں اور رنجشوں کا لامتناہی سلسلہ چل نکلتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر ٹھیک دن کی چکا چوند روشنی میں اور عین پولیس کی حفاظت میں گولیاں برسانا شروع کرتا ہے اور عدالت کے صحن انسانی خون سے رنگین ہو جاتے ہیں۔

ہم اور آپ آئے دن ایسے واقعات اخبارات میں پڑھتے مگر اس نظامِ فاسد کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور نہ ہی اسے بدلنے کی اجتماعی جدوجہد کرتے ہیں۔

پاکستان کو معرض وجود میں آئے اٹھاون برس کا طویل عرصہ بیت چکا ہے مگر آج تک ابرار و صالحین کی سیادت و قیادت سے محروم رہے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ ان کی صفوں میں اتحاد نہیں ہے، وہ مل کر نظام حق کو برپا کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں، ان میں سے ہر گروپ کو صرف کرسی کی ہوس ہے جو آج تک پوری نہ ہو سکی۔

یاد رکھیے کہ اس دنیا میں آپ عمر نوح لے کر نہیں آئے ہیں کہ تجربات کرتے رہیں، زندگی بڑی ہی مختصر ہے، عقل مندی کا تقاضا ہے کہ ہم اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے اپنی خواہشات ترک کر دیں، اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے لیے عاجز بنا ڈالیں، الیکشن میں نیک لوگوں کو اپنے اوپر ترجیح دیں، اس طرح ان کے ہاتھ مضبوط کر کے نظام حق کو برپا کرنے میں معین و مددگار ثابت ہوں۔۔۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَ اجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً »

"اے اللہ! میرے باطن کو، میرے ظاہر سے اچھا کر دیجیے، اور میرا ظاہر بھی اچھا بنا دیجیے۔"

(تاکہ کسی کا حق نہ ماروں)

مسلمان باہم سلامتی کا مظہر ہیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: «اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ» [مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان]

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان (درازی) اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

ذرا اس تھکے ماندے مسافر کی خوشیوں کا اندازہ کیجئے جو کسی صحرا میں گرمی کی شدت میں سفر کر رہا ہو، سخت پیاس کی وجہ سے اس کی زبان تالو کے ساتھ لگ چکی ہو، ہونٹ خشک ہو چکے ہوں، مایوسی کے عالم میں نگاہیں بار بار آسمان کی طرف اٹھتی ہوں اور ربّ کریم کی رحمتوں کی متلاشی ہوں کہ اچانک دور سے کسی نخلستان کے نشان نظر آنے لگیں تو وہ قدم جو بوجھل ہو چکے تھے، جلدی جلدی اس طرف اٹھنے لگتے ہیں، وہاں پہنچتے ہی وہ پیاسا مسافر ٹھنڈے اور میٹھے چشمے سے سیراب ہو جاتا ہے، بے اختیار اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا شکر جاری ہو جاتا ہے، سایہ دار نخل اس کے لیے راحت کا سامان بنتے ہیں اور ان درختوں کی ثمرات سے لدی ٹہنیاں اسے مسرت و شادمانی سے ہمکنار کر دیتی ہیں اور نخلستان میں بسنے والے لوگوں کی مہمان نوازیاں جو مسافروں کے لیے ہمہ وقت اپنی آنکھیں فرش راہ کیے ہوئے ہیں۔ اس کی ساری تکلیفوں اور مشقتوں کو یکسر بھلا دیتی ہیں، یہ گوشۂ عافیت اسے سکون و راحت عطا کرتا ہے، بعینہ ایک مسلمان کی زندگی اپنے بھائیوں کے لیے امن اور راحت کا پیغام بنتی ہے، مسلمان اور سلامتی لازم ملزوم ہیں، اسلام کی شان ہی سلامتی میں جھلکتی ہے۔ مسلمان وہی ہے جو اس نظام سلامتی کا علمبردار ہے، جناب نبی کریم ﷺ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں جو خطوط مختلف ممالک کے حکمرانوں کے نام لکھے، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے مختصر اور جامع الفاظ میں اسلام کی خوبی بیان فرما دی '' اَسْلِمْ تَسْلَمْ ''، تم اسلام قبول کرو اور سلامتی میں آ جاؤ اور کہیں ارشاد فرمایا:

« وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ۝ » [طٰہٰ:۴۷]

''اور اس کے لیے سلامتی ہے جو اس نور ہدایت کی پیروی کرے۔''

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل یہ کرۂ ارض امن وسکون سے یکسر محروم تھا اور چار دانگ عالم میں کہیں بھی سکھ اور چین نہیں تھا، ہر طرف ظلم وستم کے شعلے بھڑک رہے تھے اور انسان عدل و انصاف کے لیے ترس گئے تھے۔ اس کا نقشہ قرآن حکیم نے اس طرح کھینچا ہے:

﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ ﴾ [سورة الروم:٤١]

''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب شر اور فساد پھیل گیا تھا۔''

اسلام اس ظلم و فساد سے بھری ہوئی دھرتی پر ابرِ کرم بن کر برسا، کفر و شرک کے اندھیروں میں توحید کا نور پھوٹا، ظلم و ستم کے کانٹوں میں عدل و انصاف کے پھول کھلے، بدی اور بے حیائی کے شراروں میں نیکی اور شرافت کی کرنیں ابھریں اور شر و فساد کے طوفانوں میں امن و سلامتی کا ظہور ہوا، اور لوگ جہنم کے شعلوں کے کنارے کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر انہیں سلامتی سے ہمکنار فرمایا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ﴾

[آل عمران:١٠٣]

''اور اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں (دین اسلام) کے ذریعہ الفت و محبت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بچا لیا۔''

قرآن کی مصفی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ تربیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جو آپس میں ہمدرد و غمخوار اور دشمنوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح مضبوط و پائیدار تھے، قرآن اس کی یوں شہادت دیتا ہے۔

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾

[الفتح: ٢٩]

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور زور آور ہیں مگر آپس میں رحمدل اور ہمدرد ہیں۔''

یہ درحقیقت اسلام کی بے مثل اور بے مثال تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک جسم کی مانند قرار دیا، فرمایا:

''مؤمنوں کی مثال ان کی آپس میں محبت، مودت، رحمدلی اور مہربانی میں جسم کی طرح ہے جب اس

کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم جاگتا ہے اور وہ بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

[ریاض الصالحین، تعظیم حرمات المسلمین و بیان حقوقھم]

اور کہیں خوبصورت تمثیل سے انہیں ایک عمارت کی مانند قرار دیا، فرمایا:

''مؤمن، مؤمن کے لیے مثل عمارت کے ہے کہ اس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔'' [ریاض الصالحین۔ باب ایضاً]

مسلمانوں کی عزت و آبرو کا اس قدر پاس و لحاظ ہے کہ ان کے سامنے برہنہ ہتھیار کے ساتھ گذرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ مبادا اس سے ان کی دل شکنی ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص ہماری مسجد یا ہمارے بازاروں کے پاس سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہوں تو وہ اس کے پھل روک لے یا تھام لے، اس خیال سے کہ کسی مسلمان کو لگ نہ جائے۔'' [ریاض الصالحین، حوالہ ایضاً]

اب غور کیجئے کہ جو لوگ مساجد اور معابد میں داخل ہو کر ٹھیک رکوع و سجود میں نمازیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں کہ آناً فاناً بے گناہ عبادت گزاروں کی لاشیں ان مقدس مقامات پر تڑپنے لگتی ہیں۔ وہ مسلمانی کا کتنا حق ادا کرتے ہیں؟ یہ تو دنیا و آخرت میں سخت ترین سزا کے مستحق ہیں، ان کے انجام کا قرآن اس طرح اعلان کرتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَ اَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ [النساء:۹۳]

''اور جو شخص کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''ایک مؤمن کا قتل عمد شدید ترین جرم ہے، اس کی سزا جہنم میں ہیشگی، غضب الٰہی، اس کی لعنت اور عذاب عظیم بتائی گئی ہے۔ اتنی شدید سزائیں کسی اور گناہ کے لیے ذکر نہیں کی گئیں، سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی توبہ کی قبولیت کے بھی قائل نہ تھے، گناہ کی شدت کا اندازہ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں شرک کے فوراً بعد ایک مؤمن کے قتل عمد کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ [الفرقان:٦٨]

''اور (رحمٰن کے حقیقی بندے) اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نہیں پکارتے اور نہ ہی اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں۔'' [تیسیر القرآن]

قرآن و حدیث کی صاف ستھری تعلیمات کی روشنی میں اپنے اخلاق و کردار کا جائزہ لیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ بحیثیت مسلمان ہم اپنی شناخت کھوچکے ہیں، ہمارے اسلاف نے اعمالِ حسنہ سے عزت اور سربلندی حاصل کی اور ہم اپنے برے اعمال سے قعر مذلت میں جاگرے ہیں۔

تم آپس میں غضب ناک وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطابیں، وہ خطا پوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

دعا والتجاء:

« رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ » [آل عمران:٨]

''اے ہمارے ربّ! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کیجیے، ہمیں اپنے پاس سے رحمت سے نوازیے، بلاشبہ آپ عطا اور بخشش کرنے والے ہیں۔''

اصلاح معاشرہ کی فکر کیجیے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ اَنْ قَدْ حَضَرَهُ شَيْءٌ فَتَوَضَّأَ وَمَا كَلَّمَ اَحَدًا، فَلَصِقْتُ بِالْحُجْرَةِ اَسْتَمِعُ مَا يَقُوْلُ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ:« يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ لَكُمْ: مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ اَنْ تَدْعُوْا فَلَا اُجِيْبُ لَكُمْ وَتَسْاَلُوْنِيْ فَلَا اُعْطِيْكُمْ وَتَسْتَنْصِرُوْنِيْ فَلَا اَنْصُرُكُمْ » فَمَا زَادَ عَلَيْهِنَّ حَتّٰى نَزَلَ۔

[ابن ماجہ]

''ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) میرے پاس تشریف لائے میں نے آپ کے چہرے سے اندازہ کرلیا کہ کوئی بات درپیش ہے، آپ نے وضو فرمایا اور کسی سے کوئی بات نہ کی (مسجد تشریف لے گئے) میں حجرہ کے ساتھ لگ کر آپ کی گفتگو سننے لگی، آپ ﷺ منبر پر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد یوں گویا ہوئے: لوگو! اللہ تعالیٰ تمہارے لئے فرماتا ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو اس سے پہلے کہ تم دعا کرو اور میں تمہاری دعا قبول نہ کروں اور تم مجھ سے مانگو اور میں تمہیں نہ دوں اور تم مجھ سے مدد طلب کرو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔'' آپ ﷺ نے اس سے زیادہ اور کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی اور منبر سے اتر آئے۔

غور کیجئے کہ اس مختصر خطابِ رسول ﷺ میں ہمارے لئے کتنا اہم پیغام ہے انسانوں کے باہم مل جل کر رہنے سہنے میں معاشرتی زندگی کی داغ بیل پڑتی ہے اور جس طرح کسی عمارت کی تعمیر اور مضبوطی میں ہر اینٹ بڑی اہمیت رکھتی ہے اسی طرح ایک صالح معاشرے کو پروان چڑھانے میں ہر فرد کے اخلاق کی درستی اور کردار کی مضبوطی بڑا اہم رول ادا کرتی ہے سچ ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

پھر دیکھئے کہ افرادِ معاشرہ آپس میں ہمدرد و غمخوار، دکھ سکھ کے ساتھی رنج و راحت میں ایک دوسرے کے مددگار اور قدر و منزلت دینے والے ہوں تو زندگی آسان اور خوشگوار ہو جاتی ہے اور مصائب و مشکلات کے زخم بھی مندمل ہوتے رہتے ہیں اس طرح کا معاشرہ صحت مند معاشرہ کہلاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ان کے درمیان حسد و بغض لڑائی، جھگڑے، فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکتے رہیں تو زندگی اجیرن اور ویران ہو جاتی ہے اور دولت کی فراوانی بھی انہیں اطمینان اور یکسوئی نصیب نہیں کرسکتی ہے اسے بیمار معاشرے سے موسوم کرسکتے ہیں۔

ایک صحت مند معاشرے میں لوگ جہاں نیکیوں کو فروغ دیتے ہیں اور وہ ہر طرف پھلتی پھولتی ہیں وہاں وہ برائیوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتے ہیں، وہاں کا ایک فرد سب کیلئے اور سب ایک کے لئے جیتے ہیں، اگر ایک شخص کا نقصان ہو رہا ہو تو سب اس کو نقصان سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ایک فرد سب کے فائدے کی سوچ بچار رکھتا ہے مثلاً اگر کسی بستی میں کسی شخص کے مکان کو آگ لگ جائے تو اسے بجھانے کے لیے بستی کا ہر فرد لپکتا ہے، کوئی پانی لا رہا ہے اور کسی کے ہاتھ میں ریت کی بالٹی ہے اور جب

تک وہ آگ بجھ نہ جائے کسی شخص کو کسی کروٹ چین اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا ہے۔ وہ اس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ اگر اس آگ پر قابو نہ پایا گیا تو نہ معلوم اس کی لپیٹ میں آ کر کتنے گھرانے خاکستر اور ملبے کا ڈھیر بن جائیں گے۔ آگ کی مثال کو ہر برائی پر چسپاں کر لیجیے کہ اس سے انسانی اعمال خاکستر اور برباد ہو جاتے ہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُّنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ »[رواہ مسلم، ریاض الصالحین]

”تم میں سے کوئی شخص برائی دیکھئے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر نہ روک سکے تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر زبان سے بھی منع کرنے کی طاقت نہ پائے تو (کم از کم) دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے“۔

غور کیجیے کہ برائی کے خلاف نفرت کا کمزور ترین درجہ دل سے بیزاری کا ہے، اگر یہ احساس بھی جاتا رہے تو پھر ایمان کہاں رہ گیا۔ یہ آخری درجہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ تمہارے ایمان کی چنگاری بھڑک اٹھے تو پھر تمہیں زبان کی قوت اور اس کے بعد ہاتھ کی قوت نصیب ہو جائے گی۔ کمزور ترین ایمان کی قوت زائل ہوتے ہی خطرناک اسٹیج آ جاتی ہے جس کا تذکرہ بنی اسرائیل کے واقعے میں ہوا ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”پہلی خرابی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ کوئی کسی برے آدمی سے ملتا اور کہتا کہ اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے جائز نہیں، پھر جب دوسرے دن ملتا اور اس کو اسی حالت میں پاتا تو پھر اسے نہ روکتا (بلکہ) اس کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہو جاتا، جب وہ یہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو یکساں کر دیا پھر ارشاد فرمایا:

﴿ لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝ تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَ فِی الْعَذَابِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَ لَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَا اتَّخَذُوْھُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ﴾ [المائدہ ۷۸:۸۱]

”بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داوٗد اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ نافرمان ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے، انہوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، برا طرزِ عمل تھا جو انہوں

نے اختیار کیا تھا، آج تم ان میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو (اہل ایمان کے مقابلے میں) کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں اور جو اعمال وہ اپنے لئے آگے بھیج رہے ہیں بہت برے ہیں کہ ان سے اللہ بھی ان پر ناراض ہو گیا اور خود بھی ہمیشہ عذاب میں رہیں گے، اگر وہ اللہ پر نبی ﷺ پر اور جو کچھ اس کی طرف نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاتے تو (ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ) کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے اکثر فاسق ہی ہیں۔''

یہ آیات مبارکہ (جن کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے) پڑھنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم لوگوں کو ضرور نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، اور ظالموں کے ہاتھ پکڑ لو اور ان کو زبردستی حق پر روکو اور ان کو حق پر مجبور کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے دلوں کو یکساں کر دے گا اور تم پر لعنت کرے گا جیسے ان پر کی۔ (یعنی بنی اسرائیل پر)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ، قَالَ : رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : « كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدَى الظَّالِمِ ، وَلَتَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا، وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا ...... أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ۔ »

[ابو داود= کتاب الملاحم، باب: الامر والنهی ،رقم الحدیث: ۳۷۷٤۔جامع الترمذی]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ ''لوگو! تم اس آیت مبارکہ کو پڑھتے ہو:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۗ ﴾

[المائدہ: ۱۰۵]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی فکر کرو، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو۔''

اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

« اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ أَوْشَكَ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِّنْهُ » [رواہ ابو داود الترمذی۔حوالہ ایضاً]

''جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں (اس کو ظلم وستم سے نہ روکیں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذابِ عام بھیج دے۔''

اقصائے عالم میں بھلائیوں کو فروغ دینا اور برائیوں کو مٹانا امتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے، قرآن

اعلان کرتا ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

''(مسلمانو!) دنیا میں تم وہ بہترین امت ہو جسے انسانوں کی (ہدایت واصلاح) کے لئے میدان پر لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہواور پھر اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

بلکہ حکم ہے کہ اہلِ علم وفضل کی ایک جماعت ہمہ وقت اس میدان میں مصروفِ عمل رہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [آل عمران ۱۰۴]

''تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو (لوگوں کو) نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح سے ہمکنار ہوں گے۔''

خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت قومِ عرب میں ہوئی اور آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک جماعت کو تیار کیا جس نے اس فریضے کو بتمام وکمال سرانجام دیا، اور اس سلسلے میں ہر قسم کا جہاد کیا، وہ جہاں بھی گئے ظلم وستم کو مٹایا اور عدل وانصاف کو قائم کیا۔

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عدل اس کا تھا قوی، لوثِ مراعات سے پاک
شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستئ فوق الادراک

یہ حقیقت ہے کہ آج دنیا میں جہاں کہیں اسلام اور مسلمانوں کا نشان نظر آتا ہے یہ ان کی ہی قربانیوں اور جانفشانیوں کا نتیجہ ہے،

افسوس کہ آج مسلمانوں میں جوش وجذبہ سرد پڑ چکا ہے دولت وامارت نے انہیں حکمت بصیرت اور قوت وشجاعت سے عاری کر دیا ہے غور کیجئے کہ اتنی بڑی نفری ہونے کے باوجود اسرائیل کی چھوٹی سی ریاست نے انہیں ذلیل وخوار کرکے ان کی سرزمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور ان پر ظلم وستم ڈھانا اس کا معمول بن چکا ہے، یہ سب کچھ اسلام کی تعلیمات سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔

کون ہے تارک آئین رسول مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار؟
ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار؟

اسلام نے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرویا تھا اور خبر دار کیا تھا کہ اپنی صفوں میں کبھی رخنہ پیدا نہ ہونے دیں، اگر ایسا ہوا تو اس کی سزا بھگتیں گے۔

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ﴾ [الانفال:٤٦]

”(دیکھو!) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“

مگر افسوس کہ تم خواہشاتِ نفس کے پجاری بن بیٹھے، تم نے انتشار اور فساد کی راہ اختیار کی، مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ گئے اور اسلام کی زریں تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

آئیے ......! ذرا وطن عزیز پر نگاہ ڈالیں۔ یہ خطۂ زمین بے شمار جانی اور مالی قربانیوں سے حاصل کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا تھا، حصول وطن میں جوانوں، بوڑھوں، بچوں اور خواتین نے جو جو قربانیاں دیں ان دلدوز واقعات کو پڑھ کر آج بھی دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے، یہ تمام تر جدوجہد کس کے لیے ہوئی؟ اس لیے کہ اسلام کا عادلانہ نظام قائم کیا جائے گا اور ہر شخص شجر اسلام کے سائے میں امن وسکون کی زندگی گزار سکے گا، قرآن حکیم نے آزاد ہونے والی مسلم ریاست کی اولین ذمہ داری یہ بتلائی ہے۔

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ [الحج: ٤١]

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے (نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کریں گے) نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

افسوس کہ آج اٹھاون سال گزرنے کے باوجود ملک میں اسلامی آئین کا نفاذ نہ ہوسکا، بلکہ آنے والی حکومت نے اسلام سے بغاوت کا راستہ اختیار کیا، جن لوگوں کو اسلام سے محبت نہیں ہے بھلا وہ پاکستان کے لیے مخلص کیونکر ہو سکتے ہیں؟ ان میں مسلمانوں سے وفاداری کیونکر ہوسکتی ہے؟

جب کسی ملک کا آئین پوری قوت سے نہ چلے تو وہاں قانون کی حکمرانی کیسے قائم ہوسکتی ہے، نتیجتاً ملک نہ صرف اخلاقی لحاظ سے کنگال ہو چکا ہے بلکہ مالی طور پر بھی دیوالیہ ہو چکا ہے، ہر قسم کی برائی اور بے حیائی آکاس بیل کی طرح پھیل چکی ہے، نوجوان نسل بہک رہی ہے جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے، کتنے الیکشن ہوئے اور کتنی حکومتیں مستحکم ہوئیں؟

قیام حکومت کے لیے ہم نے اسلامی اصولوں کو پس پشت ڈال کر مغرب کے جمہوری نظام کی نقالی کی ہے، اسلام نے حکومت کے نمائندوں کے انتخاب کو مجلس شوریٰ کے سپرد کیا ہے جو اہل علم وفضیلت پر مشتمل ہوتی ہے۔ "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُم"

اور ان کے تمام معاملات آپس کے صلاح مشورے سے طے پاتے ہیں۔ ان جمہوری انتخابات میں کتنے ارب روپے اب تک ضائع ہو چکے ہیں اور کتنی قیمتی جانیں تلف ہوچکی ہیں؟ اب تک کوئی نتیجہ سامنے آیا ہے؟

آج تک صالح نظام کے قیام میں علماء کرام کا نفاق اور افتراق بھی مانع رہا ہے، انہوں نے سر جوڑ کر کبھی بھی کلمۃ الحق کا جاری وساری کرنے کی کوشش نہیں کی ہے، کیا ان حالات میں ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخرو ہوسکتے ہیں؟

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِیْ دِيْنِیْ وَ دُنْيَایَ وَ اَهْلِیْ وَ مَالِیْ »

"اے اللہ! میں آپ سے اپنے دین، دنیا، اہل خانہ اور مال میں معافی اور سلامتی مانگتا ہوں۔"

اسلامی اخوت کے تقاضے

وَعَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَحَاسَدُوْا ، وَلَا تَنَاجَشُوْا، وَلَا تَبَاغَضُوْا، وَلَا تَدَابَرُوْا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ ، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَايَظْلِمُهٗ، وَلَايَحْقِرُهٗ ، وَلَا يَخْذُلُهٗ ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ » [رواه مسلم]

”سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے حسد نہ رکھو، ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو، ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو اور کوئی شخص دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے، اورتم سب اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (یادرکھو) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے حقیر جانے اور نہ اسے (کسی طرح بھی) ذلیل کرے۔ تقوٰی (کا مرکز) یہاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی جانب تین مرتبہ اشارہ کیا، پھر فرمایا کہ ......انسان کے لیے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے مسلمان پر ہر مسلمان کا خون ، اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو حرام ہے۔“

مشکل الفاظ:

” اَلنَّجَشُ “ أَنْ يَّزِيْدَ فِیْ ثَمَنِ سِلْعَةٍ يُنَادِیْ عَلَيْهَا فِی السُّوْقِ وَنَحْوَهٗ وَلَا رَغْبَةَ لَهٗ فِی شِرَائِهَا بَلْ يَقْصُدُ اَنْ يَغُرَّ غَيْرَهٗ وَهٰذَا حَرَامٌ۔“

”کسی شخص کی بولی پر محض شرارت کے طور پر نئی اور زیادہ بولی دینا جب کہ خریدنے کا کوئی ارادہ نہ ہو بلکہ دوسرے کو محض دھوکہ دینا مقصود ہو۔ یہ بات حرام ہے۔“

” اَلتَّدَابُرُ “ اَنْ يُّعْرِضَ عَنِ الْاِنْسَانِ وَيَهْجُرَهٗ، وَيَجْعَلَهٗ كَالشَّیْءِ الَّذِیْ وَرَاءَ الظَّهْرِ وَالدُّبُرِ۔ [الشیخ ناصر الدین الالبانی]

”یعنی کسی انسان سے منہ پھیر لینا، اس سے الگ ہو جانا اور کسی بے کار چیز کی طرح اس کو پس پشت رکھ کر حقارت و ذلت سے دیکھنا۔“

یاد رکھیے ......! کوئی جھگڑا اور فساد دو آدمیوں کے درمیان ہو یا دو قوموں کے مابین ، اس کا محرک آپس کا حسد و بغض، اپنی شوکت و سطوت کا لوہا منوانا، دوسروں کو نیچا دکھانا، ایک دوسرے کے حقوق تلف اور غصب کرنا ہوتا ہے۔ اس سے فریقین کے درمیان رنجش اور نفرت کے جذبات ابھرتے ہیں اور جب ان میں تیزی آتی ہے تو پہلے زبان درازی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور پھر ہاتھا پائی اور دنگہ فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے......لڑائی کے ان شعلوں میں افراد اور قومیں عقل و فکر سے خالی اور دانش و بینش سے عاری ہو جاتی ہیں، انہیں نہ تو انجام کی فکر رہتی ہے اور نہ اپنے نقصانات ہی کی پروا۔ جب یہ جنگ قوموں اور ملکوں کے درمیان چھڑتی ہے تو بے شمار قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، ان گنت انسان زخمی اور ناکارہ ہو جاتے ہیں اور ان کے علاج معالجے کے لیے ہسپتالوں میں جگہ بھی ناکافی ہو جاتی ہے۔عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جاتے ہیں، بھائی بہنوں کو داغِ مفارقت دے جاتے ہیں اور بہنیں بھائیوں کو داغ حسرت میں چھوڑ جاتی ہیں۔ اور دور حاضر میں تو انسانوں نے اپنی ہلاکت و بربادی کے لیے ایسے ایسے مہلک ہتھیار تیار کر لیے ہیں جن سے ہنستی کھیلتی بارونق آبادیاں دنوں میں نہیں گھنٹوں اور منٹوں میں ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ انسان اپنے خالق سے بیگانہ ہو کر اپنے آپ کو بھی فراموش کر چکا ہے...... اس وقت اس کی حیثیت حیوانات سے بھی بدتر ہو جاتی ہے، قرآن اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ﴾ [الاعراف:۱۷۹]

''ان کے پاس دل ہیں مگر ان سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے، آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں، کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے (وہ عقل و حواس کا استعمال کھو کر) چوپاؤں کی طرح ہو گئے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے۔''

اسلام اپنے پیروکاروں کو نہ صرف زیور علم سے آراستہ کرتا ہے بلکہ ان کی تہذیب نفس بھی کرتا ہے، مسرت و شادمانی کی کیفیت ہو یا غیظ و غضب کی حالت، وہ بندۂ مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب بناتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میرے ربّ نے مجھے حکم دیا ہے۔

« خَشْيَةَ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ ، وَكَلِمَةَ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضٰى »

''کہ میں ظاہر اور چھپے ہوئے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہوں اور غصے کی حالت میں ہوں یا خوشی کی کیفیت میں عدل و انصاف ہی کی بات کہوں۔''

یہی نہیں بلکہ اسلام کی نظر میں حقیقی معنوں میں دلیر اور بہادر اسے جانا گیا ہے جو غم وغصہ کی حالت میں نفس کا محکوم نہیں بلکہ اس پر حاکم ہو، لسانِ نبوت سے اس بات کو اس طرح ادا کیا گیا ہے:

« لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ، اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ »

[متفق علیہ۔ ریاض الصالحین، باب الصبر]

''بہادر وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے (حقیقی) بہادر تو وہ ہے جو غیظ وغضب کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔''

نفس کو ضبط میں رکھنا ہی شرف انسانیت اور کمال آدمیت ہے شاید دنیا میں سب سے خطرناک اور موذی چیز یہی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا

قرآن حکیم نے نفس کی اصلاح کو کامیابی کی راہ اور نفس کی پیروی کو ناکامی کا راستہ قرار دیا ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ ﴾ [الشمس: ۹۔۱۰]

''کامیاب ہوا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے گھٹیا بنایا۔''

قرآن حکیم نے اشتعال اور غصے کے مواقع پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنے اور دوسروں کو معاف کر دینے کی تربیت دی ہے، ربّ غفور کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ ﴾

[الشوریٰ: ۳۷]

''(ابرار و صالحین تو وہ ہیں) جو کبیرہ گناہ اور بے حیائیوں سے بچتے رہتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔''

آتشِ غیظ وغضب ہی بالآخر افراد اور اقوام کے درمیان جنگ کا باعث بنتی ہے اور اسلام اس پر کنٹرول کرنا سکھاتا ہے، اس کے علاوہ کسی کی جاہ وجلال اور مال ومنال کو دیکھ کر حسد ونفرت کے جذبات ابھرنا پسندیدہ بات نہیں ہے، اس پر قرآن حکیم کی زریں تعلیمات قابل ذکر ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ ﴾ [النساء: ۳۲]

''اور (دیکھو!) اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں جو فضیلت دے رکھی ہے، اس کی تمنا نہ کرو (کہ کاش ہمیں یہ ملا ہوتا)''

رسول اللہ ﷺ نے اس کی تربیت ان الفاظ میں فرمائی ہے:

« اُنۡظُرُوۡا اِلٰی مَنۡ هُوَاَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ وَلَا تَنۡظُرُوۡا اِلٰی مَنۡ هُوَ فَوۡقَكُمۡ، فَهُوَ أَجۡدَرُ اَنۡ لَّا تَزۡدَرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ » [متفق علیه، ریاض الصالحین باب فضل الزهد]

”اپنے سے کم درجے والوں کو دیکھو، بڑے درجے والوں کو نہ دیکھو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہ جانو گے۔“

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر حسد و رقابت اور غم وغصہ ایسے سفلی جذبات کو قابو میں رکھا جائے تو انسانوں کے درمیان حق تلفیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اسی سے دنیا بھر میں امن وسلامتی کی فضا قائم ہوسکتی ہے، پھر اسی سے نفس میں پاکیزگی اور طہارت آتی ہے اور انسان تقوٰی کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے جو دنیا و آخرت میں اسے فوز و فلاح سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

دعاوالتجاء:

« رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ وَتُبۡ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الۡغَفُوۡرُ »

”اے ربّ! آپ مجھے بخش دیجیے اور میرے اوپر توجہ فرمائیے، آپ تو بہت زیادہ توجہ کرنے والے اور بخشنے والے ہیں۔“

تربیت اولاد

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ کوئی باپ اپنے بچہ کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے۔

[ترمذی۔ کتاب البر والصلة باب ما جاء فی ادب الولد۔ بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد ششم۔ سید سلمان ندوی]

اس کائنات میں انسان کا شرف وکمال عمدہ اخلاق کی بناء پر ہے حسن سیرت ہی حسنِ صورت کو چمکاتا ہے۔ اگر کوئی انسان اچھے اخلاق سے آراستہ ہے تو وہ انسانیت کی معراج پر فائز ہوتا ہے۔ اور جیسے جیسے اس میں عمدہ اخلاق کی کمی آتی جائے گی وہ اپنے مقام اور مرتبہ سے محروم ہوتا جائے گا۔ اور پھر یہی انسان بداخلاقی کی انتہاء پر حیوانات سے بھی ذلیل تر ہوجاتا ہے۔ گو شکل وصورت میں انسان ہے مگر اپنے برے اعمال اور کردار کے باعث حیوانات سے بھی فروتر ہے۔ قرآن ایسے بدخلق انسانوں کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے۔

﴿ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا ۡ وَ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا ۡ وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا

يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ﴾ [الاعراف: ۱۷۹]

''ان کے دل تو ہیں مگر عقل وفکر سے عاری۔ان کی بصارت تو ہے مگر بصیرت سے محروم۔ان کے کان تو ہیں مگر (سچائی) کو سنتے نہیں (غرض) وہ مثل چوپایوں کے ہیں۔(نہیں نہیں) بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہوئے۔''

بلامبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں اسلام ہی ایک ایسا سچا اور پاکیزہ دین ہے جس کے پاس انفرادی، اجتماعی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر اخلاقی قوانین موجود ہیں بلکہ انہیں حرزِ جان بنانے والوں کی کثیر تعداد بھی موجود ہے جن کی پاکیزہ زندگیاں دوسروں کے لیے مشعل راہ بنتی رہیں۔اور اس راہ کے گلِ سرسبد جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہے۔جس کی شہادت خود ربِ کریم نے دی ہے۔

﴿ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ [القلم: ٤]

''اور لاریب آپ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔''

افراد کے مل جل کر رہنے سہنے سے ہی معاشرتی زندگی کی داغ بیل پڑتی ہے۔اور عقیدہ وفکر کی یکسانی سے ہی کوئی قوم وجود میں آتی ہے۔جس طرح کسی دیوار کی تعمیر میں ہر اینٹ اہمیت رکھتی ہے۔اسی طرح قوم کی تعمیر وترقی میں ہر فرد کی حیثیت مسلم ہے۔اور افراد کی تعلیم وتربیت کا پہلا مرکز گھر ہے۔افراد خانہ کے سرپرستوں کو قرآن ہدایت کرتا ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ [التحریم: ٦]

''اے اہل ایمان! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (دوزخ) کی آگ سے بچاؤ۔''

اس آیت پر غور کیجیے کہ بڑوں کو حکم پہلے ہے کہ وہ احکام الٰہی کے پابند ہوں تا کہ چھوٹے انہیں دیکھ کر اچھائی کی پیروی کریں۔اسلام کی تعلیمات کی یہ خوبی ہے کہ وہ ہمیشہ اچھی مثال قائم کرنے کو کہتا ہے۔پیغمبر کو حکم ہوتا ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیجیے لیکن یہ تاکید کی جاتی ہے کہ پہلے خود اس پر پابندی کیجیے۔

﴿ وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ [طٰہٰ: ۱۳۲]

''اور (پیغمبر) اپنے گھر والوں کو نماز کی تلقین کیجیے اور (خود بھی) اس کے پابند رہیے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی بتمام وکمال رضائے الٰہی میں بسر ہوئی ۔نہ صرف اہلِ خانہ

کے لیے بلکہ تمام امت کے لیے نمونہ ٹھہری۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب۔۲۱]

''(مسلمانو) لاریب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ تمہارے لیے نمونہ ہے۔''

پس اخلاقی تربیت کا سب سے پہلا میدان گھر ہے۔ اور بیوی بچوں سے تربیت کا آغاز ہوتا ہے اور یہ تربیت صرف اسی وقت کامیاب رہ سکتی ہے جب سرپرست اور والدین کی اپنی زندگیاں سیرت و کردار کے سانچے میں ڈھلی ہوں۔ جس طرح نرسری کا مالی پودوں کی رکھوالی اور نگہداشت ٹھیک کرتا ہے۔ اور اس کے پودے مضبوط اور تناور درخت بن جاتے ہیں۔ اسی طرح والدین کی پاکیزہ اور صحیح خطوط پر تربیت سے سچے کھرے مسلمان اور پاکیزہ شہری بن سکتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ سکول اور کالج کا ماحول اور اساتذہ کی تعلیم و تربیت کا بھی بچوں کے تشکیل کردار اور تعمیر اخلاق میں بڑا ہاتھ ہے۔ اور اسلام نے معلم اور مربی کے لیے بھی ہدایات فراہم کی ہیں جن پر غور و فکر ہونا چاہیے۔ مگر آج کا ہمارا موضوع گھرانہ ہے اور گھر ہی بچے کی تربیت کا پہلا مدرسہ ہے۔ مشہور شاعر اکبر الٰہ آبادی اپنے بیٹے عشرت کو کیا خوب نصیحت کرتے ہیں۔ ؎

تحصیل علوم کر کہ دولت ہے یہی
اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی
اکبر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت!
محفوظ ہو معصیت سے عزت ہے یہی

جناب لقمان رحمہ اللہ اپنے وقت کے بڑے دانا اور عقلمند شخص گزرے ہیں انہوں نے اپنے بیٹے کو اچھی باتوں کی نصیحت کی جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا۔ اور اپنی کتاب مبین میں ان کا ذکر فرما کر ہمارے لیے روشنی اور ہدایت کا سامان بنا دیا۔ طوالت کے خوف سے صرف ترجمہ اور تفہیم پیش خدمت ہے۔

''لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا، اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق سے متعلق حکم دیا۔

''اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے (کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد دنیا میں پہلے ماں اور باپ کے حقوق ہیں اور یوں سمجھایا کہ) اس کی ماں نے تکلیف

پر تکلیف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا (اور پیدائش کے بعد) دو سال تک اسے دودھ پلانے کی قربانی دی۔اس لیے (اے انسان تجھ پر واجب ہے) کہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر (اور یاد رکھ) آخر میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے۔ہاں اگر وہ دونوں (تمہارے ماں باپ) تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کا تیرے پاس کوئی علم نہیں (کسی علم عقلی ونقلی سے ایسا ہونا ممکن ہی نہیں) پس تو ان کا کہا نہ مان،اور (اس کے باوجود) دنیا (کی زندگی) میں تو ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ اور اس شخص کی راہ اختیار کر جو ہماری طرف رجوع کرتا ہے۔(یعنی اطاعت اس کی کرو جو ہمارا بندہ بن کر ہماری ہی بندگی کرتا ہے اور ہم ہی سے مانگتا ہے اور ہماری طرف سب کو بلاتا ہے) اور (یاد رکھو) تم سب کو میری طرف لوٹنا ہے۔پھر روز جزا تمہارے اعمال کی تمہیں خبر کردوں گا۔''

لقمان رحمہ اللہ کی دانائی کی باتوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخشی تھیں یہ بھی تھیں۔

''اے میرے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو (چھوٹی سے چھوٹی اور باریک سے باریک چیز ہی کیوں نہ ہو۔) وہ کسی چٹان میں ہو یا زمین آسمان کے کسی کونے کھدرے میں تو اللہ تعالیٰ اسے بھی (روز جزا) موجود کرے گا۔بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین خبردار ہے۔''

(جب کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز سے وہ باخبر ہے تو تیرا ہر عمل اس کے سامنے ہے۔لہٰذا اس کے حضور سرخرو ہونے کے لیے) اے میرے بیٹے نماز قائم رکھ (خشوع وخضوع سے سنت کے مطابق پابندیٔ وقت سے باجماعت نماز ادا کرتا رہ) اور لوگوں کو نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے منع کر (تاکہ نیکی پھلے پھولے اور بدیوں کا قلع قمع ہو۔)

اور (اس سلسلہ میں) جو تکلیف اور مصیبت تجھے پہنچے اس پر صبر کرلے بے شک یہ صبر اور استقامت بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

''اور لوگوں سے بے رخی (غرور اور پندار) سے نہ ملو (بلکہ خندہ پیشانی اور خندہ جبینی تمہارا شیوہ ہو) اور زمین پر اتراتے ہوئے (اکڑتے اور فساد پھیلاتے) نہ چل۔بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے،خود پسند کو نہیں چاہتا ہے اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر (چلنا پھرنا ہو یا رہنا سہنا،اعتدال اور انکسار کو اختیار کرو) اور اپنی آواز کو پست رکھو (چیخ اور چلا کر،گلا پھاڑ پھاڑ کر (بات نہ کرو کہ یہ کانوں کو بری معلوم ہوتی ہے اور انسانی شرف کے خلاف ہے

اور) بے شک گدھے کی آواز تمام آوازوں میں زیادہ بری اور (کرخت) معلوم ہوتی ہے اور انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔اسے حیوانات کی طرح بودوباش اور چال ڈھال سے بچنا چاہیے۔" [سورة لقمان: ۱۲ ۔۱۹]

اسلام ہمارے بچوں اور جوانوں میں جو پاکیزہ افکار وعادات پیدا کرنا چاہتا ہے اس کا کچھ اندازہ مندرجہ بالا سطور سے ہوچکا ہوگا۔اس کے برعکس ذرا اپنی معاشرتی زندگی پر نگاہ ڈالیے۔ہماری نوجوان نسل کی کس طرح کردارکشی کی جارہی ہے،سینما اور ٹی وی نے ،ڈش انٹینا اور فحش لٹریچر نے بچوں کے اخلاق کو تہس نہس کرکے رکھ دیا ہے۔ اس پر نہ والدین فکرمند ہیں اور نہ حکومت کو کوئی تشویش ہے۔ماں باپ اور بہن بھائی،اور جوان بہو بیٹیاں بڑے ذوق وشوق سے ٹی وی اور ڈش انٹینا کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور رات دیر تک نہ صرف اپنی صحت کر برباد کرتے ہیں بلکہ اخلاق سے بھی تہی دامن ہوجاتے ہیں اور افراد اور قوموں کی سب سے بڑی تباہی اخلاقی تباہی ہی ہوتی ہے۔

دعا و التجاء:

﴿ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰهُ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡكَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۝ ﴾[الأحقاف: ۱۵]

"اے میرے رب! توفیق دیجیے مجھ کو کہ میں شکر ادا کرتا رہوں آپ کی ان نعمتوں کا جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور (توفیق دیجیے) کہ میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جن سے آپ راضی ہو جائیں اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کر مجھے (راحت اور ٹھنڈک) پہنچایئے۔ میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں۔"

ایثار وغم خواری

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا کہ میں بھوکا ہوں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کے پاس کہلا بھیجا جو کچھ کھانا ہو بھیج دو۔انہوں نے جواب بھیجا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے میرے پاس سوائے

پانی کے کچھ نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے دوسری بی بی کے پاس کہلا بھیجا، انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ یہاں تک کہ سب نے یہی جواب دیا کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے۔اس کی قسم میرے پاس سوا پانی کے کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے پوچھا کہ اس رات میں کوئی مہمانی کرسکتا ہے؟ایک انصاری نے عرض کیا یارسول اللہ !میں پھران کو اپنے گھر لے گئے۔اپنی بیوی سے کہا،رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی خاطر تواضع کرو۔

ایک روایت میں ہے کہ اپنی بیوی سے پوچھا کچھ ہے؟وہ بولیں نہیں صرف بچوں کا کھانا ہے،کہا ان کوکسی طرح بہلالو،جب رات کا کھانا مانگیں تو انہیں بہلا کر سلا دینا۔جب ہمارے مہمان آئیں تو چراغ گل کردینا۔(اور ہم محض دانتوں سے چباتے رہیں) تاکہ ان پر ظاہر ہو کہ ہم بھی کھا رہے ہیں، غرضیکہ انہوں نے اس صورت سے مہمان کو کھلالیا اور خود ساری رات فاقہ سے گذاردی۔جب صبح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے (میزبان صحابی رضی اللہ عنہ) سے فرمایا:

«لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ» [ریاض الصالحین،باب الایثار والمواساۃ]

”تم نے گزشتہ رات جو کچھ اپنے مہمان کے ساتھ معاملہ کیا ہے،اللہ کو بہت پسند آیا۔“

یہ وہ لازوال اور بے مثال واقعہ ہے جس کا ذکر وحی الٰہی نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر: ۹]

”اور وہ (دوسروں کو) اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو۔“

صحیح مسلم کی روایت میں اس میزبانی کرنے والے صحابی کا نام سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھا۔

[بحوالہ ابن کثیر جلد:۵]

ایثار درحقیقت احسان ومروت،فیاضی اورسخاوت کا سب سے بڑا اور سب سے آخری درجہ ہے اور اس میں شرف انسانیت کا ایسا کمال اور جمال نظر آتا ہے کہ جس سے ربّ کائنات کی رضامندی اورقرب نصیب ہوجاتا ہے۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴾ [الدھر:۸]

”اور (یہ وہ لوگ ہیں جو) مسکین،یتیم اور قیدی کو محض (اپنے مالک ومولا) کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں (آسانی اور راحت میں بھی اور تنگی ترشی میں بھی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایسے صاحب ثروت بھی نظر آتے ہیں جن کا مال غرباء اور مساکین

نیز عظمت اسلام کے لیے وقف تھا اور پھر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ایسے غریب بھی دکھائی دیتے ہیں جو باوجود غریب ہونے کے جذبہ خدمت خلق سے سرشار تھے۔

ایثار وہمدردی کا اجتماعی مظاہرہ مکہ سے مدینہ ہجرت کے موقع پر ہوا۔مہاجرین نے گھر بار چھوڑا،کاروبار کو خیر باد کہا۔وطن سے بے وطن ہوئے اور لٹے پٹے جب وہ مدینہ پہنچے تو انصار مدینہ نے جس خلوص اور محبت سے ان کے لیے دیدہ و دل فرش کیے وہ تاریخ کا ان مٹ واقعہ ہے۔کھیتوں اور کھلیانوں میں،مکانوں اور زمینوں میں انہیں برابر کا حصہ دار بنایا گیا بلکہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھا کر بھی انہیں راحتیں اور سہولتیں مہیا کی گئیں۔اور مہاجرین پردیس پہنچ کر بھی دیس کی طرح رہنے سہنے لگے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ابوایوب انصاری کے گھر ہوا۔لوگوں کی ملاقات کی سہولت کے پیش نظر آپ نیچے کی منزل میں تشریف رکھتے تھے اور ابو ایوب انصاری اپنے اہل وعیال کے ساتھ بالائی منزل پر رہتے تھے۔کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ مٹکا جس میں ہم پانی رکھتے تھے،ٹوٹ گیا میں نے اور ام ایوب نے اپنی چادر سے،جس کے علاوہ ہمارے پاس اوڑھنے کی کوئی چیز نہ تھی۔اس پانی کو خشک کیا کہ کہیں خدانخواستہ نیچے نہ ٹپکنے لگے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو۔ یہ تھیں ایثار وہمدردی کی لازوال داستانیں جن کی ربّ کائنات نے اپنی کتاب مبین میں مدح سرائی کی ہے۔

”(اور مال غنیمت)ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیے گئے ہیں اور وہ اللہ کے فضل اوراس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔یہی راست باز لوگ ہیں اور ان کے لیے جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ میں)اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اپنی طرف ہجرت کرکے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی دغدغہ نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی شدید حاجت ہو۔“ [الحشر:۸ تا ۹]

اور تو اور میدان جنگ میں،زخموں سے چور مجاہدین اسلام جان بلب ہیں مگر ایثار وقربانی کا جذبہ ایسا موجزن ہے کہ اپنی جان سے اپنے بھائی کی جان زیادہ پیاری اور عزیز ہے۔شاعرانہ زبان میں اس واقعہ کو پڑھیے۔

ترے اسلاف میں یہ باہمی الفت کا عالم تھا
کہ کچھ زخمی پڑے تھے اک جگہ اسلام کے شیدا

نزع کی پیاس تھی پانی کوئی لے کر جو جا پہنچا
وہ پہلے ایک کو دینے لگا پانی کا جب کوزا
کہا اس نے کہ پہلے دوسرا پی لے تو بہتر ہے
کہ میرا قوتِ بازو ہے اسلامی برادر ہے
وہ پانی دوسرے کے پاس لے کر جس گھڑی آیا
کہا اس نے کہ میں پانی پیوں مجھ کو نہیں زیبا
کہ تڑپے پیاس سے بھائی کلیجہ ہو میرا ٹھنڈا
غرض وہ جس کو دیتا تھا جواب اس نے یہ ہی پایا
پیا ہر ایک نے المختصر جام شہادت کو
کہ جاں ایثار کرکے اپنی دکھلایا محبت کو

مسلمانو! یہ واقعات صرف پڑھنے کے لیے رہ گئے اب بے عملی اور دین سے بے گانگی کے سبب ہم پر نکبت وادبار کی گھٹا چھارہی ہے۔ایثار وہمدردی کے جذبات ختم ہی نہیں عنقا ہوچکے ہیں۔ بھائی، بھائی سے روٹھا ہوا ہے۔

خاندانوں میں الفت ومحبت غائب ہے۔اخوتِ اسلامی کے مناظر دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں۔ پڑوسی کو پڑوسی کی خبر نہیں ہے۔غور کیجیے ایک امیر شخص اپنے بیٹے، بیٹی کی شادی پر لاکھوں خرچ کررہا ہے،اس کی کوٹھی گزشتہ کئی شب سے قمقموں کی روشنی سے جگمگا رہی ہے جس کا بل ہی ہزاروں روپے آرہا ہے۔اگر وہ نمودونمائش سے پرہیز کرتا تو نہ معلوم کتنے غریب گھرانوں کی بیٹیوں کے ہاتھ پیلے ہوسکتے تھے۔ایک اور دولت مند کے گھر شب وروز دسترخوان پر رنگ برنگ کے کھانے چنے جاتے ہیں اور کتنا بچا کچھا رزق ضائع کردیا جاتا ہے۔کاش اسے معلوم ہوتا کہ اس کے پاس پڑوس میں ایک بیوہ کے یتیم بچوں کو نان جویں بھی میسر نہیں ہے۔اس بیوہ کا ایک بچہ بیمار پڑا ہے مگر اس کے پاس دوا دارو کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ بچے کی حالت زار دیکھ کر باربار ماں کی آنکھوں میں آنسو تیرتے ہیں مگر دولتمند اپنی دولت میں مخمور ہے۔ادھر دیکھیے یہ سفید پوش کلرک اپنے مریض بچے کو کسی سپیشلسٹ کو دکھانا چاہتا ہے کیونکہ اسے ایسا ہی مشورہ دیا گیا ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب ہر بار(ہر

وزٹVisit پر) چارسوروپے لیتے ہیں۔ وہ اپنا دل تھام کر رہ جاتا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اپنی کارکوٹھی کے علاوہ اپنے ہر بچے کے لیے الگ الگ کار اور کوٹھی بنا لی ہے۔کیا یہ محل غریب مریضوں کا خون چوس چوس کرنہیں بنے ہیں؟

مسلمانو! ذرا سوچو تمہارے اندر تمام اخلاقی قدریں گم ہوچکی ہیں۔اس لیے اقبال وعروج نے بھی تمہارے یہاں سے بوریابستر لپیٹ لیا ہے۔ایثار وہمدردی کی جگہ تمہارے اندر سنگدلی اور قساوت درآئی ہے۔

ذرا بس سٹینڈ پر کھڑے ہجوم کو دیکھیے کہ اس میں بوڑھے بھی ہیں اور خواتین بھی کھڑی ہیں مگر جونہی بس آتی ہے دھکم پیل میں نہ بوڑھوں کا خیال ہے اور نہ عورتوں کی عزت کی پروا بلکہ سنگدلی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ خواتین کی عصمتیں لٹ رہی ہیں۔ بچے اغوا ہورہے ہیں۔چوری اور ڈکیتی کا بازار گرم ہے۔قتل وغارت روزمرہ کا معمول ہے اور مساجد تک محفوظ نہیں ہیں۔نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

﴿ وَ مَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ۝ ﴾

[الشوریٰ ۳۰]

”اور جو تم پر مصیبت پڑتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا بدلہ ہے (تمہارے ہی برے اعمال کا خمیازہ ہے) اور وہ ربّ کریم تو بہت سے گناہ معاف کردیتا ہے۔“

اے اللہ ہمیں رسوائیوں سے بچالے۔

دعاء والتجاء:

« رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ۝ »[آل عمران:۸]

”اے ہمارے ربّ ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کرنا اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت عطافرمائیے بے شک آپ عطا فرمانے والے ہیں۔“

عہد کی پابندی

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر خطبہ میں یہ ضرور فرمایا کرتے تھے۔

« لَا دِيۡنَ لِمَنۡ لَّا عَهۡدَ لَهٗ » [احمد، طبرانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج:٦]

”جس میں عہد نہیں، اس میں دین نہیں“

انسان کا تمام تر شرف وکمال اس کے عمدہ اخلاق، پاکیزہ عادات، اچھے رویے اور صاف ستھرے برتاؤ میں مضمر ہے۔وہ ایک طرف اگر اپنے ربّ کا مطیع وفرمانبردار بندہ بن جائے تو دوسری طرف اس کے بندوں کے ساتھ سچا اور کھرا معاملہ بھی کرے۔ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔دکھ درد میں کام آئے۔اور نرم وگرم حالات میں کبھی بے رخی اختیار نہ کرے۔یہی وہ باتیں ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے معاشرتی زندگی کا توازن برقرار رہتا ہے۔

اسلام ہر مسلمان کو عمدہ اخلاق سے آراستہ کرتا ہے تا کہ وہ معاشرے کا صحت مند رکن بن کر معاشرتی زندگی میں امن وسلامتی کا نشان بن جائے اور اس کی وجہ سے خوشی اور خوش حالی میں پھلے پھولے،ان اخلاقی خوبیوں میں سے ایک خوبی عہد کی پابندی بھی ہے۔ایفائے عہد شریعت میں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

''عام طور پر لوگ عہد کے معنی صرف قول وقرار کو سمجھتے ہیں لیکن اسلام کی نگاہ میں اس کی حقیقت بہت وسیع ہے،وہ اخلاق ،معاشرت،مذہب اور معاملات کی ان تمام صورتوں پر مشتمل ہے۔جن کی پابندی انسان پر عقلاً،شرعاً،قانوناً اور اخلاقاً فرض ہے۔اور اس لحاظ سے مختصر سا لفظ انسان کے بہت سے عقلی،شرعی،قانونی،اخلاقی اور معاشرتی فرائض کا مجموعہ ہے۔

[سیر ت النبی ﷺ۔ج:٦]

آیئے غور کریں کہ قرآن وحدیث میں عہد کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

سب سے پہلا عہد تو خالقِ کائنات اور اس کے تمام بندوں کے درمیان ہے کہ عالمِ ارواح میں ان سب سے پوچھا گیا۔

﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾

''کیا میں تم سب کا پروردگار نہیں ہوں''

تو سب نے بیک زبان جواب دیا۔

﴿ بَلٰى ﴾ [الاعراف:١٧٢]

''کیوں نہیں یقیناً آپ ہی ہمارے معبود برحق ہیں''

اب اس کرہ ارض پر بسنے والے ہر انسان کا فرض ہے کہ خالق ومالک کے بے حد وحساب انعامات پر اس کا احسان مند رہے۔اسی کی اطاعت وفرمانبرداری کا دم بھرے۔اسی کی یاد سے خوشی واطمینان حاصل کرے اور زندگی بھر اسی کا مطیع اور وفادار غلام بن کر رہے۔

پھر انسانوں کے مابین آپس کے عہد و پیمان ہیں۔جنہیں نبھانا ضروری ہے۔یہ کاروباری عہد و پیمان بھی ہوتے ہیں۔اور سیاسی امور سے متعلق بھی۔یہ معاشرتی عہد و پیمان بھی ہوتے ہیں۔اور اخلاقی وقانونی معاملات سے متعلق بھی۔

کاروباری سلسلہ میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنی تجارت کو دھوکہ اور فریب سے بچاؤ۔ایسا نہ ہو کہ تمہارے کاروبار کی ساکھ کو نقصان پہنچے۔اور نتیجتاً اندرونی اور بیرونی تجارت ٹھپ ہو کر رہ جائے۔ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل۔آیت ۳۵]

''اور عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ (روز جزا) عہد کی باز پرس ہوگی اور جب ناپ کر دو تو پیمانہ کو پورا بھر دیا کرو اور (تول کر دینا ہو تو) ڈنڈی سیدھی رکھ کر تول دو۔(آپس کے معاملات کا) یہ بہتر (طریق ہے) اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

قانون یا رسم ورواج سے جو وزن یا پیمانہ مقرر ہو جاتا ہے وہ درحقیقت ایک معاہدہ ہوتا ہے جس کی پابندی بیچنے والے اور خریدنے والے پر ضروری ہو جاتی ہے اس وزن کا اعتماد اٹھتے ہی تمام کاروباری سلسلہ تلپٹ ہوسکتا ہے۔اسی طرح کسی ملک کی حکومت لوگوں کے درمیان لین دین اور تجارت کے لیے کرنسی نوٹ چھاپتی ہے۔جو سب کے لیے قابل قبول ہوتے ہیں،وہ بھی دراصل حکومت اور پبلک کے درمیان معاہدے کی ایک شکل ہے۔

پھر عہد کی پاسداری کی وہ شکل ہے جس کی ضرورت معاشرتی زندگی میں آئے دن پڑتی رہتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کے پاس کوئی رقم یا چیز کسی خاص مدت کے لیے رکھی جاتی ہے اور وعدہ لیا جاتا ہے کہ وہ شخص حقدار کو اس کی رقم یا چیز من وعن مقررہ مدت میں لوٹا دے۔کسی امانت کو ٹھیک ٹھیک واپس کرنے والا شخص امین اور دیانت دار کہلاتا ہے جیسا کہ لوگ ہمارے پیارے رسول ﷺ کے پاس نبوت ملنے سے پہلے بھی امانتیں رکھتے اور طلب کیے جانے پر آپ ان کے حقداروں کو واپس کر دیتے۔اس لیے لوگ آپ ﷺ کو صادق وامین کے نام سے یاد کرتے۔ایسے ہی نیک لوگوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ ﴾ [مؤمنون:۸]

''اور جو اپنی امانتوں اور اپنے قول وقرار کی پاسبانی کرتے ہیں''

سچے اور اچھے مسلمانوں کی یہی شان ہے جب کہ اس کے خلاف چلنے والے منافق کہلاتے ہیں۔نبی

مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

« اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا ، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا : اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ »[متفق علیه]

''جس شخص میں چار باتیں ہوں وہ پوری طرح منافق ہے اور جس میں ان سے ایک بات ہوتو اس میں نفاق کی وہ علت پائی جاتی ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے اور وہ چار باتیں یہ ہیں۔ جب اسے کوئی امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ اور کسی سے جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔''

پھر وہ سیاسی عہد و پیمان ہیں جو ملکی سطح پر بھی ہوتے ہیں اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔ کسی ملک میں جو سیاسی پارٹی برسر اقتدار آتی ہے، اس کے اراکین پبلک کو وعدے دے کر ووٹ لیتے ہیں کہ وہ ان کے مفاد کے لیے کام کریں گے۔ اسی طرح ملکوں کے مابین صلح و امن کے معاہدے طے پاتے ہیں جن کی پاسداری لازمی اور ضروری ہوتی ہے۔

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کا کفار مکہ سے جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس کی حفاظت مسلمانوں نے آخر دم تک کی۔ کفار مکہ کے نقضِ عہد کے باوجود مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احتیاط کی روش اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔ جن مشرکوں نے اس معاہدہ کو توڑا تھا، ان سے لڑنے کی اجازت گو دے دی گئی تھی اور مکہ فتح بھی ہو چکا تھا پھر بھی حکم ہوا کہ انہیں چار ماہ کی مہلت دی جائے کہ اس مدت میں وہ اپنے معاملے پر اچھی طرح غور کر لیں۔ لڑنا ہے تو لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں ملک چھوڑ کر جانا ہے تو مدت ختم ہونے سے پہلے نکل جائیں اور اگر اسلام لانا ہے تو اسلام لے آئیں۔ سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات میں یہی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اس واقعہ پر اس طرح لکھتے ہیں۔

''کوئی شخص کتنے ہی مخالفانہ ارادے سے مطالعہ کرے لیکن تاریخ اسلام کے چند واقعات اس درجہ واضح اور قطعی ہیں کہ ممکن نہیں ان سے انکار کیا جاسکے۔ ان میں سے یہ کہ جو جماعتیں پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالف تھیں۔ ان کے تمام کام اول سے لے کر آخر تک ظلم وتشدد، دغا وفریب، وحشت وخونخواری پر مبنی رہے۔ اور پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا ان کا ایک ایک فعل صبر وتحمل راستی ودیانت اور عفو وبخشش کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ

تھا،مظلومی میں صبر،مقابلہ میں عزم، معاملہ میں راست بازی،طاقت واختیار میں درگذر،تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جوکسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔" [ترجمان القرآن، ج:۲]

اسلام کے اس عادلانہ اور منصفانہ نظام کا یورپ کے نظام سے موازنہ کیا جائے تو اسلام کی حقانیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

دعاو التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَ سَکَرَاتِھَا »

"اے اللہ! موت کی سختیوں اور بے ہوشیوں پر میری مدد کیجیے۔"

خیرخواہی

عَنْ اَبِیْ رُقَیَّۃَ تَمِیْمِ بْنِ اَوْسِ نِالدَّارِمِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ (ثَلَاثًا) قُلْنَا لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ قَالَ لِلّٰہِ وَ لِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَ لِأَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ »[صحیح مسلم=کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ، رقم الحدیث: ۸۲ ،جامع الترمذی=کتاب البر والصلۃ عن رسول اللّٰہ ﷺ، باب : ما جا فی النصیحۃ، رقم الحدیث:۱۸۴۹، سنن النسائی ،سنن ابو داؤد ، مسند احمد]

"ابورقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے تین بار فرمایا(زورِ بیان اور تاکید کے لیے) کہ دین خیرخواہی کا نام ہے اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا،کس کے لیے اے اللہ کے رسول ﷺ ؟ فرمایا،اللہ کے لیے اس کی کتاب کے لیے،اس کے رسول کے لیے۔ائمۃ المسلمین کے لیے اور ان کے عوام کے لیے۔"

لغت: اَلنُّصح کسی ایسے قول یا فعل کا قصد کرنے کو کہتے ہیں جس میں دوسروں کی خیرخواہی اور بھلائی ہو۔[مفردات القرآن امام راغب اصفہانی]

نصیحت کے معنی خالص اور صاف کرنے کے بھی آتے ہیں۔چنانچہ شہد کو شمع سے الگ کردیا جاتا ہے تو کہا جاتاہے۔ نَصَحْتُ العَسَلَ (میں نے شہد کو خالص اور صاف کردیا)اسی لیے ابوعمرو بن الصلاح نصیحت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" اَلنَّصِیْحَۃُ کَلِمَۃٌ جَامِعَۃٌ تَتَضَمَّنُ قِیَامَ النَّاصِحِ لِلْمَنْصُوْحِ بِوُجُوْہِ الْخَیْرِ اِرَادَۃً وَ

فِعْلًا"[بحوالہ تحفہ علم وحکمت۔ابوعامر محمد اسحاق خان]

نصیحت ایک جامع کلمہ ہے ۔مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کو نصیحت کی جارہی ہے۔اس کے لیے ہر خیر اور بھلائی کا طلبگار ہونا۔

(ا) اللہ تعالیٰ کے لیے نصیحت کا مفہوم یہ ہے کہ بذات خود اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار بندہ بننے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اسی کی راہ پر دعوت دی جائے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ [حٰم السجدہ:۳۳]

''اور اس سے بہتر کس کا قول ہے جو (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور (خود بھی) عمل صالح کرتا رہے۔اور اس کی صدا ہو کہ میں فرمانبردار ہوں۔'' (اللہ کا بندہ مسلمان ہوں)

(ب) اس کی کتاب کے لیے نصیحت کا مفہوم یہ ہے کہ خود بھی اس پر تدبر وتفکر کے ساتھ تلاوت کرتا رہے اس کے احکام کو حرزِ جاں بنائے اور پوری دیانت و امانت کے ساتھ لوگوں تک پہنچاتا رہے۔جیسا کہ نوح علیہ السلام اپنی قوم کو خطاب کرکے فرماتے ہیں۔

﴿ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

[اعراف:٦٢]

''میں تم تک اپنے ربّ کے پیغام پہنچاتا ہوں۔اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

جناب رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا حکم ہوتا ہے۔

﴿ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ [المائدۃ۔آیت ٦٧]

''اے رسول ﷺ جو کچھ آپ ﷺ پر آپ کے ربّ کی طرف سے اترا ہے وہ (سب کا سب لوگوں کو) پہنچا دیجیے''

چونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اس لیے یہ ذمہ داری امت مسلمہ کے ہرفرد پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کا مطالعہ کرے، اس کے احکام کو سمجھے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کا فریضہ بھی سرانجام دے۔

(ج) اس کے رسول کے لیے نصیحت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دل وجان سے اطاعت

کرے اور آپ کے اوامر ونواہی پر عمل پیرا ہو۔ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [الحشر:۷]

''اور جو کچھ رسول تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ''۔

(د) ائمۃ المسلمین کے لیے خیر خواہی کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں احکام الٰہی کے نفاذ کے لیے آمادہ کیا جائے اور ان کے ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کی جائے، حدیث میں آتا ہے:

عَنْ اَبِی سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ: « اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ » [رواه الترمذی= کتاب الفتن، باب ما جاء افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر، رقم الحديث: ۲۱۰۰]

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین جہاد اس شخص کا ہے جس نے ظالم بادشاہ کے روبرو کلمہ حق کہا۔''

(ی) عوام کے لیے خیر خواہی کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے بھائی کے لیے بھلائی اور بہتری کی تمنا رکھے اور عملی طور پر جہاں تک ممکن ہو اس کی دامے، درمے، سخنے اور قدمے مدد کرتا رہے۔یا کم از کم اس کے لیے خلوص اور محبت کے ساتھ ناصح بن جائے۔ اس کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

« لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ »

حدیث کا معاشرتی پہلو:

ایک فلاحی معاشرہ اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتا جب تک کہ افراد معاشرہ میں ایک دوسرے کے لیے خیر خواہی اور بھلائی کے جذبات پرورش نہ پائیں۔ہر فرد اپنے بھائی کے دکھ درد میں کام آئے۔اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ وہ اپنے بھائی کی بہتری کا بھی خیال رکھے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے دین کی جن اہم ترین باتوں پر بیعت لیتے تھے اس میں مسلمان بھائی کے لیے نصیحت اور خیر خواہی کی یہ بات بھی شامل ہوتی تھی، جریر بن عبداللہ کہتے ہیں:

« بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ » [متفق علیه،مشکوٰة باب الشفقة والرحمة على الخلق]

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کے لیے نصیحت اور خیر خواہی کرنے پر''۔

غور کیجیے کہ جب ہر شخص اپنے بھائی کے لیے نیک خواہشات اور تمنائیں رکھے گا تو ایسے ماحول میں کبھی کوئی دھوکہ فریب،لڑائی جھگڑا،فتنہ وفساد اور قتل وغارت گری، ایسے گھناؤنے جرائم پھوٹ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ایسے معاشرے میں تو امن وسلامتی ،اخوت اور بھائی چارہ کی فضا قائم ہوگی۔ بیماروں اور بے کسوں کی دلجوئی، بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ ہمدردی،گرے پڑے اور بے سہارا لوگوں کی مدد کا ہر وقت اور ہر لحظہ خیال رہے گا۔اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا،جس کا نقشہ قرآن نے کھینچا ہے۔

﴿ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴾ [سبا:۱۵]

’’پاکیزہ شہر اور بخشنے والا پروردگار‘‘

یعنی اس شہر کے باسی آپس میں ہمدرد اور خیر خواہ،مونس وغمخوار،شیر وشکر اور اپنے ربّ کے شکرگزار جب کہ ان کا رب ہمیشہ ان پر مہربان اور ان کے گناہوں کو معاف کرنے والا۔

دین اسلام تو سراسر امن اور سلامتی کا دین ہے۔اپنے تو کجا وہ غیروں کے لیے بھی پیغامِ امن کی جانفزا نوید سناتا ہے:۔

مسند احمد کی حدیث میں اس طرح بھی آیا۔

« لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ وَحَتّٰى يُحِبَّ الْمَرْءُ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰه » [بحوالہ مؤمنانہ زندگی کے اوصاف،سلطان احمد اصلاحی]

’’تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تمام انسانوں کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جب تک کہ اس کی محبت کسی انسان کے لیے صرف رضائے الٰہی کے لیے نہ ہو۔‘‘

اس سے بھی آگے بڑھیئے تو بندہ مؤمن جانوروں اور پرندوں کو بھی دستِ ستم کا نشانہ بنانے اور انہیں بے جا ایذا دینے سے باز رہتا ہے۔اسے اپنے رسول ﷺ کی نصیحت یاد آتی ہے۔

« اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ »

ترجمہ بزبان شاعر؎

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

ایک مسلمان کی زندگی سراپا سلامتی اور سکون کا باعث ہوتی ہے۔وہ جہاں رہتا ہے اس کے گرد وپیش اطمینان وراحت کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

« اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ »

(حقیقی) مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔

اور مؤمن کی تعریف یوں فرمائی۔

((وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ)) [ترمذی،نسائی،مشکوٰۃ،کتاب ایمان]

''اور مؤمن وہ ہے کہ لوگوں کے جان ومال اس سے مامون رہیں۔''

دعا و التجاء:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ))

'' اے اللہ ! میرے گناہ بخش دیجیے اور میرے گھر کو میرے لیے کشادہ فرمائیے اور میرے رزق میں برکت دیجیے۔''

عورت کے حقوق وفرائض

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِیَارُكُمْ خِیَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ))

[رياض الصالحين ، باب الوصية بالنساء]

'' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے کامل مؤمن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو نیز تم میں بہتر وہی ہے جس کا اہل خانہ کے ساتھ برتاؤ عمدہ ہو۔''

معاشرتی زندگی کا حسن ،حقوق وفرائض کی پہچان اور بجا آوری میں ہے ۔ افراد اور قوموں کی ترقی کا راز حقوق وفرائض کی پاسبانی میں ہے۔حقوق ملنے سے عزت و وقار بحال اور عدل و انصاف کا سکہ رواں ہوتا ہے جب کہ فرائض کی ادائیگی سے ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے اور قانون کی نگہداشت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔حقوق انسانوں کو شرفِ انسانیت سے ہمکنار کرتے ہیں جب کہ فرائض انھیں عمل کی شاہراہ پر گامزن کرتے ہیں۔ حقوق کے ملنے سے فرائض کی ادائیگی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر کسی ریاست کی حکومت شہریوں کی جان و مال اورعزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہے۔ ان کے لیے روٹی، کپڑا ، روزگار اور رہائش کا بندو بست کرتی ہے۔ اور ان کے درمیان عدل و انصاف برقرار رکھتی ہے۔تو لازماً ایسے شہری وفادار اورقانون کے محافظ بنیں گے اور وہ حکومت کے ساتھ دستِ تعاون بڑھائیں گے۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل انسانی معاشرہ حقوق و فرائض سے یکسر محروم ہو چکا تھا، حکومتیں کیا تھیں؟ فرعونیت و نمرودیت کا نمونہ پیش کر رہی تھیں ، زبردست زیردست کو دبا رہا تھا، طاقتور کمزور پر ظلم ڈھا رہا تھا۔ گویا جنگل کا قانون جاری تھا اور ہر طرف لوٹ کھسوٹ، شر و فساد، جنگ و جدل اور قتل و غارت گری کا ماحول طاری تھا۔ جس کا قرآن نے اس طرح نقشہ کھینچا ہے۔

﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ ﴾ [الروم : ٤١]

"خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فتنہ و فساد پھیل گیا۔"

مولانا حالی نے اس بات کو ان اشعار میں قلم بند کیا ہے:

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر ایک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

بحیثیت مجموعی انسانوں نے اپنی قدر و قیمت کو ضائع کر دیا تھا۔ ان میں طبقہ خواتین کی زبوں حالی انتہائی افسوس ناک تھی ...... سماجی مقام اور عزت تو درکنار انھیں معاشرے کے ایک رکن کے طور پر زندہ رہنے کا حق بھی حاصل نہ تھا۔ لڑکیوں کی پیدائش قدرتی آفت اور سماجی لعنت سمجھی جاتی ۔ کسی لڑکی کا باپ کسی غیر مرد کا خسر کہلانا پسند نہیں کرتا تھا۔ جہالت و حماقت کا ایسا دور بھی آیا کہ عرب میں بہت سے لوگ لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اسے زندہ درگور کر دیتے تھے۔ جس کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے:

﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ ﴾ [النحل : ٥٨ ۔ ٥٩]

جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی تو اس کا چہرہ (غم کے سبب) سیاہ پڑ جاتا (اور اس کے دل کو دیکھو) تو وہ اندوہناک ہو جاتا ، اور اس خبر بد سے (جو اُس کے نزدیک تھی) لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا (اور سوچتا) کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے ، دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بُری ہے۔"

شاعر اسی بات کو اسی طرح نظم کرتا ہے:

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دُختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر

پھر نکاح و طلاق کے کوئی اصول نہ تھے، کوئی شخص جتنی عورتوں کو چاہتا نکاح میں لے آتا اور ان میں سے جسے، جب چاہتا چھوڑ دیتا۔ عورت کو کسی عدالت میں داد فریاد کا کوئی حق نہ تھا، وہ کوئی قانونی چارہ جوئی نہ کر سکتی تھی۔

اسے معاشرے کا ذلیل طبقہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس لیے علم و ہنر سے بھی محروم رکھی جاتی تھی۔ اس طرح جائداد اور وراثت میں بھی کوئی حصہ لینے کا حق نہ رکھتی تھی۔ والدین جب دنیا سے رخصت ہوتے تو مال و جائیداد کے صرف بیٹے مالک ہوتے، بیٹیاں اس سے محروم کردی جاتی تھیں۔

اسلام اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، وہ انسانیت پر ابرِ رحمت بن کر برسا، زندگی نے نئی کروٹ لی۔ انسانیت کی سوکھی ہوئی کھیتی میں بہار آ گئی۔ نیکی کا چمن پھر سے شاداب ہو گیا۔ شریعت محمدی ﷺ نے عورت کو پستی سے نکال کر اوجِ ثریا تک پہنچایا۔ اسے ہر طرح کا شرف عطا کیا۔ اسے زندہ رہنے اور عزت و شان کے ساتھ زندہ رہنے کا حق عطا کیا۔ اس کے سیاسی و معاشرتی حقوق کو بحال کیا۔ وراثت میں باقاعدہ حقدار ٹھہرایا۔ قانونی چارہ جوئی میں با اختیار بنایا اور یہ بتا دیا کہ اگر وہ نیکی اور پارسائی پر قائم رہتی ہے تو اس کا رتبہ غیر پارسا مردوں سے بڑھ کر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ ﴾ [الحجرات:۱۳]

”لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا (سب اولادِ آدم و حوا ہو) اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے۔“ (خواہ مرد ہو یا عورت) جو زیادہ پرہیز گار رہے۔

اسلام نے عورت کو بحیثیت ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کے نئی زندگی اور نرالی شان عطا کی، ماں کی عزت و توقیر سے جنت کی بشارت دی گئی۔ بیٹیوں کی تعلیم و تربیت، خدمت و نگہداشت پر فردوسِ بریں

میں رفاقتِ رسول ﷺ کی نوید جانفزا کی خبر دی گئی۔ بہن کے ساتھ حسن سلوک پر ربّ کریم کی رحمتوں کی اطلاع دی گئی۔ بیوی کے ساتھ مروّت اور مہربانی کرنے پر جنت کے بلند مقام اور انسانوں میں بہترین رتبہ کا شرف بخشا اور اسے عزت وتکریم کے لحاظ سے مردوں سے کسی طرح بھی کم نہ رکھا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [البقرہ: ۲۲۸]

''اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے، جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔''

اس کے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی ہیں:

﴿ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾

''البتہ مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے۔''

اور دوسرے لفظوں میں یہ کہ مرد ان کے نگران اور ذمہ دار ہیں۔ یہ درجہ بوجہ نگرانی اور ذمہ داری کے ہے نہ کہ رتبہ وفضیلت کے لحاظ سے، جہاں تک نیک اعمال کے بدلہ اجر وثواب کا تعلق ہے تو قرآن نے واضح کردیا ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ﴾

[النحل: ۹۷]

یعنی ''جو مرد یا عورت نیک اور پاکیزہ عمل کرے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔''

مردوں کی یہ ذمہ داری گھر کی نگرانی اور حفاظت سے پھیل کر حکومت اور سیاست تک پہنچ جاتی ہے جب کہ عورت کے فرائض میں بچوں کی نگہداشت اور تربیت نیز امورِ خانہ داری اور دیکھ بھال کے امور شامل ہوتے ہیں۔ اسی لیے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ [النساء: ۳٤]

''مرد، عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے۔''

مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

قَوَّام، قَیَّام، قَیِّم، عربی زبان میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام یا نظام کا ذمہ دار اور چلانے

والا ہو۔ اسی لیے آیت میں قَوَّام کا ترجمہ عموماً حاکم کیا گیا ہے یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر اجتماعی نظام کے لیے عقلاً و عرفاً یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی سربراہ یا امیر اور حاکم ہوتا ہے۔ کہ اختلاف کے وقت اس کے فیصلے سے کام چل سکے۔'' [معارف القران جلد:۲]

میں سمجھتا ہوں کہ مردوں کی ذمہ داری سیاست اور اقتصادیات کے شعبہ جات سنبھالنے سے عورتوں سے بڑھ جاتی ہے۔ مگر بچوں کے پالنے پوسنے، امور خانہ داری گھر اور کپڑوں کی صفائی دھلائی میں عورتوں کا حصہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔

ہماری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ علم و ادب میں رسوخ حاصل کرنے، نیکی اور سچائی میں آگے بڑھنے میں نیز دعوتِ حق کی نشر و اشاعت میں اسلام نے خواتین کو ترغیب دی ہے اور اس پر ان کے لیے اجر وثواب کی نوید بھی سنائی ہے۔ جہاں تک سیاسی اور اقتصادی میدان کا تعلق ہے تو وہ مرد کو سونپا ہے اور عورت کو گھر کی ملکہ اور رانی بنایا ہے۔

یورپی ممالک نے معاشی و سیاسی میدانوں میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کر دیا ہے۔ اس کی شرم و حیا کی چادر کو اتار پھینکا ہے جس کے تلخ نتائج ان کے سامنے آچکے ہیں۔ خودکشیوں اور طلاقوں کی شرح سب سے زیادہ انہی ممالک میں ہے اور وہاں معاشرتی زندگی جس بری طرح تہ و بالا ہوئی ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

افسوس کہ ہمارے یہاں بھی یورپ کی نقالی میں عورتیں دفتروں او ربنکوں میں کام کرنے لگی ہیں۔ اگرچہ ابھی ابتدا ہوئی ہے۔ تاہم خطرہ ہے کہ یہ معاملہ آگے بڑھ جائے گا۔ طالبات کی تعلیمی درس گاہوں میں تو ان کے کام کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ کہ معلمات ہی سے طالبات تیار ہو کر درس گاہوں، خواتین کے ہسپتالوں اور طبی مراکز میں کام کرسکیں گی مگر ہوائی جہازوں ٹی وی اسٹیشنوں، ریلوے اسٹیشنوں، ڈاکخانوں اور دفتروں میں پبلک ڈیلنگ کی سیٹوں پر ان کا کام کرنا معیوب ہی نہیں، اسلامی اور مشرقی تہذیب کے خلاف ہے، مگر ہم فریاد کس کے سامنے کریں۔؟ کیا پاکستان کی حکومت جو اسلامی نظام کو برپا کرنے کے وعدہ پر برسرِ اقتدار آئی ہے اس پر سنجیدگی سے غور کرے گی؟

دعا والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَعِذْنَا مِنْ فِتْنَةِ الْمَالِ وَالدُّنْيَا »

''اے اللہ ہمیں مال اور دنیا کے فتنہ سے بچائیے۔'' (آمین یارب العالمین)

عورت کی عزت و آبرو

« عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ: اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا » [متفق علیہ مشکوٰۃ عشرۃ النساء]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی میری نصیحت قبول کرو۔''

قبل از اسلام:

تاریخ کے ایک طویل عرصہ سے عورت مظلوم چلی آ رہی تھی وہ ہر قوم اور ہر خطہ میں مظلوم تھی یونان میں، روم میں، مصر میں، عراق میں، ہند میں، چین میں، عرب میں ہر ملک اور ہر شہر میں وہ ظلم وستم کی چکی میں پس رہی تھی۔ بازاروں اور میلوں میں دوسری اشیاء کی طرح اس کی بھی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ یونان میں عرصہ تک یہ بحث جاری رہی کہ اس کے اندر روح ہے یا نہیں؟ اہل عرب اس کے وجود کو ہی موجب ننگ و عار سمجھتے تھے یہاں تک کہ ان میں بعض قبائل کی قساوت قلبی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ہندوستان کی جاہلیت کا یہ حال تھا کہ شوہر کی چتا پر اس کی بیوہ جل کر راکھ ہو جاتی تھی۔ یورپ میں بے حیائی کی کیفیت یہ تھی کہ محرم اور نامحرم کے ساتھ اختلاط کی تمیز اٹھ چکی تھی اور اس جہالت میں تو یورپی ممالک اب تک گرفتار ہیں۔

اسلام نے عورت کو عزت عطا کی:

اسلام نے عورت کو ظلم کے گرداب سے نکالا اس کے ساتھ انصاف کیا اسے تمام معاشرتی و تمدنی حقوق ادا کئے عزت و سربلندی سے نوازا اور زندگی میں ارفع و اعلیٰ مقام دیا اور یہ تاکید کی کہ:

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء:۱۹]

''یعنی خواتین کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے رہو سہو۔''

معروف منکر کے مقابلہ میں وہ درست سیدھی سچی پاکیزہ اور صاف ستھری عادلانہ راہ ہے جس میں کوئی دھوکہ فریب، ظلم و زیادتی، ناانصافی اور بے حیائی کا شائبہ تک موجود نہ ہو۔

اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے ساتھ عدل و انصاف کی، سزا و جزا کی اور آخرت میں انعام واکرام، کی یکساں بشارت اور خوشخبری دی ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ﴾

[آل عمران:۱۹۵]

”کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا تم ایک دوسرے کی جنس ہو۔“

معلوم ہوا کہ عورت کا درجہ اور رتبہ اسلام میں وہی ہے جو مرد کا ہے البتہ معاشرتی زندگی کا نظم و نسق چلانے کے لئے دونوں کی ذمہ داریاں الگ الگ ہیں۔ گویا کہ اسلام نے دونوں کے درمیان تقسیم کار کا اصول رکھا ہے نہ کہ یکسانیت کار کا اصول۔اس کا مقصد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے شعبہ ہائے حیات میں کام کرتا چلا جائے تو معاشرتی زندگی کا تانا بانا درست رہے گا وگرنہ اگر یکسانیت کار کے اصول کو اپنایا گیا تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون سے بغاوت ہوگی اور اس انحراف کا نتیجہ فساد اور بگاڑ کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔اسلام خواتین کی عزت و آبرو کی زبردست حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پاکدامن عورت پر تہمت لگائے اور اس تہمت پر گواہی مہیا نہ کر سکے تو قرآن ایسے شخص کی سزا یہ بتاتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ [النور:٤]

”جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور (ثبوت میں) چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسیّ (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو وہ خود ہی فاسق ہیں۔“

صرف تہمت لگانے پر یہ سزا ہے اور جو کسی خاتون کی آبرو ریزی کرے تو غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں رجم یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کیے جانے کا مستحق ہے۔

قانون کا یہ تازیانہ بد اطوار لوگوں کے لئے زبردست لگام ثابت ہوا اور عورت کی عزت و ناموس محفوظ ہوگئی اور اسلامی حکومت میں اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی تو قانون فوراً حرکت میں آیا اور مجرم کو سزا دے دی گئی جس نے دوسروں کے لیے عبرت کا سامان مہیا کیا۔

پاکستان اور خواتین کی عزت:

ملک پاکستان جو بے شمار جانی و مالی قربانیاں دینے کے بعد صرف نظام اسلام کو قائم کرنے کے لئے وجود میں آیا تھا اس کا حال یہ ہے۔

کہ شجاع آباد شہر کے قریب بستی عثمان آباد میں غریب مزدور کی لڑکی کو دن دہاڑے اغوا کر کے پانچ ملزمان نے زیادتی کی اور بعد میں اسے سڑک پر پھینک کر فرار ہو گئے لڑکی کی حالت تشویشناک بیان کی جاتی ہے۔ [روزنامہ نوائے وقت مؤرخہ ۳ جون ۱۹۹۰ء]

یہ اور اس قسم کے سینکڑوں نہیں ہزاروں واقعات رونما ہو چکے ہیں اور روزانہ ہو رہے ہیں مگر نہ کوئی قانون کا تازیانہ ہے اور نہ ہی کوئی اصول کہ ایسے مجرموں کو شرعی سزا دی جا سکے پاکستان کو وجود میں آئے چھپن برس بیت چکے ہیں اگر تمام جرائم کو اکٹھا کر کے لکھا جائے تو کاغذات کے انبار لگ جائیں گے۔

جب اللہ کے بندوں کو نقصان پہنچ رہا ہو اور وہ پریشانیوں میں مبتلا ہوں اور ہر آنے والی حکومت ہوس اقتدار اور مفاد پرستوں کا شکار ہو تو پھر نظام حق کو جاری کرنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ کیا انبیائے کرام کے وارثین علمائے کرام اس کا جواب دیں گے؟

دعا والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ »

”اے اللہ تعالیٰ! میں آپ کی پناہ پکڑتا ہوں آپ کی نعمت کے چلے جانے سے آپ کی دی ہوئی عافیت کے بدل جانے سے اور آپ کے فوری عذاب سے اور آپ کے تمام قسم کے غصہ سے۔“

مسلمان پر ہتھیار اٹھانا اور انھیں دھوکہ دینا

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:« مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا » [رواہ البخاری و زاد مسلم] « وَ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا » [مشکوۃ، باب ما لا یضمن مان الجنایات]

”سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ہمارے اوپر (یعنی مسلمانوں پر) ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اس پر مزید یہ بیان کیا: ”جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔“

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

« مَنۡ سَلَّ عَلَيۡنَا السَّيۡفَ فَلَيۡسَ مِنَّا » [صحیح مسلم =کتاب الایمان، باب :قول النبی ﷺ من حمل علینا السلاح فلیس منا، رقم الحدیث:١٤٤]

”جس نے ہم پر تلوار اٹھائی وہ ہم سے نہیں ہے۔“

اسلام کے نزدیک کسی بھی انسانی جان کو جان بوجھ کر اور بغیر کسی وجہ کے قتل کرنا اتنا بڑا جرم ہے گویا کہ وہ نسل انسانیت کو ختم کر دینا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا ۢ بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ﴾

[المائدہ: ٣٢]

”جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔“

ناحق قتل کرنے والا پوری انسانیت اور امنِ عامہ کا دشمن ہے اور وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس جرم پر آزاد اور دلیر بناتا ہے یہ تو کسی بھی جان کے قتل پر اتنی بڑی وعید ہے، تو کسی مؤمن اور مسلمان کو بغیر وجہ کے قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ قرآن اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿ وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا ۝ ﴾ [النساء: ٩٣]

”اور جو شخص کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اسکی لعنت ہے۔ اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

اس آیت مبارکہ کے ایک ایک لفظ پر غور کرتے جایئے کہ اس میں کسی مسلمان کے ناحق اور ناجائز قتل پر کتنی وعیدیں جمع ہو چکی ہیں اور قرآن حکیم نے کفر اور شرک کے جرم کے بعد عمداً قتل کو اکبر الکبائر شمار کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِيۡنَ لَا يَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ﴾[الفرقان: ٦٨]

”(رحمٰن کے بندے تو اصل میں وہ ہیں) جو اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نہیں پکارتے اور نہ ہی اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں۔“

حقوق العباد میں سے روزِ قیامت سب سے پہلے فیصلہ خون کا ہوگا۔

[بخاری، مسلم ، بحواله تفسیر ابن کثیر، جلد:۱]

ایمان دار نیکیوں اور بھلائیوں میں بڑھتا رہتا ہے، جب تک خونِ ناحق نہ کرے، اگر ایسا کرلیا تو تباہ ہو جاتا ہے۔[ابوداؤد، بحواله ابن کثیر]

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس نے مؤمن کو قصداً قتل کیا اس کی توبہ قبول ہی نہیں۔"

[حواله ابن کثیر]

سالم بن ابو الجعد فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما جب نابینا ہو گئے۔ ہم ایک مرتبہ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ کو آواز دے کر پوچھا کہ "اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر مار ڈالا ؟" آپ نے فرمایا: "اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اللہ کا اس پر غضب ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار ہے۔" اس نے پھر پوچھا کہ: "اگر وہ توبہ کر کے نیک عمل کرے اور ہدایت پر جم جائے تو؟ فرمانے لگے : اس کی ماں اسے روئے اسے توبہ اور ہدایت کہاں ؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے، میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ:

اس کی ماں اسے روئے جس نے مؤمن کو جان بوجھ کر مارڈالا ۔ وہ قیامت کے دن اسے دائیں یا بائیں ہاتھ سے تھامے ہوئے رحمان کے عرش کے سامنے آئے گا۔ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور اللہ سے کہہ رہا ہوگا کہ اے اللہ اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ اس اللہ عظیم کی قسم جس کے ہاتھ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اسے منسوخ کرنے والی کوئی آیت نہیں اتری (اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ) نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی وحی اترے گی۔" [بحواله تفسیر ابن کثیر جلد:۱]

دراصل انسانی جان انتہائی محترم ہے اور کسی مؤمن اور مسلم کی جان کا کیا پوچھنا؟ حقوق العباد کے متعلق علماء کا فیصلہ ہے کہ جب تک بندہ (جس پر ظلم ہوا) خود نہ معاف کرے وہ معاف نہیں ہوتے۔ ہاں سہواً اور بھول کر خطا ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً ۚ وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ ﴾ [النساء: ۹۲]

"اور مؤمن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے الا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے (جیسا کہ کسی کی کار کے نیچے کوئی مسلمان آجائے) جو غلطی سے کسی مؤمن کو قتل کرے تو ایک

مؤمن غلام کو آزاد کرے اور اس کے وارثوں کو(قانون اور وقت کے مطابق) دیت ادا کرے الا یہ کہ وہ (وارث) خود ہی معاف کردیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہو اور اسے اپنے اسلام لانے کا شعور ہو تو وہ کسی پر ناجائز ہاتھ اٹھانا تو کجا وہ تو لوگوں کے لیے سراسر باعثِ سلامتی بن جاتا ہے مسلمان کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے۔

« اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَ یَدِہٖ »

'' مسلمان وہ ہے جس کی زبان درازیوں اوردست درازیوں سے تمام مسلمان محفوظ ہیں۔''

اور مؤمن کی تعریف یوں آئی ہے:

« اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ »

[ترمذی، نسائی، بحوالہ معارف الحدیث، مولانا منظور نعمانی]

'' اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف وخطر نہ ہو۔''

بھلا وہ مسلمان جو دوسروں کی جان و مال کے درپے ہو اور انھیں کسی طرح بھی کوئی نقصان اور زک پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہو، اسلامی معاشرے کا فرد کہلوانے کا حقدار ہوسکتا ہے؟ اگر اس کے پہلو میں خیر ہے اور اس میں کسی حدتک ایمانی رمق اور شعور ہے تو وہ کبھی نازیبا حرکات نہ کرے گا اگر اس کے باوجود خواہشاتِ نفسانی کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ حیوانی سطح پر اتر آتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کبھی ذہنی آسودگی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ اس کی خوشیاں اور مسرتیں چھن جاتی ہیں۔اس کی زندگی دائمی کرب واذیت کا شکار ہو جاتی ہے۔اس کے لیے دنیا و آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

حصولِ پاکستان کے لیے ان گنت جانی و مالی قربانیاں اس لیے دی گئی تھیں کہ اس خطہ زمین کو گہوارۂ امن وسلامتی بنائیں گے ۔ اسلام کے عادلانہ نظام میں ہر شخص سکھ اور چین سے زندگی گزارے گا، قانون کی بالا دستی ہوگی اور لوگ فوری اور جلد عدل حاصل کرسکیں گے، مگر افسوس اور صد افسوس کہ ہمیں آزادی قطعی طور پر راس نہ آئی، ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیے کہ ہم نے اپنے وطن کو کس مقام پر پہنچا دیا ہے؟ کیا ہم معاشی اوراخلاقی طور پر دیوالیہ نہیں ہوچکے ہیں؟ ہمارے اخبارات کیا ہیں؟ تکلیف دہ اوردردناک خبروں سے بھرے ہوتے ہیں۔ شہروں اور بستیوں میں لوگ چھوٹے چھوٹے تنازعات میں گاجر مولی کی طرح ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہیں شاید چڑیاں اور کوّے بھی روزانہ اتنی تعداد میں نہ مرتے ہوں ، جتنے انسان ، انسانوں کے ہاتھوں موت کی نیند سلا دیے جاتے ہیں ہمیں نہ قانون کی فکر ہے نہ آخرت کا خوف ہے۔ قانون کی فکر اس لیے نہیں کہ یہاں تعزیراتِ اسلامی کا نفاذ ہی نہیں ، جس میں بے لاگ اور

فوری فیصلے ہوتے ہیں اور وہ قانون فوری حرکت میں آتا ہے اور آخرت کا خوف اس لیے نہیں کہ قرآن کو جزو دانوں میں بند کر کے طاقوں میں سجا رکھا ہے کبھی اس کو غور و تدبر سے پڑھتے تو پتہ چلتا کہ ربّ العالمین نے اس میں ہمارے لیے کیا ہدایات دی ہیں۔ زندگی کو کیسے گزارنا ہے؟

اس ماہِ اگست میں ہم یوم آزادی کس منہ سے منا رہے ہیں؟ زندہ قومیں اپنا محاسبہ کرتی ہیں۔ ان باون برسوں میں ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے؟ اے اسلام کا دم بھرنے والو! اٹھو، اس ملک میں ہماری ضدّوں اور خواہشوں سے غریب عوام پس رہے ہیں۔ یہ نفرتیں کب تک؟ یہ کدورتیں کب تک۔؟

دعا و التجا:

« بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ ، لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ »

''اللہ کے نام پر (ہر کام شروع کرتا ہوں) اور ہر وقت اللہ ہی پر اعتماد کرتا ہوں، گناہوں سے باز رہنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت اللہ ہی کی مدد سے ہے۔''

مسلمان کا مسلمان پر ہتھیار اٹھانا؟

عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ: « مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا »

[رواہ البخاری وزاد مسلم "وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا" مشکوۃ کتاب القصاص]

''عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اسے امام بخاری نے روایت کیا اور امام مسلم کی روایت میں زائد الفاظ یہ ہیں کہ ''جس شخص نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اپنے ساتھ خون کے رشتہ سے بڑھ کر ایک اور رشتہ لائے اور وہ دین کا رشتہ تھا۔ جس نے زندگی کو ایک نیا رخ عطا کیا۔ اس پر رونق اور بہار آئی، اخلاق مروت کا چمن شاداب ہوا، ہمدردی اور غمخواری کے پھول کھلنے لگے، انسانیت کے جوہر چمکے اور ان میں حسن اور نکھار پیدا ہوا۔ وہی لوگ جو پہلے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے، قبول اسلام کے ساتھ ہی بھائی بھائی بن گئے مدتوں کے بچھڑے ہوئے آپس میں اکٹھے ہی نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ، رنج وراحت اور غمی وخوشی میں کام آنے لگے۔ اب اگر ایک کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جاتا تو سب کے جسم وجان پر بن جاتی۔ کسی ایک کو کوئی پریشانی آجاتی تو سب اس کے لیے مضطرب اور بے چین نظر آتے۔ قرآن حکیم نے ﴿ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ [الفتح: ۲۹] (آپس میں ہمدرد اور غمخوار) کہہ کر

کتنے اچھے الفاظ میں ان کی کیفیت بیان کی ہے۔اپنے تو اپنے وہ غیروں کی بھی عزت وناموس کے رکھوالے اور نگہبان، ہمدرد اور مہربان بن گئے۔

سکھائی انہیں نوع انسان پہ شفقت
کہا ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں وہ محبت
شب و روز پہنچاتے ہیں اس کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لیے چاہتے ہیں
وہ ہی ہر بشر کے لیے چاہتے ہیں

مسلمان اپنے حسن اخلاق اور پاکیزہ کردار سے جانا پہچانا جاتا ہے اس کی گفتگو،اس کی نقل وحرکت،اس کا عہد وپیان اور دوسروں کے ساتھ اس کا معاملہ مثالی ہوتا ہے جہاں وہ ربّ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے وہاں ربّ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش بھی آتا ہے۔نماز ادا کرتا ہے تو پڑوسیوں کے حقوق کا خیال بھی رکھتا ہے، تسبیح ومناجات کے لئے وقت نکالتا ہے تو یتیموں اور بیواؤں کی خدمت بھی پیش نظر رہتی ہے۔رزق حلال کے حصول میں تگ ودو کرتا ہے تو انفاق فی سبیل اللہ کی تمنا بھی رکھتا ہے گویا کہ اس کی کتابِ زندگی کا ہرورق رضائے الٰہی سے مزین ہوتا ہے

ہرلحظہ ہے مؤمن کی نئی شان نئی آن
گفتارمیں کردار میں اللہ کی برہان

اسلام نے ایسی تمام باتوں سے منع کیا ہے کہ جس سے مسلمانوں کو تکلیف واذیت ہوحتی کہ دل آزاری تک بھی ہو، ذرا ان احادیث پر غور کیجئے:

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مسجد میں ایک شخص تیر لے کر گزرا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی نوکیں تھام لو۔'' [بخاری : کتاب الفتن]

مقصد یہ تھا کہ تیر کی نوک نہ کسی کو لگے اور نہ ہی کھلا دیکھ کر کسی کے دل میں کوئی خیال پیدا ہو۔

''ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ہماری مسجد میں آئے یا ہمارے بازار میں سے تیر لے کر گزرے تو اس کی نوک تھام لے یا یوں فرمایا کہ اس پر اپنی ہتھیلی رکھ لے،ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اس سے (جسمانی یا روحانی) تکلیف پہنچے۔'' [بخاری : کتاب الفتن]

اور نبی مکرم رسولِ معظم ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر امت مسلمہ کو جو بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ان میں ایک یہ بھی تھی کہ

«لَاتَرجِعُوا بَعدِیُ کُفَّارًا یَضرِبُ بَعضُکُم رِقَا بَ بَعضٍ »[بخاری کتاب الفتن]

''دیکھومیرے بعد کہیں ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔''

اور قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا﴾ [النساء:۹۳]

''اور جو شخص مسلمان کو قصدًا مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا اللہ کا اس پر غضب ہوگا،اس پر وہ لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آج ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسلامی تعلیمات کی جھلک تک ختم ہوچکی ہے۔ دنیا کی حرص وہوس نے ہمارے دل ودماغ ماؤف کرڈالے ہیں۔سوچ بچار کی صلاحیتیں رخصت ہوچکی ہیں کھرے اور کھوٹے میں تمیز جاتی رہی ہے،یہ حقیقت ہے کہ مسلمان کے پاس جس قدر مال آج ہے اتنا کبھی نہیں ہوامگر جس قدر عقل کا اندھا اور بزدل آج ہے اتنا کبھی نہیں ہوا،ابھی گزشتہ ہفتہ کی بات ہے کہ عراق،ریاست کویت پر یونہی چڑھ دوڑا۔آناً فاناً سینکڑوں انسان تہ تیغ کرڈالے اور ریاست پر قبضہ جما کر اپنے علاقہ میں ضم کرنے کا اعلان کردیا۔ابھی کچھ عرصہ پہلے اس کی سالہا سال تک ایران سے بیکار جنگ ہوئی،جس میں طرفین کے ہزاروں نہیں لاکھوں انسان کام آئے،وقت اورروپیہ برباد ہوا۔دونوں احمقوں کے ہاتھ اسلحہ بیچ کر یورپی ملکوں کی مارکیٹ خوب چمکی اور بے نتیجہ جنگ اختتام کو پہنچی۔کاش کہ ایسے نادانوں کو مسلمانوں سے کھوئی ہوئی سرزمین بیت المقدس کو یہودیوں سے آزاد کرنے کا خیال آتا۔کاش کہ وہ کشمیر اوردنیا کے دوسرے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دعا والتجاء:

«رَبِّ فَلَاتَجعَلنِیُ فِیُ القَومِ الظّٰلِمِینَ »[المؤمنون:۹٤]

''اے میرے ربّ مجھے ظالم لوگوں میں سے نہ کیجئے''

دنیا میں سلامتی کیسے آئے؟

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: « وَالَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ »

[متفق علیہ۔مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق]

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے''

آیئے اس خزینۂ حکمت کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالیں:

نفسیاتی پہلو سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں کوئی بھی عقلمند شخص اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اسے کوئی دھوکہ اور فریب دے۔نقصان اور زک پہنچائے اس پر ظلم اور زیادتی کرے یا اس کے حقوق تلف اور ضائع کرے بلکہ اس کی تمنا اور آرزو یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس کے ساتھ پسندیدہ اور اچھا رویہ اختیار کریں۔اس کی عزت وآبرو کا خیال رکھیں اس کے ساتھ خوش اخلاقی اور مروت کے ساتھ پیش آئیں اس کے ساتھ اچھا معاملہ کریں اور دکھ درد میں اس کا سہارا بنیں گویا کہ انسانی فطرت کو خیر اور بھلائی مرغوب جب کہ شر اور برائی ناپسند ہے یہ الگ بات ہے کہ جب کوئی انسان اپنی فطرت سلیمہ کو ضائع کردیتا ہے تو پھر وہ اپنے آپ کو برائیوں میں دھکیل دیتا ہے اس وقت وہ شرفِ انسانیت کھودیتا ہے اور حیوانیت بلکہ اس سے بھی ذلیل تر حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔پس اگر وہ انسانی عزوشرف کو پہچانتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بھی دوسروں کے ساتھ کھرا معاملہ کرے ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کرے اور کسی طرح بھی ان سے ناروا سلوک نہ کرے۔

اس بات کو ذرا اس مثال سے سمجھئے آپ بس سٹاپ پر بس کے انتظار میں بڑی دیر سے کھڑے ہیں اور آپ نے ضروری کام کو جانا ہے۔وقت بڑا تنگ ہے آپ بار بار گھڑی کو دیکھتے ہیں بس سٹاپ پر آ کر رکتی ہے آپ سوار ہونے کے لیے آگے بڑھتے ہیں اتنے میں ایک شخص دوڑتا ہوا آتا ہے اور آپ کو پیچھے دھکیل کر سوار ہوجاتا ہے اور بس چل پڑتی ہے اور آپ وہیں کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں آپ کے

جذبات کی کیفیت اس وقت کتنی شدید ہوتی ہے غصے سے تلملاتے ہوئے آپ کی زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکلتا ہے''یہ کوئی شرافت ہے''آپ کی یقیناً حق تلفی ہوئی ہے اور یہ بہت بری بات ہے کاش کہ وہ شخص جس نے آپ کا حق چھینا ہے اپنے آپ کو آپ کی سطح پر لاتا اور غور کرتا کہ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوتا تو اسے کس کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا؟ مگر علم اور اخلاقی تربیت کی کمی کے باعث اس سے اس غلطی کا ارتکاب ہوا کاش کہ اس نے پیارے نبی ﷺ کی اس حدیث مبارک کو حرزِ جان بنایا ہوتا کہ کسی بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا۔ جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

ہمارے یہاں انفرادی اور اجتماعی سطح پر سیاسی اور معاشرتی میدان میں نہ معلوم کتنی چھوٹی بڑی آپس میں حق تلفیاں اور زیادتیاں ہوتی رہتی ہیں مگر نہ تو ہمیں اپنے اخلاق کی فکر رہتی ہے اور نہ اپنے ایمان کی پرواہ،غور کیجئے کہ قتل وغارت گری،لوٹ کھسوٹ ملک کے طول وعرض میں روزمرہ کا معمول بن چکا ہے، کتنے مرد وخواتین، بوڑھے اور بچے یہاں تک کہ علمائے حق ان قاتلوں اور غارت گروں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔

میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں جو دوسروں کے جان ومال پر ہاتھ صاف کرتے ہیں کیا وہ پسند کریں گے کہ ان کے جان ومال پر کوئی ہاتھ ڈالے؟ ہرگز نہیں اگر ایسا نہیں تو کسی کو نقصان پہنچانے سے پہلے ذرا ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچ لیجئے کہ آیا ان کی یہ حرکت پسندیدہ اور جائز ہے یا مجرمانہ اور ناجائز۔

جو لوگ کسی کی بہو، بیٹی اور ماں بہن کی عزت وآبرو پر داغ دھبہ لگاتے ہیں تو انہیں سوچ لینا چاہیے کہ ان کی بھی ماں، بہن اور بہو بیٹی گھر میں موجود ہے جن پر کوئی ادنیٰ سی انگشت نمائی کرے تو وہ سیخ پا ہوجاتے ہیں۔

پھر دیکھیے کہ آپ کی بیوی کے والدین نے اپنی لاڈلی بیٹی! اپنے دل کے ٹکڑے کو آپ کے نکاح میں دیا ہے جس سے آپ کا گھر آباد شاد ہوا ہے۔ چاہیے تو یہ کہ آپ اپنے سسر اور ساس کی ایسے ہی عزت کریں جیسا کہ آپ اپنے ماں باپ کی کرتے ہیں اور ہمیشہ ان کے ممنون اور احسان مند رہیں۔ اور اپنی اہلیہ کے ساتھ بھی شفقت ومحبت سے پیش آتے رہیں۔ مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جذبات اور خواہشات کی رو میں آپ عقل وحواس کھو بیٹھتے ہیں اور آپس میں عفوودرگزر سے کام لینے کی بجائے تیزی وتندی میں آجاتے ہیں اور جھٹ اپنی بیوی کو طلاق دے بیٹھتے ہیں اس وقت لڑکی کے والدین پر کیا گزرتی ہے اس کا

آپ کو اندازہ نہیں ہوسکتا ہے کاش کہ آپ عقل وشعور سے سوچتے کہ اگر آپ کی بیٹی یا بہن کے ساتھ یہی واقعات پیش آتے تو آپ کی حالت وکیفیت کیا ہوتی۔

آیئے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگیوں میں اس حدیث مبارک کی عملی مثال دیکھیں۔

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس برس تک جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی اس تمام عرصہ میں آپ ﷺ نے مجھے کبھی جھڑکا اور نہ ملامت کی، جو خود پہنا، مجھے پہنایا، اور جو خود کھایا مجھے کھلایا اور مجھ سے بڑھ کر آپ ﷺ میری خدمت فرماتے۔

اللہ اللہ: سرور کائنات ﷺ کے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملہ کی یہ کیفیت تھی کہ جس پر آزاد بھی رشک کریں'' [سیرت النبی۔شبلی نعمانی]

مکہ مکرمہ میں سالہا سال کفار کے ظلم وستم سہنے کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، تو انصار (مدینہ کے مسلمانوں) نے اپنے مہاجرین بھائیوں کو جس طرح خوش آمدید کہا اور ان سے جس حسنِ سلوک ومروت سے پیش آئے اور اپنی پسندیدہ اشیاء انہیں پیش کیں اور ہجرت کے داغ کو انہیں کسی طرح بھی محسوس ہونے نہ دیا وہ تاریخ کی انمٹ اور لازوال داستان ہے۔

میں یہ بات علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ اگر اس فرمان نبوی ﷺ پر انسان عمل پیرا ہو جائیں تو دنیا سے ہر قسم کا فتنہ وفساد، لوٹ مار، قتل وغارت، دھوکہ وفریب ختم ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص دوسروں کی حق تلفی سے پہلے سوچ لے گا کہ اس کے ساتھ بھی ایسے حالات پیش آسکتے ہیں۔ آج مسلمان بھی اسلامی اخلاق واعمال سے تہی دامن ہو چکے ہیں ان کے ملکوں سے بھی امن وسکون رخصت اور شر وفساد پھیل چکا ہے جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انہیں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے محبت نہیں رہی ہے اور وہ دنیا کے چند چمکتے ہوئے سکوں کے حصول میں گوہر مقصود سے دور جا پڑے ہیں اے ربّ کریم ہماری غفلت کے پردے دور فرما کر ہمیں راہ ہدایت سے ہمکنار فرما۔

دعا والتجاء:

«يَاحَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ »

''اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور ہمیشہ قائم رہنے والے ہم آپ کی رحمت سے فریاد کرتے ہیں''

مسلمانوں کا قتل

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ: «زَوَالُ الدُّنْیَا اَهْوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ» [ترمذی۔مشکوۃ : کتاب القصاص]

''سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اس پوری دنیا کی تباہی وبربادی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے ہلکی ہے''۔

زیورِ ایمان سے آراستہ ہوتے ہی ایک مسلمان کی قدر و قیمت،رتبہ فضیلت کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ پوری دنیا کا زوال بھی اللہ کے نزدیک اس مسلمان کے قتل سے ہلکی اور معمولی بات ہے۔اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ ہے کہ لوگ مسلمان کی عزت وآبرو سے آگاہ ہوجائیں اور ناحق ظلم وزیادتی سے باز رہیں۔اس کے بعد بھی کوئی محض خواہشات نفسانی کی پیروی میں کسی مسلمان کی جان پر بلاوجہ اپنے ہاتھ صاف کرتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے :

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝﴾ [النساء:٩٣]

''اور جس شخص نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا،اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس کی لعنت ہے اور اس نے ایسے شخص کے لیے سخت ترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اس آیت مبارکہ کے الفاظ انتہائی زور دار اور قابل غور ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے حاضر دل ودماغ سے ان پر غور وفکر کرے تو یقیناً اس شدید ترین عذاب کو سن کر وہ کانپ اٹھے گا۔ایسی بھڑکتی ہوئی آگ جس سے کبھی بھی چھٹکارانہ ہوگا اوروہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا شکار اور اس کی راحت سے محروم ہوجائے گا۔انسان کی یہ کتنی کم ظرفی اور حماقت ہے کہ عارضی اور حقیر خواہشات کے ہاتھوں ابدی راحت وآرام سے تہی دامن ہوجائے اور فنا ہونے والی زندگی کے بدلے ہمیشہ رہنے والی زندگی کو تباہ وبرباد کرڈالے۔پھر غور کرے کہ وہ ناحق کسی کی جان لے رہا ہے۔یا اس کی بیوی بچوں کو نقصان پہنچارہا ہے یہی حالات اگر اس کے ساتھ یا اس کے اہل خانہ کے ساتھ پیش آئیں تو اس کا اپنا کیا حال ہوگا؟ یہ وہ سچائی ہے جو کسی مسلمان کو کسی وقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے لسانِ نبوت سے اس حقیقت کا یوں اظہار ہوا۔

«لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ»

''تم میں سے کوئی اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

صرف ایک حدیث مبارک پر عمل کرنے سے کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کبھی زک نہیں پہنچا سکتا، اس لئے کہ جب وہ اس بات کی تمنا اور آرزو رکھتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے پیش آئیں تو لازماً اس کی تمنا اور خواہش بھی یہی ہونی چاہئے کہ وہ بھی ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے پیش آئے اور ان خوبیوں کی وجہ سے ہی ایک فلاحی ریاست وجود میں آتی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر مسلمانوں کی تعظیم وتوقیر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک بار آپ ﷺ کعبہ کا طواف کررہے تھے طواف کے دوران آپ ﷺ کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کعبے سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''کتنا پاکیزہ ہے تو اور کیسی خوشگوار ہے تیری فضا کتنا محترم ہے تیرا مقام، مگر اللہ کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، ایک مسلمان کے جان ومال اور عزت وآبرو کا احترام تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے'' [ابن ماجہ]

کاش کہ مسلمان قرآن وحدیث کی پاکیزہ تعلیمات کو سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں، ذرا غور کیجئے کہ متحدہ ہندوستان میں ہم نے الگ وطن کا مطالبہ بھی اس لیے کیا تھا کہ ہم اپنے تمام نظامِ حیات میں اسلامی تعلیمات کو جاری وساری کرسکیں اور اس کے لئے بے شمار جانی ومالی قربانیاں بھی دی گئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری کوششوں کو بارآور کیا اور ہمیں یہ وطن عطا کیا، چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اس کا شکر بجالاتے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی اطاعت کا دم بھرتے مگر افسوس کہ ہم نے نہ صرف اپنے عہد وپیمان کو توڑا بلکہ نفس کی خواہشوں میں ایسے گھرے کہ تمام اخلاقی و روحانی اقدار کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ ملک کو نہ صالح قیادت میسر آسکی اور نہ پاکستانی قوم کی صحیح خطوط پر تعلیم وتربیت ہی ہوسکی۔ پاکستان کی اٹھاون برس کی تاریخ کو سامنے رکھیے اور اپنے حالات کا جائزہ لیجئے۔ جو ملک دنیا میں امن وسلامتی کا پیغام پہنچانے کے لئے بنا تھا وہ خود ظلم وفساد کی سرزمین بن چکا ہے حالات یہاں تک بگڑ چکے ہیں کہ آفتاب کی چمکتی ہوئی روشنی میں انتہائی چہل پہل اور بارونق بازاروں میں شقی القلب ڈاکو شرفاء کے گھروں میں داخل ہوتے ہیں اور انتہائی بے دردی اور سفاکی سے بچوں، عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں کو قصابوں کی طرح ذبح کرڈالتے ہیں۔ یا راہ چلتے لوگوں کو گولیوں سے بھون ڈالتے ہیں اور پولیس کے سامنے ان کا مال چھین جھپٹ کر للکارتے ہوئے بھاگ نکلتے ہیں۔ اخبار سے چند خبریں پیش خدمت ہیں۔

❀ ''عید الاضحیٰ کے چوتھے روز ایک شخص محمد اسماعیل اپنی دکان پر گئے کہ ڈاکوؤں نے ان کے گھر میں گھس کر تیرہ افراد ذبح کر دیئے۔ یہ اسلام پورہ لاہور کا واقعہ ہے اور انتہائی گنجان آباد علاقہ ہے۔'' [نوائے وقت: ۱۴ ذوالحجہ]

❀ ''مرغی کے تنازعہ پر شمالی وزیرستان میں ایک عورت سمیت چار افراد قتل کر دیئے گئے۔'' [نوائے وقت ۱۴ ذوالحجہ]

❀ ''طالب علم راہنما عابد چودھری کو انسداد دہشت گردی کی عدالت سے سوگز کے فاصلے پر قتل کر دیا گیا۔'' [نوائے وقت ۱۴ ذوالحجہ]

❀ ''ڈاکو اعلیٰ افسر کی بیوی کو قتل اور گھر کا قیمتی سامان لوٹ کر فرار، اسلام آباد کے گنجان علاقے میں دن دھاڑے ڈاکہ'' [نوائے وقت: ۱۴ ذوالحجہ، ۱۴۱۱ ھجری]

یہ صرف ۱۴ ذوالحجہ کے اخبار کے سامنے والے صفحہ کی خبریں ہیں ایسے واقعات تو آئے دن کا معمول بن چکے ہیں یہاں پر کسی شخص کی بھی جان و مال حفاظت میں نہیں ہے یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ ہم نے قانون شریعت سے بغاوت کی ہے اور جب تک یہ بغاوت جاری رہے گی ہم سکون و طمانیت سے ہمکنار نہیں ہوسکتے ہیں۔ کیا اسلام کے نام پر قائم ہونے والی حکومت سنجیدگی سے اس بات کا جائزہ لے گی اور کیا وہ اسلام کا عادلانہ نظام جاری کرے گی؟

دعا والتجاء:

«اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِی»

''اے اللہ! میرے دل میں بھلائی ڈال دیجیے اور نفس کی برائی سے مجھے بچائیے'' (آمین یا رب العالمین)

وقتِ حساب آنے سے پہلے
لوٹ کھسوٹ اور حق تلفیوں کا ازالہ کرلیجیے

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّا دِرْھَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِصَلَاۃٍ وَصِیَامٍ وَ زَکٰوۃٍ وَیَاْتِیْ وَقَدْ شَتَمَ ھٰذَا وَقَذَفَ ھٰذَا وَاَکَلَ مَالَ ھٰذَا وَسَفَکَ دَمَ ھٰذَا وَضَرَبَ ھٰذَا فَیُعْطٰی ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ ، فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُہٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْہِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ

فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ ›› [رواه مسلم، رياض الصالحين، باب تحريم الظلم]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس وہ ہے جو مال و اسباب سے تہی دامن ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے جو روزِ قیامت نماز، روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا (اور حال اسکا یہ ہوگا) کہ فلاں کو گالی دی ہوگی اور فلاں پر تہمت لگائی ہوگی، فلاں کا مال ہڑپ کیا ہوگا اور فلاں کا خون بہایا ہوگا۔ یا فلاں کو مارا ہوگا، پس اس کی بعض نیکیاں فلاں اور بعض نیکیاں فلاں کو دے دی جائیں گی ۔ اب اگر اس کی سب نیکیاں ختم ہوگئیں اور ادائیگی باقی رہی تو پھر ان سب کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر اسے آگ میں جھونک دیا جائے گا۔''

اس حدیث مبارکہ پر غور کیجیے کہ سامعین کو سمجھانے اور بات ذہن نشین کرانے کا کتنا خوب صورت انداز ہے۔ پہلے انھیں اچھی طرح متوجہ کرنے کے لیے انہی سے سوال کیا جاتا ہے اور ان کا جواب سنا جاتا ہے اس طرح جب ان کے دل و دماغ یکسو اور چوکس ہو جاتے ہیں تو نصیحت اس طریق سے کی جاتی ہے کہ وہ اسے حرزِ جان بنالیں اور داعی کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ وہ وعظ و تلقین میں بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کرے۔ اسی بات کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے۔

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾ [النحل:۱۲۵]

''(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ۔''

سیرت طیبہ ﷺ کا مطالعہ کیجیے تو اس میں یہ پہلو نمایاں نظر آئے گا کہ آپ ﷺ کا اندازِ دعوت و تبلیغ انتہائی ناصحانہ اور مشفقانہ ہوتا تھا۔ ایسا مثبت انداز کہ سامع نہ صرف اسے غور سے سنتا بلکہ اسے قبول کرتا۔ اسلام صرف صوم و صلاۃ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں اسے اتنا پاکیزہ اور صاف ستھرا بناتا ہے کہ وہ شاداب اور خوشبو دار پھولوں کی طرح مہکتی ہے اور اردگرد کی فضا کو بھی معطر کرتی چلی جاتی ہے۔

اسلامی معاشرہ میں ہر شخص کی عزت و آبرو اور جان و مال محفوظ ہوتے ہیں کوئی کسی پر نہ زبان درازی کرتا ہے اور نہ دست درازی۔ مسلمان کی تعریف زبانِ رسالت سے سنیے۔

‹‹ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ ››

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔“

غور کیجیے کہ دنیا میں تمام فتنے اور فساد زبان اور ہاتھ سے پھیلتے ہیں اگر یہ دو اعضا قابو میں آ جائیں تو کبھی شر اور فساد رونما نہ ہوں اور معاشرتی زندگی میں ہر طرف امن اور سلامتی کی فضا پیدا ہو جائے اور جب یہ اعضا ہی قابو میں نہ رہیں اور انھیں بے لگام چھوڑ دیا جائے تو پھر ایسے معاشرہ میں گالی گلوچ، غیبت اور بد گوئی، دھینگا مشتی، مار کٹائی یہاں تک قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ جان و مال پر ڈاکے پڑتے ہیں۔ عزتیں لٹتی ہیں، ننھے ننھے بچوں کو اغوا کیا جاتا ہے۔ گویا کہ وہاں ظلم و بے حیائی کا دور دورہ ہو جاتا ہے وہاں سے سکون و عافیت ایسی قیمتی دولت رخصت ہو جاتی ہے پھر ایسا معاشرہ عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ظالموں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے پھر جب ان کو پکڑتا ہے تو نہیں چھوڑتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیہ مبارکہ پڑھی۔

﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾

[هود: ١٠٢]

”اسی طرح تیرے ربّ کی پکڑ ہے جب اس نے بستیوں کو پکڑا اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ بیشک اس کی پکڑ دردناک ہے اور سخت ہے۔“ [بخاري و مسلم، رياض الصالحين، باب تحريم الظلم]

ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے معاشرہ کا حال کچھ ایسا ہی ہو گیا ہے۔ حق تلفیاں، لوٹ کھسوٹ قتل و غارت، خیانت و بد دیانتی زوروں پر ہے۔ ہماری ناؤ بھنور میں ہے۔ سلامتی کی صرف اور صرف یہ راہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں۔

دعا و التجاء:

« اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ » [الاعراف: ٥٥-١٥٦]

”(اے اللہ!) آپ ہی تو ہمارے کارساز ہیں، ہم پر مغفرت اور رحم فرمائیے اور آپ سب معافی دینے والوں میں سے سب سے بڑھ کر معاف کرنے والے ہیں ہمارے لیے اس دنیا میں نیکی لکھ دیجیے اور آخرت میں بھی (اس کی تمنا رکھتے ہیں) ہم آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔“

زہد و ورع

فقر و زُہد

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: « اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْکُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَکُمْ فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَّا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ »[متفق علیه، ریاض الصالحین ، باب فضل الزهد]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھو، بڑے درجہ والوں کو نہ دیکھو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہ جانو گے۔''

اس حدیث مبارک سے زندگی گزارنے کا وہ سنہری اصول ہاتھ آتا ہے جسے قناعت اور خود داری کہتے ہیں اور جو شخص اس خوبی سے آراستہ ہو جاتا ہے اُسی میں شکرگزاری کے جذبات پرورش پاتے ہیں اور شکرگزار کو یہ خوش خبری دی جاتی ہے:

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ [ابراهیم:۷]

''اگر تم شکر کرو گے تو تمھیں اور زیادہ دوں گا۔''

اس سے زیادہ حوصلہ افزا یہ آیت ہے:

﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ﴾ [النساء:١٤٧]

''اگر تم لوگ اللہ کا شکر ادا کرو اور خلوص نیت سے ایمان لے آؤ تو اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمھیں عذاب دے۔''

گویا ایمان کے ساتھ شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور کامیابی کا راستہ ہے اور شکر کا جذبہ اس وقت یقیناً پیدا ہوتا ہے جب کوئی شخص مال و دولت اور صحت و جمال میں اپنے سے کمتر لوگوں پر نظر دوڑائے۔

شیخ سعدی شیرازی گلستان میں کہیں لکھتے ہیں کہ ''سفر میں اُن کے جوتے ٹوٹ گئے اور وہ برہنہ پا ہوگئے۔ اس حال میں اُن کے دل میں شکوہ و شکایت کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔ جونہی چند قدم آگے بڑھے تو ایک صاحب کو دونوں پاؤں سے محروم دیکھا، اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہو کر شکر بجالائے اور کہا اگر جوتے نہ رہے تو کیا ہوا، چلنے پھرنے کے لیے پاؤں تو سلامت ہیں۔''

اسلام کے نزدیک ایمان اور عمل صالح زندگی کی سب سے قیمتی دولت ہے اور اس کے مقابلہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی ہیچ ہے۔ قرآن حکیم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دور میں قارون کا ذکر کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کے بے بہا انبار عطا کیے تھے۔ مگر وہ غرباء و مساکین پر ایک حصہ بھی خرچ کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ عام لوگوں کی نظر اس کے شان و شوکت اور چمکتے ہوئے سکّوں کو دیکھ کر للچائی اور کہنے لگے۔

﴿ يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ [القصص:۷۹]

''کاش ہمیں بھی وہی کچھ میسر ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے وہ تو بڑا ہی خوش نصیب ہے۔''

اس پر اہل علم جو دولتِ ایمان سے سرشار تھے، بول اٹھے:

﴿ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴾

[القصص:۸۰]

''افسوس تم پر! جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اس کے لیے اللہ کے ہاں جو ثواب ہے وہ (اس سے) کہیں بہتر ہے اور یہ نعمت صابرین ہی کو ملنے والی ہے۔''

اب جب قارون پر اس کے تکبر اور ناشکری کے سبب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور وہ اپنے تمام خزانوں سمیت پیوند زمین ہو گیا تو اس کی دولت پر رشک کرنے والے پکار اٹھے:

﴿ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [القصص:۸۲]

''ہماری حالت پر افسوس! (خواہ مخواہ قارون پر رشک کیا) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس کا چاہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کا چاہے تنگ کر دیتا ہے اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی (قارون کے ساتھ) دھنسا دیتا، افسوس! اصل حقیقت تو یہی ہے کہ منکرین کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔''

یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اسلام حصولِ دولت سے منع نہیں کرتا ہے۔ رزقِ حلال کی

تلاش کو وہ ضروری اور لازمی قرار دیتا ہے۔ حکم ہوتا ہے:

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ [الجمعة: ١٠]

”(ایمان والو!) نماز ادا کرنے کے بعد زمین پر منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل (رزقِ حلال) تلاش کرو۔“

رزق کی عنایت اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ۔ ہدایت یہ دی جا رہی ہے کہ ہمیشہ اپنے سے کم پر نظر رکھو کہ اس سے شکر کا جذبہ پیدا ہوگا اور جسے رزق زیادہ دیا جا رہا ہے اسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے عطا کردہ مال میں سے غربا و مساکین، بیواؤں اور یتیموں کی مدد کرے۔ تاکہ یہ مال اس کے لیے وبالِ جان نہ بن جائے اور وہ قارون کی طرح درہم و دینار کا ہی بندہ نہ بن کر رہ جائے۔

اس بندے کے متعلق اس حدیث کا مطالعہ کیجیے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دینار و درہم کا بندہ اور شال دو شالہ کا پرستار ہلاک ہو۔ اگر اس کو یہ چیزیں دے دی جائیں تو راضی ہوتا ہے ورنہ ناراض ہو جاتا ہے۔

[بخاری، ریاض الصالحین با ب فضل الزهد]

اسلام نے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ بننے اور لوگوں میں عزت و وقار حاصل کرنے کا بڑا عمدہ سبق سکھایا ہے۔

سیدنا سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلایئے جس کو اختیار کروں تو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاؤں اور لوگ بھی مجھ سے محبت کرنے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کے بارے میں زہد اختیار کرو۔ (صرف مال و دولت ہی کو زندگی کا مقصد نہ بناؤ) تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے اور جو لوگوں کے پاس ہے (مال و دولت) اس کی طمع اور لالچ نہ کرو۔ تم بے فکر اور غنی (دل کے امیر) ہو جاؤ گے (اور اس قناعت پسندی کے باعث) لوگ بھی تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ [ابن ماجه، رياض الصالحين، باب فضل الله]

جناب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو پڑھ ڈالیے کہ جو دولت آئی وہ غربا و مساکین پر خرچ کر ڈالی اور فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے نکاح کے بعد اپنی تمام دولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردی تھی، کیا آپ نے اسے سینت سینت کر رکھا۔ نہیں نہیں، وہ سب غریبوں اور مسکینوں کو دے ڈالی۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک روز لوگوں کی دولت اور

فارغ البالی کا ذکر کیا۔ پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ بھوک سے جھک جاتے اور دہرے ہو جاتے تھے (اور کبھی ایسا ہوتا) کہ معمولی سی کھجور بھی کھانے کے لیے نہ ملتی تھی۔

[مسلم ،ریاض الصالحین ، باب الزهد]

ذرا سالار اعظم ﷺ کے پیارے ساتھیوں کا حال سنیے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اہل صفہ کے ستر آدمیوں کو دیکھا ، ان میں کوئی ایسا نہ تھا کہ اس کے پاس اوڑھنے، باندھنے کے لیے پورا کپڑا ہوتا۔ کسی کے پاس صرف چادر ہوتی ، کسی کے پاس صرف تہبند، جس کو وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے۔ وہ کسی کی نصف پنڈلی تک پہنچتا اور بعض کے ٹخنوں تک اور وہ اپنے ہاتھ سے پکڑے رہتے تا کہ ستر چھپا رہے۔ [بخاری، ریاض الصالحین ، باب الزهد]

اس غربت اور بے چارگی کے باوجود یہ لوگ ایمان و عمل کی دولت سے وافر بہرہ ور تھے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی قیمت پڑی:

﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [التوبة:١٠٠]

” اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ، اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں ، جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام کو دنیا سے نہیں آخرت سے لگاؤ تھا ۔ وہ تنگیوں اور آسانیوں میں اپنا مال فقراء و مساکین پر خرچ کرتے رہتے تھے۔

﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ ﴾ [الدهر:٨، ٩]

” اور اللہ کی رضا کے لیے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (اور ان کے دل کی آواز یہ ہوتی ہے) کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کی خاطر کھلاتے ہیں ۔ تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ ہی کسی شکریہ کے طالب ہیں۔“

آج مسلمان اپنے اسلاف کی پاکیزہ زندگیوں کو بھلا چکا ہے۔ مال و دولت کے حصول میں لوگوں کی دوڑ لگی ہوئی ہے سوائے چند اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو چھوڑ کر اکثریت کو دولت کی حرص نے دیوانہ بنا رکھا ہے اور جتنا کوئی شخص امیر ہے اتنا حریص بھی ہے اور جتنا حریص ہے اتنا ہی متکبر اور بخیل بھی ہے۔ حبِّ

نفس کے ساتھ ساتھ اس کی سرکشی ایسی بڑھتی ہے کہ وہ ظالم اور شریر بھی بن جاتا ہے۔ جب کہ قرآن ہماری تربیت اس طرح کرتا ہے۔

﴿ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [التغابن:١٦]

''اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔''

اے ربّ کریم! ہمیں اپنی محبت سے سرشار فرما دے اور ہمارے ہر ہر عمل کو اپنی رضا کے تابع بنا دے۔

دعا والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِىْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِىْ فِىْ زُمْرَةِ الْمَسٰكِيْنِ »

''اے اللہ! مجھے عاجزی و تواضع کرنے والے کی حیثیت سے زندہ رکھیے اور عاجزی و تواضع کرنے والے کی حیثیت سے ماریے اور (قیامت کے روز) عاجزی و تواضع کرنے والوں کے زمرہ میں مجھے اٹھایئے۔''

حرص و قناعت

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ:« قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰه بِمَا اٰتَاهُ۔ »

[رواه مسلم۔ رياض الصالحين ۔ باب القناعة والعفاف]

''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کامیاب ہوگیا وہ شخص جو اسلام لایا اور اسے بقدر کفاف (ضروریات کے مطابق) روزی دی گئی اور جو کچھ اللہ نے اسے دیا اس پر اسے قناعت کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔''

"القناعة" کے معنی ''ضروریات زندگی میں سے تھوڑی چیز پر راضی ہو جانا'' کے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ﴾ [الحج: ٦]

''اور قناعت سے بیٹھ رہنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔''

گویا قانع وہ لوگ ہیں جو عزت نفس کی خاطر کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔

بنت الاسلام لکھتی ہیں:

"قناعت یہ ہے کہ انسان کو جائز ذرائع سے جو کچھ ملا ہے وہ اس پر مطمئن رہے اور زیادہ کی حرص نہ کرے، جب دل میں کسی چیز کی حرص نہیں ہوتی تو انسان کسی شے کی طرف حریصانہ نگاہوں سے دیکھتا بھی نہیں۔ گویا اس کی آنکھ سیر ہوتی ہے، اس لیے اسے کسی شے کی طرف بھوکی نگاہوں سے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس طرح قناعت اور سیر چشمی لازم و ملزوم ہیں اور ان دونوں اوصاف کا تعلق دولت کی کمی اور زیادتی سے نہیں ہوتا بلکہ دل کے حریص یا بے نیاز ہونے سے ہوتا ہے۔ دل کا بے نیاز ہونا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے بے نیاز ہو۔ بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس اس کی ضروریات سے بہت زیادہ فالتو مال موجود ہوتا ہے مگر اسے اس سے بھی زیادہ کی حرص برابر لگی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ شخص (حقیقت میں) محتاج ہے۔ کیونکہ محتاج اسے کہا جاتا ہے جسے احتیاج ہو۔ یہ شخص دولت مند ہونے کے باوجود احتیاج کا شکار ہے۔ لہٰذا یہ محتاج ہے، اس کے برعکس بعض سیر چشم ایسے ہوتے ہیں کہ بمشکل ضروریات ہی پوری کر سکتے ہیں تاہم ان کے دل میں مال و دولت کی حرص نہیں ہوتی لہٰذا وہ محتاج نہیں (بلکہ قانع ہے)" [اسوہ حسنہ جلد دوم]

اس حقیقت کو جناب رسول اللہ ﷺ نے یوں واضح فرمایا ہے:

《 لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ 》

[متفق علیہ۔ ریاض الصالحین۔ باب القناعة]

"مال داری مال و اسباب کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ (اصل) مال داری تو دل کی مال داری ہے۔"

یہی بات سعدی شیرازی نے اس طرح کہی ہے۔

توںگری بدل است نہ کہ بمال
بزرگی بعقل است نہ کہ بسال

"یعنی امیری تو حقیقت میں دل سے ہوتی ہے نہ کہ مال سے اور بزرگی عقل و فراست سے ہوتی ہے نہ کہ درازی عمر سے۔"

کتنے ہی مال دار ہوتے ہیں جو لالچ اور حرص کے مرض میں گرفتار ہوتے ہیں اور ہر وقت "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ" (کچھ اور چاہیے) کے مرض میں گرفتار ہوتے ہیں اور اپنے مال کو سینت سینت کر رکھتے ہیں اور غرباء و مساکین پر ایک حبہ بھی خرچ نہیں کرنا چاہتے، جب کہ کچھ اللہ والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو فقر و فاقے کی حالت میں بھی دوسروں کو کھلا پلا دیتے ہیں۔ قرآن حکیم نے حریص قسم کے لوگوں میں قارون کا

واقعہ بیان کیا ہے۔

(ترجمہ) ''قارون ،موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہوگیا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقتور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی، ایک دفعہ جب اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ اِتراؤ نہیں، اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

(اور دیکھو) جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو، احسان کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس نے (جواب میں) کہا:

یہ سب تو مجھے اس علم کی بنا پر ملا ہے جو مجھے حاصل ہے...... کیا اسے یہ علم نہ تھا کہ اللہ اس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ قوت اور جمعیت رکھتے تھے اور (روزِ محشر) مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے سوال نہیں کیا جائے گا۔ (وہاں تو ہر شخص کا اعمال نامہ محفوظ ہے۔)

ایک روز وہ (قارون) اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نکلا، دنیا پرستوں نے للچا کر کہا: اے کاش! ہمارے پاس بھی یہ (سامانِ آسائش) اتنی ہی کثرت میں ہوتا جتنا کہ قارون کے پاس ہے، یہ تو بڑا نصیبے والا ہے۔

البتہ صاحبِ علم بولے: افسوس تمہارے حال پر (یاد رکھو!) جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اس کے لیے اللہ کا ثواب (اس سے) کہیں بہتر ہے اور یہ بات تو صبر کرنے والوں کو ہی سجھائی دیتی ہے۔

آخر ہم نے اسے (قارون کو) اور اس کے گھر کو (گنجینہ ہائے بے بہا کے ساتھ) زمین میں دھنسا دیا، پھر اس کے حامیوں کا کوئی گروہ نہ تھا جو اللہ کے علاوہ اس کی مدد کو آتا اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا۔

اب وہی لوگ جو کل اس کی منزلت کی تمنا کرتے تھے، (اس انجام بد کے بعد) کہنے لگے: افسوس (ہم بھول گئے تھے) کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا، افسوس (ہم کو یاد نہ رہا) کہ کافر فلاح نہیں پایا کرتے۔

(یاد رکھو کہ) یہ آخرت کا گھر ہم انہی کو دیتے ہیں جو زمین پر اپنی بڑائی چاہتے اور نہ فساد، اور نیک انجام تو اہل تقویٰ کا ہے۔

جو نیکی لے کر آئے گا، اس کے لیے اس سے بہتر جزاء ہوگی اور جو برائی لے کر آئے گا تو اسے اپنے اعمال کے مطابق ہی بدلہ ملے گا۔'' [القصص : ۷۶۔ ۸۴]

آیئے اب رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال معلوم کریں جو بھوک اور فاقہ مستی کے احوال میں بھی بے دست و پا لوگوں کی مدد کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ قرآن بیان کرتا ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر: ۹]

''اور یہ (نفوسِ قدسیہ) اپنی ذات پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے ہیں خواہ خود فاقہ سے ہوں۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ! مجھے بھوک نے ستایا ہے۔ آپ ﷺ نے اہل خانہ کے یہاں پتہ کروایا تو کچھ نہ پایا، پھر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا: کوئی ہے جو اس شخص کی میزبانی کرے؟ اللہ اس پر رحم کرے۔ ایک انصاری (ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) نے کہا: یارسول اللہ! میں اس کی میزبانی کروں گا۔ یہ شخص اسے اپنے گھر لے آئے اور اپنی اہلیہ (اُم سلیم) سے کہا: یہ رسول اللہ کا (بھیجا ہوا) مہمان ہے، لہٰذا جو چیز موجود ہے اسے کھلاؤ۔ وہ کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! میرے پاس تو بمشکل بچوں کا کھانا ہے۔'' ابوطلحہ نے کہا: اچھا یوں کرو کہ بچے جب کھانا مانگنے لگیں تو انہیں بہلا کر سلا دو اور جب ہم دونوں (میں اور مہمان) کھانا کھانے لگیں (عرب دستور کے مطابق مہمان کو الگ نہیں چھوڑا جاتا) تو چراغ (کسی بہانے سے) گل کر دینا، اس طرح ہم دونوں (بھی) آج رات کچھ نہیں کھائیں گے (اور مہمان سیر ہو کر کھا لے گا) چنانچہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا، صبح جب ابوطلحہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''فلاں مرد (ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) اور فلاں عورت (ام سلیم رضی اللہ عنہا) پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا اور اسے ہنسی آ گئی۔''

[صحیح بخاری بحوالہ ایسرالتفسیر ۔ عبدالرحمن کیلانی]

آپ غور کیجیے کہ قارون بدنصیب دولت مند ہونے کے باوجود حریص اور لالچی تھا اور اس کا انجام بھی برا ہوا اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تنگی اور قناعت پسندی کے باوجود فراخ دل تھے اور نیک نامی میں ذکرِ دوام پایا۔

قارون کے واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ حرص سے کئی اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں۔۔ بخل، غرور، تکبر اور ظلم ایسی وبائیں اسی کا نتیجہ ہوتی ہیں اور حریص لوگوں میں یہ بیماریاں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں،

قرآن حکیم میں فرعون کا کردار بھی ہمارے سامنے ہے۔ اس نے اسی پندار و غرور میں بنی اسرائیل پر کیا کیا ستم نہ ڈھائے؟

اس کے برعکس قناعت پسندی سے انسان میں، عجز و خاکساری، فراخ دلی اور سیر چشمی، شکر گزاری اور احسان و مروت کے جذبات پرورش پاتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر دل اطمینان و سکینت سے معمور ہو جاتا ہے جو اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کے مقابلے میں بڑے بڑے خزانے بھی ہیچ ہیں۔ (جامع ترمذی میں ایک حدیث درج ہے جس کے آخر میں یہ بیان ہوا ہے)

جنابِ عون بن عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ میں دولت مندوں کی صحبت میں رہا تو اپنے سے زیادہ کسی کو غم زدہ نہ پایا، اپنی سواری سے اچھی سواری اور اپنے کپڑوں سے اچھے کپڑے دیکھتا (اور غم کھاتا، پھر جب) غریبوں کے ساتھ رہا تو (اس رنج و غم سے) آرام پا گیا (کیونکہ نہ کسی کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھتا تھا اور نہ اپنی محرومی پر غم کھاتا تھا۔) [ترمذی بحوالہ اسوہ حسنہ۔ بنت الاسلام]

حقیقت میں قناعت پسندی کی خوشبو پیدا کرنے کے لیے انسان کو چاہیے کہ اپنے سے کم تر پر نظر رکھے، اس حدیث مبارک پر غور کیجئے! سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس شخص کی طرف نگاہ کرو جو (مال و دولت یا جاہ و جلال اور حسن و جمال وغیرہ میں) تم سے کم ہے اور اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے بڑھ کر ہے، اس سے تم اللہ کی نعمتوں کو (جو اس نے تمہیں دے رکھی ہیں) حقیر نہیں سمجھو گے۔'' [مسلم۔ اسوہ حسنہ]

حرص اور قناعت کا اندازہ اس واقعے سے بھی ہو جاتا ہے۔

''پاکستان کے ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے لکھا ہے کہ وہ امریکہ گئے، وہاں وہ ایک کروڑ پتی سے ملے۔ اس امیر شخص نے انہیں اپنے ایک خاص مکان میں ملاقات کے لیے بلایا، یہ مکان سمندر کے کنارے بنا ہوا تھا۔ جدید طرز کا وسیع مکان، اس کے آگے شاندار لان، اس کے آگے حد نظر تک پھیلی ہوئی سمندر کی لہریں، چاروں طرف عیش اور خوبصورتی کے مناظر، اس ماحول میں مہمان اور میزبان دونوں مکان کے سامنے لان میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، ڈاکٹر جاوید کہتے ہیں کہ میں اس ماحول میں گم تھا، مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں جنت کی دنیا میں بیٹھا ہوا ہوں، مجھ پر محویت کا عالم طاری تھا۔ امریکی کروڑ پتی بھی چپ چاپ کسی سوچ میں مبتلا تھا، اچانک امریکی نے میری طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

''مسٹر جاوید! میں چاہتا ہوں کہ امریکہ کو چھوڑ کر پاکستان چلا جاؤں اور زندگی کے بقیہ دن وہیں گزاروں۔''

''کیوں؟'' ڈاکٹر جاوید نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

''یہ سب چیزیں مجھے کاٹتی ہیں، مجھے ایک منٹ کے لیے بھی سکون حاصل نہیں۔''

[ماہنامہ تذکیر۔ لاہور، شمارہ نومبر ۲۰۰۲ء]

سچ تو یہ ہے کہ اطمینان وسکون کاروں اور کوٹھیوں میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہے اور وہ قناعت پسندی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہاں اس بات پر بھی غور کر لیجئے کہ قناعت پسندی کا یہ مفہوم بھی نہیں ہے کہ ہم محنت و مشقت سے دست بردار ہو جائیں اور زندگی میں آگے بڑھنے کا جذبہ ختم ہو جائے۔ مثلاً ہم معاشی اور تعلیمی میدان میں جتنے بھی آگے بڑھیں ہمارے اندر حرص وغرور کی بجائے نرمی، شفقت اور احسان و مروت کے جذبات پروان چڑھنے چاہئیں۔ ہماری دولت قارون کی نہیں بلکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دولت بن جائے جو ہمیشہ غرباء و مساکین کے لیے وقف رہتی تھی۔ ہمارا علم انسانیت کی تباہی و بربادی کے لیے نہیں بلکہ اس کی فلاح و بہبود، نیکی اور بھلائی کے فروغ کے لیے وقف ہو جائے۔

پاکستان کو ابھی تک ہم فلاحی اسلامی ریاست کیوں نہیں بنا سکے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قناعت کی جگہ حرص نے راہ پا لی ہے۔ کیا سیاست دان اور کیا عوام حرص کے مرض میں مبتلا ہیں۔ ہم راتوں رات کروڑ پتی بننے کے خواب دیکھتے ہیں اور لوگوں کو بنکوں کی ایسی سکیمیں بتائی جاتی ہیں کہ دنوں میں کروڑ پتی بن جائیں۔ ہر شخص دولت کے چکر میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ قناعت پسندی کی پاکیزہ راہ نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ کیا ہم اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی طرف پلٹنے کی کوشش کریں گے؟ یہ بات یاد رکھئے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾ [الرعد: ۱۱]

''اللہ تعالیٰ یقیناً کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے آپ کو خود نہ بدل دے۔''

دعاء و التجاء:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَآءِ وَالْاَدْوَآءِ»

''اے اللہ! میں بُرے اخلاق، بُرے اعمال، بُری خواہشات اور بُری بیماریوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' (آمین یارب العالمین)

صبر وشکر......عاجزی اور عظمت

عَنْ بُرَیْدَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا وَاجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَاجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا))

[جواهر البخاری، مصطفی محمد عماره، حدیث:٤٤٥۔مطبوعه تاج کمپنی]

"سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ربّ کریم کے حضور اس طرح) گویا ہوتے، اے اللہ! مجھے بہت زیادہ شاکر (نعمتوں پر شکر کرنے والا) اور بہت زیادہ صابر (مصائب پر صبر کرنے والا) اور مجھے خود میری نگاہ میں چھوٹا (خاکسار اور عاجز) اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا (معزز اور محبوب) بنا دے۔"

راحت و آرام میں اللہ تعالیٰ کے حضور سپاس گزاری اور احسان مندی کا اظہار کرنا اور مصائب و آلام میں صبر و قناعت اختیار کرنا۔ زندگی گزارنے کا وہ ارفع و اعلیٰ تصور ہے جو اسلام نے ہمیں عطا کیا ہے ہمارے مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ مال و دولت کی فراوانی پر کم لوگ ہی اپنے ربّ کے شکر گزار اور سپاس گزار بندے رہتے ہیں، اکثر دولت کے نشے میں متکبر اور مغرور ہو جاتے ہیں پھر بات آگے بڑھتی ہے تو یہی لوگ دوسروں پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کرتے ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے زور و زَر کے ناجائز استعمال سے بھی دریغ نہیں کرتے اس کا اطلاق نہ صرف افراد پر بلکہ قوموں اور ملکوں پر بھی ہوتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا میں زبردست دولت و طاقت کے گھمنڈ میں زیر دستوں کو دباتے چلے آئے ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون مصر غرور کے نشے میں سرشار ہو کر اعلان کرتا ہے۔

﴿ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾

[الزخرف:٥١]

"(اے میری قوم!) کیا یہ مصر کی بادشاہی میری نہیں ؟اور یہ نہریں بھی جو میرے نیچے رواں دواں ہیں۔ کیا تمھیں نظر نہیں آتا؟"

اسی غرور میں اس نے "ربّ اعلیٰ" ہونے کا اعلان کیا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل اور بعد میں بھی بنی اسرائیل پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ بالآخر اپنی شقاوت اور بدبختی کی بنا پر ربّ العالمین کے حکم پر اپنے لاؤ لشکر سمیت دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا۔

قارون بھی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا اور مال و دولت کے انبار رکھتا تھا مگر اپنے مفادات کی

خاطر فرعون کا آلہ کار بن گیا تھا، اس کی قوم کے اہل دانش و بینش اسے سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿ اِذۡ قَالَ لَهٗ قَوۡمُهٗ لَا تَفۡرَحۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡفَرِحِيۡنَ ۝ وَابۡتَغِ فِيۡمَاۤ اٰتٰٮكَ اللّٰهُ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ وَلَا تَنۡسَ نَصِيۡبَكَ مِنَ الدُّنۡيَا وَاَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝﴾ [القصص: ۷۶-۷۷]

''ایک دفعہ اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا اتنا اتراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، جو مال و دولت اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو۔ اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو اور لوگوں سے ایسے ہی احسان کرو جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے اور ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس صداقت و حقیت کو پہچاننے کی بجائے وہ اپنے پندار اور غرور میں یہ کہنے لگا کہ یہ مال و دولت تو اس کے علم و ہنر کا نتیجہ ہے یہ اس کی سخت بھول تھی ۔غور کیا جائے تو ہر سوسائٹی میں علم و ہنر کے باوجود کئی لوگ فقر اور تنگدستی کی زندگی گزارتے ہیں۔ پھر دیکھئے کہ یہ مال و دولت اگر اس کے علم و ہنر کی وجہ سے جمع ہوا تھا تو وہ علم و ہنر بھی تو اللہ تعالیٰ نے ہی عطا کیا تھا اور وہ اس مال کا مالک کیسے ہو گیا؟

اس بغاوت اور سرکشی کے نتیجہ میں قارون کا انجام کیا ہوا، قرآن اس کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے۔

﴿ فَخَسَفۡنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الۡاَرۡضَ وقفة فَمَا كَانَ لَهٗ مِنۡ فِئَةٍ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُنۡتَصِرِيۡنَ ۝﴾ [القصص: ۸۱]

''پھر ہم نے قارون اور اس کے گھر کو (خزانوں سمیت) زمین میں دھنسا دیا تو اس کے حامیوں کی کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ ہی وہ خود بدلہ لے سکا۔''

قرآن حکیم نے زندگی کا بلند تصور یہ دیا ہے کہ اسے زمین پر تکبر و غرور سے اور فتنہ و فساد پھیلاتے ہوئے نہیں بلکہ عجز و خاکساری اور صبر و شکر سے گزارا جائے اور اس بات کا عملی مظاہرہ اللہ کی بندگی اور اس کے بندوں کی خدمت گزاری میں ہوتا ہے حقیقت میں پرہیز گاری اسی کا نام ہے اور کامیابی کی نوید بھی اسی پر ہے۔

﴿ تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۝﴾ [القصص: ۸۳]

''یہ دارِ آخرت تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیتے ہیں جو زمین پر بڑائی یا فساد

نہیں چاہتے اور بہتر انجام تو متقین ہی کے لیے ہے۔‘‘

زندگی کی یہ رفعت جناب رسول ﷺ کی حیات طیبہ میں پوری تابانی سے جلوہ گر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دولت سے نوازا تو حکم ہوتا ہے:

﴿ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۞ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ ﴾

[الضحیٰ:۸-۱۰]

’’اور آپ کو مفلس پایا تو مالدار کردیا تو آپ بھی کسی یتیم پر سختی نہ کیجیے اور نہ ہی کسی سائل کو جھڑکیے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیمی سے سرفرازی عطا کی، کفر کے اندھیروں سے بچا کر اسلام کی روشنی سے بہرہ ور فرمایا۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تو انھوں نے اپنی تمام دولت آپ ﷺ کے حوالے کردی۔ آپ ﷺ نے اسے تجوریوں اور بکسوں میں نہیں سنبھالا بلکہ اسے غریبوں، محتاجوں، بیواؤں، یتیموں اور سائلوں میں تقسیم کرڈالا اور خود فقر و فاقہ اور صبر و قناعت کی زندگی گزاری اور اسی پر یہ انعام ملا۔

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۞ ﴾ [الانشراح:۴]

’’اور ہم نے آپ کے ذکرِ خیر کو بلند کیا۔‘‘

آج چار دانگِ عالم میں ہر مسجد سے کوئی موذن جب اللہ تعالیٰ کی توحید و کبریائی کا اعلان کرتا ہے تو وہاں محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا برملا اظہار بھی کرتا ہے اور اس وقت ہر سامع کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ آپ پر درود و سلام بھیجے۔ (ﷺ)

اور جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو فتح و نصرت سے ہمکنار کرتا ہے تو دل میں فخر و غرور کا شائبہ تک نہیں پیدا ہوتا ہے بلکہ آپ سراپا عجز و انکساری کی تصویر بن جاتے ہیں۔ غور کیجیے فتح مکہ کتنا اہم واقعہ ہے۔ آپ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ شادیانوں اور باجوں سے شہر میں داخل نہیں ہوتے بلکہ انتہائی عاجزی کے ساتھ اپنا سر مبارک اپنی اونٹنی پر اللہ تعالیٰ کے حضور خم کیے تشریف لاتے ہیں اور وہ اہل مکہ جنھوں نے مسلسل تیرہ برس آپ اور آپ کے ساتھیوں کے لیے جینا دوبھر کردیا تھا، آج ان کے لیے معافی کا اعلان عام ہو رہا ہے اور اسی حسن سلوک اور حسنِ اخلاق سے اسلام کو شوکت و عظمت نصیب ہو رہی ہے۔

﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۞ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۞ ﴾ [النصر:۱-۲]

’’جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔‘‘

کہیں وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کے لیے سرزمین مکہ کشادہ ہونے کے باوجود تنگ ہو چکی تھی مگر انھوں نے وہ وقت تکالیف و مصائب جھیل کر انتہائی صبر وسکون سے گزار دیا اور آج فتح مکہ پر اپنے ربّ کے انتہائی شکر گزار ہیں اور انھیں حکم ہو رہا ہے۔

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴾ [النصر:۳]

''تو اپنے ربّ کی حمد وثنا بیان کیجیے اور اس سے بخشش طلب کیجیے۔ یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

معلوم ہوا کہ جو صبر وشکر کی راہ اختیار کر لیتا ہے اور عجز وخاکساری کو اپنا دستور العمل بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے عزت وعظمت سے نوازتا ہے۔ اس لیے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ)) [مشکوٰۃ باب الغضب والکبر]

''جو شخص اللہ کی رضا کے لیے عجز وخاکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے رفعت وبلندی عطا کرتا ہے۔''

آج امت مسلمہ کے نازک احوال دیکھ کر بالعموم اور پاکستانی مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر بالخصوص بڑا دکھ اور صدمہ ہوتا ہے ہم نے اسلام اور اس کی پاکیزہ تعلیمات کو نظر انداز کیا ہے، آزادی کی قیمت کو یکسر فراموش کر ڈالا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے حصولِ وطن کے لیے یقیناً صبر وسکون سے جنگ لڑی اور بیشمار اور بے حساب جانی ومالی قربانیاں دیں جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی جیسی نعمت سے بہرہ ور فرمایا۔ یہ نعمت پا کر ہمیں اپنے ربّ کے شکر گزار بندے بننا چاہیے تھا۔ اور لازمی طور پر عاجز وخاکسار بن کر زندگی کو کامیاب بنانا چاہیے تھا مگر کیا عوام اور کیا حکمران دونوں نے اسلام کے عطا کردہ زرّیں اصولوں سے بغاوت کی ہے۔ حکومت اور عوام فخر وغرور، لوٹ مار، قتل و غارت دھوکہ وفریب، رشوت وخیانت اور اسی قبیل کی بہت سی برائیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ صرف دھن دولت اکٹھی کرنا اور عیش وعشرت سے رہنا سہنا مقصدِ حیات بنا لیا ہے کیا ہمارا طرزِ عمل نہیں بتا رہا کہ فرعون اور قارون ایسے بدبختوں کی راہ ہمیں پسند آئی ہے جب کہ ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیارے ساتھیوں کی راہ پر چلنے کا دم بھرا تھا؟ کیا شیطان نے ہمیں صراطِ مستقیم سے کہیں دور نہیں پھینک دیا ہے؟ زندگی تو بڑی ہی مختصر ہے اور ہم طول طویل آرزوؤں کے ادھیڑ بن میں کھو چکے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ

دعاء و التجاء:

((رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ

صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿١٩﴾ » [النمل:١٩]

"اے میرے رب! توفیق دیجیے مجھے کہ میں شکر ادا کرتا رہوں آپ کی ان نعمتوں کا جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں، اور (مجھے توفیق عطا فرمائیے) کہ میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جن سے آپ راضی ہو جائیں اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل کیجیے۔" (آمین یا رب العالمین)

قناعت اور سیر چشمی

اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : سَمِعْتُ عُمَرَ یَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْطِیْنِی الْعَطَاءَ ، فَاَقُوْلُ : اَعْطِهِ مَنْ هُوَ أَفْقَرُ اِلَیْهِ مِنِّیْ فَقَالَ: « خُذْهُ ، اِذَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ شَیْءٌ وَاَنْتَ غَیْرُ مُشْرِفٍ وَ لَاسَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ » [صحیح بخاری= كتاب الزكاة ، باب :من اعطاه الله شیئا من غیر مسئلة وَ لا اشراف نفسی،رقم الحدیث: ١٣٨٠]

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے (امیرالمؤمنین) عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ عطیہ عنایت فرماتے تو میں عرض کرتا کہ یہ اس کو دیجئے جو اس کا مجھ سے زیادہ محتاج ہو (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے: اسے لے لو، جب اس مال میں سے کچھ تمہیں اس حالت میں ملے کہ تمہیں اس کی حرص نہ ہو اور نہ تم نے خود اسے مانگا ہو، تو اسے لے لیا کرو اور جو نہ ملے تو اُس کے پیچھے نہ پڑا کرو۔"

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جتنا اور جس قدر بھی مال و دولت، رزق اور نعمتیں عطا فرمائے، اس پر راضی اور قانع ہوکر خالق و مالک کا شکر ادا کرنا، قناعت پسندی کہلاتا ہے اور قانع شخص ہمیشہ سیر چشم، صابر و شاکر رہتا ہے، وہ روکھی سوکھی کھا کر بھی اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں خوش و خرم رہتا ہے، صحت اس کے لیے سب سے بڑی دولت اور اس کے بیوی بچے اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتے ہیں۔ فارسی زبان کا محاورہ ہے:

"قناعت تونگر کند مرد را" یعنی قناعت انسان کو بے نیاز کر دیتی ہے۔

قناعت اتنی بڑی خوبی ہے کہ جس کے نصیب میں آ جائے وہ بڑا قیمتی شخص بن جاتا ہے، اس لیے کہ حرص و بخل ایسے رذائل اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے، اسے معمولی سے مکان اور کٹیا میں رہتے ہوئے،

حلال کی روزی کھا کر شاہی محلات سے زیادہ جو سکون اور سرور ملتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ضمیر بے داغ اور نفس مطمئن ہوتا ہے۔ جس سے سیر چشمی اور قناعت کی دولت میسر آتی ہے۔ بقول شخصے۔

قناعت ہے وہ بے بہا کیمیا
چھوا اس نے جس کو بھی سونا ہوا

سعدی شیرازی لکھتے ہیں کہ ملکِ مغرب کا ایک فقیر حلب (شام) کے بازاروں میں صدا لگا رہا تھا:

''خداوندانِ نعمت اگر شمارا انصاف بودی و مارا قناعت، رسم سوال از جہاں برخاستی''

دولت مندو! اگر تم میں انصاف ہوتا (تم اپنی دولت جمع رکھنے کی بجائے غرباء و مساکین میں تقسیم کر ڈالتے) اور ہم میں قناعت ہوتی تو سوال کا دستور دنیا سے اٹھ جاتا۔

اسلام زندگی کا بہترین دستور العمل ہے، وہ جہاں امیروں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے مال میں سے تنگ دست اور غربا کی مدد کریں، وہاں انہیں بھی عزتِ نفس کی پاسبانی سکھاتا ہے اور دستِ سوال دراز کرنے سے منع کرتا ہے۔ متقین کی صفات میں آتا ہے:

﴿ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ ﴾ [الذاریٰت: ١٩]

''اور ان کے اموال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حق ہوتا تھا۔''

ایک اور مقام پر ان لوگوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے جنہیں عزتِ نفس لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے مانع ہوتی ہے، تو ایسے لوگوں کی مدد کو تم پہنچو:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ [البقرہ۔ ٢٧٣]

''(اور جو تم خرچ کرو گے) وہ ان حاجت مندوں کے لیے (بھی ہے) جو اللہ کی راہ میں رکے بیٹھے ہیں اور زمین میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے (اور مانگنے سے عار رکھتے ہیں) یہاں تک کہ نہ مانگنے کی وجہ سے ناواقف شخص ان کو غنی خیال کرتا ہے اور تم قیافے سے ان کو صاف پہچان لو (کہ حاجت مند ہیں اور شرم کے سبب لوگوں سے منہ پھوڑ کر اور) لپٹ کر نہیں مانگ سکتے۔''

ایسے بے بس لوگوں کی مدد کو پہنچنا مال دار لوگوں کا فرض بنتا ہے اور بے کسی کی حالت میں ان کا اس

مدد کو قبول کرنا بھی جائز اور درست ہے، ان میں سے بھی بعض ایسے غیور اور غیرت مند ہوتے ہیں کہ اپنے اوپر تنگی و ترشی برداشت کر لیتے ہیں مگر صدقہ و خیرات قبول نہیں کرتے ہیں۔

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے

کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ انتہائی سیر چشم، خود دار اور قانع انسان تھے ان کی سیرت میں لکھا ہے کہ حاکم وقت ان کے پاس اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی بھیجتے، تو لانے والے ملازم کو یہ کہہ کر واپس کر دیتے کہ تمہیں کہیں اور بھیجا گیا ہے اور تم غلطی سے یہاں چلے آئے ہو اور جب خادم دوبارہ، سہ بارہ اس تھیلی کے ساتھ وہیں آتا اور باصرار کہتا کہ بادشاہ سلامت کہتے ہیں کہ اگر اس رقم کو خود نہیں رکھنا چاہتے تو غرباء و مساکین میں تقسیم کر ڈالیں جس کے جواب میں امام صاحب کہتے کہ بادشاہ سلامت غرباء و مساکین کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور اس رقم کو نہ لیتے تھے۔

اسلام کے نزدیک لوگوں سے سوال کرنا پسندیدہ بات نہیں ہے اور ہمیشہ اس کی دل شکنی کی گئی ہے۔

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا، میں نے پھر مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سوال پورا کر دیا، میں نے پھر آپ سے سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھے عطا فرمایا پھر فرمایا کہ اے حکیم! یہ مال سرسبز، لذیذ ہے، لہٰذا جو شخص اس کو دل کی سخاوت سے حاصل کرے (یعنی بغیر طمع کیے ہوئے) اس کو اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص اسے طمع نفس کے ساتھ حاصل کرے اس کو اس میں برکت نہیں دی جاتی اور اس کی حالت اس شخص کی سی ہوتی ہے، جو کھائے اور سیر نہ ہو اور اوپر کا ہاتھ (سخی کا ہاتھ) نیچے کے ہاتھ (یعنی لینے والے ہاتھ) سے بہتر ہوتا ہے۔

سیدنا حکیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنایا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے کچھ نہیں لوں گا یہاں تک کہ میں اس دنیا سے جدا ہو جاؤں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حکیم رضی اللہ عنہ کو بلایا کرتے تھے تاکہ انہیں کچھ دیں مگر وہ ان سے لینے سے انکار کر دیا کرتے تھے، اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں بلایا تاکہ انہیں کچھ دیں مگر انہوں نے ان سے کچھ قبول کرنا منظور نہ کیا، اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے مسلمانوں کی جماعت! میں تمہیں حکیم رضی اللہ عنہ پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان پر اس مالِ غنیمت میں سے ان

کا حق پیش کیا تھا مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا، سیدنا حکیم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انسانوں سے کچھ نہیں لیا اور وہ اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔[بخاری۔ کتاب الزکوۃ، باب الاستعفاف عن المسئلہ]

یہ مانگنا اور سوال کرنا انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے، اس سے نہ صرف عزت و وقار جاتا ہے بلکہ خود اعتمادی اور خود انحصاری کی قوتیں شل ہوجاتی ہیں، محتاجی اور غلامی در آتی ہے، قناعت پسندی رخصت ہوجاتی ہے، ملک کی مشیت تباہ و برباد ہوجاتی ہے، اس وقت ہمارے پیارے وطن کا حال کچھ ایسا ہی ہے ہم نے کبھی بھی اپنی چادر کے مطابق پاؤں نہیں پھیلائے، غیروں سے بار بار قرضہ جات اٹھا کر بڑے شان و شکوہ اور کروفر سے زندگیاں بسر کی ہیں، بڑے بڑے سرمایہ داروں نے بینکوں سے بے پناہ قرض لیے ہیں، ان سے ملیں اور کارخانے بنائے اور پھر قومی دولت کو واپس کرنے کی بجائے خود ہی معاف کروالیے کہ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر یا تو خود فائز تھے یا پھر قریبی عزیز و رشتہ دار، سرمایہ کاری کے نفع کو بیرونِ ملک بینکوں میں جمع کرواتے رہے، اس طرح اپنے ملک کی معیشت کو تباہ و برباد کیا اور غیروں کی معیشت کو سنوارا اور بنایا اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری و ساری ہے، ہماری خودی اور خود داری کو اتنی ضربیں لگ چکی ہیں کہ اب ہمارے اندر سے شرمندگی اور ندامت کا احساس جاتا رہا ہے، ہر سال کشکول لیے ادھر ادھر پھرتے ہیں کہ شاید کہیں سے چمکتے سکے مل جائیں اور ملک کا انتظام کچھ تھوڑا بہت چلتا رہے۔

مگر حریص اور طامع کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا ہے۔ اس کی مثال پانی کے اس مٹکے کی سی ہو جاتی ہے جس کے پیندے میں سوراخ ہو، اس میں منوں اور ٹنوں پانی ڈال دیجئے وہ خالی ہی رہے گا ہم ہر سال کتنا قرض اٹھاتے ہیں مگر ہماری فضول خرچیاں بھی انتہا کو پہنچ جاتی ہیں، ہر سال پتنگ بازی اور آتش بازی پر کتنا روپیہ ضائع کرتے ہیں، جس میں حکومت اور افراد حکومت بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور پھر داد فریاد کرتے ہیں کہ ہمارے پاس پیسے ختم ہوگئے ہیں اور نظریۂ پاکستان (۵۸) برس گزرنے پر بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، اس نظام جاہلیت کو اکھاڑنے کے لیے کتنے ابرار و صالحین اکٹھے ہوئے ہیں؟

دعا والتجاء:

«اَللّٰهُمَّ اكْفِنِىْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِىْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ»

"الٰہی! آپ میری کفایت فرمائیے حلال کے ساتھ کہ آپ کی حرام کردہ اشیاء سے بچ جاؤں اور اپنے فضل کے ساتھ دوسروں سے بے نیاز کردیجیے۔" (آمین یا رب العالمین)

تلاشِ علم

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ » [ابن ماجه]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حصولِ علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' (خواہ مرد ہو یا عورت)

- عِلْمٌ (ع ل م) عَلِمَ يَعْلَمُ عِلْمًا: جاننا، پہچاننا
- عَالِمٌ: جاننے والا، پہچاننے والا
- مُعَلِّمٌ: سکھانے والا، پہچان کروانے والا۔
- مُتَعَلِّمٌ: سیکھنے والا
- مَعْلُوْمٌ: جو بات سیکھ لی جائے۔

علم سے متعلق تمام مشتقات عربی زبان کی وسعت کو ظاہر کرتے ہیں۔ حصول علم اور تلاش علم ایک مسلمان کی زندگی کا ایسا جزوِ لاینفک ہے کہ جس طرح مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح مسلمان علم کے بغیر نہ تو زندگی گزار سکتا ہے اور نہ ہی اپنی منزل مقصود کو پا سکتا ہے، کیونکہ وہ تلاشِ علم سے مندرجہ ذیل باتیں حاصل کرتا ہے۔

- احکام الٰہی معلوم کرتا ہے۔
- سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے اطاعت رسول کا حق ادا کرتا ہے۔
- اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے حقوق وفرائض سے آگاہ ہوتا ہے۔
- حصول علم سے حق و باطل، کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر لیتا ہے۔
- زندگی کو اعمال صالحہ سے آراستہ کر کے آخرت کی کامیابی کو یقینی بناتا ہے۔

) اپنے سکون و راحت کا سامان مہیا کرتا ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ''علم وحشت میں مونس وغم خوار، اجنبی ماحول میں ساتھی، تنہائی کا رفیق، خوشحالی وتنگدستی میں رہنما اور دشمنوں کے خلاف ہتھیار ہے (کہ اس کے ذریعہ باطل کے خلاف مجادلہ اور مباہلہ بطریق احسن کیا جاسکتا ہے)

اسی سے حلال وحرام کی تمیز پیدا ہوتی ہے، وہی عمل کا رہنما ہوتا ہے اور عمل اس کے تابع فرمان۔

[العلم والعلماء، علامہ ابن عبدالبر]

حصول علم کی ترغیب

غور کیجئے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی حصول تعلیم سے متعلق ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ ﴾

[سورة العلق: ۱-۵]

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھیے اپنے ربّ کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھیے کہ تمہارا ربّ تو بڑا ہی کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔''

ان آیاتِ مبارکہ سے چند باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔

① قراءت اور کتابت کی ترغیب اور تعلیم انسان کو ربّ کریم کی طرف سے دی گئی ہے۔

② یہ محض اس کا لطف وکرم ہے کہ اس نے انسان کو لکھنے پڑھنے سے آراستہ کیا۔

③ اقرأ دوبار لاکر (اس تکرار سے) پڑھنے کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔

④ نوع بشر کو ماضی و حال میں جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے یا آئندہ جو کچھ بھی معلوم ہوسکے گا، یہ سب فیضانِ الٰہی کا ہی پرتو ہے۔انسان کو اپنے جن جن علوم وفنون، معارف و صنائع پر ناز ہے، سب حق تعالیٰ ہی کے سکھائے ہوئے، بتائے ہوئے اور سمجھائے ہوئے ہیں۔

[بحوالہ تفسیر ماجدی، عبدالماجد دریا آبادی]

⑤ ﴿ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ ﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان ''نا معلوم'' سے ''معلوم'' کی طرف بڑھتا ہے اور یہی علم کی حقیقت ہے۔

⑥ رب کریم کی معرفت اور اس کے احکام معلوم کرنے کا علم دین میں سب سے فائق ہے۔

﴿۷﴾ اس کے بعد اسلام ان تمام علوم کو سیکھنے کی ترغیب دیتا ہے جو نسلِ انسانیت کو نفع پہنچائیں، خواہ وہ زبان دانی ہو (کہ مختلف زبانیں سیکھ کر اللہ کا دین اس کے بندوں تک پہنچایا جائے) یا وہ سائنسی علوم ہوں (کہ ان کے حصول سے بنی نوع انسان کی خدمت پیش نظر ہو۔) البتہ وہ ایسے علوم سیکھنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جو انسانوں کو نقصان پہنچائیں۔ مثلاً جادو کا علم (کہ اس سے لوگوں کے درمیان تفریق ڈالنا ہوتا ہے۔) مگر اسلحہ سازی یا جدید ہتھیار بنانا کہ اس سے دشمن سے دفاع اور بچاؤ پیش نظر ہو، ضروری علم ہے۔ مسلمان صرف اپنی حفاظت اور دفاع کے لیے اسلحہ اور جدید آلات بناتا ہے جب کہ غیر مسلم اپنی سطوت و شوکت کا لوہا منوانے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لیے ہتھیار تیار کرتا ہے۔

ایسا علم جو نفع کی بجائے نقصان کا باعث ہو، اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اس سے پناہ طلب کی ہے، آپ اللہ کے حضور گویا ہوتے:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ »

''اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایسے علم کے حصول سے جو نفع بخش نہ ہو۔''

علم کا سرچشمہ اور منبع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ اس کے حضور ہمیشہ فریاد کرتے رہا کریں:

﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴾ [طٰهٰ: ۱۱۴]

''اور کہیے: اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔''

دعا کا مضمون بتلا رہا ہے کہ علم کی کوئی حد نہیں ہے اور اس میں اضافے کے لیے ہمیشہ ربّ کریم کے حضور دعا گو رہنا چاہیے، عربی زبان میں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

''اَلْعِلْمُ بَحْرٌ لَّا سَاحِلَ لَهٗ۔''

''علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی ساحل ہی نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ خود بھی اللہ تعالیٰ کے حضور علم میں خیر و برکت کی تمنا فرماتے تھے۔ آپ کی دعاؤں میں یہ دعا بھی تھی۔

« اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِیْ بِالْعِلْمِ، وَزَيِّنِّیْ بِالْحِلْمِ، وَاَكْرِمْنِیْ بِالتَّقْوٰی، وَجَمِّلْنِیْ

بِالْعَافِيَةِ۔ » (حصن حصین)

”اے اللہ! مجھے دولت علم میں مالا مال اور حلم (بردباری) سے مزین فرما، مجھے تقویٰ (پرہیز گاری) سے عزت اور صحت و عافیت سے جمال (خوبصورتی) عطا فرما۔“

آپ ﷺ اس شخص کے لیے دعا گو ہوتے ہیں جو حصول علم اور اشاعتِ علم میں دوڑ دھوپ کرتا ہے گویا وہ مخلص مبلغ ہے۔

« نَضَّرَاللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهٗ كَمَا سَمِعَهٗ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ »

[راوہ الترمذی۔ ریاض الصالحین۔ باب العلم]

”اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جو ہماری بات سنے اور اسے من و عن (دوسروں) کو پہنچا دے۔ جسے بات پہنچائی گئی ہے شاید سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔“

ایک اور حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے طالبِ علم کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔ ارشاد فرمایا:

« وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ ۔ »

[مسلم۔ریاض الصالحین، باب العلم]

”جو شخص تلاشِ علم میں کوئی راستہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔“

طلبِ علم کے لیے تمام تر جدوجہد، دوڑ دھوپ، سیر و سفر اور قیام فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ) میں شمار ہوتا ہے اور یہ طالبِ علم کے لیے کتنا بڑا انعام ہے!

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔ »

[رواہ الترمذی، ریاض الصالحین، باب العلم]

”جو شخص علم حاصل کرنے کی غرض سے اپنے گھر سے نکلے تو جب تک وہ گھر واپس نہ ہوگا اس کا یہ زمانہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شمار ہوگا۔“

طالب علم کے لیے سب سے بڑی راحت اور مسرت یہ ہے کہ اس کی حصول علم اور اشاعتِ علم کے لیے تمام کوششیں نہ صرف اس کی دنیاوی زندگی کو اطمینان بخشتی ہیں بلکہ اس کی موت کے بعد وہ علم اس کے لیے (تاقیامت) صدقہ جاریہ بن جاتا ہے، اس میں شرط اخلاص اور للّٰہیت ہے۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ یہ خوشخبری اس طرح دیتے ہیں:

« اِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ. » [مسلم: باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته]

''انسان کے مرتے ہی اس کے عمل ختم ہو جاتے ہیں مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں ۔۔۔ ایک تو وہ صدقہ و خیرات جس کا فائدہ جاری رہے (ہسپتال، کنواں، مدرسہ وغیرہ) دوسرا وہ علم جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے۔(اچھی تصنیف یا استاد کے ہونہار شاگرد، مدرسہ و کتب وغیرہ) تیسری اولاد صالح جو والدین کے لیے دعائے خیر کرے۔ (اور اعمال صالحہ سے زندگی گزارے)''

حقیقی علم وہ چشمہ صافی ہے جو کبھی خراب اور بدبودار نہیں ہوتا اور یہ وہ آبِ زلال ہے کہ اسے پینے والا کبھی سیر نہیں ہوتا، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی تشنگی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

''طَالِبَانِ لَا يَشْبَعَانِ: طَالِبُ الْعِلْمِ، وَطَالِبُ الْمَالِ''

''دو قسم کے چاہنے والے کبھی سیر نہیں ہوتے ہیں، ان میں سے ایک علم طلب کرنے والا اور دوسرا مال طلب کرنے والا ہے۔''

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مال تو خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے مگر علم کو جس قدر خرچ کیجئے (دوسروں تک پہنچائیے) اسی قدر بڑھتا ہے ، ایسے ہی جیسا کہ کنویں سے جس قدر بھی پانی نکالا جائے وہ تروتازہ رہتا ہے۔ ایک عربی شاعر دولتِ علم پر فخر اور ناز سے کہتا ہے:

رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِينَا
لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ

''ہم اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی ہوگئے کہ اس نے ہمیں دولتِ علم سے نوازا ہے اور جاہلوں کو روپے پیسے دیے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے ہاں اہل علم کی بھی بڑی قدر و منزلت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾ [المجادلة: ١١]

''جو لوگ ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے گا۔''

یہ فضیلت و عظمت کیوں ہے؟ اس لیے کہ علمائے حق سے لوگ فیضاب ہوتے ہیں، گم گشتہ راہ منزل کا سراغ پاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو غزوہ خیبر کے موقع پر ارشاد

فرمایا تھا:

« فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ۔ »

”اللہ کی قسم ! اگر تیری وجہ سے کوئی ایک شخص بھی ہدایت پا جائے تو تمہارے لیے (غنیمت کے) سرخ اونٹوں سے (جو عرب میں بہت بیش قیمت ہوتے تھے سے) بہتر ہے۔“

مگر یہ ایسے عالم کی بات ہو رہی ہے جو خود بھی عمل کی شاہراہ پر گامزن ہے اور جس کی زندگی کا مقصد پہلے اپنی اصلاح ہے اور پھر دوسروں کی اصلاح ہے۔ اس کی مثال اسی منارۂ نور کی سی ہے جو خود بھی روشن ہے اور بھولے بھٹکے مسافر بھی اس کی روشنی میں اپنی منزل کی راہ دیکھتے ہیں۔ علم اور عمل لازم وملزوم ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

” اَلْعِلْمُ بِدُوْنِ الْعَمَلِ وَبَالٌ وَالْعَمَلُ بِدُوْنِ الْعِلْمِ ضَلَالٌ۔“

”علم بغیر عمل کے وبال جان ہے اور عمل بغیر علم کے ضلالت اور گمراہی ہے۔“

قرآن حکیم نے ان لوگوں کی مثال جو علم رکھتے ہوئے عمل سے کورے ہیں اس طرح دی ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾

[الجمعه۔ آیت: ۵]

”جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا، پھر انہوں نے یہ بار نہ اٹھایا (یعنی اس پر عمل نہ کیا) ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہے۔“

جس طرح گدھا کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے علم کی فضیلت اور روشنی سے محروم ہے، اسی طرح وہ لوگ علم رکھنے کے باوجود عمل نہیں کرتے اور اس علم کی روشنی سے تہی دامن ہیں۔

طالب علم کے لیے چند نصیحتیں

(۱) وقت کی قدر:

وقت گراں مایہ سرمایۂ حیات ہے جس کا ہر ہر لمحہ ماضی میں تحلیل ہوتا جارہا ہے، جو لوگ اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں وہ کامیاب ہو جاتے ہیں اور جو یونہی ادھر ادھر ضائع کرتے ہیں وہ ناکام رہتے ہیں۔ ہر طالب علم کو سورہ والعصر پر غور کرنا اور اسے پڑھتے رہنا چاہیے۔

(۲) تقویٰ کی راہ:

حصولِ علم کے لیے تقویٰ زاد راہ ہے، اس سے حافظہ قوی اور مضبوط ہوتا ہے، عربی کا یہ شعر کتنا نصیحت آموز ہے۔

شَكَوْتُ اِلٰی وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ
فَأَوْصَانِیْ اِلٰی تَرْكِ الْمَعَاصِیْ
لِاَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ اِلٰـهٍ
وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰی لِعَاصِیْ

”میں نے اپنے استاد وکیع سے خرابیٔ حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہ ترک کر دینے کی وصیت فرمائی (اور یہ بتایا کہ) علم الہ العالمین کی طرف سے روشنی ہے اور یہ روشنی کسی گنہگار کو عطا نہیں کی جاتی ہے۔“

(۳) سبق کا دھرانا:

وہ سبق جو کلاس میں استاد نے پڑھانا ہو اسے پہلے دیکھ لیا جائے اور اہم باتوں پر نشان لگایا جائے تا کہ دوران تدریس کوئی بات پوچھنی ہو تو استاد سے ادب کے ساتھ پوچھ لی جائے اور اسی سبق کو گھر پہنچ کر دوبارہ دہرایا جائے، اسی طرح آئندہ پڑھے جانے والے سبق کو بھی دیکھا جائے۔

(۴) اسباق کو تحریر میں لانا:

ایک بار لکھنا دس بار تکرار سے بہتر ہے، لکھے ہوئے الفاظ ذہن پر ثبت ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ تحریری قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۵) ذکر و اذکار اور نوافل کی کثرت:

شیطان اور نفس کی خباثتوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا جائے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ ﴾ [الاعراف: ۲۰۵]

”اور (اے نبی ﷺ) اپنے ربّ کو صبح و شام دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈر کر اور زبان سے ہلکی آواز سے یاد کیجیے، اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیے جو غفلت میں پڑے

ہوئے ہیں۔‘‘

یہ رسول ﷺ کو حکم ہے جو پیکرِ صدق و صفا تھے اور جن کا ہر لمحہ اور ہر کروٹ ذکر الٰہی میں گزرتا تھا، اندازہ کریں ہمارے لیے اس کی کتنی اہمیت ہے؟ نوافل بھی قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔

(٦) محنت:

محنت کے بغیر بلندیوں کو نہیں چھوا جا سکتا ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وہی لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ
جو دنیا میں کرتے ہیں محنت زیادہ

اور عربی زبان میں کسی نے خوب کہا ہے:

" وَمَنْ طَلَبَ الْمَعَالِیْ سَهِرَ اللَّیَالِیْ۔"

''بلندیوں کے خواہش مند کو راتوں جاگنا پڑتا ہے۔''

(٧) خدمتِ خلق:

علم میں اضافے کے ساتھ ساتھ عجز اور خاکساری میں اضافہ ہونا چاہیے، طالب علم کو تکبر اور غرور کو قریب بھی نہیں پھٹکنے دینا چاہیے، بڑوں کا ادب، چھوٹے پر شفقت، غرباء و مساکین کی خدمت اس کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیے، ''جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتا ہے۔''

(٨) طالب علم کی حیثیت سے زندگی گزارنا:

زندگی بھر طالب علم بن کر رہو، کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں عالم بن گیا ہوں، عربی کا یہ مقولہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

"اُطْلُبُوا الْعِلْمَ، مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ"

''ماں کی گود سے گور تک علم حاصل کرو۔''

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ أَغْنِنِیْ بِالْعِلْمِ وَزَیِّنِیْ بِالْحِلْمِ وَاَكْرِمْنِیْ بِالتَّقْوٰی وَجَمِّلْنِیْ بِالْعَافِیَةِ »

''اے اللہ! مجھے علم سے مالا مال، برد باری سے مزین، تقویٰ سے سر بلند اور عافیت سے جمال عطا فرمائیے۔''

حصولِ علم اور مسلمان استاد کی خدمات (۱)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ:
«لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰی هَلَکَتِهٖ فِی الْحَقِّ:
وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِکْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا» [متفق علیه۔مشکوٰۃ کتاب العلم]

"سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دو آدمیوں کے حال پر رشک کرنا ٹھیک ہے۔ایک اس شخص پر جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور حق کے ساتھ خرچ کرنے کا سلیقہ اور توفیق بھی دی اور دوسرا وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم سے نوازا اور وہ اس علم کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتا ہے۔"

میرے خیال میں ایک مسلمان استاد یا معلم کے کام کی نسبت انبیاء علیہم السلام کے مشن اور مساعی سے ہوتی ہے جن کا مقصدِ حیات لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا، ان کے نفوس کا تزکیہ کرنا، انہیں اخلاقِ حسنہ سے آراستہ کرنا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دینا خود ان کی سیرت انسانوں کے لیے بہترین نمونہ قرار پائی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب:۲۱]

"بلاشبہ تمہارے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ بہترین نمونہ ہے۔"

اس آیۂ مبارکہ کی روشنی میں ایک مسلمان استاد یا معلم کے لیے اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانا ضروری اور لازمی ہے۔لوگوں کی تعلیم وتربیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ فکر اور طریق کار۔آپ کے اخلاقِ حسنہ اور دعوت وتبلیغ کا اسلوب۔آپ کا اندازِ گفتگو اور طرزِ خطاب اور دینِ حنیف کی نشرو اشاعت میں آپ کی مساعی جمیلہ اور اس راہ میں مصائب وآلام اور صبرو ثبات ایک مسلمان استا د کے لیے روشنی اور رہنمائی فراہم کرتی ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو بہترین معلم تھے۔فرمایا:

«اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا»

"بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

آیئے اب سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ان صفات کا جائزہ لیں۔جو ایک مسلمان استاد کے لیے ضروری ہوتی ہیں:

ا۔اخلاص :

زندگی کے ہر عمل میں خواہ وہ معاشی ہو یا سیاسی۔تعلیمی ہو یا تدریسی۔صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھنے کا نام اخلاص ہے۔اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نیک کام بھی کیا جائے اس کا محرک کوئی دنیاوی اغراض اور کوئی ذاتی منفعت نہ ہو اور نہ اس سے مقصود نمود ونمائش اور فخر وریاکاری ہو۔بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری اور خوشنودی ہو۔رسول مقبول ﷺ کو حکم ہوتا ہے۔

﴿ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ ۞ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ ﴾ [الزمر:۲-۳]

''تم اللہ کی عبادت کرو (یعنی)اس کی عبادت کو (شرک سے)خالص کرکے،دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا ہے۔)''

اخلاص کے ثمرات....

اخلاص سے زندگی کا مقصد متعین ہوتا ہے کیونکہ جب ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کی جائے گی تو انسان ایسے افعال سے رک جائے گا جو اس کی ناراضی کا سبب ہوں گے،اس کے دل میں ہمیشہ پاکیزہ جذبات اور نیک تمنائیں پیدا ہونگی۔

وہ ہر میدان میں نیک نیتی سے کام کرے گا۔وہ تجارت میں کسی کو دھوکہ نہ دے گا وہ تعلیم اور تدریس میں اپنے فرائض ٹھیک انجام دے گا۔میراخیال ہے کہ آج دنیا میں جو شر اور فساد نظر آرہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان خواہشات کا غلام بن چکا ہے۔اپنی آرزؤں کو پورا کرنے کے لیے اس نے ہر ظلم وستم جائز قرار دے دیا ہے۔اس نے اپنے سفلی جذبات کی تکمیل کے لیے ایسے ایسے مہلک ہتھیار تیار کیئے ہیں کہ جن سے آناً فاناً بستیاں تباہ وہلاک ہو جاتی ہیں۔مختصر یہ کہ وہ اپنے ربّ کا بندہ نہیں بلکہ نفس کا بندہ بن چکا ہے۔ہمارے تعلیمی اداروں کے اساتذہ میں خاص طور پر سکولوں اور کالجوں کے اساتذہ میں اس کا فقدان ہے۔یہی وجہ ہے کہ نتائج روز بروز خراب ہورہے ہیں اور ٹیوشن سنٹرز کی وجہ سے والدین پر غیر ضروری بوجھ پڑ رہا ہے۔

۲۔تقویٰ ...

دوسرا وصف جو ہر معلم یا استاد کے لیے ضروری ہے۔وہ ''تقویٰ'' ہے۔یہ دل کی ایسی کیفیت کا نام ہے جس میں ایک مسلمان ظاہر اور باطن میں،ہر جگہ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے

ہوئے سیدھی اور سچی راہ اختیار کرتا ہے۔ تقویٰ کا مفہوم اس واقعہ سے سمجھئے کہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں پوچھا "کیا آپ کو کبھی خاردار راہ سے گذرنے کا اتفاق ہوا" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کیوں نہیں۔ تو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا، ایسی صورت میں آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ انہوں نے فرمایا: انتہائی احتیاط سے بچتے ہوئے اس راستہ کو عبور کیا۔ فرمایا۔ یہی تقویٰ ہے۔

معلوم ہوا کہ ایک مسلمان اس دنیا میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے۔ وہ ہر بدی اور ہر بے حیائی کو پاؤں سے مسلتے ہوئے نیکی کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے زندگی کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور معیشت فراخ ہو جاتی ہے۔

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق: ۲-۳]

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے لیے کشائش پیدا کرتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔"

افراد اور قوموں کی فلاح وبقاء کا انحصار اس بات میں ہے کہ ان میں برائی اور بھلائی، کھرے اور کھوٹے کی تمیز قائم رہے۔ یہ شعور اور احساس ہی تقویٰ ہے پھر وہ عقلِ سلیم سے کام لیتے ہوئے بدی کی راہ کو چھوڑ کر نیکی کی راہ پر چل پڑے تو وہ کامیابیوں سے ہمکنار ہو جاتے ہیں، اس کے برعکس وہ قومیں اور افراد جن میں خیر وشر کے درمیان تمیز جاتی رہے تو وہ خواہشات کا شکار ہو کر قعر مذلت میں جا گرتے ہیں۔

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝﴾

[النزعت: ۳۷-۳۹]

"تو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔"

تقویٰ کے ثمرات...

صفتِ تقویٰ سے آراستہ ہو کر ہی دنیا وآخرت کی سرفرازیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جنت میں لوگ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ خوف و ڈر اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے داخل ہوں گے۔" [ترمذی]

"سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس جگہ بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور برائی کے بعد نیکی کر لینا س سے برائی مٹ جائے گی اور لوگوں کے ساتھ

حسنِ سلوک سے پیش آنا۔'' [مسند احمد ، مستدرك حاكم]

ان اوامر وتوجیہات کے ماتحت معلم سب سے پہلے داخل ہوتا ہے اس لیے کہ وہ ایسا مقتدیٰ ونمونہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے دیکھتے ہیں اور اس سے اخذ کرتے ہیں۔اور یہ امر واقعہ ہے کہ اگر معلم واقعتاً متقی نہ ہو اور معاملات وکردار میں اسلام کے اصولوں کا پابندنہ ہوتو لازمی طور پر قوم کے شاہین بچے گمراہی وبے راہ روی کی دلدل میں پھنس جائیں گے۔لہٰذا تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ اگر وہ اپنے بچوں اور شاگردوں کو پاکیزگی اور طہارت کی کیفیت اور خلوص ووفا کی حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ خود بھی لباسِ تقویٰ سے مزین وآراستہ ہوں۔

﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾[الاعراف:٢٦]

''اور پرہیز گاری کا لباس کیا خوب ہے۔''

دعاء و التجاء:

« رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا »

''اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرمایئے۔''(آمین یا رب العالمین)

حصولِ علم اور مسلمان استاد کی خدمات (۲)

۳۔علم ..

معلم یا استاد اور خاص طور پر معلم اسلامیات کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ اسے علم میں رسوخ اور مضبوطی ہو۔قرآن وحدیث پر گہری نگاہ ہو۔تفسیر اور اصولِ تفسیر،حدیث اور اصول حدیث میں مہارت ہو۔سیرتِ طیبہ ﷺ کا مطالعہ ہو۔مسائل میں تفقہ کا ملکہ ہو،عربی زبان کو پڑھنے اور سمجھنے کا سلیقہ ہو،اس لیے کہ قرآن وحدیث کی زبان عربی ہے۔نیز علمائے سلف کے تمام علمی کام اس زبان میں ہیں۔ان کتب سے کما حقہ فائدہ اٹھانا اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس زبان کو سیکھنے میں محنت ومشقت کی جائے۔یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلی جائے کہ علم میں مہارت کے بغیر اسے دوسروں تک ایمانداری سے منتقل نہیں کیاجاسکتا۔بھلا جس حوض میں خود پانی نہ ہو وہ دوسروں کو کیا سیراب کرے گا۔یا جس چراغ میں تیل نہ ہو وہ دوسروں کو کس طرح منور وروشن کرے گا۔قرآن وحدیث میں حصولِ علم اور رسوخِ علم کی بڑی فضیلت آئی ہے۔چند آیات واحادیث پر غور کیجیے۔

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الزمر-۹]

''آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔؟''

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ [المجادلة:۱۱]

''اللہ تم میں ایمان والوں کے اور انکے جنہیں علم عطا ہوا ہے درجات بلند کرے گا۔''

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا﴾ [طٰهٰ:۱۱۴]

''اور کہیے اے میرے ربّ میرے علم میں اضافہ فرما۔''

﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ [آل عمران-۷]

''اور جو لوگ علم میں دستگاہِ کامل رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں ہم ان (آیاتِ الٰہی) پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔''

اور جناب رسول اللہ ﷺ نے علم کے متعلق فرمایا:

«مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ» [صحیح مسلم]

''جو شخص ایسے راستہ پر چلے جس میں وہ علم کا متلاشی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔''

«إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ، مَلْعُوْنٌ مَّا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا»

[جامع ترمذی]

''دنیا ملعون ہے اور ملعون ہے جو کچھ اس میں ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے اور اس کی رضامندی کے کاموں کے اور عالم وطالب علم کے۔''

«مَنْ خَرَجَ فِىْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ» [جامع ترمذی]

''جو شخص طلب علم کے لیے نکلے تو وہ جب تک واپس نہ ہو اللہ کے راستے میں شمار ہوتا ہے۔''

«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ» [سنن ابن ماجه]

''حصولِ علم ہر مسلمان (مرد یا عورت) پر فرض ہے۔''

اچھا استاد بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ حصولِ علم میں انتھک محنت ومشقت کرے۔

طلبِ علم کے لیے سفر اور مشقت:

علم کے عنوان کے تحت ہم اپنے اسلاف کی علمی سرگرمیوں اور حصولِ علم کے لیے جدوجہد کا سرسری طور پر جائزہ لیں۔

''حافظ الحدیث حجاج بغدادی، شبابہ کے یہاں تحصیل علم کو جانے لگے تو ان کی مقدرت کی کل کائنات یہ تھی کہ ان کی والدہ نے سو کلچے پکا دیئے تھے جن کو وہ ایک گھڑے میں بھر کر ساتھ لے گئے۔روٹیاں مہربان ماں نے پکادی تھیں۔سالن ہونہار اور دلیر فرزند نے خود تجویز کرلیا اور اتنا کثیر کہ آج تک صدہا برس گذرنے کے بعد بھی ویسا ہی تر و تازہ موجود ہے۔وہ کیا؟ دجلے کا پانی۔حجاج ہر روز ایک روٹی دجلے کے پانی میں بھگو کر کھالیا کرتے اور استاد سے پڑھتے جس روز وہ روٹیاں ختم ہوگئیں۔ان کو استاد کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا۔'' [علمائے سلف۔محمد حبیب الرحمان شروانی]

ابو اسحاق الکزرونی نے بے حد اشتیاق ظاہر کیا کہ محمد بن اسحاق ابوعلی کے مدرسہ میں داخلہ لے لیکن اس کی والدہ نے کہا کہ ہم بہت غریب ہیں لہٰذا تمہیں روزی کے لیے کوئی پیشہ اختیار کرلینا چاہیے۔لڑکے نے اپنی والدہ کے مشورہ کو قبول کیا لیکن محنت مزدوری کرنے کے علاوہ علی الصباح حلقہء درس میں شرکت کرتا اور سورج نکلنے تک وہاں رہتا۔نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک نہایت مشہور و معروف عالم ہوا۔[تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ۔ڈاکٹر احمد شبلی]

حافظ ابن طاہر مقدسی نے جتنے سفر طلبِ حدیث میں کیے ان میں کبھی انہوں نے کسی سواری کا سہارا نہیں لیا۔سواری اور باربرداری دونوں کا کام وہ اپنے ہی نفس سے لیتے تھے۔سفر پیادہ پا کرتے تھے۔اور کتابوں کا پشتارہ پشت پر رکھا ہوتا تھا۔مشقت پیادہ روی کبھی کبھی یہ رنگ لاتی کہ پیشاب میں خون آنے لگتا۔[علمائے سلف حبیب الرحمان شیروانی]

امام مالک رحمہ اللہ نے سیدنا سعید بن المسیب رحمہ اللہ تابعی سے روایت کی ہے کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر راتوں اور دنوں پیادہ چلا ہوں۔امام دارمی نے طلبِ حدیث میں حرمین، خراسان، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا تھا۔صحیح بخاری کے مؤلف امام بخاری رحمہ اللہ نے چودہ برس کے سن میں سیاحت شروع کردی تھی۔ان کی والدہ خود ہر سفر میں نگران تھیں۔بخارا سے لے کر مصر تک سارے ممالک اس عالی مقام امام کے سفر کی فہرست میں ہیں۔[علمائے سلف۔حبیب الرحمان]

ذرا غور کیجیے کہاں سرزمینِ بخارا اور کہاں مصر، بغداد، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ امام موصوف نے ایک ایک حدیث مبارک کو لینے کے لیے میلوں پیدل سفر کیے۔اور پھر انہیں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھ کر ترتیب دیا۔دراصل علم کے لیے محنت اور سفر ہی کلیدِ کامیابی ہے۔مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

تحصیلِ علم کے لیے سفر کرنا اور نامور علماء سے ملاقاتیں کرنا، طلباء کے لیے ایک لازمی منصوبہ ہونا چاہیے۔حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص ایسا متبحر عالم نہیں ہوسکتا جو علوم کے متعدد شعبوں سے واقفیت نہ رکھتا

ہو بلکہ ایک ہی شعبہ علم کے تمام مسائل پر عبور رکھتا ہو۔لہٰذا علم میں وسعت اور عمق حاصل کرنے کے لیے طالب علم کے لیے سفر لازمی ہے اور دورانِ سفر جس قدر مشہور علماء سے ملاقات ہو سکے ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔[المقدمہ۔ابن خلدون]

میرے خیال میں ہمارے اسلاف علم میں مضبوط اس وجہ سے تھے کہ حصولِ علم کے لیے انہوں نے دور دراز کے سفر کیے۔اس زمانہ میں جب کہ چھاپہ خانہ کا وجود نہ تھا قلمی کتابیں لکھیں اور انہیں زبانی ازبر کیا اور اس دور میں جب کہ نہ پختہ سڑکیں تھیں اور نہ ہی ریل،بس کی سہولت موجود تھی۔پیدل سفر کیے۔دورِ حاضر میں تمام سہولتیں مہیا ہونے کے باوجود علم میں ویسی طلب اور تڑپ موجود نہیں ہے۔محنت ومشقت کا ذوق جاتا رہا ہے۔کتب آسانی سے مہیا ہونے کے باوجود ویسی دماغ سوزی نہیں ہے۔نتیجتاً علم کے ماہرین کی تعداد بہت کم نظر آتی ہے۔

تعلیمِ نسواں :

علم کے عنوان کے تحت اس کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اسلام نے مردوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم بھی ویسے ہی ضروری قرار دی ہے۔اور یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ عورتوں کی صحیح تعلیم وتربیت ہی سے صالح معاشرہ کی بنیاد پڑتی ہے۔عورت کی مضبوط تعلیم اور پاکیزہ تربیت اس بات کی ضمانت ہے کہ آئندہ بچوں کی صحیح خطوط پر تربیت ہو سکے گی۔عورت ومرد تصویر کے دورخ ہیں۔اور دونوں کی خوبی تصویر کا حسن ہے جس طرح قواء انسانی کی تہذیب کے لیے دل ودماغ دونوں قوتوں کی نگہداشت کرنی پڑتی ہے۔اسی طرح سوسائٹی کی تہذیب کے واسطے عورت ومرد دونوں کو تعلیم کی حاجت ہے۔مرد وعورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں اور منزلِ مقصود تک صحیح وسلامت پہنچنے کے لیے دونوں کا استحکام لازم ہے جو لوگ صرف مردوں کو تعلیم دے کر قوم کو ترقی دینا چاہتے ہیں وہ شاید امید رکھتے ہیں کہ پرندے ایک پر سے آسمان پر اڑ جائیں اور گاڑی کے ایک پہیے سے منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔

عورتوں کی تعلیم کیسی ہو؟

مسلمان مرد ہو یا عورت دینی فرائض کو بجالانے کے لیے دینی تعلیم کا حاصل کرنا دونوں کے لیے لازم ہے۔یہ ضروری نہیں کہ ہر مسلمان مرد عالم وفاضل اور ہر مسلمان عورت عالمہ وفاضلہ ہو بلکہ ایسا نصاب مرتب کیا جائے کہ جس سے دینی فہم وبصیرت کے علاوہ روز مرہ کے مسائل سے واقفیت پیدا ہو۔البتہ جو خواتین علم میں فضیلت حاصل کرنا چاہیں یا جنہیں دعوت وتبلیغ یا تعلیم وتدریس کے فرائض

سرانجام دینے ہوں ان کے لیے ترجمہ وتفسیر،حدیث و تاریخ اور فقہ کا الگ نصاب بنایا جائے۔اس کے علاوہ ہرعورت کے لیے عربی زبان کے علاوہ ملکی زبان کا جاننا بچوں کے علاج ومعالجہ کے لیے طبی تعلیم،امور خانہ داری میں مہارت حاصل کرنے کے لیے تعلیم،گھر کا حساب کتاب رکھنے کے لیے ریاضی کی تعلیم اور جنگ کے موقع پر زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی تعلیم بھی دی جائے۔ان میں سے جو خواتین ہسپتالوں میں کام کرنا چاہتی ہوں انہیں ڈاکٹری کی وسیع پیمانے پر تعلیم دی جائے۔اور اس میں تمام شرعی حدود وقیود کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

اسلامی معاشرہ میں عورت اور مرد کے کام کاج کے میدان جداجدا ہیں یہاں پر یورپ کی طرح ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ وہ کام نہیں کریں گی۔اس کے کام کا اصل میدان گھر ہی ہوگا۔

یورپی معاشرہ کا انجام:

مرد اورعورت کی یکسانی کار کے اصول کی تحریک کا آغاز برطانیہ سے ہوا۔۱۹۷۲ء میں میری وولسٹون کرافٹ (Maru wollstone craft) نے کتاب لکھی جس میں عورت کی آزادی کی صدابلند کی گئی رفتہ رفتہ یہ آواز تحریک کی شکل اختیار کرگئی۔اس کتاب کا خلاصہ یہ تھا۔تعلیم،روزگار اور سیاست کے میدان میں عورتوں کو وہی مواقع ملنے چاہئیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ایک ہی اخلاقی معیار ہونا چاہیے جو دونوں صنفوں پر منطبق کیا جائے۔

بحوالہ کتاب خاتونِ اسلام۔مولانا وحیدالدین خان اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

یورپ میں آزادی نسواں کی تحریک اٹھارہویں صدی میں اٹھی اور بیسویں صدی کے آغاز تک یہ تحریک مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوئی اورعورت ہر میدان میں مرد کے شانہ بشانہ کام کرتی نظر آنے لگی۔مگرعملاً یہ تجربہ سراسرناکام ثابت ہوا۔تقریبا دوسو سالہ جدوجہد کے بعد بھی اب تک عورت کو مرد کے برابر کا درجہ حاصل نہ ہوسکا۔اس تحریک کا عملی نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوا کہ عورت گھر سے باہر آ گئی۔عورت نے اپنی نسوانیت کھودی مگر اس کی قیمت میں اس کو وہ چیزنہیں ملی جس کے لیے اس نے اپنی نسوانیت کھوئی تھی۔یعنی زندگی کے تمام شعبوں میں مردوں کے برابر مقام۔[کتاب خاتونِ اسلام۔مولانا وحیدالدین خان]

یورپ میں عورت نے گھر کی سیادت کو ضائع کیا۔اور باہر کی سیاست میں قدم رکھا،گھر کی سیادت سے تو محروم ہوئی مگر باہر کی سیاست میں بھی عزت نہ پاسکی،بچے پیدائش کے بعد مخصوص اداروں میں

پلتے بڑھتے ہیں، والدین کی شفقت ومحبت سے محروم رہنے کے باعث ان کو بھی والدین کے لیے انس واحترام پیدا نہیں ہوتا۔ والد کسی دفتر میں اور والدہ کسی مل میں ملازمت کرتی ہے اور بچے کسی ہوسٹل میں قیام پذیر ہیں۔ گھریلو زندگی تلپٹ ہو چکی ہے۔ عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط سے کئی اخلاقی بیماریاں پیدا ہوئی ہیں۔ شرم وحیا رخصت ہوچکی ہے۔ انارکی اور آوارگی کا دور دورہ ہے۔ اب تو یورپ کے اہل دانش وفکر اس آزادی پر ماتم کناں ہیں مگر یہ سیلاب اتنا شدید ہے کہ ان کی آہ وفغاں صدا بصحرا ہی ثابت ہورہی ہے۔

مشرقی عورت کو انتباہ :

مغربی ممالک کے جرائم آہستہ آہستہ مشرقی ممالک میں داخل ہورہے ہیں۔ یہاں پر یورپی تہذیب وتمدن سے متاثر ویسی ہی آزادی کے خواہاں ہیں۔ انہیں مغرب کی تباہ شدہ معاشرتی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ یاد رکھیے ہر چیز کی خصوصیت اس کا جوہر ہے۔ آفتاب کی تمازت اور تیز روشنی اس کا خاصہ ہے۔ ماہتاب کی ہلکی اور ٹھنڈی روشنی ماہتاب کی دلآویزی اور خوشنمائی اور عام پسند ہونے کا باعث ہے۔ اگر ماہتاب کی یہ خاصیت جاتی رہے اور وہ آفتاب کی ہمسری کرنے لگے تو رات کی بہار اور راحت مٹ جائے اور ساتھ ہی ماہتاب بے قدر ہوجائے۔ ایسے ہی اگر کوئی تعلیم عورتوں میں سے عورتوں کے جوہر مٹادے تو وہ سوسائٹی کے راحت وآرام اور امن وآسائش کو کھودے گی اور نہ صرف مرد ہی بلکہ عورتیں بھی مصیبت میں پڑجائیں گی۔ دنیا میں جو شخص جس کام کے واسطے پیدا کیا گیا ہے اسے وہی کام پورے طور پر انجام دینا اس کی سعادت وعزت کا باعث ہے۔ پاکستان کا حصول اس لیے تھا کہ ہم یہاں آزادی کی فضا میں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکیں گے۔ اس کے لیے بے شمار جانی ومالی قربانیاں دی گئی ہیں۔ ہمیں تاریخ پاکستان پر گہری نظر ڈالنی چاہیے۔ اور اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر نادم ہو کر ربّ تعالیٰ کے حضور معافی مانگنی چاہیے۔ اور اپنی راہ کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنانا چاہیے۔

حلم وبردباری :

وہ بنیادی چیزیں جو مسلمان استاد کے لیے تربیتی ذمہ داری اور اصلاح وتعمیر کی مسئولیت میں کامیابی کی ضامن بنتی ہیں۔ ان میں سے حلم وبردباری کا وصف بھی ہے۔ تعلیم وتدریس کی مصروفیتیں ہوں یا دعوت وتبلیغ کی سرگرمیاں اس وصف کے بغیر سرانجام نہیں دی جاسکتیں۔ سخت گیری اور ترش روئی سے لوگ بدکتے اور بھاگتے ہیں۔ دوسروں کی غلطیوں پر چشم پوشی اختیار کرنا اور انہیں معاف کردینا اتنی بڑی عزیمت اور بلندی ہے کہ جسے رب کائنات ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے۔

﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ [الشوریٰ۔۴۳]

''اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں سے ہے۔''

درگذر کرنے والے اور دوسروں کو معاف کرنے والے محسنین کے گروہ میں آجاتے ہیں۔ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

[آل عمران۔۱۳۴]

''اور غصہ کو دبالیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کردیتے ہیں۔اور اللہ ایسے محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔''

یہ اتنا اچھا وصف ہے کہ بسا اوقات دشمن کو بھی دوست بنا دیتا ہے۔فرمایا:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾

[حٰم سجدة۔۳۴]

''(بدی کو) آپ نیکی سے ٹال دیا کریں،تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا۔جیسا کہ دلی دوست ہوتا ہے۔''

ان آیات کی روشنی میں جناب رسول اللہ ﷺ کی لسانِ صدق سے کئی ارشادات صادر ہوئے جن میں سے یہ ہے کہ:

« لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ »

[ریاض الصالحین]

''طاقت ور وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ طاقت ور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔''

« اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُّحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ » [بخاری ومسلم]

''اللہ تعالیٰ نرم ہیں اور وہ تمام امور میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔'' « إِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُّحِبُّ الرِّفْقَ »

سیرتِ طیبہ ﷺ کا یہ پہلو اتنا نمایاں ہے کہ کتنے ہی لوگ اس وصف سے بفضل اللہ راہ یاب ہوئے۔ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے۔

۵ھ میں نبی ﷺ نے کچھ سوار نجد کی جانب روانہ کیے وہ واپس ہوئے ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرلائے تھے فوج والوں نے انہیں مسجد نبوی ﷺ کے ستون کے ساتھ باندھ دیا تھا نبی ﷺ نے وہاں تشریف لاکر دریافت کیا کہ ثمامہ کیا حال ہے؟

ثمامہ نے کہا: محمد (ﷺ) میرا حال اچھا ہے، اگر آپ میرے قتل کیے جانے کا حکم دیں گے تو یہ حکم ایک خونی کے حق میں ہوگا۔اور اگر آپ انعام فرمائیں گے تو ایک شکر گزار پر رحمت کریں گے اور اگر مال کی ضرورت ہے تو جس قدر چاہیے بتا دیجئے، دوسرے روز نبی ﷺ نے ثمامہ سے وہی سوال کیا،اس نے کہا میں کہہ چکا ہوں کہ آپ احسان فرمائیں گے تو ایک شکر گزار پر فرمائیں گے۔تیسرے روز نبی ﷺ نے ثمامہ سے وہی سوال کیا :اس نے کہا میں اپنا جواب دے چکا ہوں۔نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دیا جائے۔ثمامہ رہائی پا کر ایک کھجور کے باغ میں گیا۔جو مسجد نبوی ﷺ کے قریب ہی تھا،وہاں جا کر غسل کیا۔اور پھر مسجد نبوی میں لوٹ کر آ گیا اور آتے ہی کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔

[رحمۃ العالمین۔قاضی سلیمان منصور پوری۔ج:۱]

مسلمان استاد کے لیے:

بہترین طریقِ کار یہ ہے کہ اپنے طلباء کے ساتھ عفوودرگزر اور حلم وبردباری سے کام لے،ویسے بھی دورِ حاضر میں ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ طلباء کو سزا دینا آخری حربہ ہونا چاہیے۔اور جہاں تک ہو سکے نصیحت،حکمت،شفقت اور محبت سے کام لیا جائے۔اور یہ اصلاح کی زیادہ بہتر شکل ہے۔میٹھے بول اور درگذر کرنے سے جو اصلاح ہوتی ہے وہ غصہ نکالنے اور سزا دینے سے نہیں ہوسکتی۔

۴۔نمونہ:

مسلمان استاد قول وفعل،گفتار اور کردار میں اپنے طلباء کے لیے بہترین نمونہ ہوتا ہے۔اس کی زندگی مثالی ہوتی ہے۔معلمِ انسانیت ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے :۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب:۲۱]

”بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔“

جب تک معلم کی زندگی علم وعمل کا مرقع نہ ہو اس کی دعوت ونصیحت کبھی مؤثر نہیں ہوسکتی۔اس کی گفتگو میں سوز وگداز پیدا نہیں ہوگا۔طالب علم خاص طور پر چھوٹی عمر کے طالب علم کا ذہن وفکر قرطاسِ ابیض کی مانند ہوتا ہے،وہ جو دیکھتا اور سنتا ہے اس کی چھاپ اس کے قلب ودماغ پر لگتی ہے۔اگر مسلمان استاد نماز پر لیکچر دے مگر وہ خود نماز نہ پڑھتا ہو تو بھلا طلباء کے درمیان اس کی بات کیسے مؤثر ہوگی۔اور اگر نماز کے وقت طلباء کو معلوم ہوجائے کہ ہمارا استاد خود بے نمازی ہے تو وہ عجب سوچ وفکر میں پڑ

جائیں گے۔لہٰذا استاد کو سب سے پہلے خود اسلامی تعلیمات کا پابند ہونا چاہیے۔

۵۔مسئولیت کا احساس:

مسلمان استاد بچوں کی تعلیم وتربیت،روحانی وجسمانی نگہداشت،آدابِ زندگی سے آگاہی کے متعلق اس دنیامیں بھی مسئول ہے اور آخرت میں بھی ربّ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہے بلکہ والدین اور اساتذہ یہاں تک کہ حکومت اور اس کی کابینہ کے اراکین بھی بچوں کی تعلیم وتربیت کے ذمہ دار ہیں۔حکومت ذرائع نشر وابلاغ نصاب،جرائد ورسائل کو پاکیزہ بنانے میں بڑا اہم رول ادا کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں ان آیات واحادیث پرغور فرمائیں۔

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا قُوٓا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ﴾[التحریم:٦]

’’اے ایمان والو!بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آتشِ جہنم سے۔‘‘

﴿ وَ أْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ [طٰہٰ:١٣٢]

’’اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیئے۔‘‘

اور جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے

«كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَّسْئُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ»[بخاری ومسلم]

’’تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔‘‘

« اِنَّ اللّٰهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ حَفِظَ أَمْ ضَيَّعَ ، حَتّٰى يُسْئَالَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ »[صحیح ابن حبان]

’’بے شک اللہ تعالیٰ ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا کیا اس نے انکی حفاظت کی یا ضائع کردیا۔حتیٰ کہ انسان سے اپنے گھر والوں کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔‘‘

حرف آخر:

افراد کی تعمیر خشت وسنگ مکانات اور محلات کی تعمیر سے کہیں اہم ہے۔افراد کی تعمیر سے قومیں ترقی وعروج کی منزلیں طے کرتی ہیں۔کسی قوم کے افراد سیم وزر سے زیادہ قیمتی اور ہیرے جواہرات سے زیادہ مہنگے ہوتے ہیں۔لہٰذا جو قومیں علمی اور اخلاقی لحاظ سے اپنے افراد بناتی ہیں وہ زندہ رہتی ہیں اور تاریخ

میں ان کا نام ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتا ہے۔

معلم اور متعلم کے فرائض (۱)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: «اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَلْعُوْنٌ مَّا فِیْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا» [ریاض الصالحین۔باب العلم]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی رضامندی کے کاموں کے، عالم اور طالب علم کے، دنیا اور دنیا کی ہر چیز رحمت الٰہی سے دور ہے۔''

اس حدیث مبارک سے طالب علم اور عالم کی فضیلت و بزرگی کا پتہ چلتا ہے ظاہر ہے کہ ایک عالم ہی علم کو پھیلانے اور درس وتدریس کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے تو آیئے قرآن و حدیث کی روشنی میں معلم اور متعلم کی ذمہ داریوں کو معلوم کرنے کی کوشش کریں۔

مشترکہ صفات و اوصاف:

استاد ہو یا شاگرد ان دونوں میں مندرجہ ذیل صفات کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ حصول علم اور اشاعت علم کا مقصد جاتا رہے گا یہ تو ہوسکتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی شخص علم حاصل کرنے کے بعد اسے مال و دولت کمانے کا ذریعہ بنائے مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لئے کوئی اجر ثبت نہ ہوگا۔

اخلاص......:

قول وعمل میں اخلاص کو پیش نظر رکھنا ہی ایمان کی بنیاد اور اسلام کا تقاضا ہے اور بندہ مؤمن کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے بغیر قبول نہیں ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ۝﴾ [البینۃ: ۵]

''اور انہیں تو یہی حکم ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں یکسو ہو کر نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی سچا دین ہے۔''

ہماری زندگی کے شب و روز اور تمام اعمال لوجہ اللہ ہونے چاہئیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

حقیقت کو یوں واضح کر دیا۔

«اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی » [ریاض الصالحین باب الاخلاص]

''یعنی تمام اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو وہ نیت کرے گا۔''

آج ہمارے تعلیمی نظام میں جو فساد اور بگاڑ نظر آ رہا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ ہم اخلاص کی صفت سے تہی دامن ہو چکے ہیں ہماری تعلیم و تدریس کی سرگرمیاں دنیا کے چند حقیر سکوں کو حاصل کرنے میں محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ حصولِ علم میں رضائے الٰہی کا جذبہ کمزور ہو چکا ہے نتیجہ یہ نکلا ہے کہ نہ تو اپنی اصلاح ہوتی ہے اور نہ ہی دوسروں کی بہتری کا خیال رہتا ہے۔

تقویٰ:

دوسرا وصف جو ہر معلم اور متعلم میں ہونا چاہئے وہ تقویٰ ہے۔ یہ دل کی ایسی کیفیت کا نام ہے جس میں ایک مسلمان ظاہر اور باطن میں خلوت اور جلوت میں مسجد اور مارکیٹ میں غرضیکہ ہر جگہ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے ہوئے سیدھی اور سچی راہ اختیار کرتا ہے۔

تقویٰ کے مفہوم کو اس طرح سمجھئے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں پوچھا کیا آپ کو کبھی کسی خاردار راستہ سے گذرنے کا اتفاق ہوا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیوں نہیں، تو انہوں نے پوچھا ایسی صورت میں آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ کہا کہ احتیاط سے بچتے بچاتے اس راہ کو عبور کیا ارشاد ہوا یہی تقویٰ ہے۔ پس بندہ مؤمن اس دنیا میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے اور وہ ہر بدی اور بے حیائی کو پاؤں سے مسلتے ہوئے نیکی کی منزل پر پہنچ جاتا ہے اس کے لئے زندگی سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور اس کی معیشت فراخ ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ﴾

[الطلاق ۲-۳]

''اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے لئے کشائش پیدا فرما دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔''

آج تعلیمی اداروں میں دست درازیاں اور زبان درازیاں حق تلفیاں اور زیادتیاں عام ہو چکی ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے کا خوف جاتا رہا ہے۔

علم کی جستجو:

علم بحر ناپید کنار ہے اس میں قیمتی موتی بکھرے پڑے ہیں جوں جوں کوئی شخص انہیں اپنے دامن میں چنتا ہے توں توں مزید کی آرزو پیدا ہوتی ہے یہ آرزو اور خواہش تادم آخر قائم رہنی چاہیئے۔ معلم کو کبھی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ علم میں کامل ہو چکا ہے اسے استاد ہوتے ہوئے بھی طالب علم کی سی زندگی گزارنی چاہیئے اور ہمیشہ اپنے ربّ تعالیٰ کے حضور اس طرح دعا گو رہنا چاہیئے۔

﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴾ [سورة طٰه: ١١٤]

''اور یہ کہتے رہو کہ پروردگار میرے علم میں اضافہ کرتے رہیے۔''

اللہ اللہ! یہ حکم امام الانبیاء ﷺ کو ہو رہا ہے جن کے سینہ اطہر کو ربّ کائنات نے علم وحکمت سے لبریز فرمادیا تھا وہ خاکساری و عاجزی سے اپنے ربّ کے حضور دعا فرمایا کرتے تھے۔

« اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا »

''اے اللہ! جو تو مجھے سکھائے اسے میرے لئے نفع بخش بنا دے اور مجھے ایسے علم سے بہرہ ورفرما جو میرے لئے نفع کا باعث ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما۔''

یہ دعا ہر متعلم اور معلم کے لیے سرمہ بصیرت ہے۔

محنت:

بغیر محنت و مشقت اسے سیکھا نہیں جا سکتا ہے محنت سے ہی انسان چمکتا اور پھلتا پھولتا ہے اور محنت ہی اسے کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے۔

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ﴾ [البلد: ٤]

''تحقیق ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا۔''............پھر ارشاد ہوا:

﴿ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴾ [النجم: ٣٩]

''اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔''

اگرکسی کی کوشش پاکیزہ علم کے حصول میں صرف ہو تو اس کا بدلہ اچھا ملے گا اور اگر بری جگہ پہ توانائیاں خرچ کرتا ہے تو اس کا اجر بھی بُرا ملے گا۔''

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ عَلِّمْنَا عِلْمًا نَّافِعًا »

''اے اللہ ہمیں نفع بخش علم سکھایئے۔'' (آمین یا رب العالمین)

معلم اور متعلم کے فرائض (۲)

معلم کے فرائض:

اسلام میں معلم کے کام کی نسبت انبیاء علیہم السلام کے مشن اور مساعی کی طرف ہوتی ہے جن کا مقصد حیات لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ان کے نفوس کا تزکیہ کرنا انہیں اخلاق حسنہ سے آراستہ کرنا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم سے بہرہ ور کرنا ہوتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

« اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا »

''بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾[ال عمران:۱٦٤]

''اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر بڑا ہی احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور یقیناً پہلے یہ لوگ صریحا گمراہی میں تھے۔''

اس آیہ مبارکہ کی روشنی میں معلم کے لئے اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانا ضروری اور لازمی ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی لوگوں کی تعلیم و تربیت میں اندازِ فکر اور طریق کار آپ کے اخلاق حسنہ اور اس کے اثرات آپ کا اندازِ گفتگو اور طرزِ خطاب اور دین حق کی نشر و اشاعت میں آپ کی مساعی جمیلہ اور اس راہ میں مصائب و آلام یہ تمام باتیں ایک مسلمان معلم کے لئے روشنی فراہم کرتی ہیں اس لئے ربّ کائنات کا ارشاد ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب۔۲۱]

''بلا شبہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔''

آیئے اب سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ان فرائض کو معلوم کریں جو معلم کے لئے ضروری ہیں۔

علم میں رسوخ:

معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم جو وہ دوسروں کو سکھانا چاہتا ہے اسے خود اس میں رسوخ اور

مہارت ہو تب ہی ایمانداری سے اسے دوسروں تک منتقل کیا جاسکتا ہے بھلا جس حوض میں خود پانی نہ ہو وہ دوسروں کو کیا سیراب کرے گا اور جس چراغ میں تیل نہ ہو وہ دوسروں کو کس طرح منور و روشن کرے گا۔

قرآن میں آتا ہے:

﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴾ [آل عمران:۷]

''اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر (یعنی آیات الٰہی) پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔''

ایسے اہل علم کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾ [المجادلہ:۱۱]

''اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنہیں علم عطا ہوا ہے درجات بلند کرے گا۔''

معلم کو اپنے علم میں رسوخ اور پختگی پیدا کرنے کے لیے مسلسل اور پیہم کوشش جاری رکھنی چاہئے اس سلسلے میں مشہور ماہر تعلیم جناب افضل حسین لکھتے ہیں:

معلم کو اپنے علم میں اضافے اور پختگی نیز اپنی معلومات پر بھروسہ اور یقین پیدا کرنے کی برابر جدوجہد کرتے رہنا چاہئے۔ علم کے معاملہ میں طلباء اپنے معلمین ہی کو سند سمجھتے ہیں اگر معلم کو خود اپنے علم پر بھروسہ اور یقین نہ ہو تو طلباء کا اعتماد متزلزل ہوگا اگر کسی معاملے میں صحیح معلومات نہ ہوں تو غلط سلط باتیں بتانے کی بجائے خندہ پیشانی سے عدم واقفیت کا اعتراف کر لینا چاہئے اور معلومات حاصل کر کے بعد میں بتا دینا چاہیے اس سے طلباء کا اعتماد بحال رہے گا اور معلم غلط بیانی کے اس وبال سے بھی محفوظ ہو جائے گا جس کی طرف ذیل کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

''اگر کسی نے بلا علم کے مسئلہ بتا دیا تو اس کا وبال بتانے والے پر ہوگا۔''

نبی کریم ﷺ نے خود متعدد سوالات کے جوابات میں لاعلمی کا اظہار فرمایا اور جب وحی نازل ہوئی اس وقت بتلایا (فن تعلیم و تربیت۔ اسلامک پبلیکیشنز لاہور) میرے خیال میں آج ہماری علمی دنیا میں جو انحطاط اور زوال آیا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معلم کی اپنی معلومات ادھوری اور ناقص ہوتی ہیں وہ تدریس کے میدان میں داخل ہوتے ہی مطالعہ اور محنت سے فارغ ہو جاتا ہے۔ فن تدریس کو اختیار کرنے کے ساتھ ہی اس پر بڑی اہم ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے اس نے طلباء کی ایک جماعت کو علمی لحاظ سے تیار کرنا ہوتا ہے۔ اسے اپنے مطالعہ کی رفتار اور بھی تیز کر دینی چاہیے۔ جس تعلیمی ادارہ میں وہ فرائض تدریس سر انجام دے رہا ہو وہاں اچھی قسم کی لائبریری ہونی چاہیے جس سے نہ صرف

اساتذہ بلکہ طلباء بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ نیز استاد کے کام کا بوجھ(work load) بھی مناسب ہی ہونا چاہیئے تاکہ اسے مطالعہ کے لئے وقت مل سکے اس کے علمی ذوق وشوق کے اثرات طلباء پر بھی پڑیں گے اور ان میں بھی شوق مطالعہ اور جذبہ محنت پیدا ہوگا۔

عاجز کو دینی درس گاہوں اور سرکاری اداروں میں کام کرنے کا موقع ملا ہے اور میں نے ان کے نظم ونسق اورتعلیم و تدریس کے نظام کو بڑے قریب سے دیکھا اور مطالعہ کیا ہے میں یہ بات پورے وثوق اور یقین سے لکھ رہا ہوں کہ ہمارے ان اداروں میں اساتذہ اور طلباء کا بڑا قیمتی وقت یوں ہی ضائع ہو رہا ہے وہ وقت جو سرمایہ حیات ہے جس میں علم وعمل کی پونجی جمع کرتے ہیں اور زادِ آخرت تیار کرتے ہیں۔

ہمارے اسلاف میں یہ جذبہ تھا کہ ان کا طلب علم کا ذوق دمِ واپسیں تک رہا جب اجل کا فرشتہ ان کی جانِ شیریں تن سے جدا کر رہا تھا وہ علم کی خدمت میں مشغول تھے ذرا ان واقعات پر غور کیجئے امام ابن السنی کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ:

> ''میرے والد نے ایک روز لکھتے لکھتے قلم دوات کے منہ میں رکھا اور دعا کو ہاتھ اٹھائے جو ہاتھ دعاء کے واسطے اٹھے پھر وہ قلم نہ اٹھا سکے اور عین حالت دعاء میں روح عالم بالا کو پرواز کرگئی ابن السنی کا سن اس وقت اسی برس سے متجاوز ہو چکا تھا۔''

(علمائے سلف حبیب الرحمٰن شروانی)

دور حاضر میں نمونہ اسلاف مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ عرصہ دراز بستر علالت پر رہے اور اس حالت میں بھی علمی ذوق جاری رہا ایک دفعہ ان کی عیادت کے لئے عاجز گیا تو دیکھا کہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے اٹھنے بیٹھنے کی بھی سکت نہ تھی یہاں تک کہ قوت گویائی میں بھی انتہائی ضعف پیدا ہو چکا تھا مگر اردگرد کتابوں کا انبار لگا ہوا تھا اور اس نحیف ونزار جسم کے ساتھ بھی لیٹے لیٹے کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔

غربت اور تنگدستی کے باوجود علمی کتب کا وافر ذخیرہ جمع کر لیا تھا آج یہ عظیم الشان سلفیہ لائبریری بہت بڑا علمی خزانہ ہے اور یہاں پر بفضل اللہ وقیع علمی کام ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی علم نافع کا صحیح ذوق عطا فرمائے۔ آمین

معلم اور متعلم کے فرائض (۳)

اخلاق:

معلم کی زندگی کا نمایاں وصف جس کا عکس براہ راست طلباء کی زندگیوں پر پڑتا ہے وہ پاکیزہ اخلاق ہیں۔تعلیم و تدریس کا معاملہ ہو یا دعوت و تبلیغ کا میدان اچھے اخلاق کے بغیر مؤثر و مفید نتائج مرتب نہیں ہو سکتے یہی وجہ ہے کہ معلم انسانیت ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ [القلم:٤]

''اور بے شک آپ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔''

آپ ﷺ کے بلند اخلاق اور پاکیزہ کردار، شیریں گفتگو اور خندہ پیشانی، حسن معاملہ اور شرم حیا، عفو درگذر اور حلم وبردباری تواضع و خاکساری اور احسان و مروت ایسے روشن اور پسندیدہ اخلاقی اوصاف ہیں کہ جنہیں دیکھ کر نہ معلوم کتنے ہی انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا اس بات کی قرآن شہادت دیتا ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ [آل عمران: ١٥٩]

''اے پیغمبر! پھر یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئے ہیں اگر آپ تند خو اور سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ آپ کے آس پاس سے چھٹ جاتے۔''

اس آیہ مبارکہ سے معلوم ہورہا ہے کہ لوگ آپ ﷺ کی نرم خوئی کی وجہ سے آپ کے گرد جمع ہوئے ٹھیک اس طرح جس طرح کہ شہد کی مکھیاں اپنے چھتہ کے گرد جمع ہوتی ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ کہاں وہ وقت کہ سرزمینِ مکہ میں آپ ﷺ نے تن تنہا لا اِلٰہ الا اللّٰہ کی صدا بلند کی اور کہاں وہ لمحات جب آپ حجۃ الوداع کے موقع پر اونٹنی پر سوار وادیٔ عرفات میں انسانوں کے جم غفیر کو خطاب فرما رہے ہیں۔

معلّم اعظم ﷺ کی سیرت دنیا کے ہر اس معلم کے لئے روشنی کا مینار ہے جو کسی بھی ادارہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہا ہو۔یہ بات یاد رکھئے کہ انسانوں کے اخلاق روپے پیسے سے نہیں بلکہ اچھی عادات کا بہترین نمونہ قائم کرنے سے بنتے اور سنورتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تکمیل تھا لسان صدق سے ارشاد ہوتا ہے:

«بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ » [مشکوٰۃ باب الرفق والحیاء]

"مجھے حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی اخلاق حسنہ کی بھی قدر و قیمت پڑتی ہے ان احادیث مبارکہ پر نظر ڈالئے:

وَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ: « مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ »

[ترمذی ریاض الصالحین باب حسن الخلق]

"سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یومِ جزا بندہ مؤمن کی میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔"

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: « اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَیُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ »

[ابوداؤد۔ ریاض الصالحین۔ باب حسن الخلق]

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ مؤمن اچھے اخلاق کے ذریعے پے در پے روزے رکھنے والے، عابد شب بیدار کا رتبہ پالیتا ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی ہمیشہ اچھے اخلاق اختیار کرنے کی وصیت فرمائی غور کیجئے صحابی رسول سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا سفر کی غرض سے اونٹ کی رکاب میں پاؤں ہے اور پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفقت بھرے لہجے میں فرمارہے ہیں۔

« یَا مَعَاذُ : اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ » [رواہ مالك۔ مشکوٰۃ باب الرفق والحیاہ]

"اے معاذ! لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا۔"

تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق اس قدر سنور اور نکھر گئے کہ انسان تو انسان حیوانات تک بھی ان کی ایذا رسانی سے محفوظ ہو چکے تھے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کو چند نصیحتیں کیں جن میں ایک یہ تھی کہ کسی کو برا بھلا نہ کہو وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے انسان تو انسان اونٹ اور بکری کی نسبت بھی ناملائم الفاظ استعمال نہیں کئے۔

[سیر الصحابہ۔عبد السلام ندوی]

ان نفوس قدسیہ کا جذبہ خدمتِ خلق اور ایثار و قربانی کی قرآن شہادت دیتا ہے۔

﴿ وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر: ۹]

''اور وہ دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔''

تاریخ میں یہ واقعات محفوظ ہیں کہ خود بھوک اور فاقوں میں رہے مگر مہمان کو کھلا یا پلایا اور خود معمولی سی خوراک پر قناعت کر لی مگر جنگی قیدیوں کے قیام و طعام کا بڑھ چڑھ کر خیال رکھا۔

افسوس کہ ہم نے اپنے اسلاف کی تمام باتوں کو فراموش کر دیا ہے اور یہ باتیں صرف منبر و محراب تک سنانے کے لئے رہ گئی ہیں عملی لحاظ سے ہم کورے اور تہی دامن ہیں۔

میں یہ بات علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ آج تعلیمی دنیا میں اساتذہ اور طلباء کے درمیان روحانی واخلاقی رشتہ منقطع ہو چکا ہے۔ طلباء کا مقصد تعلیم محض ڈگریاں اور سندیں حاصل کرنا ہوتا ہے اور اساتذہ کا مقصد خاص طور پر سرکاری سکولوں اور کالجوں میں محض تنخواہیں وصول کرنا اور نصاب کو تھوڑا بہت کلاس میں ختم کرانا ہوتا ہے۔ والدین کو بچوں کی تعلیم کے لئے الگ سے ٹیوشن کا انتظام کرنا پڑتا ہے اور غریب والدین کے لیے لمبی چوڑی فیسیں ادا کرنا سخت پریشانی کا موجب ہوتا ہے۔

اب نہ تو اساتذہ میں ذوق تحقیق اور طلباء کو محنت سے پڑھانے کی تمنا ہے اور نہ ہی طلباء میں شوق علم اور پڑھنے کی تڑپ رہی ہے۔ نہ اساتذہ کے دلوں میں اپنے شاگردوں کے لیے خلوص و محبت رہا ہے اور نہ شاگردوں کے دلوں میں اپنے اساتذہ کے لئے عزت و احترام رہا ہے نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ غیر نصابی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے لگے ہیں وہ تعلیمی دلچسپیوں کو خیر باد کہہ کر سیاسی حلقوں سے وابستہ ہو جاتے ہیں جن کے درمیان بحث و تکرار لڑائی جھگڑے یہاں تک کہ ہاتھا پائی اور قتل و غارت تک نوبت پہنچتی ہے۔ کالج اور یونیورسٹی کے ہوسٹلوں میں باقاعدہ اسلحہ و بارود جمع ہو جاتا ہے اور اچانک حسد و نفرت کی چنگاریاں بھڑکتے ہی ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہونے لگتا ہے۔ تعلیمی درس گاہوں کے احاطوں میں قتل اور زخمی ہو جاتے ہیں پھر یہی طلباء کالج و یونیورسٹی کی حدود سے نکل کر لوگوں کے جان و مال پر بھی ہاتھ ڈالنے لگتے ہیں۔ کئی پولیس کی گرفت میں آ جاتے ہیں اور بعض مقابلہ کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں اخبارات میں ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں۔

تعلیمی حلقوں کی اس قدر سنگین صورت حال اہل فکر کو سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کرتی ہے میرے نزدیک اس کا حل یہ ہے کہ اساتذۂ کرام کو اسوۂ نبوی ﷺ کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو اخلاقی اقدار

میں ڈھالنا ہوگا۔ادھر حکومت کا بھی فرض ہوگا کہ اسلامی قانون کو بلا تاخیر نافذ کرے تا کہ ہر شخص کی جان و مال اورعزت و آبرو محفوظ ہوجائے۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنِی مِنَ الَّذِیۡنَ اِذَا اَحۡسَنُوۡا اِستَبۡشَرُوۡا وَاِذَا اَسَآءُ وۡا اِسۡتَغۡفَرُوۡا »

اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں بنا دیجئے جن کے دل نیکی کرنے سے خوشی سے کھل جاتے ہیں اور جن سے برائی سرزد ہوجائے تو آپ کے حضور استغفار کرتے ہیں (اپنے گناہوں کو دھو ڈالتے ہیں)۔

عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ ابۡنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمَا قَالَ
قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ

" اَلدُّنۡیَا کُلَّھَا مَتَاعٌ وَّ خَیۡرُ مَتَاعِ الدُّنۡیَا اَلۡمَرۡأَۃُ الصَّالِحَۃُ " (مسلم)

اللہ اللہ جنتِ ارضی کی فانی رونقیں
حسن ہے جلوہ نما ہر گاؤں میں ہر شہر میں
عارضی ہے یہ اگرچہ سازو سامانِ حیات
نیک زوجہ پھر بھی بہتر ہے متاع دہر میں

اُسوۂ حسنہ

خوشگوار زندگی کا نمونہ

وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ :« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْصِفُ نَعْلَهٗ وَيَخِيْطُ ثَوْبَهٗ ، وَيَعْمَلُ فِیْ بَيْتِهٖ كَمَا يَعْمَلُ اَحَدُكُمْ فِیْ بَيْتِهٖ »

[رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ، کتاب الفضائل والشمائل]

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاپوش خود ٹانک لیتے ، اپنے کپڑے سی لیتے ،اور اپنے گھر میں اس (سادگی) سے کام کاج کرتے جیسا کہ تم میں سے کوئی اپنے گھر میں کام کرلیتا ہے۔“

شرفِ انسانیت کا راز بندگیٔ رب ، خدمتِ خلق، بلندیٔ کردار، شرم و حیاء سچائی اور راست بازی اور محنت و مشقت ایسی صفات میں مضمر ہے یہ وہ خوبیاں ہیں جو صدا بہار پھولوں کی طرح پھلتی پھولتی اور سرسبز و شاداب نعمتوں کی طرح تروتازہ رہتی ہیں اور جو اپنی مہک سے انسانی دل و دماغ کو معطر کرتی رہتی ہیں۔ پھر یہ صفات ایسی مصفٰی روشنی کی مانند ہیں جو زندگی کی تاریکیوں میں رشد و ہدایت کی کرنیں بکھیرتی رہتی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا جس رخ سے بھی مطالعہ کیجیے یہاں عزت وعظمت کی بلندی نظر آئے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خندہ پیشانی سے دوسروں سے ملتے اور جب گفتگو فرماتے تو یوں محسوس ہوتا گویا کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں، گھر میں تشریف لاتے تو اہل خانہ کے لیے راحت ومسرت کا پیغام لاتے ...... نہ صرف اپنے کام کاج کو اپنے ہاتھ سے نبٹاتے بلکہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ گھر کی مصروفیات میں بھی ہاتھ بٹاتے ،شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں جھاڑو دے دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سوداخرید لاتے تھے۔ جوتی

پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے، ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے، اس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے۔" [سیرت النبی ﷺ جلد دوئم]

آپ ﷺ نے اپنی زندگی کی تگ و دو سے یہ ثابت کر دکھایا کہ محنت و خدمت میں کوئی عار نہیں ہے۔ ایسی گھریلو زندگی کتنی خوشگوار نظر آتی ہے جہاں ہر وقت احسان و مروّت کے پھول کھلتے رہیں اور میاں بیوی اور بچے ایک دوسرے کے مدد گار بنیں۔

اس کے برعکس ہم میں سے اکثر کی زندگیوں کا نقشہ کچھ ایسا ہے کہ ہمیں اپنے ہاتھ سے اپنا کام کرنے کی عادت بہت کم ہے، جب اپنے کام سے ہی بدکتے ہیں تو دوسروں کی خدمت بھلا کیسے ہوسکتی ہے؟ معمولی معمولی باتوں پر بیوی بچوں پر برس پڑتے ہیں۔ اپنے کپڑے خود دھو لینا، سوئی دھاگہ سے قمیص پر کوئی ٹوٹا ہوا بٹن لگا لینا، کپڑے استری کر لینا، یہاں تک کہ اپنے جوتے پالش کر لینا، بھی دُوبھر معلوم ہوتا ہے، اس پر کبھی بیوی کو برا بھلا کہہ رہے ہیں کبھی بچوں کو کوس رہے ہیں، گھر کی فضا مکدّر رہتی ہے جس کے اثرات بچوں کی تعلیم و تربیت پر پڑتے ہیں وہ بھی ضدّی اور تنگ مزاج ہو جاتے ہیں یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ گھر میں دولت کی ریل پیل کے باوجود خوشی نہیں ہوتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ خوشی کا تعلق دولت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور آپس کی مہر و محبت سے ہے۔ کئی ایسے گھرانے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جہاں غربت اور تنگدستی کے باوجود مسرت کی کلیاں ہر وقت کھلتی رہتی ہیں اور زندگی ان کے لیے سچے موتیوں کی طرح چمکتی ہے۔ ایسے لوگ یقیناً رازِ حیات سے آگاہ ہیں اور دنیا کی زندگانی بھی ان کے لیے سکون وطمانیت کا باعث ہوتی ہے۔ اسکے برعکس اکثر و بیشتر گھرانوں میں لڑائی جھگڑے کا ماحول رہتا ہے۔ ایسی زندگی کیا ہوئی کہ دولت کی فراوانی کے باوجود ہر وقت تلخیاں اور شکر رنجیاں رہیں۔

ربیع الاوّل کا مہینہ ہمیں محسن انسانیت ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے اس پیکر صدق و صفا نے اپنے عمل سے ایسا بلند و بالا نمونہ پیش کیا کہ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنی نوع انسان کے لیے مشعلِ راہ رہے گا۔

مذکورہ حدیث مبارک کو شاعر نے بڑے خوبصورت انداز میں نظم کیا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ یہ فرماتی ہیں
آپ پاپوش کو خود ٹانک لیا کرتے تھے

جامۂ پاک کسی سمت سے پھٹ جاتا تھا
تو اسے دست مبارک سے سیا کرتے تھے
اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ خود بکریوں کا
دودھ دوہ کے ہمیں آپ دیا کرتے تھے
مختصر یہ ہے کہ جو کام بشر کرتے ہیں
بے تکلف وہی حضرت بھی کیا کرتے تھے(ﷺ)

[محمود اسرائیلی]

اے رب کریم ہمارے گناہ معاف فرما۔ ہمارے دلوں کی کجیوں کو دُور کردے اور ہمیں پیارے رسول ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

دعا و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ الۡھُدٰی وَالتُّقٰی وَالۡعَفَافَ وَالۡغِنٰی »

”اے اللہ! میں آپ سے ہدایت اور پرہیز گاری، عفت اور تونگری کی بھیک مانگتا ہوں۔“

اتحاد...... اللہ کی نعمت ہے

وَ عَنِ النُّعۡمَانِ بۡنِ بَشِیۡرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ : « مَثَلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی تَوَادِّھِمۡ وَتَرَاحُمِھِمۡ وَتَعَاطُفِھِمۡ مَثَلُ الۡجَسَدِ اِذَا اشۡتَکٰی مِنۡہُ عُضۡوٌ تَدَاعٰی لَہٗ سَائِرُ الۡجَسَدِ بِالسَّھَرِ وَالۡحُمّٰی »

[متفق علیہ ، ریاض الصالحین باب تعظیم حرمات المسلمین]

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ مومن آپس کے لطف و محبت میں ، رحمت و شفقت میں ، احسان و مروّت میں ۔ اس جسم کی مانند ہیں کہ اس کے اگر ایک حصے میں تکلیف ہوتو پورا جسم بیداری و بے قراری کے سبب بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“

مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی یہ نہایت عمدہ،خوبصورت اور عام فہم مثال لسانِ نبوت ﷺ سے بیان ہوئی ہے ،غور کیجیے کہ آنکھ میں چھوٹا سا ذرّہ پڑ جائے تو جسم کوکسی کروٹ چین نصیب نہیں ہوتا ۔ ذرّہ نکلتے

ہی سارا جسم سکون و راحت سے آسودہ ہو جاتا ہے، کان میں درد کی شکایت ہو تو کسی پہلو یکسوئی و اطمینان نہیں بلکہ تکلیف کی زیادتی سے بخار بھی آجاتا ہے مگر جونہی تکلیف رفع ہوئی جسم آرام پا گیا، اسلام یہ چاہتا ہے کہ ایسا ہی حال مسلمانوں کا آپس میں ہونا چاہیے۔ ایک مسلمان کو کوئی پریشانی اور تکلیف ہو تو اس بستی اور علاقہ کے تمام مسلمان اس کے دکھ درد کو محسوس کریں اور جب تک ان کا بھائی اس پریشانی اور تکلیف سے چھٹکارا نہ حاصل کرلے۔ انھیں بھی کسی طرح کا سکون اور اطمینان میسر نہ آئے اور وہ اپنے بھائی کو اس پریشانی سے نجات دلانے کے لیے مال و جان کی ہر قوت کو استعمال میں لائیں، ایسے ہی دنیا کے کسی ملک میں بسنے والے مسلمان، ظالموں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہوں تو دنیا میں جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں ان کے سینوں میں بھی ان کے دکھ درد کی ٹیسیں اُٹھیں اور جب تک وہ انھیں ظالموں کے پنجہ استبداد سے نہ چھڑالیں ان کی اپنی زندگی بھی دوبھر ہو جائے، یہی طرزِ عمل تکمیل ایمان کا باعث ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

« لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِهٖ »

[متفق علیه، ریاض الصالحین باب النصیحه]

”تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

ظاہر ہے کہ جب تمہیں کوئی دکھ اور پریشانی لاحق ہو تو تمہاری خواہش اور آرزو ہوتی ہے کہ دوسرے تمہارے دکھ اور پریشانی میں شریک ہو کر تمہارے ہمدرد اور خیر خواہ بنیں تو لازماً تمہیں بھی دوسروں کے بارے میں یہی سوچ اور فکر رکھنی چاہیے۔ ہمارے اسلاف نے اسی اتحاد سے مشرق اور مغرب میں نیکی اور راستی کے جھنڈے گاڑے۔ وہ اپنے دکھیارے اور مظلوم بھائیوں کی مدد کے لیے سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے بھی پہنچتے تھے۔ محمد بن قاسم رحمہ اللہ اور صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے کارنامے ہماری تاریخ کے انمٹ نقوش ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور سید احمد شہید رحمہ اللہ کی بہادری و جوانمردی نے لازوال تاریخ رقم کی ہے۔ وہ ایک زبردست قوت تھے۔ وہ سیلِ رواں تھے جن کے آگے کوئی چیز نہ ٹھہرتی تھی۔

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی

حسد و بغض، دشمنیاں اور نا اتفاقیاں تو جہالت اور کفر کی باتیں تھیں، اسلام آیا تو اپنے ساتھ رحمت و برکت کا پیغام لایا اور اخوت و مساوات کی فضا قائم ہوگئی اور رب کریم کا اپنے بندوں پر کتنا بڑا

انعام ہے۔

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ﴾ [آل عمران:۱۰۳]

”(اے مسلمانو!) تم اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے، تو اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، پھر تم اس کی رحمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔“

اور حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرہ میں الفت و محبت کی فضا کا قائم ہونا، اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے جو سیم و زر کے ڈھیر لٹانے سے بھی نہیں مل سکتا ہے۔

﴿ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ [انفال:٦٣]

”اور اللہ نے مسلمانوں کے دل ملا دیے اگر آپ زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتے، تب بھی آپ ان کے دلوں کو ملا نہ سکتے، لیکن اللہ نے انھیں آپس میں ملا دیا۔ بے شک وہ (ہر مشکل پر) غالب آنے والا اور مصلحت جاننے والا ہے۔“

جو رشتہ دینی اور جذبہ اخوت اسلام نے مسلمانوں کے درمیان قائم کیا تھا اور جس کی وجہ سے انھیں کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں۔ افسوس کہ دورِ حاضر کے مسلمانوں نے محض ضدّ اور ہٹ دھرمی نیز مال و دولت کے غرور کی وجہ سے، اسے یکسر فراموش کر دیا ہے جس سے نہ صرف ان کی عزت و شوکت کو دھچکا لگا ہے بلکہ ان کی قوت و طاقت بھی کمزور پڑ چکی ہے۔ آج انتہائی ذلت و خواری سے وہ دنیا کی قوموں میں، زندگی گزار رہے ہیں۔ اس بات کی نشاندہی قرآن حکیم نے صدیوں پہلے کر دی تھی۔

﴿ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ﴾ [الانفال: ٤٦]

”اور (دیکھو) آپس میں جھگڑا نہ کرنا (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔“

آج نہ صرف مسلمان ریاستوں بلکہ اطرافِ عالم میں ظلم و فساد کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں اور ہر طرف سرکش ظالموں کی حکمرانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو نیک لوگوں سے یہ ہے کہ:

﴿ أَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ [الانبیاء:۱۰۵]

”بے شک میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔“

مگر افسوس کہ نیکی کے دعویدار آپس میں ناراض اور بکھرے ہوئے ہیں۔ اسی لیے ان میں نظامِ

حق کو برپا کرنے کی قوت پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ یہ اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے۔ ان کی اپنی زندگیاں بھی سکون واطمینان سے خالی ہیں اور اللہ کی بے شمار مخلوق بھی پریشان حال ہے۔کیا ہم ذاتی خواہشات کو قربان کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے اکٹھے نہیں ہو سکتے کاش کہ دین کے علمبردار اس حقیقت کو پالیں۔

دعا والتجاء:

« اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا »

" اے اللہ! ہمارے دلوں میں الفت ومحبت اور ہمارے درمیان اصلاح اور بہتری پیدا فرمادیجیے۔"

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ

« عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَۃَ :مَا کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصْنَعُ فِی بَیْتِہٖ؟ قَالَتْ : کَانَ یَکُوْنُ فِیْ مِھْنَۃِ اَھْلِہٖ تَعْنِیْ خِدْمَۃَ اَھْلِہٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ »

[بخاری، بحوالہ زادِ راہ:مولانا جلیل احسن ندوی]

" سیدنا اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جب نبی ﷺ گھر میں ہوتے تو کیا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا:" آپ اپنے اہل خانہ کے کام میں ہاتھ بٹاتے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو مسجد چلے جاتے۔"

حسن سلوک اور حسن مروت سے معاشرتی زندگی کی بنیاد پڑتی ہے۔لفظ معاشرہ کا مفہوم ہی ظاہر کرتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہوسہو، ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آؤ۔ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاؤ۔ اس لیے کہ دستِ تعاون سے ہی وہ پھلتا پھولتا ہے۔ اسلام کی پاکیزہ اور صاف ستھری تعلیمات میں اس بات کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ﴾ [المائدہ: ۲]

" نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں باہم مددگار بنو۔"

گھر معاشرتی زندگی کا وہ پہلا ادارہ جس کی اصلاح اور بہتری سے ایک فلاحی ریاست کی امید رکھی جا سکتی ہے، اس لیے قرآن وسنت میں اس کی تعمیر پر خصوصی توجہ دی گئی ہے میاں بیوی کی صلح و صفائی، اچھی رفاقت و مروّت سے گھر کے اندر بچوں پر مثبت اثرات پڑتے ہیں۔ اوران کے اخلاق و کردار بھی

سنورتے اور نکھرتے ہیں اور جب میاں بیوی میں لڑائی جھگڑا، نا اتفاقی اور نا چاقی رہے تو بچوں پر اس کے منفی اثرات پڑتے ہیں اور ان کی عادات و خصائل بگڑتے اور خراب ہوتے ہیں۔اس لیے قرآن حکیم نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت، حسنِ معاملہ اور تحمل و برداشت کا حکم دیا ہے:

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ ﴾ [النساء : ۱۹]

”اور بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے گزران کرو۔ اگر وہ تم کو نا پسند ہوں، تو کیا عجب ہے کہ تم کو ایک چیز نا پسند ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت دے۔“

عموماً گھریلو معاملات میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے میاں بیوی کے تعلقات میں خرابی کی بنیاد پڑ جاتی ہے جو اکثر و بیشتر خواتین کی تیز طبیعت اور نازک مزاجی کا نتیجہ ہوتی ہے ۔ حدیث مبارک میں عورتوں کی اس طبعی کمزوری کو ایک بڑی اچھی مثال سے واضح کیا گیا ہے اور اسے نظر انداز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادگرامی ہے کہ:” عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آ ؤ، وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے (اور اس کا توڑنا طلاق ہے)، اس کجی کے ساتھ ہی ان سے نباہ کرو۔“ [بخاری ، باب المداراة مع النساء]

اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ سلوک اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہترین تھا۔ ایک حدیث میں ہے:

« خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِىْ » [ابن ماجه ، زادِ سفر، جلیل احسن ندوی]

”تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہتر ہو اور میں تم میں سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہترین ہوں۔“

آپ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے حسن ترتیب پر غور کیجیے۔ اچھے اخلاق اور اچھے معاملات کا مظاہرہ گھر سے ہوتا ہے۔ پھولوں کی جو خوشبو گھر سے اٹھتی ہے، وہی اردگرد پھیل کر ماحول کو معطر کرتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ اسلام کا آغاز بھی کاشانۂ نبوت سے کیا تھا، آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں سب سے پہلی خاتون آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ بی بی صاحبہ نے نہ صرف اسلام قبول کرنے میں سبقت فرمائی بلکہ ہر طرح سے آپ ﷺ کو تسلی و تشفی دینے میں بھی پیش پیش تھی۔ آپ ﷺ نے بھی اس احسان و مروّت کو ہمیشہ یاد رکھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ، نبی ﷺ کی ازواج میں سے کسی پر اتنا رشک مجھ کو نہیں آتا تھا جتنا

خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا۔ میں نے انھیں دیکھا نہیں تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر بہت زیادہ کرتے تھے اور ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری ذبح فرماتے اور پھر اس کا گوشت بناتے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ہاں بھیجتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے: ''بلا شبہ وہ بہت اچھی خاتون تھیں...... وہ ایسی اور ایسی تھیں۔ ان کے یہ اور یہ کارنامے ہیں اور ان سے مجھے اولاد ہوئی۔''

[متفق علیہ ،بحوالہ زاد سفر۔جلیل احسن ندوی]

مجموعی طور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سلوک تمام ازواجِ مطہرات کے ساتھ نہایت ہی عمدہ تھا۔آپ گھر تشریف لاتے تو اہل خانہ کے ساتھ گھر کے کام کاج میں ان کی مدد کرتے ،کبھی آٹا گوندھ دیتے،کبھی جھاڑو دے دیتے ،کبھی چولہا سلگا دیتے ۔ ازواجِ مطہرات اگر کچھ ادھر ادھر کے قصے یا گزرے ہوئے واقعات بیان کرتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر سنتے رہتے اورخود بھی کچھ اپنے گزشتہ واقعات بیان فرماتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں اسی طرح ہنستے بولتے بیٹھتے رہتے کہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ کوئی اولوالعزم نبی ہیں۔لیکن جب کوئی دینی بات ہوتی یا نماز کا وقت آجاتا تو رخِ انور فوراً ادھر متوجہ ہو جاتا ۔[اسوہ حسنہ۔ صفوۃ الرحمان صابر]

یہ ٹھیک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے بادشاہوں کی طرح شان و شکوہ اور کرّوفرّ سے زندگی نہیں گزاری بلکہ سادگی اور قناعت پسندی کو ترجیح دی اور اہل خانہ کو بھی یہی نصیحت فرمائی۔اس کے باوجود خندہ پیشانی خوش خلقی،خدمت ،تعاون اور احسان و مروت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور یہ وہ سدا بہار پھول ہیں جن سے گھروں میں الفت و محبت کی مہک قائم و دائم رہتی ہے۔اگر عالی شان محلات سے یہ چیز غائب ہو جائے تو مال و دولت کے انبار ہونے کے باوجود زندگی اجیرن اور دکھی بن کر رہ جاتی ہے۔ اور اگر ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں اخلاق و مروت کے پھول کھلیں تو روکھی سوکھی کھا کر بھی اطمینان و مسرت کی فضا برقرار رہتی ہے۔ یاد رکھیے طمانیت قلب مال سے نہیں بلکہ اللہ کی یاد سے پیدا ہوتی ہے۔

حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد وقناعت کے بارے میں آتا ہے:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً))

[جامع الترمذی= کتاب الزھد، باب: ما جاء فی معیشۃ النبی و أھلہ، رقم الحدیث: ۲۲۸۳]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل وعیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے۔کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔''

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آخر گزارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور، البتہ ہمسائے کبھی کبھی

بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے۔ [صحیح بخاری ، کتاب الرقاق ، بحوالہ سیرت النبی ، ج:۲]

کاشانۂ نبوت میں اس تنگی و ترشی کے باوجود سکون و سرور اور مہر و محبت کی جو فضا تھی وہ بے مثال تھی اور رہتی دنیا کے لیے بہترین نمونہ:

آج ہم نے تعلیماتِ قرآنی اور اسوہ رسول کو فراموش کر دیا ہے:

جذبہ احسان و مروّت رخصت ہوا تو ایثار وقناعت کی خصلت نے بھی بوریا بستر لپیٹا۔ ہمارے اکثر و بیشتر گھرانے فساد اور جھگڑوں کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔......ساس اور بہو کے جھگڑے......نندوں میں باہم فساد، بھائی ، بھائی سے الجھ رہا ہے۔ بیٹے اور بیٹیاں والدین سے نالاں ہیں، والدین ان سے ناراض ہیں۔ ایک ہی خاندان کے افراد ایک دوسرے کے خلاف زہر اگل رہے ہیں، اس میں کوئی ایک قصور وار نہیں بلکہ ہم سب ہی قصور وار ہیں ۔ ہم ایک دوسرے کو معاف نہیں کرتے ہیں ، حالانکہ رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

[آل عمران:۱۳۴]

”اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے، تو اللہ تعالیٰ ایسے ہی محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔“

خطاؤں کا پتلا کون انسان نہیں ہے؟ غلطیاں کس سے سرزد نہیں ہوتی ہیں؟ کیا ہم پسند نہیں کرتے کہ اللہ ہماری خطائیں معاف فرمائے۔ اس لیے ہم بھی دوسروں کو معاف کر دیا کریں۔ اور اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ [النور:۲۲]

”انھیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں (آپس میں عفو و درگزر سے کام لیں) کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کر دے۔“

غور کیجیے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے فتح مکہ پر کیسے کیسے دشمنوں کو معاف فرما دیا تھا۔ اگر ہم بھی ایک دوسرے کو معاف کرتے جائیں اور پھر الفت و محبت کا سلوک روا رکھیں تو ہمارے گھرانے بھی خوشیوں سے معمور ہو جائیں گے اور ہم امن وسلامتی اور عافیت پائیں گے۔ ان شاء اللہ

دعا و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتَ

اَلْمُسْتَعَانُ وَاِلَیْكَ الْبَلَاغُ وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)

''اے اللہ ! ہم ہر وہ خیر آپ سے طلب کرتے ہیں جو نبی ﷺ نے آپ سے طلب کی اور ہر اس برائی سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں جس سے نبی ﷺ نے آپ کی پناہ مانگی، صرف آپ ہی مدد مانگنے کے لائق ہیں، اور آپ ہی تک پہنچنے والے ہیں (اور سچ تو یہ ہے) کہ اللہ کی مدد کے بغیر ہم میں کسی نیک کام کی طاقت اور برے کام سے اجتناب کی قوت نہیں ہے۔''

جمالِ زندگی

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ ،قَالَ: ((اُوْصِیْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ فَاِنَّهَا زَیْنٌ لِّاَمْرِكَ كُلِّهٖ "فَقُلْتُ :یَارَسُوْلَ اللّٰهِ زِدْنِیْ قَالَ: عَلَیْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّهٗ ذِكْرٌ لَّكَ فِی السَّمَآءِ وَنُوْرٌ لَّكَ فِی الْاَرْضِ" قُلْتُ زِدْنِیْ ،قَالَ :عَلَیْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهٗ مَطْرَدَةٌ لِّلشَّیْطَانِ وَعَوْنٌ لَّكَ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِكَ "قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ:اِیَّاكَ وَكَثْرَةَ الضِّحْكِ فَاِنَّهٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیَذْهَبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ" قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ :قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا، قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ، لِیَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَّفْسِكَ))

[رواہ احمد،والطبرانی وابن حبان والحاکم فی حدیث وقال الحاکم :صحیح الاسناد۔المتجر الرابع فی ثواب العمل الصالح۔طبع السعودیہ]

''سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے،ارشاد ہوا'' ❶ میں تمہیں تقوی (پرہیز گاری)اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں کہ یہ تمہارے معاملات زندگی میں ہمیشہ زینت ہے۔میں نے عرض کیا،اے اللہ کے رسول کچھ اور فرمائیے تو ارشاد ہوا' ❷ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کو اپنے لیے لازم پکڑو کہ بے شک اس سے آسمان پر تمہارا ذکر ہوگا اور زمین پر تمہارے لیے روشنی کا سامان بنے گا،میں نے عرض کیا کچھ اضافہ کیجئے،ارشاد ہوا، ❸ تمہیں چاہیے کہ دیر تک خاموشی اختیار کیے رکھو بے شک تمہارا یہ عمل شیطان کو دور رکھنے کا سامان ہوگا۔اور اس سے تمہیں اپنے دینی امور سرانجام دینے میں مدد ملے گی'عرض کیا کچھ اور فرمائیے،ارشاد ہوا، ❹ زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کہ یہ دل کو مردہ کرتا ہے اور اس سے چہرے کی روشنی زائل ہو جاتی ہے۔میں نے مزید تمنا کی تو ارشاد ہوا، ❺ حق اور سچ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہو خواہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو،

میرا شوقِ طلب اور بڑھا تو ارشاد ہوا ، 6 تیرے اپنے عیب اور غلطیاں تجھے دوسروں کے عیب اور غلطیاں ظاہر کرنے سے روک دیں۔''

زندگی کا حسن اعمالِ حسنہ سے ہی سنورتا اور نکھرتا ہے اور اسلام کی زریں وابدی تعلیمات نے اسے نکھارنے اور سنوارنے کا سروسامان مہیا کیا ہے کہ غریب سے غریب انسان بھی غور وفکر، طلب وجستجو اور محنت و ریاضت سے اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔مندرجہ بالا حدیث مبارک میں صحابیِ رسول سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کے ذوقِ جستجو کا اندازہ لگایئے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع ولازوال نصائح پر بھی غور کیجئے کہ ان میں ہر نصیحت آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل اور زندگی کو تابندگی عطا کرنے والی ہے۔

اس میں سرفہرست نصیحت تقویٰ اختیار کرنے کی ہے کہ تمام عبادات کا مقصد ہی اس کا حصول ہے۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی ادائیگی سے انسان دولت تقویٰ سے ہمکنار ہوتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں اسی تقویٰ کی روح کو پیدا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس تمام اجر وثواب بھی اسی صفت کے ساتھ مرتب ہوتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾ [البقرۃ۔۲۱]

''لوگو عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان سب کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔''

ایک جگہ یوں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝﴾ [طور:۱۷]

''بے شک اہل تقویٰ ہی باغوں اور نعمت میں ہوں گے۔''

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری نصیحت تلاوتِ قرآن کی تھی کہ اس کو پڑھ کر اور اس میں تدبر وتفکر کر کے بندہ اپنے رب کے احکام معلوم کر لیتا ہے کہ جس سے زندگی کی سیدھی راہ پر چلنا آسان ہوجاتا ہے اور پھر چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اپنے رب کی یاد سے وہ ٹھوکروں اور لغزشوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ [البقرۃ: ۱۵۲]

''میرے بندو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔یعنی تمہاری حفاظت کروں گا۔''

جناب رسول اللہ ﷺ کی تیسری نصیحت طویل خاموشی اختیار کرنے کی ہے کہ نہ جانے اولادِ آدم سے اس زبان کے ساتھ بدکلامی، جھوٹ، لگائی بجھائی اور غیبت اور ایسی کتنی ہی لغزشیں سرزد ہوتی رہتی ہیں جو اس کے لیے تباہی کا باعث بنتی ہیں اور شیطان انہیں بدکلامی اور فحش گوئی سے آگے بڑھا کر دنگہ فساد اور قتل وغارت کی طرف دھکیل دیتا ہے اور انسان زندگی کے اصل مشن سے غافل ہوجاتا ہے۔اسی لیے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

《مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ 》[باب تحريم الغيبة والامر بحفظ اللسان۔رياض الصالحين]

''کہ جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ بات کہے تو بہتر کہے ورنہ خاموش رہے۔''

اور پھر کتنی زریں ہدایت اس طرح بھی فرمائی ہے کہ

《مَنْ صَمَتَ نَجَا 》

''یعنی' جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔''

جناب رسول اللہ ﷺ کی چوتھی نصیحت یہ تھی کہ زیادہ ہنسی مذاق اور لہو ولعب سے بچو کہ اس سے دل مردہ ہوجاتا ہے اور اس سے فہم وشعور کی کیفیت رخصت ہو جاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ایسا خشک دین بھی نہیں ہے کہ جس میں مزاح اور خوش طبعی کی اجازت ہی نہ ہو۔وہ مہذب اور سنجیدہ خوش طبعی اور مزاح سے نہیں روکتا جس میں مسکرانا اور کبھی کبھار کھل کھلا کر ہنسنا بھی شامل ہوتا ہے۔اور اس میں کسی کی دلآزاری نہیں ہوتی، ہاں اس کے نزدیک غیر مہذب اور بیہودہ مذاق اور ٹھٹھا منع ہے کہ جس سے کسی بھائی کی رسوائی اور دل آزاری ہو۔ایسی ناشائستہ حرکات سے انسان کا اپنا ضمیر ہی مردہ ہوجاتا ہے اور اس کے ثمرات چہرے سے نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

پانچویں نصیحت سچائی اور سچی بات کو ڈنکے کی چوٹ پھیلانا ہے۔خواہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔دعوتِ حق کی نشرو اشاعت ہر مصلحت وخوف سے بالا تر رہ کر ہی ہوسکتی ہے اور یہ اخلاقی وصف بھی درحقیقت شجاعت ہی سے تعلق رکھتا ہے، اسلام نے اپنے متبعین کو یہ تاکید اس لیے کی ہے کہ راستی اور سچائی کا پرچم ہمیشہ بلند رہے۔

رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے:

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [الحجر:٩٤]

''پس آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف سنا دو اور مشرکین کی مطلق پروانہ کرو۔''
چھٹی نصیحت دعوتِ حق کے قبول اور اختیار کرنے والوں کے لیے روشنی کا سامان مہیا کرتی ہے کہ وہ اس راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی طعنہ زنی اور بدگوئی کو مطلق خاطر میں نہ لائیں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے دین کی اطاعت اور اس کی نشر واشاعت میں لگے رہیں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ [المائدہ:٥٤]

''اور (اہل حق) کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔''
ساتویں اور آخری نصیحت میں ارشاد ہوا کہ لوگوں کے عیوب اور غلطیاں اچھالنے سے قبل اپنی خطاؤں اور عیوب پر نگاہ ڈالو، کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

تجھے دشمن ہزاروں اپنے اندر ہی سے مل جائیں
جو تو خلوت میں اپنا ہی کبھی جاسوس ہو جائے

آیئے: اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں اعمالِ حسنہ سے آراستہ فرمائے۔

دعا و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَغْنِنَا بِالْعِلْمِ وَزَيِّنَّا بِالْحِلْمِ وَاَكْرِمْنَا بِالتَّقْوٰى وَجَمِّلْنَا بِالْعَافِيَةِ »

''اے اللہ ہمیں علم سے مالا مال کیجئے، علم اور بردباری میں زینت دیجئے، تقویٰ اور پرہیز گاری سے آراستہ کیجئے اور صحت و عافیت سے نوازیئے۔''

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ :
《 مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ 》

آداب و اخلاق

اسلام میں اخلاق کی قدر و قیمت

وَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: « لَمْ یَکُنْ رَّسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا: وَکَانَ یَقُوْلُ :« إِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا » [متفق علیه۔ریاض الصالحین۔ باب حسن الخلق]

''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہواً یا ارادةً بھی فحش بات منہ سے نہ نکالتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔''

خلق کا لفظ ان قویٰ باطنہ اور عادات وخصائل کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے جن کا تعلق بصیرت سے ہے۔(مفردات القرآن۔امام راغب رحمہ اللہ)

جب انسان کی عادات وخصائل ایک خاص سانچے میں ڈھل جائیں، ان میں پاکیزگی اور شائستگی پیدا ہوجائے تو وہ اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہوجاتا ہے۔ عقیدہ اور فکر کی طہارت، خیالات اور افکار کی صحت، رہنے سہنے میں سلیقہ کھانے پینے میں ادب اور قرینہ، معاملات اور لین دین میں دیانت اور امانت داری، میل ملاقات میں خندہ پیشانی اور نرم روی، کلام اور گفتگو میں لطافت اور مٹھاس، اچھے اخلاق کی چند بنیادی باتیں ہیں۔ اوران صفات سے آراستہ ہوکر ہی کوئی انسان اشرف المخلوقات کے زمرہ میں آتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کا شرف وکمال دیگر تمام مخلوقات پر ایمان اور اخلاق کی وجہ سے ہے، اس لیے قبولِ ایمان کے بعد اخلاق کی بڑی فضیلت ہے اور روزِ جزا میزانِ عمل میں سب سے وزنی چیز اچھے اخلاق ہوں گے۔

« مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ »

[رواہ الترمذی، ریاض الصالحین]

غور کیجیے کہ حسن خلق کا رتبہ تمام نیکیوں سے وزنی بتایا گیا ہے اور ایک حدیث میں کامل ایمان اس شخص کا بتایا گیا ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

« اَکۡمَلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِیۡمَانًا اَحۡسَنُھُمۡ خُلُقًا وَخِیَارُکُمۡ خِیَارُکُمۡ لِنِسَاءِ ھِمۡ »

[رواہ الترمذی،ریاض الصالحین]

”کامل ترین ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں اچھے وہ ہیں جو اپنی بیویوں سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے ہیں۔“

جس طرح سونا سہاگہ سے جلا پاتا ہے اسی طرح ایمان کی روشنی اچھے اخلاق سے بڑھتی ہے اور اس کا اظہار لوگوں کے ساتھ اچھے برتاؤ سے ہوتا ہے۔مندرجہ بالا حدیث مبارک میں اپنی بیویوں کے ساتھ حسن مروت کا ذکر ہے۔بعض جگہ عام انسانوں کے ساتھ خیر و بھلائی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

« خَیۡرُ النَّاسِ مَنۡ یَّنۡفَعُ النَّاسَ »

”لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو دوسروں کی بھلائی کے لیے کام کرتا رہتا ہے۔“

اور پھر حسن اخلاق کی وجہ سے ایک شخص صائم الدہر اور قائم اللیل کا رتبہ پالیتا ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مومن اچھے اخلاق کے ذریعے پے در پے روزے رکھنے والے اور ہمیشہ عبادت گزار کا درجہ پالیتا ہے۔[ریاض الصالحین۔باب حسن الخلق]

اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حسن اخلاق سے نماز،روزہ کی چھوٹ ہو جاتی ہے۔بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کا اعمال نامہ نیکیوں سے بھرپور ہو جاتا ہے اور وہ اپنے نماز،روزے کے اجر و ثواب کے علاوہ ایسے شخص کے رتبے تک پہنچ جاتا ہے جو صائم الدھر اور قائم اللیل ہے۔

اور پھر ایسے شخص کو جنت میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت کی نوید سنائی گئی ہے۔آیئے اسے پیارے نبی کی لسان صدق سے سنیئے۔

« اِنَّ اَحَبَّکُمۡ اِلَیَّ وَاَقۡرَبَکُمۡ مِنِّیۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ ، أَحَاسِنُکُمۡ اَخۡلَاقًا وَاِنَّ اَبۡغَضَکُمۡ اِلَیَّ وَ اَبۡعَدَکُمۡ مِنِّیۡ مَسَاوِیۡکُمۡ »[کتاب الآداب ،مشکوۃ رواہ البیھقی فی شعب الایمان]

”تم میں میرا سب سے زیادہ محبوب اور آخرت کی رفاقت میں مجھ سے زیادہ قریب ترین وہ شخص ہوگا جو خوش خلق ہے اور میرے لیے سب سے ناپسندیدہ اور قیامت میں بعید ترین وہ شخص وہ ہوگا جس کے اخلاق برے ہیں۔“

اور غور کیجیے کہ رب العالمین کو اچھے اخلاق اتنے پسند ہیں کہ اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور اس دھرتی کے اوپر اپنے مقرب ترین بندے کی خود تعریف فرمائی ہے۔

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ [القلم:٤]

''اور لاریب آپ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔''

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ اس آیہ مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''یہاں خلق سے مراد وہ عادات واطوارِ حسنہ ہیں جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کردار وسیرت میں سمو کر دکھایا۔عظیم سے یہ مقصود ہے کہ خرد وخیر کی تکمیل وجامعیت کا کوئی بھی نقشہ ترتیب دیجیے۔ایک ایک نیکی اور خوبی کا تصور کیجیے اور پھر دیکھیے کہ جامعیت اور توازن کے ساتھ بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے تاریخ میں کوئی اور شخص ان کا حامل نظر آتا ہے؟ مزید برآں یہ خلق عظیم جو آپ کا خاصہ ہے صرف آپ کی ذات ہی کی حد تک سمٹا ہوا نہیں بلکہ اس کی تاثیر نفوذ کا یہ کرشمہ ہے کہ آپ نے ایسے مثالی معاشرے کی تشکیل کی جس کا ایک ایک فرد آفتاب وماہتاب کی طرح تاریخ کے اوراق میں دمک رہا ہے اور رضائے الٰہی کی شہادت وسند کا سزاوار ہے۔'' [لسان القرآن-ج:٢]

اور صاحب خلق عظیم رب کریم کے حضور اپنی دعاؤں میں یہ دعاء بھی فرمایا کرتے تھے:

« اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّاٰتِهَا لَا يَصْرِفُ سَيِّاٰتِهَا اِلَّا اَنْتَ » [مسلم]

''اے اللہ! مجھے بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی فرما، تیرے سوا بہترین اخلاق کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں اور برے اخلاق کو مجھ سے دور رکھ۔ برے اخلاق کو مجھ سے ہٹانے والا بھی تیرے سوا کوئی نہیں''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کی اس سے بڑھ کر بلندی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلا رہے ہیں ادھر آپ پر پتھر برسائے جا رہے ہیں۔جسم مبارک زخموں سے نڈھال ہے مگر لبوں پر ان کے لیے ہدایت اور رحم کی دعا جاری وساری ہے۔

پھر وہ لوگ جنہوں نے مسلسل تیرہ برس آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر ہر طرح کے ظلم ڈھائے فتح مکہ کے موقع پر قدرت اور طاقت رکھنے کے باوجود آپ نے جس فراخدلی سے انہیں نہ صرف معاف کر دیا

بلکہ ان کے حفظ جان ومال کی ضمانت بھی دی۔تاریخ انسانیت ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔اس صاحب خلق عظیم کے حالات سیرت کی کتابوں میں پڑھ لیجیے۔ سیرت النبی ﷺ جلد دوم میں اخلاق نبوی ﷺ پر بڑا طویل باب ہے جس کا بار بار مطالعہ کرنا چاہیے۔

''وہ قوم جو کبھی اپنے رب کے احکام کی پیروی میں اور پیارے نبی ﷺ کی اطاعت میں دین ودنیا میں سرخرو اور سر بلند ہوئی تھی اور جو کبھی نسل انسانیت کے لیے روشنی اور ہدایت کا سامان تھی۔آج اس نور سے انحراف کے سبب دنیا میں ذلیل وخوار ہورہی ہے۔آج مسلمان بالعموم اور پاکستانی قوم بالخصوص اخلاق سے تہی دامن ہوچکی ہے۔یہاں دن کی چکا چوند روشنی میں عورتوں کی عصمتیں لٹتی ہیں۔بچے اغوا ہوتے ہیں۔ہسپتالوں اور مساجد میں بموں کے دھماکے ہوتے ہیں جس سے بے شمار بے گناہ قیمتی جانیں ضائع ہوجاتی ہیں۔ابھی پرسوں ترسوں کی بات ہے کہ عمران کینسر ہسپتال میں دلدوز دھماکے سے کتنا جانی ومالی نقصان ہوا ہے جسے سن پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی قدریں گم ہوچکی ہیں۔اور یہ قوم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔یہاں حکمرانوں کی زندگیاں نہ خود اسلامی احکام کی پابند ہیں اور نہ ہی وہ قوم کو اخلاقی اور قانونی حدود کا پابند کرنا چاہتے ہیں۔وہ ملک جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا آج تک اسلامی قانون سے محروم ہے۔اور یہاں کے حکمران یورپ کے اشاروں پر چلتے ہیں۔اے رب کریم ہمارے حال پر رحم فرما۔'' آمین۔ [الاعتصام: ۱۷ مئی ۱۹۹۶]

ایمان اور اخلاق

وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ :قُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ !قُلْ لِّي فِي الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَّا اَسْاَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ ۔۔وَفِي رِوَايَةٍ :غَيْرَكَ ۔قَالَ :((قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ ۔))[رواہ مسلم ۔مشکوٰۃ ۔کتاب الایمان]

''سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اسلام کی کوئی ایسی (جامع)بات فرمادیجئے کہ آپ کے بعد یا بعض روایات میں ،آپ کے علاوہ کسی اور سے نہ پوچھوں ۔آپ ﷺ نے فرمایا :یوں کہو کہ میں

اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ثابت قدم رہو۔‘‘

ایمان باللہ زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ، سب سے بڑی دانائی، سب سے بڑی حقیقت، اخلاقی نظام کی بنیاد، اور نیک اعمال کی اساس ہے۔

ایمان باللہ کے بغیر نہ کوئی ریاضت وعبادت قبول ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی صدقہ وخیرات اپنے ثواب کو پہنچتا ہے۔

ایمان بے جان تصدیق اور جامد عقیدہ کا نام نہیں ہے بلکہ علم وعقیدہ اور معرفت ومحبت کے حسین امتزاج اور قلب وذہن میں اس قوت سے پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان اپنی تمام تمناؤں اور آرزوؤں کو یہاں تک کہ اپنے جسم وجان کو اپنے مولا ومالک کی مرضی اور ارادہ پر چھوڑ دیتا ہے اور اس کا شیشۂ دل دوسرے تمام خیالات کے گرد وغبار سے پاک وصاف ہوکر واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کرتا ہے۔

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ [الانعام:۱۶۲]

’’بے شک میری نماز میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔‘‘

ایمان کے بعد بندۂ مومن کے دل میں شک وشبہ کا ادنیٰ سا کانٹا بھی نہیں چبھ سکتا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا﴾ [الحجرات:۱۵]

’’درحقیقت مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور کسی بھی شک وشبہ میں نہ پڑیں۔‘‘

ایمان یہ ہے کہ دل کی گہرائیوں سے یہ آواز بلند ہو کہ تنہا اللہ ہی اس کائنات کا خالق ومالک ہے۔ اس بات کی شہادت پھول کی ہر پنکھڑی۔ ہوا کا ہر جھونکا، سمندر کی لہر، سورج کی ہر کرن، زمین کا ہر ذرہ اور خود انسان کے جسم وجان کا ہر ہر ریشہ دے رہا ہے۔ کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَّهٗ اٰیَةٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

ایک شاعر نے اس حقیقت کی غمازی یوں کی ہے:

خاکِ تمنا اور تابندہ نجوم
ہیں ایک ہی قانون کے یکسر محکوم
یکسانیٔ قانون کہے دیتی ہے
لاریب کہ ہے ایک ہی ربِ قیوم

قرآنی شہادت ہے کہ ربّ کائنات کی تعریف میں کائنات کی ہر چیز رطب اللسان ہے۔

﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ﴾ [بنی اسرائیل: ٤٤]

''اور کوئی شے نہیں ہے جو اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو۔لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے ہو۔''

انسان تو اشرف المخلوقات ہے اس پر تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے کہ صرف اسی کی بندگی بجالائے،اسی کے در پر سجدہ ریز ہو،زندگی کی ہر مشکل میں اور مصیبت کی ہر گھڑی میں صرف اور صرف اسی سے مدد کا طلب گار رہے۔اس کے سوا اور کوئی مشکلات دور بھی کون کرسکتا ہے؟

﴿ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ﴾ [الانعام: ١٧]

''اور اگر اللہ تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں اور جو وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر شے پر قادر ہے۔''

جب یہ جسم وجان اور تمام نعمتیں صرف اسی کی عنایت ورحمت کا کرشمہ ہیں تو پھر اہل ایمان کی محبت اس کے ساتھ سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ [البقرة: آیت ١٦٥]

''اور اہل ایمان محبت الٰہی میں سب سے بڑھ کر سرشار رہتے ہیں۔''

ایمان اور عمل صالح میں گہرا ربط ہے اور قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ان کا ساتھ ساتھ ذکر آیا ہے۔ایمان کی مثال بیج کی ہے اور عمل صالح اس بیج سے پھوٹنے والا درخت ہے جو برگ وبار لاتا ہے تو ایک ایسا تناور پیڑ بن جاتا ہے کہ اس کی شاخیں آسمان کی بلندی کو چھونے لگتی ہیں۔اور اس کے سدا بہار پھل، پھول اور سایہ سے لوگ ہر وقت فیضیاب ہوتے ہیں۔قرآن حکیم نے اس خوبصورت تمثیل کو اس طرح بیان کیا ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ [ابراھیم: ٢٤-٢٥]

''کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کیسی اچھی مثال بیان فرمائی ہے (اس کی مثال) یوں ہے کہ جیسے ایک پاکیزہ درخت کہ اس کی جڑیں مضبوطی سے قائم ہیں اور اس کی

شاخیں آسمان میں (پھیلی ہوئی) ہیں اور وہ ہر لمحہ اپنے رب کے حکم سے پھل لاتا ہے۔"

ایمان اور عمل کی مثال ایک بنیاد کی سی اور اس پر کھڑی ہونے والی عمارت سے بھی دی جاسکتی ہے۔جس طرح کوئی عمارت بغیر بنیاد کے کھڑی نہیں کی جاسکتی اسی طرح کوئی عمل بغیر ایمان کے سود مند نہیں ہوسکتا۔اگر کوئی عمارت بغیر بنیاد کے سطح زمین پر کھڑی کر بھی دی جائے تو وہ کسی وقت بھی بادوباراں سے زمین بوس ہوسکتی ہے ایمان سے خالی ہونا یعنی کفر کی راہ اختیار کرنے کی مثال قرآن حکیم نے یوں بیان فرمائی ہے۔

﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ﹰاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝﴾

[ابراھیم: ۲۶]

"اور کلمہ خبیثہ (شرک وکفر) کی مثال ایک شجر ناپاکیزہ کی ہے جسے بالائے زمین سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے اور اسے زمین میں ذرا بھی ثبات وقرار نہیں ہے۔"

دنیا اور آخرت میں ابدی کامیابی اور فوزوفلاح کا مژدۂ جانفزا صرف اہل ایمان کو سنایا گیا ہے اور انہی کے لیے استقامت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾

[ابراھیم:۲۷]

"اللہ تعالیٰ اس کلمہ طیبہ کے ذریعے (توحید کی برکت سے) اہل ایمان کو دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔(کامیابی انہی کا مقدر ٹھہرتی ہے۔)"

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝﴾

[الانعام:۸۳]

"(اور یاد رکھو) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی۔دلجمعی اور مکمل امن انہیں ہی حاصل ہے اور وہی سیدھی راہ پر ہیں۔"

اور چونکہ اعمال کی بنیاد ایمان ویقین پر ہے۔اس لیے یقین نہ ہو تو عمل کے لیے جوش وولولہ پیدا نہیں ہوتا اور نہ مقصدِ حیات ہی متعین ہوتا ہے،افراد ہوں یا اقوام بے یقینی کی دلدل میں پھنس کر حیران وپریشان ہوجاتے ہیں۔غلامی بلاشبہ فرد یا قوم کے لیے ایک عذاب ہے مگر اس سے بدتر عذاب یہ ہے کہ وہ بے یقینی کے گرداب میں پھنس جائیں۔

سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

اس کے برعکس محکوم قوم میں اگر ایمان ویقین کی غیر معمولی قوت پیدا ہو جائے تو وہ کمزوری اور قلت کے باوجود غلامی کی زنجیرون کے ٹکڑے کر سکتی ہے۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہوذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ دولتِ ایمان ہی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔اور نیک اعمال سرانجام دینے میں دل صرف اسی ایمان کی بدولت مسرت وشادمانی کے ساتھ چمکتا رہ سکتا ہے اور بندۂ مومن کی نیکی اور بدی کی پہچان کے لیے یہی معیار ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

« اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ »

[رواہ احمد۔حوالہ معارف الحدیث ج:۱]

"جب تمہیں اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج وقلق ہو تو تم مومن ہو۔"

ایمان کی حلاوت اور لذت کیسے نصیب ہوتی ہے چند ارشادات رسول ﷺ ملاحظہ فرمائیے:

نورِ ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ انسان ہوائے نفس سے چھٹکارا پائے۔

« لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ »[رواہ البغوی فی شرح السنة]

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے"۔

تمہاری اپنے بھائیوں کے ساتھ محبت کا معیار کیا ہو؟

« اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ »

"(مومن وہ ہے جسے)اللہ ہی کے واسطے کسی سے محبت اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض وعداوت ہو۔"

اپنے بھائی کے لیے کیا پسند کرے؟

« لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ »

"تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے

لیے چاہتا ہے۔"

بندۂ مومن کا رویہ اور سلوک عام انسانوں کے ساتھ کیسا ہو؟

« اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ ۔ »

حقیقی مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف وخطرہ نہ ہو۔" [ترمذی ۔نسائی]

پڑوسیوں اور ہمسائیوں کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟

یہ واضح رہے کہ ایک ہی محلے اور گلی کوچے میں بسنے والے پڑوسی نہیں ہوتے بلکہ دفتر اور کارخانے میں باہم کام کرنے والے یہاں تک کہ باہم سفر کرنے والے بھی ایک دوسرے کے پڑوسی ہوتے ہیں۔

« مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ » [متفق علیه]

"جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسے لازم ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو نہ ستائے۔"

« لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِىْ يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ » [رواہ البیھقی ،معارف الحدیث]

"وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر میں رہنے والا فاقہ سے ہو۔"

معلوم ہوا کہ ایمان کا لازمی تقاضا حسنِ اخلاق ہے اور طوالت کے خوف سے یہ چند پھول خیابانِ رسول ﷺ سے پیش کیے گئے ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل پاکیزہ اخلاق سے ہی ہوتی ہے۔ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے:

« اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا » [ابو داؤد ۔دارمی ۔معارف الحدیث]

"کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔"

اور خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی مجسمۂ حسنِ اخلاق تھی۔جس کی شہادت ربِ کریم یوں دیتے ہیں:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

"اور لاریب آپ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔"

خلقِ محمدی کا چمن اتنا سرسبز وشاداب ،سدابہار اور تروتازہ ہے کہ خزاں کا وہاں سے گزر ہو ہی نہیں سکتا۔مگر کیا کیجئے کہ آج کا غافل مسلمان ہوسِ سیم وزر کا شکار ہو کر اس دولتِ گرانمایہ سے تہی دست اور بیگانہ ہو چکا ہے۔نتیجتاً اس کی زندگی ہر طرف سے ذلت ورسوائی ،اضطراب اور پریشانی کی گرفت میں ہے۔

دعاء و التجاء:

«رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۞ »[آل عمران:۸]

''اے ہمارے رب! ہدایت سے بہرہ ور فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت (خاص) عطا فرمائیے۔ بلاشبہ آپ بڑے ہی عطا کرنے والے ہیں۔''

قانون اور اخلاق

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِىْ فَقَالَ: « وَيْحَكَ اِرْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ اِلَيْهِ» قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِىْ! فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ« مِثْلَ ذٰلِكَ » حَتّٰى اِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ « فِيْمَ اُطَهِّرُكَ ؟» قَالَ : مِنَ الزِّنَا، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : « أَبِهٖ جُنُوْنٌ ؟» فَاُخْبِرَ اَنَّهٗ لَيْسَ بِمَجْنُوْنٍ :فَقَالَ:« اَشَرِبَ خَمْرًا؟» فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهٗ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيْحَ خَمْرٍ فَقَالَ: اَزَنَيْتَ ؟ قَالَ: « نَعَمْ » فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ، فَلَبِثُوْا يَوْمَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «اِسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ ، لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَّوْ قُسِّمَتْ بَيْنَ اُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ »[رواه مسلم۔مشکوٰۃ کتاب الحدود]

''سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی، یارسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا (بیڑا ترے) جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار اور توبہ کرو۔ راوی کا کہنا ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے چلا گیا اور پھر حاضر ہوا اور عرض کی، یارسول اللہ مجھے پاک کردیجئے۔ تو سرور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح فرمایا: یہاں تک کہ جب چوتھی مرتبہ آیا تو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا۔ تم کو کس بات سے پاک کروں ؟ عرض کی بدکاری کے جرم سے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا۔ کیا اسے دیوانگی کا مرض تو نہیں ؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ دیوانہ نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کہیں اس نے شراب تو نہیں پی لی۔؟ تو ایک شخص نے

کھڑے ہو کر اس کے منہ کو سونگھا،اسے شراب کی کوئی بو نہ آئی،اب رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا،کیا تجھ سے بے حیائی کا ارتکاب ہوا ہے؟عرض کی،جی ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد جاری کی اور اسے سنگسار کردیا گیا دو یا تین دن کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:ماعز بن مالک کے لیے بخشش کی دعا مانگو،بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک گروہ پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لیے کافی ہو۔"

کوئی قانون اس وقت تک مؤثر اور کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے پیچھے لوگوں کی اخلاقی تربیت نہ ہو اور نہ کوئی ضابطہ ء اخلاق ہی مضبوط و مستحکم ہو سکتا ہے جب تک اس پر قانون کی نگہبانی نہ ہو۔اس کی مثال روز مرہ زندگی میں کسی چوراہے پر دیکھ لیجئے۔سبز بتی آپ کے لیے شاہراہ عبور کرنے کا اجازت نامہ ہے جب کہ سرخ بتی رک جانے کی علامت ہے۔اگر موقع پر پولیس کا سپاہی موجود نہ ہو تو کتنے لوگ اشارہ کی پابندی کرتے ہیں؟صرف وہی جن کی اخلاقی حس بیدار ہے ورنہ کانسٹیبل کی موجودگی اس پابندی کو گوارا کرنے پر مجبور کردیتی ہے بشرطیکہ اس نے حفاظتِ قانون کا عزم کررکھا ہو۔خلاف ورزی کرنے والوں کو وہ روک لیتا ہے اور اسی وقت سزاوجرمانہ سنادیتا ہے۔جس سے آئندہ کے لیے وہ محتاط ہو جاتے ہیں۔معلوم ہوا کہ قانون اور اخلاق کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اسلام نے بھی زندگی گزارنے کے اصول وضوابط عطا کیے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ان اصولوں اور ضابطوں کی خلاف ورزی پر سزائیں بھی مقرر کردی ہیں۔اگر یہ سزائیں مقرر نہ کی جاتیں تو معاشرتی زندگی تہہ وبالا ہوجاتی اور جنگل کا قانون جاری ہو جاتا۔اس نے یہ بات بھی ذہن نشین کردی کہ تمہاری اصل نگہبانی تمہارا خالق ومالک کر رہا ہے اور تمہاری ہر ظاہر وپوشیدہ بات اس کے علم میں ہے۔تم اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خواہ دنیا کی حکومتوں سے بچ نکلو لیکن آخرت میں بہر حال تمہیں ربِّ کائنات کے حضور جواب دہ ہونا پڑے گا۔زیرِ مطالعہ حدیث میں بھی یہی احساس ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو بے چین کردیتا ہے۔اخلاقی حس بیدار ہے کہ سزا کے لیے خود ہی چلے آتے ہیں یہ اسلامی تعلیم وتربیت کے اثرات وثمرات ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ تعزیراتِ اسلامی عدل وانصاف پر مبنی ہیں اور معاشرتی ماحول کو صاف ستھرا بناتی ہے۔مثال کے طور پر چور کے ہاتھ کاٹنے سے اور زانی کو سنگسار کرنے سے لوگوں کے جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ ہو جاتی ہیں۔سعودی عرب میں آج بھی تعزیراتِ اسلامی کی برکات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔یہ امر مسلمہ ہے کہ دنیا میں سب سے کم جرائم اس خطہ میں ہوتے ہیں۔پھر غور کیجیے کہ اگر

کہیں نہ مضبوط قانون ہو اور نہ لوگوں کی اخلاقی تربیت پر ہی توجہ ہو تو اس معاشرہ کی حالتِ زار آنسو بہانے کے قابل نہ ہو گی ؟ ہمارے معاشرہ کا بھی تو یہی روگ ہے۔ یہاں پر کونسا قانون اور ضابطہء حیات ہے ؟ قوم کی تعلیم وتربیت کی کسے فکر ہے ؟ جو کچھ ہماری تعلیمی درس گاہوں میں ہو رہا ہے اس پر گہری نظر ڈالیے۔ سیاسی میدان جو اکھاڑا بنا ہوا ہے اسے نگاہ میں رکھیے۔ قوم کی معاشی ومعاشرتی زبوں حالی کو دیکھیے۔ اخلاقی احوال کا جائزہ لیجیے۔ ہر طرف زوال وانحطاط نظر آئے گا۔

اس کی اصلاح کے لیے کس سے کہیں ؟

اے ربِّ کریم خیر وخوبی کا سرچشمہ صرف تیری ذات ہے تو جسے چاہتا ہے عزت وتوانائی عطا کرتا ہے۔ تو اپنے کمزور بندوں کو توانائی عطا کر کہ تیرے دیئے ہوئے اس ملک میں تیرے دین کو جاری وساری کر سکیں۔ آمین

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ وَسَدِّدْنِیْ »

''اے اللہ آپ مجھے صحیح رہنمائی عطا کیجئے اور سیدھی راہ پر لگا دیجیے۔''

نیکی اور گناہ کیا ہے؟

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

« اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَاحَاكَ فِیْ نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْهِ النَّاسُ »

[رواہ مسلم ۔ اربعین نووی]

''سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے یہ بات پسند نہ ہو کہ اس کے کرنے کا لوگوں کو کہیں پتہ چل جائے۔''

لُغت :۔ اَلْبِرّ: کا عام طور پر نیکی ترجمہ کیا جاتا ہے مگر دین اسلام نے لفظ ''بِرّ'' کو وسعت دے کر اسے عقیدہ اور عمل پر محیط کیا ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیہء مبارکہ پر غور کیجئے ۔

﴿ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ

الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾

[البقرة :۱۷۷]

’’نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ مشرق کی طرف پھیر لیا یا مغرب کی طرف کرلیا۔درحقیقت نیکی یہ ہے کہ جو اللہ پر ،آخرت کے دن پر، فرشتوں پر ،آسمانی کتابوں پر،اور اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں پر ایمان لایا اور پھر ربِ کائنات کی محبت میں اپنامال،رشتہ داروں ،یتیموں ،مسکینوں ،مسافروں اور سائلوں کو دیتا رہا اور اس نے غلاموں کو بھی آزاد کرایا اور نماز کو قائم کیا ۔(پابندیء وقت ،باقاعدگی اور خشوع وخضوع کے ساتھ)اور زکاۃ دیتا رہا (اور نیکی کرنے والے تو وہ لوگ ہیں)جو اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں اور جب قول وقرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کرکے رہتے ہیں ۔تنگی ومصیبت کی گھڑی ہو یا خوف وہراس کا وقت (یہاں تک کہ)معرکہ کارزار میں بھی صبروثبات کا مظاہرہ کرنے والے تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہوئے اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں ۔‘‘

اس آیت مبارکہ سے نیکی کی جامع ومانع تعریف معلوم ہوجاتی ہے ۔اور زندگی کے ایسے سنہری اصول مل جاتے ہیں کہ یہ فوز وفلاح سے ہمکنار ہوجاتی ہے ۔اس کے ایک ایک حرف پر بار بار غور کیجئے اور دیکھیے ہم نے نیکی کو کس درجہ تک اپنایاہے ؟ہماری زندگیوں میں کیا خلا ہے ۔جسے پُر کیاجانا چاہیے۔کیاہمارے قول وقرار میں کہیں تضاد تو نہیں ہے ؟مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ اَلْبِرّ کی تشریح میں لکھتے ہیں :

برّ (نیکی)زندگی کے کسی ایک ہی دائرہ میں محصور اور سمٹی ہوئی نہیں بلکہ اس کی پنہائیاں ہر اس عمل کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں جو انسان کو اللہ کا قرب بخشے ۔اس سے تعلق و رابطہ پیدا کرنے میں معاون ومدد گار ثابت ہو ۔اور معاشرہ کی بھلائی ،خیرخواہی اور بہبود کے تقاضوں کی تکمیل کا موجب ہو۔اللہ تعالیٰ کو جو بَرّ کہا گیاہے ،اس میں بھی کشادگی اور توسع کے معنی کو ملحوظ رکھا گیاہے۔یعنی ایسی ذات گرامی جس کے احسانات گوناگوں کا دائرہ بہت کشادہ اور وسیع ہے ۔

قرآن حکیم میں ہے :

﴿اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ الرَّحِیۡمُ﴾ [طور:۲۲]

”بے شک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔“ [لسان القرآن۔ج:۲]

جب ہمارا خالق ومالک محسن اور مہربان ہے اور اس کی بارانِ رحمت اپنے بندوں پر کبھی منقطع نہیں ہوتی ہے تو ہمیں بھی یہی زیب دیتا ہے کہ اس رب کریم کے بے پایاں احسانات کا شکر بجالاتے ہوئے جہاں اس کی بندگی بجالائیں وہاں اس کی مخلوق کے ساتھ مروت اور مہربانی سے بھی پیش آئیں۔اس کا یہی حکم ہے:۔

﴿وَاَحۡسِنۡ کَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ﴾[القصص:۷۷]

”اورتم (اپنے بھائیوں) پر احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے۔“

پیارے رسول ﷺ کی حدیث مبارک اس آیہء مبارکہ کی ترجمانی کرتی ہے۔

« اِرۡحَمُوۡا مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یَرۡحَمۡکُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ۔ »

اس کا ترجمہ شاعر نے کیا خوب کیا ہے

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہربان ہو گا عرشِ بریں پر

اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نیکی کی بلندیوں کو اس وقت تک نہیں حاصل کیا جاسکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہی چیز نہ خرچ کی جائے جو ہمیں بذاتِ خود پسند اور پیاری ہو۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ﴾[آل عمران:۹۲]

”(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں بہت عزیز ہیں اللہ کی راہ میں صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کرسکو گے۔“

آیت کا مطلب واضح ہے، پھٹے، پرانے کپڑے یا بچا کھچا کھانا جو ہمیں خود بھی مرغوب نہیں ہوتے کسی غریب مسکین کو دینے سے نیکی کا اجر وثواب بھلا کیسے پاسکتے ہیں۔؟

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مالدار صحابی تھے۔مسجد نبوی کے سائے میں بیرحاء نامی آپ کا ایک باغ تھا جس میں کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔اور یہاں کا خوش ذائقہ پانی پیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری تو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ! میرا تو سب سے زیادہ پیارا مال یہی باغ ہے۔میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اسے اللہ کی راہ میں

صدقہ کیا ،اللہ تعالیٰ مجھے بھلائی عطافرمائے ۔اور اپنے پاس اسے میرے لیے ذخیرہ کرے ۔آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں اسے تقسیم کردیں ۔آپ بہت خوش ہوئے ۔اور فرمانے لگے ۔مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ ہوگا ۔تم اسے قرابتداروں میں تقسیم کردو ۔چنانچہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں بانٹ دیا ۔(ابن کثیر)

یہ تو خیر کھاتے پیتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال تھا ،ان میں سے ایسے بھی تھے جو خود غربت اور تنگدستی کا شکار تھے مگر نیکی کے حصول کا جذبہ اس قدر تھا کہ بھوکے پیاسے رہ کر بھی دوسروں کی خدمت سے دریغ نہ کرتے تھے ۔

قرآن اس کی یوں شہادت دیتا ہے :۔

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[الحشر:۹]

’’(اور انصار) اپنی ذات پر (مہاجرین) کو مقدم رکھتے ہیں اور اگرچہ خود ان کو شدید ضرورت (ہی کیوں نہ ہو)

آپس کی انہی ہمدردیوں اور غمخواریوں نے انہیں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ملت کی صورت میں ابھارا اور وہ دنیا کی سپر پاور بن گئے اور کسی بھی دشمن کو ان کے سامنے کھڑا ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔وہ جدھر گئے فتح وکامرانی ان کا مقدر ٹھہری ۔

آج مسلمانوں میں نیکی کم ہی نہیں عنقا ہوتی جارہی ہے ۔غرباء ومساکین کی خدمت کا تو ذکر ہی کیا نماز ،روزے سے بھی فارغ ہوتے جارہے ہیں ۔کیا ہمارے نوجوان صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں ؟ہمارے امراء کی دولت کہاں صرف ہورہی ہے ؟نیکی کی بجائے بدی ہمارے معاشرے میں آکاس بیل کی طرح پھیل رہی ہے ۔اس کا ذمہ دار کون ہے ؟ہم سب ہیں ۔۔نیکی اور بھلائی کی نشرواشاعت میں ہمارا کردار کیا ہورہا ہے ؟ظاہر ہے کہ جس کھیت کو کھلا چھوڑ دیا جائے وہاں خاردار جھاڑیاں اور گھاس پھوس ہی اُگے گی ۔فصل تو وہی زمین لاتی ہے جس پر محنت ومشقت کی جائے بیج بویا جائے ،اس کی نگرانی اور آبیاری کی جائے ۔

کیا آزادی کا ملنا اور یہ خطہ زمین کا حاصل ہونا ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان اور اس کا انعام نہ تھا؟ مگر نہ تو ہم شکر گزار بندے بنے اور نہ اس سرزمین کو نیکیوں سے آراستہ ہی کیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ لاوارث کھیت کی طرح بدیاں اور برائیاں ہر سمت پھیلنے لگیں اور شیاطین نے اپنے پنجے مضبوط کرلیے ،اور بدی اتنی

پھیل چکی ہے کہ ہمارے اندر نیکی اور بدی کی تمیز اٹھ چکی ہے ،سچ اور جھوٹ کی شناخت جاتی رہی ہے، جب کوئی انسان سچائی اور صفائی کی شاہراہ کو چھوڑ کر بدی اور برائی کی دلدل میں پھنس جائے تو پھر اسے برائی میں مزا آنے لگتا ہے ،اس کے احساسات مردہ ہو جاتے ہیں ۔وہ برائی کرتا ہے اور اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا ہے۔ یہی انسانی زندگی کی بدترین منزل ہے اور جس معاشرے میں یہ کیفیت پیدا ہوجائے وہ قعرِ مذلت میں گر جاتا ہے ۔

ہمارے معاشرے کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت ہے ، یہاں انتہائی گھناؤنے اور بڑے بڑے جرم معمولی خیال کیے جاتے ہیں ،مثلا انسانی جان کی کتنی بڑی قیمت ہے ،مگر یہاں معمولی معمولی باتوں پر انسانی جانوں سے کھیلنا روز مرہ کا معمول بن چکا ہے ،اور مجرموں کے لیے کوئی عبرتناک سزانہیں ہے ،رشوت کتنی بڑی برائی ہے ، یہاں اتنی عام ہے کہ اسے کوئی برا سمجھتا ہی نہیں ہے ۔اور بڑے فخر سے رشوت طلب کی جاتی ہے ۔یہی حال دوسری برائیوں کا ہے ۔

ہمارے حکمرانوں نے گزشتہ ۵۸ برس سے اسلام کے عادلانہ نظام سے بغاوت کی ہے جب کہ یہ ملک اسی نظامِ حیات کے لیے معرضِ وجود میں آیا تھا ۔مسلمانوں نے جانی ومالی قربانیاں اسی لیے دی تھیں ۔گزشتہ پچاس برس میں کئی بار اسمبلیاں ٹوٹتی اور بحال ہوتی رہیں ۔کئی دستور بنے اور منسوخ ہوتے رہے ”ہرکہ آمد عمارت نو ساخت“ اور ہر دستور میں یہ بات دہرائی جاتی رہی کہ اسلام ہی ہمارا نظامِ حیات اوراسلامی قانون ہی ملک کا سپریم لاء ہوگا مگر عملا آج تک کچھ نہ ہو سکا۔اسے کہتے ہیں منافقت۔ ہفت روزہ الاعتصام کے صفحات گواہ ہیں کہ ہم نے ہر حکومت کو اسلامی قانون کے نفاذ پر بھرپور توجہ دلائی ، موجودہ حکومت نے بھی اسلامی قانون کو ملک کا سپریم لاء تسلیم کیا ہے ۔اب دیکھئے وہ صبح سعید کب طلوع ہوتی ہے ۔جب اسلام کے سایہ ء رحمت میں سب عافیت پائیں گے ۔

دعاء والتجاء:

«رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝» [آل عمران:۹]

”اے ہمارے رب !بلاشبہ آپ تمام لوگوں کو (میدان حشر)میں جمع کرنے والے ہیں اور اس دن کے بارے میں ذرا بھی شک نہیں اور حق بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالی وعدہ خلافی نہیں کرتے ۔“

اعتدال اور میانہ روی (۱)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهَا اَنَّ النَبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَیْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ قَالَ: «مَنْ هٰذِهِ؟» قَالَتْ: هٰذِهِ فُلَانَةٌ تُذْکَرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَ: «مَهْ عَلَیْکُمْ بِمَا تُطِیقُوْنَ ، فَوَاللّٰهِ لَایَمَلُّ اللّٰهُ حتّٰی تَمَلُّوْا، وَکَانَ أَحَبَّ الدِّیْنِ اِلَیْهِ مَادَامَ عَلَیْهِ صَاحِبُهُ ۔» [صحیح بخاری ۔ باب أحب الدین إلی الله عز وجل أدومه]

''سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک عورت بیٹھی تھی، اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا یہ کون ہے؟ کہا یہ فلاں عورت ہے اور یہ بڑی نمازیں پڑھتی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اتنا ہی کرو جتنی تم میں طاقت ہو، اللہ نہیں اکتائے گا، تم اکتا جاؤ گے، اللہ کو وہی عبادت اور عمل زیادہ محبوب ہے جس پر کرنے والا مداومت کرے۔''

اعتدال اور میانہ روی خوشگوار زندگی گزارنے کے سنہری اصولوں میں سے ہے۔ گھریلو اخراجات میں، کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں، چلنے پھرنے میں یہاں تک کہ عبادت و ریاضت میں اسے اپنانے سے راحت و آرام حاصل ہونے کے علاوہ بہت سی پریشانیوں سے انسان کو نجات مل جاتی ہے۔ گھریلو اخراجات کے بارے حکم ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل: ۲۹]

''اور نہ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو (بخل پر اتر آؤ) اور نہ اس کو بالکل کھول دو (ضرورت سے زائد خرچ کر ڈالو) کہ تم ملامت زدہ اور شکستہ حال ہو کر رہ جاؤ۔ (لوگ تمہاری غلط قسم کی سخاوت کا مذاق اڑائیں اور تم تہی دست ہو جاؤ۔'')

کھانے پینے میں اعتدال کی راہ اس طرح بتائی جارہی ہے:

﴿ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ ﴾ [الاعراف: ۳۱]

''اور کھاؤ، پیو لیکن اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔''

اسراف یعنی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا...... اگر یہ کھانے پینے میں ہو تو صحت کی تباہی و بربادی اور پھر اطباء اور ڈاکٹر صاحبان کی طرف بھاگ دوڑ ان کی لمبی چوڑی فیسیں ادا کرو اور کڑوی کسیلی قیمتی ادویات کھاؤ، اور اگر یہ بود و باش میں ہو تو تکبر و غرور پیدا ہوتا ہے جو خود بے شمار خرابیوں کی جڑ ہے۔

چلنے پھرنے میں میانہ روی کی تلقین اس طرح کی جا رہی ہے:

﴿ وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِكَ ﴾ [لقمان: ۱۹]

''اور اپنی چال میں اعتدال ملحوظ رکھو!''

کاش کہ ہم نے اس آیت پر عمل کیا ہوتا! ہمارے یہاں روزمرہ کے حادثات میں قیمتی جانوں کے نقصان میں تیز رفتاری، مسابقت، غفلت اور لاقانونیت ایسے عوامل شامل ہیں اور جس ملک میں لوگوں کے اندر نہ خالق و مالک کا خوف رہے اور نہ ہی قانون کی گرفت ہو، وہاں جنگل کا قانون چل نکلتا ہے، لوگ وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے کے حقوق غصب کرتے ہیں، چیر پھاڑ کرتے ہیں بلکہ ان سے کچھ آگے بڑھ جاتے ہیں، یعنی درندے اگر شہروں میں آ کر انسانوں کی حرکات وسکنات کو دیکھ لیں تو شرمسار ہو کر لوٹیں۔

عبادت و ریاضت میں بھی اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ ساتھ باقاعدگی اور دوام کی تعلیم دی گئی ہے، معاشرتی زندگی میں اگر نمازوں کی حفاظت اور پابندی ضروری ہے تو اس کے ساتھ ساتھ رزقِ حلال کی تلاش بھی ایسا ہی ضروری ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الۡبَیۡعَ ﴾ [الجمعہ: ۹]

''اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف سعی و کوشش سے آؤ اور خرید وفروخت (ملازمت وغیرہ) روک دو۔''

اختتامِ نماز کے بعد پھر حکم ہوتا ہے کہ:

﴿ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ ﴾

[الجمعہ: ۱۰]

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق حلال) تلاش کرو۔''

یہ آیات تو جمعۃ المبارک کے سلسلے میں بیان ہوئی ہیں مگر اہلِ ایمان کی ذمہ داریوں میں روزانہ کی پانچ نمازیں بھی آتی ہیں، اہل ایمان کی صفات میں آتا ہے:

﴿ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِهِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ۝ ﴾ [المؤمنون: ۹]

''اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

اسی عبادت کو سراہا گیا ہے جس میں خشوع وخضوع ہو، وقت کی پابندی ہو، باقاعدگی اور دوام ہو، اور

اسے پوری یکسوئی اور توجہ سے ادا کیا جائے۔ اس حدیث پر غور کیجئے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور ایک رسی دو کھمبوں کے درمیان کھینچی ہوئی تھی، آپ نے فرمایا یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا یہ زینب رضی اللہ عنہا کی رسی ہے، جب نیند کا جھونکا آتا ہے تو اس سے لٹک جاتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کھولو، جب تک چستی رہے (اور دماغ حاضر ہو) اس وقت تک نماز پڑھو اور جب سستی آنے لگے تو سو جاؤ۔''

[متفق علیه۔۔۔ ریاض الصالحین باب فی الاقتصاد فی الطاعة]

ایسا کیوں کہا گیا ہے؟ اس لیے کہ نمازی اپنے رب تعالیٰ سے گفتگو کرتا ہے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ خالقِ ارض وسماء سے کیا گفتگو کر رہا ہے:

((اِنَّ الْمُصَلِّی یُنَاجِیْ رَبَّهٗ))

''بلاشبہ نمازی اپنے رب سے ہمکلام ہوتا ہے۔''

معاشرے میں رہتے ہوئے ایک شخص کو بہت سے حقوق ادا کرنے ہوتے ہیں۔۔۔ کہیں اہل خانہ کے حقوق ہیں۔ کہیں پڑوسیوں کے حقوق ہیں، مریضوں کی تیمار داری ہے، رشتہ داروں کی خبر گیری ہے، ان سب ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک نبھانے کے بعد حق حلال کی روزی کمانا بھی ضروری ہے، اچھا انسان وہی ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ادا کرتا ہے، اس حدیث مبارک کو پڑھیئے۔

سیدنا وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمان اور سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا (ہجرتِ مکہ کے بعد) ایک دن سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ، سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کے گھر آئے، ان کی بیوی کو دیکھا، بہت معمولی کپڑوں میں تھیں، کہا تمہارا حال کیا ہے؟ کہا تمہارے بھائی ابودرداء رضی اللہ عنہ کو دنیا میں کسی چیز کی حاجت نہیں؟ اتنے میں سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ آ گئے، ان کے لیے کھانا تیار کیا گیا، سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا: میں روزے سے ہوں، تم کھاؤ، سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جب تک تم نہ کھاؤ گے، میں بھی نہیں کھاؤں گا، تو انہوں نے کھانا کھایا جب رات ہوئی تو سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا سو جاؤ، وہ سو گئے، پھر کھڑے ہوئے، پھر کہا ابھی سو جاؤ، جب آخری رات ہوئی تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا اب اٹھو پھر دونوں نے نماز پڑھی، سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا ''تمہارے رب کا تم پر حق ہے، تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، پس ہر ایک کا حق اس کے حق کے مطابق ادا کرو، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان رضی اللہ عنہ نے سچ کہا۔ [صحیح بخاری بحوالہ ریاض الصالحین: باب ایضاً]

آپ نے غور کیا کہ اسلام کیسی معتدل اور متوازن زندگی گزارنے کی ہدایات دیتا ہے، رب کریم نے دن کام کاج کے لیے بنایا ہے تو رات راحت و آرام کے لیے بنائی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝﴾ [النبأ: ١٠-١١]

''اور ہم نے رات کو (تمہارے آرام کے لیے) لباس بنایا اور دن کو (تمہارے کام کے لیے) معاش کا وقت بنایا۔''

ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیجئے کہ اسلام نے ہمیں کیسا عمدہ نظام حیات دیا ہے کہ دنیا میں بھی مہر و محبت، اطمینان و سکون، امن وسلامتی اور مسرت و شادمانی کے پھول کھلیں گے تو آخرت بھی نہایت خوش گوار ہوگی مگر افسوس کہ ہم نے یہ دنیا بھی اپنے لیے جہنم بنا ڈالی، اعتدال میں رہتے ہوئے ہم اپنے پاؤں پر نہ کھڑے ہوئے اور بے تحاشا غیر ملکی قرضہ جات سود پر اٹھائے یہاں تک کہ ہم نہ صرف مالی طور پر دیوالیہ ہو چکے ہیں بلکہ اخلاقی طور پر بھی تہی دامن ہو گئے ہیں، ہمارے ٹی۔ وی پر صبح پروگرام شروع ہو جاتے ہیں اور رات گئے تک جاری رہتے ہیں اور زیادہ تر بیہودہ اور بیکار پروگرام ہماری نوجوان نسل کو تباہی و بربادی کی عمیق غار میں دھکیل رہے ہیں، صبح خیزی کی عادت بھی گئی اور نمازیں بھی رخصت ہوئیں نہ حکومت کو پروا اور نہ والدین کو کوئی غم، اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

اللہ تعالیٰ کی وحی یعنی قرآن حکیم ہے۔ بشارت رسول ﷺ ہے: مجھے اللہ سے امید ہے کہ میری اتباع کرنے والوں کی تعداد دوسرے نبیوں کی امتوں سے زیادہ ہوگی۔

مسلمانوں کی اکثریت آج آپ کے معجزے سے فائدہ نہیں اٹھا رہی اس ضابطۂ حیات کو چھوڑ کر طاغوتی ضابطوں کی پیروی کر رہی ہے۔ حالانکہ اس کا ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ دنیا اور آخرت میں خیر و برکت کا ضامن ہے۔ بخاری کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

《 خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ 》

''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے کہ جو قرآن پڑھے اور پھر دوسروں کو پڑھائے۔''

مسلم کی روایت کا حصہ ہے۔ قرآن پڑھا کرو قیامت کے روز یہ تمہارا شفیع ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا۔ اس کو نظر انداز کرتے ہوئے جب مسلمان کہیں اور بھلائی کا متلاشی ہوگا تو سوائے ذلت اور رسوائی کے کچھ نہیں پائے گا۔ صحیح مسلم میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ 》

بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب سے (یعنی قرآن حکیم کے مطابق عمل کرنے والی) قوموں کو عزت و شرف کے

اعتبار سے) بلند کرتا ہے اور (اس کی تعلیم کو ٹھکرانے والوں) دوسروں کو کمزور و ذلیل کرتا ہے (ان کا انجام وہ ہوگا کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں کر دیا ہے۔) ان میں نہ صرف شک و شبہ سے بچنے اور قرآن حکیم کو سچ وحق ماننے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ بلکہ اس آگ سے بھی محفوظ رہنے کی تلقین کی گئی ہے کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اور وہ ایسی آگ ہوگی کہ جس کی تیزی میں کمی واقع ہونے کا کوئی امکان نہ ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم کی برکات سمیٹنے اور جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے ان اعمال کی توفیق عطا فرمائے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْ نِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ »

”اے اللہ! میرے دل میں بھلائی ڈال دیجیے اور میرے نفس کی برائی سے مجھے بچائیے۔“

اعتدال اور میانہ روی (۲)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ ؟ قَالَ: « اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ » وَقَالَ :« اكْلَفُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِیْقُوْنَ »

[صحیح البخاری=کتاب الرقاق، باب :القصد والمد اومة علی العمل،رقم الحدیث:۵۹۸۳]

”ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں؟ فرمایا، دوام کے ساتھ کئے جانے والے اعمال اگرچہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں، اتنے ہی عمل کا التزام کرو جتنا تم کر سکتے ہو۔“

اسلام دینِ فطرت ہے اعتدال اور میانہ روی انسانی فطرت کی آواز ہے...... ہرکام میں میانہ روی...... چلنے پھرنے میں ،سونے جاگنے میں، پڑھنے لکھنے میں، کام کاج میں یہاں تک کہ بندگی اور عبادت میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے۔ افراط وتفریط سے بچ نکلنا ہی کسی کام میں نکھار اور صحت نیز زندگی کو حسن و جمال سے آراستہ کرتا ہے۔

غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کے لیے، دن کام کے لیے، تو رات کو آرام کے لیے بنایا ہے کہ دن بھر کا تھکا ماندہ انسان رات آرام کرنے کے بعد تازہ دم ہو جائے اور دوبارہ اپنا کام معمول کے مطابق سرانجام دے سکے۔

﴿ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴾ [النبأ:١١]

''اور ہم نے دن کو معاش کا وقت بنایا۔''

﴿ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴾ [النبأ:٩]

''اور (رات) تمہاری نیند کو سکون کا باعث بنایا۔''

اگر ایسا نہ ہوتا اور انسان کو صبح و شام کام ہی کرنا پڑتا تو اس کی صحت بگڑ جاتی اور زندہ رہنا دوبھر ہو جاتا ...... زندگی کے ہر معاملہ میں اعتدال اور توازن کا اصول ہی بہترین راہ ہے۔ جسے عربی محاورہ میں ''خَيْرُ الْأُمُوْرِ اَوْسَطُهَا'' یعنی بہترین کام میانہ روی کے ہیں'' کہتے ہیں، خرچ کے متعلق اچھے بندوں کی خوبی اس طرح بیان کی گئی ہے۔

﴿ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ [الفرقان:٦٧]

''جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہاتھ تنگ کرتے ہیں بلکہ راہِ اعتدال اختیار کرتے ہیں۔''

شاعر نے اسی بات کو کس خوبی سے نظم کیا ہے:

خرچ میں اسراف وہ ہرگز کبھی کرتے نہ ہوں
خرچ جو ہو واقعی ، اس میں کمی کرتے نہ ہوں

مثلاً اس بات پر غور کیجیے کہ ہمارے یہاں شادی بیاہ کے مواقع پر مہمانوں کی جائز خاطر تواضع کرنی تو اعتدال کی راہ ہے مگر اکثر امراء طرح طرح کے پکوان اور اس میں کھانا ضائع کرنا، بجلی کے قمقموں سے بے تحاشا چراغاں اور مزید آتش بازی کا مظاہرہ حدِ اعتدال سے بڑھنا سراسر اسراف ہے۔ جس کی اسلام مذمت کرتا ہے اس میں اسراف شدہ رقم غربا و مساکین کا حصہ تھا جسے بے کار ضائع کردیا گیا، اسی طرح بعض لوگ اپنے دوست و احباب پر تو بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں مگر اہل خانہ پر خرچ کرنا ان پر گراں گزرتا ہے۔ یہ بھی سراسر اعتدال سے ہٹا ہوا راستہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ [الاعراف:٣١]

''یعنی کھاؤ پیو اور اسراف سے بچو۔''

اور حدیث شریف میں آتا ہے:

((اِبْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ))

''یعنی تمہارے خرچ کی ابتدا وہاں سے ہونی چاہیے جن کی کفالت تمہارے ذمہ ہے۔''

عبادت و ریاضت میں بھی اعتدال اور میانہ روی کا اصول بتایا گیا ہے۔ ایک شخص ذوق شوق سے فرض نمازوں کے علاوہ رات دیر تک نوافل میں مشغول رہتا ہے مگر چند دنوں میں تھک جاتا ہے، صحت جواب دے دیتی ہے وہ نہ صرف نوافل سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ فرائض میں بھی کوتاہی ہونے لگتی ہے بہتر یہ تھا کہ وہ فرائض کی نگہبانی کرتا اور نوافل جس قدر آسانی سے پڑھ سکتا اسے جاری رکھتا۔ اس حدیث پر غور کیجیے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد اللہ تم اس شخص کی مانند نہ ہونا کہ رات کو عبادت کرتا تھا پھر کچھ دنوں کے بعد چھوڑ دیا۔''

[متفق علیہ، ریاض الصالحین باب المحافظة علی ما اعتاده من الخیر]

اسلام دین اور دنیا میں حسین امتزاج پیدا کرتا ہے اور اعتدال و توازن کی ایسی راہ بتاتا ہے جس پر چلنا ہر شخص کے لیے ممکن اور آسان ہو۔ اس واقعہ پر غور فرمائیے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا! یہ صحیح نہیں کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نمازیں پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا یہ صحیح ہے اے اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو کبھی روزہ رکھو، کبھی افطار کرو، نماز پڑھو اور کبھی سو جاؤ کیونکہ تمہارے جسم کا، تمہاری بیویوں کا اور تمہارے ملاقاتیوں کا بھی تم پر حق ہے۔

[مسند احمد، ایمان و عمل، مولانا عبد الرؤف رحمانی]

اسلام نے گفتار اور رفتار دونوں میں میانہ روی کا سلیقہ اور قرینہ عطا کیا ہے اور اگر نرم گفتگو اور درمیانی چال سے کسی انسان کی تہذیب و ثقافت اور وقار و متانت کا اندازہ ہوتا ہے تو اس کے برعکس گلا پھاڑ پھاڑ کر بولنے اور لوگوں کو پھلانگ کر اور دھکے دے کر آگے بڑھنے سے اس کی کمینگی اور اخلاقی پستی کا پتہ چلتا ہے۔ ہمارے ملک میں روزمرہ ان گنت حادثات کی ایک وجہ تیز رفتاری اور مسابقت بھی ہے اسی طرح ہمارے درمیان بہت سے تنازعات نرم گفتگو سے ختم ہو سکتے ہیں مگر گفتگو میں تیز طرّاری دنگہ فساد کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

قرآن کی پاکیزہ اور روشن ہدایت یہ ہے:

﴿ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ﴾ [لقمان: ١٩]

''اور اپنی چال میں اعتدال ملحوظ رکھو اور اپنی آواز پست کرو (کرخت یا بلند نہ کرو)

سخاوت اور فیاضی مستحسن عمل ہے اور ہر ملت اور قوم میں اسے سراہا گیا ہے۔ اسلام نے اس میں بھی

راہِ اعتدال کو پسند کیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ سب کچھ دوسروں کو دے دلا کر خود اتنے تنگدست اور محتاج بن جاؤ کہ بھیک مانگنے کی نوبت آ جائے اور محتاجوں میں ایک نئے محتاج کا اضافہ ہو جائے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل:۲۹]

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو (بخل سے کام لو) اور نہ ہی اسے پوری طرح کھلا چھوڑ دو (ضرورت سے زیادہ خرچ کر ڈالو) ورنہ خود ملامت زدہ اور درماندہ بن جاؤ گے۔''

اس آیت کی روشنی میں اس حدیث پر غور فرمایئے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے حجۃ الوداع کے سال تشریف لائے اور میں سخت بیمار تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میری بیماری کس حد کو پہنچ گئی ہے میں بہت مال دار ہوں اور میرے ایک ہی بیٹی ہے کیا میں اپنے مال کا دو تہائی صدقہ کر سکتا ہوں؟ فرمایا نہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ! نصف؟ فرمایا نہیں میں نے کہا ایک تہائی یا رسول اللہ؟ فرمایا: ہاں! تہائی اور تہائی بھی بہت ہے۔ تمہارا اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑنا ان کو محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور دیکھو تم اللہ کی خوشی کے لیے جو کچھ خرچ کرو گے تو اس کا اجر تمھیں ملے گا۔''

[متفق علیه، ریاض الصالحین، باب الاخلاص وا حضار النیة]

اسلام نے ہمیں معتدل اور متوازن زندگی گزارنے کے اصول دیے ہیں۔ اس لیے قرآن نے اس امت کو ﴿ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ [البقرۃ:۱۴۳] یعنی اعتدال پسند امت کا نام دیا ہے۔

یہودی اور عیسائی مذہب جن کی اصل اسلام ہی تھی، جناب عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام مسلمان تھے اور ان کا دین اسلام ہی تھا۔ بعد میں آنے والے لوگ نہ صرف خرافات کا شکار ہو گئے اور اپنے رسول کے لائے ہوئے دین میں تحریفات کر ڈالیں بلکہ دین اسلام کے نام کو تبدیل کر کے یہودی اور عیسائی (نصاریٰ) نام رکھ لیا۔ اور افراط و تفریط کا شکار ہو گئے۔ مسلمان ہر نماز کی ہر رکعت میں رب کریم کے حضور دعا مانگتے ہیں۔

﴿ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝ ﴾ [الفاتحۃ:۵۔۷]

''اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ نہ کہ جن پر تیرا غضب ہوا، اور نہ ان لوگوں کے راستے پر جو گمراہ ہوئے۔''

جمہور مفسرین نے لکھا ہے کہ ﴿ مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ ﴾ سے مراد یہود اور ﴿ اَلضَّآلِّيۡنَ ﴾ سے مراد نصارٰی ہیں اوّل الذکر نے انبیائے کرام کے ساتھ گستاخیاں اور زیادتیاں کیں جب کہ مؤخر الذکر غلو کا شکار ہو گئے۔

اسلام ایسا پاکیزہ، اتنا آسان، اتنا معتدل، اتنا روشن اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین چھوڑ کر ہم کہاں بھٹک رہے ہیں؟

تُرکی میں حالیہ زلزلے نے اقوامِ عالم کو ہلا کر رکھ دیا، اور امت مسلمہ کے لیے تو زبردست عبرت کا نشان ہے کہ ایک مسلمان ملک جس میں ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن چکے ہیں اور ہزاروں زخمی اور ناکارہ ہو چکے ہیں۔ اسلام کے دعوے دار ابھی تک نافرمانیوں پر تلے ہوئے ہیں خود اپنے وطن میں گزشتہ چھپن برس سے نظامِ اسلامی کے خواب دیکھ رہے ہیں مگر وہ شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا معلوم نہیں ہمارے حکمرانوں کو کونسی مصلحت آڑے آ رہی ہے۔ [الاعتصام، ۳/ستمبر ۱۹۹۹]

دعاء والتجاء:

« رَبَّنَا لَا تَقۡتُلۡنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهۡلِكۡنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبۡلَ ذٰلِكَ »

”اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے غضب سے تباہ نہ فرما اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہی ہمیں عافیت عطا فرما۔“

اعتدال اور اخلاقِ حسنہ کی فضیلت

عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « اِنَّ الۡهَدۡىَ الصَّالِحَ وَالسَّمۡتَ الصَّالِحَ وَالۡاِقۡتِصَادَ جُزۡءٌ مِّنۡ خَمۡسٍ وَّعِشۡرِيۡنَ جُزۡءً مِّنَ النُّبُوَّةِ » [ابو داؤد، نخبة الاحادیث، سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ]

”سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک باطنی سیرت کا اچھا ہونا، ظاہری اخلاق و عادات کا عمدہ ہونا اور میانہ روی (افراط وتفریط سے بچ کر رہنا) یہ (اوصاف) نبوت کے پچیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔“

اسلام کے نزدیک حسن سیرت، حسن صورت سے کہیں بڑھ کر ہے جس کا باطن خوب صورت ہے حقیقت میں وہی خوب صورت ہے۔ باطن کی خوب صورتی کی مثال اس چمن کی سی ہے جہاں ہر طرف خوشبو دار پھول کھلے ہیں اور ان کی مہک سے اردگرد کا پورا ماحول معطر ہے اور آنے والے دِلوں کو مسحور کر رہا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں دعوتِ اسلام کا آغاز فرمایا تو ابتداء میں جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے ان میں ایک غلام بھی تھے۔ان کا اسم گرامی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تھا۔ملک حبشہ سے ان کا تعلق ، رنگ روپ سیاہ اور جسم لاغر تھا مگر زیور ایمان و اخلاق سے آراستہ ہوتے ہی قدر و قیمت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

" اَبُو بَكْرٍ سَيِّدُنَا وَاَعْتَقَ سَيِّدَنَا يَعْنِي بِلَالًا "

'' ابو بکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں اور انھوں نے ہمارے سردار یعنی بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کرایا۔''

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر خوش ہو کر یہ شعر پڑھا:

هَنِيًّا　زَادَكَ　الرَّحْمٰنُ　خَيْرًا

فَقَدْ　اَدْرَكْتَ　تَارِكًا　يَا　بِلَالُ

'' مبارک ہو اللہ تمہارے لیے خیر و برکت کو زیادہ کرے،تم نے اے بلال اپنا بدلہ پا لیا۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

'' ایک دن فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا ، اپنا کوئی ایسا عمل تم مجھ کو بتاؤ جس پر ثواب کی توقع سب سے زیادہ ہو ، کیونکہ میں نے تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے جنت میں سنی ہے ، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، میں نے ایسا عمل تو کوئی نہیں کیا۔ البتہ دن رات میں کوئی وضو ایسا نہیں ہے کہ اس کے بعد میں نے نماز نہ پڑھی ہو۔'' [بخاری باب فضل الطهور]

اس کے برعکس آپ ﷺ کا حقیقی چچا ، آپ ہی کے خاندان سے ، شعلہ کی مانند چمکتا دمکتا چہرہ مگر دل سیاہ اور ایمان سے خالی اور سیرت اخلاق سے عاری تھی۔ جناب رسول مقبول ﷺ کو ایذا رسانی میں پیش پیش تھا۔ نتیجتاً اسے دنیا اور آخرت میں رسوائی اور ذلت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔قرآن اس کا یوں ذکر کرتا ہے:

﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ ﴾

[اللهب:۱-۵]

'' ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں اور وہ (خود بھی) ہلاک ہو۔ نہ اس کا مال اس کے کسی کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا (شہرت معاشرہ میں اعلیٰ مقام) وہ جلد ہی بھڑکتی آگ میں داخل

ہو گا۔ اس کی بیوی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے (کہ رسول اللہ ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھائے) یوم جزا اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہو گی (اسے بھی آگ میں دھکیل دیا جائے گا۔)

اگرچہ انبیائے کرام کو حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا جاتا ہے۔ مگر ان کے حسن سیرت اور اخلاق حسنہ ہی سے لوگ متاثر ہو کر دعوتِ حق قبول کرتے ہیں۔ قرآن رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس طرح کہتا ہے:

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ [القلم:٤]

"اور آپ یقیناً اعلیٰ اخلاق (سیرت و کردار کی بلندیوں) پر فائز ہیں۔"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ [آل عمران:١٥٩]

"اللہ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم مزاج واقع ہوئے ہیں اگر آپ تند مزاج اور سنگ دل ہوتے تو (یہ لوگ) سب کے سب آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے۔"

اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو تا قیامت مسلمانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ بنا دیا ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب:٢١]

"(مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ کی ذات) بہترین نمونہ ہے۔"

اور آپ ﷺ کا پیغام تو نسل انسانیت کے لیے ہے۔

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ [الاعراف: ١٥٨]

"آپ کہہ دیجیے: "لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔"

انسان کا باطن جب خوب صورت ہو جاتا ہے تو اس کا عکس لا محالہ ظاہر پر پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے۔ سیرت کے نکھرنے سے ظاہری اخلاق سنورتے ہیں۔ احسان و مروّت کے پھول کھلتے ہیں تواضع و خاکساری کے موتی بکھرتے ہیں۔ نرمی اور خوش کلامی کے پھول جھڑتے ہیں۔ جن سے عفو و درگزر کی عطر بیز خوشبوئیں اٹھتی ہیں اور حلم و بردباری سے فضا معطر ہو جاتی ہے۔

انسانیت کے رہنما جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں یہ بات با تمام و کمال نظر آتی ہے۔ آپ کی زندگی کا جس رُخ سے بھی مطالعہ کیجیے وہاں اخلاقِ حسنہ کا آفتاب عالمتاب جگمگاتا ہی نظر آئے گا۔

ذرا امام بخاری رحمہ اللہ کی زبانی آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کی کیفیت سنیے۔

''آپ اطاعت شعاروں کو بشارت سنانے والے، گناہ گاروں کو ڈرانے والے اور بے خبروں کو ہوشیار کرنے والے اللہ کے بندے اور رسول تھے۔ تمام معاملات اللہ پر چھوڑنے والے تھے۔ نہ درشت خو تھے نہ سخت گو۔ بدی کے بدلے میں بدی نہ کرتے تھے۔ معافی مانگنے والوں کو معاف فرما دیتے تھے۔ اور خطا کاروں سے درگزر فرماتے تھے۔ ان کا کام مذاہب کی کجیوں کو مٹانا تھا۔ (اور دینِ اسلام کی سیدھی اور پاکیزہ تعلیمات کو روشن کرنا تھا) ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان عطا کرتی تھی۔ آپ تمام خوبیوں سے آراستہ جامع اوصافِ حمیدہ تھے۔ سکینت ان کا لباس، نیکی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، عدل ان کی سیرت، راستی ان کی شریعت اور ہدایت ان کی رہنما تھی۔ آپ ذلت دور کرنے والے، گمناموں کو رفعت بخشنے والے، مجہولوں کو طاقت دینے والے، قلت کو کثرت اور تنگدستی کو غنا سے بدلنے والے تھے۔ [صحیح بخاری بحوالہ، مقالاتِ سیرت، ڈاکٹر محمد آصف قدوائی]

سیرت کی اصلاح اور اخلاقِ حسنہ کو بہتر بنانے کے لیے قرآن حکیم اور سیرت طیبہ کا بغور مطالعہ، نیز سیر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ابرار و صالحین کی سیرتوں کو پڑھنا، نیک مجالس میں بیٹھنا، اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنا اور اس کے حضور عجز و خاکساری سے دُعا ومناجات کرنا بڑا سود مند ثابت ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بہت سی دعائیں اخلاقِ حسنہ کے حصول کے لیے رہنمائی کرتی ہیں۔ دو چار دعائیں احباب کے فائدے کے لیے لکھتا ہوں:

《 اَللّٰھُمَّ اَغۡنِنِیۡ بِالۡعِلۡمِ وَزَیِّنِّیۡ بِالۡحِلۡمِ وَاَکۡرِمۡنِیۡ بِالتَّقۡوٰی وَجَمِّلۡنِیۡ بِالۡعَافِیَةِ 》

''اے اللہ مجھے علم میں مالا مال، حلم و بردباری میں زینت، تقویٰ اور پرہیز گاری سے عزت اور صحت و عافیت سے خوب صورتی عطا فرما۔''

《 اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفۡسِیۡ تَقۡوٰھَا وَزَکِّھَا اَنۡتَ خَیۡرُ مَنۡ زَکّٰھَا اَنۡتَ وَلِیُّھَا وَمَوۡلَاھَا 》

''اے اللہ! میرے نفس کو پرہیزگاری عطا فرما اور اس کا تزکیہ فرمادے تو ہی سب سے بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے تو ہی اس (نفس) کا آقا اور تو ہی اس کا مولا ہے۔''

《 اَللّٰھُمَّ طَھِّرۡ قَلۡبِیۡ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیۡ مِنَ الرِّیَآءِ وَلِسَانِیۡ مِنَ الۡکَذِبِ وَعَیۡنِیۡ مِنَ الۡخِیَانَةِ فَاِنَّکَ تَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡیُنِ وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ 》

''اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا کاری سے، میری زبان کو جھوٹ سے

اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرمادے کیونکہ تو ہی آنکھ کی چوری اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔"

« اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحًا »

"اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا اور میرے ظاہر کو بھی پاکیزہ اور نیک بنادے۔"

«اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ »

اے اللہ! جیسے تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے، میری سیرت بھی اچھی کردے۔ (خاص طور پر یہ دعا آئینہ دیکھتے وقت پڑھیے۔) [بحواله حصن حصين- پیارے رسول کی پیاری دعائیں]

زیر مطالعہ حدیث میں میانہ روی کا ذکر بھی آیا ہے، میانہ روی زندگی گزارنے کا وہ زرّیں اصول ہے جس سے کوئی شخص ندامت اور شرمندگی کا شکار نہیں ہوتا اور بہت سے نقصانات اور خساروں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اسلام نے زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ چلنے پھرنے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، کھانے پینے میں، روپے پیسے کے خرچ میں، یہاں تک کہ عبادت و ریاضت میں بھی اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

متوازن چال اور گفتگو کے متعلق حکیم لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں:

﴿ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ﴾ [سورة لقمان:۱۹]

"اور اپنی چال میں اعتدال ملحوظ رکھو اور اپنی آواز پست کرو۔"

آج کل تیز رفتاری اور مسابقت میں نہ معلوم کتنے حادثات روزانہ ہو جاتے ہیں اور آناًفاناً کتنی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

اپنی آمدنی کو اعتدال سے خرچ کرنے کی تلقین اس طرح کی جاتی ہے۔

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل:۲۹]

"نہ تو اپنے ہاتھ گردن سے باندھ رکھو، (بخل سے کام لو) اور نہ ہی اسے پوری طرح کھلا چھوڑ دو (ضرورت سے زیادہ خرچ کرو) ورنہ ملامت زدہ اور درماندہ بن جاؤ گے۔؟"

کھانے پینے میں یہ ہدایت دی جارہی ہے۔

﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ [سورۃ الاعراف:۳۱]

''(رزق حلال) کھاؤ پیو مگر اسراف سے بچو۔''

عبادت و ریاضت میں بھی یہ اصول ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ راحت و آرام کا وقت نہ مل سکے یا اہل خانہ کی نگرانی و نگہبانی سے قاصر ہو جاؤ اور ان کے لیے حلال کی روزی کمانے سے بھی جاتے رہو اس میں اعتدال اور باقاعدگی کی تعلیم دی گئی ہے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت و ریاضت کا حال سنا تو ان میں کسی نے ہمیشہ عبادت و ریاضت اور ذکر وفکر میں مشغول رہنے اور کسی نے ہمیشہ روزہ رکھنے اور کسی نے گھر نہ بسانے کی آرزو کی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو انھیں منع فرمایا اور ارشاد ہوا: میں کبھی روزے سے ہوتا ہوں اور کبھی نہیں۔ میں کسی وقت اپنے رب کی بندگی بجا لاتا ہوں اور کبھی آرام بھی کرتا ہوں۔ میں نے شادی و بیاہ بھی کیے ہیں۔'' (اور بیوی بچوں کی نگہبانی بھی کرتا ہوں)

« فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ »

''جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

یہ ہے وہ اسلامی زندگی کا پاکیزہ اور شاندار تصور جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے رب کریم ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین

مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ اوصاف نبوت کے پچیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے یعنی یہ خصائل انبیائے کرام کے ہیں، جس میں یہ اوصاف ہوں گے اس نے گویا بعض پیغمبرانہ اوصاف حاصل کر لیے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے پیغمبری کا کچھ حصہ حاصل کر لیا کیونکہ نبوت محنت و ریاضت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے جس کو پسند فرماتا ہے نبوت سے سرفراز کرتا ہے۔'' [نخبۃ الاحادیث]

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُّنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَآءِ وَالْاَدْوَاءِ »

''اے اللہ تعالیٰ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں بُری عادات، بُرے افعال، بُری خواہشات اور بُری بیماریوں سے۔''

دانش مند اور عاجز

عَنْ أَبِي يَعْلٰى شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْأَمَانِيَّ » [رواه الترمذی ریاض الصالحین، باب المُراقبة]

ابو یعلی شدّاد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عاقل اور دانا وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور آخرت کے لیے عمل کرے، اور عاجز وہ ہے جو خواہشات نفس کا غلام بن جائے اور اللہ سے بڑی بڑی امیدیں لگائے بیٹھا رہے۔''

لغت: اَلْكَيِّسُ: زیرک، عقل مند، ہوشیار، ذہین وفہیم

دَانَ نَفْسَهٗ : ''حَاسَبَهَا'' نفس کا محاسبہ کرنا، نگرانی کرنا۔ [شیخ البانی]

اَلْعَاجِزُ: بے بس، ناتواں، ناقص، کوتاہ۔

آخری معنی: اس حدیث مبارک کے مطابق زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی کوتاہ نظر وہ ہے جو خواہشات کی پیروی کرے۔

اَتْبَعَ: جس نے پیچھے لگایا، تابع بنا دیا۔

هَوٰى: خواہش، هَوٰی کا استعمال زیادہ تر غیر محمود چیزوں کے لیے ہوتا ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں:
فُلَانٌ مِّنْ اَهْلِ الاهواء ''فلاں نفس کا بندہ اور گمراہوں میں سے ہے۔''
[القاموس الوحید، مولانا وحید الزمان قاسمی]

اَهْلُ الْأَهْوَاء: بندگانِ نفس، گمراہ لوگ،

اَلْأَمَانِيَّ: خواہشات، تمنائیں، اس کا واحد ''اُمنيّةٌ'' (خواہش، تمنا) ہے۔

اُس طالب علم کی ذہانت اور محنت قابل رشک ہے جو امتحان کی تیاری کے لیے دن رات کوشش کرتا ہے اور پھر نتائج کی توقّع رکھتا ہے۔ وہ بالآخر بلندیوں کو حاصل کر لیتا ہے، اس کے برعکس وہ طالب علم جو سو سو کر وقت گزارتا ہے اور ہمہ وقت کھیل کود میں مصروف رہتا ہے اور یہ آس لگائے بیٹھا ہے کہ امتحان میں کوئی پوزیشن حاصل کرے گا۔ اس کی یہ تمنائے خام حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ کوئی درجہ حاصل کرنے کی بات تو الگ رہی وہ امتحان میں کامیابی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

اس بات کو اس مثال سے بھی سمجھئے کہ ایک کسان صبح سویرے اٹھتا ہے اور اپنے کھیت میں کام شروع کر دیتا ہے، محنت اور جاں فشانی سے ہل چلاتا ہے، وقت پر بیج بوتا ہے، کھیت کو پانی دیتا ہے اور اچھی

طرح اس کی دیکھ بھال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی محنت کا اسے ثمر عطا فرماتا ہے۔ اس کے برعکس ایک کاہل اور سُست کسان فارغ بیٹھا رہتا ہے، اس کا کھیت فصل تو کیا لائے گا، تخم ریزی کے لیے وہ غلّے سے بھی محروم ہو جائے گا۔ اس بات کو ایک عربی شاعر بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتا ہے۔

اِذَا اَنْتَ لَمْ تَزْرَعْ وَاَبْصَرْتَ حَاصِدًا
نَدِمْتَ عَلَى التَّفْرِيْطِ فِىْ زَمَنِ الْبُذْرِ

(جب تو نے کاشت نہ کی ہو اور فصل کاٹنے کے لیے چشم براہ ہو تو تخم ریزی کے زمانے میں غلہ نہ ملنے پر نادم و پشیمان ہوگا۔)

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے وسیع و عریض دنیا امتحان گاہ بنائی ہے، اُسے اس کائنات میں سب سے بہتر بنایا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝﴾ [بنی اسرائیل: ۷۰]

”یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔“

انسان اس فضیلت اور برتری پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرے تو ربّ کائنات کا ہر لمحہ ممنون و احسان مند رہے۔ شکل وصورت میں، عقل وشعور میں، علم و ادب میں، بود و باش میں، رزق و طعام میں کیا وہ اس کائنات کی تمام مخلوقات سے بہتر و افضل نہیں ہے؟ اُس نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فہم و بصیرت اور علم و دانش سے اپنے لیے کتنی سہولتیں اور آسائشیں فراہم کر لی ہیں۔ رہنے سہنے کے لیے آرام دہ مکانات ہیں، چلنے پھرنے کے لیے صاف ستھری شاہراہیں، سیر و سفر کے لیے تیز رفتار سواریاں ہیں، سردی اور گرمی سے بچاؤ کے لیے ہیٹر اور کولر ہیں، اور علاج معالجے کے لیے مؤثر اور مفید ادویات ہیں۔

رب کائنات نے انسان کو ضمیر کی بیداری سے نوازا ہے، جس سے وہ کھرے اور کھوٹے میں، سچ اور جھوٹ میں، حق اور باطل میں امتیاز کر لیتا ہے اور اُسے اختیار دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فہم و بصیرت سے راہ حق کو اپنائے یا پھر خواہشات سے باطل کے راستے کو:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝﴾ [الدھر: ۳]

”ہم نے اُسے راستہ دکھایا ہے، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔“

بس اسی کا نام تو امتحان ہے اور اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس امتحان میں کامیاب ہوتا ہے:

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ [الملك: ۱،۲]

"نہایت ہی بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات) کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت و حیات کی تخلیق فرمائی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے۔"

انسان کے لیے کسی نمونے اور طریقے کی پیروی سہل اور آسان ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں انسانوں میں سے چند اچھے انسانوں کو دوسرں کے لیے قابلِ تقلید بنا دیا۔ انہیں رسول اور نبی کہتے ہیں۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے رب تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا کیا اور انہوں نے لوگوں کو بھی اُسی کی طرف بلایا:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾

[النحل: ۳۶]

"اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (اور اُس کے ذریعے سب کو خبردار کیا) کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (ہر سرکش اور باغی خواہ شیطان ہو یا انسان) کی بندگی سے بچو۔"

خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ نسل انسانیت کے لیے نمونہ ٹھہری، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ [الاعراف: ۱۵۸]

"اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے پس تم لوگ اللہ پر اور اُس کے رسول نبی امّی پر ایمان لاؤ جو خود اللہ اور اُس کے کلام پر ایمان رکھتا ہے اور اُس کی اتباع کرو تاکہ تم راہ یاب ہو جاؤ۔"

یہ وہ واضح اور روشن دستور حیات ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا " کہ اس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔ اس پاکیزہ دستور حیات سے وہی منہ موڑ سکتا ہے جس نے اپنے

نفس کو احمق بنا لیا ہو۔

﴿ وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ﴾ [البقرة:۱۳۱]

''اور ملّتِ ابراہیمی سے، سوائے اُس آدمی کے بھلا اور کون اِعراض کرسکتا ہے جس نے اپنے آپ کو احمق بنایا ؟''

ایسا ہی احمق اور اجڈ شخص اپنی خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے ۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ افراد اور قوموں میں خواہشات کی پیروی ہی گمراہی اور تباہی کا باعث ہوتی ہے۔

﴿ اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ﴾ [الجاثیہ: ۲۳]

''کیا آپ نے اُس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اُسے حق بات کا علم ہوجانے کے باوجود گمراہ کر دیا اور اُس کے کان اور دِل پر مہر لگا دی اور اُس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ، ایسے آدمی کو اللہ کے بعد کون راہ دکھا سکتا ہے؟''

اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ حق وصداقت سے قطعی طور پر منہ موڑ لیتے ہیں اور سچائی کو قبول کرنے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہیں ہوتے ہیں، بلکہ اُس کی مخالفت پر کمر کس لیتے ہیں، اُن کے کانوں اور دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ حق بات قبول کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں، ہاں جو لوگ ذرا بھی نیکی کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں، اُن کی مہر ٹوٹ جاتی ہے اور اللہ کی طرف سے اُن کے لیے ہدایت اور روشنی کا سرو سامان ہو جاتا ہے۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی سے بڑھ کر شاید کوئی گمراہی نہیں ہے، قرآن حکیم نے اس کی طرف اس طرح توجہ دلائی ہے۔

﴿ وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيۡرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ﴾ [القصص: ۵۰]

''اور اُس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے۔''

ایسا شخص ہی نفس کا غلام اور اسیر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے جھوٹی امیدیں لگاتا ہے، حالانکہ اُسے جاننا چاہیے کہ اللہ نے اپنی رحمت ان لوگوں کے لیے مقرر کی ہے جو پرہیز گار ہیں، اُس سے ڈرتے ہیں، صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں اور اسوۂ رسول ﷺ کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بناتے ہیں۔

آج بحیثیت مجموعی امتِ مسلمہ خواہشات کی غلام بن چکی ہے، قرآن و سنت کی روشن ہدایت سے

کہیں دور جا پڑی ہے، قرآن حکیم نے کتنے واشگاف الفاظ میں کہا ہے:

﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ [المائدة:٥٥،٥٦]

''تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اس حال میں کہ (ان کی پیشانیاں رب کریم) کے در پر جھکی رہتی ہیں اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستی رکھے گا سو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔''

مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے حکمرانوں کی دوستی کن لوگوں سے ہے؟ اور دوستی کے پردے میں کن لوگوں کو نقصان پہنچ رہا ہے، فلسطین کے مسلمانوں کی زبوں حالی سے کون واقف نہیں ہے، کشمیریوں پر ظلم وستم کی داستان بڑی طویل ہے، چیچنیا کے مسلمان گہری سازش کا شکار ہیں، افغانستان پر کیا کچھ نہ ہوا؟ اور اب عراق کو تختہ مشق بنانے کی تیاریاں ہیں، قرآن کا یہ فیصلہ اپنی جگہ آج بھی اٹل ہے:

﴿ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ ﴾ [البقرة: ١٢٠]

''اور اگر تم نے اُس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے ان (یہود و نصاریٰ) کی خواہشات کی پیروی کی، تو اللہ کی طرف سے آپ کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہوگا۔''

یہ حقیقت ہے کہ ہم اس وقت اللہ کی حمایت اور مدد سے محروم ہو چکے ہیں کیونکہ ہم نے اس کے قانون کو توڑا ہے اور خواہشات نفس کے پجاری بنے بیٹھے ہیں۔ کیا ایسا تو نہیں کہ ہم نے دنیا اور آخرت کے خسارے کا سودا کیا ہو؟

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ قَائِمًا وَّاحْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ رَاقِدًا وَلَا تُشْمِتْ بِيْ عَدُوًّا وَّ لَا حَاسِدًا ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ »

''اے اللہ مجھے اٹھتے، بیٹھتے اور جاگتے اسلام ہی پر قائم رکھیے اور کسی دشمن اور کسی حاسد کو مجھ

پر طعنہ کا موقع نہ دیجیے، الٰہی میں آپ سے وہ سب بھلائیاں مانگتا ہوں جن کے خزانے آپ کے ہاتھ میں ہیں، الٰہی ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں ہر شر سے جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

تربیت نفس

رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے یہ دعاء بھی تھی۔

« اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا۔ »

[الحزب المقبول]

"اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما اور اس کا تزکیہ فرما تو ہی بہتر تزکیہ فرما سکتا ہے۔ تو ہی اس کا مالک ہے اور تو ہی اس کا مددگار ہے۔"

لغت: لفظ تربیت کا مادہ ربا یربو ہے جس کا معنی بڑھنا، زیادہ ہونا اور نشوونما پانا ہے۔ اسی سے محاورہ "ربی الولد" یعنی لڑکے کی پرورش کرنا، پالنا، تعلیم و تربیت دینا اور نگہداشت کرنا ہے۔

[القاموس الفرید، مولانا وحید الزمان کیرانوی]

تربیت: پرورش، پرداخت، تعلیم و تہذیب، تعلیم اخلاق۔ [فیروز اللغات]

نفس: نفس عربی زبان میں متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ دل، روح، کشائش، فراخی اور جان کے لیے آتا ہے مگر آج کی مجلس میں میرا موضوع سخن تربیت نفس ہے اس سے مراد دل ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ [البقرۃ: ۲۳۵]

"اور جان لو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ اللہ کو سب معلوم ہے۔" [مفردات القرآن۔ امام راغب اصفہانی]

نفس کو تین اہم قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

۱ ...... نفس امّارہ　۲ ...... نفس لوّامہ　۳ ...... نفس مطمئنّہ

نفس امّارہ:

برائی کی طرف مائل کرنے والا نفس جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ﴾

[یوسف۔ آیت ۵۳]

"اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا کیوں کہ نفس تو (انسان کو) برائی ہی سکھاتا ہے بجز

اس (نفس) کے جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے۔

نفس لوّامہ:

گناہ سرزد ہونے کے بعد اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے والا نفس، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ ﴾ [القیمۃ:۱-۲]

''میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں''، اور میں قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو برائی پر ملامت کرے (کہ موت کے بعد زندہ کیا جانا ایک امر واقعی ہے)

نفس لوامہ کو انسان کی تربیت میں بڑا دخل ہے۔ یہی اسے غلطیوں پر نادم اور شرمسار ہونا سکھاتا ہے اور رفتہ رفتہ نفسِ مطمئنہ کا درجہ اختیار کر لیتا ہے اور جو اسے بالآخر فوز وفلاح سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

نفس مطمئنّہ:

حکم الٰہی پر چلنے والا نفس جو بری باتوں سے پاک وصاف رہے اور رب تعالیٰ کی رضا پر قانع اور پرسکون رہے۔ یہی قرآن کا پسندیدہ اور مطلوب نفس ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ يَآ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ ﴾ [الفجر ۲۸ تا ۳۰]

''اے نفس مطمئن، لوٹ چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ شامل ہوجا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہوجا میری جنت میں۔''

جس طرح کسی چمن کی ٹھیک ٹھیک آبیاری اور نگرانی کی جاتی ہے اور وہ پھلتا پھولتا، سرسبز وشاداب ہوجاتا ہے۔ اسی طرح نفس بھی محنت وریاضت، احتساب اور نگہداشت سے تندرست وتوانا رہتا ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ محنت شاقہ اور مسلسل تربیت سے نفس امارہ سے نفس مطمئنہ میں تبدیل ہوجائے کیونکہ رب کریم کا وعدہ ہے۔

﴿ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ [العنکبوت۔۶۹]

''اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے۔ ان کی ہم اپنی راہوں تک ضرور بالضرور رہنمائی کریں گے۔''

اسلام اور اس کی پاکیزہ تعلیمات اصلاحِ نفس کا بہترین حل ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان ویقین اور ہمیشہ اس سے خوف وخشیت اور روزِ جزا اس کے حضور جوابدہی کا ڈر تربیت نفس کا بہترین سروسامان ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝ ﴾ [الملك:١٢]

''بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے (اللہ کی طرف سے) بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

اسلامی عبادات پر غور کیجیے کہ ان کی ادائیگی سے نفسِ انسانی کس طرح سدھرتا اور نکھرتا رہتا ہے خشوع وخضوع سے ادائیگی نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے نجات کا سامان بنتی ہے۔

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ﴾ [العنکبوت۔٤٥]

''بلاشبہ نماز (لوگوں کو) بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔''

تقویٰ وطہارت روزہ کے ثمرات ہیں۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ [البقرہ۔١٨٣]

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے کہ ان پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔(نفس امارہ سے نکل کر نفس مطمئنہ میں داخل ہو جاؤ۔)

زکوٰۃ سے نفس حرص و بخل سے پاک ہو جاتا ہے۔

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَکِّیْهِمْ بِهَا ﴾ [التوبة۔١٠٣]

''آپ ان کے مال میں سے صدقہ لیں کہ اس سے آپ ان کو (حرص و بخل) سے پاک اور صاف فرمائیں (اور وہ زندگی کی پاکیزہ شاہراہ پر چل پڑیں)

حج بھی توشئہ پرہیز گاری کا سروسامان مہیا کرتا ہے۔

﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ﴾ [البقرہ۔آیت١٩٧]

''اور زادِ راہ (ضرور) لے لیا کرو (اور اس طرح نہ نکلو کہ راستہ بھر بھیک مانگتے جاؤ اور یاد رکھو) کہ سب سے بہتر توشہ تقویٰ ہے۔''

پھر تربیت نفس کے لیے انسان کو صبح وشام بہت سے مواقع پیش آتے ہیں۔بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، بیماروں کی تیمارداری، پڑوسیوں کی خدمت، ناداروں کی مدد، بیواؤں اور یتیموں کی سرپرستی، خدمت خلق اور ایسے کتنے ہی نیکی کے کام ہیں جو تربیت نفس کے لیے کارگر ثابت ہوتے ہیں۔

جہاں نفس بے لگام ہوتا ہے اسلام اس کا فوری حل تجویز کرتا ہے نفس میں اگر غصہ آجائے اور مشتعل ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''غصہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ کو پانی ٹھنڈا کرتا ہے تو جس کو

غصہ آجائے اس کو چاہیے کہ وضو کرے۔سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو غصہ آجائے وہ اگر کھڑا ہے تو چاہیے کہ بیٹھ جائے اگر اس سے بھی کم نہ ہوتو چاہیے کہ وہ لیٹ جائے۔'' [سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ج:٦]

پھر تربیت نفس کے لیے نیک لوگوں کی ہم نشینی کو تجویز کیا گیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے،اس لیے ہر شخص کو دیکھ لینا چاہے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔'' پھر فرمایا کہ اچھے ہم نشین کی مثال مشک بیچنے والے اور لوہار کی بھٹی کی ہے۔مشک بیچنے والے سے تم کو کچھ فائدہ ضرور پہنچے گا یا اس کو خریدو گے یا اس کی خوشبو پاؤ گے۔لیکن لوہار کی بھٹی تمہارا کپڑا جلائے گی یا تمہارے دماغ میں اس کی ناگوار بو پہنچے گی۔'' [بخاری،کتاب البیوع]

سعدی شیرازی کہتے ہیں ؎

صحبتِ　صالح　ترا　صالح　کُند
صحبتِ　طالع　ترا　طالع　کند

حقیقت تو یہ ہے کہ نفس کی اصلاح سے ہی پورے جسم کی اصلاح ہے اور نفس کے بگاڑ سے ہی پورے جسم کا بگاڑ ہے۔اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

''جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔اگر وہ ٹھیک رہے تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے۔اگر اس میں بگاڑ پیدا ہوجائے تو پورے جسم میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے۔ جان لو کہ وہ دل ہے۔''

اور شاید برے نفس سے زیادہ کوئی موذی اور تکلیف دہ چیز دنیا میں نہیں ہے۔ اسے زیر کرنا ہی جوانمردی اور بہادری ہے ؎

نہنگ　واژدھا　وشیر　نر　مارا　تو　کیا　مارا
بڑے　موذی　کو　مارا　نفس　امارہ　کو　گر　مارا

اے رب کریم !ہم تیرے عاجز وناتواں بندے ہیں۔اور صرف تیرے ہی حضور تجھ سے فریاد کرتے ہیں۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ رَحمَتَكَ نَرجُوا فَلَا تَكِلنَا اِلٰى اَنفُسِنَا طَرفَةَ عَينٍ وَاَصلِح لَنَا شَأنَنَا كُلَّهٗ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ›› آمین یا رب العالمین

"اے اللہ ہم آپ کی رحمت کے امیدوار ہیں آپ ہم کو ایک پل کے لیے بھی ہمارے نفس کے حوالے نہ کرنا اور ہمارے سب احوال کی اصلاح فرمایئے آپ کے علاوہ ہمارا کوئی معبود برحق نہیں۔"

نیک اور بری مجلس کے اثرات

وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ‹‹ إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَجَلِیْسِ السُّوْءِ کَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِیْرِ: فَحَامِلُ الْمِسْكِ اِمَّا اَنْ یُّحْذِیَكَ وَاِمَّا اَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِیْحًا طَیِّبَةً وَنَافِخُ الْكِیْرِ اِمَّا اَنْ یُّحْرِقَ ثِیَابَكَ و اِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِیْحًا مُنْتِنَةً ››[متفق علیه ، مشکوٰۃ ، باب الحب فی اللّٰہ]

"ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اچھے اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشک فروش (خوشبو بیچنے والا) اور بھٹی پھونکنے والا ہو۔ مشک فروش یا تمہیں مشک ہدیہ کردے گا یا تم اس سے خرید لوگے یا (یہ دونوں صورتیں نہ ہوں کم از کم) تم اس کی اچھی خوشبو سونگھ لو گے اور بھٹی پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا پھر تم اس کے پاس سے بدبودار بو ہی پاؤ گے۔"

جس طرح پاکیزہ غذا، صاف ستھری آب و ہوا، شفاف اور تازہ پانی جسمانی صحت کے لیے ضروری ہے اسی طرح نیک اور اچھے لوگوں کی رفاقت، ابرار و صالحین کی ہم نشینی روحانی صحت کے لیے ضروری ہے۔ اور بہترین انسان وہی ہوتا ہے جس کا جسم اگر تنومند اور توانا ہے تو روح بھی فرحاں و شاداں ہو۔

آپ ایک ایسے چمن سے گزرتے ہیں جو رنگ برنگ پھولوں سے سجا ہوا ہے تو آپ کا دل و دماغ ان کی بو باس سے معطر ہو جائے گا اور جی چاہے گا کہ وہیں ٹھہر جائیں اور اگر کسی گندگی کے ڈھیر سے گزرنے کا اتفاق ہو تو دماغ پھٹنے لگتا ہے اور سانس روک کر آپ وہاں سے بھاگ نکلتے ہیں اسی طرح اچھی اور بری دوستی، نیک اور بد مجلس کی مثال ہے۔ اچھی دوستی پھولوں کی طرح چہکتی اور مہکتی ہے۔ جب کہ بری دوستی گندگی کے ڈھیر کی مانند، ذہن و فکر میں سڑاند اور غلاظت پیدا کرتی ہے۔ یاد رکھیے پھولوں

میں بسی ہوئی مٹی سے بھی خوشبو آنے لگتی ہے اور غلاظت کے ڈھیر میں پھول بھی بدنام ہو جاتے ہیں اور اپنی خوشبو کھو دیتے ہیں۔ سعدی شیرازی نے گلستان میں ایک عجیب وغریب حکایت لکھی ہے کہ انھیں اپنے دوست سے مٹی کی ایسی ڈلی ملی جو خوشبو دار تھی۔ پھر اس سے کس طرح مخاطب ہوئے اور مٹی نے زبانِ حال سے کیا جواب دیا۔ سنیے:

گلے خوشبوے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری؟
کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اس کا اُردو ترجمہ کسی نے بڑی خوب صورتی سے اشعار ہی میں کر دیا ہے:

اک مہرباں سے خاکِ معطر ملی مجھے
اک روز جب حمام میں تھا میں نہا رہا
پوچھا جو میں نے اس سے تو ہے مشک یا عبیر
تیری مہک نے آج مجھے مست کر دیا
بولی کہ ، میں تو مٹی ہی ناچیز تھی، مگر
پھولوں کی ہم نشینی کا موقع مجھے ملا
یہ سب اثر ہے پھول کی صحبت کا اے ندیم
ورنہ میں خاک ہوں مجھے خوشبو سے واسطا ؟

اس لیے دوست اور مجلس کے انتخاب میں بڑے حزم واحتیاط کی ضرورت ہوتی ہے نہ تو ہر دوست اچھا ہوتا ہے اور نہ ہی ہر مجلس بابرکت ہوتی ہے ، اچھے دوست کی رفاقت اور اچھی مجلس میں بیٹھنے سے انشراحِ صدر ہوتا ہے۔ دل کلی کی طرح کِھل جاتا ہے نیکیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ روزِ جزا وسزا برے لوگوں کی ہم نشینی کا انسان کو زبردست صدمہ ہوگا۔ مگر سوائے رنج اور غم کے اور

کچھ فائدہ نہ ہوگا:

﴿ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ ﴾ [الفرقان:۲۷-۲۹]

''اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا، کاش! میں نے رسول کے ساتھ ہی اپنا راستہ بنایا ہوتا (کہ یہ رفاقت جنت کی راہ تھی) کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا (کہ اس کا راستہ گمراہی اور جہنم کا تھا) اس نے تو میرے پاس نصیحت آجانے کے بعد مجھے بہکا دیا اور شیطان (اور اس کا ہمنوا) تو انسان کو مصیبت پڑنے پر چھوڑ جانے والا ہے۔''

اس دنیا میں شیطان اور اس کا ہر ساتھی (جنوں اور انسانوں میں سے) نت نئے طریقوں سے بہکاتے ہیں، خوشنما حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ سبز باغ دکھاتے ہیں۔ نئی نئی راہوں سے آتے ہیں اور یہ نادان انسان ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر گمراہ ہو جاتے ہیں ہاں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے لَو لگائے رکھیں اور اس کا در نہ چھوڑیں اور ہر لمحہ اور ہر وقت اس کی مدد کا سہارا لیں تو یقیناً ان شیاطین کی تمام شرارتیں رائیگاں جائیں اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو حسرت و افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور شیطان روزِ جزا مُکر جائے گا۔

﴿ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ ﴾ [ق: ۲۷]

''اس کا ساتھی شیطان کہے گا: اے ہمارے رب میں نے تو اس کو شرارت پر نہیں ڈالا یہ تو خود راہ کو بھولا ہوا دُور پڑا تھا۔ (حقیقت یہ ہے کہ اس نے رب کی آیات پر کان ہی نہ دھرا تھا۔''

زندگی کی قدر و قیمت طولانی عمر سے نہیں بلکہ نیک اعمال سے پڑتی ہے اور اس کی ترغیب اچھے لوگوں کے میل ملاقات سے ہوتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اگر آپ نیک ہیں تو اس کے اثرات آپ کے ہمسایوں پر پڑیں گے اور چراغ سے چراغ جلتا ہے وہ اثرات آگے پھیلتے جاتے ہیں کیا خوب کسی نے کہا ہے:

کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف باطن کی
ہوئی آتش سے گل کی بیٹھنے رشک شرر شبنم

اس کی شاعرانہ تاویل یوں سمجھ لیجیے کہ شبنم کا مزاج بجائے خود سرد ہے اور رنگ بھی سفید لیکن جب وہ پھول سے ہمکنار ہوئی تو آتشِ گل یعنی پھول کی سرخی سے اس کا رنگ بھی بدل گیا۔اور وہ سراپا سوز محبت بن گئی۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 اِیَّاکَ وَقَرِیْنَ السُّوْءِ فَاِنَّکَ تُعْرَفُ بِہٖ 》 [بحوالہ تربیۃ الاولاد فی الاسلام۔شیخ عبداللہ ناصح علوان]

"برے ساتھی سے بچو اس لیے کہ تم اسی کے ذریعے سے پہچانے جاتے ہو۔"

کتاب کے مصنف جناب شیخ عبداللہ ناصح لکھتے ہیں:

"بچوں کو بگاڑنے اور خراب کرنے میں سب سے بڑا سبب بُری صحبت اور بدکردار ساتھی ہوتے ہیں اور خاص طور سے اگر بچہ بیوقوف، سیدھا سادھا، لا اُبالی اور عقیدہ کا کم زور ہو تو خراب مجالس اور بدکردار لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے متاثر ہو کر ان کی گندی عادات اور برے اخلاق اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ عادات اس میں پختہ ہوتی جاتی ہیں اور اسے گمراہی کی دلدل اور ہلاکت کے کنویں سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

فاضل مصنف اصلاح وتربیت کا حل یہ پیش کرتے ہیں کہ:

"والدین اور مربیّ حضرات (اساتذہ بھی اس میں شامل ہیں) اپنی اولاد اور بچوں پر کڑی نگرانی رکھیں بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں تو انھیں اس بات کی خبر رکھنی چاہیے کہ وہ کہاں اٹھتے بیٹھتے ہیں کہاں صبح و شام گزارتے ہیں؟ اور کن کن جگہوں میں ان کا آنا جانا رہتا ہے ان کے لیے اچھے رفقاء تلاش کریں اور انھیں نصائح اور تنبیہات سے چوکس رکھیں۔

قرآن و حدیث کی زرّیں ہدایات روشن اور واضح ہیں اور اہل علم وبصیرت کی رہبری بھی ہمارے لیے سرمہ بصیرت ہے مگر کیا کیجیے جب ہر طرف اندھیرا چھا رہا ہو تو ایک شریف انسان سر پیٹ کے رہ جاتا ہے سکولوں اور کالجوں کا ماحول خراب، گلی کوچوں کی فضا مسموم، سڑکوں اور بازاروں میں فحاشی اور عریانی اخبارات، سینماؤں کی فحش تصاویر سے بھرے ہوئے، ٹی وی پر کھلم کھلا بے حیائی کا پرچار، کتب خانوں میں غلط قسم کے ناول کی اشاعت اور ان پر نہ کوئی پابندی اور قدغن۔ یہ طوفانِ بدتمیزی ہر سو پھیلا ہوا ہے اور اس میں بڑے بڑے اچھے گھرانوں کے بچے بہکے جا رہے ہیں۔ اس نازک صورتِ حال کی

فکر کس کو ہے؟

معاشرتی برائیوں کی روک تھام اور قانون و اخلاق کی نگہبانی کرنے والا سب سے بڑا ادارہ حکومت ہے اور یہ بات سب کے علم میں ہے کہ پاکستان کے گذشتہ اٹھاون برس میں سیاسی میدان جوڑ توڑ کا اکھاڑا بنا رہا ہے اور ملک کو صالح قیادت نصیب نہیں ہوئی جس کے سبب تنزل کے اس عمیق کنوئیں میں جا گرے ہیں کیا اسی میں سسک سسک کردم توڑ دیں اور اس سے نکلنے کا کوئی مداوا نہ کریں؟ مسلمان کے نزدیک مایوسی کفر ہے، جب تک سانس ہے تب تک آس ہے وہ تیرہ و تاریک ماحول میں بھی ہمت نہیں ہارتا، اورزندگی کے آخری لمحہ تک کوشش کیے جاتا ہے۔

میرے نزدیک سرِ دست اس کا حل یہ ہے کہ اصحابِ علم و دانش سر جوڑ لیں تو محلّہ وار بچوں اور نوجوانوں کی اصلاح وتربیت کے لیے کمیٹیاں بنائی جائیں جن کے اراکین قوم کے ان فرزندوں کے پاس پہنچ کر انھیں سمجھائیں بجھائیں، والدین اور اساتذہ کو بھی اس طرف توجہ دینی چاہیے ہر محلّہ کی مسجد کے خطیب اورامام بھی اس میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں وہ بچوں اور نوجوانوں سے ان کے گھروں اورمیدانوں میں جا کر رابطہ کریں اور جمعۃ المبارک کے خطبات میں صلہ رحمی و اخلاقی پہلوؤں کو نمایاں کریں۔

دعاء و التجاء:

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیۤ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاكِیْنِ، وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ، وَاِذَا اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً، فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ، وَّاَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ»

”اے اللہ! میں آپ سے نیک کام کرنے اور بُرے کام چھوڑنے کی توفیق چاہتا ہوں، مجھے غربا و مساکین سے بھی انس کی توفیق عطا فرمایئے، مجھے بخش دیجیے اور مجھ پر رحم فرمایئے اور جب آپ کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنا چاہیں تو مجھے اس آزمائش میں ڈالے بغیر ہی (دنیا سے) اٹھالیجیے اور میں سوالی ہوں آپ سے آپ کی محبت کا اور ہر اس شخص کی محبت کا جو آپ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت کا جو مجھے آپ کی محبت کے قریب کردے۔“

تزکیۂ نفس

عَنْ اَبِیْ یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « اَلْكَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ الْاَمَانِیَّ » [رواہ الترمذی، و الحدیث حسن ،ریاض الصالحین باب المراقبہ]

''سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور آخرت کے لیے اعمالِ صالحہ میں کوشاں رہے اور پیچھے رہنے والا (فاتر العقل) وہ ہے جو خواہشاتِ نفس کا شکار ہو جائے اور (پھر بھی) اللہ سے بڑی بڑی امیدیں لگائے بیٹھا رہے۔''

''تزکیہ'' کا لغوی مفہوم کسی چیز کو صاف ستھرا بنانا، اس کو نشو و نما دینا، پروان چڑھانا اور پھلنے پھولنے دینا ہے جب کہ اس کا اصطلاحی مفہوم بھی کچھ اس کے قریب ہے یعنی نفس کو غلط رجحانات اور میلانات سے موڑ کر طہارتِ فکر اور خشیت الٰہی سے آراستہ کر کے نیک اعمال کے ذریعہ اسے درجۂ کمال تک پہنچانا ہے۔

عربی زبان کا محاورہ ''الزّرع یزکو'' کھیتی کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے لیے بولا جاتا ہے اسی سے زکوٰۃ کا لفظ مشتق ہے یعنی وہ حصہ جو مال سے رضائے الٰہی کے لیے فقراء و مساکین کو دیا جاتا ہے اس میں برکت کی امید ہوتی ہے یا اس لیے کہ اس سے نفس پاکیزہ ہوتا ہے۔

تزکیہ نفس سے ہی انسان دنیا میں اوصاف حمیدہ کا مستحق ہوتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب بھی اسی کی بدولت حاصل ہوگا۔ اور تزکیہ نفس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ان باتوں کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہو جائے جن سے طہارتِ نفس حاصل ہوتی ہے۔

اب رہا یہ کہ طہارت نفس کا حصول کیسے ممکن ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اپنے آپ کو شریعت کے اوامر و نواہی کا پابند بنایا جائے۔ وہ تمام امور جنھیں قرآن و سنت میں کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی پابندی کی جائے اور ان تمام کاموں سے رک جائیں جس سے رکنے کے لیے کہا گیا ہے۔

اسلامی زندگی کے دو اہم شعبے ہیں...... حقوق اللہ اور حقوق العباد اور یہ دونوں شعبے زندگی کو متوازن اور معتدل بناتے ہیں۔ مثلاً نماز کا قائم کرنا اللہ کا حق ہے تو اہل خانہ کی خدمت بندوں کا حق ہے ماہ رمضان میں روزہ رکھنا اللہ کا حق ہے تو فقراء و مساکین کی خدمت، پڑوسیوں سے حسن سلوک، یتامیٰ کی خبر گیری، بڑوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت وغیرہ بندوں کا حق ہے اور جب تک ان دونوں شعبوں کو ٹھیک ٹھیک سرانجام نہ دیا جائے طہارت نفس کا حصول مشکل ہی نہیں ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک نفس

پاکیزہ نہ ہو تزکیہ کا حاصل ہونا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔

"نفس" عربی زبان کا لفظ ہے اور لغت میں اس کے متعدد معانی آتے ہیں ۔آج کی گفتگو میں نفس سے مراد قلب اور ضمیر ہے جیسا کہ حدیث مبارک میں جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

"سن لو! جسمِ انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو جائے تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے اور وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے سن لو وہ دل ہے ۔

« اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ ، اَلَا وَ هِيَ الْقَلْبُ »

[مسلم، شرح النووی]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی اصلاح پہلے اندر سے شروع ہوتی ہے اور اس کا مرکزی مقام دل ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں ایمان کی آبیاری ہوتی ہے تقویٰ کا بیج بویا جاتا ہے نیت درست کی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہو جاتا ہے اسی لیے ایک موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کر کے فرمایا:

« اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَ يُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ »

"یعنی تقویٰ کا مرکز یہ دل ہے تقوی کا سرچشمہ یہ دل ہے۔"

اور جب تک دل کو کفر اور شرک سے ،نفاق اور حسد سے غیبت اور جھوٹ سے ،ریاکاری اور ظاہر داری جیسی بیماریوں سے پاک کر کے اس میں توحید اور خلوص ، اطاعت اور محبت صدق اور امانت جیسی نیکیوں کا بیج نہ بویا جائے اور اس کی مسلسل حفاظت اور آبیاری نہ کی جائے تو نہ تزکیہ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی فوز و فلاح کی امید کی جاسکتی ہے ۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ ﴾ [الاعلیٰ: ۱۴-۱۵]

"یقیناً وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا۔(تزکیہ کر لیا) اور اپنے رب کا ذکر کیا پھر نماز ادا کی۔"

قرآن نے اس نفس کی تین اقسام بتائی ہیں۔ نفس امّارہ، نفس لوّامہ اور نفس مطمئنہ۔

نفس امارہ ایسا نفس ہے جو انسان کو برائیوں پر اکساتا ہے جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢبِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ﴾

[سورة یوسف: ۵۳]

"اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیوں کہ نفس تو اکثر برائی پر اکساتا رہتا ہے مگر جس پر میرے رب کی رحمت ہو(وہ فریبِ نفس سے بچ نکلتا ہے)

بندہ مومن کی عجز اور خاکساری اسی میں ہے کہ وہ گناہوں سے بچنے کے لیے اپنے رب کی رحمت کا سہارا تلاش کرے اور وہ صرف اس کی رحمت اور فضل سے بچ سکتا ہے وگرنہ نفس تو برائیوں پر اکساتا ہی رہتا ہے سورۃ یوسف میں ذکر ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام بھی محض اپنے رب کی رحمت سے معصیت سے کنارہ کش رہے۔ دراصل نفس امارہ سے جنگ سب سے بڑی عظمت ہے کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے:

بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا

اور کبھی بھی کسی اچھے شخص کو اپنی پاکیزگی اور اچھائی پر غرور نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر نیکی اور اچھائی جس کا صدور اس سے ہو محض اپنے رب کا فضل اور اس کی رحمت خیال کرے اور جو غلطی ہو جائے وہ اپنے نفس کو منسوب کرے اور اس پر اسے ملامت کرے۔

﴿ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴾ [النجم:۳۲]

”پس تم اپنے پاک وصاف ہونے کا دعویٰ نہ کرو، وہی بہتر جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔“

نفس کی دوسری قسم نفس لوامہ ہے انسان جب بھی کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو یہ اسے ملامت کرتا ہے، اسے احساس دلاتا ہے کہ یہ کام شرفِ انسانیت کے خلاف ہے۔اگر کوئی انسان ضمیر کی دستک کو قبول کر کے برائی سے باز رہے اور اس برائی کو پاؤں تلے مسل ڈالے تو وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے اور وہ نفس مطمئنہ کے درجے میں پہنچ جاتا ہے اور اگر وہ نفس لوامہ کی دستک کو نظر انداز کردے تو وہ گناہوں کی دلدل میں پھنس کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔قرآن نے نفس لوامہ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

﴿ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ ﴾ [سورۃ القیامۃ:۲]

”میں روزِ قیامت کی قسم کھاتا ہوں اور میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔“

قسم کے شروع میں لا تاکیدی ہے یعنی ربِ عظیم کی عظمت اور رحمت ہے کہ اس نے انسان کو کھرے اور کھوٹے کی تمیز فرمادی اور اسے یہ قوت بھی ودیعت فرما دی کہ برائی پر اس کا ضمیر متنبہ ہوجاتا ہے اور اسے بچنے کی تاکید کرتا ہے اگر وہ نفس ناصح کی ہدایت پر عمل کرے اور برائی سے بچ نکلے تو اس خوشخبری کو پاتا ہے۔

﴿ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ ﴾ [سورۃ الفجر:۲۷-۳۰]

”اے وہ نفس جس نے (برائیوں سے بچ کر) اطمینان حاصل کر لیا تو اپنے رب کی طرف واپس چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں

میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔“

نظامِ اخلاق کی یہ وہ بلند چوٹی ہے جس پر اسلام اپنے ماننے والوں کو لا کھڑا کرتا ہے مگر ہم ہیں کہ پستی کی طرف بھاگ رہے ہیں اور اسلام کے زرّیں اور پاکیزہ اصولوں سے منہ موڑے بیٹھے ہیں۔

دعاء و التجاء:

《 اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَ زَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا 》

”اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما اور اس کا تزکیہ فرما دے تو ہی بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے تو ہی اس نفس کا کارساز ہے اور تو ہی اس کا نگہبان ہے۔“ آمین

فرائض کی پابندی پر بشارت

وَعَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ أَعْرَابِیًّا أَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! دُلَّنِیْ عَلَى عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ: ((**تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا ، وَتُقِیْمُ الصَّلَاةَ الْمَکْتُوْبَةَ، وَتُؤْتِی الزَّکَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ ، وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ**)) قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا أَزِیْدُ عَلَى هٰذَا، فَلَمَّا وَلّٰی قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((**مَنْ سَرَّهُ اَنْ یَنْظُرَ إِلٰی رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْیَنْظُرْ إِلٰی هٰذَا**)) [رواہ البخاری ومسلم۔ المتجر الرابح، ثواب الصلوات]

”سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتایئے جس پر عمل پیرا ہو کر میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کی عبادت کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نمازوں کی پابندی کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو“ وہ کہنے لگا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے میں اس سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ جب وہ واپس ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہو، وہ اِسے دیکھ لے۔“

اس حدیث مبارک میں اتنی بڑی بشارت ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہے، در اصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ادب اور خاموشی سے بیٹھتے تھے اور اس بات کے انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی اجنبی آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ پوچھے، اور انہیں اس کا جواب مل جائے۔

غور کیجیے کہ شہر سے کہیں دُور گاؤں سے آنے والا دیہاتی کس سادگی اور بھولے پن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس نفاست وعمدگی سے اُس کا جواب دیتے ہیں اور اُس پر کتنے بڑے انعام کی خوش خبری بھی سُنا دیتے ہیں۔

۱۔ توحید ورسالت کا اقرار: توحید کے اقرار سے ایک شخص تمام باطل معبودوں سے نجات پا جاتا ہے،

زندگی یکسوئی اور اطمینان سے ہمکنار ہو جاتی ہے، اُس کا خالق و مالک زندگی کی ہر راہ اور ہر موڑ پر اُس کا رہبر اور مددگار ہوتا ہے، بندہ اپنے مالک کے احکام کی پیروی کر کے دنیا اور آخرت میں کامیابی کی نوید پاتا ہے، وہ بحر و بر اور مشرق و مغرب کے کسی کونے میں چلا جائے، اُسے اپنے مالک کو تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔اِدھر وہ اپنے آقا کو پکارتا ہے اُدھر اسے فوری جواب مل جاتا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾[البقرہ: ۱۸۶]

’’اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو (کہیے) یقیناً میں قریب ہوں، جب دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں دعا قبول کرتا ہوں۔‘‘

’’عبادت‘‘ سے مُراد صرف صوم وصلوٰۃ کی ادائیگی ہی نہیں ہے، بلکہ زندگی کے ہر معاملے اور ہر شعبہ حیات میں اُسی کی اطاعت و بندگی ’’عبادت‘‘ کہلاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ [یوسف: ۴۰]

’’اللہ کے سوا (یہاں) کسی کی فرماں روائی نہیں۔(اس لیے) اُس نے یہی حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو۔‘‘

جب کوئی ’’لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ‘‘ کا سچے دل سے اقرار کر لیتا ہے تو یہ محض زبان سے اقرار نہیں ہوتا بلکہ دِل کی گہرائی سے اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ اب وہ صرف اور صرف اپنے مولا و مالک کا حکم مانے گا، من چاہی زندگی کو خیر باد کہہ کر رب چاہی زندگی گزارے گا۔ یہ تو انفرادی سطح پر ایسا کرے گا اور قومی سطح پر جو لوگ اختیار واقتدار رکھتے ہوئے احکام الٰہی کو نافذ کرنے میں پہلو تہی کرتے ہیں، قرآن اُن کے بارے میں یہ فیصلہ سناتا ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ...... هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ...... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾ [المائدۃ: ۴۴، ۴۵، ۴۷]

’’اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ کافر ...... ظالم ...... نافرمان ہیں۔‘‘

گویا اسلام قبول کرنے کے بعد تمہاری انفرادی زندگی احکام الٰہی کے سانچے میں ڈھل جائے گی اور اگر اسلام کے نام پر کوئی حکومت وجود میں آتی ہے تو اس کے تمام شعبے ...... عدلیہ اور انتظامیہ ...... اسلام کے زرّیں اصولوں کے مطابق کام کریں گے، اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ کافر، ظالم اور نافرمان کے درجے میں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ نقصان اور خسارے میں ہیں۔

کلمۂ طیبہ کے دوسرا جزو ’’مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ‘‘ کو بھی ملایا جائے اور ظاہر ہے کہ اُس کے بغیر تو ایمان مکمل نہیں ہوتا...... تو اُس کا مطلب واضح ہے کہ مسلمانوں کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی واجب الاتباع ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا وہی طریقہ واسلوب مقبولِ بارگاہ ہو گا جو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق ہو گا۔قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾[الحشر: ۷]

''جو کچھ رسول تمہیں دیں، وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اُس سے رُک جاؤ۔''

یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ تا قیامت، مومنوں کے لیے نمونہ ٹھہری۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیْرًا ﴾ [الاحزاب: آیت ۲۱]

''تم لوگوں کے لیے رسول اللہ (ﷺ کی حیات طیبہ) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور وہ کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

پھر مسلمان کی تعریف حدیث مبارک میں اس طرح کی گئی ہے:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ))

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

اور مومن تو نسل اِنسانی کے لیے سایہ رحمت بن جاتا ہے:

((وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ)) ''اور مومن وہ ہے جس سے تمام لوگ امن پا جائیں۔''

کلمۂ شہادت ادا کرنے کے بعد زندگی نئی کروٹ لیتی ہے ایمان ویقین کو طہارت نصیب ہوتی ہے، اخلاق وعادات سنور جاتے ہیں، معاملات اور برتاؤ میں حُسن پیدا ہوتا ہے، کھانے پینے میں حلال وحرام کی پہچان آتی ہے اور نشست وبرخاست دائرہ تہذیب میں داخل ہو جاتے ہیں، اس طرح مسلمان اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے۔

۲۔ نماز: کلمہ توحید کے اقرار کے بعد جب بندہ مومن دن رات میں پانچ بار اپنے رب کے حضور پیش ہوتا ہے اور اپنی جبینِ نیاز اُس کی چوکھٹ پر جھکا دیتا ہے، تو اِس سے نہ صرف اُس کی خطائیں دھلتی رہتی ہیں بلکہ اُس کو مالک سے رہبری اور رہنمائی بھی ملتی رہتی ہے۔ نماز عبد اور اُس کے معبود کے درمیان مسلسل اور متواتر رابطہ ہے، یہ بڑا ہی قیمتی انعام ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے اور اُس سے مناجات کا ذریعہ ہے:

((اِنَّ الْمُصَلِّیُ یُنَاجِیُ رَبَّهٗ)) [الحدیث]

''بلاشبہ نمازی اپنے رب تعالیٰ سے سرگوشیاں کرتا ہے۔''

نماز مسلمانوں کے معاشرتی نظام کا جامع منشور ہے، اُن کی صفوں کو سیدھا رکھنے کا ذریعہ ہے، انہیں متحد اور منظّم رکھنے کا بہترین راستہ ہے، جب امیر وغریب، شاہ وگدا ایک ہی صف میں کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر ربِّ کائنات کے حضور کھڑے ہو جاتے ہیں تو ان کے درمیان سے سارے امتیازات اور حسد و رقابت کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ احسان ومروت کے احساسات نشوونما پاتے ہیں، وہ آپس کے دُکھ درد میں کام آتے ہیں اور کتنا خوبصورت معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ: زکوٰۃ مسلمانوں کی معاشی واقتصادی ناہمواریوں کا حل ہے، یہ امیروں اور دولت مندوں سے اکٹھی کی جاتی ہے اور اُن کے غرباء ومساکین کو دے دی جاتی ہے۔

((تُؤخَذُ مِنْ اَغنِيَاءِ هِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِ هِمْ))
اِس طرح معاشرتی زندگی میں دولت گردش میں رہتی ہے جو بالآ خر قومی خوش حالی کا ذریعہ بنتی ہے۔
﴿ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ﴾ [الحشر: ۷]
'' تاکہ یہ (مال) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔''
اس تقسیم سے مزید فائدہ یہ ہوتا ہے کہ غریبوں کی امیروں کے خلاف نفرت جاتی رہتی ہے، نیز فقرو فاقہ کے دُور ہونے سے معاشرے سے چوری، ڈکیتی ایسے جرائم بھی نابود ہو جاتے ہیں اور ایک فلاحی ریاست وجود میں آ جاتی ہے۔
۴۔ روزہ: رمضان المبارک کے روزے امتِ مسلمہ کی روحانی وجسمانی تربیت کا سروسامان بہم پہنچاتے ہیں، قرآن حکیم نے ایک ہی آیۃ مبارکہ میں اِس ماہ کے ثمرات و برکات سمیٹ دیئے:
﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ [البقرہ: ۱۸۳]
'' اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے اگلوں پر فرض کیے گئے تھے، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔''
''تقویٰ'' ایک ایسا وصف ہے جو کسی فرد میں یا افرادِ قوم میں پیدا ہو جائے تو بہت سی برائیاں بیخ وبُن سے ہی اکھڑ جاتی ہیں، ہر کام سے پہلے بندہ مومن سوچتا ہے کہ اِس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے یا ناراضی؟ وہ ہر اس کام کو اختیار کرتا ہے جس میں اُس کی رضا مندی ہو اور اُس کام کو چھوڑ دیتا ہے جس میں اُس کی ناراضی ہو۔
قارئین محترم! آپ نے غور کیا کہ اسلام کے بنیادی فرائض کی ادائیگی کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ زندگی کو تابندگی عطا کرتے ہیں، اگر انہیں پورے شعور اور توجہ سے ادا کیا جائے تو ان کے بہت دُور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ان سے متصف شخص اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے جس کے لیے جنت کا حصول آسان ہو جاتا ہے اور دنیا میں بھی ایسے افراد سے فلاحی معاشرہ وجود میں آ جاتا ہے۔قرآن حکیم نے مختلف مقامات میں اس بات کی بشارت دی ہے۔
﴿ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ [النساء: ۱۶۲]
'' (رب کریم کا فرمان ہے) اور جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں، اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، انہیں ہم عنقریب اجر عظیم دیں گے۔''
مگر کیا کیجیے کہ خاتم النبیین ﷺ نے مسلمانوں کی دنیا اور آخرت سنوارنے اور بنانے کے لیے کتنا ہی بے خطا اور آسان نسخہ تجویز فرمایا تھا مگر ہم نے ان تمام زرّیں تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے جس کے نتیجے میں ہماری معاشرتی زندگی فتنہ وفساد کا شکار ہو چکی ہے، سلامتی اور امن نے اپنا بوریا بستر لپیٹ لیا ہے، اغیار ہماری زمینوں پر آہستہ آہستہ قدم جما رہے ہیں۔ اس کی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم نے بنیادی فرائض ہی کو چھوڑ رکھا ہے۔

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے! ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

طبع آزاد پہ قیدِ رمضان بھاری ہے! تمھی کہہ دو یہی آئین وفا داری ہے؟

حلم

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَۃِ، اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ»

[متفق علیہ ، ریاض الصالحین، باب الصبر]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''کسی کو پچھاڑ دینا پہلوانی نہیں ہے۔ درحقیقت پہلوان وہی ہے جو غصے کے وقت نفس اپنے قابو میں رکھے۔''
(ضبط نفس ہی طاقت کا مظاہرہ ہے)

لغوی تشریح:

حلم کا معنی نفس اور طبیعت پر ضبط اور قابو رکھنا کہ جب غیظ وغضب کے موقع پر وہ بھڑک اٹھے۔''

[مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی]

حلم، بردباری، برداشت، نرمی، نرم دلی۔[فیروز اللغات]

دراصل اس صفت کا بدرجہ اتم ظہور ربّ کائنات کی ذات میں ہوتا ہے کہ اس کا صفاتی نام حلیم بھی ہے جس کے معنی انتہائی مہربان بردبار کے ہیں وہ اپنے بندوں کی خطاؤں اور غلطیوں سے شب و روز درگزر فرماتا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ ﴾ [آل عمران]

''بے شک اللہ ہی بخشنے والا بردبار ہے۔''

ظاہر ہے کہ بندہ خالق و مالک کی شان کو تو ہرگز نہیں پہنچ سکتا مگر کوشش اور محنت سے اور نفس کی مسلسل نگرانی اور تربیت سے اس میں بردباری اور برداشت کی تھوڑی بہت خوبی پیدا ہوسکتی ہے۔ انبیائے کرام کی تربیت چونکہ براہ راست اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے انسانوں میں سے ان کے اندر یہ خوبی نمایاں دکھائی دیتی ہے۔

قرآن حکیم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے:

﴿ اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ ۝ ﴾ [سورہ ھود:۷۶]

"بے شک ابراہیم، بڑے حلیم، بڑے درد مند اور بڑے نرم دل تھے۔"

ابراہیم علیہ السلام نے جس گھر اور جس بستی میں آنکھ کھولی، پلے بڑھے وہ خالصتاً مشرکانہ ماحول تھا۔ اصنام پرستی اس قوم کی گھٹی میں صدیوں سے رچی بسی تھی پوری قوم میں وہ توحید کے واحد علمبردار تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی دعوت کے لیے منتخب فرمایا: انھوں نے اذیتوں اور مخالفتوں کے باوجود حلم و بردباری سے دعوتِ حق کو بلند کیا۔ مندرجہ بالا آیت میں رب کریم نے اپنے بندے کی اس صفت کو سراہا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا صبر و تحمل اور حلم و بردباری اپنی مثال آپ ہے۔ کلمۃ الحق بلند کرنے پر قریش مکہ نے آپ پر جو ظلم و ستم کیا اور آپ ﷺ نے جواب میں جس حلم و برد باری کا مظاہرہ کیا وہ آپ ہی کا مقام ہے اور جب آپ ﷺ وادی طائف تبلیغ کی غرض سے تشریف لے گئے اور وہاں کے باشندوں نے آپ کے ساتھ نہ صرف سخت کلامی کی بلکہ آپ پر اس قدر سنگ باری کی کہ جسم اطہر لہو میں تر بتر ہو گیا اور خون بہ بہ کر جوتے میں جم گیا اور وضو کے لیے پاؤں سے جوتا نکالنا مشکل ہو گیا اس حال میں ان لوگوں کے لیے لبوں پر ہدایت و مغفرت کی دعائیں جاری و ساری ہو جاتی ہیں۔ اللہ اکبر! پھر رب کائنات کے حضور اپنی بے کسی اور بے بسی کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ جنھیں پڑھ کر آج بھی آنکھیں نم آلود ہو جاتی ہے۔

«اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَّلَّکْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِكَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰکِنْ عَافِیَتُكَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ۔
اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ یَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُكَ اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ!» [رحمة للعالمین ﷺ ج: ۱، قاضی محمد سلیمان منصور پوری]

"الٰہی اپنی کمزوری، بے سرو سامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے ہی سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے کیا کسی بیگانہ ترش رو کے یا کسی دشمن کو میرا معاملہ سونپ دیا جاتا ہے لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔ مگر

تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے میں تیرے نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و دین کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ الٰہی! مجھے اپنے غضب اور خفگی سے محفوظ رکھ، مجھے تیری ہی رضا مندی اور خوشنودی مطلوب ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔''

آپ ﷺ کی نرم دلی اور برد باری دعوت اسلام کو پھیلانے میں موثر ثابت ہوئی اور آپ کے اخلاق حسنہ کو دیکھ کر ہی لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔ قرآن اس کا ذکر یوں کرتا ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

''اللہ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم مزاج واقع ہوئے ہیں اگر آپ تیز مزاج اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے۔''

معلوم ہوا کہ دعوتِ حق پھیلانے میں جہاں علم راسخ کی ضرورت ہے وہاں حلم اور برد باری ایسی صفت کا ہونا بھی لازمی امر ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ جسے آپ دعوت پیش کر رہے ہیں وہ آپ کو کڑوی کسیلی سنا ڈالے مگر اس وقت صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا بلکہ بدی کا جواب نیکی سے دینا اثر سے خالی نہیں ہوتا۔ قرآن اس کی شہادت دیتا ہے۔

﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ ﴾ [حٰمٓ السجدہ: ۳۴]

'' (اے نبی ﷺ) نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہو سکتے، آپ بدی کا جواب اس طریقہ سے دیں جو سب سے اچھا ہو (آپ دیکھیں گے کہ) جس شخص کی آپ کے ساتھ عداوت تھی وہ آپ کا گہرا دوست بن گیا ہے۔

''حلم'' کہنے کو تو چھوٹا سا لفظ ہے لیکن جیسا کہنے میں آسان ہے ویسا ہی عمل کرنے میں مشکل ہے قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''حلم'' عفو و درگزر، رفق و ملاطفت اور صبر و استقلال کے مجموعہ کا نام ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلم کے ساتھ اکثر غفور کا اضافہ کیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ اور کہیں فرمایا: ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ [فاطر: ۴۱]

سیدنا ابراہیم کے وصفِ حلیم میں ''اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ'' کے الفاظ آئے ہیں جس کا معنی دردمند اور نرم دل کے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی تو فرمایا:

﴿ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝﴾ [الصافات:۱۰۱]

"تو ہم نے اسے (ابراہیم کو) بردبار لڑکے (اسماعیل کے پیدا ہونے) کی خوشخبری دی۔"

اسماعیل جب کھیلنے کودنے کی عمر کو پہنچے تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے فرزند کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس کا ذکر اسماعیل سے کیا تو سعادت مند فرزند فوراً بول اٹھا:

﴿ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ [الصافات: ۱۰۲]

"ابا جان! وہی کچھ کیجیے جو آپ کو حکم ہوا ہے، آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔"

معلوم ہوا کہ صبر حلم کا جزو لاینفک ہے یعنی جب تک انسان میں صبر کا مادہ نہ ہو حلم کی صفت پیدا نہیں ہوگی یا اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص میں حلم اور بردباری کی خوبی پیدا ہو جائے تو وہ مشکلات اور مصائب میں صبر کا بھی مظاہرہ کرے گا۔

حلیم شخص اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے اور جب تک وہ لوگوں سے ان کی خطاؤں پر درگزر کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال رہتی ہے اس حدیث پر غور فرمائیے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں وہ صلہ رحمی نہیں کرتے، میں بھلائی کرتا ہوں وہ بدی کرتے ہیں وہ میرے ساتھ جہالت کرتے ہیں میں تحمل کو راہ دیتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: اگر یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو تم ان کے منہ میں گرم راکھ بھرتے ہو اور جب تک اس حالت پر قائم رہو گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد ہوتی رہے گی۔ [سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج:٦]

حلم شرفِ انسانیت کی بہت بڑی فضیلت ہے اس کا حصول، پیہم ریاضت اور مسلسل مشق سے ہے اور یہ سرکش نفس کو زیر کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اس دنیا میں نفس سے بڑھ کر کوئی موذی چیز نہیں ہے اپنے نفس کو لگام دینا کمالِ شرف ہے اور نفس پر قابو پانے کے لیے رب کریم کی رحمت اور اس کا سہارا ہر لمحہ اور ہر لحظہ تلاش کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔

دعاء والتجاء:

《 اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ 》

''اے اللہ میں تیری رحمت کا طلب گار ہوں مجھے میرے نفس کے سپرد آنکھ جھپکنے کے عرصہ کے لیے بھی نہ کر اور میرے تمام احوال کو سنوار دے تیرے سوا میرا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہے۔''

تواضع وانکساری (۱)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ ، وَ مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِّلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ ›› [رواہ مسلم،ریاض الصالحین،باب التواضع]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ صدقہ و خیرات کسی کا مال نہیں گھٹاتا ہے اور جب بندہ کسی کی خطا معاف کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت و مرتبت بڑھاتا ہے اور تواضع کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔''

تواضع کے معنی عاجزی اور خاکساری کے ہیں لیکن ایسا نہیں کہ انسان اپنے رتبہ سے گرجائے بلکہ وہ اپنے مقام اور مرتبہ کو قائم رکھتے ہوئے دوسرے کے ساتھ نرمی اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے اور لطف و محبت کا برتاؤ کرے۔تواضع ، عاجزی اور خاکساری کا نام ہے نہ کہ ذلت اور پستی کا، اوّل الذکر اگر فضیلت ہے تو ثانی الذکر کمزوری۔

چنانچہ علامہ زبیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تواضع اور ذلت میں یہ فرق ہے کہ تواضع اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت، اس کے جلال و جبروت اور محبت و عظمت کے علم اور اپنے نفس کے عیوب و نقائص کے علم سے پیدا ہوتی ہے جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جناب میں انکسارِ قلب اور مخلوق کے حق میں نرمی اور نیاز مندی کے برتاؤ اور سلوک کا نام ہے۔

البتہ جو پستی اور اہانت ، حظِ نفس کی خاطر، خود داری اور عزتِ نفس کو مٹا کر اختیار کی جاتی ہے اس کا نام'' ذلت، ہے اس لیے پہلی صفت'' فضیلت'' ہے اور دوسری'' رذالت'' ہے۔

[اتحاف اسادہ شرح احیاء العلوم جلد:۸،ص:۲۵۰، ایضاً اسلام کا اخلاقی نظام حفظ الرحمن]

اب دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور شان اپنی جگہ مسلّم ہے حکم ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے ساتھ

اور خصوصاً اہل ایمان کے ساتھ فروتنی اور نرمی سے پیش آیئے۔

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ [الشعرآء:۲۱۵]

’’اور ان لوگوں کے ساتھ آپ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ چلیں۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ عجز و خاکساری کا پیکر تھی۔ذرا ان واقعات کو پڑھ کر ہم اپنی زندگیوں پر نظر ڈالیں۔

مخرمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے ایک دفعہ انھوں نے اپنے بیٹے مسور رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس کہیں سے چادریں آئی ہیں اور وہ تقسیم فرما رہے ہیں آؤ ہم بھی چلیں۔وہ جب آئے تو آپ ﷺ گھر تشریف لے جا چکے تھے۔بیٹے سے کہا کہ آواز دو، بیٹے نے عرض کیا کہ میرا یہ رتبہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو آواز دوں؟ مخرمہ نے کہا ، بیٹے ! محمد جبار نہیں ہیں ان کے جرأت دلانے سے مِسور رضی اللہ عنہ نے آواز دی،رسول اللہ ﷺ فوراً نکل آئے اور ان کو دیباج کی قبا عنایت کی جس کی گھنڈیاں زرّیں تھیں۔ [سیرۃ النبیؐ، شبلی نعمانی، ج:۲]

اہل خانہ کے ساتھ آپ ﷺ کے تواضع کا یہ عالم تھا کہ گھر کا کام کاج خود کرتے ، کپڑوں میں پیوند لگاتے ، گھر میں خود جھاڑو دیتے ، بکریوں کا دودھ دوہ لیتے ۔ بازار سے سودا لاتے۔ جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے ۔ غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا اور کھانا کھانے کے لیے سادگی اور عاجزی کی کیفیت یہ تھی کہ آپ اکڑوں (پاؤں کے بل) بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔اور فرمایا کرتے تھے:

’’میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔‘‘

ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی اور لوگ زیادہ آگئے آپ اکڑوں بیٹھ گئے کہ جگہ نکل آئے ایک بدّو بھی مجلس میں شریک تھا، اس نے کہا ، محمد(ﷺ)! یہ کیا طرزِ نشست ہے ؟آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ نے مجھے خاکسار بنایا ہے، جبار اور سرکش نہیں بنایا۔‘‘ اللہ اکبر!

سلام اے آمنہ کے لال اور محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخر نوع انسانی
تیرے آنے سے رونق آگئی گلزار ہستی میں
شریک حال قسمت ہو گیا پھر فضل ربانی

سلام اے صاحب خلقِ عظیم، انسان کو سکھا دیے
یہی اعمال پاکیزہ یہی اشغالِ روحانی
تری صورت ، تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ
تبسّم ،گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

دراصل انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے اور لفظ انسان کا مادہ انس ہے جس کے معنی محبت اور مودّت کے ہیں اور معاشرتی زندگی اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک وہاں مروّت ومحبت کے پھول نہ کھلیں ۔لوگ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں کام نہ آئیں اور آپس میں عجز و خاکساری کا مظاہرہ نہ کریں۔ جناب لقمان رحمہ اللہ اپنے بیٹے کو کئی جامع نصیحتیں کرتے ہیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی۔

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ﴾ [لقمان:۱۸]

''اے بیٹا (ازراہ تکبر) لوگوں سے بے رخی سے بات نہ کرو۔''

عجز و خاکساری انسان کی زینت ہے جب کہ فخر وغرور اس کے لیے ندامت اور شرمندگی ہے۔سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ فروتنی اور تواضع سے پیش آؤ نہ کوئی کسی پر فخر کرے اور نہ سرکشی۔

[مسلم ، ریاض الصالحین ، باب التواضع]

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی انسان کے علم اور عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کا غرور اور پندار بھی بڑھتا ہے اور اس کی تواضع اپنے چھوٹوں کے ساتھ کم ہو جاتی ہے مثلاً انھیں سلام کرنے میں اسے عار محسوس ہوتی ہے ۔ اسلام نے اس غرور کو بھی مٹایا ہے۔

ان واقعات پر غور کیجیے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک ایسی ہی تھی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ کی کوئی لونڈی آتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی۔[بخاری ،ریاض الصالحین، باب التواضع]

دوسروں کو سلام کرنے میں اسلام کی بلند تعلیمات عجز و خاکساری کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ اس طرح کہ گھڑ سوار (یا کسی قسم کی گاڑی کا سوار) پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور باہر سے آنے والا اہل مجلس کو سلام کرے اور اس میں چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز روا نہیں ہے اگرچہ چھوٹوں کو حکم ہے کہ بڑوں کو سلام کریں مگر بڑوں کو ادب سکھانے کی خاطر چھوٹوں کو سلام کرنے سے بھی منع نہیں

کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی خاکساری اور عجز کا کیا ٹھکانہ ہے کہ خطبہ دیتے وقت بھی ایک سائل کو کیسی بردباری سے جواب دیتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

''سیدنا تمیم بن اسید سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا، آپ ﷺ خطبہ فرما رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایک مسافر آدمی ہوں، دین کے متعلق کچھ سوال کرنے آیا ہوں اور مجھے اس کی لاعلمی ہے۔ آپ ﷺ نے خطبہ چھوڑ دیا اور میرے پاس تشریف لائے۔ آپ کے لیے ایک کرسی لائی گئی، آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور مجھے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم سکھانے لگے۔ پھر خطبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے پورا کیا۔'' [مسلم، ریاض الصالحین، باب التواضع]

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مذکورہ سائل کے پاس وقت کی قلت تھی اور وہ اپنا سفر جاری رکھنا چاہتا تھا مگر خطبہ کی حالت میں بھی رحمۃ للعالمین ﷺ کی جبینِ اطہر پر کوئی شکن نہ آیا۔ اور خندہ پیشانی سے اس کی تشفی فرما دی۔

اسلام کی زندہ و تابندہ تعلیمات کے اثرات ہر دور اور ہر زمانہ میں رہے ہیں دورِ تابعین میں اسلامی سلطنت کے فرماں روا جناب عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا تقویٰ اور پرہیز گاری، عدل وانصاف اور رعایا پروری، دیانتداری اور امانت، حلم و بردباری اور تواضع و خاکساری بے مثال تھی اور اس میں رہتی دنیا کے حکمرانوں کے لیے بہترین نمونہ اور سبق ہے ان واقعات کو پڑھیئے۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ رات کو لکھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک مہمان آ گیا۔ چراغ بجھ رہا تھا۔ مہمان چراغ درست کرنے کے لیے جانے لگا تو عمر بن عبد العزیز نے کہا:'' مہمان سے خدمت لینا کرم و شرف کے خلاف ہے''مہمان نے کہا: میں نوکر کو اٹھا دیتا ہوں۔'' عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ ابھی ابھی سویا ہے، اسے اٹھانا مناسب نہیں ہے۔'' چنانچہ خود اٹھے تیل کی بوتل سے چراغ بھر کر روشن کر دیا۔ مہمان نے پوچھا آپ نے یہ کام خود ہی کر لیا ہے؟ فرمایا: میں پہلے بھی عمر تھا اور اب بھی وہی ہوں میرے اندر کوئی بھی کمی نہیں ہوئی اور انسانوں میں اچھا وہ ہے جو اللہ کے ہاں متواضع ہے۔''

جناب عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ استراحت فرما رہے تھے اور خادمہ پنکھا جھل رہی تھی۔ پنکھا جھلتے ہوئے اسے بھی نیند آ گئی اتنے میں عمر کی آنکھ کھلی تو خادمہ کو سوتے پایا۔ فوراً پنکھا اٹھا کر اسے جھلنے لگے۔ خادمہ کی آنکھ کھلی تو وہ سہمنے لگی۔ فرمایا:'' گھبراؤ مت، آخر تم بھی انسان ہو اور تمھیں بھی آرام کی ضرورت ہے۔'' [سیرت عمر بن عبد العزیز، عبد السلام ندوی، ایضاً منہاج المسلم، ابو بکر الجزائری]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے اور وہ ان دنوں مدینہ میں مروان کے قائم مقام تھے اور فرما رہے تھے کہ ''امیر (یعنی ابو ہریرہ خود) آرہا ہے، گزرنے کے لیے راستہ کھلا کردو، اس لیے کہ وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ہے۔'' [منهاج المسلم ، ابوبكر الجزائری]

تواضع اور خاکساری اختیار کرنے والوں کو آخرت میں صلہ اس طرح ملتا ہے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ﴾

[القصص:۸۳]

''وہ (جو) آخرت کا گھر ہے ہم نے ان لوگوں کے لیے بنایا ہے جو زمین میں برتری اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے۔''

اے رب کریم! ایمان کے ساتھ ہمیں بھی عاجزی و خاکساری سے نواز کہ تیری جنت کے حقدار ٹھہریں۔ آمین

دعاء و التجاء:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَ مِنْ دَعْوَةٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا))

''اے اللہ تعالیٰ! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جس میں خشوع وخضوع نہ ہو اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو منظور نہ ہو۔''

تواضع وانکساری (۲)

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا ، وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ)) [رواه مسلم۔رياض الصالحين،باب التواضع وخفض الجناح للمومنين]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ وخیرات کسی کے مال کو کم نہیں کرتا اور معاف کردینے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت کو زیادہ کردیتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع وخاکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتا ہے۔''

لُغت: '' التواضعُ:التذلُّلُ '' [المختار من صحاح اللغته۔للرازی]

''یعنی تواضع ،عجز وانکساری کا نام ہے۔''

مولانا عبدالسلام بستوی اسلامی تعلیم میں تواضع کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''تواضع کے معنی عاجزی وانکساری وفروتنی کے ہیں۔یعنی اپنے کو دوسروں سے چھوٹا سمجھنا اور لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا۔تکبر۔غرور، بڑائی، عجب اور گھمنڈ نہ کرنا''

تواضع اور خاکساری کو قرآن حکیم میں ''خفض جناح'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔خفض جناح یعنی بازو جھکادینا، تواضع وخاکساری سے استعارہ ہے۔جناح، پرندہ کے بازو کو کہتے ہیں۔پرندہ جب زمین پر اترتا ہے یا تھک کر بیٹھنا چاہتاہے تو اپنے بازوؤں کو جھکادیتا ہے۔اس سے یہ استعارہ کیا گیا کہ انسان بھی خاکساری اور فروتنی سے اپنے بازوؤں کو نیچے کرلیتاہے اور تکبر اور ترفع کی بلندی کے بجائے تواضع کی پستی کی طرف اترتا ہے۔

[سیرت النبی ﷺ جلد ششم]

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیتا ہے:

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ ﴾ [الحجر۔۸۸]

''اور تمام مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکادیجیے۔''

(نرمی اور شفقت کا سلوک کیجیے) یہ تو رسول اللہ ﷺ کو حکم تھا عام انسانوں کو فرمایا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ تواضع اور عاجزی سے پیش آئیں!

﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾ [بنی اسرائیل: ۲۴]

''اور ماں باپ کے لیے عاجزی کے بازو محبت سے جھکادو''۔

تواضع وخاکساری کی ضد فخر وغرور ہے۔جسے معاشرتی زندگی میں اسلام کسی طرح بھی پسند نہیں کرتا۔لوگوں سے بے رخی اختیار کرنا۔گفتار اور رفتار میں اِترانا، اور معاملات میں تکبر اور غرور کا اظہار کرنا شرف انسانی کے خلاف باتیں ہیں۔ارشاد ہوتاہے۔

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝﴾ [لقمان۔ آیت ۱۸۔۱۹]

''اور لوگوں سے بے رخی (غرور اور گھمنڈ) سے نہ ملو۔(بلکہ خندہ پیشانی سے بات کرو) اور زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلو، بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والے متکبر کو پسند نہیں فرماتا اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو اور بات کرتے وقت آہستہ اور نرمی سے بولو۔سب سے بری

آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔(انسانی شرف کے خلاف ہے کہ وہ حیوانی سطح پر اتر آئے)

اگر ہماری گفتار میں عاجزی اور شائستگی آجائے۔اور ہماری رفتار میں میانہ روی پیدا ہوجائے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ معاشرتی زندگی میں بہت سے لڑائی جھگڑے اور شاہراہوں پر ہونے والے حادثات میں کمی آسکتی ہے۔اس لیے بیشتر لڑائی جھگڑے اشتعال انگیز گفتگو اور بیشتر حادثات تیز رفتاری کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں۔

تواضع اور ذلت میں فرق:

تواضع اور ذلت میں فرق یہ ہے کہ تواضع اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت،اس کے جلال وجبروت اور محبت کے علم اور اپنے نفس کے عیوب ونقائص کے علم سے پیدا ہوتی ہے جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جناب میں انکسارِ قلب اور مخلوق کے حق میں رحم اور نیاز مندی کے ساتھ جھک جانے کا نام ہے۔

اور جو پستی اور اہانت حظوظِ نفس کی خاطر،خوداری اور عزت نفس کو مٹا کر اختیار کی جاتی ہے اس کا نام ''ذلت'' ہے۔اس لیے پہلی صفت ''فضیلت'' ہے اور دوسری ''رذیلہ'' ہے۔

[علامہ زبیدیؒ۔ اخلاق اور فلسفہ اخلاق مولانا حفظ الرحمن]

اس بات کو جناب رسول اللہ ﷺ نے بڑے پیارے انداز میں سمجھایا ہے۔

« طُوبٰی لِمَنْ تَوَاضَعَ فِیْ غَیْرِ مَسْکَنَةٍ » [رواہ البخاری فی التاریخ ۔اخلاق اور فلسفہ اخلاق]

اس شخص کے لیے بشارت ہے جو نفس کو ذلیل کیے بغیر تواضع کا حامل ہے''

تواضع وخاکساری انسان کی فطرت کی آواز ہے۔اس کا خمیر خاک سے ہوا ہے۔مرنے پر خاک ہی میں جانا ہے۔اور پھر روزِ جزا خاک ہی سے اٹھنا ہے تو اسے خاکساری ہی زیبا ہے۔اسی بات میں اس کی عزت وعظمت ہے۔

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے

انسان کو اس کون ومکان میں دوسری مخلوقات پر جو شرف حاصل ہوا ہے وہ عاجزی وخاکساری کی وجہ سے ہے اور انسانیت کے گل سرسبد جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ تواضع وخاکساری کا بہترین نمونہ ہے۔آپ کسی چیز میں نمایاں اور ممتاز ہونا پسند نہیں فرماتے تھے۔اور نہ ہی آپ اس کو اچھا سمجھتے کہ لوگ آپ کے لیے کھڑے ہوں اور آپ کی مدح وتوصیف میں مبالغہ سے کام لیں جیسے گزشتہ امتوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا تھا۔آپ کی خاکساری اور تواضع کے بہت سے واقعات ہیں اور سیرت نگار اہل علم

نے سیرت کی کتب میں اس پر الگ عنوان قائم کیا ہے۔طوالت کے خوف سے صرف یہ واقعہ درج کرتا ہوں۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے۔میں نے چمڑے کا تکیہ جس میں چھال بھری ہوئی تھی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھ گئے اور تکیہ میرے اور اپنے درمیان رکھ دیا۔[الادب المفرد۔رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم،ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ]

میرے بھائی!اس چند روزہ حیات مستعار کا کیا بھروسہ؟زندگی کے لمحات تارِعنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔کسی لمحہ بھی اس دارفانی سے کوچ کا رب کریم کی طرف سے حکم آسکتا ہے۔اگر ہم عزت کے خواہاں ہیں تو ہمیشہ تواضع اختیار کریں اور کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔

دعاء و التجاء:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الۡاَمۡرِ وَالۡعَزِیۡمَةَ عَلَی الرُّشۡدِ وَاَسۡأَلُكَ شُكۡرَ نِعۡمَتِكَ وَحُسۡنَ عِبَادَتِكَ وَ اَسۡئَلُكَ قَلۡبًا سَلِیۡمًا وَّ لِسَانًا صَادِقًا وَّ اَسۡأَلُكَ مِنۡ خَیۡرِ مَا تَعۡلَمُ وَاَعُوۡذُبِكَ مِنۡ شَرِّ مَا تَعۡلَمُ وَاَسۡتَغۡفِرُكَ لِمَا تَعۡلَمُ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ »

”اے اللہ!میں آپ سے تمام معاملات خیر میں ثابت قدمی کی بھیک مانگتا ہوں اور ہدایت اور راست روی پر مضبوطی سے جمے رہنے کی قوت طلب کرتا ہوں اور میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی نعمتوں پر شکرگزاری کی توفیق اور اپنی عبادت بہترین طریقے سے کرنے کی صلاحیت عطا فرمائیں اور آپ سے قلب سلیم اور سچ بولنے والی زبان طلب کرتا ہوں اور ہر وہ خیر مانگتا ہوں جسے آپ جانتے ہیں اور پناہ مانگتا ہوں ہر اس شر سے جو آپ کے علم میں ہے اور میں ان تمام گناہوں سے معافی کا خواستگار ہوں جو آپ کے علم میں ہیں بلاشبہ آپ ہی ہر غیب کا وسیع علم رکھنے والے ہیں۔“

نرم دلی

وَعَنۡ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهَا قَالَتۡ :قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ :

«اِنَّ اللّٰهَ رَفِیۡقٌ یُحِبُّ الرِّفۡقَ فِی الۡاَمۡرِ كُلِّهٖ »[متفق علیه۔ریاض الصالحین باب الاناة والرفق]

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نرم خو ہے،وہ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتے ہیں“

''رفق'' کا مفہوم یہ ہے کہ معاشرتی زندگی کے آپس میں معاملات میں سختی اور سخت گیری کی بجائے نرمی اور بُردباری اختیار کی جائے۔نرم اور شیریں گفتگو نرم رویہ اور برتاؤ نرمی اور خوش اسلوبی سے اپنے مطالبات منوانا۔نرمی اور خندہ پیشانی سے دوسروں کے سوالات کا جواب دینا کہ ایسا طرز لوگوں کے دلوں کو موہ لیتاہے۔دشمن کو دوست بناتا ہے۔یہاں تک کہ پتھر کو بھی موم کر دیتا ہے۔

اس صفت کا بدرجہ اتم ظہور رب کائنات سے ہوتا ہے کہ وہ بندوں کو ان کی خطاؤں اور گناہوں پر فوری گرفت نہیں کرتا۔انہیں موقع بموقع ڈھیل دیتا ہے۔انہیں اپنی کتابِ مبین میں بار بار سمجھاتا ہے اور انہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ﴾ [شوریٰ:۱۹]

''اللہ اپنے بندوں پر لطف فرماتا ہے''

اللہ تعالیٰ چاہتاہے کہ نرمی اور رحم دلی کا ظہور تھوڑا بہت اس کے بندوں میں بھی ہونا چاہئے کہ یہ ان کی عزت وعظمت کی دلیل ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ [النور:۲۲]

''انہیں چاہئے کہ (اپنے بھائی بند) کو معاف کردیں اور درگزر کریں (ان کے ساتھ نرمی اور مروت کا معاملہ کریں) کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بھی معاف کردے''

بھلا کون ہے جسے اللہ تعالیٰ سے معافی درکار نہیں؟

انسان میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور نرم دلی کا جذبہ اس وقت بیدار ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ کو سامنے رکھتا ہے،کوئی شخص خواہ کتنا ہی آسودہ حال ہو،پھر بھی زندگی کے نشیب وفراز میں کبھی نہ کبھی اسے کوئی کانٹا چبھ ہی جاتا ہے۔کبھی کسی جسمانی ومالی نقصان کو اٹھانا پڑتا ہے اور کبھی کوئی بیماری اور تنگی آگھیرتی ہے۔اس وقت وہ چاہتا ہے کہ اس کا کوئی ہمدرد وغمگسار اٹھے جو اس کے رستے زخموں پر رحم دلی کی مرہم لگائے اور اس کی تسلی وتشفی سے دلجوئی کرے۔ایسے غمخوار کے لئے نبی مکرم ﷺ کی یہ خوش خبری سن لیجئے:

''تین خصلتیں جس شخص میں ہوں گی،اللہ اپنے سایۂ رحمت کو اس پر پھیلا دے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔(اور وہ خصلتیں یہ ہیں)۔کمزور کے ساتھ نرمی کرنا،ماں باپ پر مہربانی اور مروت سے پیش آنا۔اور خادم وغلام پر احسان کرنا۔ [ترمذی ابواب الزھد]

اسی اخلاقی وصف کی تعلیم آپ ﷺ نے دوسرے الفاظ میں یوں دی۔

« اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَنْ يَّحْرُمُ عَلَى النَّارِ اَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ عَلٰى كُلِّ قَرِيْبٍ هَيِّنٍ

سَھْلٍ ›› [ترمذی ابواب الزھد]

''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کون شخص آگ پر حرام ہے اور کس پر آگ حرام ہے۔ ہر اس شخص پر جو لوگوں سے قریب ہو، نرم خو اور آسانی پیدا کرنے والا ہو'' نرم خوئی اور نرم دلی کا پیکر رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک تھی، دعوتِ حق پھیلانے میں آپ ﷺ کو کیا کیا تکلیفیں اور اذیتیں نہ دی گئیں۔ مگر اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں بلکہ کلمۂ خیر اور دعائے سعید سے دیا۔

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

قرآن حکیم آپ کی نرم دلی کی یوں شہادت دیتا ہے۔ اور یہ کیفیت آپ پر رب کریم کا بہت بڑا احسان ہے۔ قرآن اس کی یوں شہادت دیتا ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ [آل عمران۔١٥٩]

''اللہ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم مزاج واقع ہوئے ہیں اگر آپ تند مزاج اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے''

اس آیت مبارکہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ داعی حق کو نرم مزاج ہونا چاہئے ورنہ دعوت وتبلیغ کا اثر رائگاں جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ وہ اپنی حق گوئی میں لوچ لچک پیدا کر دے بلکہ دعوتِ حق پیش کرتے وقت اس کی زبان سے محبت اور مٹھاس کے پھول جھڑنے چاہئیں جیسا کہ سیدنا موسیٰ اور ان کے برادر محترم سیدنا ھارون علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ فرعون جیسے ظالم اور سنگدل بادشاہ کو حق بات پیش کرتے وقت نرم لب ولہجہ اختیار کریں۔

﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ ﴾ [طٰهٰ: ٤٤]

''دیکھو اسے نرم لب ولہجہ میں بات کہنا شاید وہ تمہاری نصیحت قبول کر لے یا ڈر جائے''

قرآن حکیم کی بلند اور پاکیزہ تعلیمات میں داعی کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ تمہارا مخالف اگر سخت اور

درشت بات بھی کرتا ہے تو اس کے جواب میں تم بہتر اور بھلی بات کرو عین ممکن ہے کہ اس کی دشمنی تمہاری دوستی میں تبدیل ہوجائے۔اس آیۃ مبارکہ پر غور کیجئے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴾ [حمٓ السجدة: ٣٤]

''(اے نبی ﷺ) نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہوسکتے آپ بدی کا ایسی بات سے دفاع کیجئے جو اچھی ہو (آپ دیکھیں گے کہ) جس شخص کی آپ کے ساتھ عداوت تھی وہ آپ کا گہرا دوست بن گیا ہے۔''

آپ ﷺ کے حلم، بردباری، عفو و درگذر، نرم دلی اور نرم خوئی کا سب سے بڑا مظاہرہ فتح مکہ کے دن ہوا وہ لوگ جنہوں نے مسلسل تیرہ برس آپ اور آپ کے ساتھیوں پر دکھ اور تکلیف کو روا رکھا تھا آج وہ مکمل طور پر آپ کی گرفت میں تھے۔مگر آپ نے آج جس فراخ دلی اور نرمی کا سلوک ان سے کیا وہ تاریخ انسانیت کی ایک نادر مثال ہے۔فضا میں جب یہ صدا بلند ہوئی کہ '' اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ'' تو نبی مکرم ﷺ نے فورا برملا جواب دیا۔'' اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ '' یہ آپ کا ہی ارشاد گرامی ہے۔''جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا۔'' [مسلم۔باب فضل الرفق]

نرمی اخلاق انسانی کا وہ سدا بہار پھول ہے جس کی مہک دلوں کو مسحور کرتی اور اپنی طرف کھینچتی چلی جاتی ہے۔اور زندگی کے ہر میدان میں اس کی خوشبو پھیلتی اور اسے معطر بناتی جاتی ہے۔

ماہرین تعلیم نے بچوں پر سختی کی بجائے نرمی کے رویہ کو موثر بنایا ہے وہ کہتے ہیں کہ تعلیم میں بدنی سزا کو سختی سے روک دیا جائے کہ اس سے بچوں کی صلاحیتیں دب کر رہ جاتی ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے بھی تعلیم و تربیت کے لیے یہی بات پیش نظر رکھی ہے۔اس واقعہ پر غور کیجئے۔

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی (دیہاتی) نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔لوگ بگڑنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اور وہاں پانی کا ڈول بہا دو، تم سختی کے لیے نہیں بھیجے گئے بلکہ راحت اور آسانی کے لیے بھیجے گئے ہو۔'' [باب الرفق۔ریاض الصالحین، ایضا بخاری]

روایات میں آتا ہے کہ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے انتہائی شفقت سے اس شخص کو سمجھا دیا اور آداب مسجد بتا دیئے جس سے اس پر مثبت اثرات ہوئے۔

اسی طرح کاروبار اور تجارت میں دیکھئے کہ آپ گاہک کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرتے ہیں تو آپ

کی تجارت پھلتی پھولتی ہے ۔جب کہ درشت رویہ سے گاہک اپنا رخ پھیرلیتا ہے ۔

زباں شیریں ملک گیری

زباں بانکی ملک ٹیڑھا

اسلام نے حکمرانوں کو بھی نرم رویہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے ۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ قانون کو کمزور اور بے اثر بنادیں ۔بلکہ نرمی اس معنی میں ہے کہ وہ مظلوموں کی داد رسی کریں ،یتامیٰ اور بیوگان کے پرسان حال بنیں ۔بے کس اور بے بس افراد کی مدد کریں اور عدل وانصاف کا ایسانظام قائم کریں کہ ہر شخص سکھ اور اطمینان کا سانس لے ۔اس حدیث پر غور فرمائیے ۔

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے اپنے اسی گھر میں سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے: اے اللہ جو میری امت کے کسی کام پر حاکم ہواوران پر سختی کرے تو تو اس پر سختی فرما اور جو میری امت کے کسی کام پر حاکم ہواوران سے نرمی کرے تو تو بھی اس سے نرمی سے پیش آ ۔'' [مسلم ۔ریاض الصالحین ۔باب امرولاۃ الامور]

غرضیکہ نرم خوئی اور نرم دلی زندگی کا وہ سنہری اصول ہے جسے اختیار کرنے سے ایک مسلمان کی شان جھلکتی ہے اور وہ زندگی کے اس سفر میں نہ صرف اپنوں کے لیے بلکہ غیروں کے لیے بھی باعث رحمت بنتا ہے ۔

افسوس کہ آج ہماری معاشی او رمعاشرتی ،مدنی اور سیاسی زندگی تہہ وبالا ہوچکی ہے ۔گھروں اور بازاروں میں فساد عدالتوں اور ایوانوں میں جھگڑے یہاں تک کہ مساجد میں بھی امن اور سلامتی محفوظ نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے ہم کہیں دور جاپڑے ہیں ۔

اے رب کریم ہماری بگڑی کو محض اپنے فضل وکرم سے سنوار دے اور ہمارے اخلاق کو بہتر بنادے۔آمین

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ اِيْمَانًا لَّا يَرْتَدُّ وَنَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ ﷺ فِىْ اَعْلٰى دَرَجَةِ الْجَنَّةِ ، جَنَّةِ الْخُلْدِ »[مسند احمد:باب مسند عن عبد اللہ بن مسعود،رقم:٣٦٠٧]

''اے اللہ! میں آپ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جو واپس نہ ہو،ایسی نعمت کا جو ختم نہ ہو،اوراپنے نبی محمد ﷺ کی رفاقت کا جو ہمیشہ رہنے والی جنت کے اعلی درجہ میں ہو۔''

تکبر و غرور

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِن کِبْرٍ»: فَقَالَ رَجُلٌ: اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنَةً۔فَقَالَ:«اِنَّ اللّٰهَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»[رواہ مسلم، ریاض الصالحین، باب تحریم احتقار المسلمین]

''سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ ہر ایک شخص کی فطرت ہے کہ وہ اچھے کپڑوں کو پسند کرتا ہے اور اچھے جوتوں کی خواہش رکھتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال کو پسند فرماتا ہے۔تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق بات نہ مانے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''

الفاظ:

« اَلْکِبْرُ وَالتَّکَبُّرُ وَالِاسْتِکْبَارُ » کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں۔ کبر وہ حالت ہے جس کے سبب انسان عُجب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور عجب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا خیال کرنے لگتا ہے اور سب سے بڑا تکبر قبولِ حق سے انکار اور عبادت سے انحراف کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور تکبر کرنا ہے۔ [مفردات القرآن۔امام راغب اصفہانی]

" بطر الحق " دفعۃً ۔قبولِ حق سے انکار کرنا، دعوتِ حق کو ٹھکرا دینا۔ " غَمْطُ النّاسِ احتقارُھُم" لوگوں کو حقیر سمجھنا اور اپنے آپ کو بڑا خیال کرنا۔''

انسان خاک کا پتلا ہے اور خاکساری اختیار کرنے میں اس کی عظمت ہے وہ عبد (بندہ) ہے اور اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت کرنے میں اس کی شان ہے وہ مخلوق ہے اور خالق کے آگے اپنا عجز پیش کرنے میں اس کی سرفرازی ہے اسے دولتِ علم سے نوازا گیا ہے ۔حِلم (بردباری) سے آراستہ ہونے میں اس کی عزت ہے اور فخر و غرور تو اسے کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ اس کا مالک اُسے ناپسند فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ ﴾ [النساء:۳٦]

'' اللہ یقیناً مغرور اور خود پسند بندے کو پسند نہیں فرماتا۔''

خود پسندی اور غرور تو انسانی شرف وعظمت کے منافی اور اس کی فطری وجبلی شان سے متضاد ہے، اس لیے کہ وہ عاجز اور بے بس پیدا کیا گیا ہے اور بے بسی میں اس کی زندگی گزرتی ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو نحیف و ناتواں ہوتا ہے۔والدین اس کی غذا اور بود و باش کا سرو سامان کرتے ہیں۔ زندگی میں کئی نشیب وفراز آتے ہیں۔ جہاں اس کی عجز و درماندگی ظاہر ونمایاں ہو جاتی ہے۔ آنکھ میں ذرّہ پڑ جائے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے اور جب تک وہ ذرّہ نکل نہیں جاتا اسے کسی کروٹ سکون میسر نہیں آتا ہے، پیٹ میں درد ہونے لگے تو وہ نڈھال ہو جاتا ہے اور جب تک وہ درد رفع نہ ہو تو اسے کسی پہلو آرام نہیں آتا۔ ہلکا سا بخار بھی اسے بے بس کر ڈالتا ہے۔ گرمی کی شدت میں چند گھنٹے پانی نہ ملے تو تڑپنے لگتا ہے، قحط سالی آگھیرے تو حواس باختہ ہو جاتا ہے۔پس اس کی سلامتی کبر و غرور میں نہیں بلکہ عجز و انکساری میں ہے۔اس لیے اسے نصیحت کی جاتی ہے۔

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝﴾ [لقمان:۱۸،۱۹]

”اور لوگوں سے بے رخی اختیار نہ کرو اور زمین پر اترا کر نہ چلو(کیونکہ) اللہ کسی اترانے والے شیخی خور کو پسند نہیں کرتا اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو۔(اور کسی سے بات کرو تو) آہستہ آہستہ بولو کیونکہ آوازوں میں بُری آواز گدھے کی آوز ہے (اور تمہار انسان ہوکر گدھے کی طرح چیخنا چلانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے)۔“

عجز و خاکساری سے عظمتِ رفتہ بحال ہو جاتی ہے جبکہ فخر و غرور میں ہر بڑائی خاک میں مل جاتی ہے۔ آدم اور حوا علیہا السلام سے جنت میں اگر بھول چوک ہوگئی تو ندامت وشرمساری کے آنسو بہتے ہی رب کریم کے حضور عزت وعظمت لوٹ آئی۔ مگر ابلیس کی تمرد وسرکشی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے حصہ میں رسوائی وخواری لکھ دی گئی۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

تکبر نے شیطان کو ذلیل وخوار کیا اور اسے لعنت کے قید خانہ میں(ہمیشہ کے لیے) گرفتار کردیا۔“

حق بات کو قبول کرنے میں انسان کا کبر وغرور بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔ دراصل متکبر شخص

اپنے پندار میں اپنے آپ کو درست خیال کرتا ہے۔ حالانکہ وہ سخت غلطی پر ہوتا ہے اگر وہ عاجز و خاکسار بن کر دعوتِ حق پر غور وفکر کرتا تو یقیناً کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا قرآن حکیم نے قومِ صالح علیہ السلام کے متکبرین کا ذکر اس طرح کیا ہے:

﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝﴾ [الاعراف: ۷۵، ۷٦]

''(صالح علیہ السلام) کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان کمزور لوگوں کو جو دولتِ ایمان سے بہرور ہو چکے تھے کہا۔'' کیا تم یقیناً جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کا رسول ہے! وہ کہنے لگے ''جو کچھ انھیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم تو اس پر یقین و ایمان رکھتے ہیں۔'' اس پر وہ متکبر کہنے لگے ''جس بات پر تم ایمان لائے ہو، ہم تو اسے ماننے والے نہیں۔''

جو لوگ فخر وغرور کے نشے میں سرشار رہتے ہیں اور کبھی کسی سچائی پر کان نہیں دھرتے بلکہ ہر دعوتِ حق سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ قرآن حکیم ان کے بارے میں یہ فیصلہ سناتا ہے:

﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ﴾ [الاعراف: ١٤٦]

''اور اپنی آیتوں سے ان لوگوں (کی نگاہیں) پھیر دوں گا جو بلا وجہ زمین پر اتراتے پھرتے ہیں (ایسے لوگ) خواہ کوئی بھی نشانی دیکھ لیں، وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے (انفس و آفاق میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کتنی ہی نشانیاں بکھری پڑی ہیں) اور راہِ ہدایت دیکھ لیں تو اسے اختیار نہیں کرتے اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اسے فوراً اختیار کرتے ہیں۔''

افراد ہوں یا اقوام تکبر وغرور ہر حال میں دونوں کے لیے تباہی و بربادی کا پیغام ہے۔ قرآن حکیم نے عاد وثمود جیسی مضبوط وتوانا قوموں کا ذکر کیا ہے جو پہاڑوں سے بڑی بڑی چٹانیں کاٹ کر لاتے اور بلند و بالا سربفلک عمارات کھڑی کر دیتے مگر اپنی سرکشی کے سبب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور وہ صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح نیست و نابود ہو گئیں۔

اسی طرح قرآن نے فرعون اور قارون جیسے سرکش انسانوں کا ذکر کیا ہے جنھیں اپنی طاقت و دولت پر بڑا گھمنڈ تھا مگر ان کا مقدر بھی تباہی و بربادی ٹھہرا۔ اور آج تک ان کا انجام اہل بصیرت کے لیے عبرت کا نشان ہے۔

اور ایسے لوگوں کے لیے روزِ آخرت بھی کوئی اچھا مقام نہ ہوگا۔ اس حدیث پر غور کیجیے۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تکبر وغرور کرنے والے قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح آدمیوں کے ساتھ اکٹھے کیے جائیں گے اور ہر طرح سے انھیں ذلت ڈھانپ لے گی اور انھیں ہانک کر جہنم کے ایک قید خانے کی طرف لے جایا جائے گا جس کا نام بولس ہے اور زبردست آگ ان پر چھا جائے گی اور دوزخیوں کا خون اور پیپ انھیں پلائی جائے گی (العیاذ باللہ) [ترمذی بحوالہ (اسوہ حسنہ، جلد دوم، کتاب رذائل اخلاق بنت الاسلام]

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ عمدہ لباس زیب تن کرنا یا اچھے مکان میں بودو باش اختیار کرنا ہرگز ہرگز فخر وغرور میں شامل نہیں بشرطیکہ نفس کسی عُجب اور خود پسندی کا شکار نہ ہو جائے۔ اصل میں تکبر وغرور تو یہ ہے کہ کوئی انسان اپنے آپ کو بڑا خیال کرنے لگے اور دوسروں کو نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور حق وصداقت کو فراموش کرنا اپنی عادت بنالے جب کہ اصل حقیقت تو یہ ہے:

اے ذوق کسی کو چشم حقارت سے نہ دیکھیے
سب ہم سے زیادہ ہیں کوئی ہم سے کم نہیں

یقیناً آزادی بہت بڑی نعمت ہے مگر ان لوگوں کے لیے جو اس کی قدر و قیمت کو پہچانیں۔ آزادی کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ تمام اخلاقی اقدار کو نظر انداز کر کے شُتر بے مہار کی طرح زندگی گزارنے لگیں، جیسا کہ ہمارے یہاں ہوا ہے۔ یہاں پر قوم طبقاتی تقسیم کا شکار ہوگئی۔ یا تو انتہائی امیر کہ جن کی زندگیوں کا مقصد حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر دھن دولت اکٹھی کرنا رہ گیا۔ اور تمرّد و سرکشی اور تکبر وغرور ان کا شیوہ ٹھہرا یا پھر انتہائی غریب کہ جنھیں عزت و آبرو سے زندگی کے دن گزارنا بھی مشکل ہوگیا ہے یہ صورتِ حال انتہائی تشویش ناک ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مقام ہے جو لوگ دولت کے نشے میں سرشار اور سرکش ہو چکے ہیں انھیں عذابِ آخرت سے ڈرنا چاہیے اور اپنی زائد دولت کو غربا و مساکین میں تقسیم کر دینا چاہیے اس سے ان میں نہ صرف عاجزی و خاکساری ہی پیدا ہو

گی بلکہ ان کی آخرت بھی سنور جائے گی اور متکبرین کے زمرہ سے وہ نکل کر محسنین کے طبقہ میں آ جائیں گے۔

اے ربِ کریم! ہمیں فہم وبصیرت سے نواز۔ آمین

دعاء والتجاء:

« اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا ، وَارْضَ عَنَّا وَتَقَبَّلْ مِنَّا وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی وَنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَاَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا کُلَّهٗ »

’’اے اللہ! ہماری مغفرت فرما کر ہم پر رحم فرمائیے، ہم سے راضی ہو جائیے اور (ہماری بندگی) قبول فرمائیے اور ہمیں جنت الفردوس میں داخل فرمائیے اور دوزخ سے نجات دیجیے اور ہمارے تمام معاملات کو درست فرما دیجیے۔‘‘

تکبر سے بچنا

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَکَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ: « کُلْ بِیَمِیْنِكَ » قَالَ : لَا اَسْتَطِیْعُ ۔ قَالَ: « لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَهٗ اِلَّا الْکِبْرُ » قَالَ فَمَا رَفَعَهَا اِلٰی فِمِهٖ »

[رواہ مسلم ریاض الصالحین باب تحریم الکبر والاعجاب]

’’سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیدھے ہاتھ سے کھاؤ وہ بولا نہیں کھا سکتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ کھا سکو! اس نے فخر دغرور ہی سے ایسا کیا تھا۔ پھر وہ اپنا سیدھا ہاتھ منہ کی طرف کبھی نہ اٹھا سکا۔‘‘

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح اور دونوں کی صحت اور سلامتی ہی سے وہ بلند مقام پر فائز ہوسکتا ہے جسمانی بیماریوں میں بخار، نزلہ، سر درد، پیٹ درد وغیرہ ہیں تو روحانی بیماریوں میں حسد، بغض، خوشامد، تکبر، غصہ اور اسی قسم کی دوسری بیماریاں، ہیں۔ اسلام ایسا دین کامل ہے کہ وہ جسم و روح دونوں کو ٹھیک رکھنے کے احکامات جاری کرتا ہے بلکہ روح کو اس طرح نکھا ر دیتا ہے کہ اس سے بہت سی جسمانی بیماریوں کا بھی علاج ہوجاتا ہے۔ جب انسان ذہنی اور فکری طور پر سکون اور سلامت روی سے ہمکنار ہوتو اس کا کھایا پیا، تن پیٹ لگتا ہے جس سے صالح خون پیدا ہوتا ہے جو اس کی صحت کا ضامن بنتا

ہے غم اور غصے، حسد اور نفرت سے بھرا انسان سونا کھاتا ہے تو وہ مٹی ہو جاتا ہے اور خوش باش مطمئن اور پر سکون روکھی سوکھی کھا کر بھی تنومند رہتا ہے۔

روحانی بیماریوں میں تکبر بہت بری بیماری ہے جو کسی شخص کو اوج ثریا سے قعر مذلت میں گرا دیتی ہے تکبر کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو لوگوں سے بلند سمجھنا اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا یا کسی سچائی اور راست بازی کو ٹھکرا دینا اور اپنے پندار میں رہنا یا بودوباش اور چال ڈھال میں فخر و غرور سے نمود و نمائش کرنا یا طاقت اور قوت کے گھمنڈ میں کسی کمزور اور ناتواں پر ظلم و ستم ڈھانا، ایسی کسی بھی روش کو اختیار کرنا متکبرین کے لیے ذلت و رسوائی کا سبب بنتی ہے ایسے لوگ نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں نے اپنی بہترین مخلوق انسان کو پیدا کیا ہے تم اس کی عزت اور تکریم بجا لاؤ تو سب نے یہ حکم مانا مگر ابلیس جو کمال عبادت و ریاضت کی وجہ سے فرشتوں کی صف میں شامل ہو چکا تھا غرور و تکبر کی بناء پر اکڑ بیٹھا اور اس نے انکار کر دیا۔

﴿ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [البقرہ:۳۴]

”اس نے انکار اور تکبر کیا اس کا انجام کفار میں ہوا۔“

اسی تکبر کی وجہ سے وہ بارگاہ الٰہی سے دھتکار دیا گیا اور ہمیشہ کے لیے ملعون قرار دیا گیا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندانی لعنت گرفتار کرد

(سعدی)

”تکبر نے شیطان کو خوار کر دیا لعنت کے پھندے میں گرفتار کر دیا۔“

آدم اور حوا ابلیس کے بہکاوے میں آئے مگر انہیں اپنی بھول اور لغزش کا احساس ہوا اور شرمسار اور نادم ہو کر رب کے حضور گڑگڑائے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہی اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا نافرمانی ابلیس نے بھی کی مگر اس کی ڈھٹائی اور غرور نے اسے قعر مذلت میں گرا دیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون اور قارون میں بھی بڑا تکبر اور غرور تھا، فرعون کو اپنی طاقت اور قوت پر بڑا ناز تھا اور کہا کرتا تھا:

﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ [النازعات:۲۳]

”کہ تمہارا رب اعلیٰ تر میں ہوں“

اس نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ختم کرنا چاہا مگر وہ خود عذاب الٰہی کا شکار ہوا اور اپنی فوج سمیت غرق کر دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾ [البقرة:٥٠]

''اور ہم نے غرق کیا فرعون کو لاؤ لشکر سمیت اور تم دیکھ رہے تھے۔''

قارون کو اپنے مال و دولت پر گھمنڈ اور غرور تھا وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ وہ سب کچھ جو اس کے پاس ہے اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش ہے وہ غرباء اور مساکین کو نفرت سے دیکھتا اور انہیں اس مال میں سے قطعی کچھ دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ اللہ کا عذاب آیا تو اسے مال و دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ﴾ [القصص:٨١]

''ہم نے قارون اور اس کے سرمایہ کدہ کو زمین میں دھنسا دیا۔''

اور بنی اسرائیل کی آنکھوں دیکھتے، نہ غرور باقی رہا اور نہ سامان غرور، سب کو زمین نے نگل کر عبرت کا سامان مہیا کر دیا۔

قریش نے بھی فخر وغرور اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق کا انکار کیا تھا اور مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا کر دی کہ بیچارے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہاں بھی انہیں چین اور سکون سے نہ رہنے دیا اور پوری طاقت اور قوت کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوئے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد مسلمانوں کے شامل حال ہوئی اور نحیف ونزار مسلمانوں کے ہاتھوں میدان بدر میں انہیں شکست و ہزیمت اٹھانا پڑی اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ سچے مسلمانوں کی ہمیشہ مدد کرے گا۔

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الروم:٤٧]

''اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔''

فخر وغرور کے ساتھ رہنا لوگوں سے بے رخی اختیار کرنا اور کسی کو خاطر میں نہ لانا، زمین پر اتراتے ہوئے چلنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب ناپسندیدہ کام ہیں۔

لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ﴾ [لقمان:١٨]

لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا اور زمین پر اکڑتے ہوئے نہ چل کسی تکبر کرنے والے

شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔''

البتہ اچھا لباس پہننا اور اچھی خوراک کھانا تکبر کی علامت نہیں ہے بشرطیکہ دل میں ریا کاری اور غرور کا خیال نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات سے دل شکر کے جذبات سے لبریز ہو اور سچائی کی راہ اختیار کرنے کے لئے وہ ہمہ وقت تیار رہے اس حدیث مبارک پر غور کیجئے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا کسی نے کہا آدمی اچھے کپڑے اور اچھے جوتے پسند کرتا ہے فرمایا اللہ نفاست اور ستھرائی کو پسند کرتا ہے تکبر تو حق بات نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔ [ریاض الصالحین]

ہاں طاقت اور قوت کے بل بوتے پر اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر فتنہ و فساد پھیلانا تکبر ہے جب کہ نیک لوگ ان باتوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [القصص:۸۳]

''یہ دار آخرت (جنت) ہم ان ہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور نیک نتیجہ تو بس پرہیز گاروں کو ہی ملتا ہے۔''

آج ہم بکھرے ہوئے ہیں اور نظامِ حق کو برپا کرنے کے لیے اکٹھے نہیں ہوتے تو کیا یہ تکبر نہیں ہے؟ اس تکبر کی وجہ سے ہمیں کس قدر ذلت و خواری اٹھانا پڑی ہے اور ملک پاکستان میں تقریبا نصف صدی گزرنے کے بعد بھی اسلامی نظام قائم نہ ہو سکا۔ ابھی میں یہ سطور لکھ رہا تھا کہ اخبار میں مختلف ممالک اور مکاتب فکر کے علمائے کرام کے اجتماع کی خبر پڑھ کر خوشی ہوئی اللہ کرے ان کا یہ اجتماع اس ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ آمین

میرے بھائی یہ دنیا عارضی ہے اور یہ حیات، حیاتِ مستعار ہے جو اللہ تعالیٰ نے امتحان کے لئے عطا کی ہے اور یہ پانی پر بلبلے سے بھی کم پائیدار اور غیر یقینی ہے اسے بے ہودہ مشاغل اور تکبر و غرور کا شکار کیوں ہونے دیا جائے؟ فخر و غرور سے حقیقی منزل اوجھل ہوجاتی ہے اور انسان صراط مستقیم سے کہیں دور جا گرتا ہے اس سرکش نفس کے زور کو توڑنا ہی زندگی کا کمال ہے اور عاجزی و خاکساری ہی بلندی کا نشان ہے۔

شروع میں بیان کردہ حدیث مبارک سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ انسان کو کھانے پینے کے لیے دایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہیے دوسرے یہ کہ بعض اوقات اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی سزا انسان کو فوراً اسی دنیا میں مل جاتی ہے اور تیسرے یہ کہ تکبر ایک انتہائی خطرناک نفسیاتی اور روحانی بیماری ہے جو دنیا و آخرت میں بے شمار خرابیوں اور فسادات کا موجب بنتی ہے۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفُوَ فَاعْفُ عَنِّیْ »

''اے اللہ! آپ تو بڑے ہی بخشنے والے ہیں اور عفو (بخشش) کو پسند فرماتے ہیں پس مجھے معاف فرمادیجئے۔''

دل کی سختی کا علاج

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا شَکٰی اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ: « اِمْسَحْ رَأْسَ الْیَتِیْمِ وَاَطْعِمِ الْمَسٰکِیْنَ »

[رواہ احمد ، ورجالہ الصحیح بحوالہ کتاب المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح۔ الحافظ ابو محمد شرف الدین ،مشکوٰۃ، کتاب الاداب]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ میرا دل بہت سخت ہے (اس سختی سے نجات حاصل کرنے کے لیے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ یتیموں کے سروں پر شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرو۔''

قلب انسانی کی بھی عجب کیفیت ہے ، اگر یہ نرم ہوتا ہے تو اس سے احسان و مروت، عفو و درگزر ، حلم و بردباری اور دیانت و امانت داری کے پھول کھلتے ہیں ۔ اگر اس میں سختی آ جائے تو اس سے مکر و فریب خیانت اور بد دیانتی ،حرص و طمع اور غیظ و غضب ایسے کانٹے چبھتے ہیں۔

انسان کا شرف و کمال پھولوں کی خوشبو سے وابستہ ہے نہ کہ خار دار جھاڑیوں سے کہ اس سے کپڑے پھٹتے اور پاؤں زخمی ہو جاتے ہیں۔

انسان میں قساوت قلبی کیونکر پیدا ہوتی ہے؟

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان سے جب کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑتا ہے ، اگر اسے اس کا احساس ہو جائے اور ایک بار تو ضرور ہر انسان کا ضمیر اسے

جھنجوڑتا ہے کہ اس سے خطا ہوئی ہے اگر وہ نادم و شرمندہ ہو کر اپنے رب کے حضور صدقِ دل سے معافی کا خواستگار ہو تو مولا و مالک کی رحمت سے اس کا گناہ دھل جاتا ہے اور وہ پھر سے اچھا انسان بن جاتا ہے اگر وہ ضمیر کی آواز پر کان نہ دھرے تو پھر دوسرے گناہ کے ارتکاب پر ایک اور نقطہ اس کے دل پر ظاہر ہوتا ہے اور جیسے جیسے گناہ بڑھتے ہیں ویسے ویسے دل پر سیاہ نقطوں کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اسکا دل خاک سیاہ ہو جاتا ہے اور اس میں سختی پیدا ہو جاتی ہے۔قرآن حکیم اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿ كَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝﴾ [المطففين:١٤]

''ہرگز یہ بات نہیں بلکہ ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ لگ گیا ہے۔''

دلوں کے زنگ آلود ہونے سے مراد یہی ہے کہ ان میں کھرے اور کھوٹے کی تمیز جاتی رہتی ہے۔

وہ غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں مگر انھیں اس کا احساس نہیں ہوتا، یہی وہ مقام ہے جہاں انسان بلندیوں سے پستیوں کی طرف آ جاتا ہے اور اپنا تمام مرتبہ و وقار کھو بیٹھتا ہے۔قرآن حکیم بنی اسرائیل کی اس ذلت و خواری کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ [البقرہ:٧٤]

''تمہارے دل (مسلسل اور پیہم نافرمانیوں کے سبب) سخت ہو گئے اتنے سخت جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی سخت تر۔''

ان سنگدل انسانوں کے مقابلہ میں ان پتھروں کا حال سنیئے:

﴿ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ [البقرہ:٨٤]

''پتھروں میں سے تو کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے چشمے بہتے ہیں اور رکچھ ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے (لرز کر) گر پڑتے ہیں۔''

یہ دین انسانوں کے لیے رحمت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس رحمۃ للعالمین ہے۔ زیر مطالعہ حدیث میں آپ ﷺ نے قساوت قلبی کے لیے بے خطا اور آسان نسخہ تجویز فرمایا ہے۔کسی انسان کا دل کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو مگر جب وہ کسی یتیم کے سر پر دست شفقت رکھتا ہے تو دل میں رحم کا جذبہ بیدار ہونے لگتا ہے تو اللہ کی رحمت سے اس کی دلی کیفیت بدلنے لگتی ہے۔ ایسے ہی جیسا

کہ خشک زمین پر باران رحمت سے اس کی خشکی سبزی میں بدلنا شروع ہو جاتی ہے اور مساکین کو کھانا کھلانے سے دل مزید کروٹ لیتا ہے اور اس میں تر و تازگی اور نرمی و گداز کے اثرات پھیلنے لگتے ہیں۔ اس کارخیر میں آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے ثمرات بھی مرتب ہوتے جاتے ہیں۔ اسے اس بات کی دلی مسرت ہوتی ہے کہ پیارے رسول ﷺ کی سیرت طیبہ کا نمایاں پہلو بھی یتامیٰ کی سرپرستی اور مساکین کی خدمت کرنا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی وصف اپنایا جس کی قرآن یوں شہادت دیتا ہے:

﴿ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴾ [الدھر: ۸]

”وہ اللہ کی رضا کی خاطر مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔“

مخلوق کی اس خدمت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسا سوز و گداز پیدا ہوا کہ وہ تاریخ کا لازوال حصہ بن گیا۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”نبی مکرم و معظم ﷺ کی ان تعلیمات نے عرب کی فطرت بدل دی۔ وہی دل جو بے کس و ناتواں یتیموں کے لیے پتھر سے زیادہ سخت تھے، وہ موم سے زیادہ نرم ہو گئے، ہر صحابی کا گھر ایک یتیم خانہ بن گیا ایک ایک یتیم کے لطف و شفقت کے لیے کئی کئی ہاتھ ایک ساتھ بڑھنے لگے اور ہر ایک اس کی پرورش اور کفالت کے لیے اپنی آغوشِ محبت کو پیش کرنے لگا، بدر کے یتیموں کے مقابلہ میں جگر گوشۂ رسول فاطمہ رضی اللہ عنہا بتول اپنے دعوے اٹھا لیتی ہیں، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان اور انصار وغیرہ کی یتیم لڑکیوں کو اپنے گھر لے جا کر دل و جان سے پالتی ہیں، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابی کا یہ حال تھا کہ وہ کسی یتیم بچے کو ساتھ لیے بغیر کبھی کھانا نہیں کھاتے تھے۔“ [سیرۃ النبی ج:٦ ۔ یتیموں کے حقوق]

غور کیجیے کہ بے دست و پا لوگوں کے ساتھ حسن سلوک ہی معاشرتی زندگی کے قیام و بقا اور اس کے نکھار سدھار کا ضامن ہے اور اس لیے کسی انسان کو جو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں اس میں سے ایک فائدہ دل کا سوز و گداز بھی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ”رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ“ (آپس کی ہمدردیوں) کے وصف نے ہی قوت و شوکت سے ہمکنار کیا۔ پھر دیکھیے کہ یتامیٰ و مساکین کے ساتھ احسان و مروت کرنا۔ رحمت الٰہی کو جذب کرنے کا یقینی راستہ ہے۔

قرآن حکیم نے اسے ”عقبہ“ کا نام دیا ہے یعنی ایسے دشوار گزار چڑھائی جس پر چڑھنا سہل اور آسان نہ ہو، کیونکہ شیطانی ترغیبات اور نفسانی خواہشات انسان کو اخلاقی بلندیوں کو چھونے سے روکتی

ہیں۔قرآن اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿ وَمَآ اَدۡرٰكَ مَا الۡعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِىۡ يَوۡمٍ ذِىۡ مَسۡغَبَةٍ ۝ يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ۝ اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ۝﴾ [البلد: ۱۲ تا۱۶]

''اور آپ کیا جانیں کہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ وہ تو کسی گردن کو (غلامی سے) چھڑانا یا فاقہ کے دنوں میں کسی قرابت دار یتیم یا کسی خاکسار مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے زمین پر بسنے والوں کے ساتھ حسن سلوک پر یہ بشارت سنائی ہے:

« اِرۡحَمُوۡا مَنۡ فِي الۡاَرۡضِ يَرۡحَمۡكُمۡ مَّنۡ فِي السَّمَآءِ »

''(لوگو!) تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔''

حالی مرحوم نے اسی کو شعر کی زبان میں اس طرح ادا کیا ہے:

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

دعاء و التجاء:

« رَبِّ تَقَبَّلۡ تَوۡبَتِيۡ وَاغۡسِلۡ حَوۡبَتِيۡ وَاَجِبۡ دَعۡوَتِيۡ وَثَبِّتۡ حُجَّتِيۡ وَسَدِّدۡ لِسَانِيۡ وَاهۡدِ قَلۡبِيۡ وَاسۡلُلۡ سَخِيۡمَةَ صَدۡرِيۡ »

'' اے میرے رب! آپ میری توبہ قبول فرمائیے اور میرے گناہوں کو دھو دیجیے، میری دعا قبول فرمائیے اور میری (نجات کی) دلیل پر مجھے ثابت قدم رکھیے، میری زبان کو درست اور میرے دل کو ہدایت پر قائم رکھیے اور میرے سینے کے کھوٹ کو نکال پھینکیے۔''

ضبط نفس

عَنۡ أَبِيۡ هُرَيۡرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الۡجَنَّةُ بِالۡمَكَارِهِ »

[صحيح بخاري۔ كتاب الرقاق ، باب حجبت النار بالشهوات]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخ شہوتوں سے ڈھانپی گئی ہے (کہ جو شخص شہوتوں میں پڑ جائے گا وہ دوزخ میں جا پہنچے گا) اور جنت مشقتوں میں

چھپی ہوئی ہے (کہ مشقتوں سے گزر کر ہی جنت میں پہنچا جاسکتا ہے۔)''

''ضبطِ نفس'' کا مفہوم یہ ہے کہ ہر بری خواہش اور ارادے سے، ہر غلط فعل و عمل سے، طیش اور غصے کے وقت، غم اور دکھ کی حالت میں زبان اور ہاتھ کو، جذبات اور خیالات کو پوری طرح قابو میں رکھنا اور اخلاقی حدود و قیود سے باہر نہ ہونا۔ یہ صفت شرفِ انسانیت کی دلیل اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی کلید ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ ﴾ [النازعت: ٤٠۔٤١]

''جو شخص اپنے رب کے حضور (جواب دہی کے لیے) کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور جس نے اپنے آپ کو خواہش نفس سے روکے رکھا، تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔''

انسان اور دوسرے حیوانات میں زمین و آسمان کا فرق ہے......انسان کو اللہ تعالیٰ نے زیورِ علم و اخلاق سے آراستہ کیا ہے، عقل و فہم سے نوازا ہے زندگی گزارنے کی سوجھ بوجھ عطا کی ہے، کھرے اور کھوٹے کی تمیز سے بہرہ ور فرمایا ہے اور سب سے بڑھ کر انبیاء و رسل کے ذریعے آسمانی ہدایت کی روشنی عطا فرمائی ہے کہ صراطِ مستقیم پر چل کر وہ اپنی کامیابی کو یقینی بنا لے، جب کہ دوسرے حیوانات ایسی تمام صفات اور خوبیوں سے محروم ہیں۔ انسان کی فضیلت اور شرف دوسری مخلوقات پر صرف اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ ٹھیک اس شہسوار کی طرح جو اپنے گھوڑے کو قابو میں رکھتا ہے اور اسے بے لگام نہیں چھوڑتا کہ وہ راستے میں کھڑی بے گناہ مخلوق کو کچل ڈالے، کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

وہی شہسواروں میں پاتا ہے نام
جو قابو میں گھوڑے کی رکھے لگام
چلن راستبازی کے سانچے میں ڈھال
قلم کی طرح ایک رکھ خال چال

انسان کا نفس بڑا باغی اور سرکش ہے، اس کو لگام دینے اور زیر کرنے کے لیے مسلسل اور پیہم محنت و مشقت کی ضرورت ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے حقیقی مجاہد کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ)) [مشکوۃ۔ کتاب الایمان]

''(حقیقت میں) مجاہد تو وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے۔'' (یعنی نفس کی غلط

خواہشات کو کچلتا رہتا ہے)

اور جو شخص بھی برائیوں سے بچنے اور نیکیوں پر چلنے کا عزم کر لیتا ہے، رب کریم کی رحمت اس کا سہارا بنتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ [العنکبوت: ٦٩]

''اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں (غلط خواہشات اور طاغوت سے لڑتے ہیں) ہم یقیناً انہیں اپنی راہیں دکھلا دیتے ہیں۔''

اور یقیناً یہ نفس اسی کے فضل و کرم سے سلامت رہ سکتا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ﴾ [یوسف: ٥٣]

''اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس اکثر برائی پر اکساتا رہتا ہے مگر جس پر میرے رب کی رحمت ہو (وہ نفس کی شرارتوں سے بچ نکلتا ہے۔)''

اس لیے جناب رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے اصلاحِ نفس کے لیے یہ دعائیں بھی تھیں:

« اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِيْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا ، اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا »

''اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما، اور اس کا تزکیہ فرما دے۔ تو ہی اس کا بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے، تو اس کا کارساز اور تو ہی اس کا نگہبان ہے۔''

« اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ، فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ»

''اے اللہ! تیری رحمت ہی کا میں طلب گار ہوں، مجھے پل بھر کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر، اور میری تمام کی تمام حالت سنوار دے کہ تیرے سوا (میرا) کوئی معبود برحق نہیں'' (جو میری حاجت روائی کر سکے) [بحوالہ پیارے رسول ﷺ کی پیاری دعائیں، حصن حصین]

ضبطِ نفس کے لیے تدابیر:

انسانی طبیعت کو سوائے عادت کے کوئی چیز نہ مغلوب کر سکتی ہے اور نہ بدل سکتی ہے۔ اس کے لیے بار بار مشق اور تمرین کی ضرورت ہے جس طرح کہ بلاناغہ اور باقاعدگی کے ساتھ ورزش سے جسم مضبوط اور صحت مند رہتا ہے، ایسے ہی نیک افعال کی بار بار تکرار سے نیکیوں سے محبت بڑھتی ہے اور نفس انہیں چاہنے لگتا ہے، اس بات کو ایک اور مثال سے اس طرح سمجھ لیجئے کہ تیراکی ایک فن ہے، شروع شروع میں تیرنا بڑا

مشکل نظر آتا ہے، مگر دو چار بار کوئی شخص غوطے کھاتا ہے اور وہ ہاتھ پاؤں مارنا جاری رکھتا ہے تو بالآخر ایسی مشق ہو جاتی ہے کہ تیرنا نہ صرف اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے بلکہ کسی ڈوبتے کو بچانا بھی کوئی مشکل کام دکھائی نہیں دیتا ہے۔

اسلام میں عبادات کا مقصد جہاں بندگیٔ رب تعالیٰ ہے، وہاں نظم و ضبط، تزکیۂ نفس اور ضبطِ نفس کی بے مثال تربیت بھی ہے۔دن رات میں پانچ بار خالق و مالک کے دربار میں بندۂ مومن کی حاضری اس کے لیے بڑی سعادت مندی ہے، ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کرنا کہ

﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۝﴾[الفاتحہ:٦-٧]

یعنی ’’اے اللہ! ہمیں صراطِ مستقیم پر گامزن رکھ، ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تیرا انعام واکرام ہوا۔‘‘

اور مکمل نماز اور پھر نمازوں میں پڑھی جانے والی آیاتِ قرآنی پر غور کیجئے تو رشد و ہدایت، صداقت و امانتداری اور خیر و بھلائی کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔

سخت سردی اور سخت گرمی میں نمازوں کے لیے مسجد میں جانا ’’ضبطِ نفس‘‘ کی عمدہ تربیت ہے، فرض نمازوں کے بعد نمازِ تہجد پر قرآن کہتا ہے:

﴿ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيۡلِ هِىَ اَشَدُّ وَطۡـاً وَّاَقۡوَمُ قِيۡلًا ۝﴾[المزمل: ٦]

’’رات کو اٹھنا یقیناً (نفس کو) بہت زیر کرنے والا اور قرآن پڑھنے کے لیے موزوں ترین وقت ہے۔‘‘

ماہِ رمضان میں صبح و شام زبان و بیان کی صحت، فکر و نظر کی طہارت ،افکار و خیالات کی پاکیزگی، معاملات و معمولات میں نکھار، نمازوں کی پابندی اور قیام اللیل میں خشوع و خضوع نیز سحر و افطار کے اوقات میں یکسانی بھی ’’ضبطِ نفس‘‘ کے لیے بہترین سروسامان ہیں۔

ایامِ حج میں تو ’’ضبطِ نفس‘‘ کا بہترین مظاہرہ ہوتا ہے کہ دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمانوں میں رنگ ونسل کا اختلاف، زبانوں اور مزاجوں میں فرق ہونے کے باوجود ربِّ کائنات کا دین انہیں ایک لڑی میں پرو دیتا ہے اور انہیں ہر طرح سے محبت و مروّت کا درس دیتا ہے، وہ ایک دوسرے کی گفتگو نہ سمجھنے کے باوجود مٹھاس اور الفت کی نگاہ سے دیکھتے اور ہر طرح سے عزت وتکریم کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے غرباء و مساکین کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور دولت کی ہوس پر ضرب کاری لگتی ہے۔ اس سے نفس میں یقیناً پاکیزگی اور طہارت پیدا ہوتی ہے، زندگی کا ارفع

و اعلیٰ مقصد سامنے آتا ہے۔

ضبطِ نفس کے حصول کے لیے اس بات کو جاننا ضروری ہے کہ انسان کے دو بڑے دشمن ہیں: ایک باطن میں ہے اور دوسرا ظاہر میں ہے، باطن کا دشمن تو خود اس کا نفس امارہ ہے جو ہر وقت اسے برائیوں کی طرف اکساتا رہتا ہے۔ اسے زیر کرنے کے لیے صوم وصلوٰۃ کی خشوع وخضوع کے ساتھ پابندی، ذکر واذکار، تدبر سے تلاوتِ قرآن اور نیک اعمال کی رغبت ضروری ہے، نیز ابرار و صالحین کی رفاقت بڑی سود مند ثابت ہوتی ہے اور ظاہری دشمن ابلیس اور اس کا لاؤ لشکر ہے جو خاص طور پر ان لوگوں کو بہکاتے رہتے ہیں جو نیک راہ پر چلتے ہیں، اس کا علاج قرآن نے اس طرح بتایا ہے:

﴿ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

[الاعراف: ۲۰۰]

''اور اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ تلاش کرو، یقیناً وہ سننے اور جاننے والا ہے۔''

اور شیطانوں کے مکروفریب سے بچنے کے لیے رب کریم نے دعا بھی سکھلا دی ہے:

﴿ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ ﴾

[المومنون: ۹۷-۹۸]

''اے رب! میں شیطانوں کی اکساہٹوں (مکروفریب) سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس بات سے بھی اے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔'' (اور مجھے کسی طرح بھی ورغلائیں اور پریشان کریں)

آج پوری کی پوری قوم ضبطِ نفس سے محروم ہوچکی ہے جس کی وجہ سے ہر طرف بے راہ روی اور انارکی پھیل چکی ہے، فساد اور جھگڑے روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم تباہی و بربادی کی تاریک وادی میں بھٹک رہے ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا ہے۔ آیئے! اسلام کی روشن اور پاکیزہ تعلیمات آپ کو سلامتی کی طرف بلا رہی ہیں۔

دعاء و التجا:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ »

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں محتاجی، مال کی کمی اور ذلت سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔'' (آمین یا رب العالمین)

غصے پر حاوی ہونے کی تدابیر

عَنْ أبی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ، اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِی يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ »

[متفق علیہ۔ ریاض الصالحین باب الصبر]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے۔ (حقیقت میں) پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔''

شیخ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اَلصُّرَعَةُ بِضَمِّ الصَّادِ وَفَتْحِ الرَّآءِ، وَاَصْلُهٗ عِنْدَ الْعَرَبِ مَنْ يَّصْرَعُ النَّاسَ كَثِيْرًا۔"

''صرعة '' عربی میں (ص) کی پیش اور (ر) کی زبر سے پڑھا جاتا ہے اور اہل عرب کے نزدیک وہ شخص ہوتا ہے جو لوگوں کو بہت زیادہ پچھاڑتا رہے۔''

اس حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی خوبصورت تمثیل سے غصے پر قابو پانے کا نفسیاتی حل تجویز فرمایا ہے چونکہ عربوں میں دوسروں کو زیر کرنے کے لیے زور آزمائی کا یہ طریقہ معروف تھا بلکہ دو قبائل کے درمیان فتح و شکست کا بعض اوقات یہی معیار تھا کہ جس قبیلے کا پہلوان کامیاب رہے، وہی فاتح قبیلہ کہلاتا تھا۔ اس لیے اسی کو مثال بنا کر سمجھایا۔

اطباء کا کہنا ہے کہ انسان جہاں اپنے خلاف کسی کو بات کرتے پاتا ہے تو خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ وہ رگ و پے میں تیزی کے ساتھ گردش کرنے لگتا ہے۔ گویا جدید اصطلاح میں اس کا بلڈ پریشر (دورانِ خون) بڑھ جاتا ہے۔ اس کے مذموم اثرات نہ صرف اس کے دل و دماغ پر پڑتے ہیں بلکہ ایسا شخص طیش میں آ کر اپنے مخالف کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے اور بعد میں اس کو کفِ افسوس ملنا پڑتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑی جامع نصیحت فرمائی:

''کہ اگر کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ آئے تو بیٹھ جاؤ اور اگر بیٹھنے سے بھی غصہ دور نہ ہو تو لیٹ جاؤ۔'' [مسند احمد بن حنبل ج ۵، ص ۱۵۲ بحوالہ حدیث نبوی اور علم النفس، محمد عثمان نجاتی]

اطباء کہتے ہیں کہ بیٹھنے اور لیٹنے سے جسم ڈھیلا ہو جاتا ہے اور خون کا دباؤ بھی کم ہو جاتا ہے اور اس سے سوچ بچار کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے اور طبیب اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علاج تجویز فرمایا وہ یقیناً سودمند اور مفید ہے۔

شیطان انسان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے۔ وہ اور اس کا لاؤ لشکر اس بات کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کس طرح انسانوں کے درمیان فتنہ و فساد کی چنگاریاں سلگائیں، خاندانوں کو آپس میں بھڑائیں، میاں بیوی کے درمیان غصہ اور دو بھائیوں کے درمیان حسد کے شعلے بھڑکائیں، قوموں اور ملکوں کے درمیان جنگ کے شعلوں کو ہوا دیں۔ چنانچہ اس خناس اور اس کے لشکر کو زیر کرنے کی تدبیر اس طرح ارشاد فرمائی:

سیدنا سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا اور دو آدمی لڑ رہے تھے۔ان میں سے ایک دوسرے کو گالی دے رہا تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، رگیں پھول رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں ایک کلمہ جانتا ہوں، اگر یہ کہے تو غصہ اس سے دور ہو جائے۔

" اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔"

''میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیطان دھتکارے ہوئے سے (بچنے کے لیے)''

اس کے سبب سے جو غصہ اس کو آ رہا ہے، جاتا رہے گا۔''

سلیمان بن صرد کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ''پڑھو۔[متفق علیہ۔ ریاض الصالحین باب الصبر]

غصہ دور کرنے کی ایک اور تدبیر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی وہ پانی کا استعمال ہے، ٹھنڈا پانی خون کے جوش میں سکون پیدا کر دیتا ہے، اعصاب میں سلامتی پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بجھ جاتی ہے،اس حدیث پر غور کیجئے!

عروہ بن محمد ابن السعدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''غصہ شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کر لے۔'' [سنن ابی دائود، بحوالہ حدیث نبوی اور علم النفس]

غصہ دور کرنے کا ایک نفسیاتی علاج یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس کیفیت اور حالت میں تبدیلی پیدا کی جائے مثلاً ایک بچہ غصہ کی حالت میں رُو رہا ہے، اور وہ بضد ہے کہ اسے آپ کی کلائی گھڑی چاہیے۔ آپ اسے دینا نہیں چاہتے کہ غصے میں آ کر کہیں پھینک دے اور اس طرح قیمتی گھڑی کا نقصان ہو جائے۔ آپ اس کی توجہ کسی اور جانب لگا دیجئے۔ اس کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا اور آپ نقصان سے بھی بچ جائیں گے۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تدبیر کو بروئے کار لاتے تھے۔

غزوہ بنی مصطلق سے لوٹتے ہوئے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشہور منافق عبداللہ بن ابی ابن سلول کی

یہ بات پہنچی کہ وہ کہہ رہا ہے:
''اگر ہم واپس مدینہ پہنچے تو مدینے کے عزت دار لوگ (یعنی عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی) مدینہ کے رذیلوں (محمد ﷺ اور ان کے اصحاب) کو نکال دیں گے۔'' (العیاذ باللہ)
اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت غصہ آیا اور اس کی وجہ سے اعصابی تناؤ پیدا ہوا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے بہت سویرے، معمول سے بہت پہلے کوچ کرنے کا حکم دیا اور مسلسل دو روز تک قافلہ چلتا ہی رہا یہاں تک کہ سب لوگ تکان سے چور ہوگئے اور عبداللہ بن ابی کی بات کا چرچا ختم ہوگیا، دو روز کے بعد جب قافلے نے پڑاؤ کیا تو سب لوگ تکان کی شدت کی وجہ سے سو گئے۔[حدیث نبوی اور علم النفس]
قرآن حکیم کی بلند اور پاکیزہ تعلیمات بھی ہمیں یہی بات سکھلاتی ہیں۔ جس طرح بہتا پانی اپنا راستہ بنا لیتا ہے اور راستے کی ہر رکاوٹ سے رخ پھیر کر آگے بڑھتا ہے، اسی طرح بندہ مؤمن بھی اپنے بلند مقاصد کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ وہ جاہلوں اور کج فہموں سے اعراض کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:
﴿ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝ ﴾ [المزمل:۱۰]
''اور جو کچھ وہ (کفار) کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور خوش اسلوبی سے ان سے الگ ہو جایئے۔''
یعنی جس طرح وہ گالی گلوچ، طعنہ زنی، تمسخر اور اخلاق سے گری ہوئی حرکات کرتے ہیں، تمہارا دین اور اخلاق تمہیں اجازت نہیں دیتا کہ تم ترکی بہ ترکی جواب دو۔
قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر رحمٰن کے پسندیدہ بندوں کی خوبی کچھ اس طرح بیان کی ہے:
﴿ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ ﴾ [الفرقان: ٦٣]
''اور اگر جاہل ان سے مخاطب ہوں تو سلام کہہ دیتے ہیں۔''
حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:
''یہاں سلام سے مراد وہ سلام نہیں ہے جو انسان ابتدائے ملاقات میں کرتا ہے۔ بلکہ وہ سلام ہے جو انسان علیحدگی کے وقت کرتا ہے۔ گویا یہ لوگ ایسے جاہلوں سے بحث میں الجھنے پر وقت ضائع کرنے کی بجائے کنی کتراتے ہیں۔'' [تیسیر القرآن]
قرآن حکیم رحمٰن کے پسندیدہ بندوں کو اس سے بھی بلند مقام پر دیکھنا چاہتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:
﴿ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ۝ ﴾ [الشوریٰ۔ ۳۷]
''اور جب انہیں غصہ آجائے تو درگزر کرتے جاتے ہیں۔''
ایسے لوگ یقیناً محسنین کے زمرے میں آجاتے ہیں اور اللہ کی نگاہ میں پسندیدہ بن جاتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾

[آل عمران : ۱۳۴]

”جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ (ایسے) نیک لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔“

غور کیجئے! غصہ بہت سی ندامتوں اور حسرتوں، مایوسیوں اور ناکامیوں کا ذریعہ بنتا ہے، اس پر ضبط اور کنٹرول کرنا بہت سی راحتوں اور امیدوں، حسرتوں اور شادمانیوں کو لاتا ہے۔ دیکھئے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا: مجھے نصیحت فرمائیے! آپ نے فرمایا:

”غصہ نہ کیا کرو۔!“

اس نے کئی بار (مزید نصیحت کے لیے) درخواست کی تو آپ ﷺ نے (ہر بار یہی) فرمایا: ”غصہ نہ کیا کرو!“ [اربعین نووی]

طبیب اعظم ﷺ نے اس شخص کے چہرے مہرے سے اندازہ لگایا ہوگا کہ اس میں بہت سی صفات ہیں مگر سخت مزاجی سے یہ بڑے خسارے میں ہے اور اگر یہ اپنے غصے پر ضبط کر لے تو یقیناً کندن (سونا) بن جائے گا، چنانچہ بار بار اسے ایک ہی بات کی نصیحت فرمائی۔

عبداللہ بن مبارک مشہور محدث سے گزارش کی گئی کہ وہ حسنِ اخلاق کو ایک لفظ میں بیان کر دیں، تو آپ نے کتنا مختصر جواب دیا: ”غصے کا ترک کرنا“ [جامع العلوم والحکم۔ ابن رجب حنبلی]

حسن البصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”جو شخص رغبت اور شوق، خوف اور ڈر، شہوت اور غضب کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے، اسے اللہ تعالیٰ شیطان سے محفوظ فرما دے گا اور جہنم اس پر حرام کر دے گا۔“

رغبت اور شوق کسی چیز کے حاصل کرنے کی طرف دل کو مائل کرتے ہیں، پھر اس کے حصول کے لیے عموماً ہر جائز و ناجائز، حلال و حرام ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح جس چیز سے ڈر اور خوف ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لیے بھی جائز و ناجائز طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

شہوت انسان کو لذت پرستی کی طرف مائل کرتی ہے اور اکثر حرام چیزوں مثلاً زنا، چوری، شراب نوشی، کفر و شرک، بدعت و نفاق اور جادو ٹونے کی طرف لے جاتی ہے۔

غیظ و غضب میں دل جوشِ انتقام میں کھول اٹھتا ہے اور اس کی وجہ سے قتل و غارت، لوٹ مار، گالی گلوچ، طعن و تشنیع اور طلاق ایسے ناخوش اور ناپسندیدہ افعال سرزد ہوتے ہیں۔ [جامع العلوم والحکم۔ ابن رجب حنبلی]

اسلام زندگی کو تابندگی عطا کرتا ہے۔ وہ اسے ارفع و اعلیٰ اقدار سے آراستہ کرتا ہے۔ وہ حلم اور بردباری ایسی صفات سے مزین کرتا ہے، غیظ وغضب ایسے رذائل سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔

غصے پر قابو پانے میں رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ بہترین نمونہ ہے اور سیرت کا یہ باب روشن اور درخشندہ ہے۔ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے ساتھ برا معاملہ کرتا تو آپ ﷺ جواب میں خندہ روئی سے پیش آتے، معاف کر دیتے اور حسن سلوک فرماتے۔ اس واقعے پر غور کیجئے!

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوتے تھے جس کا کنارہ سخت تھا۔ اتنے میں ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ ﷺ کی چادر زور سے کھینچی، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی گردن پر چادر کے کنارے کے نشانات پڑ گئے ہیں۔ پھر وہ اعرابی کہنے لگا: ''مجھے اللہ کے اس مال میں سے دیے جانے کا حکم دیجئے جو آپ کے پاس ہے۔'' رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکراتے ہوئے اسے عطیہ دینے کا حکم دیا۔

[جامع العلوم والحکم]

قریشِ مکہ نے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ستانے ، مارنے، ڈرانے، دھمکانے اور پریشان کرنے میں کوئی کسر روا نہ رکھی، فتح مکہ پر آپ ﷺ نے انتقام لینے اور غم و غصے کی آگ بجھانے کی بجائے ان پر مروّت و احسان کے جو پھول برسائے اس کی مہک رہتی دنیا تک قائم رہے گی اور یہ مثال پتہ دے رہی ہے کہ دشمن پر پوری طرح قابو پانے کے بعد اسے معاف کر دینا کتنی بڑی نیکی ہے۔ قرآن حکیم اپنے پیروکاروں کو اسی بلندی پر لے جانا چاہتا۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَكَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ۝ ﴾

[حم السجدة: ٣٤]

''بدی کا سب سے بہتر بات سے دفاع کیجئے (اس طرح) جس شخص کی آپ کے ساتھ عداوت ہے وہ آپ کا گہرا دوست بن جائے گا۔''

آپ ﷺ کے حسن سلوک کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ کس ذوق و شوق سے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

افسوس کہ آج مسلمانوں نے احسان و مروت ایسی تمام خوبیوں کو پس پشت ڈال دیا ہے اور جس اخلاقی زوال کا شکار ہیں اس پر آنسو بہانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اپنے پاس عدل و انصاف، اخلاق و مروت کی روشنی رکھتے ہوئے بھی، ظلم وستم، دجل وفریب کے اندھیروں میں گرفتار ہیں۔ خواتین

کے ساتھ زیادتی اور طلاق کی شرح یورپ میں بہت زیادہ ہے۔مگر افسوس کہ شرم وحیا سے تہی دامن ہونے کے سبب اس کا گراف ہمارے معاشرے میں بھی بڑھ رہا ہے۔

کاش کہ ہم اسلام کی تعلیمات عالیہ کو اپنائیں۔

دعاء والتجاء:

《 نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا 》

"ہم اللہ تعالیٰ کی اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے پناہ پکڑتے ہیں۔"

مسلمان۔۔۔رحمت کا پیغام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: 《اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَّايَسْقُطُ وَرَقُهَا وَاِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ 》 فَحَدِّثُوْنِيْ مَاهِيَ؟ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ ، فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوْا ، حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟قَالَ: 《 هِيَ النَّخْلَةُ۔ 》 [متفق علیه۔صحیح بخاری : کتاب العلم :باب ۳،۵،۱۴،۱۵]

"سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: درختوں میں ایک درخت ایسا ہے کہ جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور یہی درخت ایک بندۂ مسلم کی مثال ہے،اچھاتم لوگ بتاؤوہ کون سا درخت ہے ؟لوگ جنگل کے درختوں کے بارے میں سوچنے لگے،سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں "میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو کھجور کا درخت ہے مگر مجھے بتاتے ہوئے شرم آئی" اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی بتادیجئے کہ وہ کون سا درخت ہے؟ارشادفرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔"

مسلمان حاکم ہویا محکوم،آقا ہویا غلام،مرد ہویا عورت،اس کی زندگی اس سدا بہار،سایہ دار،سرسبز اور شاداب،پھلدار درخت کی مانند ہے کہ جس کے سائے تلے ہرذی روح نہ صرف راحت وسکون کا سانس لیتاہے بلکہ اس کے شیریں اور لذیذ پھل سے ہرآن اللہ کی مخلوق فیض یاب ہوتی رہتی ہے۔اس کا سایہ راحت جان اور اس کا پھل قوت بدن ہوتاہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان صدق نے اسے کھجور کے درخت سے کیاعمدہ مثال دی ہے یہی بات قرآن حکیم نے اس طرح بیان کی ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ [ابراھیم: ۲۴-۲۵]

"کیاتم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں ہر آن وہ اپنے ربّ کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے، یہ مثالیں اللہ تعالیٰ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق سیکھیں۔"

ہمارے پیارے نبی ﷺ اور آپ کے مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں ایسی پاکیزہ تھیں کہ جن سے نسل انسانیت کو فیض پہنچا۔آپ ﷺ تو نبوت ملنے سے پہلے بھی لوگوں کے ساتھ احسان ومروت، بھلائی وخیرخواہی میں پیش پیش تھے۔جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بار نبوت سے نوازا اور غار حرا میں آپ ﷺ کے پاس جبریل امین وحی لے کر آئے تو آپ گھر تشریف لائے اور بتقاضائے بشریت آپ کچھ خائف تھے۔اس پر خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا نے کہا "نہیں آپ ﷺ کو ڈر کاہے کا، میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقرباء پر شفقت فرماتے، سچ بولتے، بیواؤں، یتیموں، بے کسوں کی دستگیری کرتے، مہمان نوازی فرماتے، اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں، اللہ آپ کو کبھی اندوہگیں نہ فرمائے گا۔[رحمتہ للعالمین، جلد ۱، قاضی سلیمان رحمہ اللہ منصور پوری]

نبوت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانوں کو پاکیزہ اور نکھری ہوئی سوچ عطا کی اور زندگی کو بامقصد بنادیا۔لوگوں کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلاکر صرف اور صرف ربّ کائنات کا غلام بنایا۔اور بنی نوع انسان کی خدمت کا سبق سکھایا اور یہ فرمایا:

« اِرْحَمُوْامَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ »

"تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والاتم پر رحم کرے گا"

مولانا حالی نے اس کا ترجمہ خوب کیا ہے:

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

قرآن حکیم کی بلند تعلیمات نے متعدد مقامات پر انسانوں کی خدمت کی تعلیم دی ہے ان آیات پر غور کیجیے:

﴿وَمَآ اَدۡرٰكَ مَا الۡعَقَبَةُ ۞ فَكُّ رَقَبَةٍ ۞ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِيۡ يَوۡمٍ ذِيۡ مَسۡغَبَةٍ ۞ يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ۞ اَوۡمِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ۞﴾ [البلد:۱۲تا۱۶]

''اورتم کیا سمجھو(بلندیوں تک) پہنچنے کے لیے گھاٹی کیا ہے؟کسی (ناحق) قیدی کو آزاد کرانا یا بھوکے کوکھانا کھلانا یتیم رشتہ داروں کو یا فقیر خاکسار کو''

حقیقت یہ ہے کہ اسلام انسانوں کو اچھا اور سچا انسان بنا کر انہیں معراج انسانیت پر فائز کرنا چاہتا ہے۔رسول مکرم ﷺ نے سنگ وخشت سے عالی شان عمارتوں اور یادگار میناروں کی تعمیرنہیں کی بلکہ انسانوں کے کردار اور اخلاق کو سنواراااور نکھاراہے،غور کیجیے کہ فتح مکہ آپ ﷺ کی زندگی میں کتنا اہم واقعہ ہے۔فتح کے بعد نہ شادیانے بجائے گئے اور نہ بگل اور نقاروں کی گونج ہوئی۔اور نہ فخر وغرور ہی کی جھلک نظر آئی۔اس عظیم کامیابی پر نہ تو بابِ اسلام تعمیر ہوااور نہ کسی منارۂ کامیابی کا سنگ بنیاد ہی رکھا گیا۔بلکہ ربّ کائنات کی کبریائی وعظمت کا اعلان ہوا۔خانہ کعبہ کو بتوں سے صاف کرکے توحید کا پرچم لہرایا گیااور پھر انسانوں کے اخلاق کی تعمیر شروع ہوئی۔اور اتنے اچھے انسانوں کی جماعت تیار ہوئی جنہوں نے چار دانگ عالم میں نیکی اور سچائی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ہم پاکستان میں قانون شریعت اور لوگوں کے تعمیر اخلاق کے لیے ترس گئے مگر افسوس ہماری توجہ سطحی تگ و دو۔۔۔ مینار پاکستان اور باب پاکستان کی تعمیر کی طرف لگادی گئی ہے۔۔۔کیاصرف پتھروں اور اینٹوں کے ڈھیر جمع کرنے سے ہم کامیابی سے ہمکنار ہوسکتے ہیں؟ جب کہ پوری قوم اخلاقی انحطاط کا شکار ہے۔قرآن کہتا ہے کہ عاد وثمود کی قومیں بڑے مضبوط اور قد آور لوگوں پر مشتمل تھیں جنہوں نے پہاڑوں سے پتھر کاٹ کاٹ کر بلند وبالا محلات تعمیر کیے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے باغی اوراخلاق سے تہی دامن ہونے کے باعث نیست ونابود ہوگئیں۔زندہ وہی لوگ اوروہی قومیں ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی اور اخلاقیات پر مضبوطی سے جمے رہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں فہم وبصیرت عطا فرمائے۔آمین۔

دعاء والتجاء:

«اَنۡتَ وَلِيُّنَا، فَاغۡفِرۡلَنَا، وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الۡغَافِرِيۡنَ ۞ وَاكۡتُبۡ لَنَا فِيۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِي الۡاٰخِرَةِ اِنَّا هُدۡنَآ اِلَيۡكَ» [الاعراف:۱۵۵،۱۵۶]

''(اے رب) آپ ہی ہمارے کارساز ہیں، پس ہمیں بخش دیجیے اورہم پر رحم فرمایئے اور آپ سب سے بہتر بخشنے والے ہیں اورلکھ دیجیے ہمارے لیے اس دنیامیں بھلائی اور آخرت

میں بھی اور بے شک ہم آپ ہی کی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں''

ظلم کو مٹانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے

« عَنْ اَبِی بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّکُمْ لَتَقْرَؤُوْنَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ۚ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ﴾

[المائدہ:۱۰۵] وَاِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم یَقُوْلُ: «اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَأَوُ الظَّالِمَ فَلَمْ یَأْخُذُوْا عَلٰی یَدَیْهِ اَوْشَكَ اَنْ یَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِّنْهُ »

[رواہ ابوداؤد' ترمذی' نسائی بحوالہ شمع رسالت' مفتی شمس الدین]

''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم قرآن کی یہ آیت پڑھتے ہو''اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو' کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا' اگر تم خود راہ راست پر ہو'' اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ جب ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ ان پر اپنا عمومی عذاب نازل فرما دے۔''

یہ محاورہ زبان زدِ عام ہے''تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو'' مگر مسلمان کا معاملہ اس دنیا میں اس سے بالکل مختلف ہے' اس کے جینے کا مقصد نہ صرف اپنی اصلاح ہے بلکہ دوسروں کی فلاح اور بھلائی بھی ہے۔ وہ خود بھی نیک بنتا ہے اور دوسروں کو بھی نیک بنانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے' وہ خود بھی صراطِ مستقیم پر قائم رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾

[حم السجدہ:۳۳]

''اور اس شخص سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے' جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیے اور کہا کہ میں (خود بھی) اللہ کا فرماں بردار ہوں۔''

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دعوتِ حق پیش کرتے ہوئے مخالفین کو خندہ پیشانی سے پیش آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴾ [حم السجدہ: ۳۴]

''نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہوسکتی تم (بدی کا) جواب ایسی بات سے دو جو سب سے

اچھی ہو۔ (نتیجہ یہ ہوگا کہ) جس شخص کی آپ کے ساتھ عداوت ہے وہ آپ کا گہرا دوست ہو جائے گا۔''

آپ غور کریں تو بحیثیتِ مجموعی امتِ مسلمہ کی ذمہ داری اس دنیا میں برائیوں کو مٹا کر نیکیوں کو فروغ دینا ہے تاکہ شر اور فساد نابود ہو جائے اور یہ کرۂ ارض گہوارۂ امن و سلامتی بن جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

''(مسلمانو!) تم بہترین امت ہو جسے انسانوں (کی صلاح و فلاح) کے لیے (میدان میں) لایا گیا ہے' تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر تم ایمان رکھتے ہو۔''

بلکہ حکم ہے کہ علماء و فضلاء کی ایک جماعت ہمہ وقت دعوت و تبلیغ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوتی رہے' وہ تحریر و تقریر پر کوشش کو بروئے کار لائے۔

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ [آل عمران: ۱۰۴]

''اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہونے چاہییں جو نیکی کی طرف بلاتے رہیں' اچھے کاموں کا حکم دیتے رہیں اور برے کاموں سے روکتے رہیں اور ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔''

اس آیت کے ضمن میں حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''اس سے ایسے لوگ مراد ہیں جو علومِ شریعت کے ماہرین اور دعوت کے آداب سے واقف ہوں' ان کی زندگی کا وظیفہ (مشن) ہی یہ ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیا کریں اور برے کاموں سے روکتے رہیں۔'' [تیسیر القرآن]

معاف کیجیے! اگر زندگی کا مقصد اس دنیا میں محض بود و باش اختیار کرنا' شاندار عمارات بنانا' کھانا پینا اور شادی بیاہ کرنا ہی ہو تو یہ بات حیوانات میں بھی موجود ہے' انسانوں کو آخر مسجودِ ملائکہ کیوں بنایا گیا ہے؟

انسان نے بالعموم اور مسلمان نے بالخصوص اس شرف کو ضائع کر دیا ہے' ہماری زندگی محض دولت وسطوت' فخر و غرور' طاقت اور گھمنڈ اور زور و زر تک محدود ہو چکی ہے' جس کی وجہ سے آج اس دنیا سے امن و سلامتی نے بوریا بستر لپیٹ لیا ہے اور ہر طرف فتنہ و فساد کے الاؤ بھڑک رہے ہیں ان حالات میں طبرانی کی اس حدیث پر غور کیجیے!

''اے لوگو! معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو' قبل اس کے کہ تم اللہ کو پکارو اور تمہاری دعا رد کر دی جائے اور قبل اس کے کہ تم استغفار کرو مگر وہ قبول نہ کیا جائے۔ بے شک امر بالمعروف

(عذاب کا) وقت قریب نہیں کرتا اور یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان (علماء وصوفیاء) نے جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دیا تو اللہ نے ان پر انبیاء کی زبان سے لعنت بھجوائی اور ان پر عمومی بلائیں نازل ہوگئیں۔" [طبرانی۔۔۔ حوالہ شمع رسالت]

دعاء و التجاء:

«رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝»

[آل عمران:۱۴۷]

"اے میرے ربّ! آپ ہمارے گناہوں کو اور ہمارے امور کی زیادتیوں کو بخش دیجیے اور (دشمن کے مقابلے میں) ہمارے قدموں کو ثبات دیجیے اور کفار پر ہماری مدد فرمائیے۔

مسلمان ظلم کا حامی نہیں ہوسکتا

عَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُوْلُ: «مَنْ مَّشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِّيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ»

[مشکوۃ۔باب الظلم]

"سیدنا اوس بن شرجیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص ظالم کو ظالم جاننے کے باوجود اس کا ساتھ دے وہ اسلام سے نکل جاتا ہے"

لغت: ظُلْمَة: روشنی کا معدوم ہونا، عدل وانصاف سے منہ موڑنا، اور کبھی ظلمۃ کا لفظ بول کر جہالت، شرک اور فسق وفجور کے معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس نور کا لفظ یقین وایمان، طہارت اور پاکیزگی پر بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ [البقرۃ:۲۵۷]

"اللہ تعالیٰ مددگار ہے اہل ایمان کا کہ انہیں (کفر اور جہالت) کے اندھیروں سے نکال کر (ایمان اور بصیرت) کی روشنی سے بہرہ ور فرماتا ہے۔"

ایک جگہ یوں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ [لقمان:۱۳]

"بے شک شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے"

سورہ طلاق میں ارشاد ہوا:

﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ [الطلاق:۱]

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مقررہ کردہ حدوں کو توڑے تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔''

روزِ جزا کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾ [الانبیاء:۴۷]

''پس اس دن کسی کی جان پر تھوڑا سا بھی ظلم نہ ہوگا''

(بلکہ عدل وانصاف سے فیصلہ سنادیا جائے گا)

یہ حقیقت ہے کہ اسلام علم اور روشنی، ایمان اور بصیرت، سلامتی اور راستی اور عدل وانصاف کی راہ ہے۔ جب کہ کفر کی بنیاد شرک اور جہالت، غداری اور دغابازی مکروفریب اورظلم وستم پر ہے، پہلا راستہ انصاف پر مبنی ہے، اس دنیا میں بھی انصاف اور آخرت میں بھی انصاف، اس لیے سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۷ میں لفظ نور مفرد استعمال ہوا ہے کہ ایمان کی روشنی صرف خط مستقیم میں سفر کرتی ہے اور ربّ کریم تک رسائی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو اس دنیا میں اس روشنی کو پھیلانے کے لیے بھیجا، ہدایت کے یہ روشن ستارے مختلف قوموں اور بستیوں میں، شہروں اور ملکوں میں چمکتے رہے اور سعادت مند نفوس ان سے راہ یاب ہوتے رہے تا آنکہ سراج منیر ﷺ کی روشنی نسل انسانیت کے لیے تا قیامت پھیل گئی۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾ [الاحزاب:۴۴۔۴۵]

''اے نبی (ﷺ)! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا (ہدایت کا) روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

پس دنیا میں اگر روشنی پھیل سکتی ہے تو آپ ہی کی شریعت سے اور اگر عدل قائم ہوسکتا ہے تو آپ ہی کے دین سے۔

نور کے مقابلے میں ظلمات کا لفظ جمع استعمال کیا گیا ہے، جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ظلم وجہل کی نت نئی راہیں ہیں۔ کفر اور بغاوت سے انسان انہی راہوں پر چل پڑتے ہیں اور شیاطین ان کے مددگار ہوتے ہیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ﴾

[البقرة:۲۵۷]

''اور جن لوگوں نے (ایمان کا انکار کیا) تو ان کے دوست شیاطین ہیں جو ان کو روشنی (نورایمان) سے نکال کر اندھیروں (کفراور جہالت) کی طرف لاتے ہیں''

یہ شرک اور کفر، دنگہ وفساد، قتل وغارت، ظلم وستم، مکروفریب، برائیاں اور بے حیائیاں (ظلمات) زندگی کی تاریکیاں ہیں جن میں انسانوں کی اکثریت تباہ وبرباد ہوچکی ہے۔ اور شیطان بُرے اعمال کو پرکشش بناتا ہے۔

﴿ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ [الانعام:۴۳]

''اور شیطان (ان کے برے اعمال) کو ان کے لئے باعث زنیت بناتا ہے۔''

انسان کی جوانمردی اور پامردی یہ ہے کہ ان شیطانی ہتھکنڈوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے، تب ہی وہ صراط مستقیم پر گامزن ہوسکے گا۔

﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴾ [سورة البقرة:۲۵۶]

''اب جوکوئی ان گمراہ کرنے والوں کو نہ مانے اور اللہ پر صدق دل سے ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ پکڑلیا جوٹوٹنے والانہیں ہے۔''

ایمان لانے کے بعد اہل ایمان کی کڑی ذمہ داری اور زندگی کا اہم فریضہ بن جاتا ہے کہ دنیا سے ظلم وستم اور فتنہ وفساد ختم کرکے اسلام کا عادلانہ نظام قائم کریں۔ اور نظام حق کو قائم کرنے کے لیے ہر قسم کا جہاد جاری رکھیں۔

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ [الانفال:۳۹]

''ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ وفساد (نظام کفر) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہوجائے (مکمل طور پر اسلام نافذ ہوجائے اللہ تعالیٰ کی توحید کا پھریرا چاردانگ عالم میں لہرایا جائے)

مسلمانو! مجھے ذرا بتاؤ کہ دنیامیں ظلم وستم کو کون ختم کرے گا اللہ نے تمہیں زمین کی وراثت اور خلافت بخشی ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے سے تمہاری ذمہ داری کہیں بڑھ جاتی ہے۔ شہداء علی الناس تمہیں ہی پکارا گیا ہے۔

اے دعوت ایمان پر لبیک کہنے والو! تم کس غفلت میں پڑے ہو اور کس بات کا انتظار کررہے ہو۔ یہ دنیا عارضی اور فانی ہے اور زندگی پانی کے بلبلے سے بڑھ کر بے ثبات ہے۔

اے پاکستانی مسلمانو! تمہاری غفلت سے پاکستان میں اٹھاون برس میں بھی نظامِ حق قائم نہ ہوسکا۔جس سے ملک کا نظم وضبط تہہ وبالا ہوگیا اور ہر طرف فتنہ وفساد اور قتل وغارت کا بازار گرم ہوچکا ہے۔ان سیاستدانوں کو بھلا اسلام سے کیا محبت ہوسکتی ہے وہ تو اپنی کرسی بچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہاں جانیں ضائع ہوں، عزتیں لٹیں، عورتوں کی عصمت دری ہو، بچے اغوا ہوں، لوگ بھوکوں مریں، سرراہ لٹ جائیں تو سب کچھ ہوتا رہے مگر ان کے اقتدار کو آنچ نہ آنے پائے ہم گزشتہ اٹھاون برس سے ان حریص سیاستدانوں کو ایسا دیکھتے آئے۔

آہ ......! میں یہ عبارت لکھ رہا تھا کہ اخبار پر نظر پڑی کہ سپاہ صحابہ کے مولانا سیف اللہ خالد کو دن کی روشنی میں بھرے بازار میں چھلنی چھلنی کردیا گیا۔'' اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ ''سنی ہو یا شیعہ یا کسے باشد ناحق کسی کی جان لینا ظلم عظیم ہے اور یہ ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

﴿ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا ۢ بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ﴾ [المائدة:٣٢]

''جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام نسل انسانیت کو قتل کیا۔اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا تو گویا کہ وہ نسل انسانیت کی زندگی کا موجب ہوا۔

دعاء والتجاء:

«رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ۝ »[آل عمران: ۸]

''اے ہمارے ربّ! ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا مت کیجیے اور ہم کو اپنی طرف سے رحمت عنایت فرمایئے بے شک آپ بہت عطا کرنے والے ہیں۔''

ظلم کا انجام

عَنِ ابۡنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الظُّلۡمَ ظُلُمَاتٌ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ » [مسلم' باب تحريم الظلم]

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات (تاریکیاں) بن جائے گا۔''

الظُّلْمَةُ عَدَمُ النُّورِ وَجَمْعُهَا ظُلُمَاتٌ، ظلمت کے معنی روشنی کا معدوم ہونا اور اس کی جمع ظلمات ہے۔ [مفردات القرآن]

''ظُلْمٌ'' کا لفظ قرآن و حدیث میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے کبھی یہ کفر و شرک کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ، کی ذات و صفات اور افعال میں کسی دوسرے کو شریک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔

سورۂ لقمان میں، سیدنا لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان: ۱۳]

''پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

''ظُلْمَةٌ'' سے جہالت اور گمراہی کے معنی لیے جاتے ہیں جب کہ اس کے مقابلہ میں لفظ نور میں ہدایت اور ایمان کے معنی نکلتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ [البقرة: ۲۵۷]

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان سے بہرہ ور ہوئے، وہ انہیں (کفر و ضلالت) کی تاریکیوں سے نکال کر (ایمان اور ہدایت) کی روشنی میں لاتا ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ ظلمات کا لفظ جمع جب کہ لفظ نور مفرد لایا گیا ہے۔ اس لیے کہ کفر و ظلمات کی قسمیں بے شمار اور لاتعداد ہیں، انواعِ کفر اور اسبابِ کفر بہت زیادہ ہیں، دو نقطوں کے درمیان منحنی یا ٹیڑھے خط بے شمار ہو سکتے ہیں جب کہ سیدھا خط ایک ہی ہوتا ہے یعنی صراطِ مستقیم ایک ہی ہے، قرآن حکیم میں النور کا لفظ جہاں جہاں بھی آیا ہے صیغہ مفرد میں آیا ہے۔

اور کبھی ظلم کا اطلاق کسی چیز میں کمی واقع ہونے پر ہوتا ہے، ارشاد ہوا:

﴿ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴾

[الکھف: ۳۳]

''دونوں باغ (کثرت سے) پھل لاتے اور ان (کی پیداوار) میں کسی طرح کمی نہ ہوتی اور دونوں کے درمیان ہم نے نہر بھی جاری کر رکھی تھی۔''

پھر اس لفظ ''ظُلْمَةٌ'' کا استعمال تاریک اور اندھیری جگہ کے لیے بھی ہوا، جیسا کہ فرمایا:

﴿ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

[الانبیاء: ۸۷]

(پھر یونس علیہ السلام) نے اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور

بے شک میں قصور وار ہوں۔''

اور ظلم کا مفہوم یہ بھی ہے کہ عدل و انصاف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کسی پر ظلم و زیادتی کی جائے، اس کے جان و مال کو غارت کیا جائے، زبان درازی اور دست درازی کی جائے، مختلف حربوں اور طریقوں سے پریشان کیا جائے، کسی کا رہنا سہنا دوبھر اور مشکل کر دیا جائے، قرآنی حکم، اس ظلم کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾

[الشوریٰ:٤٢]

''الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔''

اس درس میں ہمارا موضوع بحث یہ آخری مفہوم ہے، یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی معاشرہ ظلم و ستم کی لپیٹ میں آ جاتا ہے تو وہاں سے عدل و انصاف اپنا بوریا بستر لپیٹ لیتا ہے ۔ پھر وہاں قتل و غارت، چوری اور ڈکیتی، بدی اور بے حیائی ، رشوت اور اقربا پروری اور اسی قبیل کی بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں، مجرم گرفت میں آتے ہیں اور بسا اوقات وہ بڑی بڑی رقومات بطور رشوت دے دلا کر چھوٹ جاتے ہیں۔اور پھر سے ویسے ہی فتنہ و فساد اور لوٹ کھسوٹ کرتے پھرتے ہیں، عدلیہ، جہاں شہریوں کو عدل وانصاف بلامعاوضہ اور بلاتاخیر ملنا چاہیے ناانصافیوں کا سب سے بڑھ کر مظاہرہ اسی جگہ پر ہونے لگتا ہے، وہ صرف رسمی طور پر عدالتی مرکز کہلاتے ہیں، حال یہ ہوتا ہے کہ وہاں کے در و دیوار پکار پکار کر کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے حق میں کوئی فیصلہ لینا چاہتے ہو (خواہ تم سراسر ناحق پر ہی کیوں نہ ہو) تو اپنی جیب ان فرضی منصفوں اور کارندوں کے لیے کشادہ کر دو ۔مگر یاد رکھو یہ ناانصافیاں، یہ حق تلفیاں، یہ زیادتیاں، یہ ظلم و ستم چند روزہ ہے۔ پھر تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہونا پڑے گا اور تمہارے یہ ظلم روزِ جزا ظلمات (اندھیرے) بن جائیں گے اور تمہیں کامیابی کی ادنیٰ سی کرن بھی دکھائی نہ دے گی، تم چیخ و پکار کرو گے مگر وہ سنی نہ جائے گی۔تمہارا وہاں کوئی ساتھ نہ دے گا۔قریبی رشتے ساتھ چھوڑ دیں گے۔ ماں باپ، خاوند، بیوی، بہن بھائی اور دوست و احباب روٹھ جائیں گے۔ نہ زور و زر کا فائدہ ہوگا اور نہ ہی کسی پیرومرشد کا رابطہ ہی اللہ تعالیٰ کی سزا اور گرفت سے تمہیں بچا سکے گا۔

﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝﴾ [عبس:٣٤-٣٧]

''اس دن (ایسی نفسا نفسی پڑے گی) کہ آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں، اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا، ان میں سے ہر شخص کو اس دن اپنی ہی پڑی ہوگی۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس دن کے متعلق فرمایا ''جس نے اپنے بھائی کی آبروریزی یا کسی پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ آج ہی اس سے پاک ہولے، اس دن سے پہلے کہ اس کے پاس دینے کو نہ درہم ہوگا اور نہ دینار (کہ وہ انہیں بطور فدیہ دے کر سزا سے بچ جائے) پھر اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اسے اس کے ظلم کے بقدر اس سے لے لیا جائے گا۔ (اور وہ مظلوم کو دے دیا جائے گا) اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو (مظلوم) کی برائیاں اس (ظالم) پر ڈال دی جائیں گی۔ [بخاری۔ ابواب المظالم]

ظالم خواہ کتنا ہی طاقتور اور مالدار ہو روزِ قیامت مفلس اور تنگدست ہو جائے گا۔ اس بات کو کتنے خوبصورت پیرایہ میں لسانِ نبوت نے ادا کیا۔

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے یہاں تو مفلس وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس روپیہ پیسہ اور ساز و سامان نہ ہو، (اس پر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا، اور پھر کسی کو (یوں ہی) مارا پیٹا ہوگا۔ ایسے شخص کو بٹھایا جائے گا اور اس کی نیکیاں (اس کے ظلموں کے) قصاص کے طور پر ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی۔ (کہ جس پر اس نے ظلم کیا ہوگا) پھر اگر اس کی نیکیاں اس کے ظلموں کا قصاص پورا کرنے سے پہلے ہی ختم ہوگئیں تو پھر مظلوم کی خطائیں اس پر لاد دی جائیں گی اور پھر اس (ظالم) کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ [ترمذی بحوالہ اسوہ حسنہ۔ جلد دوم بنت الاسلام]

غور کیجئے کہ اس کائنات کا خالق و مالک عادل ہے اور وہ بندوں پر ہرگز ظلم کو پسند نہیں فرماتا۔

﴿ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ﴾ [آل عمران: ۱۰۸]

اور اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اس نے انسان کو اس دنیا میں نائب بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ اس کی زمین پر اسی کا نظام جاری و ساری کرے، انسان کا شرف اسی میں ہے کہ وہ نظام عدل کو قائم کرے اور ہر قسم کے ظلم و ستم کا استیصال کرے اس لیے کہ ربِّ کائنات کو ظالم لوگ ہرگز پسند نہیں ہیں۔

﴿ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ﴾ [الشوریٰ: ۴۰]

''بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور ظالم رشد وہدایت سے بھی محروم رہتے ہیں۔''

﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ﴾ [البقرہ: ۲۵۸]

''اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں عطا فرماتا۔''

ظلم انفرادی ہو یا اجتماعی اس کا انجام برا ہے۔ ظلم کو روکنا اور ظالم کا ہاتھ پکڑنا ہر شخص کی ذمہ داری ہے، اس سلسلہ میں سب سے بڑی ذمہ داری کسی سلطنت میں حکومت کی ہوتی ہے، اس کی حیثیت ماں باپ کی سی ہے، اگر ماں باپ بچوں میں ظلم اور فساد دیکھتے ہوئے خاموشی اختیار کیے رکھیں تو نہ صرف گھر کا نظام تلپٹ ہو جائے گا بلکہ وہ خود بھی مجرم اور ظالم ٹھہریں گے۔ اسی طرح اگر کوئی حکومت ظلم کا قلع قمع نہیں کرتی اور ظالموں کو گرفت میں نہیں لاتی تو وہ نہ صرف ملک میں فساد اور انتشار پھیلانے کی ذمہ دار ہے بلکہ وہ خود بھی ظالموں اور ظلم کا ساتھ دیتی ہے بلکہ لوگ بھی ظلم کرنے میں آزاد ہو جاتے ہیں۔

اگر ز باغِ رعیت ملک خورد سیبے
برآورند غلاماں درخت از بیخ
بہ پنجِ بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد
زنند لشکر یانش ہزار مرغ بہ سیخ

سعدی شیرازی کے ان اشعار کا کیا خوبصورت اردو اشعار میں ترجمہ کیا ہے۔

جو کھائے شاہ رعیت کے باغ سے اک سیب
سپاہی پیڑ کو جڑ سے اکھاڑ لائیں گے
وہ ایک انڈا بھی چھینے تو لشکری اس کے
ہزاروں مرغ رعایا کے کھائیں گے

آج پاکستان کے حالات پر نگاہ ڈالیں تو اخبارات کی سرخیاں بتا رہی ہوتی ہیں کہ عدل و انصاف اس ملک سے رخصت ہو چکا ہے۔ ہم نظامِ اسلامی کی برکات وثمرات سے عرصہ دراز سے محرومی کا شکار ہیں۔ اسلام سے محبت کا دعویٰ صرف زبان تک ہے، عملی لحاظ سے کورے کے کورے ہیں، مظلومین کی یہ جماعت میدان محشر میں جمع ہوگی تو جہاں ان پر ظلم کرنے والوں کا محاسبہ ہوگا اور انہیں بری طرح عاجز کیا جائے گا۔ وہاں حکومت وقت کا بھی حساب کتاب ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کے حضور ہر شخص ٹھیک ٹھیک جزا وسزا پائے گا۔ اس ضمن میں ان لوگوں سے بھی باز پرس ہوگی جو دعویٰ تو دیندار ہونے کا کرتے ہیں مگر

آپس میں کٹے پھٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔

دعاء والتجاء:

« رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ »[الأعراف:٤٧]

”اے ہمارے رب! نہ کیجیے ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ(بلکہ ہمیں ظالموں اورظلم سے بچائیے)۔“

شرم وحیا

عَنِ ابۡنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡاَنۡصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِی الۡحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ : « دَعۡهُ فَاِنَّ الۡحَيَاءَ مِنَ الۡاِيۡمَانِ ۔ »[متفق علیه۔ریاض الصالحین۔باب الحیاء]

”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے پاس سے گزرے وہ اپنے بھائی کو شرم وحیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا(یعنی اتنی شرم نہیں کرنی چاہیے)جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اسے چھوڑ دو حیاء تو ایمان کا حصہ ہے۔“

” اَلۡحَيَاءُ اِنۡقِبَاضُ النَّفۡسِ عَنِ الۡقَبَائِحِ وَتَرۡكِهٖ ۔“ [مفردات القرآن امام راغب اصفهانی]

”حیاء کا مفہوم یہ ہے کہ بری باتوں سے انسان کا دل تنگی محسوس کرے اور وہ انہیں چھوڑ دے۔“

دراصل انسان فطرۃً سلیم الطبع پیدا کیا گیا ہے اس کی پاکیزہ اور صالح تعلیم وتربیت اسے سعادت مند بنادیتی ہے جب کہ ماحول گرد وپیش کے حالات اور غلط بودوباش کی چھاپ اسے بگاڑتی اور خراب کرتی ہے۔جیسا کہ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ(دنیا میں)ہر پیدا ہونے والا بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔اس کے والدین اسے یہودی،عیسائی اور مجوسی(یا اسی طرح کسی اور مذہب پر لے جاتے ہیں۔)بنادیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات میں سے یہ بھی ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے اس نے مختلف ادوار میں انبیاء بھیجے،ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور تعلیمات کو تاقیامت دوام عطا کیا گیا۔اور اس ہدایت کو انسانیت کے لیے شافی اور کافی قرار دیا گیا۔اس کے علاوہ ہر انسان میں نیکی اور بدی کا شعور پیدا کیا گیا کہ اس میں سے جو بھی راہ اختیار کرنا چاہے وہ

کرسکتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ ﴾ [الشمس:۸]

''پھر اللہ تعالیٰ نے اسے بدی سے (بچنے) اور پرہیزگاری (اختیار کرنے) کا شعور بخشا۔''

اسی شعور کو وہ اگر صحیح طور پر بروئے کار لاتا ہے نیکی اور سچائی کو اختیار کرتا ہے اور ہدایت الٰہی کی پیروی کرنے لگتا ہے تو اس سے اخلاق اور مروت کے پھول کھلتے ہیں۔ وہ ایک طرف اپنے ربّ کی بندگی بجالاتا ہے تو دوسری طرف اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے ۔اس کی زندگی ان دونوں کے حسین امتزاج کا عجب نمونہ ہوتی ہے اور زندگی کا یہ رخ کلمہ طیبہ پڑھتے ہی بدل جاتا ہے۔ وہ نفس اور شیطان کے پھندوں سے آزاد ہوکر اپنے ربّ کی غلامی میں آجاتا ہے۔اس کی جبینِ نیاز ہر معبودِ باطل کو ٹھکرا کر صرف ایک ہی معبود حقیقی کے آگے جھکتی ہے۔وہ ہر بدی اور جھوٹ کو چھوڑ دیتا ہے اور ہر نیکی اور سچائی کو اختیار کرتا ہے۔وہ ہر ظلم اور زیادتی سے الگ تھلگ ہو کر عدل اور انصاف اپناتا ہے۔مختصر یہ کہ اس کی زندگی عفت اور پاکبازی، دیانتداری اور امانت ،شرم وحیا،عفوودرگزر اور تواضع وخاکساری کا نمونہ ہوتی ہے۔

زندگی کا یہ بلند وبالا شعور اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور اس دھرتی کے اوپر جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔آپ کی حیاداری کا بیان حدیث مبارکہ میں اس طرح آتا ہے ۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ گھر کے گوشے میں پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرمیلے تھے۔جب آپ کو کوئی بات ناپسند ہوتی تو ہم آپ ﷺ کے تیور پہچان لیتے تھے۔[بخاری ،مسلم،ریاض الصالحین،باب الحیاء]

اس خلق عظیم کی پاکیزہ زندگی کی ہر جہت اور ہر پہلو اخلاق حسنہ سے آراستہ نظر آتا ہے اور شجر اسلام کی آبیاری آپ کے پاکیزہ اخلاق سے ہوئی ہے۔قرآن اس کی شہادت دیتا ہے۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾[آل عمران:۱۵۹]

''(اے پیغمبر!) یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے نرم خو(بااخلاق) واقع ہوئے ہو۔اگر آپ تندخو،سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ آپ کے آس پاس سے چھٹ جاتے۔''

دوسرے مقام پر آپ کے اخلاق حسنہ کی شہادت قرآن اس طرح دیتا ہے۔

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ [القلم : ٤]

اور آپ ﷺ کی رحمت وشفقت صرف اپنی قوم اور قبیلے کے لیے نہ تھی بلکہ نسل انسانی اس سے سیراب اور فیضیاب ہونے والی تھی۔

ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ [الانبیاء : ١٠٧]

''اور اے (پیغمبر) ہم نے تمہیں تمام دنیا جہاں کے لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمتیں نازل ہوں اس پیارے رسول ﷺ پر کہ دعوت حق کے صلہ میں قوم نے جسم اطہر پر پتھر برسائے اور وہ زخموں سے نڈھال قوم کے لیے دعا گو ہوتا ہے۔

« اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِىْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ »

''اے اللہ!اس قوم کے نصیب میں ہدایت لکھ دے کہ وہ میرے مقام اور مرتبہ کو نہیں پہچانتی۔''

مسلمانو! تمہارا رب،رب العالمین ،تمہارا رسول خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین،تمہارا دین اللہ کا پسندیدہ دین« وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا » اور تم نسل انسانی کے لیے تاقیامت رہبر ورہنما﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ تو پھر تمہاری اپنی زندگیوں میں نیکی اور سعادت مندی کی کوئی جھلک نظرنہیں آتی۔آج تمہاری معاشرتی زندگی میں بہت سی اخلاقی اور روحانی بیماریاں پھوٹ پڑی ہیں اور اسلامی تعلیمات سے بے رخی کے سبب ان میں روز بروزاضافہ ہورہا ہے۔ جب کوئی قوم اخلاق سے تہی دامن ہوجائے اوراس سے شرم وحیا ایسی صفت رخصت ہوجائے تو پھر وہ شتر بے مہار کیطرح آزادہوجاتی ہے۔اس میں خیر وشر کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔اچھائی اور برائی میں فرق جاتا رہتا ہے اوراس میں برائیاں اکاس بیل کی طرح پھیلتی جاتی ہیں۔اسی حقیقت کو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث مبارک میں فرمایا ہے۔

« اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ » [بخاری،مشکوٰۃباب الرفق والحیاء]

''جب تم حیا نہ کروتو جو جی میں آئے کرو۔''

اپنے ملک کے حالات پرنظر ڈالیے۔صرف گزشتہ چند روز کے اخبارات اٹھالیجیے۔اگر آپ کے سینے میں دردمند دل ہے اوراس میں ایمان کی کوئی رمق باقی ہے تو یہ واقعات پڑھ کر بے ساختہ آنکھیں ابلنے لگیں گی۔عورتوں،بچوں ،بوڑھوں،جوانوں اور مسافروں کا دن کی چکاچوند روشنی میں قتل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ حاملہ خواتین کو بھی نہیں بخشا جاتا، ہنستے بستے گھرانے آناً فاناً مقتل بن جاتے ہیں۔نہ معلوم اب تک

کتنے گھرانے ویران ہو چکے ہیں؟ کتنی مساجد کے فرش بے گناہ نمازیوں کے خون سے رنگین ہو چکے ہیں؟ کتنی رواں دواں بسوں ،ویگنوں میں انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی ہے؟ کتنے مقتدر علماء، دانشوروں،صحافیوں اور معزز شہریوں کو ان کی حق گوئی کے باعث ان کے دفاتر میں اور شاہراہوں اور جلسہ گاہوں میں شہید کیا گیا۔شیطانی ہوس نے یہیں تک دم نہ لیا۔ہسپتالوں کو بھی نہ چھوڑا گیا اور مریضوں کی جانوں سے بے دردی سے کھیلا گیا۔تعلیمی درس گاہوں کو بھی معاف نہ کیا گیا۔کالجوں اور یونیورسٹیوں کے صحنوں اور کمروں میں طلباء کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ کہ شرم وحیاء اپنا بوریا بستر لپیٹ کر رخصت ہو چکی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ حکومت نام کا کوئی ادارہ نہیں ہے اور قانون کی بے بسی پر مظلوم انسانیت نوحہ کناں ہے۔

ہماری معاشرتی زندگی میں ہر طرف بگاڑ اور فساد ہے۔قتل وغارت ،لوٹ کھسوٹ،ڈاکے اور دھماکے،دھوکہ اور فریب،رشوت اور سودی کاروبار ایسی ہی بے شمار برائیاں معمولی خیال کی جاتی ہیں۔یوں سمجھئے کہ ہماری بستی میں جگہ جگہ غلاظت اور گندگی بکھری پڑی ہے اور ایک شریف انسان ناک پر رومال رکھ کر گندگی کے ان ڈھیروں سے دور بھاگنا چاہتا ہے مگر غلیظ ماحول پیچھا نہیں چھوڑتا ہے۔اور اس کثیف فضا میں نیک لوگ کھڑے چیں بجبیں ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے کا منہ چڑا رہے ہیں۔شریر اکٹھے ہو کر ان کی جیبیں کاٹ کاٹ کر اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔اور ان کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

حق تو یہ تھا کہ ابرار وصالحین اجتماعی قوت بن کر نہ صرف مکدر ماحول کو صاف کر ڈالتے بلکہ نظام حق کو جاری وساری کر کے فضا کو معطر بنا دیتے اور شیطان اور اس کے رفقاء کا ٹھہرنا محال کر دیتے مگر افسوس اور صد افسوس ایسا ہرگز نہیں ہے۔ایسی غلیظ اور پر تعفن فضا میں آزاد شرفاء کے لیے چند لمحات تو کجا چند ساعتیں ٹھہرنا بھی دوبھر ہے۔

مگر انہوں نے پورے ۵۸ برس گزار دیئے۔ یٰحسرۃ علی العباد۔

جس کو اللہ کی شرم ہے وہ ہے بزرگ دین
دنیا کی جس کو شرم ہے وہ مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں
فطرت کا وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

دعاء وا التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلَامَةَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ

وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالْفَوْزَ بِالْفِرْدَوْسِ الْأَعْلٰى وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ »
''اے اللہ! ہم آپ سے مانگتے ہیں آپ کی رحمت کے اسباب، اور آپ کی مغفرت کے وسائل، ہر طرح کے گناہوں سے بچاؤ کی تدبیر اور ہر نیکی سے پورا پورا نفع اٹھانے کی توفیق اور ہم جنت الفردوس کے حصول اور دوزخ سے نجات کے طلب گار ہیں۔''

[الاعتصام: ۳ ربیع الاوّل ۱۴۱۷]

ہماری حیا کہاں رخصت ہو گئی؟

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : « دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ » [متفق علیہ، ریاض الصالحین]

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے پاس سے گزرے، وہ اپنے بھائی کو شرم وحیاء کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا۔ (یعنی اتنی شرم نہیں کرنی چاہیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، حیاء ایمان سے ہے۔''

شرم و حیاء اگر انساں کا زیور ہے تو مسلمان کے ایمان کا جزوِ لاینفک ہے۔ گویا ایمان اور حیا کی حیثیت چولی دامن کی سی ہے...... ایمان کا لازمی ثمرہ حیا ہے اور حیا ہی سے ایمان کو تقویت ملتی ہے ایمان کی حقیقت پالینے کے بعد بندہ مؤمن نہ صرف اس کی لذت و حلاوت محسوس کرتا ہے بلکہ اس کے اثرات زندگی میں مرتب ہوتے ہیں مثلاً نماز پڑھنے سے اسے روحانی مسرت و شادمانی حاصل ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے وہ طمانیتِ قلب سے سرشار ہو جاتا ہے۔ پاکیزہ اخلاق سے معاشرے میں اس کا عزو وقار بڑھتا ہے دوسرے کے ساتھ اچھے معاملہ اور برتاؤ سے اس کا ضمیر ہمیشہ مطمئن رہتا ہے اور اس سے زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے اور یہ وہ خوشی ہے جو ہزاروں اور لاکھوں روپے سے بھی خریدی نہیں جا سکتی ہے۔

اسی طرح شرم و حیا سے بھی ایمان کی تروتازگی اور بہار ہے یہ اگر مرد کے لیے متاعِ گراں نما یہ ہے تو عورت کے لیے قیمتی زیور۔ اور یہ وہ زیور ہے جس کی چمک دمک میں وقت گزرنے کے ساتھ اضافہ ہی ہوتا ہے اور ایک حدیث مبارک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو سراپا خیر قرار دیا ہے۔

« اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّهٗ » [باب الحیاء ، ریاض الصالحین]

تو اگر خیر کی بہترین علامت شرم و حیا ہے تو شر کی بدترین علامت بے حیائی ہے ۔کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

لَا تَسْأَلِ الْمَرْءَ عَنْ اَخْلَاقِهٖ
فِیْ وَجْهِهٖ شَاهِدٌ مِّنَ الْخَیْرِ

’’ انسان سے اس کے اخلاق کے متعلق نہ پوچھ، اس کے چہرہ مہرہ میں اس کے اخلاق کی شہادت موجود ہے ۔‘‘

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ کسی انسان کی نشو ونما اور تعلیم وتربیت خیر اور بھلائی کے ماحول میں ہوتی ہے تو اس سے نیک اعمال کا صدور ہوتا ہے اور اگر وہ شر اور فساد کے ماحول میں پروان چڑھتا ہے تو وہ بُرے اعمال کا شکار ہوجاتا ہے ۔ اسلام لوگوں کو پاکیزہ اور صاف ستھری تعلیم و تربیت عطا کرتا ہے، قرآن حکیم کتابِ اخلاق ہے تو حاملِ قرآن جناب رسول اللہ ﷺ معلم اخلاق ہیں۔قرآن نے لباس کو لوگوں کے لیے زیب و زینت کا باعث بتایا ہے تو ساتھ ہی یہ بتلا دیا کہ تقویٰ و طہارت اور شرم وحیا کے لباس کو کبھی نظر انداز نہ کرنا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ ﴾ [الاعراف: ٢٦]

’’ اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ، جو تمہارے ستر کی حفاظت کرتا ہے اور باعثِ زینت بھی ہے۔ (اصل حقیقت یہ ہے کہ) لباس تو تقویٰ و طہارت کا ہی بہتر ہے۔‘‘

آ یئے! رسول اللہ ﷺ کے تقویٰ و حیا کا حال سنیے:

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میں گھر کے گوشے میں پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرم و حیا تھی۔ جب آپ کو کوئی بات نا پسند ہوتی تھی تو ہم آپ ﷺ کے تیور پہچان لیتے تھے۔ [متفق علیہ، باب الحیاء ریاض الصالحین]

ہماری آزادی سے پہلے کا زمانہ دورِ غلامی کا تھا۔ اس وقت شرافت و حیا، اخلاق و مروت ایسی بہت سی خوبیاں لوگوں میں موجود تھیں۔ چلنے پھرنے میں وقار اور رہن سہن میں سلیقہ اور قرینہ موجود تھا۔ ایک دوسرے کی عزت کا پاس و لحاظ تھا ہم نے اپنے بزرگوں اور بڑوں میں یہ باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں ان کی گفتگو اور لباس میں بھی تہذیب و شرافت نمایاں تھی۔ ان کے سروں پر ٹوپی یا پگڑی نظر آتی تھی

جن سے ان کی شرافت ٹپکتی تھی اور وہ معزز اور باوقار معلوم ہوتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ کالج میں ننگے سر آنا ممنوع تھا۔خواتین نقاب اوڑھتی تھیں اور نقاب بھی ایسا جو پوری طرح جسم کو ڈھانپتا تھا صرف آنکھوں کی جگہ تھوڑی سی جالی لگی ہوتی۔ میری والدہ مرحومہ ایسا ہی نقاب استعمال کرتی تھیں۔آج بھی کہیں خال خال انھی روایات کے پابند ہمارے بزرگ اور بعض گھرانوں کی خواتین وحضرات سلامت ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔آمین

حصولِ آزادی کے بعد رفتہ رفتہ تہذیب و اخلاق کی روایات کم ہونے لگیں اور گزشتہ چند برسوں سے ہمارا حال یہ ہے کہ یہ وہ ساری روایات نابود ہو چکی ہیں اور اس کی جگہ بے پردگی اورعریانی ، بے حیائی اور بے ہودگی نے لے لی ہے اور اسے مہذب سوسائٹی کا نام دیا گیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا ہے ؟

عاجز کے خیال میں پہلی بات یہ ہے کہ جب تک کسی قوم کی تعلیم وتربیت مضبوط اورٹھوس بنیاد پر نہ ہو،اس وقت تک اس کے ثمرات ونتائج کبھی مفید برآمد نہیں ہو سکتے اور دوسری بات قومی فلاح و بہبود کے لیے عدل وانصاف کی حکمرانی اور قانون کی سختی سے پاسبانی ہے۔

آزادی سے پہلے اگرچہ انگریز کی حکومت تھی اور وہ ہمارا دشمن تھا ، تاہم کسی حد تک تعلیم کا نظام بہتر تھا اور عدالتی اورملکی نظم ونسق بھی سخت اور کڑا تھا۔ اس لیے اس کے اثرات ونتائج بھی آج سے کہیں بہتر تھے۔

ہم نے یہ آزادی بے پناہ جانی و مالی قربانیوں سے اسلام کے نام پر حاصل کی تھی اور ہمارا مشن اس آزاد خطہ زمین پر اسلامی نظام کو قائم کرنا تھا اور یہ نظام تو ہر لحاظ سے آسمان کی بلندیوں کو چھوتا ہے مگر افسوس کہ ہم نے آج تک بے وفائی کا مظاہرہ کیا ہے آزادی ہمیں راس نہ آئی اور نہ ہی ہم نے اس کی قدر و قیمت ڈالی ہے۔ لالچی اورحریص سیاست دان اور جرنیل اس ملک کی قسمت سے کھیل رہے ہیں اور اب حال یہ ہے کہ ملک نہ صرف مالی طور پر بلکہ اخلاقی طور پر بھی دیوالیہ ہو چکا ہے۔

مزید افسوس ناک بات یہ ہے کہ اب بھی ہمیں سنبھلنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔

بسنت منا کر قومی دولت کو بہت بیدردی سے لٹایا گیا ہے اور جن قیمتی جانوں کا نقصان ہوا ہے اس کی خبر کن کو ہے؟ حکومت یا عوام کو !

آزادی کے بعد پہلے مردوں نے سر سے ٹوپی اور پگڑی اتاری تو خواتین نے بھی پرانے نقاب کی شکل وصورت بدلی اور پھر آہستہ آہستہ نقاب اور دوپٹہ بھی اتار پھینکا اب جدھر دیکھو وہ بے محابا

گھومتی پھرتی ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں ، مارکیٹوں اور شاپنگ سنٹروں میں بلا روک ٹوک آزادی سے چلنے پھرنے کی اجازت ہے ۔ اخبارات اور خصوصاً ٹی وی اس بے حیائی کو فروغ دینے میں پیش پیش ہے اور اس بے حیائی کا سب سے بڑا مظاہرہ شادی ہالز میں ہوتا ہے ۔ جہاں پوری طرح بن سنور کر خواتین مردوں میں گھوم پھر رہی ہوتی ہیں اور غیر محرم ان کی اجتماعی ویڈیو فلم تیار کر رہے ہوتے ہیں اس میں وہ علمائے کرام بھی تشریف فرما ہوتے ہیں جو نکاح خوانی کے لیے تشریف لاتے ہیں۔

اس کھلم کھلا بے حیائی کو اگر حکومت نہیں روکتی تو علمائے کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ نکاح ہرگز ہرگز نہ پڑھائیں ۔جہاں اس قسم کی بے حیائی ہو شاید کہ اس تنبیہ اور چیلنج سے لوگ شرم وحیاء کی طرف لوٹ آئیں۔ ہم سب کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو لوگ مسلمانوں میں جتنی اور جس قدر فحاشی اور بے حیائی پھیلاتے ہیں ۔اسی قدر انھیں سخت عذاب کی وعید ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ [النور:۱۹]

’’جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کی اشاعت ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں المناک عذاب ہے۔‘‘

وہی شخص راہ حیاء پر چلے گا
جسے اس کی توفیق اللہ دے گا
رہے گا جسے بے حیائی کا چسکا
وہ نارِ جہنم میں بے شک جلے گا

اے ربّ کریم! ہمارے دلوں میں شرم وحیا پیدا فرمادے۔ آمین [الاعتصام،۳مارچ،۲۰۰۰ء]

دعاء والتجاء:

« رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ »[الکھف:۱۰]

’’اے ہمارے رب! نوازیے ہمیں اپنی رحمت خاص سے اور مہیا فرمائیے ہمارے معاملات میں درستی ۔‘‘

حیا سراپا خیر ہے

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ » [متفق عليه]

وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ: « اَلْحَيَاءُ كُلُّهٗ خَيْرٌ » [رياض الصالحين، كتاب الأداب]

”سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حیا سے صرف بھلائی پہنچتی ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حیا سراپا خیر ہے۔“

حیا کے لغوی معنی بُری باتوں کو انقباض نفس کے سبب چھوڑ دینا ہے۔“ [مفردات القرآن امام راغب]

سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:

”انسان کا یہ وہ فطری وصف ہے جس سے اس کی بہت سی اخلاقی خوبیوں کی پرورش ہوتی ہے عفت اور پاکبازی کا دامن ، اسی کی بدولت ہر داغ سے پاک رہتا ہے۔ درخواست کرنے والوں کو محروم نہ پھیرنا اسی وصف کا خاصہ ہے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مروّت اور چشم پوشی اسی کا اثر ہے اور بہت سے گناہوں سے پرہیز اسی وصف کی برکت ہے۔“ [سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،ج:٦]

اس کائنات میں اشرف المخلوقات ہونے کا تاج کس کے سر پر رکھا گیا ہے؟ اور کیا یہ تاج اسے یوں ہی پہنا دیا گیا ہے؟ نہیں بلکہ یہ اعزاز اسے بہت سے اخلاقی اوصاف کی وجہ سے ملا ہے اور جب تک وہ محنت اور کوشش سے ان اوصاف سے متصف نہیں ہوتا وہ اس تاج کا حقدار ہرگز ہرگز نہیں ہے وہ عمدہ خوبیوں کی بنا پر اگر اوجِ ثریا پر پہنچ سکتا ہے تو اپنی نا کردنیوں کے سبب قعرِ مذلت میں بھی گر سکتا ہے ۔ قرآن میں ربّ کریم کا ارشاد ہے:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ ﴾

[التين: ٤، ٥]

”بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین تناسب و اعتدال پر بنایا ہے (بہترین اعضاء ، بہترین صلاحیتیں ، بہترین فطرت، اعتدال قوائے ظاہری و باطنی کے ساتھ تخلیق کیا) پھر ہم نے اسے پست ترین حالت میں ڈال دیا۔ (وہ بے عملی کا شکار ہوا، اس کا اخلاق گرتا گیا۔ اس

کی روح گناہوں میں آلودہ ہوتی چلی گئی اور وہ نفس کی خواہشات کا غلام بن کر قعرِ مذلت میں گر گیا)

دراصل یہ دنیا امتحان گاہ ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان گنت انعامات سے نوازا ہے وہ دیکھتا ہے کہ کون اس کا شکر گزار بندہ بنتا ہے اور کون کفرانِ نعمت کا شکار ہوتا ہے انسان کے سامنے دو شاہراہیں ہیں اور اسے پورا پورا اختیار دیا گیا ہے کہ اس میں سے جسے چاہے اختیار کرے ایک شاہراہ ایمان و یقین سچائی و راستبازی، استقامت و حق گوئی، شرم و حیاء اور ایسی بہت سی خوبیوں کی شاہراہ ہے جو جنت تک لے جاتی ہے اس کے برعکس دوسری شاہراہ کفر و نفاق، مکر و فریب، غداری و دغا بازی، فحش و منکرات اور ایسی بہت سی برائیوں کی شاہراہ ہے جس کا اختتام جہنم تک ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا ۝ ﴾ [الدھر:۳]

"ہم ہی نے اسے راہ (حق) دکھا دی (یعنی قوت ارادی دی) خواہ وہ شکر گزار ہو یا نا شکر گزار رہے۔" (دونوں کی راہیں الگ الگ ہیں)

پھر غور کیجیے تو نیکی اور پاکیزگی کی شاہراہ دشوار گزار، صبر آزما، تکالیف سے اٹی ہوئی اور مصائب سے پر ہے۔مگر اس کا اختتام باغ و بہار، ابدی اور دائمی راحت و آرام اور مسرت و شادمانی ہے اس کے برعکس بدی اور بے حیائی کی شاہراہ دلکش اور دلفریب، سہل و آسان، لذیذ اور شیریں ہے مگر اس کا انجام سوائے ندامت و پشیمانی اور حسرت و افسوس کے اور کچھ نہیں ہے اور اس دن کا افسوس کسی کام نہ آئے گا۔

﴿ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ قَدَّمۡتُ لِحَيَاتِىۡ ۝ ﴾ [الفجر:۲٤]

(اس دن دوزخی کہے گا، اے کاش میں اپنی زندگی کے لیے کچھ (نیک عمل) پہلے بھیج چکا ہوتا (تو آج اس عذاب کا سامنا نہ ہوتا)

قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر زندگی کے ان دونوں رخوں کا موازنہ بڑے خوب صورت پیرایہ میں کیا ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنۡ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ۝ فَاِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ۝ وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۝ فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ۝ ﴾

[النزعٰت:۳۷-۴۱]

"پس جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیا کی زندگی کو (آخرت کی زندگی پر) ترجیح دی ہوگی تو

دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اور جو کوئی (قیامت کے دن) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور اپنے نفس کو (ہر بری) خواہش سے روکا ہوگا (اللہ کے حقوق ادا کرنے میں نفس پر قابو پایا ہوگا اور تنگی و ترشی میں بھی ہوائے نفس کا شکار نہ ہوا ہوگا) تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا (اور وہ کیا خوب ٹھکانہ ہوگا)

اسلام اپنے پیروؤں میں شرم وحیا کی صفت پیدا کر کے انہیں نیک جذبات وخیالات سے سرشار کرتا ہے اور برے خیالات واعمال سے دور لے جاتا ہے۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

یہ وصف انسان میں بچپن ہی سے فطری ہوتا ہے اگر اس کی مناسب تربیت کی جائے تو وہ قائم رہتا ہے بلکہ بڑھتا جاتا ہے اور اگر بری صحبت لگ جائے اور اچھے لوگوں کو ساتھ نہ رہے تو جاتا بھی رہتا ہے۔اسی لیے اسلام نے اس کی مناسب نگہداشت کا حکم دیا ہے ستر عورت کا خیال، نگاہیں نیچی رکھنا، بے حیائی کی باتوں کو بولنے اور دیکھنے سے روکنا، برہنگی کو منع کرنا، یہاں تک کہ غسل خانہ اور خلوت میں بھی اس کی اجازت نہ دینا، اسی لیے کہ آنکھیں شرم سے جھینپتی ہیں اگر تھوڑی تھوڑی بے حیائی کی جرأت بڑھتی رہے گی تو رفتہ رفتہ انسان پکا بے حیا بن جائے گا۔[سیرۃ النبی، ج:٦]

قرآن حکیم کی اخلاقی ہدایات اتنی پاکیزہ، اتنی واضح، اتنی شفاف اور اتنی روشن ہیں کہ انھیں اپنانے والوں کی سیرت وکردار ایک خاص سانچے میں ڈھل جاتی ہے وہ چلتے ہیں تو فرشتے انھیں سلام کہتے ہیں کیوں کہ برائی اور بے حیائی کو نظر انداز کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾ [الفرقان: ٧٢]

(اور رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں) کہ جب لغویات کی طرف سے گزرتے ہیں تو شریفانہ انداز سے (اپنی عزت بچا کر) گزر جاتے ہیں۔"

یہی ابرار وصالحین ہیں کہ ان کی زندگیاں کبائر وفواحش سے تہی دامن رہتی ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾

[الشوریٰ: ٣٧]

"(اور اللہ کی جنت ان لوگوں کے لیے ہے) جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے رہتے ہیں (کہ یہی برائیاں انفرادی اور اجتماعی بربادی کا باعث ہیں) اور جب انھیں غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔"

آیئے ذرا اپنے وطنِ عزیز پر نگاہ ڈالیں اور اپنے گریبانوں میں ذرا جھانک دیکھیں۔ کیا شرم و حیا کی تمام اقدار کو ہم نے رخصت نہیں کردیا ہے؟ کیا افرادِ قوم میں قتل و غارت روزہ مرہ کا معمول نہیں بن چکا ہے؟ کیا آئے دن عورتوں کی عصمتیں نہیں لٹتی ہیں؟ کیا یومیہ معصوم بچوں کو اغوا نہیں کیا جاتا ہے؟ کیا صبح و شام خیانت ، بد دیانتی ، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم نہیں ہے؟ اگر ہمارے اندر شرم و حیا کی تھوڑی سی بھی رمق موجود ہوتی تو ہمارے یہاں ایسا ہرگز نہ ہوتا۔

﴿فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ﴾ [الحج:٤٦]

”(حقیقت تو یہ ہے) کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں (جو نہ حق کو سمجھتے ہیں اور نہ قبول کرتے ہیں) اور اصول یہ ہے کہ جب کسی قوم سے شرم و حیا کا مادہ رخصت ہو جاتا ہے تو اس میں مادر پدر آزادی در آتی ہے پھر اس قوم کے افراد جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں مگر ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا اور وہ لوگ شتر بے مہار کی طرح اخلاقی قدروں کو روندتے چلے جاتے ہیں۔ حدیث میں یہ بات یوں سمجھائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔” لوگوں نے پرانے پیغمبروں کی جو باتیں پائی ہیں ، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر تم میں شرم و حیاء نہیں تو جو چاہو کرو۔“ [فتح الباری، سیرۃ النبی:٦]

يَعِيۡشُ الۡمَرۡءُ مَا اسۡتَحۡىٰ بِخَيۡرٍ
وَ يَبۡقَىٰ الۡعُوۡدُ مَا بَقِىَ الۡحَيَاءُ

”آدمی کی زندگی جبھی تک ہے جب تک خیر کے ساتھ زندہ ہو کیونکہ شاخ کو بقاء اسی وقت تک ہے جب تک اس کی تروتازگی باقی ہو۔“

فَلَا وَ اللّٰهِ مَا فِى الۡعَيۡشِ خَيۡرٌ
وَ لَا الدُّنۡيَا إِذَا ذَهَبَ الۡحَيَآءُ

”اللہ کی قسم! دنیا اور دنیا کی زندگی میں کوئی خیر نہیں ہے جب کہ حیاء چلی گئی ہو۔“

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفۡسِىۡ تَقۡوٰهَا وَ زَكِّهَا اَنۡتَ خَيۡرُ مَنۡ زَكّٰهَا اَنۡتَ وَلِيُّهَا وَمَوۡلَاهَا »

” اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما اور اس (اس نفس کا) کا تزکیہ فرما دے تو ہی بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے تو ہی اس نفس کا کارساز ہے اور تو ہی اس کا مالک ہے۔“

حقیقی حیاء

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ یَوْمٍ لِّاَصْحَابِهٖ: اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ قَالُوْا اِنَّا نَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰهِ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ: « لَیْسَ ذٰلِكَ وَلٰکِنْ مَّنِ اسْتَحْیٰی مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ فَلْیَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰی، وَلْیَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰی ، وَلْیَذْکُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰی وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِیْنَةَ الدُّنْیَا ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْیٰی مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ »

[رواہ احمد، مشکوۃ باب تمنی الموت و ذکرہ]

’’ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ سے حیا کرو اور پوری طرح اس بات کا حق ادا کرو۔‘‘ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی، الحمد للہ ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس طرح نہیں، اصل بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے یہاں حیا کا صحیح حق ادا کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے سر اور جو کچھ اس میں ہے (یعنی آنکھ، کان، زبان، منہ) کی نگہبانی کرے اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں ہے (یعنی شرمگاہ) کی حفاظت کرے۔ موت اور ہلاکت اس کے پیش نظر رہے۔ اور جو شخص آخرت کی آرزو رکھتا ہو تو پھر وہ دنیا کی زیب و زینت (میں محو نہیں ہوتا) بلکہ الگ تھلگ ہو جاتا ہے اور جو ایسا کرتا ہے تو گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا صحیح معنوں میں حق ادا کرتا ہے۔‘‘

لغت= الحیاءُ: بُری باتوں سے انقباضِ نفس پیدا ہونا اور ان باتوں کو چھوڑ دینا۔[مفرداتِ امام راغب]

حیاء دو قسم کی ہوتی ہے ایک قابلِ تعریف ہے جبکہ دوسری قابل مذمت، قابل تعریف تو یہ ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے حضور شرمساری کے خوف سے بُری باتوں سے الگ تھلگ ہو جائے۔ اور قابلِ مذمت یہ ہے کہ وہ اپنے جائز حقوق کے مطالبہ سے دستکش ہو جائے یا حق اور سچ بات کہنے کے لیے خاموشی اختیار کرے یا دینی اور شرعی معلومات حاصل کرنے کی بجائے چپ رہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

« رَحِمَ اللّٰهُ نِسَاءَ الْاَنْصَارِ مَا مَنَعَهُنَّ الْحَیَاءُ اَنْ یَّتَفَقَّهْنَ فِی الدِّیْنِ ، قَالَ اللّٰهُ

تَعَالٰی : ﴿وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ﴾...... » [الاحزاب:۵۳]
''یعنی اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم فرمائے کہ دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے میں حیاان کے لیے مانع نہیں،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کوحق بات کہنے میں حیاء نہیں ہے۔'' [من کنوز السنة۔ محمد علی صابونی]

اَلرَّأْسَ وَمَا وَعٰی:

اس سے مراد ہے سر (ذہن وفکر) اور سر میں جو چیزیں شامل ہیں یعنی آنکھ، کان، زبان اور منہ وغیرہ پس وہ نہ تو بُری بات سوچتا اور سنتا ہے اور نہ ہی غلط بیانی سے کام لیتا ہے اور نہ ہی اس کی نگاہیں محرمات پر اٹھتی ہیں، اور اس کے پیشِ نظر قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ رہتی ہے۔

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِكَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ [بنی اسرائیل:۳۶]

''کہ بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب (اعضاء و جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔''

اَلْبَطْنَ وَ مَا حَوٰی:

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے پیٹ کو حرام غذا سے اور اپنی فرج کو بے حیائی اور غلط کاری سے محفوظ رکھے ، جونہی حرام و حلال کی تمیز اٹھ جاتی ہے تو اس کے ساتھ شرم و حیاء بھی رخصت ہو جاتی ہے یہ بات یاد رہے کہ اکلِ حلال ہی سے عملِ صالح کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صٰلِحًا﴾ [المؤمنون:۵۱]

''پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔''

طیب سے مراد وہ چیز ہے جو فی نفسہٖ حلال ہو اور حلال ذرائع سے ہی حاصل کی گئی ہو اوراسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ [المؤمنون:۵]

''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

اَلْبِلٰی:

فنا اور ہلاکت۔ انسان کو دیر یا سویر اس دنیا سے کوچ کرنا ہے موت ایسا سفر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ یہ آیت ہمیشہ سامنے رہے۔

﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۝ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝﴾

[الرحمٰن:۲۶،۲۷]

’’جو(مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے۔ اور تیرے پروردگار ہی کی ذات بابرکات جو صاحبِ جلال وعظمت ہے باقی رہے گی۔‘‘

زِيْنَةَ الدُّنْيَا:

اس سے مراد دنیاوی شان و شوکت ، آن بان، کروفر اور زیب وز ینت ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جائے۔ یہ غفلت بالآخر تباہی و بربادی کا سامان بنتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝﴾ [طٰهٰ:١٣١]

’’اور(اے پیغمبر ﷺ) آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے دنیوی زندگی کی ان آرائشوں کی طرف جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہیں تاکہ ہم انھیں آزمائیں اور(حقیقت یہ ہے کہ) تمہارے ربّ کی (دی ہوئی) روزی (تمہارے لیے) کہیں بہتر اور پائندہ تر ہے۔‘‘

اس حدیث مبارک کے الفاظ پر دوبارہ غور وفکر کیجیے کہ حیا کا حق وہی مسلمان ادا کرتا ہے جس کا دل و دماغ ہر قسم کے شرک وکفر، حسد وبغض، غلط خواہشات اور کجرویوں سے پاک و صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کی توحید سے معمور ہو جاتا ہے اس کی سوچ اور فکر کا دھارا نیکیوں اور سچائیوں کی طرف مڑ جاتا ہے اس کے اعضاء و جوارح اطاعتِ ربّ میں جھک جاتے ہیں۔ اس کے اوقات ولمحات صرف اللہ کی بندگی میں صرف ہوتے ہیں ، وہ بولتا ہے تو اس کے منہ سے صداقت کے پھول جھڑتے ہیں اور اس کی زبان مٹھاس سے لبریز ہوتی ہے۔ وہ چلتا ہے تو شرافت کی تصویر نظر آتا ہے، وہ معاملات کا کھرا ، وعدہ کا پکا، بات کا سچا اور ظاہر و باطن میں آئینہ کی طرح روشن اور مصفی ہوتا ہے وہ شرم وحیا کا پتلا اور صدق وصفا کا مجسمہ ہوتا ہے گویا کہ اللہ کی اس زمین پر اللہ کا مطیع وفرماں بردار بندہ اور اس کی نیابت کا حق ادا کرنے والا ہوتا ہے۔

ہر لحظہ ہے مؤمن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب ، اس کی نگاہ دل نواز

دعاء و التجاء:

《 رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ 》[آل عمران: ٥٣]

’’اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ان چیزوں (یعنی احکام) پر جو آپ نے نازل

فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے ان کی (رسول ﷺ کی) سو ہم کو ان کے ساتھ لکھ دیجیے جو تصدیق کرتے ہیں۔''

نظر کی حفاظت

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَّظَرِ الْفُجَآءَةِ فَاَمَرَنِىْ «اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِىْ» [رواہ مسلم ، مشکوۃ باب النظر]

''سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (غیر محرم پر) اچانک نظر پڑ جانے سے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے مجھے رخ موڑ لینے کا حکم دیا۔''

حیوانی اور انسانی معاشرت میں یقیناً فرق ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے ۔اس لیے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے کئی طرح سے دوسری مخلوقات پر فضیلت و عظمت عطا فرمائی ہے۔ وہ شکل وصورت ،علم وعرفان ،عقل وفکر اور بود و باش میں دوسرے حیوانات سے کہیں ممتاز نظر آتا ہے اللہ کا دین اسے مزید اچھی صفات سے آراستہ کرکے برتر مقام پر فائز کر دیتا ہے۔

اسلام ایک صاف ستھرے معاشرے کی داغ بیل ڈالتا ہے اور معاشرتی زندگی کی حدود و قیود مقرر کرتا ہے تاکہ کسی قسم کی بے راہروی پیدا نہ ہونے پائے اس نے مرد اور عورت کے اختلاط کی جائز اور حلال شکل نکاح بتلائی ہے کہ اس سے گھر آباد ہوں ، معاشرتی زندگی پھلے پھولے مہر و محبت کے پھول کھلیں اور انسانی نظر محفوظ و مامون ہو جائے اس کے علاوہ نظریں شر اور فساد کا باعث بنتی ہیں اسی لیے مؤمنوں کو حکم ہوتا ہے۔

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ﴾ [النور: ۳۰-۳۱]

''(اے نبی ﷺ) مؤمن مردوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔ اور مؤمنہ عورتوں سے بھی کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔''

لَيْسَ الشُّجَاعُ الَّذِىْ يَحْمِىْ فَرَسَهٗ
يَوْمَ الْقِتَالِ وَ نَارُ الْحَرْبِ تَشْتَعِلُ

''بہادر وہ نہیں ہے جو میدان کارزار میں اپنی سواری کو اس وقت بچالے جب زور کا رن پڑا ہو اور جنگ کی آگ بھڑک اٹھے۔''

لٰکِنْ مَّنْ غَضَّ طَرَفًا اَوْ ثَنّٰی قَدَمًا عَنِ

الْحَرَامِ فَذَاکَ الْفَارِسُ الْبَطَلُ

''بہادر تو وہ ہے جس نے نگاہیں نیچی رکھیں اور حرام کاری سے اپنے قدموں کو موڑے رکھا۔ دلیر شہسوار اور جانباز تو بس یہی ہے۔''

دراصل ''غضِ بصر'' کا مفہوم توجہ نہ دینا، بچ بچا کر نکل جانا، منہ موڑ لینا، رخ پھیر لینا ہے۔

اسلام تمام اعضاء و جوارح کی تربیت کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ ان کے متعلق باز پرس ہوگی۔

﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾

[بنی اسرائیل: ۳۶]

''بے شک کان، آنکھ، دل سب کا سوال ہوگا۔''

اس لیے جناب رسول اللہ ﷺ نے ان اعضاء کو برائی سے بچانے کی نصیحت فرمائی۔

ارشاد ہوتا ہے:

''کہ آنکھیں بے حیائی کی مرتکب ہوتی ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے ہاتھ زنا کرتے ہیں ان کا زنا پکڑنا ہے۔ پاؤں زنا کرتے ہیں ان کا زنا اس راستے پر چلنا ہے۔ اور پھر زبان کا زنا بے حیائی کی بات چیت ہے اور دل کا زنا (بُری آرزوؤں اور خواہشات کو دل میں جگہ دینا ہے) اور پھر شرمگاہ ان کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔'' [متفق علیہ بحوالہ کتاب ایمان وعمل، مولانا عبدالرؤف رحمانی]

انسانی اعضاء میں انسانی آنکھ بڑی ہی نازک اور تیز چیز ہے بلکہ یوں کہیے کہ برائی کا منبع ہے۔ حدیث مبارک میں اسے زہر آلود تیر سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کی حفاظت بڑے ہی عزم و ہمت کا کام ہے مگر جو کوشش اور ہمت سے اللہ کی رحمت تلاش کرتے ہوئے اسے زیر کر لیتا ہے اس کا بدلہ اس طرح پاتا ہے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث قدسی ہے:

《 اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَّسْمُوْمٌ مِّنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ فَمَنْ تَرَكَهَا لِلّٰهِ اٰتَاهُ اللّٰهُ اِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِيْ قَلْبِهِ 》 [میزان الاعتدال، بحوالہ ایمان و عمل]

'' نظر ابلیس کے تیروں میں ایک زہریلا تیر ہے جو شخص محض اللہ کے خوف سے اس کو چھوڑ

دے گا، (برائی سے منہ موڑے گا) تو اللہ اس کے بدلہ میں اس کو ایمان دے گا جس کی حلاوت کو وہ اپنے دل میں پائے گا۔"

نہ صرف اس کی مٹھاس اور حلاوت اپنے دل میں پائے گا جو یقیناً بہت بڑا انعام ہے بلکہ قرآن حکیم میں یہ بشارت بھی دی گئی ہے:

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ ﴾ [الرحمن:٤٦]

"اور جو اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو باغ ہیں (دوہرے انعام سے نوازا جائے گا)

حیاء کے تقاضوں کو پورا کرو گے
تو اللہ کی رحمت سے دامن بھرو گے
اگر اس سے منہ پھیر کر دن گزارو گے
تو خسارے میں لاریب تم رہو گے

قرآن کریم نے پھر ابرار و صالحین کی کیفیت یہ بتائی ہے کہ وہ برائی کی جگہوں کے قریب پھٹکنا تو درکنار وہاں سے گزرتے ہوئے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اسی میں ان کے عزم کی شان جھلکتی ہے:

﴿ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ ﴾ [الفرقان: ۷۲]

"اور جب کسی لغو کام پر گزر ہو تو وقار (شانِ بے نیازی) سے گزر جاتے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ "غضِ بصر" ہی آنکھ کے شر کا مؤثر علاج ہے۔ ہمارے اسلاف اسی پر عمل کر کے فائز المرام اور کامیاب رہے۔ ایک عیسائی مورّخ لکھتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو فاروق اعظم کو بھی وہاں آنے کی دعوت دی گئی۔ جب آپ بیت المقدس پہنچے اور شہر میں داخل ہونے لگے تو عیسائیوں اور یہودیوں کی نوجوان اور حسین لڑکیاں اپنی فتنہ سامانیوں کے ساتھ مسلمانوں کا فاتحانہ داخلہ دیکھنے کے لیے اپنے بالا خانوں پر چڑھ آئیں۔ مسلم سپاہی جنگ میں مشغول ہونے کے ناطے اپنے اہل وعیال سے عرصہ سے نہیں مل سکے تھے۔ فتح کے نشے میں پہلے ہی سے سرمست تھے۔ حسن کو بے پردہ سرِ بام دیکھا تو ان کے جذبات میں ہیجان پیدا ہوا، سپہ سالار نے جب یہ منظر دیکھا تو پریشان ہوا، نظم کا باقی رکھنا مشکل ہو گیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس وقت کھڑے ہو کر سپاہیوں کو مخاطب کیا اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ

اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ [النور: ۳۰]

''مؤمنوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں۔(ان کی حفاظت کریں) اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔''

امیر المؤمنین کی زبان سے یہ پیغام سنتے ہی سب کے جذبات سرد پڑ گئے اور نگاہیں پست ہوگئیں اور وہ جھکی ہوئی نگاہوں سے شہر میں داخل ہوئے۔[الفاروق ،شبلی نعمانی]

نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے پیرو

ان ارشادات و واقعات کو پڑھنے کے بعد ذرا آیئے ٹھنڈے دل و دماغ سے اپنے احوال کا جائزہ لیں۔ ہماری موجودہ تہذیب وثقافت(culture) کس رُخ پر ہے؟ سکولوں ، کالجوں ، یونیورسٹیوں،تعلیمی اداروں کا تو نام نہ لیجیے کہ یہ بچوں اور جوانوں کو ادب سکھانے کے مراکز ہیں وہ ادب کے نام پر جو چاہیں کریں ، یہاں تو بازاروں ، مارکیٹوں،شادی ہالوں، پارکوں میں خواتین کی یلغار ہے۔جن کے چہروں پر نقاب تو کجا سروں پر دوپٹے بھی غائب ہیں اور شرم وحیا نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

اکبرالہ آبادی مرحوم نے تقسیمِ ہند سے پہلے جو چند خواتین کو بغیر نقاب(بغیر دوپٹے کے نہیں) دیکھا تو تعجب سے کہنے لگے:

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

وہ موجودہ حالات کودیکھتے تو سر پیٹ کے رہ جاتے اور نہ معلوم کس غضب کا شعر کہتے ۔

ہمیں زیادہ بے حیاء بنانے میں ٹی وی کلچر بڑا اہم رول ادا کر رہا ہے۔کوئی ڈرامہ،کوئی خبر نامہ، کوئی اشتہار یہاں تک ،بعض مذہبی پروگرام بھی بے نقاب اور برہنہ سر خواتین کے بغیر مکمل نہیں ہوتے، جنھیں بچے اور بوڑھے،نوجوان خواتین و حضرات بڑے ذوق وشوق سے دیکھتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بدتہذیبی اور بے حیائی کا تباہ کن سیلاب ہے جس میں شعوری اور غیر شعوری طور پر سب بہے جا رہے ہیں اور کسی کو اپنے انجام کی خبر نہیں ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا، برائی اور رب

حیائی کو مٹانا حکومت کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ ہر آنے والی حکومت نے ملک کے لیے کئی پیکج دیئے۔ مگر افسوس کہ اخلاقی پیکج کی طرف توجہ نہ دی گئی اور یاد رکھیے قوموں کی اخلاقی تباہی کے بعد کچھ بھی پیچھے نہیں رہ جاتا۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَشَرِّ بَصَرِیْ وَشَرِّ لِسَانِیْ وَشَرِّ قَلْبِیْ وَشَرِّ مَنِیِّیْ »

”اے اللہ! میں اپنے کان، آنکھ، دل، زبان اور نفسانی خواہشات کی برائی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔“

مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے والوں کا انجام

عَنْ زَیْدِ بْنِ طَلْحَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : « لِكُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ اَلْحَیَاءُ » [رواه المؤطّا للإمام مالك =كتاب الجامع، باب: ما جاءَ فی الْحیاءِ، رقم الحدیث: ١٤٠٦۔ مشكوٰة۔باب الرفق والحیاء وحسن الخلق]

”زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ہر دین کے لیے کچھ اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۔“

امام نووی رحمہ اللہ ریاض الصالحین میں حیا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حَقِیْقَةُ الْحَیَاءِ خُلُقٌ یَحُثُّ عَلٰی تَرْكِ الْقَبِیْحِ وَیَمْنَعُ مِنَ التَّقْصِیْرِ فِیْ حَقِّ ذِی الْحَقِّ، وَقَالَ الْجُنَیْدُ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْحَیَاءُ رُؤْیَةُ الْاٰلَاءِ اَیِ النِّعَمِ ، وَرُؤْیَةُ التَّقْصِیْرِ فَیَتَوَلَّدُ بَیْنَهُمَا حَالَةٌ تُسَمّٰی حَیَاءً"

”حیا ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو برے کام کے ترک کرنے پر ابھارتا ہے اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کرنے سے روکتا ہے۔ جنید بغدادی کا کہنا ہے کہ حیاء کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مشاہدہ کرے اور اس میں یہ احساس پیدا ہو کہ اس نے منعمِ حقیقی کا شکر بجالانے میں کس قدر کوتاہی کی ہے تو اس سے آدمی کے دل میں ایک کیفیت (ندامت و شرمساری کی اور کوتاہی عمل کی) پیدا ہوتی ہے جسے حیاء کہتے ہیں۔“

میں کہتا ہوں کہ حیا ہی وہ خوبی ہے جو انسانوں کو معراجِ انسانیت پر لا کھڑا کرتی ہے اور اسی سے وہ اشرف المخلوقات کہلانے کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔اسی وصف سے انسان اور حیوان میں فرق نمایاں ہوتا ہے۔اور اسی سے آداب واخلاق نکھرتے اور سنورتے ہیں۔اسی وصف سے انسانوں میں تہذیب وشائستگی پروان چڑھتی ہے۔نیکی اور سچائی کا چمن شاداب ہوتا ہے،شرافت وامانت کے پھول کھلتے ہیں،مروت واحسان کے ثمر لگتے ہیں، حیا انسان کی فطری خوبی ہے جو ربِّ کائنات نے اسے عطا کی ہے۔غور کیجئے کہ آدم وحوا علیہما السلام کو شیطان نے ورغلایا، پھسلایا اور انہوں نے جنت میں اس درخت کا پھل کھالیا جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔اس حکم عدولی اور اس کے نقصان کا بیان اس طرح آیا ہے:

﴿ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ﴾ [الاعراف:۲۲]

”پس شیطان دھوکہ دے کر ان دونوں (آدم وحوا) کو اپنے ڈھب پر لے آیا۔آخر کار جب انہوں نے اس درخت کا مزہ چکھا (جس سے روکا گیا تھا) تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے۔اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شرم وحیا انسان کا جبلی وصف ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ گھر سے باہر لوگوں کے درمیان لباس پہنے ہوئے گھومتا پھرتا ہے۔برہنگی سے اسے شرم محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر لباس میلا کچیلا ہو جائے تو حیاء اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اسے صابن سے دھو کر اجلا کرے۔

اسلام یہ کہتا ہے کہ شرم وحیا ہی سے انسان خیر اور بھلائی کو اپنے دامن میں سمیٹتا ہے۔جبکہ حیاء نیکی اور بھلائی کا سرچشمہ ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ »[باب الحیاء۔ریاض الصالحین]

”یعنی حیاء سے بھلائی کا ہی حصول ہوتا ہے۔“

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے:

« اَلْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ »

”حیا تو سراپا بھلائی ہے۔“

نہیں نہیں اس سے بھی آگے ایمان کی خصلت اور نشانی ہے۔ارشاد ہوا:

« اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ » [باب الحیاء۔ ریاض الصالحین]

”حیاء تو ایمان کی شاخ (خصلت) ہے۔“

گویا کہ ایمان کی شان حیاء سے جھلکتی ہے اور نبی اکرم ﷺ میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا۔ نبوت ملنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کا کام ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ کا بچپن تھا، آپ ﷺ بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو کہ اینٹ کی رگڑ نہ لگے، آپ ﷺ نے ایسا کیا تو آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ ہوش آیا تو زبانِ مبارک پر تھا۔ میرا تہبند، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے تہبند باندھ دیا۔ نبوت کے بعد بھی آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ صحابہ کرام کہتے تھے۔

« كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا »

[سیرت النبی، ج:٦]

”رسول اللہ ﷺ گھر کے گوشے میں پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔“

ایمان بندوں اور ربّ تعالیٰ کے درمیان ایک شریف تعلق ہے۔ اس کا سب سے پہلا اثر انسان کے اخلاق وعادات سے نمایاں ہوتا ہے۔ فضول اور بری باتوں سے بچنا، مفید اور اچھی باتیں کرنا ہی ایمان کی صحت وعلامت ہے اور حیا کسی انسان کے ایمان اور اخلاقِ حسنہ میں سے بہت اچھی اور بنیادی خوبی ہے۔ اس کی سلامتی سے ہی ایمان کی سلامتی برقرار رہتی ہے اور اس کے ضائع ہوجانے سے ایمان کا چمن ویران ہوجاتا ہے۔ رسول مقبول ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيْعًا فَإِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ »

[باب الرفق والحیاء۔ مشکوٰۃ]

”بے شک حیاء اور ایمان ساتھ ساتھ ہیں۔ جب ایک اٹھ جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے۔“

شیطان برائیوں اور بے حیائیوں کا حکم دیتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور بخششوں سے تمہیں اخلاقِ حسنہ سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ﴾ [البقرۃ۔٢٦٨]

”(اور دیکھنا) شیطان (کا کہنا نہ ماننا) تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے۔“

ایک مسلم معاشرہ حیاء سے ہی جانا پہچانا جاتا ہے۔وہاں کے رہنے والوں کے اخلاق درست ہوتے ہیں۔وہ آپس کی عزت وآبرو کے رکھوالے اور ایک دوسرے کے حقوق کے پاسبان ہوتے ہیں اور پھر اسلام ان کی قدم قدم پر رہبری ورہنمائی کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں دونوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنی نظروں کی حفاظت کریں کہ اس سے ان میں شرم وحیا کی صفت پیدا ہوگی۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ﴾
[النور۔ ۳۰]

''مؤمن مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں، یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔''

اسی طرح مؤمنہ عورتوں کو بھی نصیحت کی جارہی ہے۔

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ﴾ [النور۔ ۳۱]

''اور مؤمنہ عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔''

اسی طرح زبان کو غلاظت اور بری باتوں سے بچانے کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے۔

﴿ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ [البقرۃ: ۸۳]

''اور لوگوں سے پاکیزہ، سچی اور صاف ستھری بات کیا کرو۔''

یہ اس لیے کہ انسان کی گفتگو سے بھی سلیقہ اور تہذیب کا اظہار ہوتا ہے اور اس کی زبان بھی حیا کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

حیا کے بارے میں اتنے واضح احکام ونصائح معلوم ہونے کے بعد آیئے ذرا اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں کہ انفرادی واجتماعی سطح پر ہم اس خوبی سے تہی دامن ہوتے جارہے ہیں۔شادی بیاہ کے مواقع پر ہماری خواتین کی (یہاں تک کہ دیندار کہلانے والے گھرانوں کی خواتین کی بھی) وڈیو فلم تیار کی جاتی ہے۔اس حال میں کہ جب وہ پوری طرح بن سنور کر فاخرہ وعمدہ لباس پہن کر آئی ہوتی ہیں اور فلم اتارنے والے بھی کرائے کے آدمی ہوتے ہیں۔نکاح پڑھانے والے حضرات بھی اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھتے ہیں بلکہ نکاح پڑھاتے وقت ان کی فلم بھی تیار ہوجاتی ہے۔اس کھلم کھلی بے حیائی کا تدارک کون کرے گا؟ سینما گھروں کے باہر اور مختلف چوراہوں پر مردوں کے ساتھ ساتھ نیم عریاں عورتوں کی تصاویر کے بڑے بڑے بورڈ آویزاں نظر آتے ہیں، آخر سکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والی ہماری بیٹیاں اور بیٹے وہاں سے گزرتے ہیں اور بعض تعلیمی اداروں کے آس پاس بھی ایسے فحش وبیہودہ بورڈ نظر آتے ہیں جنہیں دیکھ کر ایک

شریف انسان پانی پانی ہو جاتا ہے۔کیا اسلام کے نام پر قائم ہونے والی حکومت اس بے حیائی کو مٹائے گی؟

روز ناموں کو لیجئے۔ان میں سینماؤں کے فحش اشتہارات کی بھر مار ہوتی ہے جو ہمارے گھروں میں ہر چھوٹے بڑے کے ہاتھ میں جاتے ہیں اور ننھے ننھے بچوں کے ذہن وفکر پر کیسی چھاپ لگا جاتے ہیں۔اس برائی کو پھیلانے کے ذمہ دار کون ہیں؟

ٹی وی کو دیکھ لیجئے جس سے شاذونادر ہی کوئی گھرانہ بچا ہوگا،کیا عالم اور کیا جاہل۔کیا دیہاتی اور کیا شہری۔ہر گھر میں اس کا ہونا ترقی پسند ہونے کی دلیل ہے۔اور جن گھرانوں میں ٹی وی نہ ہو انہیں دقیانوسی خیال کیا جاتا ہے۔غور کیجئے کہ فرموں اور کمپنیوں کی پبلسٹی میں عورت کی تصویر ضرور نظر آئے گی اور ٹی وی میں فلموں اور ڈراموں کے اندر نہ معلوم کتنی حیا سوز باتیں ہوتی ہیں،اس کا شکوہ کس سے کریں؟

اسی طرح مارکیٹ میں بکنے والے فحش ناولوں،جنسی اور جاسوسی ڈائجسٹوں کی (جو ہماری نوجوان نسل کے اخلاق کو گھن کی طرح چاٹ رہے ہیں) نشرواشاعت پر کون پابندی لگائے،غرضیکہ آپ غور کریں کہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر بے حیائی کو فروغ دیا جارہا ہے اور اس کا گناہ سب پر ہے اور اس کے بارے میں حکمِ الٰہی کی شدید وعید بھی سن لیجئے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ [النور:۱۹]

''اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مؤمنوں میں بے حیائی پھیلے انہیں دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔''

مفت کا زانی بنے تو چھوڑ کے نظروں کے تیر
کھلے گا جب دفتر عمل پھر پتہ چل جائے گا
منہ کھلے بازار میں چلتی ہیں جو یہ بیبیاں
خوار ہوں گی ایک دن ، محشر کہ ہو گا جب بپا
رقص و موسیقی مئے چنگ و رباب مستیاں
چھوڑ دے سارے گناہ اور سر کو سجدے میں جھکا
کر حیاء پیدا نظر میں ہو اللہ کے روبر
سچی توبہ سب گناہوں کو دیتی ہے مٹا

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا وآخرت کی رسوائیوں سے بچائے۔آمین

دعاء والتجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنّی اَعُوذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوءِ الْاَخلَاقِ »

''اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔مخالفت،نفاق اور برے اخلاق سے۔''

مؤمن کی ذہانت وفطانت

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ،قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ:
«لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَیْنِ »

[متفق علیه۔مشکوٰۃ :باب الحذر والتانی فی الامور]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشادِ گرامی ہے کہ ایماندار شخص ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاسکتا۔''

حدیث مبارک کا مطلب یہ ہے کہ بندۂ مؤمن جب کسی جگہ سے ایک بار نقصان اور زک اٹھالیتا ہے تو دوبارہ اس جگہ سے محتاط ہو جاتا ہے۔سچ تو یہ ہے کہ دولتِ ایمان کے ساتھ نورِ بصیرت بھی پیدا ہوجاتا ہے۔یہ عقل وبصیرت انسان کو حق وباطل کی شناخت،نیک وبد کی تمیز اور کھرے اور کھوٹے میں فرق کرنے کی صلاحیت ومہارت عطا کرتی ہے اور وہ اپنے ربّ کی جانب سے ایسی روشنی پاتا ہے جو اس کے لیے زندگی کی تاریکیوں میں اجالے کا سامان فراہم کرتی ہے۔ارشاد ہوتا ہے :

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾[الزمر:۲۲]

''بھلا جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے ربّ کی طرف سے روشنی دیا گیا۔''

یہی روشنی بندۂ مؤمن کو معاملاتِ زندگی کو سدھارنے اور سنوارنے میں مدد دیتی ہے۔وہ لغزشوں کوتاہیوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

مشرکین مکہ کا مشہور شاعر ابوعزہ اجمعی،اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر جو لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے،ان میں وہ بھی تھا،ابوعزہ نے اپنے فقر اور عیالداری کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبۂ احسان سے سرشار ہوتے ہوئے بغیر فدیہ لیے اسے رہا کردیا۔اور اس سے عہد لیا کہ وہ آئندہ اسلام اور ہادیء اسلام کے خلاف زبان

درازی نہ کرے گا مگر وہ شخص رہا ہونے کے بعد اپنی قوم سے جاملا اور اپنی سابقہ حرکتوں پر اتر آیا۔غزوہ احد میں وہی شخص دوبارہ گرفتار ہوا اور نبی مکرم ﷺ نے اس دشمنِ اسلام کی درخواست یہ فرماتے ہوئے رد کردی کہ مسلمان ایک بل سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔اور پھر اس شخص کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔[سیرت ابن هشام۔ج:۳]

اس حدیث مبارک پر خبر کے صیغہ میں امر کے معنوں میں غور کریں تو مفہوم اس طرح بنے گا کہ مؤمن کو چاہیے کہ زندگی کی اس پر خطر شاہراہ پر ہوشیار رہے اور ہوش مند بن کر چلے،کہیں اس میں غفلت اور سستی پیدا نہ ہو کہ وہ دین یا دنیا کے معاملہ میں بار بار دھوکہ اور فریب میں مبتلا ہوتا رہے۔

بندۂ مؤمن کی ذہانت وفطانت اتنی پاکیزہ اور روشن ہوتی ہے کہ جہاں لوگوں کے جان ومال اور عزت وآبرو اس سے محفوظ رہتے ہیں تو وہاں وہ لوگوں کے فتنہ وفساد سے بھی اپنے دامن کو بچائے رکھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

« اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ »[نضرة النور۔مصطفی محمد عماره]

''یعنی مؤمن وہ ہے کہ جس سے لوگوں کے جان ومال محفوظ رہیں۔''

اس حدیث مبارک اور زیر مطالعہ حدیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ مؤمن اس قدر سلیم الفطرت اور ذہین ہوتا ہے کہ نہ تو وہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ ہی دھوکہ کھاتا ہے۔نیز زیرِ مطالعہ حدیث اس بات کی بھی نشاندہی کرتی ہے کہ مؤمنِ کامل کی شان اور مرتبہ اتنا بلند ہوتا ہے کہ جسے اس کے تجربات ومعاملات اسے روشن ضمیر اور بیدار مغز بنا دیتے ہیں۔وہ ماضی کی لغزشوں سے عبرت ونصیحت حاصل کرکے مستقبل میں محتاط وچوکس ہوجاتا ہے۔اور یہی احساس اس کی زندگی کو تابندگی عطا کرتا ہے اور وہ اپنے قلب وذہن کو قرآن وسنت کی مصفّٰی روشنی سے جلا دیتا رہتا ہے۔

قلبِ مؤمن را کتابش قوت است
حکمتش حبل الورید ملت است [اقبال]

محمد رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ کتاب قلبِ مؤمن کے لیے بہت بڑی طاقت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور احادیث امت مسلمہ کے لیے شہ رگ کا حکم رکھتی ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کسی شخص کا دل ایمان کامل سے روشن ہوتا ہے تو اس میں کتاب وسنت پر عمل کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور جس قدر اعمال سنورتے اور نکھرتے ہیں ایمان میں مزید طمانیت اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے،گویا کہ ایمان اور اعمالِ صالح میں گہرا رابطہ وتعلق ہوتا ہے۔اور جب یقین وایمان

کمزور ہوتو اعمالِ صالحہ کو سرانجام دینے میں بھی غفلت اور سستی پیدا ہونے لگتی ہے جس کے نتیجہ میں فہم وبصیرت میں کمی واقع ہوجاتی اور نتیجتاً نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں۔

آیئے زیرِ مطالعہ حدیث کی روشنی میں آج مسلمانوں کے احوال کا جائزہ لیں۔حدیث شریف میں تو یہ بات کہی گئی ہے کہ مؤمن ایک سوراخ سے دوبارنہیں ڈسا جاتا ہے۔مگر کیا بات ہے کہ ہم اغیار کے ہاتھوں بار بار نقصان اٹھا رہے ہیں۔اور اٹھاتے جارہے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے کے بعد ہم قرآن وسنت کی پاکیزہ ہدایات کو فراموش کرچکے ہیں اور ہماری زندگیاں نورِ ہدایت سے خالی نظر آتی ہیں۔

ہماری ذلت وخواری کی یہی وجہ ہے۔ہمارے سیاسی معاملات ہوں یامعاشی مسائل،معیشت کے اصول ہوں یامعاشرت کے طور طریقے ان میں اسلام کی نکھری ہوئی تعلیمات کا عکس نظرنہیں آتا۔ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں اور ہم میں یہی فرق ہے کہ دعوتِ ایمان قبول کرنے کے بعد وہ نفوسِ قدسیہ مضبوطی سے اس کی تعلیمات پرعمل پیراہوگئے اور دین ودنیا کی فوزوفلاح سے ہمکنار ہوئے،قرآن حکیم کی تعلیم نے ان کے دلوں سے اللہ کے خوف کے سواسب خوف نکال دیے تھے اور ان کا رعب ودبدبہ پوری دنیا پر چھایاہواتھا۔مگر جب حکمرانوں میں بگاڑ آگیا۔قرآن حکیم کے دیئے ہوئے قانون کی جگہ بادشاہوں کے اپنے احکام جاری ہونے لگے تو لوگوں کے کردار واخلاق میں وہ پختگی نہ رہی۔حق گوئی اور صداقت کی جگہ چاپلوسی اور خوشامد نے لے لی۔دلوں میں غیر اللہ کا خوف سما گیا۔نتیجتاً امت مسلمہ پر ذلت وادبار کی گھٹا چھا گئی،جوقوم کبھی خود حکمران تھی محکوم بن کر رہ گئی۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر (اقبال)

یأس وحزن کی ان کیفیات میں قرآن حکیم عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کی نوید جانفزا سناتا ہے۔

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [ال عمران:۱۳۹]

”اور (دیکھو) نہ تو ہمت ہارو اور نہ غم کھاؤ (آخرکار) تم ہی غالب رہو گے اگرتم اپنے آپ کو ایمان (اوراعمالِ صالحہ) سے آراستہ کرلو۔“

دعاء و التجاء:

« يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ، ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ ، صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰى طَاعَتِكَ۔ » آمین

''اے دلوں کو پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھئے اور اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دیجئے۔''

امانت

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ: « لَآ اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَ لَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ »

[رواہ البیہقی فی شعب ایمان۔مشکوٰۃ کتاب ایمان]

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بہت کم ایسا خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ نصیحت نہ کی ہو،''جو شخص امانت دار نہیں اس کا ایمان نہیں اور جو وعدہ کا سچا نہیں اس کا دین نہیں۔''

امانت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ کوئی رقم یا چیز کسی بااعتبار شخص کے پاس بطور حفاظت کے رکھنا اور بوقت ضرورت اس سے واپس لے لینا اور جو شخص اس کے مالک کو ٹھیک ٹھیک وہ چیز واپس کردے امین کہلاتا ہے۔ بلاشبہ یہ بات بھی امانت کے مفہوم میں داخل ہے مگر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں امانت کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔اس میں حقوق وفرائض کی ادائیگی، مال اور اولاد کی حفاظت، وقت اور راز کی حفاظت، اپنی رائے اور مشورہ کا دیانت دارانہ استعمال وغیرہ امور بھی شامل ہیں۔آیئے قدرے تفصیل سے اس کا جائزہ لیں۔

امانت کے سلسلہ میں سب سے پہلی اور اہم بات اس شرعی ذمہ داری کی حفاظت ہے جسے تمام انسانوں نے بحیثیت مجموعی قبول کیا اور جس کے متعلق وہ عنداللہ مسئول ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ﴾ [احزاب:۷۲]

''ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس (ذمہ داری) سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اسے اٹھالیا اس لیے کہ وہ ظالم اور جاہل تھا۔''

معلوم ہوا کہ یہ شریعت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت ہے جو تخلیق آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی انسان کو

سونپ دی گئی اور جب کبھی اور جہاں کہیں اولاد آدم نے اسے بھلایا۔اس امانت کا احساس دلانے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور انسانوں کی ہر بستی میں رسول اور نبی بھیجے یہاں تک کہ آخری رسول محمد ﷺ کے ذریعہ امانت کی حفاظت کے اصول تاقیامت بتلا دیئے گئے۔

افسوس کہ اس وقت عام انسان بالعموم اور مسلمان بالخصوص اس امانت کی ادائیگی سے غافل ہیں۔ اگر اس امانت کا حق ادا کیا ہوتا تو یہ زمین ظلم وفساد کا نہیں بلکہ عدل وانصاف کا گہوارہ ہوتی اور ان کے درمیان الفت ومحبت ،اتفاق واتحاد کی فراوانی ہوتی۔

اسلام نے ہمیں امانت کا مفہوم یہ بھی دیا ہے کہ یہ جان اور مال،صحت اور زندگی کا ہر ہر لمحہ امانت ہے۔ہم اسے ہدایت الٰہی کے مطابق بسر کرتے ہیں یا لہو ولعب میں ضائع کرتے ہیں؟یوم جزا اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔پیغمبر کائنات ﷺ کا ارشادگرامی ہے۔

« لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتّٰی يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَا فَعَلَ وَعَنْ مَّالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَ فِيْمَا اَنْفَقَهٗ ، وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ »

[ترمذی بحوالہ راہ عمل، جلیل احسن ندوی]

”قیامت کے دن اللہ کی عدالت سے آدمی نہیں ہٹ سکے گا جب تک اس سے پانچ باتوں کے بارے میں حساب نہیں لے لیا جائے گا۔اس سے پوچھا جائے گا کہ عمر کن مشاغل میں گذاری؟ دین کا علم حاصل کیا تو اس پر کہاں تک عمل کیا؟ مال کہاں سے کمایا؟اور کہاں خرچ کیا؟جسم کوکس کام میں گھلایا۔“

کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہماری زندگی کے قیمتی لمحات کیسے بسر ہوتے ہیں۔عبادت وریاضت اور خدمت واطاعت میں یا لہو ولعب اور شور وشغب میں،حصول علم کے بعد زندگی میں کوئی انقلاب بھی آیا یا نہیں؟ کیا ہماری روزی حق حلال کی ہے اور مال خرچ کرنے کے مواقع رضائے الٰہی کے مطابق ہیں اور ہمارے جسم وجان کی توانائیاں کہاں کہاں صرف ہو رہی ہیں،یہ سوالات ہمیں دعوت فکر دیتے ہیں۔

پھر اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہے اور اس کی یہ نگہبانی بھی امانت ہے۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

”تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے او وہ اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہوگا۔قوم کا امام بھی نگہبان ہے اور اس سے رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔مرد اپنے اہل وعیال پر

نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا اور بیوی اپنے شوہر کے گھر پر نگہبان ہے اور اس سے بچوں کی (غور و پرداخت) نیز تربیت کے متعلق سوال ہوگا۔خادم اپنے سردار کے مال پر نگہبان ہے اور اس سے بھی پوچھ گچھ ہوگی اور آدمی اپنے باپ کے مال پر نگہبان ہے اس سے اس مال کے متعلق سوال ہوگا گویا کہ ہر شخص نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ [نضرة النور۔مصطفی محمد عمارہ]

آپ غور کیجیے کہ صدر مملکت سے لے کر ایک عام آدمی تک حقوق وفرائض کے زبردست نظام میں بندھا نظر آتا ہے اور ان سب کی اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری ہی سلامتی وبھلائی کی ضمانت اور امانت کی حفاظت ہے۔اس میں کوتاہی اور غفلت معاشرتی نظم وضبط اور امن وسکون کی تباہی وبربادی ہے۔

پھر غور کیجیے کہ معاشرتی زندگی میں کاروباری ساکھ،آپس کے لین دین کے معاملات امانت سے ہی برقرار رہتے ہیں جس کی حفاظت کے لیے اسلام نے تاکید کی ہے۔اہل ایمان کی اچھی صفات میں سے یہ بڑی اہم صفت ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ ﴾ [المؤمنون: ۸]

”اور وہ جو امانتوں اور وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں (بہشت کی میراث حاصل کریں گے)

رسول ﷺ نبوت ملنے سے پہلے بھی اسی وصف کے باعث قوم میں امین کے لقب سے مشہور تھے۔ لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے اور آپ انہیں بحفاظت لوٹا دیتے۔یہاں تک کہ نبوت ملنے کے بعد بھی جنہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو نہ مانا،انہیں آپ سے زیادہ کوئی امین نظر نہ آتا تھا اور وہ امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔تیروں اور تلواروں کی زد میں بھی آپ ﷺ نے ان امانتوں کی حفاظت کی،ہجرت کے وقت جب مسلح دشمن چاروں طرف آپ کے مکان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے لوگوں کی امانتیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں کہ وہ ان کے مالکوں کو لوٹا کر ہجرت کر آئیں۔

اسلام نے تجارت میں جس امانت داری کی تعلیم دی اور ہمارے اسلاف نے جس طرح ان اصولوں کو اپنا کر عزت وشہرت دولت وثروت حاصل کی وہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔

آج ہماری حالت کیوں دگرگوں ہو چکی ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں ذلت وخواری ہے کیا امانت ایسی اہم خوبی سے محرومی تو نہیں ہے۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَ مَآ اَخَّرْتُ وَ مَآ اَسْرَرْتُ وَ مَآ اَعْلَنْتُ وَ مَآ اَسْرَفْتُ

وَ مَآ اَنۡتَ اَعۡلَمُ بِهٖ مِنِّیۡ »

’’ اے اللہ ! معاف کر دیجیے میرے تمام گناہ، اگلے بھی پچھلے بھی۔پوشیدہ بھی اور علانیہ بھی میری تمام زیادتیاں اور میری تمام خطائیں جن کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔‘‘

دیانت داری بھی دین ہے

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

« لَادِیۡنَ لِمَنۡ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ »[ترغیب وترھیب للمنذری]

’’اس شخص میں دینداری نہیں جس میں امانتداری نہیں‘‘

دین محض صوم وصلوۃ کی پابندی کا نام ہی نہیں ہے، وہ تو ہرشعبہ حیات پر حاوی ہے۔وہ اگر ربّ کائنات کی بندگی کا حکم دیتا ہے تو اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک بھی سکھاتا ہے۔وہ انسانوں کو آدابِ زندگی سے آراستہ کرتا ہے،وہ انہیں جینے کا سلیقہ اور قرینہ عطا کرتا ہے وہ سیاست اور حکومت،معاشرت اور معیشت کے بہترین اصول دیتا ہے غرضیکہ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حسن اورنکھار پیدا کرتا ہے۔اس کی ترتیب سے ایسا صالح اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے جہاں لوگوں کو سکون ملتا ہے، سکھ اور چین نصیب ہوتا ہے اور ایسی ریاست تشکیل دیتا ہے جسے حقیقی معنوں میں فلاحی ریاست کہا جاسکتا ہے۔

اسلام میں امانت ودیانت داری کا مفہوم صرف اتنا ہی نہیں کہ نقدی یا کوئی چیز کسی شخص کے پاس بطور امانت اور حفاظت رکھی جائے اور مالک کے طلب کرنے پر وہ ٹھیک ٹھیک اسے واپس کر دے۔بلاشبہ یہ بھی امانت داری کی ایک شکل ہے جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس لوگ اپنی امانتیں رکھتے تھے اور ان کی طلب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم من وعن واپس فرما دیتے تھے۔اس وجہ سے لوگ آپ کو’’الامین‘‘ کے نام سے پکارتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے امانت کی پاسداری تلواروں کی چھاؤں میں بھی کی۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی تو مسلح دشمن آپ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امانتیں سونپتے ہوئے فرمایا کہ انہیں متعلقہ افراد کو واپس کر کے چلے آنا۔اس طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے امانت اور دیانتداری کی عظیم مثال قائم فرمائی۔

دیانتداری کا اس سے وسیع تر مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا یہ دین انسانوں کے پاس امانت ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾ [سورۃ احزاب: ۷۲]

''ہم نے یہ (پوری شریعت) امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور اس (ذمہ داری) سے ڈرے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، بے شبہ وہ ظالم اور نادان ہے۔''

حکمرانوں کے پاس یہ سلطنت اور حکومت امانت ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ عدل و انصاف سے اپنے فرائض سرانجام دیں، سیدنا داوٗد علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے۔

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ [ص: ۲۶]

''اے داوٗد علیہ السلام ہم نے تجھ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا سو تو لوگوں میں انصاف سے حکومت کر اور اپنے جی کی خواہش پر نہ چل کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے پھسلا دے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلیفۃ المسلمین کے لیے عدل و انصاف کرنا، اس کے فرائض منصبی میں سے ہے اور اس کے تمام تر فیصلے شریعت الٰہی کے مطابق ہونے چاہئیں نہ کہ خواہشات نفس کے مطابق۔

رعایا کے پاس اپنی صائب رائے اور ووٹ سے راست باز دیانت دار، معاملہ فہم اور ذی علم لوگوں کا انتخاب بھی قومی امانت ہے۔ یہ ضروری ہے کہ وہ ایسے لوگوں ہی کو قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں بھیجیں جن میں قومی خدمت کا جذبہ موجود ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ [النساء: ۵۸]

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کو ہی پہنچاؤ''

مؤمنوں کے پاس ان کے اہل و عیال بھی امانت ہیں جن کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال ان پر لازم ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ [التحریم: ۶]

''اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔''

اور اسی طرح یہ بھی فرمایا:

﴿ وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ [طٰه: ۱۳۲]

''اور اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر قائم رہیئے۔''

پھر اہل وعیال کے لئے ربّ کریم نے دعا بھی سکھلا دی کہ میرے حضور ان کے لئے دعا مانگتے رہو۔

﴿ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ ﴾

[الفرقان: ۷۴]

''اے ہمارے پرودگار ہمیں اپنے اہل وعیال کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا۔

اور پھر اولاد کی اصلاح کے لئے یہ دعا بھی عطا فرمائی ہے۔

﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾

[الاحقاف: ۱۵]

''اے میرے پرودگار مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں ان کا شکر گزار رہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں جن کو تو پسند کرے اور میری اولاد کو صلاح وفلاح سے نواز، میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات پر شکر گزاری اور نیک اعمال کی توفیق وطلب اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ایسا پسندیدہ توشہ آخرت ہے کہ دنیا کے سارے خزانے اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

تاجر اور کاروباری حضرات کے لئے ہر خیانت سے بچنے نیز ناپ تول، پیمائش، لین دین اور خرید وفروخت میں دیانتداری کو اختیار کرنے کی سخت تاکید آئی ہے۔

﴿ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ ﴾ [الرحمٰن: ۹]

''اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو (پیمائش کرو) اور تول کم مت کرو (پیمائش میں کمی نہ کرو)''

اس آیۂ مبارکہ کی روشنی میں ہر کاروباری چیز کے نہ صرف وزن اور پیمائش کو برقرار رکھنا ضروری ہے بلکہ پائداری اور کوالٹی کو برقرار رکھنا بھی ایسا ہی ضروری ہے۔ کسی چیز کی کوالٹی کو گرا دینا اور سابقہ قیمت ہی کو برقرار رکھنا یقیناً کم تولنے کے مترادف ہوگا۔ شریعت نے جہاں خائن اور بددیانت تاجروں کے لئے بہت وعید سنائی ہے وہاں دیانت دار اور سچے تاجروں کے لیے بڑی خوشخبری بھی دی ہے۔ کم تولنے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝﴾ [المطففين :١-٣]

''(ناپ اور تول) میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے جولوگوں سے ناپ کرلیں تو پورالیں اور جب ان کوناپ کردیں تو کم دیں۔''

وَيْلٌ : "عَذَابٌ اَوْ هَلَاكٌ اَوْ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ " [كلمات القرآن تفسيروبيان لفضيلة الشيخ محمد مخلوف]

یعنی ویل عذاب، ہلاکت یا جہنم میں وادی کا نام ہے۔سچے تاجروں کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے خوشخبری دی ہے کہ ان کا شمارروزِ جزا شہداء کے ساتھ ہوگا۔اور شہداوہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی رضا میں اپناتن من اور دھن نچھاور کردیااور یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں ربّ کائنات نے فرمایا''اور جولوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردے نہیں ہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔''[ترجمة البقرة :١٥٧]

ایسے پاکبازوں کی زندگی پررسول اللہ ﷺ نے بھی رشک فرمایاہے۔غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دیانت داری کا کتنابڑااصلہ ہے۔

طلباء کے پاس ان کا وقت امانت ہےحصول علم میں محنت ومشقت کریں اورمزیدعلم کی تمنائیں لیے ربّ تعالیٰ کےحضور گویا رہیں۔

« رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا »

''کہ اے میرے پرودگار میرےعلم میں اضافہ فرما''

« اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ »

''وہ اس وراثت کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرکے ہی اس ذمہ داری سے سکبدوش ہوسکتے ہیں۔

اب جب کہ دیانت وامانتداری اپنانا زندگی کا بہت ہی اہم معاملہ ہے اوردین شریعت میں اس کی اہمیت واضح اورمسلّم ہےتو غور کیجیۓ اس قدر اہم بات کونسلِ انسانی نے بالعموم اور مسلمان نے بالخصوص فراموش کردیاہے۔ہمارے سیاستدان اس فریضہ سے غافل،ہمارے تجار اس ذمہ داری سے لاپروا ہمارے بڑے اس خوبی سے بے نیاز اورہمارے چھوٹے اس صفت سے عاری ہیں نتیجہ ظاہر ہے کہ ہماری معاشرتی زندگی خیروبرکت سے خالی ہے اور ہمارا ذہنی امن وسکون برباد ہوچکاہے اوپرسے نیچے تک نفسی نفسی کا عالم ہے کہیں خلوص اور وفاداری دیکھنے میں نہیں آتی ان حالات میں ہمیں ذلت ورسوائی کا سامناہے آیئے اپنے ربّ کے حضورتوبہ کریں اور زندگی کو اسلام کی عطاکردہ عمدہ صفات سے آراستہ کریں جس سے ہم دنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اورآخرت میں بھی کامیاب ہوں گے۔ان شاء اللہ۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَ رِضَاءً بِالْقَدَرِ »

”اے اللہ! ہم آپ سے سوال کرتے ہیں صحت، عفت امانتداری، پاکیزہ اخلاق اور تقدیر پر رضامندی کا۔“

سلیقہ اور صفائی

عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرًا فَرَاٰى رَجُلًا شَعِثًا ، قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهٗ فَقَالَ: « مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُمَكِّنُ رَأْسَهٗ ؟ » وَرَاٰى رَجُلًا عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ:« مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهٖ ثَوْبَهٗ ؟ »

[سنن ابی داؤد، کتاب اللباس بحوالہ اسوۂ حسنہ از بنت الاسلام]

”سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ، ہمارے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کی غرض سے تشریف لائے تو ایک آدمی کو دیکھا گرد وغبار میں اٹا ہوا تھا، بال بکھرے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: اس کے پاس کوئی ایسی چیز (کنگھا وغیرہ) نہ تھی، جس سے یہ اپنے بال درست کرلیتا ؟ (اسی طرح) ایک اور شخص کو دیکھا جو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا، آپ نے فرمایا: کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز (صابن وغیرہ) نہیں تھی جس سے یہ اپنے کپڑے دھو لیتا ؟“

اسلام دین فطرت ہے۔ زیبائی وخوشنمائی، صحت وصفائی، سلیقہ وقرینہ انسان کو فطری طور پر پسند ہیں طبع سلامت ہمیشہ صفائی کو پسند کرے گی جبکہ غلاظت سے اسے نفرت ہوگی۔ کوئی چمن خوشنما پھولوں سے سجا ہوا ہو اور اس کی کیاریاں اور روشیں صاف ستھری ہوں تو بے اختیار وہاں ٹھہرنے کو جی چاہے گا اور دل بار بار اس کی سیر پر آمادہ ہوگا۔ اور جہاں غلاظت اور گندگی کے ڈھیر ہوں طبیعت وہاں سے نفرت کرے گی اور وہاں سے بھاگ نکلنے کی آرزو ہوگی اور دوبارہ وہاں سے گزرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ اسلام نے جہاں طہارتِ نفس کا درس دیا ہے، وہاں طہارتِ جسم ولباس کو بھی سراہا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

« اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ » [رواہ مسلم]

”پاکیزگی ایمان کا نصف ہے“

یعنی ایمان کی تکمیل پاکیزگی سے ہوتی ہے اس میں ظاہر اور باطن دونوں کی پاکیزگی شامل ہے۔ باطن اگر شرک وکفر، ریاء وحسد، خیانت اور بددیانتی ایسے رذائل سے پاک ہو تو ظاہر بھی بول وبراز، میل کچیل ایسی غلاظتوں سے صاف ہو۔ جس طرح باطن کا اللہ تعالیٰ کی کبریائی وعظمت سے معمور ہونا، عفت وپاکبازی، حلم وبردباری اور استقامت وحق گوئی سے مزین ہونا لازمی ہے اسی طرح ظاہر کا حسن وجمال، طہارت اور پاکیزگی سے آراستہ ہونا بھی ضروری ہے زبان نبوت سے اس بات کو یوں فرمایا گیا:

لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِی قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ: اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا ونَعْلُهٗ حَسَنَةً ، قَالَ : اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَمِیْلٌ یُّحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ" (رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ باب الغضب والکبر)

"وہ شخص جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا: کوئی اچھا لباس خوشنما جوتے پسند کرتا ہے(تو وہ کیسا ہے؟) ارشاد ہوا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے، (البتہ) تکبر تو یہ ہے کہ حق بات کو فراموش کردیا جائے اور لوگوں کو حقیر خیال کیا جائے۔"

پوشاک ولباس کی غرض وغایت اگر ایک طرف ستر ڈھانکنا ہے تو دوسری طرف زیب وزینت بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نخوت وغرور سے بچنا بھی ضروری ہے، قرآن اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ ﴾ [الاعراف: ۲۶]

"اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور پرہیزگاری کا لباس سب سے اچھا ہے۔"

اس آیۂ مبارکہ سے یہ باتیں استنباط کی جاسکتی ہیں:

۱ لباس ساتر ہو، ایسا نہ ہو کہ پہننے کے باوجود جسم کے پوشیدہ حصوں کے خدوخال ظاہر اور نمایاں ہوں۔

۲ وہ صاف ستھرا ہو کہ زیب وزینت کا باعث بنے۔

۳ انسان میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے آثار نمایاں ہوں اور تکبر وغرور کا شائبہ تک نہ ہو اور اس کا تعلق باطن سے ہے، یعنی ظاہر وباطن دونوں سے حسن وجمال، شرافت وحیاء، طہارت ونظافت ٹپکتی ہو" اسلام نے پراگندہ حال اور پراگندہ بال رہنے سے منع فرمایا ہے۔ ذرا اس حدیث مبارک پر غور کیجئے۔

جناب رسول اللہ ﷺ مسجد (نبوی) میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے، آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ جا کر اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو ٹھیک کرو، چنانچہ وہ گیا اور بالوں کو ٹھیک کر کے لوٹا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ بہتر نہیں ہے اس بات سے کہ آدمی کے بال پراگندہ اور منتشر ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہو گویا شیطان ہے؟

« اَلَیْسَ هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّأْتِیَ اَحَدُکُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّأْسِ کَاَنَّهٗ شَیْطَانٌ »

[موطا کتاب الحج۔ باب اصلاح الشعر بحوالہ اسوہ حسنہ بنت الاسلام]

یہ بات مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو مال عطا فرمائے اور بندے بخل اور کنجوسی سے کام لیں، نہ اپنے اوپر خرچ کریں، نہ اپنے اہل وعیال کو خوش رکھیں اور نہ ہی غرباء ومساکین کی مدد کریں۔ بندوں پر تحدیثِ نعمت لازم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ﴾ [الضحی: ۱۱]

''اور اپنے ربّ کی نعمتیں بیان کرو۔''

یعنی انعاماتِ الٰہی پانے کے بعد کسی بھی تکبر اور غرور کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیں بلکہ شکر کے جذبات سے دل معمور ہو جائے اور اس کے اثرات چہرے مہرے سے عیاں ہوں۔ اس حدیث مبارک پر غور کیجئے:

ابو الاحوص اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوا کہ میرے کپڑے نہایت گھٹیا اور معمولی درجے کے تھے، آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے پوچھا کس طرح کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا: ہر طرح کا مال اللہ نے دے رکھا ہے۔ اونٹ بھی ہیں، گائیں بھی ہیں، گھوڑے بھی ہیں اور غلام بھی، تب آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ نے اتنا مال دے رکھا ہے تو اس کے فضل واحسان کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیے۔ [مشکوٰۃ بحوالہ سفینہ نجات۔ مجموعہ احادیث مرتب مولانا جلیل احسن ندوی]

مولانا جلیل احسن ندوی اس حدیث مبارک کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''مطلب یہ کہ جب اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہے، تو اپنی حیثیت کے مطابق کھاؤ، پہنو، یہ کیا کہ اپنے پاس سب کچھ ہو مگر صورت ایسی بنائے رکھے، گویا گھر میں بھونی بھانگ نہیں'' (کنگال اور خالی ہاتھ ہو)

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ آپ عیش کوشی (فضول خرچی) کی تعلیم نہیں دے رہے ہیں، بلکہ متوازن زندگی گزارنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔

اسلام اپنے جسم ولباس اپنے گھر بار اور خصوصاً اللہ تعالیٰ کے گھروں (مساجد) کو پاکیزہ اور صاف رکھنے کی نصیحت کرتا ہے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، دیواروں پر جا بجا تھوک کے دھبے تھے، آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی، اس سے کھرچ کھرچ کر تمام دھبے مٹائے، ایک انصاری خاتون نے نہ صرف دھبہ مٹایا بلکہ وہاں خوشبو لاکر ملی آپ نہایت خوش ہوئے اور اس کی تحسین فرمائی اور آئندہ مساجد کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا: (نسائی ۔ کتاب المساجد۔ بحوالہ سیرت النبی جلد دوم)

مختصر یہ کہ اسلام کے نزدیک سلیقہ اور صفائی میں جسم ولباس، ظاہر اور باطن، گھر اور باہر ہر جگہ اور ہر مقام شامل ہے، دوسرے لوگوں پر اس کا بہترین عکس پڑتا ہے اور اللہ تعالی بھی ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ صحابۂ کرام نے اس صفت کو اپنا کر اللہ تعالی کا قرب حاصل کیا۔

﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝﴾ [التوبه : ١٠٨]

”وہ مسجد جس کی پہلے دن سے تقویٰ پر بنیاد رکھی گئی تھی، زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ (بھی) پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ »

”اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں میں شامل فرما دیجئے۔“ (آمین یا رب العالمین)

آدابِ طعام

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: « اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَذَكَرَ اللّٰهَ تَعَالٰى عِنْدَ دُخُوْلِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ لِاَصْحَابِهِ : لَا مَبِيْتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ وَاِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى عِنْدَ دُخُوْلِهِ ، قَالَ الشَّيْطَانُ : اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَاِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى عِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ : اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَالْعَشَاءَ » [مسلم رياض الصالحين، كتاب آداب الطعام]

''سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: آدمی جب اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا شروع کرتے وقت "بِسْمِ اللّٰہِ" کہہ لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ یہاں نہ رات گزارنے کا ٹھکانا ہے اور نہ کھانے کا سہارا ہے اور جب آدمی گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو شیطان بولتا ہے کہ تمہیں رات گزارنے کی جگہ مل گئی ہے اور جب وہ کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا ہے تو شیطان پھر بول اٹھتا ہے کہ لو تم نے رات بسر کرنے کی جگہ بھی پالی ہے۔ اور کھانے کا حصول بھی ممکن ہو گیا ہے۔؟''

اسلامی تہذیب و ثقافت کا اپنا ایک منفرد مقام ہے جو دنیا کی تمام تہذیبوں اور ثقافتوں سے ممیّز ہے۔ اس کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ اس کی ابتدا اور ارتقاء انسانوں کی اپنی ضروریات، ماحولیات اور رسوم و رواج سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا تمام تر جمال و کمال وحی الٰہی کی پاکیزہ روشنی اور ربّ کریم کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی براہِ راست تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابِ زندگی کا ہر ورق نمایاں اور روشن ہے جو انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

پھر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اسلامی تہذیب و ثقافت میں اگرچہ مرورِ زمانہ کے ساتھ لچک اور نرمی ضرور ہے مگر اس کی بنیادیں اٹل اور دائمی، عالمگیر اور ابدی ہیں: مثلاً: آداب طعام ہی کو لیجیے۔ رزقِ حلال کھانا۔ بسم اللہ پڑھ کر کھانا، دائیں ہاتھ سے کھانا اور اپنے آگے سے کھانا، دائمی اور ابدی ہدایات ہیں۔ ہاں چٹائی یا فرش پر بیٹھ کر تناول فرمائیں یا میز اور کرسی پر تناول فرمائیں یہ آپ کی صوابدید ہے۔ اس پر کوئی قدغن اور پابندی نہیں ہے۔

آئیے! آج کی نشست میں آدابِ طعام پر کچھ مزید گفتگو کریں۔

۱۔کھانے کا مقصد:

سب سے پہلی بات جو پیش نظر رہے وہ یہ ہے کہ بندہ مؤمن کھانا اس لیے کھاتا ہے کہ زندہ رہ کر حقوق اللہ اور حقوق العباد ٹھیک ادا کر سکے۔ اس کے نزدیک صرف کھانا ہی زندگی کا مقصد نہیں ہے۔

خوردن برائے زیستن نہ زیستن برائے خوردن۔

لہٰذا بھوک لگنے پر جو روکھی سوکھی حق حلال کی روزی میسر ہو، کچھ بھوک رکھ کر وہ کھالیتا ہے اور پیاس لگنے پر پانی پی لیتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

«نَحۡنُ قَوۡمٌ لَّا نَاۡكُلُ حَتّٰى نَجُوۡعَ وَاِذَا اَكَلۡنَا فَلَا نَشۡبَعُ»

[بحواله منهاج المسلم، ابو بكر الجزائرى]

ہم بھوک کے بغیر نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو سیر نہیں ہوتے۔''

طبی نقطۂ نظر سے صحت برقرار رکھنے کا یہ وہ جامع اصول ہے جسے کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

قرآنِ حکیم بھی اس زرّیں اصول کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿وَكُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا﴾ [الاعراف:۳۱]

''کھاؤ، پیو اور اسراف سے بچو۔''

اسلام نہ صرف کھانے پینے میں بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے اگر یہ بے اعتدالی کھانے پینے میں ہو تو صحت کی تباہی و بربادی ہے۔ اگر پہننے میں تو تکبر وغرور پیدا ہونے کا خدشہ ہے جس سے انسان روحانی طور پر بیمار ہو جاتا ہے۔

۲۔ رزقِ حلال:

وہ رزق ہوتا ہے جس کے کھانے کے ذرائع بھی حلال ہوں اور فی نفسہٖ وہ رزق بھی شرعی طور پر حلال ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿كُلُوۡا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا﴾ [المؤمنون:۵۱]

''پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔''

نیک اعمال کی توفیق اسی وقت ملے گی جب رزقِ حلال کھائیں گے۔ جب اس توفیق ہی سے محروم ہو جائیں تو پیچھے کیا رہ گیا؟

۳۔ تواضع سے کھانا:

اس بات میں کوئی کلام نہیں ہے کہ چٹائی پر بیٹھ کر کھانے سے نہ صرف خاکساری اور عاجزی پیدا ہوتی ہے بلکہ سنت نبوی ﷺ پر عمل بھی ہوتا ہے وہ اس طرح کہ دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پر بیٹھا جائے۔ طبی طور پر بھی اس طرح کھانا ضرورت کے مطابق کھایا جاتا ہے۔ اور بعض روایات میں گھٹنوں کے بل (جیسا وضو کرتے وقت بیٹھتے ہیں) بیٹھ کر کھانے کا ذکر بھی آتا ہے۔ البتہ ٹیک لگا کر تو بالکل نہیں کھانا چاہیے کہ تواضع کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور کھانا معدہ میں ٹھیک طرح نہیں پہنچ پاتا ہے، جس سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ بیماری کی وجہ سے مجبوری ہو تو وہ الگ بات ہے۔

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَا اٰ کُلُ مُتَّکِأً اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ اٰکُلُ کَمَا یَأْکُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ» [صحیح بخاری، بحوالہ منہاج المسلم]

"میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔ میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوتا۔"

۴۔ صفائی اور پاکیزگی:

کھانے کے لیے صاف ستھری جگہ پر بیٹھنا اور ہاتھوں کا صاف ستھرا ہونا ضروری ہے، طہارت و نظافت تو جزوِ ایمان ہے۔

«اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ»

"صفائی اور پاکیزگی جزوِ ایمان ہے۔"

کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے پہلے حصولِ برکت کے لیے برتن صاف کرنے اور انگلیاں چاٹنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ طَعَامًا فَلَا یَمْسَحْ اَصَابِعَهُ حَتّٰی یَلْعَقَهَا»

[ابو داؤد، ترمذی بحوالہ منہاج المسلم]

"جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو چاٹنے سے پہلے اپنی انگلیاں صاف نہ کرے۔"

ظاہر ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھوں کی صفائی کتنی ضروری ہے اور اطباء کا کہنا ہے کہ انگلیوں کے پوروں میں خاص قسم کے نمکیات ہوتے ہیں جو کھانے کو ہضم کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

۵۔ بسم اللہ پڑھنے کی برکت:

بندۂ مؤمن کا یہ ایمان و یقین ہے کہ وہ تمام برکتیں اور رحمتیں اپنے مولا و مالک کے پاکیزہ نام سے حاصل کرتا ہے۔ وہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اسی کو یاد کرتا ہے۔ درس کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰہ کی اہمیت واضح ہو چکی ہے۔ ان احادیث کو پڑھنے سے مزید تقویت ملے گی۔

سیدنا امیہ بن مخشی صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ (قریب ہی) ایک شخص نے کھانا شروع کیا اور بسم اللہ نہ پڑھی۔ جب صرف ایک لقمہ باقی رہا اور اسے منہ تک لے جانے لگا تو کہا: «بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَ اٰخِرَهٗ»

تو رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے اور فرمایا: شیطان برابر اس کے ساتھ کھانا کھاتا رہا، جب اس نے بسم اللّٰہ کہا تو شیطان نے قے کردی۔'' یعنی اپنا سب کھایا پیا اگل دیا۔''

[ابو داؤد ، نسائی، ریاض الصالحین ، کتاب الطعام]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چھ اصحاب کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی آ گیا۔ اور اس نے سارا کھانا دو لقموں میں ختم کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ بسم اللہ کہہ کر شروع کرتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہوتا۔''

[ترمذی، ریاض الصالحین، کتاب ادب الطعام]

معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے کھانا بسم اللہ کہہ کر شروع کیا ہو گا لیکن جب وہ دیہاتی بغیر بسم اللہ پڑھے شریک ہو گیا تو کھانے کی برکت جاتی رہی۔

۶۔ کھانا اگر ذوق کے مطابق نہ ہو:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر پسند آیا تو کھا لیا اور نا پسند ہوا تو چھوڑ دیا۔، [متفق علیہ، ریاض الصالحین، ایضاً]

معلوم یہ ہوا کہ ناشکری کا کسی طرح بھی اظہار نہ ہونا چاہیے۔ خواہ مخواہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق پر ناک بھوں چڑھانا اچھے آداب کے منافی ہے۔ اگر کسی کے یہاں آپ مہمان ہوں تو ایسا کرنے پر میزبان کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

۷۔ مہمان کو اچھی سے اچھی چیز پیش کرنا:

مہمان کو اچھی اور بہتر چیز جو گھر میں موجود ہو، پیش کرنا اسلامی آداب میں سے ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسانی شکل میں خوشخبری دینے آئے تو انھیں عزت وتکریم سے بٹھایا اور موٹا بھنا ہوا بچھڑا لا کر پیش کردیا اور بڑے ہی خوبصورت انداز میں فرمایا:

﴿ أَلَا تَأْكُلُوْنَ ﴾ آپ کھاتے کیوں نہیں؟ یہ نہیں کہا: '' کُلُوا'' کہ کھایئے۔''

'' کھایئے'' اور'' آپ کیوں نہیں کھا رہے ہیں؟'' دونوں جملوں میں بڑا فرق ہے دوسرے جملے سے ادب و احترام، شیریں کلامی اور لطافت ٹپک رہی ہے اور مہمان کی دلجوئی اور عزت افزائی کے لیے ایسا ہی ہونا چاہیے۔

۸۔متفرق آداب:

اجتماعی کھانا کھاتے وقت بڑے چھوٹے کا لحاظ رکھنا، بڑے کو پہلے پیش کرنا، دائیں جانب سے شروع کرنا۔ کھانے میں پہل نہ کرنا کہ یہ حرص کا مظاہرہ ہے۔ کھانے کے دوران دوسروں کے لقموں پر نظر نہ رکھنا کہ یہ دل آزاری کی بات ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ لقموں کے ریزے سالن یا پلیٹ میں نہ گریں کہ اہل مجلس کو اس سے گھن آتی ہے، یا منہ سے روٹی توڑ کر سالن میں ڈبونا بھی آدابِ طعام کے خلاف ہے۔ دورانِ طعام چھینک آجائے تو منہ کو ایک جانب موڑ کر رومال سے آواز کو پست کرنا ضروری ہے۔ چاول ہاتھ سے کھاتے ہوئے دایاں ہاتھ سالن سے بھرا ہو اور پانی کی ضرورت پیش آجائے تو بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑتے ہوئے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے کونے سے سہارا لیتے ہوئے پانی نوش کیجیے کہ اس سے گلاس خراب نہ ہوگا۔ اور دوسروں کو اس کے استعمال سے گھن نہ آئے گی۔

اجتماعی کھانے میں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ سب کے ساتھ اٹھیں۔ بھوک کم ہے تو آہستہ آہستہ کھائیے۔ خاص طور پر مہمان سے پہلے اٹھ جائیں گے تو اسے خفت ہوگی۔ اسے تو عزت دینا مقصود ہے۔

۹۔کھانے کے بعد دعا:

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ ہمیں بے حد وحساب انعامات سے نوازتا ہے اور یہ کھانا بھی اسی کی طرف سے انعام ہے۔ اس لیے اس محسن مالک کا شکر لازم ہے۔

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ »

”اس اللہ کا شکر جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔“

دراصل اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے جس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اسی نعمت کی بدولت ہمیں جینے کا سلیقہ اور قرینہ آیا ہے۔

کھانے کے اختتام پر جب بندہ مؤمن اپنے ربّ کی حمد و ثنا بجا لاتا ہے تو مہربان پروردگار اسے انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔ سبحان اللہ! ایک تو اپنے لطف و کرم سے کھانا کھلایا اور دوسرا مغفرت و بخشش کا سامان بھی کردیا یہ حدیث پڑھیے۔

وَعَنْ مُّعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : « مَنْ اَکَلَ طَعَامًا ، فَقَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ » [ابو داؤد، ترمذی، ریاض الصالحین، کتاب ادب الطعام]

معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے کھانا کھا کر

یہ کہا: سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے یہ (کھانا) کھلایا اور بغیر کسی حیلہ اور قوت کے مجھے یہ رزق عطا فرمایا، تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔''

غور کیجیے! کھانے کے اختتام پر اگر کوئی بندہ مندرجہ بالا دعا پڑھتا ہے اور اسے موت آ جاتی ہے تو وہ اپنے ربّ کے حضور شکر گزار بندے کی حیثیت سے پہنچے گا۔ جس کے سابقہ گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔ یہ کتنی بڑی کامیابی اور خوشی کا مقام ہے۔

۱۰۔ کھانا کھلانے والے کے لیے دعا:

« اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَھُمْ فِیْمَا رَزَقْتَھُمْ وَاغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ ، اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْ مَّنْ اَطْعَمَنِیْ وَ اسْقِ مَنْ سَقَانِیْ »

''اے اللہ! آپ اس چیز میں برکت عطا فرمایئے جو آپ نے ان کو دی ہے اور انھیں بخش دیجیے اور ان پر رحم فرمایئے۔ الٰہی! آپ اس کو کھلایئے جس نے مجھے کھلایا اور اسے سیراب کیجیے جس نے مجھے سیراب کیا ہے۔''

آج کا مسلمان اپنی شاندار اور بے مثال تہذیب و ثقافت کو بھلا چکا ہے اور بے ہودہ مغربی تہذیب و ثقافت اسے پسند آ گئی ہے۔ شادی بیاہ کے ہالز میں اس کا مشاہدہ کیجیے۔ بے حیائی اور بے حجابی تو الگ رہی، کھڑے کھڑے بائیں ہاتھ سے بوتلیں نوش کر رہے ہیں۔ مرد تو مرد رہے، بے پردہ خواتین بھی اس نقالی میں شامل ہیں۔ حرص و ہوس کا کیا کہنا، کھانے پر اس طرح لپکتے ہیں گویا وہ کئی دن سے بھوکے ہیں اور گھومتے پھرتے کھا رہے ہیں۔ اس میں دائیں بائیں ہاتھ کی کوئی تمیز نہیں ہے۔

مسلمانو! تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ تمھاری تہذیب تو دنیا کی سب سے پاکیزہ اور نرالی تہذیب ہے۔ یہ تو ربّ کریم نے تمھیں نبی رحمت ﷺ کے ذریعہ بھیجی ہے اور جس کی مثالی زندگی تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ کیا تم عقل و فکر سے کام لو گے؟

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اَطْعَمْتَ وَسَقَیْتَ وَاَغْنَیْتَ وَھَدَیْتَ وَاَحْیَیْتَ ، فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰی مَا اَعْطَیْتَ »

''اے اللہ! آپ نے کھلایا اور پلایا، غنی کیا اور ہدایت سے نوازا اور زندگی عطا کی، آپ ہی کے لیے ہر شکر اور ہر تعریف ہے اس بات پر جو آپ نے عطا فرمائی۔

اکل حلال

عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: « لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ جَسَدٌ غُذِّیَ بِالْحَرَامِ۔ » [مشکوٰۃ، کتاب البیوع۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جسم جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام سے پلا ہو۔''

انسان کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجا ہے ﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ﴾ جو اس کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے، پھر اس کے خالق و مالک نے عقل و بصیرت کے علاوہ اسے زندگی گزارنے کا مکمل و مفصل منشور عطا کیا ہے جسے اپنا کر ہی وہ خلافت و نیابت کا حق ٹھیک طور پر ادا کرسکتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کی زندگیاں اس نیابت کا حق ادا کرنے کے لیے نمونہ ٹھہریں، انہیں اللہ کی طرف سے دستورِ حیات سے بھی نوازا جاتا رہا۔ مثلاً سیدنا داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی گئی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے نوازا گیا، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کو اتارا گیا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو صحیفے عطا کیے گئے۔

مختلف ادوار میں انبیاءِ کرام مختلف قوموں اور خطوں میں آتے رہے اور فریضۂ دعوت و تبلیغ سرانجام دیتے رہے، خاتم النبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نسل انسانیت کے لیے ہوئی، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ﴾ [الاعراف: ۱۵۸]

''کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

اور جو کتابِ ہدایت آپ کو عطا کی گئی اس میں بھی نسلِ انسانیت کے لیے رہنمائی کا سامان ہے۔

﴿ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ﴾ [البقرہ۔ ۱۸۵]

''رمضان کا مہینہ ہے جس میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی، جو نسلِ انسانیت کے لیے ہدایت ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔''

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شریعت کو لے کر تشریف لائے وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ یہ زندگی

گزارنے کا مکمل دستور (A Complete Code of Life) ہے۔اس میں ایک طرف تو احکام ہیں جن کا بیان کتاب الٰہی میں ہے تو دوسری طرف ان احکام کا عملی نمونہ سیرتِ رسول ﷺ ہے۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب:۲۱]

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ(ﷺ کی ذاتِ گرامی) میں بہترین نمونہ ہے۔''

حلال وحرام:

قرآن وسنت میں حلال وحرام کو واضح کر دیا گیا ہے تاکہ ایک مسلمان حلال کو اختیار کرے اور حرام سے بچ کر پاکیزہ زندگی گزار کر اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن سکے، اس طرح وہ خلافت کا فریضہ احسن طریق پر سرانجام دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہوتا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ﴾ [المؤمنون : ۵۱]

''اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو''

رسولوں کے پیروکار مؤمنوں کو بھی اسی حکم سے نوازا گیا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴾ [البقرہ:۱۷۲]

''اے ایمان والو! اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں (بے تکلف کھاؤ) اور اللہ کا شکر ادا کرو۔''

ان آیات مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''طیبات'' کے استعمال ہی سے اعمالِ صالحہ، عبادت و ریاضت ، ذکر وشکر کی توفیق ملتی ہے۔ نیز ''طیبات''میں حصولِ رزق کے ذرائع بھی جائز اور حلال ہونے ضروری ہیں۔ رزق حرام سے نہ صرف شرفِ انسانیت سے کوئی شخص محروم ہو جاتا ہے بلکہ اس کی دعاء ومناجات بھی ردّ کر دی جاتی ہیں، اس بات کی تائید اس حدیث مبارک سے ہوتی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیزوں ہی کو قبول فرماتا ہے، اس نے مؤمنوں کو اس بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے رسولوں کو دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا آیات (سورۃ المؤمنون: ۵۱ اور سورۃ البقرہ ۱۷۲) تلاوت فرمائیں اور ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر

کرتا ہے اور جس کے بال (اس سفر کے سبب) پراگندہ اور غبار آلود ہو رہے ہیں، (اس حال میں) وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہو جب کہ اس کا کھانا پینا اور اوڑھنا بچھونا حرام کا ہے اور وہ حرام کھا کر ہی پلا بڑھا ہے۔" [مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ]

حرام اشیاء نہ صرف کھانے پینے کے لیے ممنوع ہیں بلکہ ان کا کاروبار بھی اسی زمرے میں آ جاتا ہے ۔مثلاً شراب اور منشیات کا استعمال ناجائز ہے تو ان کا کاروبار کرنا اور ان سے آمدنی کا حصول بھی ناجائز ہے۔

حرام ذرائع معاش:

① دھوکہ اور فریب دے کر کھانا ۔
② رشوت دینا اور لینا ۔
③ حکام کے لیے سرکاری مال کا غبن کرنا۔
④ چوری اور ڈکیتی سے کمانا۔
⑤ یتامیٰ کے مال سے کھانا۔
⑥ کم تولنا یا کم پیمائش کرنا۔
⑦ فحاشی اور عریانی سے کمانا یعنی ٹی، وی، سینما اور اخبارات میں فحش فلمی اشتہار دے کر کمانا
⑧ بے حیائی (زنا) سے کمانا (اسلام نے زانی مرد اور زانیہ عورت کے لیے سخت سزا مقرر کی ہے)۔
⑨ شراب اور منشیات سے کمانا۔
⑩ جوا یعنی شرط لگا کر کمانا (لکی کمیٹی ، پرائز بانڈ، جوا وغیرہ کھیلنے کی مہذب شکلیں ہیں۔)
⑪ سودی کاروبار کرنا۔
⑫ اجناس کو روکنا اور گرانی پر فروخت کرنا ۔
⑬ لہو ولعب کا ایسا کاروبار جس میں لوگوں کا جانی ومالی نقصان ہو، جیسے آتش بازی، پتنگ بازی (افسوس کہ اسے پروان چڑھانے میں ہمارے حکمران بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ ہر موقع پر ہوتا ہے)

اسلام نے صرف امانت و دیانت داری سے تجارت اور حق حلال کی روزی کو جائز قرار دیا ہے، اسی میں خیر و برکت ہے اور اسی میں عبادت و ریاضت میں حلاوت ہے۔

لمحہ فکریہ!

ہم نے سرزمین پاکستان کو بے شمار جانی و مالی قربانیوں سے حاصل کیا تھا، صرف اور صرف اس لیے کہ ہم پکے اور سچے مسلمان بن کر اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکیں گے اور ہماری ریاست حقیقی معنوں میں فلاحی اسلامی ریاست بن جائے گی۔ مگر افسوس کہ ایسی ریاست کا خواب آج تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ حریص اور لالچی حکمرانوں نے ملک کو اخلاقی اور مالی طور پر دیوالیہ بنا دیا ہے...... سودی کاروبار، ٹی وی پر بے حیائی عروج پر، رشوت ستانی کا بازار گرم ہمارے کاروبار میں بددیانتی اور خیانت انتہا کو ہے۔ بچوں کے لیے پاکیزہ اور خالص دودھ تک نہیں ملتا ہے، ہمارے گھرانوں میں برکت اور رحمت کیسے آئے اور ہماری عبادات کیونکر قبول ہوں؟ اس لیے ہمارے گھرانے سکون اور سلامتی سے محروم ہوچکے ہیں، ہماری نوجوان نسل بہک رہی ہے، ہم غلاظت کے نالے میں پڑے ہیں مگر سب آنکھیں بند کر کے یہ تعفن اور بدبو برداشت کیے جا رہے ہیں۔ آہ! بے حسی کی انتہا! ...... ذلك هوالخسران المبين.

دعاء والتجاء:

« رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنۡكَ ، وَ ارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿١١٤﴾ » [المائدہ:۱۱۴]

”اے ہمارے رب! آپ اتاریے ایک خوان آسمان سے کہ وہ ہوجائے ہمارے لیے عید کا سامان، ہمارے اگلوں اور ہمارے پچھلوں کے لیے اور وہ نشانی ہو۔ آپ کی جانب سے اور ہمیں (حلال روزی) سے نوازیئے اور آپ تو بہترین رازق ہیں۔“

زبان کی پاکیزگی

عَنِ ابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ قَالَ : قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ سَلَّمَ :
« لَيۡسَ الۡمُؤۡمِنُ بِالطَّعَّانِ وَ لَا اللَّعَّانِ وَلَا الۡفَاحِشِ وَ لَا الۡبَذِیِّ »

[رواه الترمذی و قال حديث حسن]

”سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مؤمن نہ تو طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش گوئی کرنے والا اور نہ بدزبان ہوتا ہے۔““

مثل مشہور ہے کہ تلوار کا زخم مٹ سکتا ہے مگر زبان کا زخم نہیں مٹتا۔ یہی زبان ہے کہ مٹھاس اور محبت

سے دشمن کو دوست بنا لیتی ہے اور یہی زبان ہے کہ تلخ بیانی اور سخت کلامی سے دوست کو دشمن بنا دیتی ہے قرآن اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے۔

﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ ﴾ [حٰمٓ السجدہ: ۳۴]

”(اے نبی) نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔آپ (بدی کا ایسی بات سے) دفاع کیجیے جو اچھی ہو (آپ دیکھیں گے کہ) جس شخص کی آپ کے ساتھ عداوت تھی وہ آپ کا گہرا دوست بن گیا ہے۔“

دراصل بدی کا جواب نیکی سے اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا صبر و تحمل، عزم و ہمت، تعلیم و تربیت، تہذیب نفس اور بلند کردار کا نتیجہ ہے۔قرآن بتاتا ہے۔

﴿ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ ﴾

[حٰم السجدہ: ۳۵]

” اور یہ صرف انھیں نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور اس سے بڑے بختوں والے ہمکنار ہوتے ہیں۔“

اسلام یہ چاہتا ہے کہ جب بحیثیت انسان ہونے کے اس کے سر پر اشرف المخلوقات کا تاج رکھا گیا ہے اور بحیثیت مسلمان ہونے کے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے تو اسے یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے مولا و مالک کا حکم مانتے ہوئے لوگوں سے اچھی بات کرے۔حکم ہوتا ہے۔

﴿ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۝ ﴾ [البقرہ: ۸۳]

”اور لوگوں سے بھلی باتیں کیا کرو۔“

لفظ” حسن“ پر غور کیجیے، اس میں بڑی گہرائی ہے۔نرم اور خندہ جبینی سے گفتگو پاکیزہ اور صاف کلام، مفید اور با مقصد بات،قول معروف اور کلامِ حق اس میں سب ہی باتیں آجاتی ہیں ایک اور آیت میں یہی حکم دوسرے لفظوں میں اس طرح دیا گیا ہے کہ یہ وصف اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی پہچان بن جاتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل:۵۳]

”میرے بندوں سے کہیں کہ وہی کہیں جو بہتر ہو(جس میں خیر و بھلائی ہو) کیوں کہ شیطان

لوگوں میں فساد ڈلواتا ہے بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

سید سلیمان ندوی اس آیہ مبارکہ کی تشریح بڑے خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں:

''آیت کے پچھلے حصہ میں دعویٰ کی دلیل بھی دے دی گئی ہے کہ خوش گوئی اور خوش کلامی آپس میں میل ملاپ پیدا کرتی ہے اور بد گوئی و بد کلامی پھوٹ پیدا کرتی ہے جو شیطان کا کام ہے وہ اس کے ذریعہ سے لوگوں میں غصہ، نفرت، حسد اور نفاق کے بیج بوتا ہے ، اس لیے اللہ کے بندوں کو چاہیے کہ نیک بات بولیں، نیک بات کہیں اچھے لہجے میں کہیں اور نرمی سے کہیں کہ آپس میں میل ملاپ اور مہر و محبت پیدا ہو۔ اسی لیے تنابز بالالقاب یعنی ایک دوسرے کو بُرے لفظوں اور نفرت اور تحقیر کے خطابوں سے پکارنے کی ممانعت آئی ہے، کسی کو کافر یا منافق ، اور تحقیر و کراہت کے دوسرے القاب کے ساتھ مخاطب کرنا گویا اس میں اس اچھی بات کے خلاف جو آپ اس کو سمجھانا چاہتے ہیں پہلے ہی سے نفرت اور ضد کا جذبہ پیدا کردیتا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ﴾[الحجرات:١١]

''اور نہ تم آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ ایمان کے بعد گنہگاری برا نام ہے۔'' [سیرت النبی ،ج:٦]

عقلمندوں کا قول ہے کہ پہلے تو لو اور پھر بولو بغیر سوچے سمجھے گفتگو کرنے سے بہت سی باتیں ندامت و پشیمانی کا باعث ہوسکتی ہیں اس طرح معاشرتی زندگی میں انسان اپنے عز و وقار کو کھوسکتا ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ انسان کے عیب و ہنر کا معیار اس کی گفتگو ہے۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد
جب تک کہ رہے گا مرد خاموش
ناداں ہے ، کسے خبر کہ ذی ہوش

کہنے کو تو زبان دو جبڑوں کے درمیان گوشت کا چھوٹا سا لوتھڑا ہے مگر انسان چاہے تو اس سے مروّت و محبت کے پھول بھی کھل سکتے ہیں اور کسی کے دکھتے اور رستے زخموں پر مرہم بھی لگایا جا سکتا ہے

اور اگر وہ چاہے تو اسی زبان سے فتنہ و فساد کے شرارے بھی بھڑکا سکتا ہے اور اسی سے افراد اور قوموں کو لڑایا بھی جا سکتا ہے۔ اسی لیے پیارے رسول ﷺ نے اس کی حفاظت پر بڑا زور دیا ہے۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ آپ کو مجھ پر سب سے زیادہ کس چیز کا ڈر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا، اس کا ڈر ہے۔'' [ترمذی، بحوالہ سیرت النبی ﷺ، ج:٦]

قرآن حکیم نے جہاں زبان کو حق و صداقت سے مزین کیا ہے وہاں لطف و مروّت سے بھی اسے آراستہ کیا ہے اور اس بات کو سخت ترین دشمن کے سامنے بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو دربارِ فرعون میں دعوتِ حق کے لیے بھیجا جاتا ہے تو ربِ کریم کا حکم ہوتا ہے:

﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ [طٰہٰ:٤٤]

''دیکھو اس سے نرمی سے گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر جائے۔'' (یعنی حق و صداقت کا پیغام بھی شائستہ اور شستہ انداز میں دیا جائے)

یہ ٹھیک ہے کہ معاشرتی زندگی میں بولے بغیر گزارہ نہیں ہوسکتا ہے گھر بار میں، سودا سلف خریدتے اور بیچتے وقت، پڑھنے لکھنے میں تعلیم و تعلم میں، دعوت و تبلیغ میں، گفتگو کے بغیر چارہ نہیں ہے مگر ہر وقت یہ بات پیش نظر رہے کہ زبان سے ٹھیک اور درست بات ہی ادا ہو۔ مثلاً دکاندار ہے تو گاہک کو ٹھیک ٹھیک چیز کے متعلق بتا دے اور عیب دار چیز کو پردہ ڈال کر نہ فروخت کرے۔ افرادِ خانہ میں کوئی گفتگو ہو تو مٹھاس اور نرمی کا پہلو سامنے رہے۔ اساتذہ اور طلباء میں کلام ہو تو عزت اور شفقت پیش نظر رہے۔ بڑے چھوٹوں کے ساتھ محبت اور شفقت کی گفتگو کریں اور چھوٹے بڑوں کے ساتھ عزت و تکریم سے پیش آئیں۔ بے مقصد، لا یعنی، دوسروں کو دکھ اور تکلیف دینے والی گفتگو سے پرہیز کیا جائے۔ اس طرح ہمارا معاشرتی بگاڑ ختم ہوسکتا ہے۔ آج جو ہمارے گھروں میں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اس کا ایک بڑا سبب بے کار اور لا یعنی گفتگو بھی ہے ہمارے پیارے رسول ﷺ کی نصیحت ہمارے سامنے ہر وقت رہنی چاہیے۔

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ))

[متفق علیہ، ریاض الصالحین، باب تحریم الغیبہ]

''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے یا تو خیر کی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔''

پھراس حقیقت کو بھی نہ بھولنا چاہیے کہ ہماری ہر گفتگو ٹیپ ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ ﴾ [ق:۱۸]

''انسان کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران موجود ہوتا ہے''۔(اس کو اسی وقت اسے نوٹ کر لیتا ہے)

اور یہ گفتگو نجات یا ناکامی کا سامان بن سکتی ہے۔ آخر میں ربّ کریم کے حضور اس دعاء سے درسِ حدیث کو ختم کرتا ہوں۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِىْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِىْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِىْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِىْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ »

''اے اللہ میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو ریاکاری سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دے۔ بے شک تو ہی آنکھوں کی خیانت اوردلوں کی چھپی باتوں کو جانتا ہے۔''

صدق وصفا

عَنْ اَبِىْ سُفْيَانَ صَخْرِ بْنِ حَرْبٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فِىْ حَدِيْثِهِ الطَّوِيْلِ فِىْ قِصَّةِ هِرَقْلَ: فَمَاذَا يَأْمُرُكُمْ ...... يَعْنِى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ...... قَالَ اَبُوْ سُفْيَانَ: قُلْتُ: يَقُوْلُ: اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ اٰبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ »

[متفق علیه، رياض الصالحين، باب الصدق]

''سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنی طویل حدیث میں ہرقل کے قصے میں بیان کرتے ہیں (جب ہرقل قیصرِ روم کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد، دعوتِ اسلام لے کر پہنچا تو اتفاق سے ابوسفیان جو کفار مکہ کے سردار تھے اور ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے بغرض تجارت غزہ میں موجود تھے ہرقل نے انھیں اپنے دربار میں طلب کیا اور کئی سوالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں کیے جن میں ایک سوال آپ کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں تھا کہ وہ تمھیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابوسفیان کہتے ہیں۔'' میں

نے کہا وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو تمہارے باپ دادا کہتے ہیں اسے چھوڑ دو۔اور ہمیں نماز اور سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کی تاکید کرتے ہیں۔''

اسلامی تعلیمات خوب صورت پھولوں کا سدا بہار گلدستہ ہے ان پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہی معاشرے میں راحت اور سکون ، امن و امان ،مسرت و شادمانی کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ ہر شخص سکھ اور چین کا سانس لیتا ہے اسلام کی پاکیزہ اور صاف ستھری تعلیمات میں راست گفتاری بھی عمدہ صفت ہے زندگی کے ہر لمحہ اور ہر موقع پر ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ سیدھی اور سچی بات کہے اس کے قول و فعل میں صداقت اور سچائی کا ظہور اس کی عزت وعظمت کانشان اور اس کے تقویٰ اور پرہیز گاری کی علامت ٹھہرتا ہے۔قرآن اعلان کرتا ہے۔

﴿ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝﴾ [الزمر: ۳۳]

''اور جو سچائی لے کر آیا اور اس سچائی کو سچ مانا ،وہی تو پرہیز گار ہیں۔''

انسان کے ہر قول کی صحت اور ہر عمل کی درستی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کے لیے اس کا دل اور زبان باہم مطابق اور ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں ، اسی کا نام صدق یا سچائی ہے حق گوئی یا بے باکی ہے۔ جو سچا نہیں ، اس کا دل ہر برائی کا گھر ہو سکتا ہے اور جو سچا ہے ، اس کے لیے ہر نیکی اور ہر بھلائی کے حصول کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔نیکی کا راستہ جنت کی طرف لے جاتا ہے جب کہ جھوٹ گناہ ہے اور گناہ کا انجام دوزخ ہے۔حدیث میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ سچ نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف ہدایت کرتی ہے آدمی سچ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سچوں میں لکھتا ہے اور جھوٹ گناہوں پر آمادہ کرتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں، آدمی جھوٹ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے جھوٹوں میں لکھ لیتا ہے۔[متفق علیہ، ریاض الصالحین ، باب الصدق]

انسانی شرف اور بلندی سیرت و کردار کا بنیادی وصف صدق اور سچائی ہے اور اس کا صبر وتحمل سے گہرا تعلق ہے ایسا ممکن ہے کہ سچ بولنے اور سچائی کا اعلان کرنے پر بہت سے مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز کیا تو آپ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان کے متوالوں نے صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا ۔ ربّ کریم ایسے ہی ابرار و صالحین کو جنت کی

نوید سناتا ہے۔

﴿اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾

[آل عمران:١٧]

(اللہ تعالیٰ نے جنت تیار کر رکھی ہے ان لوگوں کے لیے) جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، فرماں بردار (فی سبیل اللہ) خرچ کرنے والے اور رات کے آخری حصہ میں توبہ و استغفار کرنے والے ہیں۔''

سورة ''العصر'' قرآن حکیم کی انتہائی مختصر سورت میں کامیابی کی بشارت ان لوگوں کو دی گئی ہے جو ایمان لائے ۔اعمالِ صالحہ کو اختیار کیا پھر جنھوں نے ایک دوسرے کو حق و صداقت، سچائی اور راست بازی کی دعوت دیتے ہوئے صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔معلوم ہوا کہ ایمان، اعمالِ صالحہ،حق و صداقت کا اعلان اور صبر وا ستقامت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس میں کسی ایک بات کو نظر انداز کر دیجیے تو کامیابی میں خلا پیدا ہو جائے گا اور معاشرتی زندگی تہ و بالا ہو جائے گی۔

انبیاء کرام کی جماعت نوعِ انسانی کا گلِ سر سبد ہے ۔صدق اور سچائی ان کا سب سے پہلا وصف ہے کیوں کہ ان کی ساری باتیں، دعوے اور دلیلیں، احکام اور نصائح اگر نعوذ باللہ سچائی سے ذرا بھی خالی ہوں تو ان کی پیمبری اور نبوت کی ساری عمارت دھم سے زمین پر گر جائے ۔قرآن نے کئی مقامات پر ان کے لیے صدیق اور صادقین کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ [مریم: ٤١]

سیدنا یوسف علیہ السلام جو خواب کی تعبیر بتلانے میں سچے نکلے، بندوں کی زبان سے صدیق کہلائے۔

﴿يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ﴾ [یوسف:٤٦]

''یوسف! اے بڑے سچے۔''

خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ صدق و صفا کا مرقع تھی۔ نبوت ملنے سے پہلے بھی آپ پوری قوم میں صادق و امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

راستبازی، ایسی پاکیزہ خوبی ہے کہ اسے کسی حال میں بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے سچ بات تلخ اور کڑوی ہونے کے باوجود سود مند اور نفع بخش ہی رہتی ہے۔ بقول شاعر:

ہٹے راستی سے نہ تیرا کلام
تجھے خواہ تلخی سے لینا ہو کام

سچ بولنے والوں کو سچائی کا فائدہ دنیا میں بھی بہر حال ملتا ہے مگر اصل فائدہ میدانِ محشر میں ہوگا جس دن باپ اور بیٹا، ماں اور بیٹی، خاوند اور بیوی، بھائی اور بھائی ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ جائیں گے اور انسان کے اعمالِ حسنہ ہی اس کے لیے نفع بخش ثابت ہوں گے۔ اس دن ربّ کریم سچوں کو ان کی سچائی کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ ﴾ [الاحزاب:٢٤]

”تاکہ سچے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے سچ کی جزا دے۔“

سچ بولنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی پسندیدہ صفت ہے کہ نہ صرف یہ حکم ہوتا ہے کہ سچ بولو بلکہ اس بات کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ ہمیشہ سچوں کا ساتھ دو اور ایسا کرنا تمہاری پرہیز گاری کی علامت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ [التوبہ:١١٩]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور ہمیشہ سچوں کے ساتھ رہو۔“

صدقِ مقال اور رزق حلال زندگی کے سنہری اصولوں میں سے ہیں جن کی رہنمائی اسلام نے کی ہے۔ جب تک معاشی میدان میں صدقِ مقال اختیار نہ کیا جائے گا رزق حلال کا حصول مشکل ہے کوئی شخص اپنے کاروبار کو مکر وفریب، جھوٹ اور فراڈ سے چلا رہا ہے ہوسکتا ہے کہ عارضی طور پر اسے فائدہ پہنچ جائے مگر آخر کار اس کا دھوکہ اور دجل واضح ہو کر رہتا ہے دنیا اور آخرت میں اس کے لیے خسارے کا سامان بنتا ہے۔ قرآن نے جھوٹے اور کم تولنے والے تاجروں کے لیے ”ویل“ یعنی جہنم کی اطلاع دی ہے اس کے برعکس سچے اور پورا تولنے والے تاجروں کے لیے حدیث شریف میں شہداء کی جماعت میں شامل ہونے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

« اَلصِّدْقُ يُنْجِيْ وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ »

”صدق نجات دیتا اور جھوٹ تباہ و ہلاک کر ڈالتا ہے۔“

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سچائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ظالم حکمرانوں سے بھی نجات کا سامان پیدا فرما دیتا ہے ذرا اس واقعہ پر غور کیجیے۔

حجاج بن یوسف نے ایک دن لمبا خطبہ دیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: نماز کا وقت ہو

گیا ہے وقت تیرا انتظار نہیں کرتا۔ اور ربّ تعالیٰ تجھے معذور نہیں قرار دے گا۔'' حجاج نے اسے قید کرنے کا حکم دیا۔ اس کی قوم کے افراد آ کر کہنے لگے یہ تو مجنون ہے۔ حجاج نے کہا: وہ خود کہہ دے کہ میں مجنون ہوں تو میں اسے جیل سے چھوڑ دوں گا اس پر اس آدمی نے کہ میں اللہ کی دی ہوئی نعمت ''عقل'' کا کیسے انکار کر سکتا ہوں اور جس مرضِ جنون سے اس نے مجھے عافیت دی ہے میں کیسے اس کا اقرار کروں؟ حجاج نے اس کی سچی بات سنی تو آزاد کر دیا۔''

[منہاج المسلم، الاستاذ ابوبکر جابر الجزائری]

ایسا بھی ہوا کہ محدثین کرام نے کسی شخص سے حدیث لینے سے اس لیے انکار کر دیا کہ زندگی میں اس شخص سے جھوٹ کا ادنیٰ سا شائبہ محسوس ہوا۔

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ طلب حدیث کے لیے میں ایک شخص کے پاس گیا۔ دیکھا کہ اس کا گھوڑا بھاگ رہا تھا اور وہ شخص اپنے دامن میں ''جو'' کے دانوں کا اشارہ دے کر اسے پکڑنا چاہ رہا تھا، امام صاحب فرماتے ہیں میں نے کہا: تیرے دامن میں جَو ہیں؟ اس نے کہا نہیں، میں صرف گھوڑے کو پکڑنے کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔'' امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا'' جو شخص جانوروں کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہے، میں اس سے حدیث حاصل نہ کروں گا۔

[منہاج المسلم، الاستاذ ابو بکر جابر الجزائری]

محترم قارئین! آپ نے غور کیا کہ اسلام میں صدق و صفا کا کیا مقام اور اہمیت ہے؟ اور قرآن و حدیث میں اس کی کتنی فضیلت ہے اور بحیثیت امتِ مسلمہ ہم اس سے کتنے غافل ہیں۔ ہماری سیاست، ہماری معاش اور معیشت، ہماری بود و باش، ہمارے لین دین ،غرضیکہ ہماری زندگی کے ہر موڑ سے صدق و صفا رخصت ہو چکا ہے اور اس کی جگہ مکر و فریب، مکاری وعیاری نے لے لی ہے یہی وجہ ہے کہ خیرات و برکات نے ہمارے یہاں سے بوریہ بستر لپیٹ لیا ہے۔آیئے مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے استغفار کریں اور اس کے حضور دعا مانگیں۔

دعاء و التجاء:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝﴾ [الشعراء:٨٣-٨٤]

'' میرے رب! مجھے حکمت و دانائی سے نواز اور مجھے ابرار وصالحین میں شامل فرما دے اور پچھلے لوگوں میں میری ہر بات اور قول کو سچا کر۔''

حق گوئی (۱)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: « اَفْضَلُ الْجِھَادِ کَلِمَۃُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ »

[رواہ ابوداؤد ، والترمذی و قال : حدیث حسن ایضاً ریاض الصالحین باب فی النصیحۃ]

'' ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے روبرو عدل وانصاف کی بات کہنا ہے۔''

صدق یعنی سچ بولنا اگر مؤمن کی شان ہے تو حق گوئی اس کی عزیمت وعظمت ، شجاعت وشوکت کی پہچان ہے ۔صدق اورحق گوئی میں فرق یہ ہے کہ دل اور زبان کی یکسانیت وہم آہنگی کا نام صدق ہے تو اُس سچائی کا برملا اظہار اور ڈنکے کی چوٹ اعلان حق گوئی ہے صدق کو ایک کمزور و ناتواں مسلمان اختیار کرتا ہے تو حق گوئی صرف اہل عزم و ہمت کے حصہ میں آتی ہے ان اہل عزیمت کا ایمان غیر متزلزل اور ان کا یقین چٹان سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے ان کے حوصلے سمندر کی پہنائیوں سے زیادہ وسیع اور ان کے ارادوں کی مضبوطی آسمانوں کی بلندیوں کو چھوتی ہے۔

حق گو انسان جدھر رخ کرتے ہیں ان کے لیے راستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ بلند و بالا پہاڑ ان کی ہمت کے سامنے پست میدان تو وسیع وعریض سمندر پایاب ہوتے ہیں اور وہ تند و تیز موجوں سے کھیلتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔

دشت تو دشت ، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

حق گو انسانوں کے سامنے وقت کے ظالم و جابر حکمران طفلِ ناتواں اورفرعون و ہامان ایسے بادشاہ خاک کے اڑتے ذرّوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ان کی زبان اگر پھولوں کی سیج میں حق کا اعلان کرتی ہے تو انگاروں کی گود میں بھی صداقت ہی کا اظہار کرتی ہے وہ اگر اپنے گھروں میں آوازِ حق بلند کرتے ہیں تو بادشاہوں کے ایوانوں میں نعرہ حق لگاتے ہیں۔ اگر عافیت کے لمحات میں راست بازی کے پھول ان کی زبان سے جھڑتے ہیں توتلواروں کی چھاؤں میں بھی وہ صدق و صفا کے پیکر ہوتے ہیں۔ وہ جدھر جاتے ہیں حق و صداقت کی کرنیں بکھیرتے ہیں وہ جہاں ٹھہرتے ہیں نورِ صداقت کی ندیاں رواں دواں ہو جاتی ہیں اوردنیا میں جہاں کہیں روشنی نظر آتی ہے وہ انھیں اہل عزیمت کی ہمتوں کا ثمرہ ہے اور

جہاں کہیں نیکی کا ظہور ہے وہ انھیں باعظمت لوگوں کی جدو جہد کا نتیجہ ہے یہ آسمان ہمت کے درخشندہ ستارے ہیں اور تاریخ اسلام ہمت کے ایسے متوالوں سے جگمگا رہی ہے۔

صدق اور حق گوئی میں نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ سچ بولنے والے کو اس کا فائدہ اور ثواب اس کی ذات تک محدود رہتا ہے مگر حق گو انسانوں کی حق گوئی ہزاروں دلوں کو گرماتی اور لاکھوں دلوں کے لیے روشنی کا سامان بنتی ہے۔

حق گو انسانوں کو نہ معلوم سفر حیات کے کتنے مصائب جھیلنے پڑے...... کہیں قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا اور کہیں ہتھیلی پر سر رکھ کر ظالموں سے مقابلہ ہوا۔ کبھی جانی اور مالی نقصان برداشت کیا تو کبھی وطن سے بے وطن ہونے کی تکالیف اٹھائیں مگر نہ تو ایمان و یقین میں لغزش آئی اور نہ ان کے پائے ثبات ڈگمگائے بلکہ جوں جوں ان پر سختیاں بڑھتی گئیں توں توں ان کے عزم جواں اور ارادے مضبوط ہوتے گئے بالآخر اللہ تعالیٰ نے انھیں ساحلِ مراد سے ہمکنار کیا۔ قرآن کا یہی فیصلہ ہے:

﴿ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ [العنکبوت: ٦٩]

''اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں۔''

حق گوئی کا اظہار اس وقت ضروری اور فرض ہو جاتا ہے جب حق کے مقابلہ میں باطل ابھرتا ہوا اور طاقتور نظر آئے اس وقت اہل عزیمت کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ حق کا اعلان ببانگ دہل کریں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے:

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ [الحجر: ٩٤-٩٦]

''آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے وہ ببانگ دہل سنا دیجیے اور مشرکین کی مطلق پرواہ نہ کیجیے ہم تم کو تمہاری ہنسی اڑانے والوں کے مقابلہ میں جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود قرار دیتے ہیں، کافی ہیں۔''

حق گوئی میں لوگوں کا طرح طرح سے باتیں بنانا اور ان کی طعن وتشنیع آڑے آسکتی ہے مگر قرآن نے سچے مؤمنوں کی یہ صفت بیان کرتے ہوئے ان کے اس خوف کا ازالہ کر دیا ہے اظہارِ حق میں ان کے لیے کسی ملامت کرنے والے کا خوف رکاوٹ کا سامان نہیں بن سکتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ [المائدہ: ٥٤]

”(اہل ایمان) اللہ کی راہ میں جہاد کرتے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔“

اور پھر رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث بندہ مؤمن کے لیے مزید تسلی اور تشفی کا باعث ہوتی ہے۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: کسی کو جب کوئی حق بات معلوم ہوتو اس کے کہنے سے چاہیے کہ لوگوں کا خوف مانع نہ ہو۔“ [سیرة النبی، ج:٦]

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھے، صحابہ نے کہا، یا رسول اللہ! ہم میں کوئی شخص اپنے آپ کو کیونکر حقیر سمجھ سکتا ہے؟ فرمایا اس طرح کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک بات کے کہنے کی ضرورت ہو اور وہ نہ کہے۔ ایسے شخص سے اللہ قیامت کے دن کہے گا کہ تم کو میرے متعلق فلاں فلاں بات کہنے سے کس چیز نے روکا؟ وہ کہے گا: انسانوں کے خوف نے، ارشاد ہوگا کہ تم کو سب سے زیادہ میرا خوف کرنا چاہیے تھا۔ [سیرة النبی، ج:٦]

حق گوئی میں پیش پیش انبیاء علیہم السلام کی جماعت نظر آتی ہے پھر ان کے بعد ان کے متبعین، صادقین کی جماعت ہے پھر ہر دور میں راستبازوں اور سچوں کی ایسی جماعت رہی ہے جنھوں نے حق گوئی کی قندیل کو روشن رکھا اور تاریخ اسلام میں گہرے نقوش ثبت کیے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی حق گوئی کا ذکر قرآن حکیم میں کئی مقامات پر آیا ہے کہیں انھیں قوم کی گھرکیاں اور جھڑکیاں سہنی پڑیں کبھی انھیں راہِ حق میں وطن سے بے وطن ہونا پڑا۔ اور کبھی پاداشِ حق میں آتشِ نمرود میں چھلانگ لگانا منظور کر لیا مگر کلمہ حق کا اعلان کسی وقت اور کسی حال میں نہ چھوڑا۔ پوری کی پوری بت پرست قوم میں توحید کی شمع فروزاں کرنیوالا یہ حق پرست انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک فرد نہیں بلکہ ایک امت کا مقام رکھتا ہے کیوں کہ ایک امت کا فریضہ حق صرف ایک فردِ واحد نے ادا کیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

[النحل:١٢٠]

”بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام (اپنی ذات میں) ایک امت تھے اللہ کے فرماں بردار اور یکسو رہنے والے تھے اور وہ ہرگز مشرک نہ تھے۔“

حق گوئی کی فہرست بڑی طویل ہے زندگی رہی تو آئندہ کچھ بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

صرف چلتے چلتے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ملک پاکستان کو ہمارے حکمرانوں نے کس مقام پر لا کھڑا کیا ہے آج سے کم وبیش چھ ماہ قبل ہماری قومی اسمبلی نے قرآن وسنت کوسپریم لاء کی حیثیت سے پاس کیا تھا (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے یہ قانون پاس کر کے خاتم النبیین پر اتارا تھا اورکسی بھی اسلامی حکومت کا فرض اسے فوری نافذ کرنا ہے پاس کرنا نہیں ہے) اور پھر اسے سینٹ کے سپرد منظور کرنے کے لیے دے دیا جس نے آج تک اسے گوشہ گمنامی میں ڈال رکھا ہے ادھر قومی اسمبلی نے چپ سادھ لی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (یہ واقعہ نواز شریف، وزیراعظم کے دور حکومت کا ہے)

بھلا کشمیر کا مسئلہ کیسے حل ہو جب کہ ہمارے اندر نفاق ہے ہم اسلام اور مسلمانوں کے لیے مخلص نہیں ہیں۔ ان حالات میں عاجز اور سادہ لوح بندے ربِ کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

دعاء والتجاء:

« رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ »

[الممتحنة: ٥]

”اے ہمارے رب! ہمیں کافروں (کے مظالم) کا تختۂ مشق نہ بنانا اور اے ہمارے ربّ! ہمیں معاف فرما۔ بے شک تو زبردست حکمت والا ہے۔“ [الاعتصام ،یکم جولائی،١٩٩٩ء]

حق گوئی (٢)

گذشتہ درسِ حدیث کے حوالہ سے کہ بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے روبرو کلمۂ حق بلند کرنا ہے گفتگو کو کچھ آگے بڑھاتے ہیں، ایمان جس قدر مضبوط اور یقین جس قدر پختہ ہو گا حق گوئی کا فریضہ ادا ہو گا، ظاہر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام حق گوئی کے مقام پر صفِ اوّل میں ہیں کہ ان کی تعلیم و تربیت براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ دین مبین کو بلا خوف و خطر لوگوں تک پہنچا دیجیے کہ جسم و جان کا اللہ محافظ ہے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾ [المائدہ: ٦٧]

”اے رسول (ﷺ) جو آپ کے ربّ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک (بلاکم و کاست) پہنچا دیجیے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پیغامِ الٰہی پہنچانے کا حق ادا نہیں کیا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔“

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو حق گوئی کے راستہ میں بڑے مصائب اور تکالیف سہنی پڑیں

اور دعوتِ حق کو روکنے کے لیے لالچ اور انعام کی پیشکش کی گئی سیادت و قیادت کا عہدہ سامنے رکھا گیا۔ آسائش و آرام کا یقین دلایا گیا جب داعی حق کی جانب سے قریش مکہ کی تمام ترغیبات کو ٹھکرا دیا گیا تو وہ تشدد اور سختی پر اتر آئے آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے پتھر پھینکے گئے ساحر اور مجنون کہا گیا۔ سماجی اور معاشی بائیکاٹ کیا گیا یہاں تک کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں، کھلے آسمان کے نیچے، تپتے ہوئے سنگریزوں اور پتھروں پر دن دو دن نہیں، ہفتہ دو ہفتے نہیں، ماہ دو ماہ نہیں پورے تین برس صبر و تحمل سے گزار دیے سب کچھ برداشت کیا، نہ راہِ حق سے منہ موڑا اور نہ صدائے حق کو چھوڑا۔

انبیاء کرام کے ساتھی بھی حق گوئی میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی حق گوئی اپنی مثال آپ ہے۔ چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

① یہ ابو ذر غفاری ہیں اپنے قبیلے کے نمایاں شخص ہیں۔ دل میں صداقت کی تڑپ اور سچائی کی طلب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ نبوت کا چرچا آپ تک پہنچا۔ حقیقت معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چھوٹے بھائی انیس سے کہا کہ مکہ معظّمہ جاؤ اور حقیقت حال معلوم کرو انیس مکہ آئے، ملے جلے اور واپس جا کر اطلاع دی ایک صاحب ہیں اچھی باتیں بتاتے ہیں بری باتوں سے روکتے ہیں ابو ذر کو اس خبر سے تسلی نہ ہوئی اور بذاتِ خود مکہ روانہ ہوئے اور بڑی مشکل سے منزل مقصود تک پہنچ گئے جونہی نظر چہرہ انور پر پڑی دل نے تصدیق کی کہ گوہر مقصود پا لیا ہے اور بقول ابوذر "اَسْلَمْتُ مَکَانِیْ" کہ میں اسی مجلس میں مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس کے بعد حرمِ کعبہ پہنچے اس وقت قریش کے کئی سردار حرم میں موجود تھے۔ جذبہ ایمان سے سرشار بے ساختہ ابوذر کی زبان سے باآواز بلند یہ الفاظ نکلے۔

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ »

"اے قریشیو!! سن لو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔"

مکہ کے سردار بھلا اس جرأت کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ آواز دی "قُوْمُوْا اِلٰى هٰذَا الصَّابِیِٔ" اٹھو اور اس بے دین کی خبر لو، پھر کیا تھا ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے اور جس کا جہاں زور چلا مارا پیٹا، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، ابو ذر کو پہچانتے تھے انھیں خطرہ ہوا کہ ابوذر کی جان جاتی رہے گی وہ ان کے اوپر اوندھے پڑ گئے اور پکار کر کہا:

"یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور تمہاری تجارت کی گزرگاہ وہیں سے ہے اگر اہل قبیلہ نے تمہارا

راستہ بند کردیا تو غلّے کا ایک دانہ تم تک نہ پہنچ سکے گا۔ غلّے کا نام سن کر لوگوں نے انھیں چھوڑا۔“

ابوذر کا ولولہ ایمان دھیما پڑنے کی بجائے اور تیز ہوا اگلے روز پھر ببانگ دہل کلمۂ توحید پڑھا۔ قریش کے نوجوان پھر ان پر پل پڑے اور خوب زدوکوب کیا۔ سیدنا عباس کو خبر ہوگئی تو وہاں پہنچ کر انھیں بچایا۔

۲ یہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام ہیں۔ غلام ہونے کے باوجود نورِ ایمان سے سینہ روشن ہوا تو کافر و ظالم آقا سزا دینے کے لیے کمر بستہ ہے جب سورج ٹھیک نصف النہار پر آجاتا تو تپتی ریت پر انھیں لٹایا جاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا کہ کروٹ نہ بدل سکیں امیہ اس حالت میں ان سے کہتا کہ اسلام کا انکار کرو ورنہ اسی طرح ختم ہو جاؤ گے۔

اسلام کا یہ فرزند اس وقت بھی زور زور سے صدا لگاتا۔ ”اَحَدٌ ! اَحَدٌ ! لوگو ! سن لو میرا اللہ یکتا ہے۔ میرا اللہ یکتا ہے۔“

اس پر امیہ کا غصہ اور بھڑک جاتا اس وقت گلے میں رسی ڈال کر شہر کے اوباش لوگوں کو ساتھ لگادیتا۔ وہ آپ کو اس طرح گھسیٹتے کہ اس مردِ مؤمن کی رگیں پھول جاتیں اور جسم زخمی ہو جاتا لیکن محبّ جانباز کی لسانِ صدق سے وہی کلمہ توحید ادا ہوتا:

« اَحَدٌ ! اَحَدٌ »

اے بلال ! اللہ تجھے، تربت میں کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے۔ تیری یہ ایمانی جرأت و عزیمت قیامت تک کتنے دلوں کو حرارت عطا کرتی رہے گی۔

۳ یہ عمار رضی اللہ عنہ ان کے والد یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ محترمہ سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ پورا گھرانہ نعمتِ اسلام سے سرفراز ہوا۔ قبولِ اسلام کے جرم کی سزا یوں دی جاتی ہے کہ جلتی زمین پر لٹایا جاتا ہے اور قریش ان کو اتنا مارتے کہ بار بار بے ہوش ہو جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوتا ہوتو فرماتے آلِ یاسر ذرا صبر، ذرا صبر ! تمھاری منزل جنت ہے۔

ایک دن ابوجہل نے سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا پر برچھی اٹھائی اور چیخا کہ اسلام سے پھر جاؤ۔ اللہ کی بجائے لات وعزی کو معبود مان لو اور محمد کی نبوت سے انکار کرو مگر سیدہ برچھی کو تنے دیکھ کر بھی متزلزل نہ ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور اللہ کی وحدانیت کے بول بڑی جرأت سے دہرائے اور لات ومنات سے بیزاری ظاہر کی، اس دن ابوجہل کا غصہ بری طرح بھڑکا اور اس نے ہاتھ میں اٹھائی ہوئی برچھی جسم کے

نازک حصہ پر دے ماری اور وہ جاں بحق ہو گئیں۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے راہِ حق میں جامِ شہادت نوش کیا۔'' [تاریخ اسلام۔ رشید اختر ندوی]

آہ! یاسر رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ کے والد بھی کفار کے ظلم وستم سہتے سہتے شہید ہو گئے۔

یہ وہ نفوسِ قدسیہ تھے جنھوں نے راہِ حق میں اپنا تن، من ، دھن لٹا کر اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ نہ صرف دل اور زبان بلکہ عمل اور کردار سے ثابت کر دیا کہ حق اور سچائی کا درجہ ہمیشہ بلند ہے وہ دبنے کے لیے نہیں بلکہ ابھرنے کے لیے آیا ہے قرآن اس کی شہادت دیتا ہے:

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝﴾ [بنی اسرائیل: ۸۱]

''اور کہیے کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ کھڑا ہوا ، باطل (تو درحقیقت) ہے ہی بھاگ نکلنے والا۔''

ماضی قریب میں روس اور افغانستان کی جنگ میں حق و صداقت کی روشنی جو ہمیں ملی ہے اور اب سالہا سال سے کشمیر میں ہمارے مسلمان بھائی صدق اور حق گوئی کی جو شمع روشن کیے ہوئے ہیں وہ دراصل اسی حق گوئی اور سچائی کے اثرات ہیں جو ہم نے اپنے اسلاف سے ورثہ میں پائے ہیں۔ آئے دن اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ فلاں مسلمان خاتون اور فلاں مسلمان مرد نے ظالم ہندو فوجیوں کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دیا بلکہ بساط اور ہمت سے بڑھ کر مقابلہ کیا او رکلمۃ الحق بلند کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

اسلام سیدھی اور سچی شاہراہ ہے اس راہ سے منہ موڑنا صرف نادان اوراحمق ہی پسند کرتے ہیں۔ حققت یہ ہے کہ یہ دین ، فطرتِ سلیم کی آواز ہے اور جس کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہو اسے کھرے اور کھوٹے کی تمیز نہیں رہتی۔

دعاء و التجاء:

« رَبَّنَا حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ »

''اے ہمارے پروردگار! ایمان کو ہمارے لیے محبوب بنا دے اور اسے ہمارے دلوں کی زینت قرار دے اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ہمارے لیے باعثِ نفرت بنا۔'' آمین

حق گوئی (۳)

گزشتہ دروسِ حدیث سے حق گوئی کے سلسلے میں گفتگو جاری ہے اگرچہ تمام واقعات کو ان صفحات میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ تاریخ اسلام میں حق گوئی کی مثالیں سینکڑوں نہیں ہزاروں صفحات پر محیط ہیں اور ہر دور اور ہر علاقہ میں علمائے حق کی ایسی جماعت ضرور موجود رہی ہے جس نے انتہائی دلیری اور جانبازی سے یہ فریضہ سرانجام دیا تاہم قارئین کرام کو تازگی ایمان کے لیے چند واقعات مزید پیش کیے جا رہے ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ ایک سچا اور اچھا مسلمان بہت سی صفات کا حامل ہوتا ہے جن میں ایک صفت حق گوئی بھی ہے قرآن حکیم کی ایک آیت میں مؤمن بندوں کی خوبیاں اس طرح بیان کی گئی ہیں:

﴿اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾

[آل عمران:۱۷]

”(اللہ کے پسندیدہ بندے کون ہیں؟) صبر کرنے والے، راست باز (حق گو) فرماں بردار اور فیاض (راہِ حق میں مال لٹانے والے) اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگنے والے۔“

تابعین کی مشہور اور جلیل القدر شخصیت سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی شجاعت وحق گوئی کے واقعات پڑھ کر نہ صرف آنکھیں نم آلود ہوتی ہیں بلکہ ایمان کی قوت وحرارت نصیب ہوتی ہے۔

سعید رحمہ اللہ کا آغاز اگرچہ غلامی سے ہوا، لیکن آگے وہ اقلیم علم کے تاجدار بنے۔ حافظ ذہبی، انھیں علمائے اعلام میں لکھتے ہیں۔ امام نووی کا بیان ہے کہ سعید تابعین کے ائمہ کبار میں تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عبادت اور زہد و ورع جملہ کمالات میں وہ کبار ائمہ اور سرکردہ تابعین میں سے تھے (تابعین۔ شاہ معین الدین احمد ندوی) اعظم گڑھ۔ خلافِت راشدہ کے بعد جب بنوامیہ کا دور آیا تو خلافت نے ملوکیت اور اسلامی جمہوریت نے ڈکٹیٹر شپ کی شکل اختیار کرلی۔ عبد الملک بن مروان (۲۵ ہجری) کے دورِ حکومت میں حجاج بن یوسف ثقفی نے کوفہ کی گورنری پا کر عوام الناس پر جو ظلم وستم ڈھائے وہ تاریخ کا ایک کربناک باب ہے اس کے ظلم وستم کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے والوں میں مشہور تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ بھی ہیں۔ انھیں گرفتار کرکے حجاج کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان کے اور حجاج کے درمیان جو مکالمہ ہوا وہ تاریخی دستاویز ہے۔

حجاج: تمہارا کیا نام ہے؟

سعید: سعید بن جبیر

حجاج: نہیں بلکہ اس کے برعکس شقی بن کسیر

سعید: میری ماں تم سے زیادہ میرے نام سے واقف تھیں۔

حجاج: تمہاری ماں بد بخت تھی اور تم بھی بد بخت ہو۔

سعید: غیب کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔

حجاج: میں تمہاری دنیا کو دہکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔

سعید: اگر مجھے یقین ہوتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے تو میں تمھیں معبود بنا لیتا۔

حجاج: محمد ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

سعید: وہ امام ھدٰی اور نبی رحمت تھے۔

حجاج: علی اور عثمان کے بارے میں کیا رائے ہے، وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟

سعید: اگر میں وہاں گیا ہوتا اور وہاں کے رہنے والوں کو دیکھا ہوتا تو بتا سکتا تھا(غیب کے سوال کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں)

حجاج: خلفاء کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

سعید: میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔

حجاج: ان میں سے تم کسے زیادہ پسند کرتے ہو؟

سعید: جو میرے خالق کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھا۔

حجاج: خالق کے نزدیک کون سب سے زیادہ پسندیدہ تھا؟

سعید: اس کا علم اس ذات کو ہے جو بھیدوں اور ان کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔

حجاج: عبدالملک کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

سعید: تم ایسے شخص کے متعلق پوچھتے ہو جس کے گناہوں میں سے ایک گناہ تمہارا وجود ہے۔

حجاج: تم ہنستے کیوں نہیں؟

سعید: وہ کس طرح ہنس سکتا ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔

حجاج: پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل سے کیوں ہنستے ہیں؟

سعید: سب کے دل یکساں نہیں ہوتے۔

حجاج: تم نے کبھی تفریح کا سامان دیکھا بھی ہے؟

یہ پوچھ کر حجاج نے عود اور بانسری بجانے کا حکم دیا، اس نغمہ کو سن کر ابن جبیر رو دیئے، حجاج نے کہا یہ رونے کا کیا موقع ہے۔ موسیقی تو ایک تفریحی چیز ہے۔ ابن جبیر نے جواب دیا۔ نہیں وہ نالہ غم ہے بانسری کی پھونک نے مجھے آنے والا بڑا دن یاد دلایا جس دن صور پھونکا جائے اور عُود ایک کاٹے ہوئے درخت کی لکڑی ہے جو ممکن ہے ناحق کاٹی گئی ہو اور اسکے تار ان بکریوں کے پٹھوں کے ہیں جو ان کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائی جائیں گی، یہ سن کر حجاج بولا: سعید تمہاری حالت بھی افسوس کے قابل ہے۔ انھوں نے جواب دیا: وہ شخص افسوس کے قابل نہیں ہے جو آگ سے نجات پا کر جنت میں داخل کیا گیا۔'' اس گفتگو کے بعد پھر مکالمہ شروع ہوا۔

حجاج: کیا میں نے تمہیں کوفہ کا امام نہیں بنایا تھا؟

سعید: ہاں بنایا تھا۔

حجاج: کیا میں نے تمھیں عہدہ قضاء پر فائز نہیں کیا تھا اور جب کوفہ والوں نے تمہاری مخالفت کی تھی کہ قاضی عربی النسل ہونا چاہیے تو میں نے ابوبردہ کو قاضی بنایا اور ان کو ہدایت کی کہ وہ بغیر تمہارے مشورہ کے کوئی کام نہ کریں۔

سعید: یہ بھی صحیح ہے۔

حجاج: کیا میں نے تم کو اپنا ندیمِ خاص نہیں بنایا حالانکہ وہاں سب سردارانِ عرب تھے۔

سعید: ہاں! یہ بھی درست ہے۔

حجاج: ان احسانات کے بعد پھر تم کو کس چیز نے میری مخالفت پر آمادہ کیا؟

سعید: میری گردن میں ابن اشعث کی بیعت کا طوق تھا کہ اس نے تمہارے ظلم پر عَلَم جہاد بلند کیا تو میرے لیے ممکن نہ رہا کہ خاموشی اختیار کروں

حجاج: اللہ کے دشمن کی بیعت کا اتنا پاس تھا اور امیر المؤمنین اور اللہ کا کوئی پاس نہ تھا۔ اللہ کی قسم میں تمھیں قتل کر کے واصل جہنم کئے بغیر اس جگہ سے نہ ہٹوں گا بتاؤ تم کس طرح قتل کیا جانا پسند کرتے ہو؟

سعید: واللہ! تم دنیا میں جس طرح مجھے قتل کرو گے، اللہ تمھیں آخرت میں اسی طرح قتل کرے گا۔

حجاج: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمھیں معاف کر دوں۔

سعید: اگر تم معاف کرو گے تو وہ اللہ کی جانب سے ہوگا۔ (تمہارا احسان نہ ہوگا)

حجاج: تو میں تمھیں قتل کردوں گا۔

سعید: اللہ تعالیٰ نے میرا ایک وقت مقرر کردیا ہے اس وقت تک پہنچنا ضروری ہے اس کے بعد اگر میرا وقت آ گیا تو پھر وہ طے شدہ امر ہے اس سے مفرنہیں اور اگر عافیت مقدر ہے تو وہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اس گفتگو کے بعد حجاج نے جلاد کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر حاضرین میں سے ایک شخص رونے لگا، ابن جبیر نے پوچھا روتے کیوں ہو؟ اس نے کہا آپ کے قتل پر، فرمایا: اس کے لیے رونے کی ضرورت نہیں، یہ واقعہ تو اللہ کے علم میں پہلے سے موجود تھا پھر یہ آیت تلاوت کی۔

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ﴾ [الحدید:۲۲]

کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے اور جو خود تمہارے نفوس کو پہنچتی ہے وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی کتاب میں ہے۔''

مقتل میں جانے سے پہلے اپنے صاحبزادے کو دیکھنے کے لیے بلایا اور وہ بھی آ کر رونے لگا۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم روتے کیوں ہو، ستاون سال کے بعد تمہارے باپ کے لیے زندگی تھی ہی نہیں، پھر رونے کا کونسا مقام ہے؟

غرض نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ہنستے ہوئے مقتل کی طرف چلے، حجاج کو اطلاع دی گئی کہ اس وقت بھی ابن جبیر رحمہ اللہ کے لبوں پر ہنسی ہے اس نے واپس بلا کر پوچھا تم ہنس کس بات پر رہے تھے؟ فرمایا اللہ کے مقابلہ میں تمہاری جرأتوں پر اور تمہارے مقابلہ میں اس کے حلم پر۔''

یہ سن کر حجاج نے اپنے سامنے ہی تل کا چمڑا بچھانے کا حکم دیا اور قتل کا اشارہ کیا ابن جبیر نے کہا اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ حجاج نے کہا اگر مشرق کی طرف رخ کرو تو اجازت مل سکتی ہے، فرمایا: کچھ حرج نہیں:

﴿ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ [البقرة: ۱۱۵]

''یعنی جس سمت بھی رخ کرو اللہ کو پاؤ گے۔''

پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [الانعام: ۸۰]

”میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

حجاج نے حکم دیا، سر کے بال جھکا دو۔ یہ حکم سن کر ابن جبیر نے راہِ تسلیم ورضا میں سر کو خود خم کر دیا اور یہ آیت پڑھی۔

﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴾ [طٰهٰ: ۵۵]

”اور اسی زمین سے ہم نے تمھیں پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے پھر اسی میں سے تم کو دوبارہ اٹھائیں گے۔“

اور کلمہ شہادت پڑھ کر ربّ کریم کے حضور دعا کی: ”اے اللہ! میرے قتل کے بعد اس شخص (حجاج) کو کسی کے قتل پر قادر نہ کرنا۔“

جلاد شمشیر برہنہ لیے موجود تھا۔ حجاج کے حکم پر دفعتاً تلوار چمکی اور ایک مردِ مؤمن کا سر زمین پر تڑپنے لگا۔ زمین پر گرنے کے بعد زبان سے آخری کلمہ ”لا الٰہ اِلّا اللّٰہ“ نکلا۔

اے سعید! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں تو نے قیامت تک کے لیے مؤمنوں کو یہ پیغام دے دیا کہ باطل کے آگے حق کبھی جھک نہیں سکتا وہ ہمیشہ بلند ہونے کے لیے آیا ہے۔

حجاج کا انجام کیا ہوا۔ تاریخ نے اسے بھی محفوظ کر دیا ہے۔سعید کی بد دعا بے اثر نہ رہی۔ ان کا خونِ ناحق رنگ لایا۔ حجاج سخت دماغی امراض میں مبتلا ہوا اور تڑپتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا۔

[تابعین شاہ معین الدین ندوی]

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ »

”اے اللہ چلا ہم کو سیدھے راستے پر (یعنی ہماری صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرما) راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا، نہ کہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا“ (آمین)

حق گوئی (۴)

گزشتہ درس کے حوالہ سے ”حق گوئی“ اور ”حق گو“ انسانوں کی پامردی اور بہادری پر بات چیت جاری ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اخلاق و کردار نسل انسانی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے اور اس میں حق گوئی ایسا درِّ نایاب ہے جس کے وارث صاحبِ عزم و ایمان ہوتے ہیں۔ تاریخ اسلام ایسے باہمت لوگوں کے قولِ

حق سے جگمگا رہی ہے۔

سیدنا ابو نکیہہ رضی اللہ عنہ، صفوان بن امیہ کے غلام تھے اور اسلام لانے میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ہمعصر۔ صفوان کو اطلاع ہوئی تو پاؤں میں رسی ڈلوا کر لوگوں سے کہا کہ تپتی ریت پر لٹانے کے لیے گھسیٹ کر لے جاؤ۔ رستے میں ایک گبریلا (پروالا سیاہ کیڑا) دکھائی دیا۔ تو صفوان نے ان سے کہا کہ "یہی تو تیرا خدا نہیں" انھوں نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے اس پر صفوان نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ یہ سمجھے کہ دم نکل گیا مگر بچ گئے ایک بار اتنا بھاری پتھر ان کے سینے پر لاد دیا کہ بے حال ہو جانے کی وجہ سے زبان باہر نکل آئی کبھی ان کو لوہے کی بیڑیاں پہنا کر جلتی زمین پر الٹا لٹایا جاتا ان کو بھی سیدنا ابو بکر نے خرید کر آزاد کرا دیا۔[محسن انسانیت ، نعیم صدیقی]

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے پر حرم میں پہلی مرتبہ باآوازِ بلند قرآن پڑھا۔ سورہ رحمٰن کی تلاوت آپ نے شروع ہی کی تھی کہ کفار ٹوٹ پڑے اور منہ پر طمانچے مارنے لگے مگر پھر بھی تلاوت جاری رکھی اور زخمی چہرے کے ساتھ واپس ہوئے۔[ایضاً ۔ نعیم صدیقی]

حق گوئی کی بہترین مثال وہ تقریر ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے شاہِ حبشہ نجاشی کے دربار میں کی۔ دراصل واقعات یوں ہیں کہ مکہ میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ قریش مکہ نے ان پر ہر طرح کے ظلم و ستم روا رکھے اور انھیں زندگی کے دن گزارنے مشکل ہو گئے اور ان کا عرصہ حیات اس قدر تنگ کر دیا گیا کہ اس پریشانی میں چند مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت حبشہ کی اجازت طلب کی ، آپ نے بھی دیکھا کہ آپ کے رفقاء کو سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور آپ ان کی حفاظت و مدافعت پر قادر نہیں ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا: ہاں تم لوگ حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو اچھا ہے وہاں کا بادشاہ رحم دل اور انصاف پسند ہے اس وجہ سے کوئی دوسرے پر ظلم نہیں کرتا، تم جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے وسعت و نجات کا کوئی سامان پیدا فرما دے۔ اس پر تیرہ افراد نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جس کے امیر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ عثمان بن مظعون اس قافلہ کے سرکردہ تھے۔ پھر جعفر بن ابی طالب حبشہ پہنچے اور روز بروز اس تعداد میں اضافہ ہوا یہاں تک کہ خواتین اور حضرات کی یہ تعداد اسّی تک پہنچ گئی۔

[تاریخ اسلام ، ج:۱ ، رشید اختر ندوی]

قریش یہ دیکھ کر پیچ و تاب کھانے لگے اور انھیں کسی طرح پسند نہ تھا کہ مسلمان ان کے دستِ ستم سے بچ نکلیں۔ فوراً اپنا وفد شاہِ حبشہ کے دربار میں یہ کہہ کر بھجوایا کہ ہمارے بھاگے ہوئے غلام جو بے دین

ہو چکے ہیں واپس کیے جائیں ۔ نجاشی نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا ۔ اس وقت بھرے دربار میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حق گوئی کا اظہار یوں کیا۔

''اے بادشاہ! ہم جاہلیت میں ڈوبی قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے ، مردار کھاتے تھے، ہرقسم کی بے حیائی اور گناہوں میں مبتلا تھے ، ہم میں سے جو طاقتور ہوتا وہ کمزور کو پھاڑ کھاتا ہم اس حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جس کے خاندان اور نسب و حسب سے اور جس کی سچائی، امانت داری اور عفت و پاکبازی سے ہم پہلے سے واقف تھے۔ انھوں نے ہمیں دعوت دی کہ ہم صرف ایک اللہ پر ایمان لائیں اور اسی کی عبادت کریں ۔ہم اور ہمارے باپ دادا جن بتوں اور پتھروں کو پوجتے تھے ، انھیں بالکل چھوڑ دینے اور ان سے قطع تعلق کرنے کا حکم دیتے ہیں ، انھوں نے ہمیں سچ بولنے ، امانت ادا کرنے ، رشتہ داری کا خیال رکھنے ، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے ، ناجائز وحرام باتوں اور ناحق خون سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ...... بے حیائی کے کاموں ، جھوٹ فریب، یتیم کا مال کھانے ، پاک دامن و پاکباز عورتوں پر الزام لگانے سے منع فرمایا۔ ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ انھوں نے ہمیں نماز ، زکوٰۃ اور روزہ کا حکم دیا (اس موقع پر انھوں نے اس طرح اور ارکانِ اسلام بیان کیے) ہم نے ان کی تصدیق کی ان پر ایمان لائے اور جو طریقہ اور تعلیم وہ اللہ کی طرف سے لائے ہیں اس کی پیروی کی ۔ صرف ایک اللہ کی عبادت اختیار کی اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کیا جو انھوں نے حرام کیا اس کو حرام مانا جو انھوں نے حلال کیا اس کو حلال تسلیم کیا اس پر ہماری قوم ہماری دشمنی پر کمر بستہ ہو گئی ۔ انھوں نے ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور ہم کو اس دین سے پھیرنے کے لیے مختلف آزمائشوں میں ڈالا اور یہ کوشش بھی کی کہ اللہ کی عبادت چھوڑ کر ہم پھر بتوں کی عبادت اختیار کریں اور جن گناہوں اور جن جرائم کو پہلے جائز سمجھتے تھے پھر جائز اور حلال سمجھنے لگیں۔

جب انھوں نے ہمارے ساتھ زور زبردستی کی، ہم پر ظلم کیا، ہمارا جینا دوبھر کردیا اور ہمارے دین کے راستہ میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم آپ کے ملک میں پناہ لینے کے لیے آئے اور اس کے لیے آپ ہی کا انتخاب کیا ۔ آپ کے جوار اور پناہ کی خواہش کی اے

بادشاہ ہم یہاں یہ امید لے کر آئے ہیں کہ ہم پر کوئی ظلم نہ کیا جا سکے۔

نجاشی نے یہ پوری تقریر سکون و وقار سے سنی اور کہا کہ تمہارے نبی اللہ کے پاس سے جو کچھ لائے ہیں اس کی کوئی چیز تمہارے پاس ہے؟ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہے نجاشی نے کہا مجھے وہ پڑھ کر سناؤ۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں تو نجاشی رو پڑا اور اس کے آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہوگئی اس کے دربار کے پادریوں پر بھی گریہ طاری ہوگیا۔ یہاں تک کہ ان کے (مذہبی) صحیفے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔

اس وقت نجاشی نے کہا کہ بلاشبہ یہ اور جو کچھ جناب عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ ایک ہی نور کی کرنیں ہیں پھر وہ قریش کے وفد کی طرف متوجہ ہوا اور کہا تم یہاں سے چلے جاؤ واللہ میں انھیں تمہارے حوالے کرنے والا نہیں۔

اس موقع پر سیدنا عمرو بن العاص (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا جو زہر میں بھگویا ہوا تیر تھا۔ انھوں نے کہا: "بادشاہ سلامت" یہ لوگ جناب مسیح کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن کا زبان سے نکالنا بھی مشکل ہے" اس پر نجاشی نے پوچھا کہ تم لوگ جناب مسیح کے بارے میں کیا کہتے ہو، سیدنا جعفر نے جواب دیا: ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے وہ اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اور اس کی روح اور کلمہ ہیں جو اس نے کنواری پاک مریم پر القاء کیا یہ سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ واللہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے جناب عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ اس نے مسلمانوں کو بہت اعزاز و اکرام سے رخصت کیا۔ ان کو امان دی۔ قریش کا وفد ذلیل و خوار ہو کر نکلا اور مسلمانوں نے اچھے گھر اور اچھے پڑوس میں عزت کی جگہ پائی۔

[سیرت ابن ھشام، ج:۱، ترجمہ ابو الحسن علی ندوی ......نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم]

قارئین کرام! آپ نے غور فرمایا کہ "حق گو" انسان کو اس کی سچائی اور راستبازی بالآخر کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے اور وہ کبھی خائف اور پریشان نہیں ہوتا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

تختۂ دار قبول کرلینا مگر علم حق کو سرنگوں نہ ہونے دینا ایک حق پرست مسلمان کی شان ہے ہمارے اسلاف نے حق گوئی کی ایک ایسی ہی تاریخ رقم کی ہے۔ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز

واقعہ پڑھیے۔ موسم گرما کا شعلے برساتا ہوا آفتاب مکہ کی پہاڑیوں کے پیچھے ڈوب رہا تھا مشرقی افق پر سیاہی نمودار ہو رہی تھی۔ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے گلے صحرا سے لوٹ رہے تھے دن بھر کی تھکی ماندی دنیا رات کی پرسکون آغوش میں پناہ لینے لگی تھی اچانک منادی کی آواز بلند ہوئی، وہ ڈھونڈی پیٹ رہا تھا۔

''کل صبح یثرب کے صابی خبیب کو تنعیم کے میدان میں سولی دی جائے گی۔''

منادی کی پکار مکہ کے گلی کوچوں میں پھیل گئی ہر گھر اور مجلس میں خبیب کا ذکر تھا۔ خبیب، عدی کے بیٹے مدینہ منورہ کے قبیلہ اوس کے فرزند، رسول اللہ ﷺ کے سرفروش صحابی، ایمان واخلاص اور صبر وعزیمت کے پیکر۔ انھیں بنولحیان کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی دعوت پھیلانے کے لیے بعض دوسرے اصحاب کے ساتھ بھیجا تھا۔ لیکن انھوں نے رجیع کے مقام پر اسے دھوکے سے گرفتار کر لیا اور مکہ میں حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ حارث بدر کی جنگ میں خبیب کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور اب ان کے بیٹے انھیں سولی دے کر دلوں کی بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ بجھانا چاہتے تھے۔

صبح کا اجالا پھیلتے ہی اہل مکہ تنعیم کے میدان میں جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ مرد، عورتیں بچے، بوڑھے اور جوان کوئی بھی پیچھے نہ رہنا چاہتا تھا۔ میدان میں نوجوانوں کی ٹولیاں گاتی بجاتی، رقص مسرت کرتی پھر رہی تھیں اور جب پاکباز قیدی مقتل میں لایا گیا تو مجمع پر سناٹا سا چھا گیا۔ خبیب کی شان ہی نرالی تھی، پیروں میں بیڑیاں، ہاتھ بندھے ہوئے، چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں ایک عجیب دل میں کھب جانے والی نورانی چمک، وہ سر اٹھائے بڑی باوقار چال کے ساتھ مقتل میں پہنچے۔

سولی کا پھندا ایک درخت سے لٹکایا گیا تھا۔ خبیب کی نگاہوں نے اسے پھندے کو چوما اور پھر وہ ہجوم پر مرکوز ہو گئیں۔ سولی دینے والے آگے بڑھے تو ان کا چہرہ اور چمک اٹھا۔ پھر بولے ذرا ٹھہرو! مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو میں مرنے سے پہلے اپنے پروردگار کے حضور آخری بار سجدہ ریز ہونا چاہتا ہوں۔''

اجازت مل گئی، ہاتھ کھول دیے گئے، خبیب نے قبلہ رو ہو کر دو رکعتیں پڑھیں، سلام پھیر کر کہا: جی تو چاہتا تھا کہ دیر تک پڑھتا رہوں مگر خیال آیا کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں۔'' پھر اٹھ کھڑے ہوئے قاتلوں نے ان کی مشکیں کس دیں سامنے سولی گڑی تھی خبیب مردانہ وار اس کی طرف بڑھے۔ کسی نے پوچھا:

کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمھاری جگہ محمد (ﷺ) پھانسی چڑھ جائے اور تم بچ جاؤ؟ تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میں آرام سے رہوں اور رسول اللہ ﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے۔ اور ساتھ ہی فرمایا: اللہ ان سب ظالموں کو شمار کر لے اور ان کو اس کا مزہ چکھا۔

بالآخر پھانسی کا پھندا خبیب رضی اللہ عنہ کی گردن میں ڈال دیا گیا اور وہ تختہ دار پر جھولنے لگے۔ قاتلوں کا جی اس پر بھی نہ بھرا۔ نیزے مار مار کر ان کے جسم کا مثلہ کیا گیا۔ مقتل میں سناٹا اور گہرا ہو گیا۔

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کسی اضطراب کے بغیر اپنے اللہ سے جا ملے۔ ان کا چہرہ قبلہ رخ تھا۔ کافروں نے بار بار پھیرنے کی کوشش کی، مگر وہ جو سب سے کٹ کر ایک اللہ کا ہو رہا تھا، اس کا رخ دوسری طرف کون پھیر سکتا تھا؟ شہادت کے وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

فَلَسْتُ اُبَالِیُ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِیُ
وَ ذَالِکَ فِیُ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَ اِنْ یَّشَاْ
یُبَارِک عَلٰی اَوْصَالٍ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ

" اگر میں اسلام پر مارا جاؤں تو مجھے کوئی غم نہیں کہ میں کس پہلو سے پچھاڑا جاتا ہوں یہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کی محبت میں ہے اگر وہ چاہے تو میرے جسم کے ہر ٹکڑے میں برکت نازل کر دے۔"

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی موت ایک باوقار موت تھی۔ شہید کی موت، شہید مرتے نہیں زندہ رہتے ہیں وہ اسلام کے پہلے شہید تھے، جنھوں نے (اعلانِ حق کے ساتھ) سولی پر جان دی۔ سولی پر چڑھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنے کی سنت زندہ جاوید بن گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے اسے پسند فرمایا۔[اسلامی زندگی کی کہکشاں آباد شاہ پوری]

دعاء و التجاء:

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾[الحشر:۱۰]

" اے ہمارے ربّ ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجیے اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔"

حق گوئی (۵)

گزشتہ چار پانچ دروسِ حدیث میں حق گوئی کا سلسلہ کلام جاری ہے روزِ محشر جب نفسی نفسی کا سماں ہو گا اور کوئی کسی کے کام نہ آئے گا یہاں تک کہ قریب ترین رشتے بھی ٹوٹ جائیں گے...... باپ اور بیٹے کا، ماں اور بیٹی کا، خاوند اور بیوی کا، بھائی اور بھائی کا رشتہ بھی بے اثر اور بے سود ہو جائے گا۔ اس روز صرف حق گو انسان کی حق گوئی، نفع بخش اور سود مند ثابت ہو گی۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

[المائدہ: ۱۱۹]

''اللہ فرمائے گا، یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے، یہی بڑی کامیابی ہے۔''

جب کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ تاریخ اسلام کے صفحات حق گو انسانوں کی حق گوئی سے روشن اور تابندہ ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ یہ درخشندہ باب اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس باب کے روشن ستارے سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا تذکرہ نہ کیا جائے۔

دراصل ہر دور اور ہر زمانے میں صدائے حق کو دبانے کے لیے فتنے رونما ہوتے رہے ہیں (جیسا کہ آج کل قادیانی اور پرویزی فتنہ ہے) ایسے ہی امام موصوف کے دورِ حیات (۱۶۴ہجری تا ۲۴۱ہجری) ''معتزلہ'' فرقہ وجود میں آیا جس نے خَلقِ قرآن کا فتنہ اٹھایا یعنی قرآن مخلوق ہے جب کہ صحیح مسلک اور عقیدہ یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ مخلوق نہیں ہے۔ اس وقت اسلامی سلطنت کا فرماں روا ہارون الرشید تھا جب تک اس کی حکومت رہی یہ فتنہ دبا رہا۔ جونہی اس کی وفات ہوئی اور اسکا بیٹا مامون الرشید تخت پر بیٹھا تو اس فتنہ نے سر اٹھایا۔ معتزلی پوری طرح مامون الرشید کے دربار اور امورِ سلطنت پر چھا گئے اور انھوں نے اپنے عقائد بزورِ قوت منوانے شروع کئے اکثر علماء نے وقت کے ہاتھوں مجبور ہو کر گوشہ عافیت اختیار کر لیا مگر اس دور کے سربراہ علمائے حق امام احمد بن حنبل نے استقامت و عظمت کا ایسا

کارنامہ رقم کیا ہے جس کی چمک دمک ہمیشہ قائم و دائم رہے گی ۔ ایسے ہی اصحاب عزیمت کے بارے میں مولانا ابو الکلام آزاد رقمطراز ہیں۔

”تو یہی وہ لوگ ہیں جو اگر چاہیں تو گوشہ رخصت و بے چارگی میں امن و عافیت کے پھول چن سکتے ہیں ، لیکن وہ پھولوں کو چھوڑ کر دہکتے ہوئے انگارے پکڑ لیتے ہیں اور اسی لیے ان کا اجر و ثواب بھی "مِثْلُ اَجْرِ خَمْسِیْنَ رَجُلًا یَّعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِکُمْ " تم جیسے پچاس عمل کرنے والوں کا حکم رکھتا ہے۔“ [تذکرہ]

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب معتصم باللہ نے جلادوں کو ضرب تازیانہ کے لیے حکم دیا تو وہ علمائے اہل سنت بھی دربار میں موجود تھے جو شدت محن و مصائب کی تاب نہ لا سکے اور اقرار کر کے چھوٹ گئے (یعنی عقیدہ خلق قرآن کو تسلیم کر لیا) ان میں سے بعض نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا: " مَنْ صَنَعَ مِنْ اَصْحَابِكَ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ مَا تَصْنَعُ ؟" یعنی تمہارے ساتھیوں میں سے کسی نے ایسی ضد کی جیسی تم کر رہے ہو؟ امام احمد نے کہا: یہ تو کوئی دلیل نہ ہوئی:

" اَعْطُوْنِیْ شَیْئًا مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ اَوْ سُنَّۃِ رَسُوْلِہٖ حَتّٰی اَقُوْلَ بِہٖ "

”یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی کتاب یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے حوالہ دو کہ میں اس کے مطابق اقرار کروں۔“

جب مخالفین یہ جواب سن کر بے بس اور لا جواب ہو گئے تو امام عالی مقام کے ساتھ سختیوں پر اتر آئے۔

عین حالت صوم میں صرف پانی کے چند گھونٹ پی کر روزہ رکھ لیا تھا تو تازہ دم جلادوں نے پوری قوت سے کوڑے مارے یہاں تک کہ تمام پیٹھ زخموں سے چور ہوگئی اور تمام جسم خون سے رنگین ہوگیا۔ خود کہتے ہیں کہ جب ہوش آیا تو چند آدمی پانی لائے اور کہا پی لو مگر میں نے انکار کر دیا کہ روزہ نہیں توڑ سکتا وہاں سے مجھ کو اسحاق بن ابراہیم کے مکان میں لے گئے ۔ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا ابن سماعہ نے امامت کی اور میں نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ابن سماعہ نے کہا:” تم نے نماز پڑھی حالانکہ خون تمہارے کپڑوں میں بہہ رہا ہے ؟ یعنی دمِ جاری وکثیر کے بعد طہارت کہاں رہی؟ میں نے جواب دیا: " قَدْ صَلّٰی عُمَرُ وَجُرْحُهٗ یَثْعَبُ دَمًا " ہاں میں نے وہی کیا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا ، صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور قاتل نے زخمی کیا مگر اسی حالت میں انھوں نے نماز پوری کی۔“

ابن سماعہ کے جواب میں جناب امام رحمہ اللہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جو نظیر پیش کی یہ ان کی تشفی کے لیے

کافی تھی اس پر مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں:

”کہ جو خون اس وقت امام احمد بن حنبل کے زخموں سے بہہ رہا تھا اگر وہ خون ناپاک تھا اور اس کے ساتھ نماز نہیں ہوسکتی تو پھر دنیا میں اور کونسی چیز ایسی ہے جو انسان کو پاک کر سکتی ہے اور وہ کونسا پانی ہے جو طاہر و مطہر ہوسکتا ہے، اگر یہ ناپاک ہے تو دنیا کی تمام پاکیاں اس ناپاکی پر قربان اور دنیا کی ساری طہارتیں اس پر نچھاور، یہ کیا بات ہے کہ پاک سے پاک اور مقدس سے مقدس انسان کی میت کے لیے بھی غسل ضروری ٹھہرا کہ: ” اِغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَ سِدْرٍ وَّ كَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْنِ “ مگر شہیدانِ حق کے لیے یہ بات ہوئی کہ ان کی پاکی شرمندہ آبِ غسل نہیں ” لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَ لَمْ يُغْسِلْهِمْ “ بلکہ ان کے خون میں رنگے ہوئے کپڑوں کو بھی ان سے الگ نہ کیجیے۔” يُدْفَنُوْا فِيْ ثِيَابِهِمْ وَدِمَائِهِمْ “ اور اسی لبس گلگوں و خلعت رنگین میں وہاں جانے دیجیے جہاں ان کا انتظار کیا جا رہا ہے اور جہاں خونِ عشق کے سرخ دھبوں سے بڑھ کر شاید اور کوئی نقش و نگار عملی مقبول و محبوب نہیں۔

﴿ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ ۝﴾ [آل عمران:۱۶۹-۱۷۰]

خونِ شہیداں از آب اولیٰ ترست
ایں گنہ از صد ثواب اولیٰ ترست

[تذکرہ]

مولانا ابو الکلام آزاد امام عالی مقام کی سرفروشی اور جانبازی، ان کی بلند حوصلگی اور عالی ہمتی کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

” اللہ! یہاں طہارتِ جسم ولباس کا کیا سوال ہے؟ امام احمد بن حنبل نے اپنی تمام عمر میں اگر کوئی پاک سے پاک اور سچی سے سچی نماز پڑھی تھی تو یقیناً وہ وہی ظہر کی نماز تھی۔ ان کی تمام عمر کی وہ نمازیں ایک طرف جو دجلہ کے پانی سے پاک کی گئی تھیں اور وہ چند گھڑیوں کی عبادت ایک طرف جس کو راہِ ثباتِ حق میں بہنے والے خون نے مقدس و مطہر کر دیا تھا۔ سبحان اللہ! جس کی محبت میں چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں پہن لی تھیں، جس کی خاطر سارا جسم زخموں سے چور اور خون سے رنگین ہو رہا تھا، اسی کے آگے جبینِ نیاز جھکی ہوئی اسی کے ذکر میں قلب ولسان لذت یاب تسبیح وتحمید! اسی کے جلوۂ جمال میں چشمِ شوق وقفِ نظارہ و دید!

اوراسی کی یاد میں روحِ مضطر محو وسرشارِ عشق وخود فراموشی۔

یوں عبادت ہو تو زاہد ! ہیں عبادت کے مزے

پھر مولانا موصوف حق فراموش اور گوشۂ عافیت کو پسند کرنے والے علماء کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

"اور یہ جو امام موصوف نے افطار سے انکار کردیا اور نماز کا وقت آیا تو بہ اوّل وقت و بہ جماعت ادا کرنے سے باز نہ آئے حالانکہ جسم زخموں سے چور اور پیٹھ کا خون پاؤں تک بہہ رہا تھا، تو اب بتلاؤ کہ وہ تمہارا رخصت والا معاملہ کیا ہوا؟ کیا ایسی حالت میں رخصت نہ تھی کہ روزہ کھول دیتے ؟ اور نماز کے لیے اس قدر توقف کر جاتے کہ زخموں پر مرہم تو لگا دیا جاتا؟ اور اگر تم اس عالم میں ہو کہ امن و فراغت اور طاقت و فرصت کی حالت میں بھی مصائب وخطرات سے بچنے کے لیے دعوتِ الی الحق کو ترک وملتوی اور عزم وثباتِ حق سے انحراف کیا جا سکتا ہے اور تمہارے نزدیک مصلحت و رخصت اسی میں ہے کہ بطلان وضلالت کے آگے سر جھکا دیا جائے تو خدارا بتلاؤ کہ یہ عالم کونسا تھا؟ کبھی اس عالم کی بھی کوئی خبر تم تک پہنچی ہے؟

یاراں خبر دہند کہ ایں جلوہ گاہ کیست؟ [تذکرہ]

خاکسار گنہگار بصد احترام علمائے پاکستان سے پوچھنے کی جسارت کرتا ہے کہ حصولِ وطن کے لیے ہم نے کتنی جانی ومالی قربانیاں دیں۔ نصف صدی بیت چکی ہے اور ابھی تک نظامِ باطل ہمارے سروں پر مسلط ہے مگر ہم ہیں کہ گوشہ عافیت میں تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ نظامِ حق کو برپا کرنے کے لیے ہم نے کبھی اتفاق واتحاد کی راہ اختیار نہیں کی جس کی وجہ سے آج تک منافق لوگ ہم پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ کیا اسلاف کے کارنامے ہمارے اندر ایمانی حرارت پیدا نہیں کرتے؟ (فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ)

دعاء والتجاء:

《 رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ 》[التحریم:۸]

"اے ہمارے رب! ہمارا نورِ ایمان ہمارے لیے مکمل کر دیجیے (جنت میں داخل ہونے تک ہمارے اس نور کو باقی رکھیے اور اس کا اتمام فرمائیے) (اور یہ روشنی ہمیں جنت میں لے جائے) اور ہمیں بخش دیجیے یقیناً آپ ہر بات پر قادر ہیں۔"

اسلام اور نظام حکومت

اسلام...... اور قوت و شوکت

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَيْرٌ وَّاَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ ، وَفِیْ كُلٍّ خَيْرٌ» [مسلم۔ من کنوز السنه ، محمد علی الصابونی]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قوی مؤمن اللہ تعالیٰ کو ضعیف مؤمن سے زیادہ پسند ہے (بہرحال) دونوں میں خیر ہے۔''

لغت: المؤمن القوی ،قوی مؤمن سے مراد صرف ایسا مؤمن نہیں جو صرف جسمانی لحاظ سے مضبوط اور توانا ہو بلکہ اس سے ہر طرح کی قوت مراد ہے ...... جسمانی قوت، روحانی قوت، ایمانی قوت اور علمی قوت تو جو مؤمن جسم و جان اور روح و ایمان میں مضبوط ہو وہ اپنے سے کمزور تر مؤمن سے بہتر ہے۔(الصابونی)

اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کو غالب کرنے کا جو کام امتِ مسلمہ کے ذمہ لگا رکھا ہے اس کے لیے عزم و ہمت اور جرأت وقوت کی ضرورت ہے، مسلمان اس فریضہ سے اسی وقت عہدہ برآ سکتے ہیں جب وہ اپنے اندر اخلاقی و روحانی قوت کے علاوہ جسمانی اور فوجی قوت بھی رکھتے ہوں، سورۃ بقرہ میں آتا ہے۔

بنی اسرائیل کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کیا جو ایک تیس سالہ جوان ، خوبصورت اور قد آور شخص تھا، اس پر کئی لوگوں نے یہ اعتراض جڑ دیا کہ ''طالوت کے پاس نہ مال و دولت ہے اور نہ ہی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ، بھلا یہ ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے؟ اس سے تو ہم ہی اچھے اور بادشاہت کے زیادہ حق دار ہیں اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ﴾ [البقرة: ٢٤٧]

''اللہ نے تم پر حکومت کے لیے اسے ہی منتخب کیا ہے اور ذہنی اور جسمانی اہلیتیں اسے تم سے

زیادہ دی ہیں۔"

علم کے تحت، عقل و بصیرت، قوتِ فیصلہ، روحانی فضیلت و برتری، صداقت و عدالت ایسی تمام صفات آ جاتی ہیں اور جسم کے تحت جسمانی و فوجی طاقت، دلیری اور شجاعت ہمت و بردباری اور قائدانہ خوبیاں ابھرتی ہیں اور اسلام ایک اچھے مسلمان کو ان تمام صفات سے آراستہ کرنا چاہتا ہے وہ مسلمان سے ہر ذلت اور کمزوری کو دور کرتا ہے، ذرا اس واقعہ پر غور کیجیے۔

سن سات ہجری میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جب عمرة القضاء کے لیے تشریف لائے تو مشرکین مکہ نے یہ کہنا شروع کیا کہ مہاجرین کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی۔ اس لیے وہ کمزور ہوگئے ہیں آپ ﷺ کو جب یہ خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے طواف کے دوران صحابہ کو رمل اور اضطباع کا حکم دیا، اضطباع کے معنیٰ یہ ہیں کہ احرام کی اوپر والی چادر دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کے اوپر ڈال لی جائے، اس طرح کہ دایاں کندھا بغیر چادر کے نظر آنے لگے، مطاف یعنی طواف کی جگہ میں داخل ہوتے ہی یہ ہیئت بنا لی جائے۔ بیت اللہ کے گرد طواف کے دوران رمل اور اضطباع کا حکم ہے، رمل کے معنیٰ دوڑنے کے ہیں، مرد حضرات کو طواف کرتے وقت پہلے تین چکر ذرا دوڑ کر لگانے چاہییں اس طرح کہ قدم نزدیک نزدیک رکھے جائیں اور ذرا اُچھل کر آگے بڑھا جائے اور ساتھ ہی کندھے ہلائے جائیں جیسا کہ پہلوانوں کی چال ہوتی ہے۔طواف کے دوران مسلمانوں کی یہ کیفیت جب مشرکین مکہ نے دیکھی تو ان پر اچھا اثر پڑا اور وہ مسلمانوں کی اس قوت و شوکت سے مرعوب ہو کر کہنے لگے "مسلمان تو قوی اور مضبوط ہیں اور ہرنوں کی چال چلتے ہیں، شاعر مشرق نے کیا خوب کہا ہے۔

ترا یک نکتہ سربستہ گویم
اگر درسِ حیات از من بگیری
بمیری گر بہ تن جانے نداری
وگر جانے بہ تن داری نہ میری

اگر تو زندگی کا سبق مجھ سے حاصل کرے تو میں تجھ سے ایک راز کی بات کہتا ہوں، اگر تو جسم میں جان وقوت نہیں رکھتا تو تو مرجاتا ہے، اگر تیرے جسم میں جان وقوت ہے تو تو نہیں مرتا (اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکتا ہے)

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے، جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ روحانی قوت بھی لازمی ہے، حوصلہ اور ہمت نہ ہو، تو جسمانی قوت بیکار ہو جاتی ہے، انسان کا دل مردہ ہو جائے، ایمان میں تپش اور

حرارت باقی نہ رہے، شوق شہادت ختم ہو جائے، مقصد کی خاطر مرمٹنے کا جذبہ سرد پڑ جائے تو مادی اور جسمانی قوتیں بھی بیکار ثابت ہوتی ہیں، اس لیے اسلام ایمانی قوت کے ساتھ ساتھ جوش اور جذبہ کو بلند کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝﴾

[آل عمران-۱۳۹]

''دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔''

آیہ مبارکہ پر بار بار غور کر لیجئے کہ ہر فتح و نصرت اور ہر کامیابی اور کامرانی کے لیے دل کی مضبوطی اور مقصد کی لگن کے ساتھ ساتھ اللہ پر ایمان لازمی امر ہے۔

اسی سورۃ مبارکہ میں صبر و ہمت سے کام لینے والوں کا تذکرہ اس طرح آیا ہے۔

﴿ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ۝﴾ [آل عمران:۱٤٦]

''اور کتنے ہی نبی گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا، ان کو اللہ کی راہ میں جو جو مصائب و مشکلات پیش آئیں ان سے وہ دل شکستہ نہ ہوئے اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ ہی (کفر کے آگے) سرنگوں ہوئے۔''

حقیقت یہ ہے کہ حزن و ملال، کاہلی اور سستی بخل اور بزدلی ایسے روحانی امراض ہیں جو افراد اور قوموں کے اعضاء شل اور کمزور کر دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے۔

« اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ » [حصن المسلم]

''اے اللہ میں حزن و ملال، عجز و درماندگی، بخل اور بزدلی، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غلبہ سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

جب کسی قوم کے افراد پر مردہ دلی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے تو وہ زوال کا شکار ہو کر ذلت کی پستیوں میں جا گرتی ہے، کارگاہ حیات میں وہی لوگ سرخرو ہوتے ہیں جو اپنے دلوں میں جذبات کا ایک سمندر موجزن رکھتے ہیں اور بحر حیات کی موجوں سے کھیلنا جانتے ہیں جو زندگی کی تلخیوں اور سختیوں سے گھبرانا نہیں جانتے ہیں، اس کے برعکس وہ لوگ جو تن آسان اور سہل پسند ہوں وہ نرم و گرم حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں پاتے ہیں، وہ ساحل سمندر سے سمندر کا نظارہ کرنے میں لطف محسوس کرتے

ہیں، سمندر میں اتر کر موجوں کا مقابلہ کرنا ان کے بس کا روگ نہیں رہتا، جنہیں کبھی کسی طوفان اور کنارے کی خرابی سے واسطہ نہ پڑا ہو وہ سمندر کی لہروں کا کیا مقابلہ کریں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دور سے ہی مگر مچھ نظر آنے لگے تو ان کے چہرے خوف سے زرد پڑنے لگتے ہیں، دشمن ان کے وطن کی سرحدوں سے دور ہی ہو تو ان کے پسینے چھوٹنے لگتے ہیں، یہ بھلا ان کا مقابلہ کیونکر کر سکتے ہیں؟

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ
ترا بحر پر سکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے
نہ نہنگ ہے نہ طوفاں نہ خرابی کنارہ

مسلمان دشمن کے مقابلے میں بے دست و پا ہو کر بیٹھا نہیں رہتا ہے ہاں نہ تو وہ کسی پر ظلم و زیادتی ہی کرتا ہے اور نہ دوسروں پر پہل کرتا ہے مگر جب اسے پتہ چلتا ہے کہ دشمن اسے زک پہنچانے کے لیے آ رہا ہے تو وہ بھرپور مادی وسائل سے مقابلے کے لیے آگے بڑھتا ہے، حکم ہوتا ہے۔

﴿ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ﴾ [الانفال: ٦٠]

”اور جہاں تک ممکن ہو کفار کے مقابلے کے لیے قوت اور جنگی گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور (کئی) دوسرے دشمنوں کو خائف کر سکو جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔“

ظاہر ہے کہ ماضی میں اگر لڑائی کے لیے جنگی گھوڑے تھے تو دورِ حاضر میں ٹینک اور میزائل ہوں گے اور اس قسم کے جو بھی جدید آلاتِ حرب، سب کے سب تیار رکھو۔

ان تمام مادی وسائل فراہم کرنے کے باوجود مسلمان ان پر نہیں بلکہ فتح اور کامیابی کے لیے ربّ قدیر پر نظر رکھتا ہے، سامان نہیں ہو تو بھی بے تیغ بھی میدانِ جہاد میں کود پڑتا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

تاریخ بتاتی ہے کہ افغانی مسلمان روس کے ساتھ برسرپیکار تھے، تو کتنے نہتے جانبازوں کو دشمن کا اسلحہ ہاتھ لگا جنہیں اپنے قبضہ میں لے کر دشمن کے خلاف استعمال کیا، اصل بات وہی ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

﴿ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ [آل عمران:١٢٦]

کامیابی تو حقیقت میں اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے، اس لیے حکم ہوتا ہے میدان جہاد میں اگر نصف فوج لڑے تو بقیہ نصف نمازوں کے اوقات میں اپنی جبین نیاز ربِّ قدیر کی چوکھٹ پر جھکا دے کہ اسی سے مشرق و مغرب میں اسلام کا پرچم بلند ہوگا۔

بانگِ تکبیر و صلوٰۃ و حرب و ضرب
اندر آں غوغا کشادِ شرق و غرب

آج امریکہ اپنے ہمنواؤں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے، گزشتہ سال اس نے افغانستان میں ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا تھا تو اب عراق پر ظلم و ستم ڈھا کر تاریخ میں کربناک باب کا اضافہ کیا ہے، اس کے آئندہ نہ معلوم کیا ارادے ہیں؟ قرآن ایسے وقت میں مسلمانوں کو بیدار کرتا ہے اور انہیں تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرلیں اپنے جانی و مالی وسائل کو اکٹھا کرلیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، عرب ریاستیں سونا اگلتی ہیں، ان کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ دنیا کو خرید سکتے ہیں اس وقت عقل و فراست اور اس سے بڑھ کر عزم و ہمت کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنی قوت کو منظّم کریں اور دشمن کے مقابلہ میں صف آرا ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کو یقیناً ایسے لوگ پسند ہیں جو اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾

[الصف: ٤]

”اللہ تعالیٰ کو یقیناً وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“

حق و باطل کا معرکہ دنیا میں کوئی نئی بات نہیں ہے جب سے دنیا بنی ہے حق و باطل کا معرکہ جاری ہے، جو قومیں اس معرکے کا سامنا کرنے سے گریز کرتی ہیں وہ دنیا سے مٹ جاتی ہیں اور جو ان میں جان کی بازی لگاتی ہیں وہ زندہ رہتی ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تاامروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی
اس کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے راز تب و تاب ِ ملت عربی

حق ہمیشہ ابھرتا ہے اور باطل ہمیشہ مٹتا ہے، اہل حق باطل کے مقابلے میں اگر تعداد میں تھوڑے بھی ہوں گے تو وہ کامیاب ہوں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ﴾

[بنی اسرائیل: ۸۱]

''اور اعلان کر دیجیے کہ ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔''

حق کو بلند و بالا کرنے کے لیے ایمان شرط اولین ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

[یونس: ۱۰۳]

''ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو بچا لیا کرتے ہیں جو ایمان لائے ہوں، ہمارا یہی طریقہ ہے، ہم پر یہ حق ہے کہ مؤمنوں کو بچا لیں۔''

مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں اور اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین کو اپنا نصب العین قرار دے کر اپنی صلاحیتیں اس کے لیے صرف کر دیں تو آخر کار ظلمت و جہالت کے بادل چھٹ جائیں گے، پھر عدل و انصاف کے پرچم لہرائیں گے، امن و سلامتی کی خوشبو پھیلے گی اور مسلمانوں کے اعمالِ صالحہ سے لوگ متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہونے لگیں گے ایک وقت آئے گا کہ اسلام قرونِ اولیٰ کی طرح پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوگا، اور دنیا میں صداقت وعدالت کا بول بالا ہوگا اور یہ نورِ توحید سے جگمگا اٹھے گا۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

دعاء و التجاء:

« رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ »[البقرة: ۲۵۰]

"اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دیجیے اور ہمارے قدموں کو جمائے رکھیے اور ہماری کفار پر مدد فرمایئے۔"

ہجرت اور آزادی کے کیا معنی ہیں؟

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: « اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَی اللّٰهُ عَنْهُ » [جواهر البخاری]

"سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اس کام کو ترک کردے، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔"

جب یوم آزادی کی تاریخ آتی ہے تو میرے دل کے زخم ہرے ہوجاتے ہیں، مجھے اپنے ان لاکھوں بزرگوں، ماؤں، بہنوں، اور بھائیوں کی یاد ستانے لگتی ہے جنہوں نے حصولِ وطن کے لئے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ ان ننھی ننھی معصوم کلیوں کا منظر سامنے آجاتا ہے جو ابھی پوری طرح کھل بھی نہ پائی تھیں کہ کفار کے ظالم ہاتھوں نے انہیں انتہائی بے دری سے مسل ڈالا تھا۔ میرے کانوں میں ان باعصمت بیٹیوں اور غیور بیٹوں کی دردناک چیخیں گونجنے لگتی ہیں کہ جنہیں سفاک ہاتھوں نے ان کی شفیق ماؤں اور مہربان باپوں کے سامنے تلواروں اور گولیوں سے شہید کر ڈالا تھا۔ پھر وہ روح فرسا واقعات یاد کرکے میری آنکھوں سے آج بھی آنسو چھلکنے لگتے ہیں، جب بے حیا لٹیروں نے زبردستی میری ماؤں اور بہنوں کو چھین لیا اور ان کی عفیفہ وپارسا بیبیوں کی عزتوں کو تارتار کردیا اور انتہائی بے کسی و بے بسی کی حالت میں ان کے خاوندوں، بچوں اور بھائیوں کے سامنے زبردستی اٹھا کرلے گئے۔ اور ان کی دلدوز آہ وبکا اور چیخ وپکار، آج بھی اہل دل کے دلوں کو گھائل کئے ہوئے ہے۔ میرے زخم پھر سے رسنے لگتے ہیں کہ جب مجھے ان بزرگوں کے واقعات یاد آتے ہیں جن پر ظالموں نے ان کے ضعف وناتوانی کے باوجود ترس نہ کھایا اور ان کے بیٹوں اور بیٹیوں، نواسوں اور نواسیوں کے سامنے گولیوں اور برچھیوں سے ان کے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ پھر میرا دل ان ہزاروں بہنوں کے لئے رونے لگتا ہے جو آج تک سکھوں اور ہندوؤں کے قبضہ میں پڑی ہوئی ہیں اور جنہیں پاکستان کے بے حس حکمرانوں نے کبھی ظالموں کے

پنجۂ استبداد سے چھڑانے اور ان سے انتقام لینے کا ارادہ تک نہیں کیا۔ یہاں تک کہ گزشتہ اٹھاون برسوں میں ہندوستان کے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھایا گیا اور جو روجفا کی انتہا، جو اب کشمیری مسلمانوں پر ہو رہی ہے ان کی مدد کو پہنچنے کا ہمیں کبھی خیال تک نہیں آیا بلکہ ہماری سرکشی اور بغاوت کا حال یہ ہے کہ ہماری اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں اور ضابطوں سے خالی ہیں اور لاقانونیت نے اس قدر زور پکڑا ہے کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں فتنہ وفساد کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں اور کسی شخص کی عزت وآبرو اور جان ومال محفوظ نہیں ہے۔

زندہ قومیں اپنے اعمال کا محاسبہ کرتی رہتی ہیں۔ ماضی کی کوتاہیوں اور لغزشوں پر نظر رکھتی ہیں اور آئندہ اپنے آپ کو سنوارتی اور نکھارتی ہیں اگر ہمارے اندر بھی زندگی کی کوئی رمق باقی ہے تو آیئے جائزہ لیں کہ حصول وطن کے لئے اتنی عظیم الشان قربانیوں کے بعد ہم نے مختلف شعبہ حیات میں کس قدر تعمیر وترقی کی ہے۔

آزادی حاصل کرنے کا اولین مقصد یہ تھا کہ ہم اغیار کی غلامی سے نجات پانے کے بعد صرف اور صرف ربّ کائنات کی غلامی میں آجائیں اور ہماری زندگی کے تمام شعبہ جات نظام اسلام کے تحت بسر ہوں۔ ہماری تعلیم، ہماری معاش ہماری معیشت، ہماری تجارت، ہماری سیاست اور ہمارا عدالتی نظام اسلام کے سچے اور ستھرے اصولوں کے مطابق چل سکے اور ایک ایسا فلاحی معاشرہ وجود میں آئے جس میں امن وخوش حالی کی خوشگوار فضا قائم ہو۔ جہاں احسان ومروت کے پھول کھلیں۔ عدل وانصاف کا سکہ رواں ہو، علم وادب کے چراغ روشن ہوں، اور طہارت ونظافت کے چشمے جاری ہوں، ایسا معاشرہ جہاں لوگ سکھ اور اطمینان کا سانس لے سکیں اور اپنوں ہی کو نہیں غیروں کو بھی عزت اور سلامتی ملے۔

کون نہیں جانتا کہ بغیر اصولوں کے کوئی انجمن، کوئی چھوٹے سے چھوٹا اادارہ بھی نہیں چل سکتا، لیکن بدقسمتی سے ہمارا ملک گزشتہ چوالیس برس سے اسلامی قوانین کے بغیر ہی چل رہا ہے، ابھی چند ماہ پہلے شریعت بل باقاعدگی سے قومی اسمبلی نے صرف پاس کیا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا نفاذ کب ہوگا؟ ابھی تک تو صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ یاد رکھئے شریعت کی ٹھنڈی اور خوشگوار فضا بغیر عملی نفاذ کے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

ہمارا تعلیمی نظام انگریز کا چھوڑا ہوا ہے ہم نے اسے جوں کا توں رہنے دیا ہے۔ اسے اسلامی امنگوں کے مطابق ترتیب نہیں دیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے شاہین طلباء علم سے دور اور اخلاق سے عاری ہیں اس کا اندازہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے احاطوں میں دنگہ فساد اور قتل وغارت کے واقعات سے

لگایا جاسکتا ہے اساتذہ میں تعلیم وتربیت دینے کا شعور جاتا رہا ہے۔معاملہ صرف تنخواہوں کی وصولی اور کلاسوں میں حاضری اور خانہ پوری کا رہ گیا۔یاد رکھیئے کسی قوم کی تعمیر وترقی کا راز صحیح خطوط پر تعلیم وتربیت میں مضمر ہوتا ہے۔اچھی تعلیم انہیں اوج ثریا پر پہنچادیتی ہے۔

ہمارا تجارتی نظام دھوکہ،فریب،ناجائز منافع کمانے اور سودی کاروبار پر مبنی ہے جس سے خیروبرکت کے دروازے ہمارے اوپر بند ہوچکے ہیں۔مال ودولت کی فراوانی کے باوجود اطمینان وسکون برباد ہوچکا ہے۔

ہماری معاشرتی زندگی لوٹ کھسوٹ،دنگہ وفساد،دن دہاڑے چوری،ڈاکہ یہاں تک کہ قتل وغارت سے تہ وبالا ہوچکی ہے۔

ہماری سیاست مکروفریب کا دوسرانام ہے،سیاست اور جمہوریت کے نام سے جو کھیل کھیلا گیا ہے وہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔اس ملک کو حریص اور خودغرض سیاست دانوں نے بازیچۂ اطفال بنادیا ہے۔

ان حالات میں یوم آزادی کو صرف جھنڈیاں لہرانے اور چراغاں کرنے سے کیا نظریہ پاکستان کی تکمیل ہوسکتی ہے؟(فَاعْتَبِرُوْا يَا أُوْلِي الْأَبْصَارِ)(الاعتصام ۱۴ اگست ۱۹۹۱ء)

دعاء والتجاء:

« رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ »[الأعراف:۴۷]

”اے ہمارے ربّ:نہ کیجیے ہم کو ظالم قوم کے ساتھ“

یوم آزادی

وَعَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدِ الْاَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: « طُوْبٰى لِمَنْ هُدِيَ لِلْاِسْلَامِ وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَقَنَعَ » [رواه الترمذی، رياض الصالحين،باب فضل الجوع و خشونة العيش]

”ابومحمد فضالۃ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خوش نصیب ہے وہ جسے اسلام کی توفیق ملی۔ بقدرِ ضرورت زندگی کا سامان حاصل ہے اور وہ اس پر مطمئن ہے۔“

کسی انسان کی سب سے بڑی خوش نصیبی اس کا مسلمان ہونا اور نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہونا ہے کہ

اسی نعمت کے ساتھ دنیا اور آخرت کی کامیابیاں وابستہ ہیں۔ اس کے ذریعہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پہچانتا ہے...... حق اور باطل خیر اور شر، حلال اور حرام ، نیکی اور بدی میں تمیز پیدا ہوتی ہے اور پھر راہِ صداقت پر چل کر کامیابی کی منزل پر پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر ان گنت انعامات میں سے یہ سب سے بڑا انعام ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا﴾ [المائدہ:۳]

" آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا، اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین (طریقِ حیات) پسند کیا۔"

قرآن حکیم میں اتمام نعمت کا لفظ صرف دینِ اسلام کے لیے استعمال ہوا ہے۔حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

" هٰذَا اَكۡبَرُ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى هٰذِهِ الۡاُمَّةِ حَيۡثُ اَكۡمَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُمۡ دِيۡنَهُمۡ فَلَا يَحۡتَاجُوۡنَ اِلٰى دِيۡنٍ غَيۡرِهٖ وَلَا اِلٰى نَبِيٍّ غَيۡرِ نَبِيِّهِمۡ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيۡهِ وَلِهٰذَا جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى خَاتَمَ الۡاَنۡبِيَاءِ وَبَعَثَهُ اِلَى الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ فَلَا حَلَالَ اِلَّا مَا اَحَلَّهٗ وَلَا حَرَامَ اِلَّا مَا حَرَّمَهٗ ، وَ لَا دِيۡنَ اِلَّا مَا شَرَعَهٗ وَ كُلُّ شَيۡءٍ اَخۡبَرَ بِهٖ فَهُوَ حَقٌّ وَصِدۡقٌ لَّا كِذۡبَ فِيۡهِ وَ لَا خُلۡفَ » [مختصر تفسیر ابن کثیر، ج:۱، تحقیق محمد علی صابونی]

" اللہ تعالیٰ کا اس امت پر سب سے بڑا انعام ہے کہ اس نے ان کے لیے ان کا دین (طریقِ حیات) مکمل فرما دیا۔ اس کے علاوہ انھیں کسی اور دین کی ضرورت نہیں اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کی۔ اسی لیے آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کی نبوت انسانوں اور جنوں دونوں کے لیے ہے پس حلال وحرام کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، دین وہی ہے جسے اس نے مقرر کر دیا۔ اور جو کچھ اس نے اپنے دین کے ذریعہ بتلا دیا وہ سچ اور حق ہے اس میں کوئی جھوٹ اور بے کار بات نہیں ہے۔"

نعمت اسلام کے بعد بقدرِ ضرورت سامانِ زیست میسر آنا کہ جس سے جسم و روح کا رشتہ برقرار رہ سکے بہت بڑا انعام ہے انسان اگر حق حلال کے تھوڑے سے رزق پر قانع ہو جائے، سر چھپانے کے لیے اسے معمولی سا مکان مل جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لا کر اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو اپنا لے تو دنیا و آخرت کی بھلائیاں اس کے حصہ میں آ جاتی ہیں ، اس کے برعکس اگر وہ خوش حالی اور وافر سامان پانے کے بعد خواہشاتِ نفسانی کا شکار ہو جائے اور اسلامی تعلیمات کو فراموش کر دے تو اس سے زیادہ خسارے

اور نقصان میں کوئی شخص نہیں ہے۔

آج سے کوئی اٹھاون برس قبل ہمیں بھی آزادی ملی۔ اس کے لیے بے شمار جانی و مالی قربانیاں دی گئیں۔ مشکلات کے پہاڑ عبور کیے۔ آگ اور خون کے دریاؤں سے گذرے۔ ماؤں اور بہنوں کی عزتیں لٹیں۔ بچوں کو نیزوں کی انیوں پر ترازو ہوتے دیکھا۔ بھائیوں کو جامِ شہادتِ نوش کرتے پایا۔ مکانات اور اسباب کو چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری کوششوں کو بار آور کیا اور اغیار کی غلامی سے نجات دلا کر آزادی سے سرفراز کیا اور پاکستان کی آزاد سرزمین میں ہم سانس لینے کے قابل ہوئے۔

اس قدر عظیم قربانیاں کیوں دی گئیں۔ اس لیے کہ ہم ایک ایسے خطۂ زمین کے آرزومند تھے جہاں خلافتِ راشدہ کی بہاریں واپس لاسکیں، اسلامی نظامِ حیات کا احیاء کرسکیں قرآن کے نظامِ عدل و انصاف کا سکہ رواں کرسکیں۔ جہاں نیکی کا علم بلند کریں اور بدی کو سرنگوں کر کے چھوڑیں۔ جہاں ہر شخص کی عزت و آبرو محفوظ ہو اور وہ امن و سکون کی زندگی گذار سکے۔

زندہ قومیں، اپنے اعمال کا محاسبہ کرتی رہتی ہیں۔ وہ دیکھتی ہیں کہ ماضی میں انھوں نے کیا کھویا اور کیا پایا اور پھر اپنی کمزوریوں کو رفع کر کے مستقبل میں اپنا لائحہ عمل درست کرلیتی ہیں، آیئے ہم بھی جائزہ لیں کہ حصولِ آزادی کے بعد اسلامی اصولوں کو انفرادی اوراجتماعی زندگیوں میں کہاں تک اپنایا؟ ہمارے معاشی اور سیاسی مسائل اسلامی ضابطوں کے مطابق کہاں تک حل ہوئے؟ کیا ہماری عدالتوں میں اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے ہوئے؟ کیا ہماری درس گاہوں میں اسلامی تعلیمات کو فوقیت دی گئی؟ کیا شہری زندگی میں امن و سکون کی فضا قائم ہوئی؟ کیا ہر شخص کی جان و مال اورعزت و آبرو محفوظ ہو گئی؟ ان سوالات کے جوابات نہایت ہی مایوس کن ملیں گے۔ اب حالات انتہائی دگرگوں ہیں، ہم نعمتِ آزادی کی قدر و قیمت کو یکسر فراموش کر چکے ہیں، اسلام کی عظمت ہمارے دلوں سے رخصت ہو چکی ہے۔ پاکستان بنتے وقت جو عہد و پیمان اللہ تعالیٰ سے کیا تھا (کہ اس کے دین کو نافذ کریں گے) بھلا چکے ہیں۔ ہم اس کی رحمت سے دور ہو چکے ہیں۔ اس بغاوت کے نتیجہ میں ہر طرف فساد اور بگاڑ ہے۔

رب کریم کی رحمت ہمیں پھر پکار رہی ہے۔

﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ [الزمر:٥٣]

''تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔''

اپنے گناہوں پر نادم و شرمسار ہو کر اس کے حضور توبہ کریں اور تمام خواہشات سے منہ موڑ کر صرف اپنے خالق و رازق کی غلامی میں آجائیں اور اسی کے احکام کو اپنی زندگی میں جاری و ساری کریں۔ اس لیے کہ

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم؟

دعاء والتجاء:

﴿ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ،غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴾ [البقرة: ٢٨٥]

"ہم نے آپ کا ارشاد سنا، اور خوشی سے مانا، ہم آپ کی بخشش مانگتے ہیں، اے ہمارے رب! آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔"

آزادی یا غلامی؟

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ »[رواه البخاری ومسلم]

"سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور (حقیقت میں) مہاجر وہ ہے کہ جو ان کی باتوں کو چھوڑ دے کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔"

لغت میں ہجرت کا مفہوم ترکِ وطن، نقل مکانی اور ایک ملک سے دوسرے ملک کو جانا اور وہاں آباد ہونے کے ہیں مگر شریعتِ اسلامیہ نے اس مفہوم میں وسعت اور پاکیزگی پیدا کی ہے اس کے نزدیک ہجرت محض نقل مکانی کا نام ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ وطن کو چھوڑنے میں رضائے الٰہی ہو اور نئی جگہ پہنچ کر اپنے آپ کو اسلامی حدود وقیود کا پابند بنایا جائے گویا کہ مسلمان ایک جگہ سے دوسری جگہ صرف اس لئے ہجرت کرتا ہے کہ وہاں دین پر چلنا آسان ہوجائے اور ان مشکلات اور رکاوٹوں سے چھٹکارا مل جائے جو اقامت دین میں حائل ہورہی تھیں۔اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنا ہمارے لئے بہترین مثال ہے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرنے والوں کو طرح طرح سے ایذائیں دی گئیں۔انہیں بری طرح ستایا اور پریشان کیا گیا۔ مارا اور پیٹا گیا، بیڑیاں پہنا کر قید کیا گیا، تپتی ہوئی ریت پر برہنہ بدن گھسیٹا گیا، معاشرتی مقاطعہ کیا گیا کہ کبھی نہتے اور بے بس ایمان کے متوالے مکہ سے باہر شعب ابی طالب میں کھلے آسمان کے نیچے پناہ لینے پر مجبور

ہوئے۔اس حال میں کہ کفار نے شہر سے ان کے لئے آب ودانہ کی رسد تک روک دی۔دن دودن کے لیے نہیں ہفتوں اورمہینوں کے لئے نہیں بلکہ مسلسل اور لگاتار تین برس اسی کیفیت میں گذر گئے۔ اورمسلمانوں نے ناقابل بیان دکھوں اور پریشانیوں میں صبر وایمان کے ساتھ یہ وقت گذارا۔

پھرایسابھی ہواکہ کفار کےظلم وستم سے پریشان ہوکر بعض مسلمانوں نے کچھ عرصہ کے لئے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی۔بالآخر اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کے دل ایمان کے لئے کشادہ کردیے اورمسلمانوں کوحکم ہواکہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرجائیں۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ اورمسلمان اپنے گھر بار چھوڑکرمکہ سے مدینہ منورہ پہنچے اوراسے مرکز اسلام بناکر اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔زندگی کے ہرشعبہ کو اسلام کے مطابق ڈھالا گیا۔تجارت،سیاست،عدالت،معاشرت اورمعیشت ایسے تمام شعبہ جات اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے مطابق کام کرنے لگے۔

مسجدنبوی ﷺ میں مسلمان نہ صرف نماز کے لئے جمع ہوتے بلکہ یہاں پر ان کی تعلیم وتربیت بھی ہوتی،ان کے معاملات اور تنازعات کے فیصلے بھی ہوتے انہیں یہاں غزوات وجہاد کے لئے تیار بھی کیاجاتا گویاکہ مسجد صرف سجدہ گاہ ہی نہ تھی بلکہ مکتب و مدرسہ، تربیت کا مرکز عدالت نیز اسلامی اورفوجی ایسے اہم امور کے فیصلہ جات کے لئے بہترین جگہ تھی اوریہاں سے صاحب ایمان وفراست اورعلم ودانش کی ایسی جماعت تیارہوئی جنہوں نے چاردانگ عالم میں نیکی اور راستی کے جھنڈے گاڑے۔عدل وانصاف کے پرچم لہرائے،حق وانصاف کا بول بالاکیااور امن وسلامتی کی فضا قائم کی گویاکہ قرآن حکیم کی اس آیت کی تصویر بن گئے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ [الحج : ٤١]

”وہ لوگ کہ اگرہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز کا نظام قائم کریں۔اور زکوۃ کے نظام کو بحال کریں نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور تمام امور کا انجام تواللہ تعالیٰ ہی کے اختیارمیں ہے۔“

قیام پاکستان سے قبل ہم بھی انگریزوں اورہندوؤں کی غلامی میں تھے ہماری معاشرت اورمعیشت بری طرح متاثر ہورہی تھی۔ سیاست پر انگریزوں کا قبضہ تھا تو تجارت پر ہندو چھائے ہوئے تھے، یہاں تک کہ سرکاری ملازمتوں میں بھی مسلمانوں کے لئے معمولی ساکوٹہ رکھا گیا تھا۔ان سب باتوں سے بڑھ کر ہماری آرزو اورتمنا یہ تھی کہ ہم اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کے خواہاں تھے جو ہمیں غلامی

میں میسر نہ تھی۔اغیار کی ظالمانہ اور منافقانہ پالیسیوں کو ہم نے محسوس کیا اور آزادی کی جدوجہد شروع کردی اللہ تعالیٰ نے ساری کوششوں کو بارآور کیا اور ہم نعمت آزادی سے ہمکنار ہوئے۔حصولِ آزادی کے لئے بے پناہ مالی وجانی قربانیاں دیں مہاجرین کو ترک وطن کے لئے ان گنت دکھوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا یہ خونچکاں داستان اتنی دردناک ہے کہ جسے آج بھی پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

کیا ہم نے جس مقصد اور مشن کے حصول کی خاطر اتنی بڑی قربانیاں دی تھیں وہ حاصل کرلیا ہے؟ کیا ہماری زندگی کے تمام شعبہ جات اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھل گئے ہیں کیا ہم اسلام کا عادلانہ نظام یہاں رائج کرسکے ہیں؟ کیا ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اس کی پاکیزہ تعلیمات کو جاری وساری کرسکے ہیں؟ان باتوں کا جواب قطعی طور پر غیر تسلی بخش ہے۔اپنی گزشتہ چھپن برس کی تاریخ کو سامنے رکھیئے اور پھر چشم حقیقت سے جائزہ لیجئے۔آزادی کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ ہم مال ودولت کے انبار لگادیں، بلندوبالا عمارتیں تعمیر کرڈالیں اور پھر زبردست زیر دست کو دبانے لگے۔طاقتور کمزور پر ظلم وستم ڈھانے لگے۔رشوت اور چور بازاری عام ہوجائے،روز روشن کی طرح خواہشات نفسانی کے غلام بن جائیں یہ آزادی نہیں انارکی ہے روزانہ اخبارات کو پڑھتے ہی ایک حساس انسان کے لئے سوائے آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں۔دیندار لوگ کس کونے میں دبے پڑے ہیں وہ اکٹھے کیوں نہیں ہوتے وہ قوت اور طاقت بن کر اس ظالمانہ نظام کے خلاف جہاد کیوں نہیں کرتے؟ ہم نے تو آزادی حاصل کی تھی اور غلامی سے نجات پانا چاہتے تھے یہ آزادی تو اس غلامی سے بھی بدتر ہے کہ جس میں کچھ تو اخلاقی قدریں موجود تھیں۔فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ......[الاعتصام ۵ جون ۱۹۹۲ء]

دعاء والتجاء:

«اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا»

”اے اللہ ہمارے دلوں میں الفت ڈال دیجئے اور ہمارے درمیان اصلاح (کی راہ) ہموار کیجئے۔“

اس نسل کی نگرانی کا ذمہ دار کون ہے؟

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ :« یَسْتَرْعِی اللّٰہُ تَبَارَکَ

وَتَعَالٰی عَبۡدًا رَعِیَّۃً قَلَّتۡ اَوۡ کَثُرَتۡ اِلَّا سَأَلَہُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَنۡھَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ أَقَامَ فِیۡھَا اَمۡرَ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَمۡ اَضَاعَہٗ ؟حَتّٰی یَسۡأَلُہُ عَنۡ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ خَاصَّۃً »

[مسند احمد= رقم الحدیث: ٤٤٠٨]

''سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کچھ لوگوں پر اقتدار بخشتا ہے تو چاہے وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ اس بندے سے (اقوام کا سربراہ ہو یا گھر کا سربراہ) اللہ تعالیٰ روزِ جزا اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں ضرور محاسبہ کرے گا کہ جو لوگ اس کے ماتحت تھے ان پر اللہ تعالیٰ کا دین جاری کیا یا اس کو برباد کیا؟ یہاں تک کہ ہر آدمی سے اس کے اہل خانہ کے بارے میں بھی باز پرس فرمائے گا۔

نماز عشاء کے بعد کمرۂ مطالعہ میں کچھ پڑھ لکھ رہا تھا کہ یکا یک تیز پٹاخوں کی گھن گرج شروع ہوگئی یوں محسوس ہو رہا تھا کہ محاذ جنگ پر فوجیں آمنے سامنے برسرِ پیکار ہیں اور ان میں گولہ بارود کا تبادلہ ہو رہا ہے۔میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا ہمارے جیالے نوجوان مکانوں کی چھتوں پر پتنگ بازی کا شوق فرمارہے ہیں بلند طاقت کے متعدد قمقموں سے چاروں طرف اس قدر روشنی پھیلی ہوئی تھی کہ رات کے وقت بھی دن کا گمان ہو رہا تھا اور فضائے بسیط میں رنگ برنگ کے کنکوّے تیر رہے تھے صرف اسی پر بس نہیں تھی جو شخص کسی کی پتنگ کاٹ لیتا وہ نہ صرف پٹاخوں کی لڑی داغ دیتا بلکہ بگل باجے سے اپنی فتح کا اعلان بھی کرتا گویا کہ اس نے اپنے حریف کو شکست فاش دے ڈالی ہے۔ اس طوفانِ بدتمیزی میں پڑھا لکھا تو کیا جاتا میں ان مسلمان نوجوانوں کے بارے میں گہری سوچ کے اندر ڈوب گیا۔ ادھر ہمارے کشمیری نوجوان آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور مکار وسفاک ہندو فوج کی گولیوں سے جامِ شہادت نوش کر رہے ہیں ادھر پاکستانی نوجوان ہندوؤں کا مشرکانہ تہوار بسنت منا رہے ہیں۔ جس میں ہزاروں نہیں لاکھوں روپیہ تباہ و برباد ہو رہا ہے اس تباہی و بردباری کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر اور چھٹکارا حاصل کرنے کی مؤثر کوشش نہیں ہوتی ہے۔

پھر مجھے تاریخ اسلام کے ان نوجوانوں کا خیال آیا جنھوں نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہا اور پھر اپنی ساری توانائیاں رضائے الٰہی میں صرف کر ڈالیں سیدنا مصعب بن عمیر، علی عمار بن یاسر، سیدنا بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی، بدری مجاہد معاذ اور معوذ، خالد بن ولید، رضی اللہ عنہم طارق بن زیادہ، عمر بن عبد

العزیز سید احمد شہید، سید اسماعیل شہید رحمہم اللہ اور ایسے ہی سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں اسلام کے مایہ ناز سپوت جن کے کارناموں سے تاریخ کے صفحات روشن ہیں۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدر، فقرِ بوذر، صدق سلمانی

مگر افسوس اور صد افسوس آج ہماری یہ نسل تباہ ہو رہی ہے اس کی ذمہ دار حکومت ہے یا والدین؟ اساتذہ ہیں یا علمائے کرام؟ میرے نزدیک ان سب کی کوششوں اور تعاون سے ہی اس نسل کی صحیح تعلیم و تربیت ہوسکتی ہے۔مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنا فرض نہیں پہچانا۔بڑے دکھ کی بات ہے کہ تاریخ پاکستان کے ۵۸ برس ہم نے ضائع کر دیئے ہیں کسی قوم کی تعمیر و ترقی میں ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہوتا ہے ہمارے یہاں کے سیاست دانوں کے کھیل تماشوں اور ہوس اقتدار نے، علمائے کرام کے آپس میں تفرقوں اور رنجشوں نے، والدین کے لاابالی پن اور بے پروایوں نے، اساتذہ کی عدم دلچسپی اور غیر ذمہ داریوں نے پروان چڑھنے والی نسل کو پاکیزہ تعلیم و تربیت سے محروم رکھا ہے وقت جو کہ سیم و زر سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے یونہی ضائع ہو گیا اور قوم کے شاہین بچوں کی ذہنی و فکری تربیت نہ ہوسکی جس کے نتیجہ میں آج کا نوجوان بے راہ روی کا شکار ہو چکا ہے۔

کیا اسلامی حکومت کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ ملک میں صلاۃ و زکوٰۃ کا نظام قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ہر شعبۂ زندگی میں نیکیوں کو فروغ دے اور برائیوں کا قلع قمع کرے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝﴾ [الحج۴۱]

”(پسندیدہ) مسلمان ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین پر اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔“

پھر کیا علمائے کرام کی ذمہ داری نہیں ہے کہ باہم سر جوڑ کر وراثت انبیاء کا حق ادا کریں اور بھولی بھٹکی انسانیت کو رشد و ہدایت کے چشمہ سے سیراب کریں۔ پھر نظام الٰہی قائم کرنے کے لئے اقتدار بھی انہیں یقیناً ملے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝﴾ [الانبیاء:۱۰۵]

''بے شک زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔''

بھلا بتائیے کہ آپس میں روٹھے رہنے سے خیرو برکت کہاں سے آئے گی جب قرآن و سنت ہی معیارِ حق ہے تو پھر اپنے تمام معاملات اسی روشنی میں طے پانے چاہئیں جھگڑے کا پھر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ صرف خواہشات نفسانی ہیں جو ہم میں جدائی ڈالے ہوئے ہیں۔

کیا والدین کا فریضہ نہیں ہے کہ بچوں کی بودو باش کے علاوہ ان کی دینی و روحانی تربیت کا خیال بھی رکھیں؟

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ [التحریم:٦]

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔''

اور پھر کیا اساتذہ پر یہ بات عائد نہیں ہوتی ہے کہ حکومت کے خزانہ سے لمبی چوڑی تنخواہیں وصول کرنے کے بعد احساس ذمہ داری کو پہچانیں اور قوم کے بچوں کی اخلاقی نگہداشت بھی کریں۔ اور اسوۂ رسول اللہ ﷺ کو اپنائیں۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زیر کفالت چھوٹا سا بچہ تھا کھانے کے برتن میں میرا ہاتھ ادھر ادھر چلا جایا کرتا تھا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

((يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ))

''پیارے بیٹے! اللہ کا نام لے کر شروع کرو۔ اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ۔''

علم کے ساتھ جب تک آداب و اخلاق سے آشنائی نہیں ہوتی اور اس کی عملی تربیت نہیں ملتی انسانیت نہیں پیدا ہوسکتی۔

آیئے! خواب غفلت سے بیدار ہوں اور قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوشاں ہوجائیں ورنہ یاد رکھئے یہ نسل ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہم سرخرو نہیں ہوسکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعاء و التجاء:

((اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ))

''اے اللہ! ہمیں مسلمانی کی حالت میں موت دیجئے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں ملا دیجئے اس حال میں کہ نہ ہم رسوا ہوں اور نہ فتنہ میں پڑیں۔''

شریعت کا نفاذ محض وعدوں سے ممکن نہیں

عَنْ مَّعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: «اَيُّمَا وَالٍ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَلَمْ يَنْصَحْ لَهُمْ وَلَمْ يَجْهَدْ لَهُمْ كَنُصْحِهٖ وَجُهْدِهٖ لِنَفْسِهٖ كَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فِي النَّارِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمْ يَحْفَظْهُمْ بِمَا يَحْفَظُ بِهٖ نَفْسَهٗ وَاَهْلَهٗ» [طبرانی کتاب الخراج]

''سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کسی نے مسلمانوں کے اجتماعی معاملہ کی ذمہ داری قبول کر لی پھر اس نے ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کی اور ان کے معاملات کی انجام دہی میں اپنے آپ کو اس طرح نہیں تھکایا جس طرح وہ اپنی ذات کے لیے اپنے آپ کو تھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو منہ کے بل جہنم میں گرادے گا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس طرح ہے کہ لوگوں کی حفاظت ایسے طریقہ سے نہ کی جس طرح اپنی اور اپنے اہل خانہ کی کرتا ہے۔''

شریعت بل:

کون نہیں جانتا کہ قیامِ پاکستان کا مقصد ہی شریعتِ حقہ کا نفاذ تھا تاکہ مسلمان تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلام کے پاکیزہ اصولوں کو جاری و ساری کر سکیں۔ حصولِ وطن کے لیے جس قدر جانی و مالی قربانیاں دی گئی تھیں وہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ مگر افسوس کہ حریص سیاست دان اپنے مفاد کی خاطر ملک کی قسمت سے کھیلتے رہے۔ شریعت کا نفاذ تو بڑی بات تھی یہاں تو اس قانون کا پاس و لحاظ بھی نہ رہا جو انگریز یہاں سے رخصت ہوتے وقت چھوڑ گیا تھا۔

گزشتہ ۵۸ برس میں یہاں پر کئی حکمران آئے اور گئے، ہر آنے والے نے عوام کو یہی دلاسا دیا کہ وہ خادم المسلمین ہے اور وہ اسلامی نظامِ عدل کو قائم کرے گا مگر معاملہ عملاً صفر رہا، اور حالات سدھرنے کی بجائے بگڑتے ہی چلے گئے اور اب ہماری حالت اس مثال پر منطبق ہوتی ہے کہ ''اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی۔''

شریعت بل کے متعلق کئی سالوں سے سنتے چلے آرہے ہیں۔ اخبارات و جرائد میں یہ لفظ اتنا مانوس ہو چکا ہے کہ ہر عالم و جاہل، شہری و دیہاتی کی زبان سے سنا جا سکتا ہے۔ اس بل کو آج سے

تقریباً ایک برس قبل ایوانِ بالا (سینٹ) نے اتفاق رائے سے پاس کر کے ایوانِ زیریں (قومی اسمبلی) کے سپرد کر دیا تھا تاکہ وہاں سے منظور ہونے کے بعد ملک میں نافذ کر دیا جائے۔ جس کی آج تک منظوری نہیں ہوسکی۔ کبھی اخبارات میں آجاتا ہے...... اسلامی نظریاتی کونسل غور و خوض میں مصروف ہے...... کبھی یہ خبر شائع ہوتی ہے کہ حکومت نے اپنا شریعت بل پیش کر دیا ہے اس سے اگلے دن یہ خبر آتی ہے کہ حکومتی شریعت بل اور پرائیویٹ شریعت بل کو یکجا کیا جا رہا ہے۔ کبھی شرعی قوانین کے بارے میں وزیراعظم خوش کن الفاظ میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر عوام سے خطاب کرتے ہیں کہ عنقریب شریعت کا نظام آجائے گا ہر شخص کو بلا قیمت عدل و انصاف مہیا کیا جائے گا۔ ہر شخص کی عزت و آبرو محفوظ ہو جائے گی، ہر شخص تعلیم، علاج، روٹی، کپڑا، مکان کی سہولت سے بہرہ ور ہوگا۔ قانون کو بالادستی حاصل ہوگی۔

میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو شریعت بل پاس یا فیل کرنے کا حق ہی کیا ہے؟ شریعت تو اللہ عزوجل کی ہے جو اس نے اپنے آخری رسول ﷺ کو نافذ کرنے کے لیے عطا فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے اسے من وعن جاری فرما دیا آپ نے اس کو پاس کرنے کے لیے کونسی پارلیمنٹ ترتیب دی تھی۔ کس مجلس شوریٰ کے سپرد کیا تھا؟ قرآن کا تو یہ واضح فیصلہ ہے کہ اگر تم اس شریعت کے مطابق اپنا نظامِ حیات نہیں چلاتے تو سن لو:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ [المائدة: ٤٤]

"اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔"

پھر اسی سورت کی آیت ۴۵ میں ان لوگوں کو ظالم اور آیت ۴۷ میں فاسق قرار دیا گیا ہے۔

اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو شدتِ جرم کی خبر دی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام کامیابی و کامرانی نہیں بلکہ تباہی و بربادی ہے۔

افسوس کہ شریعت سے بغاوت کی وجہ سے ہمارے اخلاقی و سماجی حالات روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں۔ ظلم و ستم اور قتل و غارت کی ایسی ایسی وحشت ناک خبریں آتی ہیں کہ جو دورِ جاہلیت کے جور و جفا کو بھی مات کر دیتی ہیں۔ ابھی چند دن پہلے میں نے اخبار میں پڑھا کہ ایک شخص نے گلی کوچہ کے چند اوباشوں کو غیروں کی بہو بیٹیوں کو تنگ کرنے سے منع کیا، بجائے اسکے کہ وہ اپنے کئے پر نادم و شرمسار ہوتے اس شخص کے مکان میں گھس کر اس کی نوجوان بیٹی کو گھسیٹ کر باہر لائے اور اسے شہید کر ڈالا۔ اس حال میں کہ وہ شریف زادی رمضان میں روزہ کے ساتھ قرآن کی تلاوت کر رہی تھی۔

میں صدر اور وزیراعظم سے پوچھتا ہوں؟ یہ کس کی بیٹی کو شہید کیا گیا ہے؟ کیا قوم کی بہو بیٹیوں کی عزت و ناموس ان کی اپنی بہو بیٹیوں جیسی نہیں ہے؟ اگر ان کی اپنی بہو بیٹی کے ساتھ ایسا ہوتا تو ان پر کیا گزرتی؟ اگر انھیں اس کا قلق نہیں ہوا اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے وہ بے قرار نہیں ہیں تو تُف ہے ان کی کرسی صدارت و وزارت پر اور افسوس ہے ان کی حکمرانی پر۔

ایسے واقعات تو آئے دن کا معمول بن چکے ہیں۔ ابھی کل پرسوں کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ننھے بچوں کو اغوا کرنے والا ایک گروہ پکڑا گیا جو ان کے جسم کے نازک حصوں پر جلتے ہوئے سگریٹوں سے تشدد کرتا تھا۔ نہ معلوم ایسے سفاک و مکار کتنے گروہ ملک میں والدین کے سینے چھلنی کر رہے ہیں یہ سلسلہ بچوں سے پھیل کر بڑوں تک پہنچ چکا ہے۔ اب کوئی شخص نہیں جانتا کہ شام کو وہ اپنے کام کاج سے گھر واپس بھی آ سکے گا یا نہیں۔ نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال۔ محلوں اور بستیوں میں غنڈے دندناتے پھرتے ہیں۔ ذرا بتلایئے کہ آخر آپ کی حکومت کس مرض کی دوا ہے؟ پھر یہ سود، رشوت، چور بازاری، گرانفروشی، فحاشی و بے حیائی ایسی لعنتیں ملک سے کب ختم ہوں گی؟ کب شریف آدمی کو عزت نصیب ہو گی؟ [الاعتصام:۱۰ مئی ۱۹۹۱ء]

دعاء و التجاء:

« رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ۝ »[یونس:۸۵]

''اے ہمارے ربّ! آپ ہمیں ظالم قوم کے لیے باعث آزمائش نہ بنایئے۔''

حکومت آخر کس مرض کی دوا ہے؟

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ : اَلَا تَسْتَعْمِلُنِیْ؟ قَالَ: فَضَرَبَ بِیَدِهٖ عَلٰی مَنْکِبِیْ ثُمَّ قَالَ: « یَا اَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِیْفٌ، وَاِنَّهَا اَمَانَةٌ، وَاِنَّهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ خِزْیٌ وَّنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَاَدَّی الَّذِیْ عَلَیْهِ فِیْهَا »

[صحیح مسلم =کتاب الامارة ،باب: کراهة الامارة، بغیر ضرورة ، رقم الحدیث: ۳٤۰٤]

''سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آیا مجھے کسی علاقہ کا امیر نہ بنادیں گے؟ ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (شفقت سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر تھپکی دی اور فرمایا: اے ابو ذر تو (اس بار) کو اٹھانے میں کمزور ہے یہ امارت امانت ہے اور

ان لوگوں کے سوا جو اسے حق سے لیں اور اس کی جملہ ذمہ داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہو جائیں، باقی تمام لوگوں کے لیے یہ روزِ قیامت حسرت و ندامت ہوگی۔"

کسی بھی ریاست میں حکومت بنانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کرے، ان کے درمیان عدل و انصاف قائم کرے، انھیں ضروریات زندگی فراہم کرے، ان کی تعلیم و تربیت کرے، انھیں روزگار مہیا کرے اور ان کے لیے علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کرے نیز انھیں ہر قسم کی اندرونی و بیرونی جارحیت سے بچائے اسلام میں تو یہ شعبہ سراپا خدمتِ خلق اور تعمیر ملک و ملت سے متعلق ہے۔ ہمارے اسلاف کی روشن تاریخ انھیں خوبیوں کی غمّاز ہے کہ جہاں مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کو بھی سکھ اور چین کا سانس لینا نصیب ہوا، ذرا ان واقعات پر غور کیجیے۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اترا۔ اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لیے امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے۔ دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ ماں کو تاکید کی کہ بچہ کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گزرے تو بچے کو روتا پایا۔ غیظ میں آ کر فرمایا کہ تو بڑی بے رحم ماں ہے، اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو رقت ہوئی اور کہا: کہ ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا، اسی دن منادی کرادی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیے جائیں۔ [الفاروق، شبلی نعمانی]

جس سال عرب میں قحط پڑا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عجیب حالت ہوئی، جب تک قحط رہا۔ گوشت، گھی، مچھلی غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی، نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ: "اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو میری شامتِ اعمال سے تباہ نہ کرنا، اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جو فکر و تردّد رہتا تھا اس سے قیاس کیا جاتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔ [الفاروق، شبلی نعمانی]

عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو میرے مکان پر آئے۔ میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھ کو بلا لیا ہوتا، فرمایا کہ ابھی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ شہر کے باہر ایک قافلہ اترا ہے، لوگ تھکے ماندے ہوں گے آؤ ہم تم چل کر پہرہ دیں، چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات

بھر پہرہ دیتے رہے۔[الفاروق، شبلی نعمانی]

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ پاس جا کر کہا کہ ''داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔'' اس نے کہا جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو رقت ہوئی۔ اس کے برابر بیٹھ گئے اور روکر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہوگا سر کون دھلاتا ہوگا، کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کردیا۔ اور اس کے لیے تمام ضروری چیزیں مہیا کردیں۔[الفاروق،شبلی]

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پیر کہن سال غیر مسلم کو بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا کہ بھیک کیوں مانگتے ہو؟ اس نے کہا کہ مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کو ساتھ گھر لائے اور کچھ نقدی دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کردیا جائے۔[الفاروق، شبلی نعمانی]

یہ واقعات بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ ہمارے اسلاف کے نزدیک حکومت، خدمت ہی کا دوسرا نام تھا اور وہ ''سید القوم خادمھم'' کا عملی نمونہ تھے۔ مقام غور ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسا شخص جن کی سلطنت دنیا میں دور دور تک پھیل چکی تھی اور جن کی عظمت و جلال سے سلاطین روم و فارس بھی لرزاں وترساں تھے خود ان کا اپنا حال یہ تھا کہ لباس پر کئی کئی پیوند لگے نظر آتے تھے اور معمولی شہری کی طرح گذر بسر ہوتی تھی۔ حکومت کے خزانے کا بڑی دیانتداری اور احتیاط سے استعمال ہوتا تھا۔ لوگوں کی فلاح و بہبود پیش نظر رہتی تھی۔ حکومت کے سربراہ اور دوسرے عہدہ داروں کو معمولی سی تنخواہ ملتی تھی کہ جس سے گھربار کا بمشکل گذارہ ہوتا تھا۔ حکمرانی کا مقصد حدود اللہ کو قائم کرنا اور اس کے بندوں کی خدمت تھا۔ اسی لیے دنیا و آخرت کی سرفرازیاں انھیں نصیب ہوئیں۔

آج کی مسلمان حکومتوں کو اپنے اسلاف سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ ہمارے سیاست دانوں کے پیش نظر محض سیم و زر اور شہرت و سطوت کا حصول رہ گیا ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ اٹھاون برس سے ہمارے ملک میں بھی کوئی مضبوط نظام قائم نہ ہو سکا۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والا ملک آج انتہائی بدنظمی اور انارکی کا شکار ہے۔ اسلامی قوانین کے اجراء کے لیے آنکھیں ترس گئی ہیں مگر معلوم نہیں وہ صبح سعید کب طلوع ہوگی کہ جس میں اسلامی عدل و انصاف کی روح پرور ہوائیں چلنا شروع ہوں گی۔ جب ہر شہری کو بلا تاخیر مفت انصاف ملے گا، جب سود کا خاتمہ ہوگا اور تجارت پر اسلامی رنگ غالب آئے گا جب سیاست کو خدمت کا مقام ملے گا جب بے حیائی کا خاتمہ ہوگا اور شرافت کی خوشبو پھیلے گی جب چادر اور چاردیواری کی حفاظت ہوگی۔

ہر حساس پاکستانی کا دل روزانہ اخبارات کی سرخیاں دیکھتے ہی چھلنی ہو جاتا ہے۔ ڈاکے ہیں، قتل و غارت ہے، عصمتیں لٹ رہی ہیں، عزتیں برباد ہو رہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امن وامان کی کوئی چیز اس ملک میں نہیں ہے۔ معاف کیجیے اگر آپ دَورِ غلامی سے آج کے حالات کا موازنہ کریں تو آپ اس کو کہیں بہتر پائیں گے، کیا دَورِ غلامی میں اتنے ڈاکے پڑتے تھے اور کیا اتنی عزتیں لٹتی تھیں؟ آزادی کا مفہوم یہی ہم نے سمجھا ہے کہ شتر بے مہار کی طرح جیسے اور جس طرح چاہیں کریں، اس وقت میرے سامنے ۱۷ فروری ۱۹۹۲ء کا روز نامہ نوائے وقت ہے اس کے صفحہ اوّل کی چند سرخیاں پیش خدمت ہیں۔

’ دو درندہ صفت افراد چار گھنٹے تک محنت کش لڑکی کی عصمت سے کھیلتے رہے، کپڑے پھاڑ ڈالے، جسم کے مختلف حصوں کو چبا کر لہولہان کر دیا، خدا کے واسطے دیے لیکن کچھ اثر نہ ہوا بے ہوش ہوگئی تو ہوش میں لانے کے لیے گھسیٹتے ہوئے صحن میں لے آئے۔ دوبارہ بے ہوشی پر کمرے میں بند کرکے فرار ہو گئے۔‘‘...... ’’بیالیس ارب کے گھپلے......سرکاری دستاویزات میں ریکارڈ موجود نہیں۔‘‘......علماء کے اصرار پر سود تو ختم ہو جائے گا لیکن ملکی معیشت بھی تباہ ہو جائے گی (اقتصادی امور کے وزیر مملکت سردار آصف احمد علی کا بیان)......’’منظّم طریقے سے کھلے عام دھاندلی ہوئی۔ بلدیاتی انتخابات سرکاری اہل کاروں نے لڑے۔‘‘ (مصطفیٰ جتوئی)......’’تاجروں کی ہڑتال اور احتجاجی مظاہرہ، مشتعل ہجوم نے اسمبلی پر ہلہ بول دیا۔‘‘

یہ چند سرخیاں ہیں، پورا اخبار رنج و اَلَم کی داستان ہے اور یہ روزانہ کا معمول ہے اور روز بروز جرائم میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ شکوہ اور شکایت کس سے کریں؟ کیا علمائے کرام کے لیے وقت نہیں آیا کہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور سسکتی انسانیت کو ظالموں کے پنجوں سے نجات دلائیں؟ حکومت آخر کس مرض کی دوا ہے؟ کیا اس کی ذمہ داری لوگوں سے نت نئے ٹیکس وصول کرنا، بڑی بڑی تنخواہیں وصول کرنا، بنگلوں میں رہنا، اور سرکاری خزانے سے سیر سپاٹے کرنا اور دعوتیں اڑانا ہی رہ گیا ہے؟ کیا شرفاء کی عزتیں لٹتی رہیں گی، کیا عزتیں یونہی پامال ہوتی رہیں گی۔؟ [الاعتصام، ۶ مارچ ۱۹۹۲ء]

دعاء و التجاء:

﴿ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾

’’ اے رب ہمارے! ہمیں دنیا میں اور آخرت میں بھلائی سے نوازیئے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچایئے۔‘‘

نظامِ حکومت بگڑتے دیکھ کر خاموش رہنا

عَنِ ابنِ مَسعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ سَلَّمَ :« مَا مِنُ نَّبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِیُ اُمَّتِہٖ مِنُ قَبلِیُ اِلَّا کَانَ لَہُ فِیُ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوُنَ وَاَصحَابٌ یَّأُخُذُوُنَ بِسُنَّتِہٖ وَیَقتَدُوُنَ بِاَمرِہٖ ثُمَّ اَنَّھَا تَخلُفُ مِنُ بَعدِھِم خُلُوفٌ یَقُولُوُنَ مَالَا یَفعَلُوُنَ، وَیَفعَلُوُنَ مَالَا یُؤُمَرُوُنَ فَمَنُ جَاھَدَھُم بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤمِنٌ وَمَنُ جَاھَدَھُم بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤُمِنٌ وَمَنُ جَاھَدَھُم بِقَلُبِہٖ فَھُوَمُؤُمِنٌ وَلَیسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الُاِیمَانِ حَبَّۃُ خَرُدَلٍ » [مشکوۃ۔باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ]

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے پہلے اللہ نے جتنے نبی بھیجے ان کی امت میں سے ان کے حواری (ساتھی) اور اصحاب ہوتے تھے جو ان کی سنت پر عمل کرتے اور ان کے حکم کی پیروی کرتے پھر ان اصحاب کے بعد نالائق جانشین پیدا ہوئے وہ ایسی باتیں کرتے کہ جن پر خود عمل نہ کرتے اور وہ کام کرتے جن کے کرنے کا حکم نہ تھا۔ سو جو شخص ایسے لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہے۔اور جو اپنی زبان سے جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے اور جو ان سے اپنے دل سے جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے علاوہ (خاموش رہنے والوں کا) رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی نہیں رہتا۔''

تبلیغی جماعت میں داعیانہ جذبہ سے سرشار کئی دوستوں سے میل ملاقات ہے ان کی گفتگو سننے کے مواقع بھی میسر آتے ہیں ان کی دعوت سب کے لئے یہی ہوتی ہے کہ'' دین سیکھنے کے لئے اللہ کی راہ میں نکلئے۔'' ان کی دعوت بڑی اچھی ہے اوران کے جذبات بڑے نیک ہیں اس سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہوسکتا ہے۔

دعوت کے اس نیک کام کا آغاز قیام پاکستان کے کافی سال پہلے مولانا محمد الیاس دہلوی رحمہ اللہ نے میواتی لوگوں سے کیا تھا، جو نام کے مسلمان کہلاتے تھے مگر جن کی بود وباش، رہن سہن رسم ورواج اور طور طریقے سب ہندوانہ تھے مولانا کو ان کی حالت زار پر دکھ اور صدمہ ہوا۔اوران کی اصلاح وفلاح کی فکر میں لگ گئے چونکہ مولانا کی نیت میں خلوص اور للّٰہیت تھی اس لیے ان کی کوششوں کو اللہ نے قبول فرمایا، اور میواتی لوگ کشاں کشاں اسلامی تعلیمات کے پابند ہونے لگے۔چونکہ وہ لوگ زندگی کے کاروبار میں

بڑے الجھے ہوئے تھے اس لئے مولانا موصوف نے سوچا کہ یہ گھربار اور بیوی بچوں سے چند دن الگ رہ کر ہی دین کو سمجھنے کے اہل اور عمل کی شاہراہ پر گامزن ہوسکیں گے اور جب یہ خود بھی دعوت وتبلیغ کا کام کریں گے تو ان میں جوش و ولولہ پیدا ہوگا،اس طرح علاقہ میوات سے جماعتیں باہرنکلنا شروع ہوئیں۔اور آہستہ آہستہ یہ دعوت پاک وہند کے طول وعرض میں پھیلنے لگی اور تقسیمِ ملک کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں اس میں اچھی خاصی خیروبرکت ہوئی اوراس میں مختلف پیشوں اور طبقوں کے لوگوں نے دلچسپی لی،مزدوروں اور کسانوں کے علاوہ ڈاکٹرز،انجینئرز،طلباء،اور اساتذہ ، یہاں تک کہ حکومت کی کلیدی آسامیوں پر کام کرنے والے لوگ بھی اس میں شامل ہوکر جماعتوں کے ساتھ نکلے اور ان کی انفرادی زندگیوں میں کافی تبدیلی آئی ہے یہ بھائی پاک وہند سے باہر بھی کئی عرب اور یورپی ممالک میں پہنچے اور ان کی دعوت پر کئی لوگ ادھر ادھر نکلے۔میں نے کئی عرب بھائیوں کو دعوت وتبلیغ کے اس کام میں لگے ہوئے دیکھاہے۔اور ان سے بات چیت بھی ہوئی ہے ان کا انداز بھی وہی ہے جو ہر تبلیغی بھائی کا ہوتا ہے۔

اخرج فی سبیل اللہ، یعنی اللہ کی راہ میں نکلئے "خرجت لمدة اربعة اشهر"یعنی میں چارماہ کے لئے نکلا ہوں وغیرہ۔ انہی کے آباؤ اجداد تھے،جنہوں نے دنیامیں عدل وانصاف سے حکمرانی قائم کی تھی۔

پاکستان میں رائے ونڈ تبلیغی جماعت کا بڑامرکز ہے جہاں سالانہ اجتماع ہوتاہے اوراس میں شرکاء کی تعداد ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تک ہوتی ہے جو اپنے خرچ پر اپنا بستر اٹھائے سینکڑوں اور ہزاروں میل سفر کرکے وہاں پہنچتے ہیں۔بلاشبہ ان لوگوں کی انفرادی زندگیوں میں زبردست انقلاب رونماہواہے وہ صوم وصلوۃ کے پابند ہوجاتے ہیں ظاہری وضع قطع میں بھی مسلمان کی شان ٹپکتی ہے۔مگر اسلام تو ہم سے بہت کچھ طلب کرتاہے۔وہ کہتاہے کہ تمہاری انفرادی اوراجتماعی زندگی،تمہاری سیاست اورمعیشت،تمہاری ریاست اورحکومت سب کے سب اسلام کے ماتحت ہوجائیں۔میں جب بھی تبلیغی دوستوں کے سامنے حکومت اور سیاست کی بات کرتاہوں تو وہ اس سے پہلوتہی کرجاتے ہیں گویاکہ وہ شجرممنوعہ ہے کہ اس کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ان کا کہناہے کہ جب لوگ اللہ کی راہ میں نکلیں گے تو سب ٹھیک ہوجائے گا بات دراصل یہ ہے کہ جس رفتارسے ان کی کوششیں جاری ہیں اس سے کہیں تیز رفتاری کے ساتھ برائی کاسیلاب بڑھ رہاہے یہ لوگ اتنی بڑی نفری کے باوجود کوئی انقلاب نہیں لاسکے۔

خود پاکستان بنے ہوئے نصف صدی بیت چکی ہے یہاں معاشرتی زندگی زبردست اخلاقی انحطاط کا شکارہے۔قتل وغارت، چوری ڈکیتی،لوٹ کھسوٹ ماردھاڑ کا بازار ہرطرف گرم ہے۔کسی کی عزت وآبرو سلامت نہیں ہے معصوم بچے اغواہورہے ہیں عورتوں کی عصمتیں لٹ رہی ہیں،دن

دہاڑے ڈاکو شرفاء کو رائفل کی نوک پر لوٹ رہے ہیں کوئی مزاحمت کرے تو جان بھی جاتی ہے۔اور مال بھی کیا ان حالات کو دیکھ کر ہمارے اندر کوئی اضطراب اور بے چینی پیدا نہیں ہوتی ؟ کیا اس ظالمانہ نظام کو یوں ہی دیکھتے چلے جائیں گے اور اسے بدلنے کے لئے کوئی کوشش اور حرکت، جانی ومالی جہاد نہیں کریں گے ؟ کیا صرف نماز،روزے کی ادائیگی سے اللہ کے ہاں کامیاب ہوجائیں گے؟

میرے نزدیک اصلاح ماحول کے لئے اسوۂ نبوی پر نگاہ ضروری ہے اوراس امت کی اصلاح کے لئے وہی طریق کار اختیار کرنا ہوگا جو ہمارے اسلاف نے کیا تھا،قرآن وسنتِ رسول اللہ ﷺ میں اس راہ میں ہمارے لیے کافی اور شافی روشنی اور ہدایت ہے،اصلاح کا کام گھر سے شروع ہوتا ہے،اس لیے کہ گھر ہی سے معاشرتی زندگی کی بنیاد پڑتی ہے ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ [الشعرآء :۲۱۴]

’’اور رشتے میں جو قریب تر ہیں انہیں ڈرائیے‘‘

رسول اللہ ﷺ نے دعوت وتبلیغ کا آغاز اہل خانہ سے شروع کیا آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے افراد میں خواتین میں سے آپکی زوجہ محترمہ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔بچوں میں سے آپ کے چچازاد بھائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے جو آپ ہی کے زیرِ کفالت تھے،غلاموں میں سے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے جو آپ ہی کی خدمت پر مامور تھے اور دوستوں میں سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

اہل خانہ میں دعوت وتبلیغ کے بعد شہر اور بستی کے لوگ آتے ہیں اور پھر نسل انسانیت آتی ہے جن تک پیغام حق پہنچانا امت مسلمہ کا فریضہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ [آل عمران :-۱۱۰]

’’تم ان سب امتوں میں سے بہترین امت ہو جسے نسل انسانیت کے لیے بھیجا گیا تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

اس آیت مبارکہ میں امت مسلمہ کی ذمہ داریاں بتائی گئی ہیں یعنی نسل انسانی کو ہر خیر اور بھلائی کی طرف بلانا اورانہیں ہر شر اور برائی سے روکنا،اگر وہ انہیں توحید کی دعوت دیں گے تو شرک سے روکیں گے۔اگر سچائی کی طرف بلائیں گے تو جھوٹ بولنے سے منع بھی کریں گے۔

اس آیہ مبارکہ میں تو دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریاں بتلائی ہیں اور اس آیت پر غور کیجئے :

﴿ اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡهِ ﴾ [الشوریٰ : ١٣]

''اورمل کر دین (نظام حیات) کو قائم کرو اور اس میں اختلاف نہ ڈالو۔''

اللہ کے دین کو قائم کرنے میں ہر دکھ اور تکلیف کو برداشت کرنا، صبر وثبات سے کام لینا اور ظالموں، منافقوں، باغیوں، کفار ومشرکین سے جان ومال سے جہاد کرنا ضروری ہوجاتا ہے تاکہ اللہ کی زمین پر فتنہ وفساد ختم ہوجائے۔ اور لوگ امن وسکون کی زندگی گزار سکیں۔

﴿ وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ ﴾ [البقرة : ١٩٣]

''اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہیئے کہ فتنہ وفساد نابود ہوجائے اور (اس دھرتی میں) اللہ کا دین غالب ہوجائے۔''

اور کبھی ایسے کافروں اور منافقوں سے لڑنا پڑے گا جو اسلامی ریاست کے خلاف ریشہ دوانیاں میں مصروف ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ ﴾ [التوبة:٧٣]

''اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔''

کیا پاکستان میں منافقین کا ایسا ٹولہ موجود نہیں ہے جو آج تک اسلامی قانون کے نفاذ میں آڑے آرہا ہے۔ اور کیا دیندار لوگوں کا فریضہ نہیں بنتا کہ ایسے منافقین کو راستے سے ہٹا کر اللہ کے دین کو اس ملک میں قائم کریں۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ میں بسنے والے منافقین سے جہاد کیا تھا اس لئے کہ وہ فتنہ وفساد پھیلاتے تھے۔

اگر مظلوموں کی دادرسی نہ کی جائے اور انہیں ظالموں کے چنگل سے نجات نہ دلائی جائے تو یہ زندگی بے معنی ہوکر رہ جاتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَمَا لَكُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا ۚ وَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۚۙ وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا ۞ ﴾ [النسآء:٧٥]

''اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے ان ضعیف اور کمزور مردوں اور عورتوں اور

بچوں کے لئے جو (بے بسی اور بے کسی کے عالم میں) دعا کر رہے ہیں کہ ہمارے ربّ ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور مددگار مہیا فرما۔''

اسلامی ریاست ہونے کے ناطے سے ہمیں تو فلسطین، کشمیر، بوسینیا، چیچنیا، اور دیگر مظلومین کی مدد کو پہنچنا چاہیے تھا چہ جائیکہ اپنے ہی وطن میں دنگہ وفساد پھیلا رہے ہیں۔

آج کی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان جہاں نیکی اور سچائی کی نشر واشاعت کرتا ہے وہاں برائیوں کے خلاف چومکھی جنگ لڑتا ہے کبھی اپنے نفس سے جنگ، برداری اور قبیلے کے غلط رسم ورواج سے جنگ، ظالم سیاستدانوں اور حکمرانوں سے جنگ، مشرکین اور کفار سے جنگ اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے ہر مساعی اور کوشش بروئے کار لاتا ہے۔ ہماری زندگی کی ترتیب کچھ اس طرح ہو گی۔

① حصولِ علم اور عمل کی شاہراہ پر گامزن ہونا۔
② دعوت وتبلیغ
③ نظم وضبط کی پابندی (مسلمان منظّم ہوکر کام کریں)
④ اسلام کا عادلانہ نظام قائم کرنا
⑤ اس راہ میں ہر رکاوٹ کو دور کرنا اور ہر باغی وسرکش قوت سے ٹکرا کر جسم وجان اور مال ومتاع سے جہاد کرنا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح فہم اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ »

''اے اللہ رشد وہدایت میرے سینے میں ڈال دیجیے اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ رکھئیے''

فلاحی ریاست کا تصور

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُوْلُ: « فِیْ بَيْتِیْ هٰذَا: اَللّٰهُمَّ مَنْ وُّلِیَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِیْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَّلِیَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِیْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهِ » [رواہ مسلم]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس گھر میں یہ دعا فرماتے ہوئے سنا اے اللہ! جس شخص کو میری امت پر حکومت کا کوئی عہدہ سونپا جائے اور وہ لوگوں

کے ساتھ سختی سے پیش آئے تو بھی اس پر سختی فرما اور اگر اس کا رویہ نرمی اور مہربانی کا موثر ہو تو پھر تو اس پر نرم مہربان ہو جا۔"

فلاحی ریاست کا تصور اسلام نے کچھ اس طرح دیا ہے:

1. ایسی ریاست جس کی بنیاد عدل وانصاف پر ہو۔عدل سب کے ساتھ، اپنا ہو یا غیر، امیر ہو یا غریب، مسلم ہو یا غیر مسلم۔
2. قانون کی بالادستی قائم رہے امیر، غریب، حاکم، محکوم سب پر قانون جاری ہو سکے۔
3. ہر شہری کی خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، جان ومال عزت وآبرو محفوظ ہو۔
4. ہر شہری کو بنیادی ضروریات زندگی فراہم کی جائیں، روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، اور طبی سہولیتں جو کام کرنے کے اہل ہوں انہیں باعزت روزگار مہیا کیا جائے اور جو معذور ہوں ان کی سر پرستی حکومت کرے۔
5. عوام کی دنیوی اور اخروی دونوں قسم کی فلاح کی طرف توجہ دی جائے۔

آیئے: ذرا تاریخ کے آئینہ میں ایسی ریاست پر نگاہ ڈالیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عدل وانصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جس میں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی، غور کیجئے کہ ان کے بیٹے ابو شمسہ نے شراب پی تو امیر المؤمنین نے خود اپنے ہاتھ سے ۸۰ کوڑے مارے اس کے علاوہ قدامۃ بن مظعون رضی اللہ عنہ جو ان کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ اس کو ۸۰ درے لگوائے۔[الفاروق۔شبلی نعمانی]

یہ تو حدود اللہ کو قائم کرنے میں سختی کا حال تھا اور خلق میں جو نرم رویہ اختیار کیا اس کا حال بھی سن لیجئے۔

"اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر وفاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔عام حکم تھا اور اس کی ہمیشہ تعلیم ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج، ازکار رفتہ، مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کی جائیں لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے تنخواہ خوراک ملتی تھی۔غرباء اور مساکین کے لئے بلاتخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کردیئے جائیں۔"[الفاروق۔شبلی نعمانی]

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اترا اس کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے عمر رضی اللہ عنہ خود تشریف لے گئے آپ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی ادھر متوجہ ہوئے۔دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذرے تو بچے کو روتا پایا، غیظ میں آ کر فرمایا کہ تو بڑی بے رحم ماں ہے، اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں، خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے کہ بچے

جب تک دودھ نہ چھوڑ دیں بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے میں اسی غرض سے اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں، اور یہ اس وجہ سے روتا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمر تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا، اسی دن منادی کرادی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔[الفاروق۔شبلی نعمانی]

عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو میرے مکان پر آئے میں نے کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی ہے مجھ کو بلایا ہوتا، فرمایا کہ ابھی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اترا ہے لوگ تھکے ماندے ہوں گے آؤ ہم تم چل کر پہرہ دیں چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔[الفاروق۔شبلی نعمانی]

یہ چند مثالیں اسلامی فلاحی ریاست کی پیش کی گئی ہیں آپ کسی بھی شعبۂ زندگی کو دیکھیں وہاں انصاف اور صداقت، خدمت اورمروت ہی کو پائیں گے اگر خلیفہ وقت سیدھی راہ سے تھوڑا سا بھی ہٹا تو عوام میں سے ایک ادنی فرد کو بھی یہ حق ہے کہ اسے برملا بھری محفل میں ٹوک دے اور خلیفہ کو اپنی غلطی معلوم ہونے پر ندامت سے اقرار کرتے ہوئے اصلاح کرنی پڑتی۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک سلطنت وحکومت، ولایت وریاست کا رائج الوقت تخیل قطعی نہیں ہے، اسلام کے نزدیک سلطنت کا حقیقی مالک اور حقیقی بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ﴾ [المؤمنون: ١١٦]

”تو بلند وبرتر ہے اللہ سچا بادشاہ“

اللہ کی اس زمین پر اس کے بندوں پر اگر کہیں کسی کو کچھ اختیار دیا گیا ہے تو اس کی حیثیت محض اتنی ہی ہے کہ وہ احکام الٰہی کو وہاں جاری وساری کردے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ ملک کا حقیقی مالک تو بس وہی ہے۔

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ﴾ [آل عمران: ٢٦]

”کہو کہ اے اللہ، ملک کے مالک، تو جس کو چاہے (عارضی) بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے“

آج دنیا کے انسان بالعموم اور مسلمان بالخصوص اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں کہ اقتدار خدمت اور مروت کا نام ہے مسلمانوں کے پاس تو نورِ ہدایت موجود ہے اور پھر بھی وہ بھٹک رہے ہیں اللہ کا قانون یہ ہے:

﴿ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾[الحشر:١٩]

''انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔''

یہی وجہ ہے کہ آج کتنے اسلامی ملکوں میں لوگ ہوس اقتدار کی خاطر ہر حربہ استعمال کرتے ہیں اور اس کے حصول کے لئے ہر کوشش اور ہر جتن کر ڈالتے ہیں اور اقتدار ملتے ہی تمام اخلاقی ضابطوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں،خلوص ہی نہ رہا تو خدمت خلق کا جذبہ کیسے پیدا ہو؟ اور جب یہ جذبہ ہی جاتا رہے تو فلاحی ریاست کیسے بن سکتی ہے؟ پاکستان میں آج تک صالح نظام قائم نہ ہوسکا جس کی وجہ سے یہاں پر شریف انسان اضطراب اور پریشانی کی کیفیت سے دوچار ہیں،کیا ہم اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو یونہی نظرانداز کئے رکھیں گے؟

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَآءَ ةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ »

''اے اللہ! ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں آپ کی نعمت کے چھن جانے سے اور آپ کی عافیت کے پھرنے سے اور آپ کے ناگہانی عذاب سے اور آپ کے ہر طرح کے غصے سے''

موجودہ جمہوریت اور اسلام

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « اِنَّ اللّٰهَ سَائِلُ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ حَفِظَ أَمْ ضَيَّعَ »

[رواه ابن حبان فی صحیحه ـ ترغیب وترهیب کتاب القضاة]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر نگہبان سے (گھر کی نگہبانی ہو یا رعایا کی) پوچھے گا کہ اس نے احکام الٰہی کے مطابق ان کی نگرانی کی یا غافل اور لاپروا رہا۔''

دورِ حاضر میں جمہوری نظام حکومت کی تعریف یہ کی گئی ہے :''لوگوں کی حکومت،لوگوں کے ذریعہ،لوگوں کے لئے،مگر اسلام کا نظریہ حکومت یہ ہے کہ اللہ کی حکومت،اللہ کے نیک بندوں کے ذریعہ اللہ کے بندوں پر''

ان دونوں نظریات میں بہت فرق ہے پہلا نظریۂ حکومت یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت رائے سے

(خواہ عوام باشعور اورذمہ دار ہوں یا بے شعور اور غیر ذمہ دار) جیسے بھی اپنے نمائندے چن لیں وہ مسند حکومت پر قابض ہوجاتے ہیں اگر حسنِ اتفاق سے کوئی ایسا ملک ہے کہ وہاں کے باشندے پڑھے لکھے اور سمجھ دار ہیں تو لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتے ہیں اور اگر کسی ملک کے عوام عقل وشعور سے خالی اور علم ودانش سے فارغ ہوں تو ان کا ذوقِ انتخاب علم ونیکی کی بنیاد پر نہیں بلکہ لالچ اور مفاد کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ پھر ایسے لوگ زمام حکومت سنبھالتے ہیں جو کہ دھوکہ اور فریب سے مکاری اور عیاری سے اپنا مفاد حاصل کر لیتے اور قومی خزانے کو بے دریغ استعمال میں لاتے ہیں۔ اپنی پارٹی کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں ملک کی تعمیر وترقی سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اگر قوم کے اہل فکر ونظر ان پر تنقید کریں تو یہ انہیں جانی ومالی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں کہنے کو تو یہ لوگ جمہوریت کے علمبردار ہوتے ہیں اور اخباری بیانات میں بھی اپنے آپ کو قوم کے خیرخواہ اور خادم کہتے ہیں مگر حقیقت میں انتہائی ظالم وسفاک ہوتے ہیں شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام ؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

اس کے برعکس اسلامی طرزِ حکومت سراپا خیر ہی خیر ہے جس میں دنیا وآخرت دونوں کی صلاح وفلاح ہے اس حکومت کی بنیاد انسانوں کا بنایا ہوا نظام نہیں بلکہ ربّ کائنات کا بنایا ہوا نظام ہے۔ اس نظام کا بنانے والا علیم وخبیر بھی ہے اس نے انسان کو اشرف المخلوق بنایا تو اسے بہترین نظام زندگی بھی عطا کیا اس نظام پر چل کر انسان دنیا اور آخرت کی کامیابیاں حاصل کرتا ہے۔

اسلام یہ کہتا ہے کہ اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کا حکم چلنا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ ﴾ [النساء:١٠٥]

”بے شک ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ اتارا تاکہ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کریں“

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ [یوسف:٤٠]

”حاکمیت صرف اللہ کے لیے سزاوار ہے اور اس نے یہ حکم دیا ہے کہ احکام صرف اسی کے مانے جائیں۔“

اسلام میں موجودہ جمہوریت کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جس میں بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں

جاتا۔وہ یہ کہتا ہے کہ اگر بات ٹھیک اور درست ہے،عدل وانصاف پر مبنی ہے تو ایک سچا مرد مؤمن بھی پوری جماعت بلکہ پوری قوم کے مقابلہ میں واجب الاحترام اور حق پر ہے،قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مثال بیان کی ہے کہ اس موحد ومسلمان کا عقیدہ پوری قوم کے مقابلہ میں پاکیزہ اور صاف تھا۔اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو قدر ومنزلت ایسی ملی کہ ایک شخص کو مطیع وفرمانبردار امت کا لقب عطا ہوا۔

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا﴾ [النحل: ۱۲۰]

''بے شک ابراہیم (اپنی شخصیت میں)ایک پوری امت تھے مطیع وفرمانبردار دیکھو اللہ کے آگے جھکنے والے تھے۔''

اور موجودہ جمہوریت بقول شاعر یہ ہے:

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہور کی آواز خواہ سچ ہو یا جھوٹ ، قبول کرلو انصاف اور سچائی کو نظر انداز کردو۔ یہ سراسر لغو اور بے ہودہ فکر ہے۔ ایسی جمہوریت نے نہ معلوم سراب کی مانند دنیا میں بسنے والے کتنے لوگوں کو دھوکہ اور فریب دیا ہے ان کے حقوق سلب کئے ہیں ان پر ظلم وستم ڈھائے ہیں اور انہیں عدل وانصاف سے محروم رکھا ہے۔

پاکستان پر بھی گذشتہ ۵۸ سالوں سے کچھ اسی قسم کی جمہوریت مسلّط ہے جمہوریت کے نام پر کتنی حکوتیں وجود میں آئیں اور ختم ہوئیں اور کس طرح انہوں نے عوام کے حقوق تلف کئے اور کس طرح قومی خزانے کو لوٹا، الیکشن میں موجود طریقِ کار ہی غلط ہے کتنے جاگیردار اور سرمایہ دار الیکشن میں تجارت سمجھ کر حصہ لیتے ہیں اگر وہ دولاکھ لگادیتے ہیں تو چالیس لاکھ کماتے ہیں۔ یہ سرمایہ کاری بڑی نفع بخش ثابت ہوتی ہے پھر ادھر ادھر کے سیر سپاٹے اور شان وشوکت الگ ہے۔قوم کی خدمات کا کسے خیال ہوگا ؟ یہ تو سب پیٹ کے دھندے ہیں وقت بہت سا ضائع ہوچکا ہے علمائے کرام سے بصد ادب گزارش ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے مل بیٹھیں اور اسلامی اصولوں کے مطابق الیکشن کا اور قوم کی رہبری کا کوئی جامع لائحہ عمل تیار کریں مظلوم اور پسے ہوئے انسان اس صبحِ سعید کا بے چینی سے انتظار کررہے ہیں جب انہیں اسلام کا عادلانہ نظام میسر آئے گا۔

دعاء والتجاء:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ»

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ پکڑتا ہوں مخالفت،نفاق اور برے اخلاق سے''

موجودہ الیکشن اور بے جا اسراف

وَعَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :« اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ ، فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ »

[بخاری،مشکوٰۃ باب رزق الولاۃ وھدایاھم]

''خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق بعض لوگ اللہ کے مال میں سے بے جا تصرف (اسے ضائع وبرباد) کرتے ہیں، ان کے لیے یومِ قیامت آتشِ جہنم ہے۔''

يَتَخَوَّضُوْنَ اَیْ يَتَصَرَّفُوْنَ خرچ کرتے ہیں۔[نضرۃ النور۔مصطفی محمد عمارہ]

اللہ تعالیٰ کے ان گنت انعامات میں سے مال بھی بہت بڑا انعام ہے۔یہ انسان کی گذر بسر کے لیے سہارا اور اس کی زیست کا سامان ہے۔زندگی کی چھوٹی موٹی ضروریات مال ہی سے پوری ہوتی ہیں۔کھانے پینے کی ضروریات ہوں یا لباس ومکان کے اخراجات، حصولِ علم وہنر کا معاملہ ہو یا سیر وسفر کا مسئلہ یہاں تک کہ دفاعی اور جنگی مواقع میں بھی اس کی سخت ضرورت پیش آتی ہے۔غزوہ تبوک کے موقع پر چند مخلص مسلمان ایسے بھی تھے جو شرفِ شہادت سے سرشار نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے مگر مال واسباب کی کمی کے باعث شاملِ جہاد نہ ہوسکے اور وہ اپنے گھروں کو اس حال میں لوٹے کہ آنکھیں اشکبار تھیں۔قرآن اس کا ذکر کرتا ہے۔

﴿وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴾[التوبۃ:۹۲]

''اور نہ ان (بے سرو سامان) لوگوں پر (الزام ہے کہ تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔)''

اسلام یہ کہتا ہے کہ تمہاری جان اور تمہارا مال اپنا نہیں بلکہ عطیہ الٰہی ہے اور تم ان پر محض امین ہو۔لہٰذا ان کے استعمال میں اپنے مولا ومالک کی رضا تلاش کرو۔غور کیجئے کہ زندگی کی بقا کے لیے کھانا پینا کتنا ضروری ہوتا ہے لیکن فضول خرچی سے یہاں سے بھی روک دیا گیا ہے۔

﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ [الاعراف:۳۱]

''کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

اسراف کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جائز حدود سے آگے بڑھ جائے مثلاً دسترخوان کو محض زبان کے چٹخارے کے لیے دس سالنوں سے آراستہ کیا گیا ہے جب کہ ایک یا دو قسم سے ہی گذارا ہو سکتا تھا اور زائد تو کسی غریب اور مسکین کا حصہ تھے۔ان میں کچھ تو استعمال میں آئے اور کچھ تو یوں ہی ضائع ہو گئے جس کا حساب کتاب روزِ قیامت دینا پڑے گا۔اسلام حفاظتِ مال کی اس قدر تاکید کرتا ہے کہ ان یتامیٰ کا مال بھی محفوظ کر لیا جائے،جن کے والدین سنِ رشد کو پہنچنے سے پہلے وفات پا جائیں اور انہیں وہ اس وقت سونپا جائے جب وہ عقل و شعور کی عمر کو پہنچ جائیں۔

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ﴾ [النساء:۵]

''اور بے عقلوں کو ان کا مال جسے اللہ نے تم لوگوں کے لیے سببِ معیشت بنایا ہے مت دو(ہاں)اس میں سے انہیں کھلاتے اور پہناتے رہو۔''

یہ آیت بتلا رہی ہے کہ ملک اور وطن میں بسنے والے کسی بھی گھرانے کا مال اگر ضائع ہوتا ہے تو اس کے اثرات مجموعی طور پر قومی معیشت پر پڑتے ہیں جس کا نقصان سب کو اٹھانا پڑتا ہے۔

اسرافِ دولت اتنی بُری عادت ہے کہ ایسا کرنے والوں کو شیاطین کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔چونکہ شیاطین کا مقصد بھی محض نمود و نمائش اور کھیل تماشہ ہوتا ہے اس لیے فضول خرچ بھی ان کے مشن کی تکمیل کرتے ہیں۔ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴾ [بنی اسرائیل:۲۷]

''بے جا مال اڑانے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔''

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''بعض علماء کا قول ہے کہ اس آیت کا مفہوم اہل عرب کی عادت کے موافق ہے کیونکہ وہ لوگ لوٹ مار سے مال جمع کرتے تھے پھر اس کو فخر و غرور کے ساتھ صرف کرتے تھے۔''

[بحوالہ سیرت النبی ج:۶]

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''آج بھی جو لوگ شادی بیاہ اور خوشی وغم کی تقریبوں میں اس قسم کی فضول خرچیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔وہ قرآن کی اصطلاح میں شیطان کے بھائی کہلائیں گے'' [سیرت النبی ﷺ ج:٦]

ہم نے آج سے کوئی ۵۸ برس قبل بے شمار جانی ومالی قربانیوں کے بعد آزادی حاصل کی تھی تاکہ آزاد فضا اور ہوا میں اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گذار سکیں،مگر افسوس کہ خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے چل کر اسلامی ضابطوں اور اصولوں کو یکسر فراموش کر دیا گیا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ جسم تو آزا دہوئے ہیں مگر ذہن وفکر اغیار کے غلام ہیں ہم مغربی تہذیب وثقافت کو ابھی تک اپنے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔کیا ہماری سیاست اور کیا ہماری معیشت تمام شعبہ ہائے زندگی سراسر غیر اسلامی ہیں۔الیکشن کے طریقِ کار پر نظر ڈالئے۔اس میں غربت وشرافت،لیاقت وذہانت کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔وہی شخص سیاست کے بکھیڑوں میں حصہ لے سکتا ہے جس کے پاس مال ودولت کے انبار ہیں۔اس کو شرافت ونجابت سے کوئی غرض نہیں۔پھر اس میں حصہ لینے والے اپنی تشہیر کئی طرح سے کرتے ہیں۔کئی رنگ میں قد آور پوسٹر اور سائن بورڈ دیواروں پر اشتہار، میگزین اور اخبارات میں اشتہارات، جلسے اور جلوس،ان پر لاکھوں نہیں اربوں روپے اور قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت کو یوں ہی برباد کر دیا جاتا ہے۔یہ دولت دراصل ان غریبوں اور مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کا حق ہے جن کے پاس پیٹ بھرنے کے روٹی نہیں اور سر چھپانے کے لیے مناسب جگہ نہیں ہے اور یہ دولت ان مجاہدین اور سرفروشوں کا حق ہے جو دشمن سے چھٹکارا پانے کے لیے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں جیسا کہ فلسطین اور کشمیر کے مجاہدین ہیں کاش کہ ہم حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں ہونا یوں چاہیے کہ حکومت سیاست میں حصہ لینے والوں کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں مواقع فراہم کرے اور عوام تک جو کچھ پہنچانا ہو ان ذرائع کے ذریعے پہنچا دیا جائے اس طرح مال ودولت کے اتنے بڑے خسارہ کو روکا جا سکتا ہے۔[الاعتصام۔۱۴ستمبر۱۹۹۰]

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ »

''اے اللہ! آپ اپنے خوف کو ہمارے درمیان تقسیم فرمادیجئے جو ہمارے اور آپ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی آپ کا ڈر ہمیں آپ کی نافرمانی کرنے سے روک دے)''

تنظیمِ اسلامی کا عظیم مظاہرہ

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: « بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ » [رواہ البخاری ومسلم]

''ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپ فرمارہے تھے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی۔اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں،نماز کو قائم کرنا،زکوٰۃ ادا کرنا،حج کرنا،اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

ارکانِ اسلام کی عظمت وحکمت پر گہری نظر ڈالئے،ان فرائض کی ادائیگی سے ایک طرف مسلمانوں میں تقویٰ وطہارت ایسی پاکیزہ صفات پیدا ہوتی ہیں تو دوسری طرف وہ اتفاق واتحاد ایسی مضبوط خوبیوں سے آراستہ ہوتے ہیں،گویا کہ روحانی بالیدگی کے ساتھ ساتھ قوت وشوکت کا بھی سروسامان مہیا ہوجاتا ہے۔اور یاد رکھیے کہ کسی قوم کے افراد کی مضبوطی اور بلندی کا راز دو باتوں میں ہے کہ اس قوم کے افراد روحانی وجسمانی دونوں لحاظ سے صحت مند ہوں۔روح کی پاکیزگی انہیں نیک اعمال کی طرف مائل کرے گی اور جسمانی قوت سے ان کے دشمن ان سے خائف رہیں گے۔اگر کوئی قوم روحانی اور اخلاقی طور پر کمزور ہے تو ایسی قوم کے گرد لوگوں کا اجتماع محض ایک ایسا انبوہ ہوگا جس میں نہ کوئی طاقت اور جان ہوگی۔اور نہ ہی جس کے سامنے زندگی کا کوئی مشن اور مقصد ہوگا۔

ارکانِ اسلام کا ایک دوسرے سے گہرا ربط وتعلق ہے اور ان کے اثرات انفرادی ومعاشرتی زندگی پر پڑتے ہیں جب کوئی انسان سچے دل سے کلمہء توحید کا اقرار کرتا ہے تو گویا کہ وہ ہر طاغوتی طاقت کو ٹھکرا کر صرف ربّ واحد کی غلامی میں آجاتا ہے۔

﴿ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴾ [البقرۃ:۲۵۶]

''اور جس نے کفر کیا طاغوت سے (ہر شیطانی راہ سے) اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو اس نے گویا کہ ایسا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔''

اب اس کی زندگی کی تمام تر تگ ودو اور دوڑ دھوپ صرف ایک ہی پروردگار کی رضا کے لیے ہوجاتی ہے کالے اور گورے،مشرقی اور مغربی ایک ہی آقا کے وفادار بندے بن جاتے ہیں۔ان کے آپس کے اختلافات ختم ہوجاتے ہیں کیونکہ زندگی ایک ہی آقا و مولا کی غلامی میں بسر ہوتی ہے۔زندگی کا مشن اور مقصد بھی یکساں ہوجاتا ہے۔ہر سعی وجستجو میں بھی یکسانی ہوتی ہے۔اور منزلِ مقصود بھی ایک ہی ہوتی ہے اور زبان پر اگر صدا ہوتی ہے تو یہی ہوتی ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَا تِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾[الانعام:۱۶۲]

''آپ کہہ دیں بے شک میری نماز،میری قربانی،میرا جینا اور میرا مرنا صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔جو جہانوں کا پالنہار ہے۔''

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار کے ساتھ ہی مسلمان پر نماز فرض ہوجاتی ہے۔نماز کیا ہے؟ دن میں پانچ بار غلام اپنے آقا کی چوکھٹ پر جبین نیاز جھکاتا ہے۔جونہی حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ (آؤ نماز کی طرف) حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ (آؤ کامیابی کی طرف)کے روح پرور کلمات فضا میں گونجتے ہیں تو وہ گوشِ دل سے انہیں سنتا ہے اور جسم ولباس کی طہارت کے ساتھ اپنے ربّ کے حضور پیش ہوجاتا ہے،اور اس کی حمد وثنا سے رطب اللسان ہوتا ہے اس کے در پر اپنی گردن جھکا کر اپنی بندگی اور غلامی کا اظہار کرتا ہے اور پھر اسی آقا کی مدد کا طلب گار ہوتا ہے۔کیوں کہ اس کا یقینِ کامل ہے کہ وہ صرف اسی کے سہارے منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

اس بندۂ مؤمن کی زیست کا مقصد محض دولت کمانا اور عیش وعشرت کی زندگی گزارنا ہی نہیں ہوتا، بلکہ وہ اگر رزق حلال کے لیے جستجو کرتا ہے تو اس سے مقصود اپنے اور بیوی ،بچوں کے لیے خوراک ولباس مہیا کرکے اپنی منزل کی طرف گامزن ہونا ہے، وہ شب وروز اپنے ربّ کی اطاعت وعبادت بجالاتا ہے،اور اس کے بندوں کے ساتھ احسان ومروت سے پیش آتا ہے۔وہ برائیوں کے خلاف علم جہاد بلند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر اسی کے نظام کو جاری وساری کرنے کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کرڈالتا ہے۔یہی زندگی کا ارفع واعلیٰ مقصد ہے۔

نماز نہ صرف بندگیٔ ربّ کا عملی اظہار ہے بلکہ مسلمانوں میں اتحاد واتفاق کا مؤثر ذریعہ بھی ہے جب امیر وغریب،شاہ وگدا ایک ہی صف میں کھڑے ہوجاتے ہیں تو دلوں سے نفرت وکدورت جاتی رہتی ہے۔پھر ایک امام کی اقتدا میں ادائیگی نماز نظم وضبط کا بہترین مظاہرہ ہے۔قرآن وسنت میں باجماعت نماز کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔قرآنِ حکیم میں نماز کے لیے اقامتِ صلوٰۃ کا لفظ استعمال

ہوا ہے۔جس کے مفہوم میں اجتماعی طور پر پابندی ء وقت کے ساتھ ادائیگی ضروری ہے اور یوں بھی ارشاد ہوا ہے :۔

﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝﴾ [البقرة: ٤٣]

''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ باجماعت نماز ادا کرنا اکیلے نماز ادا کرنے سے ستائیس درجے زیادہ ثواب و اجر رکھتا ہے اور باجماعت نماز نہ پڑھنے والوں کے لیے تنبیہ بھی آئی ہے۔اس ترغیب وترہیب سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان آپس میں مل کر رہیں اور ان کی صفوں میں کوئی رخنہ پیدا ہونے نہ پائے۔

ماہِ رمضان میں مسلمانوں کی اجتماعی تعلیم وتربیت کا بہترین سروسامان ہوتا ہے۔روزہ ہر لحاظ سے مسلمان کے جسم وروح اور شب وروز کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیتا ہے اور زندگی اطاعتِ ربّ کے ساتھ اس کے بندوں کے لیے ہمدردی وغمخواری کے جذبات سے لبریز ہوجاتی ہے۔اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کا نام ہے۔

حج میں بھی تنظیم اسلامی کا شاندار مظاہرہ ہے دنیا کے مختلف ملکوں اور ریاستوں میں بسنے والے مسلمان سرزمین مقدس میں جمع ہوجاتے ہیں جن کے رنگ مختلف،زبانیں اور لباس مختلف،عادات اور مزاج مختلف اور رسم ورواج مختلف ہوتے ہیں ،مگر یہاں پہنچ کر تمام یکساں ترانے میں ایک ہی آقا کی غلامی کا دم بھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ان میں اونچ نیچ،برتری اور کمتری کی تفریق جاتی رہتی ہے اور وہ ایک دوسرے کی زبان نہ جاننے کے باوجود مہر ومحبت کی لڑی میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں۔اب سب کی زبانیں اپنے مولا ومالک کی تعریف میں ایک ہی طرح نغمہ سنج ہوتی ہیں۔ان کا منشاء اور مقصد ایک ہے۔زندگیوں کا مشن ایک اور پھر منزلِ مقصود بھی ایک ہی ہے۔حج کے چند اہم مقاصد سامنے آتے ہیں۔اور وہ اس طرح کہ۔

١ ......حج نے عالمِ اسلام کے مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کی شاندار لہر دوڑا دی۔انہیں اسے سارا سال قائم رکھنا چاہیے۔

٢ ......حج نے انہیں یہ سبق سکھایا کہ وہ دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے دست وبازو بنیں۔

٣ ......حج کے موسم میں اسلامی ملکوں کے نمائندوں کا اجلاس ہونا چاہیے جس میں اہم فیصلے کیے جائیں۔

۴...... آبادی کے تناسب سے ہر ملک سے فوج اکٹھی کی جائے جو کسی مقررہ ہیڈ کوارٹر میں جمع ہو اور اسے جدید اسلحہ سے آراستہ کیا جائے۔ دنیا میں جہاں بھی مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھایا جارہا ہے وہاں اسے بھیجا جائے اور پوری قوت سے دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ قرآن وحدیث میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ کمزور اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنا اہل اسلام کا فرض ہے۔

۵...... اسلامی بنک قائم کیا جائے اور ہر اسلامی ملک سے اس کی سالانہ آمدنی کے لحاظ سے رقم وصول کرکے اسے مالا مال کیا جائے۔ اور بنک کی جمع شدہ رقم سے غریب اور کمزور مسلمان ملکوں کی اعانت کی جائے یا انہیں قرض حسنہ دیا جائے۔

۶...... اسلامی بنک سے جدید اسلحہ کی فیکٹریاں لگوائی جائیں اور ہر اسلامی ملک کی ضرورت کے مطابق اسے اسلحہ فراہم کیا جائے۔

۷...... سائنس اور ٹیکنالوجی میں اسلامی ملک ایک دوسرے کے مدد گار بنیں۔ ایک دوسرے کی یونیورسٹیوں سے فائدہ اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا صاف ستھرا، مضبوط اور روشن دین عطا فرمایا ہے کہ ہم دنیا کی بہترین اور مضبوط ترین قوم بن سکتے ہیں۔ ہماری طرف کسی کو نظر بد اٹھانے کی جرأت بھی نہیں ہوسکتی مگر افسوس کہ ہماری کمزوریوں اور نااہلیوں کی وجہ سے ہمارے دشمنوں نے بھر پور فائدہ اٹھایا ہے اس وقت ہنود ویہود اکٹھے ہو کر مسلمانوں کو ہر طرح زک پہنچانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ وہ نت نئے منصوبوں سے ان کی معاشرت اور معیشت کو تباہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہمیں واضح طور پر ان کی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ محتاط انداز سے سیاسی اور تجارتی معاہدے ہوسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فہم و بصیرت سے نوازے اور ہماری عظمتِ رفتہ کو پھر سے بحال فرمادے۔ آمین

دعاء و التجاء:

﴿ رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝ ﴾[التحریم:۸]

''اے ہمارے رب! آپ پوری فرمایئے ہمارے لیے ہماری روشنی اور ہم کو بخش دیجیے، آپ ہی تو ہر چیز پر قادر ہیں۔''

امن کی تلاش

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ » [بخاری، کتاب الایمان]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک دین اسلام آسان ہے۔''

دین اسلام زندگی بسر کرنے کے ان خوب صورت اصولوں اور ضابطوں کا مجموعہ ہے ۔ جو ربّ کائنات نے سب سے پہلے نبی اور پہلے انسان سیدنا آدم علیہ السلام کو دیے ۔ جب تک وہ زندہ رہے اپنی اولاد کو انھی اصولوں کی تبلیغ کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ اولادِ آدم دنیا کے مختلف علاقوں اور خطوں میں پھیلتی گئی۔ بستیاں اور شہر وجود میں آئے۔ مختلف علاقوں کی آب و ہوا کے اثرات سے ان کے رنگ اور بولیوں میں فرق پڑا اور مزاج اور طبیعتوں کے فرق سے ان میں اختلافات بھی بڑھے۔ خواہشاتِ نفسانی کے باعث ان میں جھگڑے اور فساد بھی پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ ابلیس جو کہ روزِ اوّل سے ہی انسان کا دشمن ٹھہرا تھا اور جس نے انسان کو گمراہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ وہ ربّ کائنات کی طرف سے تا قیامت مہلت پاتے ہی انسانوں کے درپے آزار ہوا اور اس نے انسانوں اور جنوں میں اپنے ہمنوا اور ساتھیوں کا جم غفیر تیار کر لیا۔ جنھوں نے شب و روز انسانوں کو کفر و ضلالت میں مبتلا کرنے اور ان کے درمیان دنگہ و فساد کرانے کا فریضہ سرانجام دیا۔

مگر اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر یہ کرم اور فضل رہا کہ اس کی ہدایت اور روشنی کبھی گم نہیں ہوئی اپنے دین کو زندہ رکھنے کے لیے تاریخ انسانیت کے مختلف ادوار میں ہر علاقہ اور ہر بستی میں نبی اور رسول بھیجتا رہا جو انسانوں تک اسلام کی سیدھی اور سچی تعلیمات پیش کرتے رہے اور ان کی اپنی زندگیاں بھی ان کے لیے نمونہ بنیں۔ یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی سچے دین کی تکمیل ہوگئی۔ گویا کہ جس دین کا آغاز آدم علیہ السلام سے ہوا اور جس کی تبلیغ کے لیے مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول آئے۔ اسی کی تکمیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ہوئی اور قیامت تک انسانوں کو یہ خوش خبری سنا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ [المائدة:٣]

”آج کے دن میں نے تمہارے دین کوتمہارے لیے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کوتمہارے لیے بطور دین پسند کرلیا۔“

تکمیل دین کے ساتھ ہی ختم نبوت کا بھی اعلان ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت بھی نسل انسانیت کے لیے رہتی دنیا تک رہنما اور نمونہ قرار پائی ۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا ﴾ [سبا :۲۸]

”اور اے (پیغمبر) ہم آپ کونسلِ انسانی کے لیے (ایمان و نیک اعمال کے نتائج کی) خوشخبری سنانے والا اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔“

دین اسلام کوئی گورکھ دھندا نہیں ، کوئی چیستاں اور معمّہ نہیں وہ تو سیدھا سادہ ، آسان، سہل اور فطرتِ انسانی کی پکار ہے ۔ وہ یقین و ایمان کی دعوت اندھیرے میں نہیں اجالے میں دیتا ہے ۔ وہ عقل وفکر کو بیدار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سوچو تو سہی کہ تمہارے گرد و پیش وسیع و عریض کائنات پھیلی ہوئی ہے اور ہر چیز لگے بندھے اصولوں سے کام کر رہی ہے...... یہ آفتاب و ماہتاب کا طلوع و غروب اور ستاروں کی گردش، موسموں کی تبدیلی اور ہواؤں کا چلنا اور خود انسان کی پیدائش اور جسم و جان کی نازک اور پیچیدہ مشینری، پھر اس کی موت و حیات پر ضرور کسی ایسی ہستی کا قبضہ ہے جس کی طاقت لامحدود ہے اور جس کی قدرت ہر طرف عیاں اور روشن ہے اس طاقتور ہستی کا نام قرآن نے اللہ بتایا ہے۔

﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ﴾ [الفاتحہ:۱]

”سب خوبیوں اور ستائشوں کا مالک اللہ ہے جو جہانوں کا پالنہار ہے۔“

اسلام یہ دعوت دیتا ہے کہ ربّ العالمین کے انعامات اور احسانات پر ذرا غور وفکر تو کرو۔ وہ نہ صرف ان گنت اور بے شمار ہیں بلکہ بے حد قیمتی اور لا زوال ہیں...... یہ ہوا اور روشنی، پانی اور دودھ، مختلف قسم کے پھل پھول اور طرح طرح کی سبزیاں اور ترکاریاں ، موسموں کا تغیر وتبدل اور دن رات کی آمد و رفت جس میں انسان کو کام کاج کا موقع بھی ملتا ہے اور وہ راحت و آرام سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے۔

پھر ربّ کائنات نے معاشرتی زندگی کی راحت اور سکون بہم پہنچایا۔میاں بیوی کی مسرتیں اور ماں باپ کی محبتیں، بہن بھائیوں کا پیار اور ماموں ممانیاں، خالو اور خالاؤں کی محبت ایسی نعمتیں ہیں جس سے انکار ممکن نہیں۔

خود انسان کا وجود ربّ کائنات کی کرشمہ سازی کا نادر نمونہ ہے۔ یہ آنکھیں اور کان ، ہاتھ پاؤں اور دل و دماغ ایسی بے بہا نعمتیں ہیں کہ انسان ان کا کما حقہ شکر ادا نہیں کر سکتا ہے ۔ سب سے بڑی نعمت علم ہے جو مخلوقات میں صرف اِسی کے حصہ میں آئی ہے جو اسے اشرف المخلوقات کے رتبہ پر فائز کرتی ہے۔

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ [ابراهيم:٣٤]، [النحل:١٨]

’’اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو ہرگز نہیں کر سکتے ہو۔‘‘

اسلام کی سادہ اور سچی تعلیمات یہ ہیں کہ تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے دن رات میں پانچ بار اپنی جبین نیاز کو ربِّ کریم کی چوکھٹ پر جھکا دو۔ نہ صرف اس کا شکر ادا کرو بلکہ اس سے مزید ہدایت کی طلب اور اس پر استقامت کی دعا مانگو۔ یہ کوئی مشکل اور تکلیف دہ بات نہیں ہے اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے ۔ نماز سے تم وضو کرکے پاکیزگی حاصل کرتے ہو، تم بدیوں اور برائیوں سے بچ جاتے ہو اور شاہراہ زندگی پر ربّ کریم کی رحمت سے چلنے لگتے ہو۔ امیر وغریب، شاہ وگدا، اللہ تعالیٰ کے حضور ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں تو ان کے درمیان اونچ نیچ، چھوٹے اور بڑے کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور وہ شیر وشکر ہو کر بھائی بھائی بن جاتے ہیں ۔ ایک امام کی اطاعت میں زندگی کا نظم و ضبط ، قرینہ اور سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔

نماز سے مسلمان ایک مضبوط اور متحد قوت بن جاتے ہیں اور اپنے آقا و مولا کی رہنمائی میں سفرِ حیات طے کرتے ہیں۔

روزہ کیا ہے؟ مسلمان کے لیے رمضان المبارک میں تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس اور طہارتِ قلب کا سروسامان ہے ۔

زکوٰۃ کیا ہے؟ اسلام مسلمان کو یہ سکھاتا ہے کہ تمہاری زندگی کا مشن دھن دولت سمیٹنا نہیں ہے بلکہ جو دولت اللہ تعالیٰ نے تمھیں دی ہے ، اسے اپنے استعمال میں بھی لاؤ اور اس میں سے غرباء اور مساکین کو بھی دے ڈالو۔ دولت کی اس گردش سے طبقاتی نفرتیں چھٹ جائیں گی۔

حج کیا ہے؟ مشرق اور مغرب میں بسنے والے مسلمان ایک مرکز میں جمع ہو کر نہ صرف کائنات کے پالنہار کی بندگی بجا لائیں، اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں، بلکہ ان میں اتفاق و اتحاد کی لہر دوڑ جائے اور رنگ ونسل زبان اور لباس کا فخر وغرور بھی مٹ جائے۔

پھر اسلام یہ کہتا ہے کہ معاشرتی زندگی میں تم عدل و انصاف کو قائم کرو ۔ظلم اور زیادتی کا قلع قمع

کرو اور اللہ کی یہ زمین ایسی بن جائے کہ ہر طرف مہر و محبت اور صلح و صفائی کی ہوائیں چلنے لگیں۔ اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اور اللہ کے بندوں کے ساتھ عدل و انصاف اور مروت و احسان کا۔

اس وقت ظلم و ستم، قتل و غارت کے شعلے ہر طرف بھڑک رہے ہیں اور انسانیت ظلم کی چکی میں پس رہی ہے اس کا علاج صرف اور صرف اسلام کی سیدھی سادی، سچی اور پاکیزہ تعلیمات میں ہے۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ »

''یا اللہ! ہمیں ان لوگوں کے ساتھ ہدایت دیجیے جن کو آپ نے ہدایت سے نوازا ہے۔''

حقوق کی پاسبانی اور امن عالم

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « لَا تَحَاسَدُوْا وَ لَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا...... وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا » [رواه مسلم، رياض الصالحين باب تعظيم رحمات المسلمين]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو (حقیر جانتے ہوئے) اور سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔''

کوئی جھگڑا اور فساد دو آدمیوں کے درمیان ہو یا دو قوموں کے مابین اس کا محرک آپس کا حسد و بغض، اپنی شوکت و سطوت کا لوہا منوانا، دوسروں کو نیچا دکھانا، ایک دوسرے کے حقوق تلف اور غصب کرنا ہوتا ہے۔ اس سے فریقین کے درمیان رنجش اور نفرت کے جذبات ابھرتے ہیں اور جب ان میں تیزی آتی ہے تو پھر ہاتھا پائی اور دنگا فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ لڑائی کے ان شعلوں میں افراد اور قومیں عقل و فکر اور دانش و بینش سے عاری ہو جاتی ہیں۔ انھیں نہ تو انجام کی فکر رہتی ہے اور نہ اپنے نقصانات ہی کی پروا۔ جب یہ جنگ قوموں اور ملکوں کے درمیان چھڑتی ہے تو بے شمار قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ ان گنت انسان زخمی اور ناکارہ ہو جاتے ہیں اور ان کے علاج معالجے کے لیے ہسپتالوں میں جگہ بھی ناکافی رہتی ہے۔ عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جاتے ہیں، بھائی بہنوں کو داغِ مفارقت دے جاتے ہیں۔ اور دورِ حاضر میں تو انسانوں نے اپنی ہلاکت و بربادی کے لیے ایسے ایسے مہلک ہتھیار تیار کر لیے ہیں کہ

جن سے ہنستی کھیلتی بارونق آبادیاں دنوں میں بلکہ گھنٹوں اور منٹوں میں ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ انسان اپنے خالق سے بے گانہ اور اپنے رتبہ کو فراموش کر چکا ہے۔ اس وقت اس کی حیثیت حیوانات سے بھی بدتر ہو چکی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ﴾ [الاعراف:۱۷۹]

''ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے، آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ (وہ عقل و حواس کا استعمال کھو کر) چارپایوں کی طرح ہوگئے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے۔'' [ترجمہ ابو الکلام آزاد]

اسلام مسلمانوں کو نہ صرف زیورِ علم سے آراستہ کرتا ہے بلکہ ان کی تہذیب نفس بھی کرتا ہے مسرت و شادمانی کی کیفیت ہو یا غیظ و غضب کی حالت وہ بندۂ مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب بناتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے ربّ نے مجھے حکم دیا ہے کہ:

« خَشْيَةَ اللّٰهِ فِى السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَكَلِمَةَ الْعَدْلِ فِى الْغَضَبِ وَالرِّضٰى »

''کہ میں ظاہر اور چھپے ہوئے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہوں اور غصہ کی حالت میں ہوں یا خوشی کی کیفیت میں عدل وانصاف ہی کی بات کہوں۔''

یہی نہیں بلکہ اسلام کی نظر میں حقیقی معنوں میں دلیر اور بہادر اسے جانا گیا ہے جو غم و غصہ ہر حالت میں نفس کا محکوم نہیں بلکہ اس پر حاکم بن جائے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

« لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ ، اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ »

[متفق علیہ، ریاض الصالحین، باب الصبر]

''بہادر وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔''

اس سے بھی بڑھ کر خوبی کی بات یہ ہے کہ اشتعال اور غصہ کے موقع پر بھی صبر و تحمل کا مظاہر کرنے اور دوسروں کو معاف کردینے کی تربیت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ ﴾

[الشوریٰ:۳۷]

"(ابرار و صالحین وہ ہیں) جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے رہتے ہیں اور جب انھیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔"

آتش غیظ و غضب ہی بالآخر افراد اور اقوام کے درمیان جنگ کا باعث بنتی ہے اور اسلام اس پر کنٹرول کرنا سکھاتا ہے اس کے علاوہ کسی کے جاہ و جلال اور مال و منال کو دیکھ کر حسد و رقابت کے جذبات ابھرنا اور اس بناء پر اس کے خلاف حسد و نفرت کے شدید جذبات پیدا ہونا بھی اسلام کی نظر میں پسندیدہ بات نہیں ہے۔ اس نے سمجھایا ہے کہ جو تمھیں اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اسی پر قانع و شاکر رہو۔ اور اس کا شکر بجا لایا کرو۔ فرمایا:

﴿ وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ [النساء:٣٢]

"اور (دیکھو!) اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں جو کچھ دے رکھا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ (کہ کاش ہمیں یہ ملا ہوتا)"

نبی مکرم رسول معظم ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

« اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ لَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ أَجْدَرُ اَنْ لَّا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ » [متفق علیه، ریاض الصالحین، باب فضل الزهد]

"اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھو، بڑے درجہ والوں کو نہ دیکھو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو گے۔"

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر حسد و رقابت اور غم و غصہ کے سفلی جذبات کو قابو میں رکھا جائے تو انسانوں کے درمیان حق تلفیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اسی سے دنیا بھر میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

افسوس کہ آج مسلمان کی زندگی اسلامی تعلیمات سے خالی ہو چکی ہے جس کے نتیجہ میں وہ اتنا بہکا ہے کہ اس کی عقل و فراست اور فہم و تدبر کو زنگ لگ گیا ہے، وہ اغیار کے ہاتھوں کھلونا بن چکا ہے اور اپنی تباہی و بربادی کا سامان خود اپنے ہاتھوں تیار کر رہا ہے ابھی کچھ عرصہ پہلے سالہا سال تک عراق، ایران، دو اسلامی ملکوں کا آپس میں لڑنا اور بے مقصد جانی و مالی نقصان اٹھانا اور پھر عراق کا کویت پر حملہ کرنا اور اس پر قبضہ جما لینا اور پھر سعودیہ کو للکارنا، جس پر سرزمین عرب میں امریکہ اور اس کی اتحادی فوجوں کا گھس آنا اور خلیج میں جنگ چھڑ جانا، جس سے مسلمانوں کا بے شمار جانی و مالی نقصان ہونا، یہ سب نتیجہ ہے مؤمنانہ فراست سے دُوری کا۔ کاش کہ مسلمان اسلامی

تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین

......[الاعتصام،۸فروری ۱۹۹۱]

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجعَلُكَ فِىْ نُحُورِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ »

”اے اللہ! ہم آپ کو ان دشمنوں کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔“

قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَىْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ » [رواه البخارى =كتاب الايمان، باب: الدين يسرٌ،رقم الحديث:۳۸ رياض الصالحين، باب فى الاقتصاد فى الطاعةِ]

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:”دین آسان ہے، دین سے جس نے زور آزمائی کی تو دین نے اسے ہرا دیا (وہ شخص سرکشی کے باعث خائب و خاسر ہوا) پس تم راہِ راست پر رہو اور میانہ روی اختیار کرو، خوشخبری لو اور صبح و شام نیز رات کے آخری حصہ میں بندگی ربّ تعالیٰ سے اس کا قرب تلاش کرو۔“

مسلمان جب تک دینِ اسلام کی آسان، روشن، مضبوط اور مفید تعلیمات پر عمل پیرا رہے دنیا و آخرت کی سرفرازیاں ان کے حصہ میں آئیں۔ کتاب اللہ کی یہ کتنی اچھی تعلیم ہے کہ:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ [آلِ عمران: ۱۰۳]

”(مسلمانو!) اور سب مل کر اللہ کی رسی (ہدایت) کو مضبوط پکڑے رہو اور متفرق نہ ہو جاؤ۔“

اور اسی بات کو جنابِ رسول اللہ ﷺ نے کس خوب صورتی سے سمجھا دیا ہے:

« مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ

عُضُوٌ تَدَاعٰی لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰی »

[متفق علیه، ریاض الصالحین، باب حقوق المسلمین]

”مؤمنوں کی مثال ان کی آپس کی محبت، رحم دلی اور مہربانی میں جسم کی طرح ہے جب اس کا کوئی عضو بیمار ہو تو سارا جسم بخار اور بے خوابی سے کرب میں مبتلا رہتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم کی آپس میں ہمدردیوں اور غمگساریوں کی قرآن شہادت دیتا ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ ﴾

[الفتح: ۲۹]

” محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے حق میں تو سخت ہیں (مگر) آپس میں رحم دل ہیں۔“

تاریخ اسلام کی ورق گردانی کر جائیے اور غور کیجیے کہ ان کے اتفاق واتحاد سے ان کی شوکت وعظمت کا پھریرا پوری دنیا میں لہرایا۔ وہ تعداد میں تھوڑے ہونے کے باوجود اپنی قوت پر نہیں اللہ کی رحمت پر بھروسہ رکھتے تھے اور اس کا قانون تو یہ ہے:

﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ [البقرة: ۲۴۹]

”کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر حکم الٰہی سے غالب آ گئیں۔“

وہ حق کا بول بالا کرنے کے لیے اٹھے، صحراؤں اور دریاؤں کو عبور کر کے مشرق ومغرب میں پھیل گئے۔

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں [اقبال]

انھوں نے دنیا کے انسانوں کو عدل و انصاف دیا۔ راحت وسکون مہیا کیا۔ علم و ادب کی روشنی سے بہرہ ور کیا اور تہذیب وثقافت سے آراستہ و پیراستہ کیا اور سب سے بڑھ کر انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر ربّ کائنات کی غلامی میں زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا کیا۔

انسانیت کو یہ روشنی کیسے ملی؟ اس طرح کہ انھوں نے باہم مل کر ظلم وستم، جہالت و گمراہی کے خلاف جہاد کیا۔ انھوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھا کہ: « اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ » یعنی ساری نیکیوں اور عبادتوں میں سب سے زیادہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک محبوب ہے؟ تو اس کے جواب میں

سورہ صف نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾

[الصف:٤]

"اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں گویا ایک دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کردی گئی ہے اور یہ دیوار بھی کیسی؟ ایسی جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سیسہ ڈال کر جوڑ دی گئی ہو۔"

[ترجمہ خواجہ عبد الحی فاروقی]

وہ امت جسے نسل انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے چنا گیا تھا اور جس کا فریضہ دنیا سے ظلم و فساد مٹا کر نظامِ عدل قائم کرنا تھا خود خرافات و انتشار کا شکار ہو چکی ہے۔ جس نے دوسروں کو روشنی فراہم کرنی تھی وہ خود اندھیروں میں بھٹک رہی ہے اور جس نے دوسروں کو صلح و آشتی کا پیغام دینا تھا۔ وہ آپس میں دست و گریباں ہو رہی ہے، یہ نتیجہ ہے دین سے بغاوت اور دوری کا۔

﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾ [مریم:٥٩]

"پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے سو عنقریب انھیں گمراہی کی سزا ملے گی۔"

آج خلیج میں اپنی ہی حماقتوں اور کمزوریوں سے جس بے دردی سے مسلمان کا جان و مال تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ وہ ہر درد مند اور حساس مسلمان کو خون کے آنسو رلاتا ہے۔ آج مسلمان کے پاس دولتِ ایمان کے سوا دنیا کی ہر متاع ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے، ایمان سے خالی ہونا ہی اس کی ناکامیوں کا سبب ہے اور ہماری ذلت و نامرادی کی یہی وجہ ہے:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر [اقبال]

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا اَحَدٌ مِّنْهُمْ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى »

"الٰہی ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں کہ کوئی کافر ہم پر زیادتی کرے یا سرکشی سے پیش آئے۔"

علاقائی تعصّبات، اسلامی تعلیم کے منافی

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے

«لَیۡسَ مِنَّا مَنۡ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّةٍ»

[نضرة النور، شرح مختارات الاحادیث النبویة، مصطفی محمد عماره]

''یعنی وہ شخص یا گروہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کو ہوا دی۔''

مؤلف اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

" دَعَا النَّاسَ عَلَی الۡاِجۡتِمَاعِ عَلٰی عَصَبِیَّةٍ اَیۡ طَائِفَةٍ مَّعۡلُوۡمَةٍ "

''علاقائی تعصب کی بنیاد پر مخصوص گروہ اور جماعت کو جمع کر لینا۔''

اسلام کی دعوت کسی خاص خطہ اور علاقہ کے لیے نہیں ہے یہ ربّ العالمین کا نازل کردہ دین ہے۔ جو مشفق و مہربان پروردگار اور جہانوں کا پالنہار ہے۔ ارشاد ہوا۔

﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ ﴾ [الفاتحہ:۱]

''ہر شکر اور ہر تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔''

اسی طرح آخری رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت بھی تمام نسل انسانیت کے لیے ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ﴾ [السبا: ۲۸]

''اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

آپ ﷺ جو روشن کتاب لے کر تشریف لائے وہ بھی نسل انسانیت کے لیے ہدایت ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالۡحَقِّ ﴾ [الزمر:۴۱]

''بے شک ہم نے آپ پر یہ کتاب سچائی کے ساتھ نسل انسانیت کی ہدایت کے لیے نازل کی۔''

اور اس امت مسلمہ کا فریضہ بھی بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کرنا ہے۔

﴿ کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ﴾

[آل عمران:۱۱۰]

”(مؤمنو!) جتنی امتیں (قومیں) پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ (تمہارے ذمہ) لوگوں (اقوامِ عالم) کو نیکیوں کو حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے۔“

اسلام کی تعلیمات عالمگیر اور آفاقی ہیں، وہ یہ کہتا ہے کہ تمام انسان سیدنا آدم وحوا کی نسل سے ہیں اور سب کا پالنہار ایک ہی ہے۔ ارشاد ہوا۔

﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴾ [الانبیاء:۹۲]

”(اے لوگو!) یہ تمہاری جماعت (دراصل) ایک ہی جماعت ہے اور میں تمھارا پروردگار ہوں تو تم سب میری ہی عبادت کرو۔“

اس کے نزدیک یہ ساری زمین اسی کی ملکیت ہے، انسان زمین پر خلیفہ ہے اور اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ یہاں پر اسی کا نظام جاری وساری کرے، ارشاد ہوا۔

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾ [البقرۃ:۱۹۳]

”(اور اللہ کا دین قائم کرنے کے لیے فسادیوں) سے اس وقت تک جنگ کرو کہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین قائم ہو جائے۔“

اقامتِ دین کا یہی جذبہ اور یہی ولولہ ہمارے اسلاف کو مضطرب اور بے چین کئے رکھتا تھا اور وہ دعوتِ حق کا پرچم اٹھا کر دنیا کے اس کونے سے اس کونے تک پھیل گئے۔ اور اللہ کی راہ میں ہر جانی و مالی قربانی کو پیش کیا۔ اسلامی جرنیل طارق بن زیاد فاتح اندلس جب سمندر عبور کرکے ساحلِ اندلس (اقصائے یورپ) پر پہنچے تو انھوں نے سپاہیوں کو کشتیاں جلانے کا حکم دیا۔ سپاہی تعجب سے اپنے سالار سے مخاطب ہوئے کہ انھیں اگر واپس ہونے کی ضرورت پیش آئی اور دشمن کے مقابلے میں بھاگنا ہی پڑا تو کیا بنے گا، اپنی واپسی کے اسباب ختم کردینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اس پر طارق بن زیادہ نے مجاہدین اسلام کے سامنے جو تقریر کی وہ تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے جس کا لب لباب کچھ اس طرح ہے۔

”میرے سپاہیو! تمہارے آگے دشمن ہے، اور تمہارے پیچھے سمندر۔ اب یا تو اس ملک کو فتح کرکے حق کا بول بالا کرو، یا اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرو۔“

مؤمن کی زندگی کا مقصد نہ تو مالِ غنیمت کا حصول ہے اور نہ ملکوں اور شہروں کا محض فتح ہی کرنا ہے بلکہ اس کے پیش نظر اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کو جاری وساری کرنا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

اس لیے مسلمان کا وطن کوئی خاص ملک یا علاقہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا جہاں بھی پہنچ جاتا ہے وہی اس کا وطن بن جاتا ہے۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملکِ خدائے ماست

''ہر ملک ہمارا ملک ہے کیوں کہ وہ ہمارے رب تعالیٰ کا ملک ہے۔''

خود ہجرتِ نبوی ﷺ نے علاقہ پرستی کا خاتمہ کردیا۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اور دمِ آخر تک اسے اپنا مسکن بنا لینا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ جہاں بھی کلمۃ الحق کی نشر و اشاعت ہو سکے اور جہاں بھی اقامتِ دین کی خدمات بہتر طور پر سرانجام دی جا سکیں تم اسی جگہ کو اپنا وطن بنا لو۔

مسلمان اپنے دل سے تمام تفرقات و تعصّبات نکال کر صرف مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہے اس کے لیے باعث افتخار دولت ایمان ہے۔ وہ افغانی، ترکی، ایرانی اور پاکستانی بعد میں ہوتا ہے پہلے مسلمان ہوتا ہے۔

نہ افغانیم و نے ترک و تاریم
چمن زادیم از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

نہ ہم افغانی ہیں نہ ترکی نہ تاتاری، ہم ایک ہی چمن، اور ایک ہی شاخسار یعنی اسلام سے ہیں، ہم پر رنگ و نسل، برتر و کہتر کی تفریق و تمیز حرام ہے۔ ہم ایک نئی بہار کے پروردہ ہیں اور وہ ہے اسلام کی روح پرور اور پاکیزہ بہار۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کے یہ الفاظ آج بھی دنیائے انسانیت کو امن و سلامتی کا پیغام دیتے ہیں۔

« فَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَّلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَبْيَضَ وَلَا لِاَبْيَضَ عَلٰى اَسْوَدَ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰى » [نقوش۔ سیرت نمبر]

(اے لوگو! جان لو) نہ کسی عربی کو عجمی (غیر عرب) پر کوئی فوقیت حاصل ہے اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری ہے۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے بہتر، ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کسی نے نسب پوچھا، تو فرمایا: سلمان بن اسلام ''سلمان تو اسلام کا فرزند ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

((بِلَالٌ سَیِّدُنَا))

''بلال تو ہمارے سردار ہیں۔''

میں کہتا ہوں کہ مسلمان جب وطن کی حد بندیوں کو توڑ کر اسلام کے سچے خادم اور سپاہی تھے۔ تمام تر فتوحات اور کامیابیاں، شوکت و سطوت انھیں کے لیے تھیں، انھوں نے چار دانگِ عالم میں حق و صداقت کے ڈنکے بجائے، عدل و انصاف کا نظام برپا کیا اور دنیا کے انسانوں نے ان سے راحت و سکون حاصل کیا۔ اور جب سے وہ وطن پرستی کے باطل نظریات میں مقید ہوئے ہیں اس سے نہ صرف اندرونِ خانہ فتنہ و فساد کی چنگاریاں بھڑکیں بلکہ بیرون خانہ بھی امن و سلامتی کی فضا رخصت ہو چکی ہے آج ہم عصبیت ایسی برائی کے سبب عز و وقار کو کھو چکے ہیں۔

غور کیجیے کہ وطن کی آزادی کے لیے تمام تفرقات و اختلافات کو مٹا کر ہم اسلام کے مضبوط رشتہ میں منسلک ہو گئے تھے اور ہماری جانی و مالی قربانیوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں نعمتِ آزادی سے بہرہ ور کیا تھا۔ یہاں پر مختلف صوبوں میں لوگوں کی زبانیں، لب و لہجے، لباس، عادات و اطوار اور رسم و رواج مختلف تھے مگر ان کے فکر و عقیدہ کی یکسانی نے انھیں بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ ہمیں یہ آزادی بلوچی، سندھی، سرحدی، پنجابی اور بنگالی ہونے کے ناطے سے نہیں ملی تھی بلکہ آزادی کا سہرا مسلمان اور صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے ہمارے سروں پر بندھا ہوا تھا۔ اب ہماری سلامتی و بقا صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فکر و شعور کی نعمت عطا کرے۔ آمین

دعاء و التجاء:

((اَللّٰھُمَّ اَحسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ))

''اے اللہ! اچھا کیجیے ہمارا انجام سب ہی کاموں میں اور پناہ دیجیے ہم کو دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے۔''

کیا آپ رضائے الٰہی کے لیے اکٹھے ہو سکتے ہیں؟

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ:
«مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ، وَاَعْطٰی لِلّٰہِ، وَمَنَعَ لِلّٰہِ، فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ»

[رواہ ابوداؤد ، مشکوۃ کتاب الایمان]

''ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ ہی کے لئے کسی سے چاہت رکھی اور اللہ ہی کے لیے ناپسند کیا اور اللہ ہی کے لئے عطا کیا اور اللہ ہی کے لئے روکا، ایمان تو درحقیقت اس کا مکمل ہوا۔''

اللہ کے دوستوں سے محبت کرنا اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا یقیناً لذتِ ایمان سے آشنا ہونا ہے،اپنے روحانی اور دینی بھائیوں سے بغض وعداوت جہالت اور گمراہی کا نشان اور ان سے ہمدردی وغمخواری، اتحادواتفاق،ایمان کی علامت ہے ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ﴾ [آل عمران:١٠٣]

''اور اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی کو یاد کرو کہ (اسلام سے پہلے)تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو (نعمت اسلام سے سرفراز کرکے)اس نے تمہارے دلوں میں الفت ومحبت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔''

گویا کہ جب تم ایمان کی نعمت سے محروم تھے تو آپس میں لڑتے پھرتے تھے۔اور دولت ایمان نے تمہیں شیر وشکر بنادیا۔تمہارے لیے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے اس احسان عظیم کو جانا اور پہچانا،نتیجتاً دنیاوآخرت کی کامیابیاں حاصل کیں،وہ تعداد میں تھوڑے تھے مگر فتح اور کامرانی سے ہمکنار ہوئے،ارشاد ہوا۔

﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ [البقرۃ:٢٤٩]

''بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے۔''

وہ تھوڑی سی جماعت ایمان سے سرشار اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط تھی اس لیے اللہ تعالیٰ کی حمایت ونصرت سے بہرہ ور ہوئی۔

مگر ہم ظالم نفس اور سرکش شیطان کے بہکاوے میں آ گئے نتیجتاً دکھوں اور پریشانیوں،تباہیوں اور

بربادیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔نفری کے لحاظ سے ہم پہلے سے کہیں زیادہ ہیں مگر انتشار وافتراق کے سبب ہر طرف ہزیمت اور ناکامی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی ہے۔قرآن کا فیصلہ اٹل اور سچا ہے:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ﴾[الانفال:٤٦]

''اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو،اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ ا(ایسا کروگے تو)تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔''

غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں موذی ترین چیز ہوائے نفس کی پیروی ہے یہ انسان کو قعر مذلت میں دھکیل دیتی ہے اور اسے زیر کرنا ہی سب سے بڑی بہادری ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ »

[متفق علیہ۔ریاض الصالحین۔باب الصبر]

''پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دے،حقیقت میں پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔''

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

یاد رکھیے ......!بت پرستی محض سنگ وخشت کی بنی ہوئی مورتیوں کے آگے جھکنا ہی نہیں ہے بلکہ خواہشات نفس کے پجاری بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ ﴾ [الفرقان:٤٣]

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے۔''

اگر بت پرست بتوں کی پوجا کرتے ہیں تو یہ شخص اپنے من کی پوجا کرتا ہے ان دونوں میں بھلا فرق کیونکر ہوا؟ بلکہ یہ شخص تو اور بھی بڑا ظالم ہے جو حق وصداقت کو پہچانتے ہوئے بھی خواہشات نفس کا غلام بن جاتا ہے۔

مؤمن تو روشن ضمیر اور صاحب فراست ہوتا ہے اور وہ کبھی ایک ہی سوراخ سے دو بار ڈسا نہیں جاتا۔مگر کیا بات ہے کہ بار بار ڈسے جانے کے بعد بھی ہماری عقل وبصیرت بیدار نہیں ہو رہی ہے گذشتہ چھپن برس سے ہمارے سیاسی میدان میں کس کس روپ میں سیاسی رہنما آتے رہے ہیں اور ان کے تمام

وعدے سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے تھے ان سب نے مل کرملک کو تباہی وبربادی کے کنارے لاکھڑا کیاہے چندبرس پہلے ملک کا آدھا حصہ ہم سے کٹ گیا جوہمارے شامت اعمال کا نتیجہ تھا جو بقیہ حصہ بچاہے وہ بھی سیاسی لیڈروں کے دنگاوفساد کا شکار ہےمگر دیندار طبقہ ابھی تک چوکس وبیدارنہیں ہوا۔ہم دیکھتے ہیں کہ روزمرہ ہمارے گھرانوں کے ننھے منھے بچے اغواہوتے ہیں ہماری بہو بیٹیوں کی عصمتیں لٹ جاتی ہیں، ہمارے بھائیوں اور بیٹوں کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اندر شہید کردیاجاتاہے۔ہمارے تاجروں کو سربازارلوٹ لیاجاتاہے اورمزاحمت کرنے پربھرے بازارمیں گولیوں سے ماراجاتاہے، ہمارے علماکرام کوحق گوئی کے بدلے ابدی نیند سلادیاجاتاہے۔مگرظالموں کے لئے اسلامی قانون کا نفاذ نہیں ہے بلکہ مروجہ قانون ڈھیلا اورناقص ہے۔جس سے وہ دندناتے پھرتے ہیں۔

ادھرکمرتوڑ مہنگائی نے ہمارا جینادوبھر کردیاہے۔اورمزید ہمارے اوپر نت نئے ٹیکسوں کی بوچھاڑ کردی جاتی ہے کیا اس ظالمانہ نظام کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے جائیں گے اورچپ سادھے رکھیں گے؟ کیاہمارے لہو پسینے کی کمائی سے بھرنے والا خزانہ عامرہ کوبرسراقتدار آنے والی حکومت من مانی سے لٹاتی رہے گی ؟ کیابرائیوں اور بے حیائیوں کو پنپتے دیکھ کر ہماری غیرتِ ایمانی حرکت میں نہ آئے گی ؟

اے اسلام کا دم بھرنے والو! اے مساجد میں جاکرنماز اداکرنے والو! کیاتمہاری صفوں میں اتحاد پیدا نہ ہوگا جوقیامِ نماز کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔کیاتمہارے دل آپس میں کٹے پھٹے رہیں گے؟ کیاتمہارے شب وروز اس نظام فاسد میں ہی بسر ہوں گے؟ اور کیاتم قلم اورزبان سے اور اپنے تن من دھن سے ان برائیوں کے خلاف جہاد نہیں کروگے ؟اگرتمہارے دلوں میں ایمان کی تھوڑی سی بھی رمق باقی ہےتومحض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سرجوڑکر ان طاغوتی طاقتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہو،اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچاہے اسکی مدد ضرورشامل حال ہوگی۔

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ ﴾

[محمد:۷]

”اے اہل ایمان اگرتم اللہ کی مدد کروگے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گااورتم کو ثابت قدم رکھے گا۔“

پھرپاکستان میں یقیناً اسلامی انقلاب آئے گا،اور وہ خواب شرمندہ تعبیرہوگا،جس کے لیے بے پناہ جانی ومالی قربانیاں دی گئی تھیں اوران وڈیروں اورلٹیروں سے ملک کونجات مل جائے گی۔اللہ تعالیٰ ہمیں فہم وبصیرت کی دولت سےنوازے۔آمین

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجزِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَغَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ »

''اے اللہ ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں ہر رنج وغم سے عاجزی اور بخیلی سے، بزدلی اور قرض کے غلبے سے اور لوگوں کی زیادتی سے''

مسلمانوں کا اتحاد

مبتلائے درد کوئی عضو ہو تو روتی ہے آنکھ

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : « تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِى تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَآدِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكَى عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَآئِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى »

[متفق علیه۔مشکوۃ باب الشفقة والرحمة على الخلق]

''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:تم مسلمانوں کو ان کی باہمی رحم دلی،محبت اور عنایت میں ایک جسم کی مانند پاؤ گے جب جسم کا ایک عضو مبتلائے درد ہوتا ہے تو تمام جسم بیداری و بخار میں مبتلا نظر آتا ہے۔''

لغت :تراحم،تواد اور تعاطف، باب تفاعل سے ہیں جس میں اشتراک باہمی کی خاصیت ہے یعنی مسلمان ایک دوسرے سے الفت ومحبت، ہمدردی و غمخواری،رافت ورحمت رکھتے ہیں۔اور ان الفاظ میں بڑا لطیف سا فرق ہے

تراحم:ایک دوسرے پر ایمانی اخوت کی وجہ سے رحم کرنا کسی اور وجہ سے نہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باہم ہمدردیوں کی وجہ سے ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ '' کہا گیا ہے۔

تواد: آپس کا ملنا جلنا جو محبت پیدا کرے اور یہ بات آپس میں تحفے تحائف کے تبادلوں سے بھی ہوسکتی ہے۔اور کھانے پر بلانے سے بھی یا کم ازکم خندہ پیشانی سے ملنا بھی محبت کا ذریعہ بنتا ہے۔

تعاطف: ایک دوسرے کی مدد کرنا۔یہ مالی اور جسمانی دونوں طرح سے ہوسکتی ہے۔

تدعی :ایک دوسرے کو پکارنا۔

سائر: تمام

حمی: حرارت، بخار۔

بھلا اس مریض کے بارے میں کیا خیال کریں گے کہ جس کے مرض کی طبیب نے ٹھیک ٹھیک تشخیص کردی ہو اور اسے پرہیز اور علاج بھی بتادیا ہو مگر مریض ایسا بے پروا ہے کہ جسے نہ علاج پر توجہ ہے اور نہ ہی پرہیز کی کوئی فکر ہے۔کیا طبیب اعظم نے ہمیں نسخہ نہیں عطا فرمایا؟

﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [بنی اسرائیل -:۸۲]

''اورہم اتارتے ہیں قرآن میں سے وہ جس سے امراض دورہوں اور اہل ایمان کے لیے باعث رحمت ہو''

اور جو یہ نسخہ شفاء لے کر تشریف لائے کیاانہوں نے اسے دانائی اور حکمت سے اسے کھول کھول کر بیان نہ کردیا؟

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ﴾

[الجمعة:۲]

''وہی (رحمٰن ورحیم) ہے جس نے (عرب کے)ان پڑھوں میں انہی میں سے رسول اٹھایا ربّ کریم کی تعلیم وتربیت سے)وہ اس کی آیات پڑھ کرانہیں سناتا ہے ان کا تزکیہ نفس فرماتا ہے اور انہیں کتاب اور عقلمندی کی باتیں سکھاتا ہے اوراس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

یقیناً اسلام نے مسلمانوں کو زریں تعلیمات سے آراستہ کیا تھا اور ہمارے اسلاف نے ان پر عمل پیرا ہوکر سنہری کامیابیاں حاصل کی تھیں،اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت کی سرفرازیاں عطا فرمائیں، ان کے روشن کارناموں کو تاریخ نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیا ہے،اور قرآن نے ان کو یہ خوشخبری سنادی ہے:

﴿ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ [البیّنة]

''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوااور وہ اس سے راضی ہوئے''

آج مسلمان دنیا بھرمیں ذلت وخواری کا شکار ہیں،ان کی نفری اور تعداد بھی خاصی ہے مال ودولت کی بھی کمی نہیں ہے،عرب ریاستیں سونا اگلتی ہیں، ہرطرف روپے پیسے کی ریل پیل ہے، پھر کیا وجہ

ہے کہ ان کی تمام تر شان وشوکت رخصت ہوچکی ہے اوران پر ذلت وادبار کی گھٹا چھارہی ہے۔ان کے نظامِ حکومت پر شاطر وعیار حکمران چھائے ہوئے ہیں جوظاہری طور پرتو مسلمان ہیں مگر ان کے باطن یہود ونصاریٰ کے ساتھ ہیں،ایسے منافقین کے ٹولے نے عوام الناس کا جینا دشوار کردیا ہے،یہ لوگ نت نئے ٹیکس لگا کرعوام کو نچوڑ رہے ہیں اوراپنی کرسی بچانے کے لئے خزانہ عامرہ کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں اس تباہی میں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔اس لیے کہ عدلیہ کوبھی وہ اپنے ماتحت رکھتے ہیں اور ذرائع ابلاغ کوبھی اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ایسے منافقین عوام پر اسی وقت مسلط ہوتے ہیں،جب دیندار آپس میں کٹے پھٹے ہوں،اپنے وطن پر ہی نظر ڈالیے، یہاں دین کا احساس رکھنے والے لوگوں میں کوئی قوت اور طاقت نہیں،وہ مختلف گروہوں اور دھڑے بندیوں کا شکار ہیں کسی عالم دین کوکہیں تھوڑا سا اختلاف ہوتا ہے تو وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے کرایک الگ جماعت بنالیتا ہے خود اہلحدیث حضرات کو دیکھئے کہ کتنی جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں کیا اس طرح ہماری قوت منتشر نہیں ہوجاتی؟ہم بھلا کیونکر نظام حق کو غالب کرسکتے ہیں۔رب کریم نے تو اپنی کتاب مبین میں ہمیں نصیحت فرمائی ہے۔

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ [آل عمران:۱۰۳]

''تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔''

اور پیارے رسول ﷺ نے کتنے خوبصورت انداز میں مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا ہے کہ اگر اس کا ایک حصہ تکلیف میں ہوتو پورا جسم بے قرار ہوجاتا ہے اور کہیں ارشاد ہوا کہ مؤمن،مؤمن کے لیے مثل عمارت کے ہے کہ ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔

مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ نے اخوت ومحبت کی لازوال مثال قائم کی تھی جسے مسلمانوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے اس طرح دیدہ و دل فرش کیے کہ انہیں وطن سے بے وطن ہونے کا احساس تک نہ ہوا۔ان کا یہ اتفاق واتحاد یہ رنگ لایا۔اور اللہ کی رحمت سے وہ ایسی قوت بنے کہ مستقبل کی تمام کامیابیاں ان کے قدم چومتی تھیں۔وہ جہاں ٹھہرتے نظام حق کو غالب کرتے اور عدل وانصاف کی راجدھانی قائم ہوجاتی تھی،اسلام کا نظام عدل اپنوں کے لیے نہ تھا،بلکہ اس سے غیروں نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔انہیں یہ کامیابیاں اور کامرانیاو ں محض اسلام کی سیدھی سادھی،سچی اور نکھری ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ملی تھیں،آپس کے اتفاق واتحاد سے وہ ایک

مضبوط قوت بن کرا بھرے تھے۔اور دنیا کی سپر پاور بن گئے۔ہمیں آپس کے حسد وبغض ،نفاق اور تفریق نے ذلیل ورسوا کردیا ہے۔

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطاکار و خطابیں ، وہ خطا پوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم
تخت فغفور بھی ان کا تھا ، سریر کے بھی
یوں ہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی
خود کشی شیوہ تمہارا ، وہ غیور و خوددار
تم اخوت سے گریزاں ، وہ اخوت پہ نثار
تم ہوگفتار سراپا ، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستان بکنار
اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

[اقبال]

اے ربّ کریم !ہمارے دلوں کی کجیوں اور کدورتوں کو مٹادے ! اور ہمیں قلب سلیم سے نواز،ہمارے دلوں میں الفت ومحبت پیدافرما،ہمارے جذبوں اور ارادوں میں اسلاف کی طرح بہادری اور امنگ پیدافرما،کہ ہم تیرے دین کو نہ صرف پاکستان میں بلکہ پوری دنیامیں غالب کریں۔اور ہمیں ایسی روشنی دے کہ اس میں زندگی کا سفر طے کرکے تیری رضا مندی کو حاصل کرسکیں۔آمین

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَآءِ وَدَرْكِ الشَّقَآءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ »

''اے اللہ ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں بلا کی مشقت سے اور بدبختی کے ملنے سے،برے فیصلے اور دشمنوں کی خوشی سے''

سچا مسلمان اور اچھا پاکستانی

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :« مَنْ رَّضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ "فَعَجِبَ لَهَا اَبُوْ سَعِیْدٍ: فَقَالَ :اَعِدْهَا عَلَیَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَاَعَادَهَا عَلَیْهِ،ثُمَّ قَالَ وَاُخْرٰی یَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِی الْجَنَّةِ، مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ،قَالَ وَمَا هِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ، اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ، اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ » [مشکوۃ۔باب الجهاد]

"ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے برضا و رغبت اللہ تعالیٰ کو اپنا رب،اسلام کو اپنا دین،محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول تسلیم کر کے راضی ہو گیا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی ابوسعید نے ازراہ تعجب کہا کہ اے اللہ کے رسول اسے ذرا دہرا دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے وہی بات دہرائی اور مزید ارشاد فرمایا کچھ اعمال ایسے بھی ہیں کہ ان کی وجہ سے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں سو درجے اور سرفرازی عطا فرمائے گا اور ان کے درجات میں دو درجوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ آسمان وزمین کا ہے عرض کیا گیا کہ وہ کونسا عمل ہے؟ ارشاد ہوا،اللہ کی راہ میں جہاد،(یہ جملہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دہرایا۔"

(جس سے جہاد کی اہمیت وفضیلت کی جانب اشارہ ہے اور صحابی رضی اللہ عنہ کا ازراہ تعجب پوچھنا کہ اس بات کو دہرادیجئے اس لیے تھا کہ انہیں اس بات پر حیرت تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول جنت کے لیے کتنا سہل اورآسان راستہ بتادیا ہے)

اسلام کی تعلیمات کوئی گورکھ دھندا نہیں۔کوئی معمہ اور چیستاں نہیں،کوئی مشکل اور دشوار نہیں بلکہ وہ آسان،سہل ،دل نشین اور عین فطرت کی آواز ہے۔آج کے درس حدیث کا موضوع یہ ہے کہ ایک سچا مسلمان اور اچھا پاکستانی کون ہے؟ سب سے پہلے ایک سچے مسلمان کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے تو پھر اچھے پاکستانی کے متعلق جاننا آسان ہوجائے گا کیونکہ ہم پہلے مسلمان ہیں اور بعد میں پاکستانی،جب تک ہم سچے مسلمان نہ بنیں تو اچھے پاکستانی بھی نہیں بن سکتے،ایک اچھے مسلمان میں کون سی صفات اور خوبیاں ہونی چاہیں۔قرآن وحدیث میں اسکی تفصیلات بکھری ہوئی ہیں قرآن جو ربّ کریم کا فصاحت وبلاغت سے لبریز کلام ہے ایک ہی جملے میں بتلاتا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب:۳۱]

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم قرآن کی جیتی جاگتی تصویر ہے جیسا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی شخص کے سوال پوچھنے پر فرمایا تھا: «كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ» اب ہر مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کا مطالعہ کرے اور اس کی زریں تعلیمات کو حرزِ جاں بنائے۔اسی میں اس کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔آج کے زیر مطالعہ حدیث سے چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

لاریب جنت اور کامیابی اس شخص کے لیے ہے جس نے دل وجان سے اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ مان لیا بلاشبہ اسی نے انسان اور تمام کائنات کو پیدا فرمایا اور اس کی ربوبیت کی کرشمہ سازیاں ذرے ذرے سے نمایاں ہیں۔وہی ان تمام چیزوں کا مالک ہے اور صرف وہی اس قابل ہے کہ انسان اپنی جبینِ نیاز اس کے آگے جھکا دے۔

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝﴾ [الناس:۱تا۳]

''آپ فرما دیجئے کہ میں پناہ میں آتا ہوں لوگوں کے ربّ کی، وہی لوگوں کا بادشاہ ہے اور پھر وہی ہے جس کی عبادت کی جائے''

جب کائنات کی ہر چیز اسی کی حمد وثنا کر رہی ہے تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے۔بھلا اس کی شکرگزاری سے کیسے غافل رہ سکتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾
[بنی اسرائیل:۴۴]

''اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔''

جن لوگوں نے دل کی سچائی سے اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ تسلیم کر لیا پھر اسی مولا و مالک کی غلامی کا زندگی بھر دم بھرتے رہے۔جنہوں نے ہر دکھ اور مصیبت میں اسی سے فریاد کی۔اور ہر مشکل اور تنگی میں اسی کا سہارا تلاش کیا، ہر راحت اور آسانی میں صرف اسی کا شکر بجا لائے اور ہر مشکل میں صرف اسی کی رضا کے لئے صبر کیا اور اپنی جبینِ نیاز کو صرف اسی کی چوکھٹ پر جھکایا اور زندگی کے ہر معاملے میں صرف اسی کے احکام کی بجا آوری کی توان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝﴾ [حم السجدہ:۳۰]

''تحقیق جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے تو (موت کے وقت) ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے (جو انہیں مژدہ جانفزا سناتے ہیں) کہ ڈرو نہیں اور غم نہ کھاؤ اور اس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

یہی وہ سعادت مند لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کو بحیثیت دین کے نہ صرف خوشی خوشی قبول کیا بلکہ اس کی زریں تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں جاری وساری بھی کیا۔کیوں کہ ان کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان دین اسلام کی صورت میں ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾ [المائدۃ:۳]

''آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا (اسلام کے سوا کسی دستور حیات کی ضرورت نہیں) اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کردی اور (وہ نعمت کیا ہے؟ یہ کہ) تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔''

قرآن حکیم کو شروع سے لے آخر تک پڑھ جایئے تکمیل نعمت کی خوشخبری صرف دین اسلام پر دی گئی ہے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا تم پر کتنا بڑا انعام ہے کیسا اچھا دین ہے کتنا خوبصورت لفظ ہے اور اس کی کتنی پاکیزہ تعلیمات ہیں۔اس کا نظام عدل غریب اور مظلوم کو بلا قیمت انصاف مہیا کرتا ہے،اس کا معاشی نظام کسی کو بھوکا اور تنگدست نہیں رہنے دیتا۔اس کا معاشرتی نظام طبقاتی فساد اور جھگڑے ختم کردیتا ہے وہ ایک صالح اور پاکیزہ معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے۔افسوس کہ اتنے صاف اور شاداب دستور حیات کو چھوڑ کر تم نے گلے سڑے نظام کو قبول کررکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمہارا اطمینان وسکون برباد ہو چکا ہے۔

اس دنیا میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار رسول اور نبی تشریف لائے،ان میں ہر ایک مسلم تھا اور ہر ایک کی دعوت اسلام تھی اور ان کی اتباع اور اطاعت کرنے والے بھی مسلم ہی کہلائے،ان کی دعوت کسی قوم،علاقے،شہر اور بستی تک محدود تھی جب کہ آخری رسول اور نبی محمد ﷺ کی دعوت عالمگیر ہے۔دین اسلام کی تکمیل کے ساتھ رسالت کی بھی تکمیل ہوگئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ [السبا:۲۸]

''اور آپ کو جو ہم نے بھیجا ہے سو پوری نسلِ انسانی کے لئے''

جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ احکام الٰہی کی عملی تفسیر تھی،اس لئے آپ کی زندگی مسلمانوں

کے لئے نمونہ ٹھہری اور آپ کی اطاعت گویا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کا ثبوت ہے۔ارشاد ہوتا ہے :

﴿ مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [النساء:۸۰]

''جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا''

پھر غور کیجئے تو رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ زندگی سدابہار مہکتے ہوئے پھولوں کا گلدستہ ہے اس کا فیضان معاشرتی زندگی کے مختلف النوع لوگوں کو پہنچتا ہے بقول سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ :

''اگر دولت مند ہوتو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ کی تقلید کرو!اگر غریب ہوتو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو!اگر بادشاہ ہوتو سلطانِ عرب کا حال پڑھو!اگر رعایا ہوتو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو!اگر فاتح ہوتو بدروحنین کے سپہ سالار پر نگاہ ڈالو!اگر تم استاد اور معلم ہوتو صفہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہوتو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ!اگر واعظ اور ناصح ہوتو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونیوالے کی باتیں سنو!اگر تنہائی و بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہوتو مکہ کے بے یارومددگار نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہوتو فاتح مکہ کا نظارہ کرو،اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہوتو بنی نضیر،خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو!اگر یتیم ہوتو عبداللہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو!اگر تم جوان ہوتو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو،اگر سفر میں ہو تو بصرہ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو،اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہوتو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجرِ اسود کو کعبہ کے ایک کونے میں کھڑا کر رہا ہے،مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ وگدا،امیر وغریب برابر تھے،اگر تم بیوی کے شوہر ہوتو خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔اگر اولاد والے ہوتو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے نانا کا حال پوچھو۔غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو،تمہاری زندگی کے لئے نمونہ،تمہاری سیرت کی درستی واصلاح کے لئے سامان،تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد ﷺ کی جامعیت کبری کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔[خطبات مدارس]

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں کی توانائیاں اور قوتیں، اپنی جانیں اور مال اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے صرف کر ڈالے یہی حقیقت میں سچے مسلمان تھے، انہیں دنیا اور آخرت میں کامیابیاں ملیں۔

اب تک یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سچا مسلمان کون ہے؟ اب اچھا پاکستانی معلوم کرنا بڑا آسان ہو جائے گا، اچھا پاکستانی وہی ہے جو پہلے سچا مسلمان بنے گا۔ کیوں کہ اس خطہ زمین کا حصول صرف اسلام کی سربلندی کے لئے تھا، آزادی حاصل کرنے کے لیے جوان گنت جانی و مالی قربانیاں دی گئیں، تاریخ انہیں کبھی مٹا نہیں سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ وطن عطا کیا تھا۔ ہمارا یہ اقرار تھا کہ اسی کے دین کو ہم اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں جاری و ساری کریں گے۔ لہٰذا اچھا پاکستانی وہی ہے جو پہلے مسلمان اور بعد میں پاکستانی ہے جب تک ہم سچے مسلمان نہ بنیں اس وقت تک اچھے پاکستانی بھی نہیں بن سکتے، اسلام ہمیں ہر تفریق اور تعصب سے نجات دلاتا ہے اسلامی شعور کے بیدار ہوتے ہی پٹھان اور بلوچ، سندھی اور پنجابی کے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ علاقائی اور لسانی تفریق محض پہچان کے لیے رہ جائے گی برتری اور بہتری کا معیار تو تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ [الحجرات:۱۳]

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے“

حصولِ آزادی کے لیے ان گنت جانی و مالی قربانیاں دی گئیں تھیں جنہیں تاریخ کے اوراق کبھی مٹا نہیں سکتے، مگر افسوس کہ آزادی کی قدر و قیمت کو پہچانا نہیں گیا۔ ہمارے ملک پر ایسے سیاست دان مسلط رہے جنہوں نے مفادات کو تو خوب پہچانا مگر قوم کی فلاح و بہبود اور تعلیم و تربیت کو نظر انداز کیا، نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ پورا ملک طوفان بدتمیزی کی لپیٹ میں ہے خاص طور پر شہر کراچی کا امن و امان تہہ و بالا ہو چکا ہے۔

یاد رہے کہ جو سیاست دان اور بیوروکریٹس ملکی سیاست میں دلچسپی رکھتے ہیں انہیں اگر اسلام اور مسلمانوں سے محبت نہیں تو پھر انہیں اس ملک پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، یہ خطہ ان کے باپ دادا کی جاگیر اور میراث نہیں ہے اسے تو غریبوں نے اپنی لازوال قربانیوں اور بے بہا خون سے سینچا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا اور ان کو مملکت کی نعمت سے نوازا۔

ہماری التجا ہے کہ ہر پاکستانی اچھا مسلمان بن کر محبِّ وطن ہونے کا ثبوت فراہم کرے۔ اللہ تعالیٰ

ہمیں خلوص اور اتفاق کی دولت سے نوازے۔ آمین

دعاء و التجاء:

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ»

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتاہوں رنج وغم سے، بے بسی اور بخل (کنجوسی) سے، بزدلی اور لوگوں کی سختیوں سے''

مسلمان ہوشیار باش

عَنْ زَیْدِ بْنِ وَھْبٍ سَمِعْتُ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ: «اِنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ وَنَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَقَرَءُوْا الْقُرْاٰنَ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ» [بخاری۔ کتاب الاعتصام]

''زید بن وھب کہتے ہیں کہ میں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ایمانداری آسمان سے قلوب انسانی کی جڑ پر اتری (گویا کہ امانت داری انسانی فطرت میں داخل ہے) اور قرآن بھی (آسمان سے) اترا، پھر لوگوں نے اسے پڑھا اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب سمجھا۔''

اے مسلمان کبھی تو، بھٹکی ہوئی نسل انسانی کی ہدایت ورہنمائی کے لئے روشن منارہ تھا اور اب خود تاریکیوں میں گم گشتہ راہ ہے۔ کبھی تو چاردانگ عالم میں عدل وانصاف کا پھریرا لہرانے والا تھا مگر آج تیرے اپنے ہاتھوں اپنے ہی بھائی بند ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں کبھی تو غیروں کی عزت وآبرو کا رکھوالا تھا مگر آج تیرے اپنے ہاتھوں تیری اپنی ہی عزتیں لٹ رہی ہیں کبھی تیرے نام سے ہی قیصر کسریٰ کے درباروں میں رعب وہیبت طاری ہوجاتی تھی اور اب تو خود اغیار سے ڈرتا اور سہمتا ہے کبھی تو نے افریقہ کے تپتے صحراؤں اور یورپ کے دور دراز علاقوں میں سچائی کا ڈنکا بجایا۔ اور لوگوں کو مژدۂ امن وسلامتی سنایا تھا۔ مگر آج تیری اپنی زمینوں پر ہی غیر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور تجھے ان سے اپنے علاقے چھڑانے کی ہمت نہیں پڑتی

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پینے میں

مسلمانوں کی اس حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں:

''تاریخ عالم کا یہ واقعہ کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں نے نہایت محیّر العقول طریقہ پر ترقی کی اور اپنے کارناموں کا نقش صفحہ تاریخ پر اس طرح ثبت کیا کہ دنیا کی دوسری قومیں ان کی عظمت و برتری کے سامنے سرِ اطاعت خم کردینے پر مجبور ہوگئیں اب وہی مسلمان ہیں جن پر فلاکت وادبار مسلط ہے ان کا شیرازۂ ملی پراگندہ ہے اب ان کی محفلوں میں علم وفن کے مذاکرے بہت کم ہوتے ہیں دماغ قوتِ ایجاد واختراع سے محروم اور ہاتھ سیاسی طاقت وقوت سے ناآشنائے محض ہیں مردم شماری کے لحاظ سے اتنے مسلمان کبھی نہیں تھے جتنے کہ اب ہیں مگر ساتھ ہی علم وعمل ایمان وایقان اور روحانیت واخلاق کے لحاظ سے جتنے پست اور زبوں حال اب ہیں کبھی نہ تھے (مسلمانوں کا عروج وزوال) ہمارے اسلاف کی کامیابیوں کا راز زیر مطالعہ حدیث نبوی ﷺ ہے: اس کے مطالب ومفہوم کو سمجھ کر اس کی پاکیزہ تعلیمات کو حرز جاں بنایا۔وہ زندگی کے ہر معاملہ میں احکامِ الٰہی کے تابع اور سنت رسول ﷺ کے شیدائی تھے دین کو انہوں نے سربلند رکھا اس لئے دنیا ان کی مطیع رہی وہ جہاں جاتے کامیابیاں ان کے قدم چومتیں۔سرفرازیاں انہیں عزت سے ہمکنار کرتیں۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

ہمارے اسلاف دکھی انسانیت کے لئے راحت کا پیغام بنے، جہاں کہیں بھی وہ گئے عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کی۔انسانوں کو طرح طرح کی غلامیوں سے نجات دلاکر ربّ کائنات کا غلام بننے کا درس دیا۔جینے کا سلیقہ وقرینہ عطا کیا۔علم کی روشنی پھیلائی اور جہالت کو مٹایا، زندگی نے نئی کروٹ لی اوراس میں نظم وضبط پیدا ہوا۔مسلمانوں کے ہاتھوں یہ انقلاب اس وجہ سے آیا کہ ان کی زندگیاں اسلام کے پاکیزہ اصولوں سے روشن تھیں۔وہ جہاں جاتے اسلامی اخلاق وآداب کا مظاہرہ ہوتا، جس کا عکس دوسرے انسانوں پر پڑتا اوروہ اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے۔وہ نفوس قدسیہ جذبہ جہاد سے سرشار تھے، اور ہر طاغوتی طاقت سے ٹکرا جاتے تھے اور اسے زیر کرکے رکھ دیتے تھے انہیں تیر وتفنگ پر نہیں بلکہ اپنے خالق پر بھروسہ تھا۔ان کے چھوٹے چھوٹے دستے بڑے بڑے لشکروں سے بھڑ جاتے اوررحمت الٰہی سے فتح یاب ہوتے، وہ قرآنی آیات پر غور وفکر کرتے اورسیرت طیبہ ﷺ ان کے لئے روشنی کا سامان بنتی۔

آج عالم اسلام کے افق پر کہر چھایا ہواہے مال ودولت تو مسلمان کے پاس بہت ہے مگر ایمان

ویقین اورعقل وفکر کی دولت سے محروم ہو چکا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کی مصفی روشنی سے دور ہو چکا ہے۔مال کے ساتھ سوچ بچار اور ایمانی فراست وبصیرت رخصت ہو چکی ہے۔مغربی قومیں مکاری وعیاری سے اسے دام میں لانے کی کوششیں کررہی ہیں۔حال ہی میں خلیج کا بحران اسی سلسلہ کا شاخسانہ ہے،وہ چاہتی ہیں کہ مسلمانون کوعلم وعمل، میں تہذیب وثقافت میں،مالی اور اقتصادی طور پر کمزور کردیاجائے۔

یادرکھئے !جب کوئی قوم علم کی صحیح روشنی سے محروم ہوتی ہے تو اس سے عمل صالح کی صلاحیت بھی چھن جاتی ہے۔اورجس قوم کے افرادتن آسانیوں اور عیش وعشرت کی رنگینیوں میں مگن ہوجاتے ہیں،ان سے جہاد اورسخت کوشی کی عادتیں جاتی رہتی ہیں۔آج عرب ریاستوں کی زمینیں سونا اگلتی ہیں،سیم وزرکی فراوانی کی وجہ سے محنت ومشقت اور جذبۂ جہاد کی عادت سرد پڑ چکی ہے اس کی جگہ مداہنت اور بزدلی نے لے لی ہے۔اگر یہ بات نہ ہوتی تو اپنا مسئلہ خودحل کرتے،بھلا اغیار کو اپنی حفاظت کے لئے اپنے وطن میں داخل ہونے کی اجازت کیوں دی جاتی۔فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ "

"اے اللہ!میں آپ کی پناہ چاہتاہوں،محتاجی،مال کی کمی اور ذلت سے اور آپ کی پناہ چاہتاہوں اس سے کہ میں کسی پرظلم کروں یاکوئی مجھ پرظلم کرے"

ذمہ دارحکمران کیسے ہوں؟

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: « أَ لَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ، فَالْاِمَامُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَهْلِ بَیْتِهٖ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِیَةٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِیَ مَسْؤُوْلَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِهٖ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُ ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَّسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ ۔ » [رواہ مسلم]

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص محافظ اورنگران ہے اور اس سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی جو اس کی نگرانی میں ہیں، تو امیر (یا صدر) جو لوگوں کا نگران ہے اس سے اس کے زیرنگرانی لوگوں کی بابت پوچھ ہوگی اور ایک شخص اپنے گھر والوں پرنگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھ ہوگی اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اس کے بچوں پرنگران ہے اور اسے ان کے بارے میں پوچھ ہوگی اور کسی شخص کا خادم اپنے آقا کے مال و اسباب پرنگران ہے اور اسے اس کے بارے میں پوچھ ہوگی (اس طرح) یاد رکھو! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم سب سے تمہارے ماتحت لوگوں کے بارے میں پوچھ ہوگی۔''

آج کی حدیثِ مبارک میں کسی ریاست کے رئیس (صدر) اور صوبوں کے گورنر اور وزراء، حکومت کے نگران اور ذمہ دار حضرات کے بارے میں گفتگو ہوگی۔ایک آزاد خطے میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت کی اولین ذمہ داری نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کو قائم کرنے کے ساتھ ساتھ نیکیوں کو فروغ دینا اور برائیوں کو مٹانا ہوتا ہے، قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝﴾ [الحج: ٤١]

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز اور زکوٰۃ (کا نظام) قائم کریں گے، (ہر) نیکی کا حکم دیں گے اور (ہر) برائی کا سدباب کریں گے اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

اس آیۂ مبارکہ کے ذیل میں مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں:

''یہ ہے اصلی اور سچی تصویر اسلامی طرزِ حکومت کی ۔۔۔ گورنمنٹ اگر مسلمانوں، سچے مسلمانوں کی قائم ہو جائے تو مسجدیں آباد و پررونق ہو جائیں، ہر طرف سے صدائیں تکبیر و تہلیل کی گونجا کریں، بیت المال کے بعد کوئی ننگا، بھوکا نہ رہ جائے، عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے۔ رشوت، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے، امیر کو کوئی حق، کوئی موقع، غریب کی تحقیر کا، ایذا کا نہ باقی رہ جائے۔غیبتیں، بدکاریاں، چوریاں، ڈاکے خواب و خیال ہو جائیں۔آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ رہے۔مہاجنی کوٹھیوں، سود خور ساہوکاروں، بینکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں، گویے، نچنئے اگر تائب نہ ہوں، شہر بدر کر دیئے جائیں۔سینما، تھیٹر، تمام شہوانی تماشا گاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے۔گندہ

،فحش، افسانہ و شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں غرض یہ کہ دنیا، دنیا رہ کر بھی نمونۂ جنت بن جائے۔" [تفسیر ماجدی]

مندرجہ بالا آیہ مبارکہ پر بار بار غور کیجئے، معلوم ہوگا کہ یہ اسلامی ریاست کو نظام صلوٰۃ کے قیام سے معاشرتی طور پر اور نظامِ زکوٰۃ کے قیام سے معاشی طور پر مضبوط اور توانا بناتی ہے۔ جب کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے افرادِ قوم روحانی و اخلاقی طور پر بلند و بالا ہوتے ہیں۔ اس طرح فلاحی مملکت کی داغ بیل پڑتی ہے اور زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ وہاں امن وسکون، خوشی اور خوشحالی کی ریل پیل ہوجاتی ہے۔ اس بات کا عملی مشاہدہ کرنا ہو تو آج سے چودہ صدیاں قبل مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست کے حالات پڑھ لیجیے۔ دوسری اہم بات صدرِ ریاست اور وزراء کے لیے یہ ہے کہ ان کے دل قومی خدمت کے جذبہ سے معمور رہیں اور وہ ہمیشہ "سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ" یعنی قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے کا ماٹو سامنے رکھیں۔ اس روایت پر غور کیجیے:

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے عمر! میں نے رعایا پر شفقت کے پیشِ نظر تمہیں خلیفہ منتخب کیا ہے، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے، تم نے دیکھا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ہم کو اپنے اوپر اور ہمارے گھر والوں کو اپنے گھر والوں پر ترجیح دیتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو جو کچھ آپ کی طرف سے ملتا وہ اتنا زیادہ ہوتا کہ ہم اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بطور ہدیہ بھیجا کرتے۔" [کتاب الخراج۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسی جذبۂ ایثار کی قرآن شہادت دیتا ہے۔

﴿ وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر: ۹]

"اور وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔"

اس بات کا مشاہدہ صحابہ کرام میں اور خاص طور پر خلفائے راشدین کی زندگیوں میں کیا جاسکتا ہے۔

مولانا شبلی نعمانی الفاروق میں لکھتے ہیں:

"جس سال عرب میں قحط پڑا تو امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی عجیب حالت ہوئی جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے: "اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو میری شامتِ اعمال سے تباہ نہ کرنا۔" اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جو فکر و تردد رہتا تھا، اس سے قیاس کیا جاتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔ اس موقع پر بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ

کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بحر قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کیے جن میں سے ایک ایک (جہاز) میں تین تین ہزار اردبّ غلہ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان جہازوں کے ملاحظہ کے لیے خود بندرگاہ تک گئے جس کا نام جار تھا اور جو مدینہ منورہ سے تین منزل ہے، بندرگاہ میں دو بڑے بڑے مکان تھے اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا مفصل نقشہ بتائیں، چنانچہ بقید نام اور حق دار غلہ رجسٹر تیار ہوا، ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی جس کے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا، چک پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مہر ثبت ہوتی تھی، اس کے علاوہ ہر روز بیس اونٹ خود اہتمام سے ذبح کراتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے۔'' [الفاروق]

یہ سطور لکھ کر یہ بتلانا مقصود ہے کہ ایک مسلمان خلیفہ اور صدر کو اپنی قوم کے دکھ درد میں کس طرح شریک ہونا چاہیے اور جب تک قوم کو راحت اور آرام نہ ملے اسے بھی کسی کروٹ چین نصیب نہیں ہوسکتا۔

ایک آزاد خطہ زمین میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت کی اولین ذمہ داری نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ کو قائم کرنے کے ساتھ نیکیوں کو فروغ دینا اور برائیوں کو مٹانا ہوتا ہے اور دوسری اہم بات صدرِ ریاست اور وزراء کے لیے خدمتِ خلق کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا ہوتا ہے۔ خلفائے راشدین کا مثالی دور اس کا بہترین نمونہ ہے، خلیفہ دوم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر رعایا کے حالات اور ان کی مشکلات و مصائب معلوم کرتے تھے، اسلم (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا غلام) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو گشت کے لیے نکلے، مدینہ سے تین میل پر ''صرار'' ایک مقام ہے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقتِ حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے، ان کو بہلانے کے لیے خالی ہانڈی پانی ڈال کر چڑھا دی ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھے، مدینہ آ کر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو، اس نے عرض کیا کہ میں لیے چلتا ہوں، فرمایا: ہاں! لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے، غرض سب چیزیں خود لاد کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں، اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، عورت نے کہا:

''اللہ تمہیں جزائے خیر دے، سچ یہ ہے کہ امیرالمؤمنین ہونے کے قابل تم ہو، نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ۔''

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اُترا، اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لیے خود تشریف لے گئے، پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی، ادھر متوجہ ہوئے، دیکھا

تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے، ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گزرے تو بچے کو روتا پایا، غیظ میں آ کر فرمایا کہ تو بڑی بے رحم ماں ہے۔ اس نے کہا تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں، خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ (امیرالمؤمنین) نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں، بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے، میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو (اس بات پر) رقت ہوئی اور کہا ہائے عمر تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا، اسی دن منادی کی کہ بچے جس دن پیدا ہوں، اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ [الفاروق ۔ شبلی نعمانی]

امیرالمؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہونے سے پہلے محلّہ کی لڑکیوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیتے تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد سب سے زیادہ ایک بھولی بھالی لڑکی کو فکر ہوئی کہ اب ہماری بکریوں کا کیا ہوگا؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا:

"اللہ کی قسم! میں اب بھی بکریاں دوہوں گا، خلافت مجھے خدمتِ خلق سے باز نہ رکھ سکے گی۔"

مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں ایک نابینا عورت رہتی تھی جس کا کام کاج سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آ کر کر دیتے تھے لیکن چند روز کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ان سے پہلے کوئی اور شخص آ کر یہ خدمت سرانجام دے جاتا ہے، انہیں یہ معلوم کرنے کا شوق ہوا کہ یہ کون شخص ہے؟

ایک شب وہ اس بات کو معلوم کرنے کے لیے کہیں چھپے بیٹھے رہے تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ شخص سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جو خلیفہ ہونے کے باوجود پوشیدہ طور پر نابینا عورت کے گھر آتے تھے اور اس کے تمام گھریلو کام کر جاتے تھے۔ [صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۔۔۔ سعید احمد اکبر آبادی]

یہ چند مثالیں ان خدماتِ جلیلہ کی ہیں جو خلفائے راشدین نے بنفسِ نفیس سرانجام دیں، اس کے علاوہ رفاہِ عامہ (پبلک ورکس) کے بہت سے شعبہ جات ہیں جن کی تفصیل کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ سائنسی ترقی اور سہولیات کے دورِ حاضر کا اگر سلف صالحین کے دور سے موازنہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ ہمارے اسلاف نے فلاحی ریاست کو حقیقی روپ دیا تھا اور ہم ان کی نسبت کہیں پسماندہ ہیں، قرآن حکیم کی ارفع و اعلیٰ تعلیمات کی جھلک وہاں نظر آتی ہے اور یہاں پر ناپید ہے، مثلاً قرآن حکیم نے یتامیٰ کی نگرانی اور حفاظت پر زور دیا ہے۔ یہ وہ بچے ہیں جن کے والدین ان کے سن شعور کو پہنچنے سے پہلے فوت ہوجائیں اور وہ بے سہارا رہ جائیں، ان کی بودو باش، مال اور جائیداد کا خیال رکھنا بہت بڑے اجر کا کام ہے، ان کی مناسب طور پر دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت میں معاشرتی زندگی کی صلاح و فلاح ہے،

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ﴾ [البقرہ: ۲۲۰]

"اور آپ (ﷺ) سے (لوگ) یتامیٰ کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دیجیے کہ ان کی اصلاح بہت اچھا کام ہے، اگر تم ان سے مل جل کر رہنا چاہو (نیک نیتی سے ان کے مال ضائع ہونے سے بچاؤ) تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔"

امیرالمؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں یتامیٰ کا باقاعدہ سرکاری کاغذات میں اندراج ہوتا تھا، ان کی پرورش کا خیال رکھا جاتا تھا، اگر ان کی جائیداد ہوتی تو اس کی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے اور اکثر تجارت کے ذریعے سے اس کو ترقی دیتے رہتے تھے، ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے، وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے، تم اس کو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو واپس دو چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔ [الفاروق۔ شبلی نعمانی]

کیا ہمارے یہاں یتامیٰ کے لیے کوئی ایسا انتظام ہے؟ کیا کوئی ایسا محکمہ ہے جس میں ان کا باقاعدہ اندراج ہو اور ان کی بود و باش، نگرانی اور نگہداشت کا نیز ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہو؟ اگر اس طبقے کو نظر انداز کر دیا جائے تو وہ معاشرے کے لیے نقصان کا باعث ہوسکتا ہے۔ ان میں سے نہ معلوم کتنے سائل بن کر معاشرے پر بوجھ ثابت ہوں گے اور کتنے راہِ راست سے بھٹک کر، فساد اور بگاڑ پیدا کریں گے، اس لیے ان کی اصلاح کی طرف قرآن حکیم نے خاص توجہ دلائی ہے۔

حکمرانوں کے لیے تیسری اہم بات لوگوں کو بلا معاوضہ عدل و انصاف مہیا کرنا ہے۔۔۔ ایسا عدل جو امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ، اپنے اور پرائے کو بلاتفریق فراہم کیا جائے، قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝ ﴾ [ص: ۲۶]

"اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں یقیناً ان کے لیے سخت سزا ہے کہ وہ یوم الحساب کو بھول گئے۔"

اس آیۂ مبارکہ سے حکمرانوں کے لیے چند باتیں عیاں ہوتی ہیں:

(ا) جب انہیں اللہ تعالیٰ زمین پر اختیار واقتدار دے تو اسے حق وصداقت کے ساتھ خالق و مالک کی مرضی اور منشا کے مطابق استعمال کیا جائے۔

(ب) خواہشاتِ نفس کی قطعی طور پر نفی کی جائے کہ اس سے راہ حق سے دور نکل جانے کا امکان ہے۔

(ج) جو حکمران اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے راستے سے ہٹ جائیں گے وہ آخرت فراموشی کے جرم میں شدید عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

(د) یہ ہدایت جو سیدنا داؤد علیہ السلام کو فرمائی گئی، یہی ہدایت دنیا کے تمام حکمرانوں کے لیے ہے، جس کو بھی اختیار و اقتدار ملتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے دیے سے ملتا ہے اور اس کی بابت وہ روزِ قیامت جوابدہ ہوگا۔ اس دھرتی کے اوپر اور اس نیلگوں آسمان کے نیچے ہمارے اسلاف سے بہتر کسی نے کوئی عادل نہ پایا۔

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عدل اس کا تھا قوی، لوثِ مراعات سے پاک
شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

”سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنا دیا اور جس کی وجہ سے، اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا، جس میں دوست، دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی، ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے، تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔ ان کے بیٹے ابوشحم نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ۸۰ کوڑے مارے۔ قدامۃ بن مظعون رضی اللہ عنہ جو ان کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے، تو علانیہ ان کو اسی درے لگوائے۔“ (الفاروق)

عدل و انصاف، حکومت و سلطنت کی عمارت کا ستون ہے، اسی کی مضبوطی سے سلطنت کی بقا اور سلامتی ہے، قرآن و سنت میں اس کی اہمیت واضح کر دی گئی ہے، یہ اگر نہ ہو تو کسی مظلوم کی داد رسی ممکن ہی نہیں، اسی لیے ایک حاکم کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ عادل ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ [النساء: ۵۸]

''(مسلمانو!) بلاشبہ، اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کر دو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔''

اہم بات یہ ہے کہ حاکم وقت اور عام آدمیوں کے حقوق یکساں ہوتے ہیں۔شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''حکومتِ جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو، یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو، ملک کی آمدنی میں سے ضروریاتِ زندگی سے زیادہ نہ لے سکے، عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے، اس کے اختیارات محدود ہوں، ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو، یہ تمام امور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے۔۔۔ ایک دفعہ طویل تقریر فرمائی کہ اس کے چند جملے قابل توجہ ہیں:

''مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں، اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لیے لوں گا، صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مؤاخذہ کرنا چاہیے، ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے، ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہ ہونے پائے، ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے (وظائف) بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں، ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔'' [الفاروق]

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا کہ ''اِتَّقِ اللّٰهَ يَا عُمَرُ!''، یعنی اے عمر، اللہ کا خوف کر، حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں، کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم لوگ نہ مانیں، تو ہم مأخوذ ہیں۔'' (حوالہ ایضاً)

پانچویں بات حدود اللہ کی حفاظت ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [التوبة: ۱۱۲]

''(وہ مؤمن) توبہ کرنے والے، عبادت گزار (اللہ تعالیٰ کی) حمد بیان کرنے والے، روزہ دار، رکوع وسجود کرنے والے نیکیوں کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ایسے ہی مؤمنوں کو (جنت کی) خوشخبری دیجیے۔''

جب حدود اللہ کا پوری طرح نفاذ ہوگا تو کسی کو کسی کی جان لینے ، مال پر قبضہ کرنے اور عزت و آبرو کو لوٹنے کی جرات نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی جان و مال بھی محفوظ رہتے ہیں، اس کے لیے الفاروق (از شبلی نعمانی) پڑھ ڈالیے۔

قارئین، مضمون طویل ہوگیا ہے، آپ نے اسلام کے نظامِ عادلانہ کی معمولی سے جھلک دیکھ لی ہے، اب ذرا اپنے وطن عزیز پر نظر ڈالیے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ یہ چمن جسے غریبوں نے اپنے خون سے سینچا تھا۔ اسے جاگیرداروں اور وڈیروں نے پامال کر دیا ہے۔ اس کی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیا ہے، اسے مالی اور اخلاقی طور پر دیوالیہ بنا دیا ہے، کیا اس کی عظمتِ رفتہ کو بحال نہ کیا جائے ، کیا اسے یونہی ویران رکھا جائے گا، کیا عدل و انصاف کے چشمے رواں نہ ہوں گے؟ کیا لوگوں کے حقوق بحال نہ ہوں گے؟ کیا عزت و شرافت کو کوئی مقام نہ ملے گا؟ کیا ہم اس طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخرو ہوں جائیں گے؟

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَاَسْأَلُكَ عَزِيْمَةَ الرُّشْدِ وَاَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ ، وَاَسْأَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا وَّ قَلْبًا سَلِيْمًا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ » [سنن الترمذی= کتاب الدعوات، رقم الحدیث: ۳۳۲۹]

''اے اللہ! میں آپ سے اسلام پر استقامت اور نیکی پر ثبات مانگتا ہوں، پھر آپ سے سوال کرتا ہوں ، نعمتوں پر شکر گزاری اور حسن عبادت کا ، اور آپ سے سوال کرتا ہوں سچی زبان اور سلامتی والے دل کا اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ان تمام برائیوں سے جن کا آپ کو علم ہے اور بخشش چاہتا ہوں ان گناہوں سے جنھیں آپ جانتے ہیں آپ ہی غیب کو جاننے والے ہیں۔''

قیادت صالح کے نمونے

قَالَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَیْسٍ اِنَّ اَبَا بَکْرٍ قَالَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِنِّیْ اِنَّمَا اسْتَخْلَفْتُكَ نَظَرًا لِّمَا خَلَّفْتُ وَرَائِیْ، وَقَدْ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَرَاَیْتَ مِنْ اَثْرَتِهٖ اَنْفُسَنَا عَلٰی نَفْسِهٖ وَاَهْلَنَا عَلٰی اَهْلِهٖ حَتّٰی اِنْ کُنَّا لَنَظَلُّ لَنُهْدِیْ اِلٰی اَهْلِهٖ مِنْ فُضُوْلِ مَّا یَاْتِیْنَا عَنْهُ ‘‘[کتاب الخراج۔امام ابو یوسف]

’’اسماء بنت عمیس کا بیان ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے میں نے مسلمانوں پر شفقت کے پیش نظر تمہیں خلیفہ منتخب کیا ہے اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے۔تم نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ہم کو اپنے اوپر اور ہمارے گھر والوں کو اپنے گھر والوں کے اوپر ترجیح دیتے تھے یہاں تک کہ ہم کو جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملتا۔اس میں سے جو کچھ بچ جاتا وہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔

اللہ اکبر دنیائے انسانیت کے سب سے بڑے قائد کا معاملہ کس قدر فیاضانہ اور ہمدردانہ‘‘ ہے۔یہ تو اپنوں کے ساتھ ہمدردی وغمخواری کی بات ہو رہی ہے یہاں تو غیروں کے ساتھ بھی شفقت ومحبت کا سلوک روا رکھا جاتا ہے اور آفتابِ نبوت کی کرنیں روئے زمین کے تمام انسانوں کو تاقیامت ہدایت کی روشنی فراہم کرتی رہیں گی۔اور معاشرتی زندگی کے تمام شعبہ جات میں انہیں مکمل رہبری ورہنمائی حاصل ہوتی رہے گی وہ میدانِ سیاست ہو یا معیشت،شعبہء عدالت ہو یا نظامت ہر جگہ اور ہر مقام پر چمنِ نبوت معطر اور تروتازہ نظر آتا ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک کے اس واقعہ پر غور کیجئے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کے درہ میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے،یہ بھی ساتھ تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ آؤ سوار ہو جاؤ۔انہوں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا: اب انکار کرنا امتثالِ امر کے خلاف تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتر پڑے اور یہ سوار ہو لیے۔[سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،ج:۲]

اے مساوات کا نعرہ بلند کرنے والو یہ ہے اصلی اور کھری مساوات جس کی جھلک تم قائد انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں دیکھ سکتے ہو اور جو نفوسِ قدسیہ یہاں سے فیض یاب ہو کر دولتِ ایمان

سے بہرہ ور ہوئے وہ بھی انہی خوبیوں سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں۔سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ خلافت ملنے کے بعد عوام الناس سے خطاب کرتے ہیں۔

''لوگو! میں تمہارا امیر بنادیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔پس اگر میں اچھا کروں تو تم میری مدد کرنا اور اگر برا کروں تو مجھ کو سیدھا کر دینا۔سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ ایک خیانت ہے تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے۔چنانچہ میں اس سے حق لوں گا۔

[صدیق اکبر مولانا سعید احمد اکبر آبادی]

اے جمہوریت کا نعرہ الاپنے والو تمہارے نزدیک جمہوریت کثرت رائے کا نام ہے۔اور اس جمہوریت کی آڑ میں تم نے بڑے ظلم وستم ڈھائے ہیں۔مگر اسلام کے نزدیک جمہوریت صداقت کا اعلان ہے اور یہ ہمیشہ انصاف کا ساتھ دینے کو کہتے ہیں۔اس کی پہچان قلت اور کثرت کے فرق پر نہیں ہے بلکہ حق اور باطل کے فرق پر ہے۔حق کا پلہ بھاری ہے۔خواہ اس کا ساتھ دینے والے تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔اور باطل کا پلہ ہلکا ہے خواہ اس کا ساتھ دینے والے کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ایک مسلمان کا شیوہ ہے کہ وہ ہمیشہ حق وصداقت کا علم بلند رکھے۔

پھر دیکھئے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہونے سے پہلے محلّہ کی لڑکیوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیتے تھے۔خلیفہ ہونے کے بعد سب سے زیادہ ایک بھولی بھالی لڑکی کو فکر ہوئی کہ اب ہماری بکریوں کا دودھ کون دوہے گا ؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا: اللہ کی قسم میں اب بھی بکریاں دوہوں گا۔خلافت مجھ کو خدمت خلق سے باز نہیں رکھ سکے گی۔[صدیق اکبر۔مولانا سعید احمد اکبر آبادی]

اسے کہتے ہیں ''سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ'' کی عملی تفسیر اور یہ ہیں قوم کے سچے بہی خواہ۔یہ تو قرونِ اولیٰ کی بات ہے،اس پر کئی صدیاں بیت جانے کے بعد بھی مسلمان حکمرانوں میں خشیت وتقوٰے اور عدل وانصاف کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

سلطان محمود غزنوی کے دربار میں ایک شخص نے اس طرح شکایت کی۔

''آپ کا بھانجہ ہر روز رات گئے میرے گھر آجاتا ہے''

مجھ کو گھر سے باہر نکال دیتا ہے۔اور پھر رات بھر میری بیوی کے پاس رہتا ہے۔آپ کا بھانجا ہونے کی وجہ سے میرے محلے کے لوگ ڈرتے ہیں اور آپ کے قاضی بھی۔میں کئی بار قاضیوں کے ہاں فریاد لے کر گیا لیکن سب نے آپ کے بھانجے کے ڈر سے مجھے بھگا دیا۔اب میں حضور کے پاس آیا ہوں اور آپ سے فریاد کرتا ہوں۔اگر آپ بھی میری فریاد نہ سنیں گے تو پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ

سے فریاد کروں گا۔

یہ بیان سن کر سلطان سناٹے میں آ گیا۔تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر کہا اچھا جاؤ۔جب میرا بھانجہ تمہارے گھر آئے تو فورا مجھے خبر کرنا اور محل کے دربانوں سے کہہ دیا کہ جب بھی یہ شخص آئے اسے میرے پاس پہنچادیا جائے۔تیسرے دن رات کو وہ بادشاہ کے محل کی طرف چلا۔آدھی رات کا وقت تھا۔جیسے ہی وہ محل کے دروازے پر پہنچا سپاہیوں نے اسے بادشاہ تک پہنچا دیا۔بادشاہ اسے دیکھ کرفورا اٹھ کھڑا ہوا اور اس آدمی کے ساتھ ہولیا۔اس کے گھر پہنچا اندر جاکر دیکھا تو آدمی کے بیان کو سچ پایا۔سلطان نے فورا چراغ بجھا دیا۔اورتلوار نکال کر بھانجے پر ایسا وار کیا کہ اس کا سر دھڑ سے کٹ کر الگ کردیا۔اس کے بعد چراغ جلوایا۔پاس جا کر لاش دیکھی تو اس کی زبان سے۔الحمدللہ۔نکلا پھر اس نے گھر والے سے کہا۔جلدی پانی لاؤ مجھے بڑی پیاس لگی ہے۔پانی پی کر سلطان جانے والا تھا کہ گھر والے نے یہ عرض کی کہ حضور یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ نے آتے ہی چراغ کیوں بجھا دیا۔بھانجے کو قتل کر کے الحمدللہ،آپ کی زبان سے کیوں نکلا؟اور پھر آپ پیاس سے کیوں بے تاب ہوگئے ؟

سلطان نے سر جھکا لیا پھر کہنے لگا کہ چراغ میں نے اس لیے بجھادیا تھا کہ بھانجے کو دیکھ کر محبت غالب نہ آجائے اور میں تیرے ساتھ پورا پورا انصاف نہ کرسکوں۔پھر جب میں اسے قتل کر چکا تو چراغ جلاکر اچھی طرح دیکھا تو وہ میرا بھانجا نہ نکلا یہ کوئی جھوٹا اور فریبی ہے۔جس نے تم پر رعب جمانے کے لیے اپنے آپ کو سلطان کا بھانجا مشہور کیا،اس لیے میں نے شکر ادا کیا کہ میرا بھانجہ اس برے کام سے بچارہا،اس کام سے فارغ ہوکر میں نے پانی اس لیے مانگا کہ میں تین دن سے بھوکا پیاسا ہوں،جب سے تم نے مجھ سے فریاد کی اس وقت سے میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ جب تک تمہارے ساتھ پوراپورا انصاف نہیں ہوتا کھانا پانی منہ تک نہیں لے جاؤں گا۔اللہ کا شکر ہے کہ میں کامیاب ہوا لیکن جوں ہی فارغ ہواکہ پانی یاد آیا تو میں بے تاب ہوگیا۔ [لاجواب تاریخی فیصلے۔مائل خیرآبادی]

اسے کہتے ہیں لوگوں کو دہلیز پر انصاف ملنا۔تمہارا تو ابھی تک زبانی جمع خرچ ہے۔لوگ انصاف کے لیے ترس رہے ہیں۔صبح وشام مظلوموں کی آہ وفغاں بلند ہورہی ہے۔شریعت بل کی منظوری صرف اسمبلی کی چاردیواری تک محدود نہیں رہنی چاہئے۔بلکہ اسے فوری عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے تاکہ ہرشہری اطمینان اورسکھ کا سانس لے سکے۔

اے ربّ کریم ہمیں توفیق دے کہ ہم تیرے دین کو اس ملک میں نافذ کرسکیں۔آمین

دعاء و التجاء:

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾[الشعراء :۸۳]

”اے میرے ربّ مجھے عطا فرمائیے حکمت اور ملا دیجئے مجھے نیک لوگوں کے ساتھ۔“

صالح قیادت کی برکات اور اس کے انتخاب کا صحیح طریقہ

عَنْ مُّعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ كَتَبَ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنِ اكْتُبِيْ اِلَيَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِيْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِيْ فَكَتَبَتْ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :« مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَّلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ »[رواہ الترمذی]

”سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ آپ مجھے کوئی نصیحت لکھ کر بھیج دیں۔ جو مختصر ہو اور زیادہ طویل نہ ہو۔ انہوں نے سلام مسنون کے بعد یہ کلمات لکھ کر بھیج دیئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں لوگوں کی ناراضی سے بے فکر ہو کر لگا رہا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو خوشنودی کی فکر سے اسے بے غم فرمادے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بے فکر ہو کر لوگوں کی خوشی میں پڑا رہا تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے حوالے کردے گا (اور پھر وہ اس سے کبھی خوش نہ ہوگا)۔ والسلام۔

دین کی بنیاد ہی اخلاص پر ہے اور اخلاص کے معنی ربّ کی رضا مندی ہے۔ جب زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ ہی کی رضا طلب کی جائے گی تو اس میں ذاتی خواہشات اور مفادات، حرص وہوس کا عمل دخل جاتا رہے گا۔ اپنی پسند اور ناپسند کی تمنا ختم ہوجائے گی۔ پھر بندہ ہر وہ کام کرے گا جس میں مولا ومالک کی رضا ہو اور ہر اس کام سے دور رہے گا جس میں اس کی ناراضی ہو۔ اُسے لوگوں کی خوشی یا ناخوشی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا وہ حاکم ہو یا محکوم، آمر ہو یا مامور ہو صرف احکامِ الٰہی اس کے پیشِ نظر رہیں گے۔ اس آیت پر غور کیجیے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾[النساء:۵۸]

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل تک پہنچادو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کروتو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

اس آیت کے ذیل میں سیدنا زید بن اسلم فرماتے ہیں :

" اِنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ لِوُلَاةِ الْاَمْرِ اَنْ يَّقُوْمُوْا بِرِعَايَةِ الرَّعِيَّةِ وَحَمْلِهِمْ عَلٰى مُوْجِبِ الدِّيْنِ وَالشَّرِيْعَةِ وَعَدُّوْا مِنَ ذٰلِكَ تَوْلِيَةَ الْمَنَاصِبِ مُسْتَحِقِّيْهَا "

''آیت کریمہ میں حاکموں کو خطاب ہے کہ وہ رعایا کا مکمل بندوبست کریں۔دین وشریعت کے مقتضیات کا ان کو پابند بنائیں۔امانات کی ادائیگی میں یہ بھی شمار ہے کہ عہدے صرف ان کے مستحقین کو دیئے جائیں۔'' [اسلام کا زرعی نظام، ندوۃ المصنفین دھلی]

سورۃ النساء کی یہ آیت منصب امارت وصدارت سنبھالنے والوں کے لیے بلکہ عوام الناس کے لیے بھی جوان لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں۔روشنی کا سامان مہیا کرتی ہے۔

قرآن حکیم کا یہ معجزہ ہے کہ مختصر جملوں میں وہ سب کچھ سمجھا دیتا ہے۔جسے اگر پھیلا دیا جائے تو بڑے بڑے دفتر درکار ہوں گے۔لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ اگر امور سلطنت کے اہل اور حقدار لوگوں کو ہی امانت سونپی گئی۔ایسے لوگ جو علم اور بصیرت میں،فہم ودانش میں،تقویٰ وطہارت میں،نیکی اور پارسائی میں معاشرہ میں قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں تو اس کے نتائج یہ برآمد ہوں گے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے عدل وانصاف کی راہ اختیار کریں گے،عوام کی فلاح وبہبود ان کا مطمحِ نظر ہوگا۔تعمیروترقی کی جانب قدم بڑھیں گے۔ملک سیاسی اور معاشی طور پر مضبوط ومستحکم ہوگا۔ہر شخص اطمینان وسکون کا سانس لے گا یہ مثالی ریاست ہوگی جس کا قرآن نے اس طرح نقشہ کھینچا ہے :

﴿ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ ﴾ [سبا:۱۵]

''اپنے پروردگار! کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔(یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) ربّ غفار۔'' [ترجمہ فتح محمد جالندھری]

یہ ہیں صالح قیادت کے فیوض وبرکات کہ اس سے انسانوں کے دنیا اور آخرت کے معاملات سدھرتے اور سنورتے ہیں۔اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی زمین پر نیکی پھلے پھولے،لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کو قائم کیا جائے۔غور کیجئے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کو تاجِ خلافت بخشا تو ساتھ نصیحت بھی فرمادی۔

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ

الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ [ص-٢٦]

''اے داود ہم نے تجھے ملک میں خلیفہ بنایا ہے سوتم لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکومت کرنا اور اپنی خواہش پر نہ چلنا کہیں وہ تجھے اللہ کی راہ سے نہ بھٹکا دے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاکم کے لیے راہِ صواب صرف رضائے الٰہی میں ہے اور خواہشات کی پیروی میں گمراہی وضلالت ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں ظلم وستم ، دھوکہ اور فریب قومی خزانہ میں خیانت،کینہ پروری اور اسی قبیل کی نہ معلوم کتنی برائیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

یہ بات تو ظاہر ہوگئی کہ صالح قیادت ہی سے نظامِ حق قائم کیا جاسکتا ہے۔عدل وانصاف کی صرف اسی نظام میں توقع کی جاسکتی ہے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ صالح قیادت کیسے آئے ؟اس کا جواب یہ ہے کہ صالح قیادت کا انحصارنظرِ انتخاب پر ہے۔اگر حکومت کے نمائندوں کا نیکی اور صالحیت کی بنیاد پر چناؤ ہوتا ہے تو صالح قیادت کی توقع کی جاسکتی ہے اور اگر دھونس دھاندلی اوردھن دولت انتخاب کی بنیاد بنتے ہیں اور نیکی وراستبازی کونظرانداز کردیا جاتا ہے تو پھر حکومت بھی ایسی ویسی قائم ہوگی جس سے خیر کی توقع کم ہی کی جاسکتی ہے۔

انتخابات کی شکل وصورت تو وہ ہونی چاہیے جیسا کہ خلفائے راشدین کے انتخاب میں اصحابِ علم وفضیلت نے اپنی رائے دی اور اس پر پوری قوم اتفاق کرگئی یا پھر افرادِقوم اپنی رائے کو استعمال کرتے ہیں۔جیسا کہ دورِ حاضر میں جمہوری نظامِ حکومت کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔مگر اس میں لوگوں کے اندر اس قدرعلم اورشعور ہونا چاہیے کہ وہ نیک اور بد میں ،اچھے اور برے میں،کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرسکیں اور پھر عقلِ سلیم سے مضبوط قوت ارادی کے ساتھ صحیح راہ کا انتخاب کرسکیں اور ایسے نظام میں لوگوں کی نہ صرف اچھی تعلیم کی بلکہ سالہا سال کی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔

پاکستان میں اس قسم کے جمہوری انتخابات کئی بار ہوچکے ہیں مگر افسوس کہ ملک کو آج تک صالح قیادت نصیب نہیں ہوسکی۔برسراقتدار آنے والی ہر حکومت خائن اورمفاد پرست رہی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ عوام الناس کی اکثریت بے شعور اور بے ذوق ہے۔سوچ اور سمجھ سے کم ہی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔یہاں پر ایک شخص کی رائے اتنی سستی اور بے قیمت ہے کہ چائے کا ایک کپ پلا دیجئے اور اس سے ووٹ لے لیجئے۔یہاں پر اگر ایک سمت پانچ آدمی بھاگتے ہیں تو چھٹا بھی ان کو دیکھ کر اسی طرف بھاگ نکلے گا وہ اپنی بصیرت سے کم ہی کام لے گا۔کہ آیا ادھر جانا مفید ہے کہ نہیں۔

مایوسی کی اس فضا میں اب علمائے کرام پر زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اتفاق پیدا کرکے

بھٹکی ہوئی قوم کی تعلیم وتربیت کریں کہ ؂

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

دعاء والتجاء:

﴿ رَبَّنَا اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ [آل عمران:۱۷]

''اے ہمارے ربّ! ہم ایمان لے آئے، آپ ہمارے گناہوں کو معاف کردیجئے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچایئے۔''

نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ قَالَ :قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلاَ تَسْتَعْمِلُنِیْ؟ قَالَ :فَضَرَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی مَنْکِبِیْ،ثُمَّ قَالَ :﴿ یَا اَبَا ذَرٍّ ! اِنَّکَ ضَعِیْفٌ،وَاِنَّھَا اَمَانَۃٌ وَاِنَّھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ خِزْیٌ وَّنَدَامَۃٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَھَا بِحَقِّھَا وَّاَدَّی الَّذِیْ عَلَیْہِ فِیْھَا ﴾ [رواہ مسلم]

''ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کیا آپ مجھے کہیں عامل (حاکم) نہیں بنادیتے؟ ابوذر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر دست شفقت مارتے ہوئے فرمایا: اے ابو ذر رضی اللہ عنہ تم کمزور وناتواں ہو اور بے شک یہ ایک امانت ہے اور روزِ قیامت ذلت ورسوائی کا باعث ہے ہاں مگر جو اس فریضہ کو عدل وانصاف سے ادا کرے اور اپنی ذمہ داری کو ٹھیک ٹھیک پورا کرے۔''

یہ حدیث مبارک ریاست وامارت کے طلب گاروں کے لئے بصیرت اور روشنی کا سامان فراہم کرتی ہے سچی بات تو یہ ہے کہ اس اہم منصب اور ذمہ داری کا سنبھالنا ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے، نیز اس عہدہ کا مقصد نہ تو مال ودولت کا حصول ہے اور نہ ہی حکومت وسلطنت کی طلب، شریعت اسلامیہ کی رو سے اس شعبہ کی تعمیر ہی خدمت خلق اور عدل وانصاف کے قیام سے ہوتی ہے۔ اور ﴿ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ ﴾ ''قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے'' جب تک حقیقی مفہوم میں ظاہر نہ ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر بھی ثبت نہیں ہوتا۔

اس کا اہل وہی شخص ہوسکتا ہے کہ جو ایمان واخلاق اور علم وحلم کی دولت سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ، تدبر وفراست، رعب ودبدبہ، سیاسی ومعاشرتی سوجھ بوجھ اور عمدہ قائدانہ صلاحیتیں بھی رکھتا ہو۔

حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کے مزاج اور طبیعت سے پہچان لیا تھا کہ وہ اس ذمہ داری کو کماحقہ نبھانہ سکیں گے۔اسی لیے فرمایا:ابو ذر رضی اللہ عنہ تم کمزور وناتواں ہو،علماء نے اسلامی ریاست کے سربراہ یا اراکین حکومت کے انتخاب میں چند شرائط بیان کی ہیں،آیئے اختصار سے ان پر نظر ڈالیں۔

ا۔اسلام :

اسلامی ریاست میں وزیراعظم یا صدر مملکت ااور دوسرے وزراء کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے وہ مسلمان صرف نام سے نہ ہوں بلکہ ان کے قول وفعل سے سچے اور اچھے مسلمان کی خوبیاں عیاں ہوں،جب ان کی زندگیاں اسلامی اصولوں کے پاکیزہ سانچوں میں ڈھلیں گی تو اس کا عکس عوام پر پڑے گا،اسی بناء پر کسی نے خوب کہاہے " اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ " لوگ اپنے حکمرانوں کے طورطریقوں پر ہوتے ہیں۔

۲۔اخلاق وکردار:

فطری طور پر جن اعلیٰ اخلاق اور کردار کا تصور کیا جاسکتاہے وہ تمام کے تمام سربراہ مملکت کے لئے ضروری ہیں۔امت مسلمہ ایک نیک نفس امت ہے۔اس کے لیے پاک فطری اور پاکدامن رئیس الحکومت درکارہے۔[مقدمہ ابن خلدون]

''یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ایسا شخص کبھی بھی قوم سے اورقومی خزانہ میں خیانت نہ کرے گا۔اس لئے کہ نیک سرشت انسان کو خیانت سے ایسے ہی گھن آتی ہے جیسا کہ کسی غلاظت کے ڈھیر سے۔''

۳۔اجتھاد:

سربراہ مملکت کے لئے سیاسی تدبروبصیرت سے آراستہ ہونا بھی ضروری ہے اس لئے کہ سیاسی اجتہاد اور امورِ حکومت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ سیاسی دائرہ میں اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کا استعمال اس طرح کیا جائے کہ جس سے اطاعت الٰہی کا نصب العین پورا ہوسکے،گویا حکومت کے لئے سیاسی تدبراور اخلاق حسنہ دونوں ضروری ہیں۔[الذریعہ الی مکارم الشریعۃ۔راغب غازی بحوالہ اسلام کا نظام حکومت۔مولانا حامد انصاری غازی]

میرے خیال میں سیاسی فہم وفراست کی دورِ حاضر میں ضرورت اور بھی شدید ہے۔آج سائنس نے پوری دنیا کو ایک گھرانہ کی شکل دے دی ہے اب اگر کوئی واقعہ اور حادثہ دنیا کے کسی کونے میں بھی رونما ہوتواس کی خبر آنافانا پوری دنیا کوہوجاتی ہے اور سیاسی حالات بڑی تیزی سے پلٹا کھاتے رہتے ہیں۔لہٰذا مسلمان سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی مؤمنانہ بصیرت سے ہمہ وقت چوکس اور ہوشیار رہے،اپنے

دوستوں اور دشمنوں کو پہچانے، اپنے دفاع کو ہر طرح سے مضبوط بنائے۔

۴۔آزادی:

رئیس الحکومت شخصی طور پر اور اجتماعی طور پر آزاد ہونا چاہیئے کیونکہ غلام انسان کسی دوسرے کا زیردست ہوتا ہے اور ایک آزاد امت کی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرسکتا ہے۔

[اسلام کا نظام حکومت۔مولانا انصاری]

حقیقت تو یہ ہے کہ بندۂ مؤمن صرف ربّ تعالیٰ کا غلام ہوتا ہے اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اسے خوف زدہ اور مرعوب نہیں کرسکتی۔ افسوس کہ دین سے دوری کے باعث مسلمان کا ایمان کمزور ہو چکا ہے۔کتنی مسلمان ریاستوں کے سربراہ آزاد ہونے کے باوجود ذہنی طور پر مغربی ملکوں کے غلام ہیں۔ اپنے سیاسی اور سماجی مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں طے کرنے کی بجائے مغربی ملکوں کی طرف رجوع کرتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم نے صراحت سے بیان کیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

[المائدة:۵۱]

”اے ایمان والو: یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں سے ہوگا بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

مسلمان اس آیت کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ وہ کہاں بھٹک رہے ہیں، حال ہی میں خلیج کا بحران عرب دنیا کی نادانی اور قرآنی تعلیمات سے دوری کا کھلا ثبوت ہے۔

۵۔مرد ہونا:

یہ ضروری ہے کہ امت مسلمہ حکومت کی سربراہی کے لئے انتخاب مرد کا کرے۔

[درالمختار۔اسلام کا نظام حکومت۔مولانا انصاری]

میں کہتا ہوں کہ اسلام نے عورت کو رفعت وعظمت کے جس مقام پر کھڑا کیا ہے وہ دنیا کے کسی بھی مذہب وملت میں نظر نہیں آتا، لیکن مرد اور عورت کے فرائض کی تقسیم بھی الگ الگ کردی ہے، اگر دونوں اپنے اپنے دائرہ میں فرائض ادا کرتے چلیں تو معاشرتی زندگی میں بگاڑ نہیں پیدا ہوتا۔جونہی وہ اس نظم کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے تباہی وبربادی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔اسلام نے عورت کی سرداری

اندرون خانہ رکھی ہے جب کہ بیرون خانہ مرد کو سرداری عطا کی ہے اب اگر گھر سے باہر عورت کی حکمرانی قائم ہو جائے تو اس میں قصور تو سراسر مرد ہی کا ہے۔ بقول شاعر:

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

حاصل کلام یہ ہے کہ سیاسی انتخاب میں دولت وثروت یا رنگ ونسل ایسی باتوں کو قطعی کوئی دخل نہیں بلکہ تقوی وللّٰہیت، فہم و ذکاء، علم ودانش اور صداقت وامانت، ایسی خوبیاں پیش نظر ہونی چاہئیں۔ قرآن حکیم نے کتنی خوبصورت بات کہہ دی ہے۔

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ [الحجرات :١٣]

''تحقیق تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ مکرم ومحترم وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار اور نیک خصلت ہے۔''

اور جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

((اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَاَنَّ رَأْسَهُ زَبِيْبَةٌ))

[بخاری ومسلم بروایت انس]

''سنو اور اطاعت کرو۔ اگر چہ تم پر ایک حبشی کو حاکم بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کے دانے کی طرح ہو (یعنی جو بدوضع ہو)

دعاء و التجاء:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ))

''اے اللہ ہمیں اور تمام مؤمنوں اور مؤمنات، مسلمانوں اور مسلمات کو بخش دیجئے، ان کے دلوں میں باہمی الفت ڈال کر (انہیں متحد) فرما دیجئے ان کے درمیان اصلاح پیدا فرمائیے۔ اپنے اور ان کے دشمنوں پر ان کی مدد فرمائیے۔''

انصاف کی حکمرانی

رُوِیَ فِیْ " شَرحِ السُّنَّةِ " اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ :« اَقْطَعَ لِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَلدُّوْرَ بِالْمَدِیْنَةِ وَھِیَ بَیْنَ ظَھْرَانَیْ عِمَارَةِ الْاَنْصَارِ مِنَ الْمَنَازِلِ وَالنَّخْلِ فَقَالَ بَنُوْ عَبْدِ بْنِ زُھْرَةَ نَکِّبْ عَنَّا ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ ۔ فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ : فَلِمَ ابْتَعَثَنِیَ اللّٰہُ اِذًا ؟ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُقَدِّسُ اُمَّةً لَّا یُؤْخَذُ لِلضَّعِیْفِ فِیْھِمْ حَقُّہٗ »

[مشکوٰۃ : باب احیاء الموات والشرب]

" شرح السنہ میں یہ روایت بیان ہوئی ہے کہ جناب رسول ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو زمین کا ایک قطعہ مدینہ منورہ میں عنایت فرمایا۔ یہ قطعہ زمین انصار کے باغات اور مکانات کے درمیان واقع تھا، اس پر قبیلہ بنوعبد بن زہرہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ابن ام عبد (یہ عبداللہ بن مسعود کی کنیت تھی) کو ہمارے مکانات سے کہیں علیحدہ زمین عطا فرمائیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے کس مقصد کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کسی جماعت کو اس وقت تک پاک نہیں کرتا جب تک ان میں کمزور کا حق اسے نہ دلوادیا جائے۔"

جس طرح باڑ، باغیچے کی حفاظت کرتی ہے، اسی طرح حکومت رعایا کی نگہبانی اور حفاظت کرتی ہے۔ اسلام نے ایک مثالی اور اچھی حکومت کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کے زیر سایہ لوگوں کو اطمینان اور سکون نصیب ہوا، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہوئے، ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا اور مظلوموں کی پوری طرح داد رسی کی گئی۔ کمزوروں اور بے کسوں نے اپنے حقوق حاصل کیے، عدل و انصاف کا پہیہ رواں دواں ہوا اور احکامِ الٰہی کو بالا دستی حاصل ہوئی۔

ظہورِ اسلام سے قبل کے نظام پر نگاہ دوڑایئے کہ اس روئے زمین پر کہیں بھی عدل و انصاف کی حکمرانی کا کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا۔ نسل انسانیت ظلم و ستم کی چکی میں بری طرح پس چکی اور سسک سسک کر دم توڑ رہی تھی بحر و بر میں کہیں بھی امن اور سکون کی فضا میسر نہ تھی۔ قرآن نے اس طرح اس کا نقشہ کھینچا ہے:

﴿ ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ ﴾ [الروم : ۴۱]

”خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا تھا۔“

ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو کتاب ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا جن کی پاکیزہ سیرت، روشن تعلیمات اور تزکیہ و تربیت سے زندگی کی تاریکیاں چھٹ گئیں ، اسے روشنی ملی، وہ چمکی اور نکھری اور نظامِ حق کا ڈنکہ بجنے لگا جس کا ذکر قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ [آل عمران: ١٦٤]

”بلاشبہ اللہ نے مؤمنوں پر احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انھی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔“

جناب رسول ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے ساتھ ہی اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال دی گئی اور اسلامی ریاست پر آغاز سے ہی عدل وانصاف کا پرچم لہرانے لگا اور آفتابِ نبوت کی ضیا پاشیوں سے زندگی نے نئی کروٹ لی، اس میں حسن اور نکھار پیدا ہوا، جہالت کی رسموں کو توڑ دیا گیا، بدیوں کو پاؤں تلے روند ڈالا گیا ، بے کسوں اور بیواؤں کو سہارا دیا گیا، مظلوموں کی فریاد سنی گئی، زیر دستوں کو زبردستوں کے چنگل سے آزاد کرایا گیا۔ ،خواتین کا چھینا ہوا حق واپس دلایا گیا ، یتامی اور مساکین کو معاشرے میں باعزت جینے کا مقام حاصل ہوا اس طرح ہر شخص اطمینان اور سکون سے زندگی گزارنے لگا ، یہ تھیں اسلامی نظام کی برکات۔

رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کرنے والے ایک صحابی عبد للہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ زمین ایسی جگہ الاٹ فرمایا جہاں اردگرد انصار کے مکانات تھے، ابھی انصار ومہاجرین میں سلسلہ مواخات کی ابتدا تھی اور بھائی چارے کا رشتہ مستحکم نہیں ہوا تھا ، انصار کو بس یونہی خیال آیا کہ عبد اللہ بن مسعود کو کوئی الگ جگہ دے دی جائے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی درخواست کی، چونکہ اس عرض داشت سے قبل آپ ﷺ وہ قطعۂ زمین مہاجر صحابی کو دے چکے تھے اور اس معزز مسلمان کے نو وارد ہونے کی وجہ سے طاقتور انصاریوں کی رائے پر چلنا حکومت اسلامی کے نظریہ کے خلاف تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کسی کی دلجوئی یا ناراضی کی پروا کیے بغیر انصار کی درخواست مسترد کردی اور ارشاد فرمایا:: ”اگر میں

طاقتوروں کے مقابلے میں ضعیفوں کا حق دلوانے میں پس و پیش کروں تو پھر میری بعثت کا جو اہم مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔''

غور کیجیے! کہ اگر جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کو اس جگہ سے ہٹ کر ویسا ہی یا اس سے وسیع تر قطعہ زمین دے دیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا مگر اس سے غلط مثال قائم ہو جاتی ہے اور پھر کمزوروں کو دبانے کا سلسلہ چل نکلتا۔ یہ حقیقت ہے کہ تھوڑا سا ظلم اور معمولی سی نا انصافی بڑے بڑے ظلم اور نا انصافیوں کے دروازے کھول دیتی ہے۔ سعدی شیرازی ''گلستان'' میں بڑی عجیب حکایت نقل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ:

نوشیرواں بادشاہ کے لیے کسی شکار گاہ میں ایک شکار سے کباب بنائے جا رہے تھے اور نمک موجود نہ تھا۔ بادشاہ نے اپنے کسی نوکر کو قریب ترین گاوں کی طرف دوڑایا تاکہ نمک لے آئے اور اسے تاکید کی کہ معمولی نمک بھی قیمتاً لائے اس لیے کہ مفت کے حصول کی رسم بد نہ چل پڑے۔ اس طرح گاؤں ویران ہوتا رہے۔ لوگوں نے کہا بھلا اس قدر کم مقدار سے کیا خلل ہوگا؟ نوشیرواں نے جواب میں کیا عمدہ جملہ کہا:

''بنیاد ظلم اندر جہاں اوّل اندک بودہ است و ہر کس کہ آمد برآن مزید کرد تابدیں غایت رسید''

''اس دنیا میں ظلم کی بنیاد ابتدا میں معمولی سی تھی اور ہر آنے والے (ظالم) نے اس میں اضافہ ہی کیا اور وہ بڑھ کر کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا۔''

اسلام دنیا میں ظلم مٹا کر انصاف کی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے خلیفۃ المسلمین (صدر ریاست) کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو انصاف فراہم کرے۔ ان آیات مبارکہ پر غور کیجیے:

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ [ص:٢٦]

''اے داؤد ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کرنا اور خواہش نفس کی اتباع نہ کرنا (بلکہ احکام الٰہی کے مطابق فیصلہ دینا) ورنہ یہ بات تمھیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ [النساء:٥٨]

'' (مسلمانو!) بلاشبہ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ جو امانتوں کے حقدار ہیں انھیں امانتیں ادا کرو

اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔"

اس آیہ مبارکہ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حکومت امانت ہے اور اس کا انتظام ان لوگوں کو سونپنا چاہیے جو اسے سنبھالنے کے اہل ہوں، نیز صدر اور کابینہ اس بات کی ذمہ دار ہیں کہ لوگوں میں انصاف مہیا کریں پھر جو لوگ اختیار رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے بلکہ اپنی خواہشات کی تکمیل یا اپنے دوستوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے پیچھے چلتے ہیں، ان کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ...... الظّٰالِمُوْنَ ۝ ...... الفَاسِقُوْنَ ۝ ﴾ [المائدہ: ٤٤، ٤٥، ٤٧]

"اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ کافر۔ ظالم اور فاسق ہیں۔"

پاکستان کو معرض وجود میں آئے ہوئے ۵۸ برس بیت چکے ہیں اور اسلامی نظامِ عدل کے لیے آنکھیں ترس گئی ہیں۔ کتنی ہی حکومتیں بنیں اور بگڑیں۔ ہر آنے والی حکومت اسلامی فلاحی مملکت قائم کرنے کا دعویٰ کرتی رہی مگر عملاً ناکام رہی ۔ یا تو انھیں اپنی خواہشات روکتی رہیں یا پھر یہود و نصاریٰ (خاص طور پر امریکہ) کا خوف غالب رہا اور اس کی منشا اور رائے پر عمل کرتے رہے حالانکہ ربّ تعالیٰ کا واضح حکم یہ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ [المائدہ: ٥١]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ، یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم میں سے کسی نے انھیں دوست بنایا تو وہ بھی انھی میں سے ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

آج تک ہمیں جو نقصان پہنچا ہے وہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ ہم نے قرآن و سنت کی روشنی سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اپنی خواہشات کے غلام بنے رہے ہیں یا پھر اغیار کے پیچھے لگ کر ملک کو اخلاقی و معاشی طور پر دیوالیہ بنا دیا ہے ...... پاکستان میں اسلامی نظام شروع میں ہی قائم ہو جاتا تو اس وقت یہ ملک گہوارۂ امن ہوتا اور سب کی زندگی امن و سکون سے بسر ہوتی اور ہماری تاریخ ظلم کی بجائے امن

سے لکھی جاتی ۔کیا ہم اب بھی سنبھل جائیں گے۔؟

﴿ اَلَمۡ يَأۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ﴾

[الحديد: ١٦]

"کیا اہل ایمان کے لیے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر کے لیے اور جو حق اللہ نے نازل کیا ہے اس کے لیے ان کے دل پسیج جائیں؟"

کیا علمائے کرام اپنے فروعی اختلافات کو الگ رکھتے ہوئے صرف ربّ کریم کی رضا کے لیے اس کا دین بلند کرنے کے لیے اکٹھے نہیں ہو سکتے جو اتحاد امت مسلمہ کو بچانے کے لیے وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے؟ اے اللہ ہمیں شعور عطا فرما۔

دعاء و التجاء:

« رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّ هَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ۝ » [الكهف: ١٠]

"اے ہمارے رب! ہم کو عطا فرمائیے، اپنے پاس سے رحمت اور مہیا کیجیے ہمارے کام میں راہ یابی۔"

اسلامی انقلاب میں نفاق سب سے بڑی رکاوٹ ہے

وَعَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عَمۡرِو بۡنِ الۡعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَرۡبَعٌ مَّنۡ كُنَّ فِيۡهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا ، وَمَنۡ كَانَتۡ فِيۡهِ خَصۡلَةٌ مِّنۡهُنَّ كَانَتۡ فِيۡهِ خَصۡلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اُؤۡتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ » [متفق عليه، رياض الصالحين، باب تحريم الغدر]

"سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ چاروں جمع ہو جائیں وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک پائی جائے تو سمجھا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوگئی ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے وہ خصلتیں یہ ہیں: جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو وفا نہ کرے، اور جب لڑائی جھگڑا ہو، تو بد زبانی پر اتر آئے۔"

بعض روایتوں میں ہے:

« وَاِنۡ صَلّٰى وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسۡلِمٌ »

''اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور اس گمان میں ہو کہ وہ پکا مسلمان ہے۔''
النفق: آر پار ہونے والا کوچہ یا سُرنگ جس کے دونوں منہ کھلے ہوں اِسی کا نام نفاق ہے جس کے معنی شریعت میں دو رُخی اختیار کرنے کے ہیں(ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ ہونے کے ہیں۔)

[مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی]

گویا کہ منافقین ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی زبانیں اور دل یکساں نہیں ہوتے ہیں وہ اپنی زبانوں سے جو کچھ کہتے ہیں دل اس کی تصدیق نہیں کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ [الفتح:۱۱]

''یہ لوگ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔''

ایمان تو زبان کے اقرار اور دل سے تصدیق ہی نہیں بلکہ اعضاء و جوارح سے اعمالِ صالحہ کو سرانجام دینے کا نام ہے، اس کے برعکس نفاق میں ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ اور منافقین خواہ کیسے ہی شد و مد سے اپنے ایمان کا اظہار کریں۔ چونکہ یہ اظہار دل کی گہرائیوں سے نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی قدر و قیمت بھی نہیں پڑتی۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ [المنافقون:۱]

''(اے پیغمبر ﷺ) جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو (آپ کو خوش کرنے کے لیے) کہہ دیتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ بے شک اس کے رسول ہیں مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق (اپنے اس دعوے میں) قطعی جھوٹے ہیں۔''

اسی سورت کی اگلی آیت میں منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آجاتا ہے اس طرح کہ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے جہاں کوئی بات قابل گرفت ان سے سرزد ہوئی اور مسلمانوں سے مواخذہ کا خوف ہوا۔ فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر بَری ہو گئے اور ان کا طرزِ عمل یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، ان کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ [المنٰفقون:۲]

''یہ لوگ بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں۔''

جس طرح کہ سرطان ایسا موذی مرض جسم میں پھیل کر اس کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اسی طرح

نفاق سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کی مثال قرآن حکیم نے ﴿ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ﴾ یعنی ''خشک اور بیکار لکڑی'' سے دی ہے جو دیوار کے سہارے کھڑی کر دی جائے ۔ یہ دیکھنے میں خواہ کتنی ہی خوب صورت اور چمکدار نظر آئے مگر اندر سے کھوکھلی اور ناکارہ ہونے کی بنا پر سوائے ایندھن کے اور کسی کام کی نہیں۔ یہی حال منافقین کا ہے ۔ ان کے موٹے فربہ جسم اور تن توش سب ظاہری خول ہیں اور ان کے اندر ایمان سے خالی اور بے جان ہیں اور یہ بھی محض دوزخ کا ایندھن بننے کے لائق ہیں۔

نفاق ایسی خطرناک اور مہلک بیماری کو ہم نے نشو ونما دی ہے اور ہماری سیاسی ، معاشی ، انفرادی اوراجتماعی زندگی میں یہ مرض پیدا ہو چکا ہے۔ ہم نے حصولِ وطن کے لیے دو ٹوک الفاظ میں فیصلہ دیا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا: '' لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کلمہ طیبہ کا مطلب ایک ہی ہوسکتا ہے۔ دو نہیں ہو سکتے ۔ یہ واضح اقرار ہے کہ ہم دل و جان سے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حاکم و مالک تسلیم کرتے ہیں اور زندگی کے ہر معاملہ میں صرف اورصرف اسی کی بندگی کا دم بھرتے ہیں اور ہمارے لیے اطاعت کا نمونہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے مگر عملی طور پر ہم نے کس بات کا مظاہرہ کیا ہے ۔ ہمارے حکمران اور سیاست دان گزشتہ ۵۸ برس سے اسلام، اسلام کو وردِ زبان بنائے ہوئے ہیں۔ مگر آج تک انھوں نے اسلامی نظام کو نافذ نہیں کیا اسلامی قوانین کے نفاذ کی بجائے اس کے عادلانہ اور منصفانہ اصولوں کی مخالفت کی ہے ۔ ابھی گزشتہ دنوں سزا اور سُود کے بارے میں آپ اخبارات میں پڑھ چکے ہیں۔

ہمارے علمائے کرام منبر و محراب سے لوگوں کو اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتے رہتے ہیں، مگر ان کے درمیان کوئی مستقل مضبوط اجتماع نہیں ہو سکا ہے ۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ﴾ [الحشر:١٤]

''یعنی تم خیال کرتے ہو کہ وہ اکٹھے ہیں مگر دل ان کے پارہ پارہ ہیں۔''

اس آیت میں منافقین کے بارے میں نشاندہی کی گئی ہے مگر آج اس کا اطلاق ہمارے دین پسند حلقوں پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تو وعدہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو ضرور بضرور حکومت عطا کرے گا۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ [النور:٥٥]

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل بھی کیے ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں خلافت عطا کرے گا ۔ جیسے ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں (اسلاف) کو عطا کی تھی۔''

اگر واقعی ہم نظامِ خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اپنے اندر اتحاد و اتفاق تو قائم کریں، حال یہ ہے کہ

ہمارے نفاق اوراختلاف کی وجہ سے دنیا کے اکثر وبیشتر اسلامی ملکوں میں اشرار کی حکومتیں قائم ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اگر ابرار بکھرے رہیں گے تو ان پر اشرار ہی مسلّط ہوجائیں گے۔

ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں ، ہماری معاشرت اور معیشت میں جھوٹ ،مکر وفریب، دھوکہ، وعدہ خلافی، دنگہ فساد،قتل و غارت زوروں پر ہے اور یہ سراسر نفاق کی علامتیں ہیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے آئے؟

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّيَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْكَذِبِ وَ اَعْيُنَنَا مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ » آمین

’’ اے اللہ! ہمارے دلوں کو نفاق سے اور ہمارے اعمال کو ریا سے اور ہماری زبانوں کو دروغ گوئی سے اور ہماری آنکھوں کو خیانت سے پاک فرما دیجیے، بلاشبہ آپ ہی آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے راز سے آگاہ ہیں۔‘‘

اسلام اور پاکستان کے منکر کون ہیں ؟

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: « كُلُّ اُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّـةَ اِلَّامَنْ اَبٰى قِيْلَ :وَمَنْ يَّأْبٰى ؟ قَالَ :مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰى »[بخاری، مشکوۃ:باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ]

’’ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کا ہرفرد جنت میں داخل ہوگا سوائے اس کے کہ جس نے (جنت میں جانے سے)انکار کیا،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ (اس سے)انکاری کون ہوسکتا ہے؟فرمایا:جس نے میری اطاعت کی (میرے نقش قدم پر چلا)وہ جنت میں چلاجائے گااور جس نے میری نافرمانی کی،(میرے احکام کو پس پشت ڈالا)تو اس نے گویا (جنت میں جانے سے)انکار کیا۔‘‘

ایمان اورعمل صالح کا آپس میں تعلق چولی دامن کی طرح ہے ایمان کے بغیر عمل صالحہ کی قبولیت نہیں ہے اور اعمالِ صالحہ کے بغیر ایمان مضبوط اور تروتازہ نہیں رہتا ہے ایمان کی مثال ایک اچھے بیج کی سی ہے جسے دل کی زمین میں بویا جاتا ہے۔اور اعمالِ صالحہ کی مثال ایک درخت اور اس کی شاخوں اور پتوں

کی سی ہے جو اس بیج سے پھوٹتے ہیں جس کے نہ صرف سایہ سے لوگ فیض یاب ہوتے ہیں بلکہ اس کے پھل پھول بھی صحت اور زندگی کی شادابی کے ضامن ہوتے ہیں۔

بندۂ مسلم جب اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ مان لیتا ہے اور اطاعت رسول اللہ ﷺ میں ایامِ زندگی گزارتا ہے تو اس کی زندگی سدا بہار درخت کی طرح پھلتی پھولتی ہے جس سے نسل انسانی فائدہ اٹھاتی ہے اس کی زندگی کا کوئی لمحہ فیض رسانی سے خالی نہیں ہوتا ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾[ابراهيم:٢٤]

"(اے پیغمبر) کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کیسی اچھی مثال کلمہ طیبہ کی بیان فرمائی ہے کہ وہ ایک اچھے درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔ ہر آن وہ اپنے ربّ کے حکم سے پھل لاتا رہتا ہے۔"

اعمالِ صالحہ کے لئے سیرت رسول ﷺ کو نمونہ ٹھہرایا گیا، حکم ہوتا ہے۔:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾[آل عمران:٣١]

"(اے پیغمبر) لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو (اگر تم نے ایسا کیا) تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔"

اتباع رسول ﷺ سے ہی زندگی اپنی بلندیوں کو چھوتی ہے سنت کی پیروی زندگی کے ہر معاملے میں ہوگی، رسول اللہ ﷺ کی کتابِ زندگی کا ہر ورق پاکیزہ، روشن، صاف ستھرا اور رضائے الٰہی کا نمونہ تھا۔ سیرت طیبہ کا مطالعہ کیجئے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا کتنا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ ہم پڑھتے ہیں کہ پیارے رسول ﷺ رب تعالیٰ کی بندگی سے فارغ ہوئے تو گھر میں اہل خانہ کے ساتھ کام کاج میں مصروف ہوگئے پھر بیواؤں اور یتامیٰ کی خدمت کے لئے بھی وقت نکالا، بیماروں اور مریضوں کی تیمارداری بھی ہو رہی ہے کبھی دعوت و تبلیغ کا کام جاری ہے اور کبھی تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی سرانجام دیا جا رہا ہے اور کبھی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد ہو رہا ہے گویا کہ زندگی سراپا حسن و جمال سے آراستہ ہے یہاں زبان اور دل کی سچائی، عفت اور پاکبازی، امانت اور دیانتداری، عدل و انصاف اور عہد کی

پابندی، عفو و درگذر اور حلم و بردباری، تواضع اور خاکساری اور علم وحکمت کے پھول ہر آن کھلتے دکھائی دیتے ہیں اور زندگی کو جس جس رخ سے بھی دیکھئے وہ اپنی معراج پر نظر آتی ہے اتباع رسول ﷺ کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے جملہ امور میں آپ کی پیروی کی جائے تب ہی قربِ الٰہی کا حصول ممکن ہے ورنہ زبانی جمع خرچ اور عملاً انکار سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔

آیئے اب ذرا اپنے ملک پر نگاہ ڈالیں،اس کے حصول کے لئے کتنی جانی و مالی قربانیاں دی گئیں کتنے دکھ اور ستم سہے گئے ؟ ہمارے پیش نظر صرف اور صرف اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگیاں گزارنا تھا۔ہم چاہتے تھے کہ ہماری معاشرت، معیشت، سیاست اور تمام شعبہ جات اسلام کے زریں اصولوں کے مطابق ڈھل جائیں۔حصولِ وطن کے لئے ہمارا ایک ہی نعرہ تھا۔

''پاکستان کا مطلب کیا: '' لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت آزادی ملنے کے بعد ہم نے عملاً کلمہ طیبہ سے انحراف کیا۔آہستہ آہستہ اسلامی آداب و اخلاق ہماری زندگیوں سے رخصت ہوتے گئے اور ان کی جگہ فسق وفجور، برائیوں اور بے حیائیوں نے لے لی،زندگی کے سنتالیس برس قوموں کے بننے سنورنے اور تعمیر وترقی کے لئے طویل عرصہ ہوتے ہیں مگر افسوس کہ اسے بے دردی اور حماقت سے ضائع کر دیا گیا۔اب ہم تباہی و بربادی کے گڑھے میں گر چکے ہیں ہماری درس گاہوں کا تقدس پامال ہو چکا ہے۔دن کی چکا چوند روشنی میں ہمارے نوجوان کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ایک دوسرے پر فائر کھول دیتے ہیں آناً فاناً کئی قیمتی جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ سورج کے چمکتے ہوئے، چور اور ڈاکو گھروں کو لوٹ لیتے ہیں اور نہ صرف مال اٹھاتے ہیں بلکہ جانوں کو بھی ضائع کر کے فرار ہو جاتے ہیں آباد شاہراہوں پر ڈاکو،معزز شہریوں کو روکتے ہیں اور ان کی جیبوں سے مال نکال کر غائب ہو جاتے ہیں اگر وہ مزاحمت کرتے ہیں تو انہیں گولی کا نشانہ بنا دیتے ہیں بینک جہاں لوگوں کی امانتیں جمع ہوتی ہیں اور جہاں ہر وقت پولیس کے آدمی پہرہ دے رہے ہوتے ہیں وہ بھی چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ نہیں ہیں اور تو اور مساجد جہاں اللہ کے بندے اپنی پیشانیوں کو اپنے ربّ کے حضور جھکائے ہوتے ہیں اچانک گولیوں کی تڑتڑ آوازوں سے بے گناہوں کے خون سے رنگین ہو جاتی ہیں عورتوں کی عزتیں لٹتی ہیں، بچے اغوا ہوتے ہیں، رشوت کی فراوانی ہے، دھوکہ اور فریب عام ہے مگر ہر حکومت ان حالات کو کنٹرول کرنے میں قطعی ناکام رہی ہے اور ملک اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کہلاتا ہے اور اس میں بسنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

کیا عملاً ہم نے نظریہ پاکستان سے انحراف نہیں کیا ہے؟ ہر قائم ہونے والی حکومت نے اسلام کا نام تو بڑی شدّ و مد سے لیا ہے۔مگر اسلامی احکام کو نافذ نہ کیا، یہ تو کھلی منافقت ہے ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کہتا ہے۔:

﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ [المائده: ٤٤]

''اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔''

اسی سورت کی آیت ۴۵ اور آیت ۴۷ میں انہیں ظالم اور فاسق لوگ قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ، کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرو۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ ﴾ [التوبة: ٧٣]

''اے پیغمبر کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اوران کے ساتھ سختی سے پیش آؤ ا(کہ انہوں نے اللہ کی زمین پر فساد پھیلا رکھا ہے)''

اس آیہ مبارکہ کی روشنی میں ان لوگوں پر فرض عائد ہوتا ہے جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور ان لوگوں کے خلاف جہاد کریں جو نظریہ ٔپاکستان کے باغی ہیں اور یہاں پر اللہ کے دین کو جاری وساری کریں تاکہ یہ خطہ زمین امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے اور یہاں کے بسنے والے اطمینان اور سکون سے زندگی گزاریں اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھیں کہ ان کا حشر بھی کفار اور منافقین جیسا ہوگا اور اللہ کے عذاب سے انہیں کوئی نہ بچا سکے گا۔اٹھیے خواب غفلت سے بیدار ہوجایئے وقت بہت تھوڑا ہے۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ »

''اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلا دیجئے'' (آمین یا رب العالمین)

ظالم حکومت کا انجام

عَنۡ هِشَامٍ عَنِ الۡحَسَنِ قَالَ اَتَيۡنَا مَعۡقِلَ بۡنَ يَسَارٍ نَعُوۡدُهُ فَدَخَلَ عُبَيۡدُاللّٰهِ فَقَالَ لَهُ مَعۡقِلُ اُحَدِّثُكَ حَدِيۡثًا سَمِعۡتُهُ مِنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ سَلَّمَ قَالَ: « مَا مِنۡ وَّالٍ يَّلِىۡ رَعِيَّةً مِّنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ فَيَمُوۡتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَّهُمۡ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ

الْجَنَّةَ ››[بخاری :باب من استرعی رعية فَلَمْ يَنْصَحْ]

’’ہشام،حسن سے روایت کرتے ہیں،انہوں نے کہا کہ ہم معقل بن یسار کی عیادت کرنے آئے،اتنے میں عبیداللہ (ابن زیاد) بھی وہاں آئے،جناب معقل نے عبیداللہ (بنو امیہ کے گورنر) سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مسلمان رعیت کا حاکم ہو اور وہ رعایا کے ساتھ خیانت کرتے ہوئے دارِ فانی سے رخصت ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔‘‘

معاشرتی زندگی کا تانا بانا ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھاک سنبھالنے سے ہی درست رہتا ہے اور ہر فرد اس میں نگران اور مسئول ہوتا ہے۔کسی ریاست میں ایک صدر سے لے کر ایک عام مزدور تک ہر شخص ذمہ داریوں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے اور عہدہ جس قدر بڑا ہوتا ہے اسی قدر ذمہ داری بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ایک گھر میں والدین بچوں پر نگران اور ان کی تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ایک تعلیمی درس گاہ میں اساتذہ اپنے شاگردوں کی تعلیم ہی نہیں بلکہ ان کی تربیت کے بارے میں بھی مسئول ہیں۔ایک کارخانہ کا مالک وہاں کام کرنے والے مزدوروں کے حقوق ادا کرنے کا پابند ہے۔اسی طرح ایک حکومت اپنے شہریوں کی فلاح و بہبود کی ذمہ دار اور ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ ہوتی ہے۔بلکہ اسلام پر قائم ہونے والی حکومت تو لوگوں کی تعلیم،علاج معالجہ،روٹی،کپڑا،رہائش اور روزگار فراہم کرنے کی بھی مسئول ہوتی ہے۔

اگر اسلام کے نام پر قائم ہونے والی حکومت اپنی ذمہ داری کو ٹھیک ٹھیک سرانجام نہ دے رہی ہو تو ایک عام شہری سربراہِ ریاست سے،کسی صوبے کے حاکم یا وزیر سے باز پرس کر سکتا ہے۔یہی حقیقی معنوں میں جمہوریت ہے۔تاریخ اسلام سے دو چار واقعات پر نظر ڈالتے چلیے۔

امیر المؤمنین جناب عمر رضی اللہ عنہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر لوگوں کے حالات معلوم کرنے معذوروں،بیواؤں،بیکسوں،غریبوں،مسکینوں اور مسافروں کا خیال رکھتے اور ان کی مدد فرماتے تھے،ایسے ہی ایک دفعہ اپنے خادم کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ ایک گھر سے بچوں کے چیخنے چلانے کی آواز آ رہی تھی،رک گئے اور خادم نے دروازہ پر دستک دی،بچوں کی ماں باہر آئی۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ بھوک سے رو رہے ہیں۔ماں نے محض ان کی تسلی کے لیے ہنڈیا میں پانی

ڈال کر چولھے پر رکھا ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ حالات دیکھ کر پریشان ہوگئے۔عورت سے کہا کہ تم نے امیر المؤمنین کو خبر کیوں نہ دی۔ کہنے لگی، وہ امیر المؤمنین کیا ہے ؟ جسے عوام کی خبر نہیں۔عورت کے اس جواب نے خلیفۃ المسلمین کو خاموش کردیا۔فوراً بیت المال تشریف لائے۔اور سامانِ خورونوش کندھوں پر ڈالا خادم نے عرض کیا کہ میں اٹھا تا ہوں۔جواب دیا کہ روزِ محشر میرا بوجھ کیسے اٹھاؤ گے؟وہ سامان اس عورت کے مکان میں لا ڈالا۔اور خود اپنے ہاتھوں سے بچوں کا کھانا تیار کرکے انہیں کھلایا۔عورت کی زبان سے بے اختیار نکلا، کاش کہ عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ تم امیر المؤمنین ہوتے۔اسے کیا خبر تھی کہ یہی وہ مردِ مؤمن ہے جسے عوام کے دکھ درد میں کسی کروٹ چین نصیب نہیں۔

یہ دیکھ بھال نہ صرف مسلمانوں کے لیے تھی بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی نہایت مشفقانہ وہمدردانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا۔امیر المؤمنین نے کسی شخص کو پیرانہ سالی میں در بدر مانگتے دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ معذور اور غیر مسلم ہے اور اسے اسلامی حکومت کو جزیہ کی ادائیگی بھی کرنا ہوتی ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے گھر پر تشریف لائے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے جزیہ کی رقم معاف اور بیت المال سے وظیفہ مقرر کردیا جائے۔اور ان ذمیّوں کے جان ومال کی حفاظت جس طرح فرمائی۔وہ تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے۔ مطالعہ کیجیے ''الفاروق، شبلی نعمانی''۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خلافت سے قبل ذریعہ معاش تجارت تھا۔انتخاب کے کچھ دنوں بعد تک اسے قائم رکھا۔ایک دن حسبِ معمول کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھے ہوئے بازار جارہے تھے کہ راہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مل گئے۔انہوں نے کہا۔اے خلیفۃ الرسول آپ کہاں جارہے ہیں۔بولے بازار،انہوں نے کہا اب آپ مسلمانوں کے والی ہیں۔چلیے ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کردیں گے اور پھر صحابہ کرام کے مشورہ سے بقدرِ ضرورت اپنا وظیفہ مقرر کرلیا۔

[صدیق اکبر۔سعید احمد اکبر آبادی]

یہ وظیفہ کتنا تھا ؟ اتنا معمولی کہ جس سے غریب ترین گھرانے کی گزر بسر ہوسکتی تھی۔نہ لمبی چوڑی تنخواہ نہ ٹی اے، ڈی اے اور دیگر الاؤنس نہ کوئی آراستہ پیراستہ محل، نہ سیر وسفر کے لیے کوئی عمدہ سواری اور نہ حفاظت اور خدمت کے لیے کوئی باڈی گارڈ اور نہ نوکر چاکر۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رات کو خلافت کا کام بیت المال کی شمع سامنے رکھ کر انجام

دیتے تھے لیکن جب اپنا کام کرنا ہوتا تو اس شمع کو اٹھوا دیتے تھے اور ذاتی چراغ منگوا کر کام کرتے۔

[سیرت عمر بن عبدالعزیز۔عبدالسلام ندوی]

دیانت وامانت اور عدل وانصاف کی یہ مثالیں صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورِ سعادت کی ہی نہ تھیں بلکہ اس کے بعد کئی ایسے ادوار آئے کہ مسلمان حکمرانوں نے صدق وامانت اور خدمتِ خلق کو اپنی زندگیوں کا دستور العمل بنایا کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں نے یورپ اقصیٰ میں اندلس فتح کیا اور وہاں علم وادب اور عدل وانصاف کے جھنڈے گاڑے، کسے نہیں معلوم کہ وہاں کے عوام نے اپنے حکمرانوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر مسلمان فاتحین کو حملہ کرنے کی دعوت دی تھی کہ انہیں سکھ اور چین کی گھڑیاں نصیب ہوں۔کون اس بات سے بے خبر ہے کہ محمد بن قاسم نے سرزمینِ ہند میں اسلامی پرچم لہرانے کے بعد عدل وانصاف کی ایسی فضا قائم کی کہ یہاں کہ باشندے عش عش کر اٹھے اور جب وہ یہاں سے رخصت ہوا تو یہاں کے باشندوں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا عدل آج بھی ضرب المثل ہے۔صلاح الدین ایوبی کا حسنِ سلوک اپنے دشمنوں کے ساتھ اتنا اچھا تھا کہ انگریز شاعر نے اپنی نظم میں بیان کیا ہے۔جنہیں بچے اپنے نصاب کی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

یہ دراصل قرآن حکیم کی اس زندہ جاوید تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ جس کا یہ برملا اعلان ہے :۔

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ [المائدہ:۸]

''اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم ہونے والے اور انصاف کیساتھ گواہی دینے والے بنو۔اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر نہ ابھارے کہ تم اس سے انصاف نہ کرو (نہیں) بلکہ ہر حال میں انصاف کرتے رہو کہ یہی شیوہ پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔''

اب ذرا پاکستان کی نصف صدی کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے، یہاں کے حکمرانوں نے ظلم وستم کی جو تاریخ رقم کی ہے وہ تاریخ کا ایک کربناک باب ہے۔بلاشبہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا اور اس کے لیے مسلمانوں نے بے پناہ جانی ومالی قربانیاں دی تھیں۔ہماری کتنی بیٹیاں سکھوں اور ہندوؤں کے قبضہ میں رہ گئی تھیں۔کتنی ماؤں کے لختِ جگر ان کی آنکھوں کے سامنے شہید کردیے گئے تھے اور کتنے بھائی بہنوں سے محروم کردے گئے تھے؟ کتنے سہاگ لٹے تھے اور کتنے بچے یتیم ہوگئے تھے؟ یہ سب قربانیاں اس لیے دی گئی تھیں کہ پاک وطن میں نظام اسلامی کا سایہء رحمت میسر آجائے اور

ہر شخص عزت وآبرو سے زندگی گزار سکے پھر ہم غیور اور باغیرت قوم کی حیثیت سے ابھر کر ظالم اور سفاک ہندوؤں اور سکھوں سے اپنے بھائیوں اور بہنوں کا انتقام لیں اور ان کے پنجہء استبداد سے انہیں رہا کروائیں۔

مگر افسوس اور صد افسوس کہ یہاں معاملہ ہی دگرگوں ہوا۔ایسے ایسے حکمران آئے جن کے پیشِ نظر سوائے لوٹ کھسوٹ کے اور کچھ نہیں تھا۔انہوں نے دونوں ہاتھوں سے خزانہء عامرہ کو لوٹا اور ملک کے ہر ہر فرد کو بال بال مقروض کر کے رکھ دیا۔اسلامی نظام کا تو ذکر ہی کیا کوئی بھی نظام قائم نہ ہو سکا۔اندھیر نگر چوپٹ راج کا اصول رہا۔نتیجتاً آدھا ملک ہی ہاتھ سے جاتا رہا اور بقیہ آدھا جو بچا ہے اس کی حالت بھی انتہائی پریشان کن ہے، پورا ملک دہشت گردی کا شکار ہے قتل وغارت، چوری ڈکیتی روزمرہ کا معمول ہے۔مساجد تک محفوظ نہیں ہیں۔انسانوں کی جان سے کھیلنا بچوں کا کھیل تماشا بن چکا ہے۔

جن حکمرانوں نے پاکستان کو نقصان پہنچایا اور اسلامی نظام کو قائم کرنے میں رکاوٹ بنے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کیسے چھوٹ سکیں گے؟

اس تیرہ وتاریک ماحول میں امید کی کرن بھی موجود ہے۔کہ جو لوگ اسلام کا دم بھرتے ہیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اپنے تمام تر فروعی اختلافات بھلا کر ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔اور اللہ کے دین کو نافذ کرنے کے لیے اپنی تمام تر مساعی کو بروئے کار لائیں تو پھر ربّ کریم کی نصرت آئے گی۔

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴾ [محمد:۷]

''اگر تم اللہ کی مدد (اس کے احکامات مان کر) کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم مضبوط کرے گا۔''

دعاء و التجاء:

«رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا،وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝» [الممتحنه:٤]

''اے ہمارے رب! ہم نے آپ پر بھروسہ کیا اور آپ کی جانب رجوع کیا اور (آخر کار) آپ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

مسلمان اور جہاد

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَعَلَ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ یَحْفِرُوْنَ الْخَنْدَقَ حَوْلَ الْمَدِیْنَةِ وَیَنْقُلُوْنَ التُّرَابَ عَلٰی مُتُوْنِهِمْ وَ یَقُوْلُوْنَ:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یُجِیْبُهُمْ وَ یَقُوْلُ:

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرَ الْاٰخِرَة
فَبَارِکْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَة

[صحیح البخاری، کتاب الجهاد]

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انصار اور مہاجرین مدینہ منورہ کے ارد گرد خندق (کھائی) کھود رہے تھے جب کمر پر مٹی اٹھاتے تو یہ شعر پڑھتے جاتے۔

اپنے پیغمبر سے ہے بیعت ہم نے کی
جب تلک ہے زندگی جہاد پر قائم سدا

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں ارشاد فرماتے:

فائدہ جو کچھ کہ ہے آخرت کا فائدہ
کر دے با برکت تو انصار اور مہاجر کو اے اللہ

[اردو اشعار۔ علامہ وحید الزمان]

ذرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالاتِ زندگی پڑھ جائیے۔ معلوم ہوگا کہ ان نفوسِ قدسیہ کی زندگیاں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے وقف تھیں۔ مکی دور کے تیرہ برس میں دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں کس قدر مصائب برداشت کئے۔ پریشانیاں اٹھائیں۔ ظلم وستم سہے بھوک اور پیاس کی سختیاں جھیلیں۔ وطن سے جدائی اور ہجرت کی تکالیف برداشت کیں۔ ان تمام دکھوں اور تکلیفوں میں اللہ کی رحمت سے استقامت و عزیمت کی راہ اختیار کی اور یہی ان کی کامیابیوں کا راز ہے۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی کفار مکہ نے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے دبانے اور اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اور بالآخر مسلمانوں

کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے لشکرِ کثیر کے ساتھ میدانِ بدر میں کود پڑے۔ مسلمان بالعموم جنگ کرنے میں پہل نہیں کرتا ہے۔ اگر دشمن سچائی کو دبانے کے لیے اس پر حملہ آور ہو تو پھر وہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت بے سرو سامانی کے ساتھ مگر جذبہ ایمانی سے لبریز اور شوقِ شہادت سے سرشار دشمن کے انبوہِ کثیر کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گئی۔ بلاشبہ دشمن کے مقابلہ میں یہ تھوڑے تھے مگر انھیں اللہ کی رحمت کا سہارا تھا اور اس سے بڑھ کر کس کا سہارا ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ ان کے پاس ساز و سامان کی قلت تھی مگر اتفاق و اتحاد، صداقت و شجاعت، صبر و قناعت اور جذبہ ایثار و قربانی سے مالا مال تھے گویا کہ دشمن کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھے۔ اور یہ ہیں وہ قیمتی صفات جن کی طاقت تیر و تفنگ، ٹینک اور میزائل سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ان کی لغت میں موت کے معنی حیات، رزم کے معنی بزم، فاقے کے معنی روزہ، زندہ کا معنی غازی، اور مقتول کے معنی شہید تھے وہ دنیا کو فانی اور عقبیٰ کو باقی سمجھتے تھے۔ اور ان کا راہِ حق میں جان دینا گویا کہ نجاتِ ابدی اور حیاتِ جاودانی کا حصول تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جنت سرفروشوں کا مقام ہے۔ عافیت گوشوں کی جگہ نہیں۔

ہر مسلمان شوقِ شہادت کے جذبہ سے سرشار تھا۔ یہاں تک کہ بچے اور بوڑھے بھی اللہ کی راہ میں جامِ شہادت نوش کرنے کی تمنا اور تڑپ رکھتے تھے اس واقعہ کو پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے۔

”جب مجاہدین میدانِ بدر کی طرف روانہ ہوئے تو ایک صاحبزادہ جن کا نام عمیر بن ابی وقاص تھا اور جن کی عمر سولہ سال تھی۔ مجاہدین کیساتھ روانہ ہوئے، ان کو ڈر تھا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ ان کو چھوٹا سمجھ کر واپس نہ فرمادیں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کی نگاہ سے بچ رہے تھے ان کے بڑے بھائی سعد بن ابی وقاص نے ان سے چھپنے کی وجہ دریافت کی تو عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے کمسن سمجھ کر واپس نہ پلٹا دیں میں اس جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے۔ ان کو جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خیال سے کہ وہ ابھی جنگ کی عمر کو نہیں پہنچے ہیں انھیں واپس کرنا چاہا تو وہ رونے لگے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ پر اثر پڑا اور آپ ﷺ نے انھیں شرکت کی اجازت دے دی۔ انھوں نے اسی معرکہ میں جام شہادت نوش کیا اور اپنی مراد کو پہنچے۔“ [نبی رحمت ﷺ۔ ابوالحسن علی ندوی]

اب ایک بوڑھے صحابی کا واقعہ سنیے:

”عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے چار جوان بیٹے تھے۔ اور ان کے خود پیر میں لنگ تھا۔ جب رسول

اللہ ﷺ جنگ میں تشریف لیجاتے تو وہ اپنے بیٹے آپ ﷺ کے ہمراہ روانہ کردیتے جب غزوہ احد کا موقع آیا اور آپ ﷺ نے جانے کا ارادہ فرمایا تو عمرو بن جموح کو بھی جانے کی تڑپ پیدا ہوئی۔ بیٹوں نے باپ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فریضہ سے رخصت عطا فرمائی ہے۔ آپ گھر پر قیام کیجیے۔ ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد آپ پر سے ساقط کردیا ہے۔عمرو بن جموح رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے مجھے آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں جانے سے روکتے ہیں، اللہ گواہ ہے، میری آرزو تو یہ ہے کہ شہادت کا رتبہ حاصل کروں اور اپنے معذور پاؤں کے ساتھ جنت میں چلوں پھروں۔ یعنی لنگڑاتا ہوا میدان جہاد میں جاؤں اور جب شہید کردیا جاؤں تو چھلانگیں لگاتا ہوا اللہ تعالیٰ کی جنتوں میں داخل ہوجاؤں۔''

« وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْا اَنْ اُسْتُشْهِدَ فَاَطَأُ بِعَرَجَتِیْ هٰذِهٖ فِی الْجَنَّةِ »

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمھیں جہاد سے معاف فرمادیا ہے۔ دوسری طرف ان کے بیٹوں سے کہا کہ جانے کیوں نہیں دیتے شاید اللہ تعالیٰ رتبہ شہادت سے انھیں سرفراز فرمائے۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے اور میدانِ احد میں جام شہادت نوش فرمایا۔

[زاد المعاد، لابن قیم، فصل فی غزوة احد]

عہد رسالت کے غزوات وسرایا کے حالات پڑھ جایئے'' غزوات ایسی جنگیں تھیں کہ جن میں رسول اللہ ﷺ شریک ہوئے اور سرایا انھیں کہتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو بھیجا'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں چند ماہ بھی عافیت کے ساتھ بسر نہیں ہوئے۔ پیہم اور مسلسل جہاد تھا اور مقصد صرف یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر اسی کا قانون نافذ ہو۔ تاکہ انسان نیک اور صالح بن کر فوز و فلاح سے ہمکنار ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ بندے بھوکے اور پیاسے اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر جہاد میں مصروف رہتے تھے۔ غزوہ خندق کے وقت سردی بہت سخت تھی۔ غذا اس قدر تھی کہ جسم و جان کا رشتہ قائم رہے۔کبھی وہ بھی نہ ملتی تھی۔ سیدنا ابوطلحہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنا پیٹ کھول کر دکھایا جس پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کرام کو تسلی دی) اور اپنے شکم مبارک سے کپڑا ہٹایا اور ہم نے دیکھا کہ اس میں دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔

اللہ اللہ! یہ تھا سرورِ کائنات ﷺ کا وہ مثالی کردار جس سے اثر لے کر نیک سرشت انسانوں کی ایسی جماعت تیار ہوئی جنھوں نے دنیا میں نیکی اور سچائی کی شمعیں روشن کیں۔ عدل و انصاف کا پھریرا لہرایا اور

انسانوں نے اُن سے جینے کا قرینہ اور سلیقہ سیکھا۔

جذبۂ جہاد سے مسلمان قوم پلی، بڑھی اور پروان چڑھی، اور ایسے مواقع بھی آئے کہ گنتی کے چند مسلمان ایک بڑے لشکر کے سامنے ڈٹ گئے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے گیارہ ساتھی دائرے کی شکل میں ایک جگہ جم کر مقابلہ کرتے رہے۔ رومیوں نے کئی زوردار حملے کیے، لیکن ہر بار اپنے کئی آدمیوں کی جانیں ضائع کر کے پسپا ہو گئے۔ صبح سے عصر کا وقت ہو گیا، مسلمان رومیوں کو قتل کرتے کرتے تھک گئے۔ اتنے میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ لشکرِ اسلام کے ساتھ پہنچ گئے۔ اہل روم کے قدم اکھڑ گئے اور ان کا بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہوا یہ تھی حرارتِ ایمانی اور جذبہ جہاد:

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پر بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

آج بھی مسلمان اپنی عظمتِ رفتہ کو اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ مسئلہ کشمیر ہو یا مسئلہ فلسطین سرزمین افغانستان ہو یا ملک عراق اس کا حل جہاد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور جہاد کو ہمارے سینوں میں پیدا فرمادے۔

دعاء و التجاء:

« حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ » [آل عمران:۱۷۳]

”ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے۔“

یہ خون کس کے ذمہ ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی:

« اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا »

[نضرة النور شرح مختارات الاحاديث النبوية ـ مصطفیٰ محمد عماره]

”اے اللہ ہم پر ان لوگوں کو حاکم نہ بنا جو ہم پر رحم نہ کریں۔“

مولف کتاب اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

« لَا تَجعَلنَا مَغلُوبِینَ لِلظَّلَمَةِ وَالکَفَرَةِ ، وَلَا تَجعَلِ الظّٰلِمِینَ حَاکِمِینَ عَلَینَا »

”اے اللہ ہمیں ظالموں اور کافروں کے مقابلہ میں مغلوب نہ کر اور ہمارے اوپر ظالموں کو حاکم نہ بنا۔“

دراصل بات یہ ہے کہ کسی بھی ریاست میں حکومت کا وجود وہاں کے باشندوں کی جہاں جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے وہاں ان کی تعلیم و تربیت صحت و صفائی پر توجہ، علاج و معالجہ کی سہولتوں، روز گار اور رہائش ایسی بنیادی ضرورتوں کی فراہمی کی یقین دہانی بھی کراتا ہے۔ حکومت اندرونی اور بیرونی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے پولیس اور فوج کا تعاون حاصل کرتی ہے جب کہ لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نبٹانے اور ان کے درمیان عدل و انصاف کو قائم رکھنے کے لیے عدالتیں قائم کرتی ہے۔ ایک اچھی حکومت کے تمام شعبہ جات اتنے مضبوط اور مربوط ، فعال اور موثر ہوتے ہیں کہ ان میں کہیں کوئی رکاوٹ اور رخنہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ فوج سرحدوں پر چوکس رہتی ہے۔ باہر سے کسی دشمن کو حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ پولیس اندرونِ ملک قانون پر نگہبان ہوتی ہے۔ چوروں اور ڈاکوؤں کو پنپنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ عدالتیں بے لاگ فیصلے سناتی ہیں جس سے جرائم کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور لوگ اطمینان سے زندگی بسر کرتے ہیں ۔ ایسے ہی شعبہ تعلیم، تجارت ، تعمیرات اور صحت و صفائی اتنی خوب صورتی سے اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں کہ جنھیں دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگ تعمیر و ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ آپ دنیا میں کسی بھی ترقی یافتہ ملک پر نظر ڈالیں۔ وہاں یہ باتیں آپ کو واضح طور پر دکھائی دیں گی۔

مجھے انتہائی دکھ ہوتا ہے اور دل صدمات کی تاب نہ لاکر بے اختیار رونے لگتا ہے جب میں اپنے ملک کی حالتِ زار پر نظر ڈالتا ہوں ، اس کو وجود میں آئے اور قوم کو نعمتِ آزادی سے ہمکنار ہوئے ۵۸ برس کا طویل عرصہ بیت چکا ہے زندہ قوموں کے پھلنے پھولنے کے لیے یہ عرصہ اچھا خاصا ہوتا ہے ہماری آنکھوں کے سامنے دنیا میں کئی ریاستیں عروسِ آزادی سے ہمکنار ہوئیں اور وہ دنیاوی جاہ و حشمت اور تعمیر و ترقی کے لحاظ سے کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہیں۔ مگر افسوس کہ ہمارا معاملہ اس کے برعکس رہا ہے۔ جہاں تک مادی ترقی کا تعلق ہے تو پندرہ سے بیس فیصد لوگ خوش حال ہوگئے ہیں اور انھوں نے اپنے لیے کاریں اور کوٹھیاں مہیا کرلی ہیں اور یہی لوگ مال و دولت کے بل بوتے پر الیکشن میں حصہ لیتے ہیں اور سیاست پر چھائے رہتے ہیں ۔ انھیں نہ دین سے محبت اور نہ غریبوں سے ہمدردی ہے۔ یہ عیش وعشرت کی زندگی

گذارتے ہیں۔ مہنگائی اور گرانی ان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ باقی اسی فیصد افرادِ قوم کی تنگی ترشی سے گذر بسر ہو رہی ہے۔ جن کی روز مرہ کی ضروریات بمشکل پوری ہوتی ہیں اور ان کے بچے معیاری سکولوں کی تعلیم سے محروم ہیں۔ کیونکہ وہاں غریب والدین اتنی لمبی چوڑی فیسیں ادا نہیں کر سکتے ہیں۔

جہاں تک مجموعی طور پر قوم کی روحانی و اخلاقی ترقی کا حال ہے تو کیا امیر اور غریب، کیا حکومت اور کیا عوام سب پر ذلت و ادبار کی گھٹا چھا رہی ہے اور پوری کی پوری قوم بد اخلاقی کی عمیق غار میں گر چکی ہے یہاں پر کسی بھی شعبہ حیات پر نظر ڈالیے۔ زندگی اخلاقی قدروں سے محروم نظر آئے گی اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے احساسِ ذمہ داری کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ ہوسِ اقتدار نے ہمارے ہوش و حواس کو الٹ کر رکھ دیا ہے۔ ہم نے کبھی بھی اقتدار کی باگ ڈور کو آخرت کی مسئولیت کے ساتھ جوڑا نہیں ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے اللہ کے بندوں کی خدمت ہمارے پیش نظر نہیں رہی۔ حکومت کی تمام سعی و جستجو ذاتی منفعت، کنبہ پروری، اور قومی خزانہ کے بے دریغ استعمال تک رہی ہے جس سے ملک بیرونی قرضہ جات لے لے کر دیوالیہ ہو چکا ہے اور بے چارے غریب عوام کو بجلی اور پانی، گیس اور ٹیلیفون، ریلوں اور بسوں کے چارجز بڑھا کر پیسا جا رہا ہے۔ حریص اور لالچی سیاست دان ملک کی قسمت سے کھیلتے رہے ہیں بھلا ایسی حالت میں ترقی کیسے ہو سکتی؟ بلکہ ہمارے کرتوتوں اور بد اعمالیوں سے ملک کا آدھا حصہ ہم سے الگ ہو گیا۔ بقیہ حصہ کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

اب حالات اتنے سنگین ہو چکے ہیں کہ اہل علم اور اہل قلم کی عزت و جان بھی خطرے میں پڑ چکی ہے۔

چند دن پہلے کی بات ہے کہ انجمن سپاہِ صحابہ کا ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں لاہور چوبرجی گراونڈ میں جلسہ ہو رہا تھا کہ تخریب کار ظالموں نے دستی بم پھینکے جس سے چند جاں نثار جامِ شہادت سے سرفراز اور متعدد زخمی ہو گئے اور کئی جسم اپنے قیمتی اعضاء سے محروم ہو گئے، اسی طرح شہر جھنگ میں کئی علمائے حق کو شہید کر دیا گیا۔

۱۶۔ستمبر ۱۹۹۱ء کی بات ہے کہ شہر لاہور کے گنجان اور پُر رونق علاقہ سمن آباد میں روزنامہ ”نوائے وقت“، ”نورِ بصیرت“ کے کالم نگار جناب میاں عبد الرشید صاحب کو دن کی چکا چوند روشنی میں ان کی رہائش گاہ پر قتل کر دیا گیا۔

ایسے ہی معروف اور گمنام بے گناہ شہریوں کو آئے دن موت کی وادی میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ افراد حکومت صرف اتنا بیان دے کر اشک شوئی کرتے ہیں

''ہمیں افسوس ہے کہ قوم قیمتی جان سے محروم ہوگئی ہے۔'' اور لواحقین کے ساتھ پوری ہمدردی ہے وغیرہ وغیرہ اس طرح کتنے گھر اجڑ چکے ہیں کتنے بچے اور بچیاں یتیم اور بے سہارا ہو چکی ہیں ۔ روزانہ کتنے بچے اغوا ہوتے ہیں۔کتنی عورتوں کی عصمتیں لٹتی ہیں؟ رشوت ، سود ، چور بازاری، ڈکیتی زوروں پر ہے۔ قانونِ شریعت صرف کاغذ پر لکھا ہوا ہے اور اس کے نفاذ کا معاملہ صفر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر حکومت اپنے فرائض کما حقہ ادا نہیں کر سکتی تو اسے زبردستی اقتدار پر قابض رہنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔اسے چاہیے کہ یہ اہم قومی امانت حق دار لوگوں کو سونپ دے۔ ورنہ یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ روزِ جزا ربّ کائنات کے حضور جب حساب کتاب ہو گا تو جہاں مجرموں کو سزا دی جائے گی ۔وہاں صدر اور وزیراعظم سے لے کر حکومت کے ایک ادنیٰ سپاہی تک مجرمین کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے اور درجہ بدرجہ اپنی غفلت کی سزا پائیں گے۔ اے اللہ ہمیں ظالم حکمرانوں سے نجات دے۔ آمین ۔[نوائے وقت :۲۷ستمبر۱۹۹۱ء]......[الاعتصام،۲۷۔ستمبر۱۹۹۱ء]

دعاء و التجاء:

﴿ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴾[الممتحنه:٤]

''اے ہمارے رب! ہم نے آپ پر بھروسہ کیا ، اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور (بالآخر) آپ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

قومی عزت و آبرو کا انحصار

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿إِذَا كَانَ أُمَرَاءُ كُمْ خِيَارَكُمْ وَأَغْنِيَاءُ كُمْ سُمَحَاءَ كُمْ وَأُمُورُكُمْ شُورٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَ أُمَرَاءُ كُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاءُ كُمْ بُخَلَاءَ كُمْ وَأُمُورُكُمْ إِلٰى نِسَآئِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ ظَهْرِهَا ﴾

[رواه الترمذی= کتاب الفتن ، باب : ما جاء فی النهی عن سب الرياح، رقم الحديث: ٢١٩٢، مشکوٰة باب تغير الناس]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نیک اور لائق اشخاص تمہارے حکمران ہوں اور تمہارے مال دار لوگ محسن اور فیاض ہوں اور تمہارے اجتماعی معاملات باہم صلاح و مشورے سے طے ہوا کریں تو تمہارے لیے زمین کی پشت اس کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب تمہارے بدترین لوگ تمہارے اوپر حکومت کرنے لگیں اور تمہارے

مال دار کنجوس اور بخیل ہو جائیں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو اس وقت تمہارے لیے زمین کا پیٹ زمین کی پشت سے بہتر ہوگا۔''

جس طرح گلوں سے خوشبو اٹھتی ہے اور اردگرد کے ماحول کو معطر کر دیتی ہے اسی طرح نیک اور لائق حکام کی خدمات، ان کا عدل و انصاف، ان کی امانت و صداقت ان کے رفاہ عامہ کے کام، اُن کی بھلائیاں اور سچائیاں، مروت و احسان کے پھول بکھیرتی ہیں، عوام میں ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، علم کی روشنی پھیلتی ہے، لوگوں کو اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے، باہر سے آنے والا ہر شخص خوشگوار اور پرسکون ماحول میں داخل ہوتا ہے تو اسے ایسی سرزمین نظر آتی ہے جسے قرآن کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

﴿ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ ﴾ [سبا: ۱۵]

''اپنے ربّ کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر بجا لاؤ (تمہارے لیے رہنے سہنے) کے لیے پاکیزہ ملک ہے اور بخشش نچھاور کرنے والا پروردگار ہے۔''

ایسی خوبصورت بستی اور ایسے حسین ملک کے تصور سے ہی بے اختیار وہاں بود و باش اختیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔ دراصل بستیوں اور ملکوں کو بنانے اور سنوارنے میں انسانوں کے اعمال کا بڑا عمل دخل ہے، اس میں نیک حکام کا کردار بڑا اہم ثابت ہوتا ہے کہ ان کی مناسب رہنمائی میں عوام الناس تعلیم و تربیت پاتے ہیں اور تعمیر و ترقی کی منازل طے کرتے ہیں۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''مسلمانوں کا عروج و زوال'' میں امام اوزاعی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

''ایک مرتبہ امام اوزاعی نے عباسی خلیفہ منصور کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بادشاہ چار قسم کے ہوتے ہیں...... ایک وہ جو خود بھی ضبطِ نفس کرتا ہے اور اپنے عمال (وزراء) کو بھی اس کی تاکید کرتا ہے، یہ بادشاہ (صدر یا وزیراعظم) درحقیقت اللہ کے راستہ کا مجاہد ہے، اس کو ایک نماز کا ثواب ستر ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ملے گا اور اللہ کی رحمت کا ہاتھ ہمیشہ اس کے سر پر سایۂ فگن رہے گا، دوسری قسم کا بادشاہ وہ ہے جو خود بھی رعایا کے احوال میں خورد برد کرتا ہے اور اپنے عمال کو بھی اس نے ایسا کرنے کے لیے آزاد چھوڑ رکھا ہے، یہ بادشاہ سخت ترین گنہگار ہے، اس کو اپنے گناہوں کا خمیازہ تو بھگتنا ہی پڑے گا، اس کے عمال کے گناہ کی باز پرس بھی اس سے ہوگی، تیسری قسم بادشاہ کی یہ ہے کہ خود کفِ نفس

کرے (ذمہ داریوں کو ٹھیک نبھاتا رہے) مگر عمال (وزراء) کو اس نے جبر و تشدد کے لیے آزاد چھوڑ رکھا ہو، یہ بادشاہ بڑا ہی بدنصیب ہے کہ دوسروں کی دنیا کے بدلہ میں اپنی آخرت بیچتا ہے، چوتھی قسم کا بادشاہ وہ ہے جو خود تو بہت ہی غیر محتاط رہے مگر عمال کو محتاط رہنے کی تاکید کرتا رہتا ہے۔"

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَذَاکَ شَرُّ الْاَکْیَاسِ" یہ تو بہت ہی بری فرزانگی ہے۔

مولانا سعید احمد اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا شمار بلاشبہ پہلی قسم کے بادشاہوں میں ہے۔ آپ نے خود بھی ورع وتقویٰ اور احتیاط و پرہیز گاری کی زندگی بسر کی اور اپنے عمال کو بھی مجبور کیا کہ وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق لوگوں سے معاملہ کریں۔ [مسلمانوں کا عروج و زوال]

ایک خلیفہ کی حفاظت میں سب سے زیادہ امانت جو آتی ہے وہ بیت المال یعنی خزانہ ہے، اس لیے اس کی دیانت کا اصلی معیار اسی کو قرار دیا جاسکتا ہے اور واقعات بتاتے ہیں کہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی دیانت ہمیشہ اس معیار پر ٹھیک اتری، آیئے اس سلسلہ میں چند واقعات درج کرتے ہیں۔

"وہ رات کو خلافت کا کام بیت المال کی شمع سامنے رکھ کر انجام دیتے تھے، لیکن جب اپنا کام کرنا ہوتا تو اس شمع کو اٹھوا دیتے اور ذاتی چراغ منگوا کر کام کرتے۔"

فقراء و مساکین کے لیے بیت المال کے مصارف سے جو مہمان خانہ قائم کیا تھا اس سے نہ خود فائدہ اٹھاتے تھے نہ خاندان میں کسی شخص کو فائدہ اٹھانے دیتے تھے، عام طور پر حکم دے رکھا تھا کہ ہمارے غسل اور وضو کا پانی مہمان خانہ کے باورچی خانہ میں گرم نہ کیا جائے۔ ایک بار ان کی بے خبری میں ملازم نے ایک ماہ تک وضو کا پانی مطبخ عام میں گرم کیا، ان کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کر دی۔

ایک بار انہوں نے لبنان کے شہد کا شوق ظاہر کیا ابن معدی کرب وہاں کے عامل تھے، ان کی بی بی نے ان کو کہلا بھیجا اور انہوں نے وہاں سے بہت سا شہد بھیج دیا، شہد سامنے آیا تو بی بی کی طرف خطاب کر کے کہا کہ غالباً تم نے معدی کرب کے ذریعہ سے اس کو منگوایا ہے، پھر اس کو فروخت کروا کے بیت المال میں قیمت داخل کروا دی اور معدی کرب کو لکھا اگر تم نے دوبارہ ایسا کام کیا تو میں تمہارا منہ بھی دیکھنا پسند نہ کروں گا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دورِ خلافت اگرچہ ڈھائی برس ہے تاہم اتنی قلیل مدت میں اصلاحات کا

دائرہ بہت وسیع ہے اور زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے۔۔۔ بیت المال کا بہتر نظام، زکوٰۃ و صدقات کی فراہمی، تعلیم کی نشر و اشاعت، عدل و انصاف کا قیام، غرباء کی امداد و اعانت، بیکاری اور بے روزگاری کا انسداد، ذمیوں کے ساتھ مراعات، عمال کا محاسبہ، غرضیکہ ہر طرح سے فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی، دراصل اس نیک دل خلیفہ کی تعلیم و تربیت بہت اچھے ماحول میں ہوئی، مدینہ منورہ میں صالح بن کیسان ان کے استاد اور اتالیق تھے جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے، انہوں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی جس دیانت کے ساتھ مذہبی و اخلاقی نگرانی کی۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار (عمر رحمہ اللہ) نے نماز میں تاخیر کی اور صالح بن کیسان نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ ''بال سنوارنے میں دیر ہوگئی، استاد بولے کہ اب بالوں کی آرائش کو نماز پر ترجیح دیتے ہو؟ چنانچہ ان کے والد عبدالعزیز کو اس واقعہ کی خبر دی جو کہ اس وقت مصر کے گورنر تھے، انہوں نے فوراً ایک آدمی بھیجا جس نے مدینہ منورہ پہنچ کر پہلے ان کے بال منڈوائے اور اس کے بعد بات چیت کی۔ عمر بن عبدالعزیز حافظ قرآن، عربی زبان کے ماہر، تفسیر و حدیث کے مشاق اور شعر و سخن میں مہارت رکھتے تھے، اس پر بہتر تعلیم و تربیت نے انہیں ہر لحاظ سے اچھا مسلمان بنا دیا تھا۔۔ ان کا حلم وصبر، زہد وتقویٰ، تواضع وانکساری اور فہم و بصیرت بے مثال تھا، اور یہی وہ خصوصیات ہیں جو مثالی حکمرانوں کے لیے ضروری ہیں۔

مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''ان کی خلافت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے جمہوریت کی روح کو جو بالکل مردہ ہوگئی تھی، از سرنو زندہ کیا، ان کے اخلاق و عادات میں اگرچہ خلافت کے بعد انقلاب پیدا ہوا، تاہم ان کی طبیعت ابتدا ہی سے جمہوریت پسند واقع ہوئی تھی، چنانچہ وہ ولید کی طرف سے مدینہ کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو مدینہ کے فقہاء میں عروہ بن زبیر، عبیداللہ بن عبداللہ، ابن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث، ابوبکر بن سلیمان بن ابی حشم، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور خارجہ بن زید بن ثابت کو طلب کیا اور کہا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک ایسے کام کے لیے طلب کیا ہے جس پر آپ کو ثواب ملے گا اور آپ لوگ حق کے معاون قرار پائیں گے، میں آپ لوگوں کی رائے کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دینا چاہتا، یہ سن کر ان تمام بزرگوں نے ان کو جزائے خیر کی دعا دی، خلیفہ ہوئے تو چند منتخب لوگوں کو ندیم خاص مقرر کیا جو ان کو تمام ملکی معاملات میں مشورہ دیتے تھے۔'' [سیرت عمر بن عبدالعزیز]

حکمرانوں سے جب للّٰہیت اور خشیت الٰہی کا نور چھن جاتا ہے جب انہیں خواہشیں اور آرزوئیں آ گھیرتی ہیں تو عدل و انصاف کی حکمرانی رخصت ہو جاتی ہے، فتنہ و فساد کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔

مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جو عادلانہ نظام حکومت قائم کیا تھا یزید بن عبدالملک نے جو ان کا جانشین مقرر ہوا صرف چالیس دن تک اس کو قائم رکھا، اس کے بعد اس جادۂ اعتدال سے الگ ہوگیا، جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جو متدین عمال مقرر کیے تھے، یزید نے ان سب کو یک قلم موقوف کر دیا، گویا کہ ہر طرف ظلم وستم کو روا رکھا اور عدل و انصاف کی راہیں بند کر دی گئیں'' (حوالہ ایضاً)

قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾ [مریم: ۵۹]

''پھر ان کے بعد ان کی نالائق اولاد ان کی جانشین بنی جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے، وہ عنقریب گمراہی کے انجام (عذاب) سے دوچار ہوں گے۔''

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ نیک اور صالح قیادت سے لوگوں میں بھی نیکی اور پاکیزگی کا شعور ابھرتا ہے، یہ قول کہ

'' اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ ''

'یعنی لوگ اپنے حکام کے طور طریقوں پر ہوتے ہیں۔''

جو صحیح ثابت ہوتا ہے، پھر اگر وہ دولت مند ہیں تو ان کا مال غریبوں اور مسکینوں کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوتا ہے، ان کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ وہ بے سہارا اور دکھیاروں کے مددگار بنیں وہ دولت پر قارون بن کر نہیں بلکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ بن کر قابض ہوتے ہیں اور ''اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ'' (احسان کرو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا) کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے ہیں وہ مال کو اپنے قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام خیال کرتے ہیں اور اس بات پر اس کا شکریہ بجا لاتے ہیں کہ اس نے انہیں خرچ کرنے کی توفیق عطا کی۔

گردشِ دولت Circulation of Wealth سے غرباء میں جہاں فقر و محتاجی دور ہوتی ہے وہاں ان کے دلوں میں اپنے امیر بھائیوں کے لیے الفت و محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اس طرح اس معاشرے میں مہر و وفا کے پھول کھلتے ہیں، الفت و محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور وہ معاشرہ ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (آپس میں رحمدل ہونے) کا عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے، ایسی فلاحی بستی میں بھلا رہنے کی کون تمنا

نہ کرے گا۔

ایسی فلاحی ریاست میں حاکم اور ماتحت عملہ ملکی امور میں صلاح و مشورہ کرتے ہیں، بلکہ ملک کے علماء و فضلاء سے مشورے لیے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر فرد کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے اور جب باہم مشورہ ہوتا ہے تو بہت سے صلاحیتیں اور مفید آراء جمع ہو جاتی ہیں اور ان میں سے بہتر اور عمدہ رائے کا انتخاب ہوتا ہے اور یہی قرآن حکیم میں ربّ کریم کا حکم ہے۔

﴿ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ﴾ [الشوری: ۳۸]

اور وہ اپنے معاملات باہم مشاورت سے طے کرتے ہیں جب ان کے باہم مشورے نیک نیتی پر مبنی ہوں تو اس میں خیر و برکت ہوتی ہے اور ملک وقوم کو فائدہ پہنچتا ہے، اس سے معاشرے میں امن وسکون کا ماحول پیدا ہوتا ہے، لوگ اس خطہ زمین پر بودو باش کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے برعکس جب کسی ملک کی حکومت پر اشرار قابض ہو جائیں تو ان کا مقصد ملک و ملت کی خدمت نہیں بلکہ ذاتی منفعتیں اور خزانہ عامرہ کو ہر جائز و ناجائز طریقوں سے لوٹنا ہوتا ہے، ایسے حالات میں ملک کا نظم ونسق تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔۔۔ظلم و فساد چوری اور ڈکیتی، قتل و غارت، رشوت اور جوا اور اسی قبیل کی بہت سی وبائیں پھوٹتی ہیں، لوگوں کے جینے کا مقصد حصولِ دولت رہ جاتا ہے۔۔۔ اسے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے حاصل کیا جاتا ہے، حلال وحرام میں تمیز رخصت ہوجاتی ہے، حرص و ہوس کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں، مکر وفریب، رشوت اور سود خوری، بلیک مارکیٹنگ اور سمگلنگ خیانت اور بددیانتی کا بازار گرم ہوجاتا ہے، چونکہ دھن، دولت اکٹھی کرنا ہی زندگی کا مقصد ٹھہرتا ہے۔ اس لیے معاشرے سے اخلاقی اقدار گم ہو جاتی ہیں۔ معیار فضیلت، شرافت ونجابت نہیں بلکہ سیم و زر بن جاتا ہے، ہر شخص کی دوڑ دھوپ کا محور دولت ہوتا ہے، مال سے تجوریاں بھری جاتی ہیں، بنک بیلنس بڑھائے جاتے ہیں، صبح و شام روپے پیسے کی گنتی کی جاتی ہے، امیر دولت کے نشے میں غریبوں کو ہر طرح سے طعن و تشنیع کرتے ہیں، قرآن اس کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے۔

﴿ وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ ۨالَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ ﴾ [سورة الهمزة : ۱-۲]

”تباہی ہے اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن (اور پسِ پشت) برائیاں کرنے کا عادی ہے جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا۔“

جس معاشرے میں دھن دولت ہی مقصدِ حیات ٹھہرے وہاں لوگ فہم وشعور سے عاری ہو جاتے ہیں، ان سے قلب سلیم اور فکرِ مستقیم کی دولت چھن جاتی ہے، ایمان کی حرارت دھیمی پڑ جاتی ہے، ظاہری آنکھیں ہوتی ہیں، مگر دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ قرآن اس کا یوں ذکر کرتا ہے۔

﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾ [الحج:٤٦]

بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔

جب کسی قوم کی عقل وفکر پر پردہ پڑ جاتا ہے تو وہ فہم وذکاء سے تہی دامن ہو جاتی ہے ۔۔۔ پھر بزدلی اور کمینگی کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مرد اپنی بہادری اور مردانگی کھو بیٹھتے ہیں اور اپنے معاملات عورتوں کے سپرد کر دیتے ہیں جس سے تباہی اور پریشانی بڑھتی ہے۔شرفاء کے لیے وہ ماحول بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے، زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان کے لیے تنگ ہو جاتی ہے تصویر کے دونوں رخ دیکھنے کے بعد آپ اپنے ملک کا اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

دعاء والتجا:

« اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا »

”اے اللہ! ہم پر ایسے حکمران مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کریں۔“

کشمیری مسلمانوں کی آہ وفغاں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: « اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُّسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » [متفق عليه، رياض الصالحين باب تعظيم حرمات المسلمين و بيان حقوقهم]

”سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ تو وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اس کو بے یارو مددگار چھوڑتا ہے جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا ، اللہ اس کی حاجت پوری فرمائے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی کسی پریشانی کو دور کرے گا تو اللہ روزِ قیامت اس کی پریشانی دور فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا ، اللہ روزِ قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ قیمتی ارشادات انفرادی واجتماعی دونوں پہلوؤں سے حرزِ جاں بنانے کے لائق ہیں ، جہاں افراد آپس کے دکھ درد میں ایک دوسرے کا سہارا بنیں وہاں مسلمان حکومتیں اور ملک بھی ایک دوسرے کی مدد کو پہنچیں۔ یہ امداد مالی اور جانی دونوں طرح سے کی جائے۔

ماضی میں مسلمانوں کی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ ان میں ملی نظم و ضبط اور اتفاق و اتحاد تھا، وہ دنیا میں ایک مضبوط اور طاقتور قوم کی حیثیت سے ابھرے تھے۔ ان کی شان و شوکت دنیا بھر میں مسلّم تھی وہ دعوتِ اسلام لے کر اٹھے اور شرقاً غرباً پھیل گئے اور جہاں گئے حق و صداقت کے جھنڈے گاڑے۔ امن و سلامتی کی حکمرانی قائم کی ...... وہاں کے باشندوں نے سکھ اور اطمینان کا سانس لیا...... انھوں نے اللہ کی زمین سے ظلم و ستم کو مٹایا اور عدل و انصاف کا نظام قائم کیا۔ وہ تعداد میں اگرچہ تھوڑے تھے مگر اتفاق کی لڑی میں پروئے ہوئے تھے گویا سیسہ پلائی دیوار ہیں۔ قرآن ان کی اس قوت کا اعلان اس طرح کرتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾

[الصف: ٤]

”اللہ یقیناً ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں (کہ اللہ کی زمین پر امن و سلامتی قائم کریں) جیسے کہ وہ ایک سیسہ پلائی دیوار ہیں۔“

قرآن حکیم نے جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد یہی بتلایا ہے کہ تم کمزور اور ناتواں، بے کس اور بے بس مظلوموں کی مدد کو پہنچو اور انھیں ظالموں اور زبردستوں کے پنجۂ استبداد سے نجات دلاؤ۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ ﴾ [النساء: ٧٥]

”(مسلمانو!) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے جب کہ کئی کمزور مرد، عورتیں اور بچے ایسے ہیں جو یہ فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارے لیے کوئی حامی مقرر کر دے اور اپنی جناب سے ہی کوئی مدد گار بھی پیدا فرما دے۔“

اس آیہ مبارکہ کو سامنے رکھیے اور زیر مطالعہ حدیث پھر غور سے پڑھیے، مسلمان ہوتے ہوئے کیا ہمارے دل میں مظلوموں کی مدد کے لیے کوئی جذبہ اور ولولہ بیدار نہیں ہوتا؟ اور کیا ان کی پاسبانی کے لیے کوئی طلب اور تڑپ پیدا نہیں ہوتی؟ اگر مظلوموں پر ظلم و ستم کی داستانیں سن کر ہمارے دلوں میں غم کی

کوئی لہر نہیں دوڑتی اور ان بے کسوں کی آہ و فغاں سے ہمارے سینوں میں کوئی ٹیس نہیں اٹھتی تو پھر ہمیں فکر کرنی چاہیے اور اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ یقیناً مال و اولاد اور زر و زمین کی محبت نے ہماری عقل و فکر کو مفلوج کر دیا ہے اس آیہ مبارکہ پر غور کیجیے۔

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ [التوبة : ٢٤]

" (اے نبی ﷺ) ! آپ مسلمانوں سے) کہہ دیجیے ! کہ اگر تمھیں اپنے باپ ، اپنے بیٹے ،اپنے بھائی، اپنی بیویاں ، اپنے کنبے والے اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندا پڑنے کا تمھیں اندیشہ ہے اور تمہارے مکانات جو تمہیں پسند ہیں اللہ اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

کشمیری مسلمان گزشتہ نصف صدی سے جنگ آزادی لڑ رہے ہیں ۔ وہ انتہائی بے سر و سامانی سے ہندوستان کی ظالم و سفاک حکومت کا مقابلہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اب تک سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں ۔تحریک آزادی کو کچلنے اور دبانے کے لیے ہندوؤں کا ظلم و ستم بھی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں کئی لاکھ فوج متعین ہے جس کی سفاکی اور بربریت کا حال یہ ہے کہ وہ عورتوں اور بچوں کو بھی معاف نہیں کرتی۔ اس طرح شہادت پانے والی خواتین اور بچوں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچ چکی ہے اس وقت تک ہزاروں سہاگ لٹ چکے ہیں ۔ بے شمار بچے یتیم ہو چکے ہیں ۔ بہنیں بھائیوں سے اور بھائی بہنوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ انسانوں سے بھرے گھر دھماکوں سے اڑا دیے جاتے ہیں اور روزانہ انتہائی کربناک اور دردناک خبریں ریڈیو، ٹیلی ویژن پر آتی ہیں۔ جنھیں سن دیکھ کر کلیجے پھٹنے کو آتے ہیں۔

کیا مسلمانوں پر ظلم و ستم ہوتے دیکھ کر دوسرے مسلمان خاموش رہیں گے۔؟

آج مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے فلسطین کے مسلمان کتنے عرصے سے پریشان ہیں۔ چیچنیا کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹے مگر سلامتی کونسل اور اقوامِ عالم خاموش

تماشائی بنے رہے ۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں پر کوئی آفت اور پریشانی آتی ہے ، یہود و ہنود خوشیاں مناتے ہیں۔

اس وقت ضرورت ہے کہ عالمِ اسلام کے ممالک سر جوڑ لیں، وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں ۔ اپنے مادی اور فوجی وسائل اکٹھے کریں اور ان مظلوم مسلمانوں کی مدد کو پہنچیں۔ جو اس وقت ظالموں کے پنجۂ استبداد میں ستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ اگر ہم خاموش رہے اور ہماری قوتِ ایمانی بیدار نہ ہوئی تو ایسا ممکن ہے کہ کل کو ہمارے اوپر کوئی اُفتاد آن پڑے اور کوئی ہماری مدد کو بھی نہ پہنچ سکے۔

دعاء و التجاء:

« رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِكَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ »

[یونس: ۸۵-۸۶]

”اے ہمارے ربّ ہم کو آزمائش میں نہ ڈال ظالموں کی قوم کے لیے اور ہم کو اپنی رحمت سے کافروں کی قوم سے نجات دے۔“

کشمیری مسلمانوں کی مدد

وَعَنِ ابۡنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلۡمُسۡلِمُ اَخُوۡ الۡمُسۡلِمِ لَا يَظۡلِمُهٗ وَلَا يُسۡلِمُهٗ مَنۡ كَانَ فِیۡ حَاجَةِ اَخِيۡهِ كَانَ اللّٰهُ فِیۡ حَاجَتِهٖ وَمَنۡ فَرَّجَ عَنۡ مُّسۡلِمٍ كُرۡبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنۡهُ بِهَا كُرۡبَةً مِّنۡ كُرَبِ يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ وَمَنۡ سَتَرَ مُسۡلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ »

[متفق عليه رياض الصالحين باب تعظيم حرمات المسلمين و بيان حقوقهم]

”سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو وہ اس پر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور نہ اس کو بے یارومددگار ہی چھوڑتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ اس کی حاجت پوری فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی کسی پریشانی کو دور کرے گا تو اللہ روز قیامت اس کی پریشانی دور فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ روز قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔“

رسول اللہ ﷺ کے یہ قیمتی ارشادات انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں سے حرز جاں بنانے کے

لائق ہیں جہاں افراد آپس کے دکھ درد میں ایک دوسرے کا سہارا بنیں وہاں مسلمان حکومتیں اور ملک بھی ایک دوسرے کی مدد کو پہنچیں یہ امداد مالی و جانی دونوں طرح سے کی جائے۔

ماضی میں مسلمانوں کی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی ان میں ملی نظم و ضبط اور اتفاق و اتحاد تھا وہ دنیا میں ایک مضبوط اور طاقتورترین قوم کی حیثیت سے ابھرے تھے ان کی شوکت وعظمت دنیا بھر میں مسلمہ تھی وہ دعوت اسلام لے کر اٹھے اور شرقاً غرباً پھیل گئے اور جہاں کہیں گئے حق وصداقت کے جھنڈے گاڑے امن و سلامتی کی حکمرانی قائم کی، وہاں کے باشندوں نے سکھ اور اطمینان کا سانس لیا انہوں نے اللہ کی زمین سے ظلم وستم کو مٹایا اور عدل و انصاف کا نظام قائم کیا۔ قرآن حکیم نے جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد یہی بتلایا ہے کہ تم کمزور و ناتواں مظلوموں اور بے کسوں کی مدد کو پہنچو اور انہیں ظالموں اور زبردستوں کے پنجہ استبداد سے نجات دلاؤ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴾ [النساء: ۷۵]

”اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جن کے لبوں پر اللہ کے حضور یہ فریاد ہے کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔“

تقسیم ملک کے وقت انگریز کی شاطرانہ چالوں سے مقبوضہ کشمیر کا بنجر و بے آباد علاقہ پاکستان کے حوالہ کر دیا گیا اور سرسبز وشاداب حصہ ہندوستان کو دے دیا گیا جب کہ اس حصہ میں بھی اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ وہاں کے باشندوں نے اس ناانصافی کا رونا رویا مگر ہندوؤں کی ظالم حکومت نے ان کی آواز کو دبائے رکھا مگر اندر ہی اندر فکر حریت پروان چڑھتی رہی بالآخر جذبۂ آزادی نے جوش مارا اور تقریباً چالیس برس بعد وہاں کے نوجوان تحریک آزادی کا علم تھام کر میدان میں کود پڑے وہ انتہائی بے سروسامانی کے ساتھ ہندوستان کی ظالم و سفاک حکومت کا مقابلہ کرتے چلے آرہے ہیں اور اب تک سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں جام شہادت نوش کر چکے ہیں تحریک آزادی کو کچلنے اور دبانے کے لئے ہندوؤں کا ظلم وستم بھی انتہاء کو پہنچ چکا ہے ریڈیو اور اخبارات کے مطابق وہاں کی حکومت کی سفاکی و بربریت کا یہ حال ہے کہ عورتوں اور بچوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا بلکہ شیر خوار بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے سنگینوں اور

گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔ اس طرح شہادت پانے والی خواتین اور بچوں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچ چکی ہے اس وقت تک ہزاروں سہاگ لٹ چکے ہیں بے شمار بچے یتیم ہو چکے ہیں بہنیں بھائیوں سے اور بھائی بہنوں سے محروم ہو چکے ہیں ۔اور روزانہ انتہائی کربناک، دردناک خبریں پہنچ رہی ہیں جنہیں پڑھ سن کر کلیجے پھٹنے کو آتے ہیں۔

یہاں پر صدر، وزیر اعظم یادیگر وزراء اخبارات میں صرف اس قدر بیان جاری کر دیتے ہیں کہ ہندوستان کی حکومت باز آ جائے وگرنہ اسے سنگین نتائج بھگتنے ہوں گے یہ بیانات ہم عرصہ دراز سے پڑھتے آرہے ہیں مگر ظالم کا ظلم ہے کہ رکنے نہیں پاتا۔ کیا اس طرح ہم اپنے فرائض سے بری الذمہ ہوجائیں گے؟ یہ بات سب کے علم میں ہے کہ تقسیم ملک کے وقت پاکستان میں بسنے والے کتنے ہی لوگوں کے عزیز واقارب اور بھائی بند بعض مجبوریوں کی بنا پر ہندوستان میں ٹھہر گئے ایسا بھی ہوا کہ ماموں چچا ادھر ہے اور بھتیجا بھانجا ادھر ہے، سسر ادھر ہے اور داماد ادھر ہے اب اسلامی اور نسبی رشتوں کی بنا پر بھی ان لوگوں کی تکلیفوں اور پریشانیوں کا مداوا ہمارے اوپر فرض ہوجاتا ہے۔حکومتِ پاکستان کو چاہئے تھا کہ افراد قوم کو اخلاقی وفوجی تربیت دیتی، نماز فجر کے بعد شہروں کی سڑکوں اور میدانوں میں قوم کے نوجوان ملٹری ٹریننگ حاصل کرتے نظر آتے صرف اتنی بات ہی کہ پوری قوم مصروف جہاد ہے دشمن کو ہراساں کرنے کے لئے کافی تھی مگر افسوس اور صد افسوس کہ آج تک پاکستان میں کسی کے دور حکومت میں ایسی تربیت کا سامان مہیا نہ کیا گیا۔ستم بالائے ستم یہ کہ نوجوان نسل کو اخلاقی وفوجی تربیت تو کیا ہوتی انہیں اچھی طرح بگاڑا گیا ہے یہ سکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے ہمارے سپوت راتوں کو سرچ لائٹ میں تہوار بسنت (پتنگ بازی) مناتے ہیں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بے محابا اسلحہ کا استعمال کرتے ہیں اور مجموعی طور پر قوم اخلاقی دیوالیہ ہوچکی ہے ۔۱۴مئی ۱۹۹۱ء کا جنگ اخبار پڑھ رہا تھا کہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں جنرل ہسپتال کے قریب نواحی بستی میں وہاں کے غنڈوں نے ایک خاتون کے گھر سے اس کی نوجوان لڑکیوں کو لے جانے کی کوشش کی اس خاتون کی مزاحمت پر وہ اسے کھینچ کر لے گئے اور اسے برہنہ کر کے پوری بستی پھراتے رہے وہ بیچاری چلاتی رہی مگر کوئی اس کی مدد کو نہ پہنچا آخر اسے دھکا اور گالیاں دے کر چھوڑ دیا گیا کہ وہ جہاں چاہے رپورٹ درج کرائے اس نے جنگ کے دفتر پہنچ کر اپنا بیان قلم بند کرایا۔ اپنی حرکتوں اور کرتوتوں سے ہم اپنے ماضی کی تاریخ دھندلا چکے ہیں کیا آئندہ اپنے اعمال کو سنوار کر اپنے مستقبل کو روشن نہیں کریں گے؟ فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

دعاء و التجاء:

« رَبِّ تَقَبَّلُ تَوُبَتِیُ ، وَاغُسِلُ حَوُبَتِیُ وَ اَجِبُ دَعُوَتِیُ وَثَبِّتُ حُجَّتِیُ وَسَدِّدُ لِسَانِیُ وَاهُدِ قَلُبِیُ وَاسُلُلُ سَخِیُمَةَ صَدُرِیُ »

''اے میرے رب! میری توبہ قبول کیجئے میرے گناہ دھو ڈالیے میری دعا منظور کیجئے اور میری دلیل ایمان کو ثابت رکھئے اور میری زبان کو صدق کے لیے رکھئے میرے دل کو ہدایت سے نوازیئے اور میرے سینے کا فساد (کینہ اور بغض وغیرہ) نکال دیجئے۔''

آہ خون مسلم کی یہ ارزانی

وَ عَنُ اَبِیُ بَکُرَةَ نَفِیُعِ بُنِ الُحَارِثِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنُهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ قَالَ :« اِنَّ دِمَاءَ کُمُ وَ اَمُوَالَکُمُ وَ اَعُرَاضَکُمُ عَلَیُکُمُ حَرَامٌ کَحُرُمَةِ یَوُمِکُمُ هٰذَا فِیُ بَلَدِکُمُ هٰذَا فِیُ شَهُرِکُمُ هٰذَا سَتَلُقَوُنَ رَبَّکُمُ فَیَسُأَلُکُمُ عَنُ اَعُمَالِکُمُ اَلَا فَلَا تَرُجِعُوُا بَعُدِیُ کُفَّارًا یَضُرِبُ بَعُضُکُمُ رِقَابَ بَعُضٍ اَلَا لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الُغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعُضَ مَنُ یَّبُلُغُهٗ اَنُ یَّکُوُنَ اَوُعٰی لَهٗ مِنُ بَعُضِ مَنُ سَمِعَهٗ » ثُمَّ قَالَ « اَلَا هَلُ بَلَّغُتُ ؟ اَلَا هَلُ بَلَّغُتُ ؟ » قُلُنَا نَعَمُ : قَالَ:« اَللّٰهُمَّ اشُهَدُ »

[متفق علیه، ریاض الصالحین ، باب تحریم الظلم]

''سیدنا نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) ارشاد فرمایا تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں تمہارے اس دن کی حرمت کی طرح تمہارے اس مہینے میں اور اس شہر میں۔ عنقریب تم اپنے ربّ سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا سن لو! میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردن مارے، سن لو! جو حاضر ہیں وہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ سننے والوں سے زیادہ ان نصیحتوں کو حرزِ جاں بنائیں، پھر ارشاد ہوا کان کھول کر سن لو۔ کیا میں نے پیغام الٰہی تم تک پہنچا دیا؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اے اللہ تو گواہ رہ۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تاریخ عالم پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے کسی کونے میں

امن وسکون نہیں رہا تھا ہر طرف دکھ تھے آلام تھے فساد اور بگاڑ تھا گویا کہ پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہیں دَور وحشت طاری تھا کہیں شرک و بت پرستی کی لعنت مسلط تھی، کہیں جنگ و جدل کا سلسلہ چل رہا تھا۔ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود ہوا و ہوس کا شکار ہو کر قعرِ مذلت میں گر چکا تھا۔ قرآن حکیم نے ان انسانوں کی گمراہی کو ضلال مبین کے الفاظ سے آشکارہ کیا ہے مولانا حالی نے مسدس میں دورِ جاہلیت کا خوب نقشہ کھینچا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

ایسے وقت میں کہ انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا اور دنیا اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ ہلاکت و بربادی کے مہیب و عمیق غار میں گرنے والی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے آخری رسول جناب محمد ﷺ کو آخری کتاب ہدایت قرآن حکیم دے کر مبعوث فرمایا کہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔

﴿ الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ ﴾ [ابراهيم: ١]

"الٓـرٰ۔ یہ ایک روشن (پاکیزہ) کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ تم نسل انسانیت کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاؤ اسی ربّ کریم کے راستہ کی طرف جو غالب اور ستودہ صفات ہے۔"

آپ ﷺ نے اس کتاب مبین کی پاکیزہ تعلیمات پر سب سے پہلے خود عمل کیا کہ داعی حق کی سیرت ہی لوگوں کے لئے نمونہ بنتی ہے اس لئے ربّ تعالیٰ نے آپ کی حیات طیبہ کو تا قیامت تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے نمونہ بنایا۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ ﴾ [الاحزاب۔ ٢١]

''رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ زندگی میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتا ہو اور جس کی زبان اللہ کی یاد سے تر رہتی ہو۔''

آپ ﷺ کی تشریف آوری سے انسانیت کو نئی زندگی، نیا یقین، نیا ایمان، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت، نیا معاشرہ اور نیا تمدن ملا۔ کفر کے اندھیرے چھٹ گئے اور توحید کا نور پھیلا ظلم و ستم کا خاتمہ ہوا اور عدل و انصاف کی ہوائیں چلیں، جہالت کا دور ختم ہوا اور علم کا چراغ جلا ذات پات اور رنگ و نسل خاندانی فخر و غرور اور حسب نسب کے بت پاش پاش ہوئے اور ایمان و یقین کی دولت سے عزو وقار بڑھا عربی اور عجمی مشرقی اور مغربی، سیاہ اور سفید امیر اور غریب سید اور موچی دولت اسلام ملنے کے ساتھ ساتھ بھائی بھائی ہوگئے۔

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ﴾ [آل عمران:۱۰۳]

''اور اللہ تعالیٰ کے اس لطف و کرم کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت ڈال دی تو تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے۔''

ان کی آپس میں ہمدردیوں اور غمخواریوں کا بے مثال مظاہرہ ہجرتِ مدینہ کے وقت ہوا کہ ایک ایک انصاری نے اپنے ایک ایک مہاجر بھائی کا ہاتھ تھام لیا اور ہر قسم کی مدد کی پیش کش کی ان کا یہ اتفاق و اتحاد ایک زبردست قوت بنا، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان کے شاملِ حال رہیں اور چند سالوں میں ہی اسلام کے نظامِ عدل و انصاف کو دنیا کے وسیع و عریض علاقہ میں قائم کر دیا گیا وہ جہاں کہیں گئے انسانوں کو راحت اور آرام پہنچایا سسکتی انسانیت نے ان کے ہاتھوں سکھ اور چین پایا۔

سب اسلام کے حکم بردار بندے
سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے
یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے
رہ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشہ میں مے حق کے سرشار سارے

[مسدس حالی]

وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے اور اس میں غور و فکر کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ ان کے لئے سفر حیات میں روشنی کا سامان بہم پہنچاتی تھی دنیا و آخرت کی سرفرازیاں ان کے حصہ میں آئیں۔

دین سے غفلت کا نتیجہ:

جب مسلمان دین سے غافل ہوا قرآن حکیم کی تلاوت اور اس میں تدبر و تفکر کو چھوڑا اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے منہ موڑا تو نتیجتاً وہ خواہشات کا غلام رسوم و رواج کا پرستار قوم اور برادری کا محکوم اور شیاطین کا مرید بن گیا۔ گویا کہ دور جاہلیت کی طرف پھر پلٹ آیا شرم و حیا اس سے رخصت ہوئی تو عدل و انصاف نے منہ پھیرا عقل و شعور کی نعمت جاتی رہی اور صبر و قناعت کی دولت سے تہی دامن ہوا اللہ تعالیٰ کے خوف سے سینے خالی ہوئے تو دشمنوں کا خوف ان کے سینوں میں سما گیا ماضی میں وہ تعداد میں کم اور دشمن تعداد میں زیادہ تھا تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود نامِ مسلم سے دشمن سہمتا تھا اور جدھر بھی وہ رخ کرتا تھا دشمن کا منہ پھیر دیتا تھا۔ اب تعداد میں وہ بہت زیادہ ہے اور مال و دولت کی فراوانی بھی ہے مگر دشمن کے خوف اور خطرات نے ذہن و فکر کو پریشان کر رکھا ہے۔ اب حالت اس قدر دگرگوں ہو چکی ہے کہ دشمن مسلمانوں کی کسی زمین پر ناجائز قابض ہوجاتا ہے اور وہاں کے باشندوں کو غلام اور محکوم بنا لیتا ہے تو انہیں دشمن کے پنجہ استبداد سے چھڑانے کے لئے کوئی آگے نہیں بڑھتا یہ بے حسی کی انتہا ہے غیرت ایمانی رخصت ہو چکی ہے مظلوم بھائیوں کی داد فریاد سننے کے لئے کان بہرے ہو چکے ہیں بصیرت جاتی رہی ہے بلکہ مسلسل گناہوں سے دلوں کی سختی میں اضافہ ہوا ہے اب مسلمان کو نہ اللہ کا خوف رہا اور نہ ہی رسول اکرم ﷺ کی تعلیم کا پاس و لحاظ۔ وہ شتر بے مہار کی طرح پاؤں تلے ہر چیز روندتا چلا جاتا ہے اپنے ہاتھ سے اپنے بھائی کا گلا کاٹتا ہے، اس کے مال کو لوٹتا ہے، وہ بم تیار کرتا ہے اور چوری چھپے اسے بسوں اور ریلوں میں جلسہ گاہوں اور بھرے بازاروں میں رکھتا ہے کہ آناً فاناً دھماکہ سے کئی بے گناہ قیمتی جانیں ضائع ہوجاتی ہیں، بچے یتیم ہوجاتے ہیں، اور عورتیں بیوہ ،بہنیں اپنے بھائیوں اور خاوند اپنی بیویوں سے محروم ہوجاتے ہیں۔ آہ ننھے ننھے معصوم بچوں کی چیخ و پکار اور خواتین کا واویلا بہنوں کی آہ و بکا اور ماؤں کا صدمات سے نڈھال ہونا ان ظالموں کے دلوں کو نرم نہیں کرتا۔ اس وقت پاکستان کا طول و عرض دھماکوں اور پٹاخوں کی زد میں آچکا ہے۔ شریر عناصر لوگوں کے مال و جان کے درپے ہیں۔ صوبہ سندھ میں دور جاہلیت کی طرح لسانی اور قبائلی مہاجر اور مقامی تعصّبات کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ آپس کے تصادم میں روزانہ بیسیوں قیمتی جانیں ضائع اور سینکڑوں زخمی ہوجاتی ہیں اور ظلم و ستم کی ایسی ایسی داستانیں سننے پڑھنے میں آتی ہیں کہ جو دور جاہلیت کو بھی مات کرتی ہیں اور زیادہ تر مسلمان ہی آپس میں دست و گریباں ہیں۔ اسلامی قوانین کے فقدان سے انارکی اور بدنظمی کا پورا ملک شکار ہو چکا ہے۔ ان حالات

میں بھلا ہم مظلوم کشمیریوں کی مدد کو کیسے پہنچ سکتے ہیں جب کہ آپس میں ہی لڑ بھڑ رہے ہیں۔ اب دین پسند لوگوں پر زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اللہ کے لئے اکٹھے ہوجائیں اور اپنے تمام اختلافات پس پشت ڈال دیں ورنہ روزِ جزا ہم ربّ کائنات کے سامنے کیسے سرخرو ہوسکتے ہیں؟

دعاء و التجاء:

﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾

اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ کا رحم وکرم تو سب سے بڑھ کر ہے۔

آہ ! امت مسلمہ کا فہم وشعور

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِی قَلْبِهٖ، فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ، وَ اِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ فَذٰلِكُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ »[رواه احمد والترمذی، مشكوٰة باب الاستغفار والتوبة]

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:” مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور معافی مانگ لیتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے۔ اگر وہ زیادہ گناہ کرتا ہے تو زیادہ سیاہ نقطے پڑ جاتے ہیں تا آنکہ اس کا دل خاک سیاہ ہو جاتا ہے اور یہی وہ سیاہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:” نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ان کے دلوں پر انہی کے اعمال کے زنگ پھیل گئے ہیں۔“ [سورة المطففين:٤]

یہ روز مرہ کے مشاہدہ کی بات ہے کہ اجلے سفید لباس پر کوئی داغ لگ جائے تو کیسا بدنما معلوم ہونے لگتا ہے، اسے صابون اور پانی سے صاف کیجئے تو لباس کی پھر سے خوشنمائی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اگر پروا نہ کریں تو پھر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ مذکورہ لباس اپنی شناخت تک کھو بیٹھتا ہے کہ آیا وہ سفید تھا یا سیاہ۔ کچھ ایسی ہی کیفیت بندۂ مؤمن کی ہے۔ اس کا دل بھی مثل آئینہ کے روشن و شفاف ہوتا ہے...... جونہی اس سے کچھ خطا ہو جائے یا کوئی گناہ سرزد ہو تو اس کے آئینہ دل پر داغ پڑ جاتا ہے جس کا اسے فوراً احساس ہوتا ہے اور اس کا ضمیر اسے جھنجوڑتا ہے ...... وہ پھر اپنے ربّ کی طرف رجوع کرتا ہے اور

توبہ کے ساتھ ندامت کے آنسو بھی بہہ نکلتے ہیں تو رحمتِ الٰہی سے وہ نکھر کر صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں اس کا ذکر یوں آتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾

[النساء: ۱۱۰]

’’اور جو شخص کوئی بُرا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہو تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔‘‘

اور جناب رسول اللہ ﷺ نے سچے دل سے توبہ کرنے والے کو یہ خوشخبری بھی سنائی ہے۔

« اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ » [رواہ ابن ماجه مشکوٰۃ باب الاستغفار]

’’گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا کہ کبھی اس سے کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔‘‘

یہ ان لوگوں کی حالت ہے جو گناہوں کو جمع ہونے کا موقع ہی نہیں دیتے بلکہ اپنے ربّ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہتے ہیں اس طرح ان کی خطائیں جھڑتی رہتی ہیں۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں اور نہ تو اپنے کئے پر انھیں کوئی ندامت و شرمساری ہوتی ہے اور نہ ہی توبہ و انابت کی طرف ان کا قدم بڑھتا ہے تو ایسے لوگوں کے دل گناہوں کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ فہم و شعور اور عقل و فکر بھی رخصت ہو جاتی ہے اور قرآن کے مطابق ان کی یہ کیفیت ﴿ بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ یعنی ’’ان کے دل پر ان کے اعمال کا ہی زنگ پھیل جاتا ہے۔‘‘ جب اس زنگ کی تہہ بڑھتی ہے تو انسان بصارت رکھنے کے باوجود بصیرت سے تہی دامن ہو جاتا ہے اس میں نیکی اور بدی کا شعور جاتا رہتا ہے کھرے اور کھوٹے کی تمیز چھن جاتی ہے۔ بُرے اور بھلے کی شناخت ختم ہو جاتی ہے، شرم و حیاء ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور یہ محرومی بہت بڑے نقصان کا پتہ دیتی ہے:۔

﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾

[الحج: ٤٦]

’’بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔‘‘

افراد اور قومیں گناہوں کی وجہ سے نہ صرف عقل و بصیرت سے محروم ہو جاتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے رزق میں خیر و برکت بھی اٹھ جاتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

« اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ » [المسند۔ الجواب الکافی لابن قیم]

”آدمی اپنے گناہوں کے سبب رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔“

فقر و فاقہ کے ساتھ کم ہمتی اور بزدلی بھی در آتی ہے اور دشمن للچائی نظروں کے ساتھ ان کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« يُوشِكُ اَنْ تَدَاعىٰ عَلَيْكُمُ الْاُمَمُ مِنْ كُلِّ اُفُقٍ كَمَا تَدَاعىٰ الْاَكَلَةُ عَلىٰ قَصْعَتِهَا قُلْنَا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمِنْ قِلَّةٍ بِنَا يَوْمَئِذٍ ؟ قَالَ:" اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰـكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ تُنْزَعُ الْمَهَابَةُ مِنْ قُلُوْبِ عَدُوِّكُمْ وَتُجْعَلُ فِي قُلُوْبِكُمُ الْوَهَنُ قَالُوْا: وَمَا الْوَهَنُ ؟ قَالَ : حُبُّ الْحَيَاةِ وَكَرَاهَةُ الْمَوْتِ »

[المسند، الجواب الكافی لابن قیم]

”ڈر ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کہ بھوکے کھانے کے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس وقت تمہاری کثرت ہو گی مگر تمہاری حالت سیلاب کے خس و خاشاک جیسی ہو گی تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھ جائے گا اور تمہارے دلوں میں بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ بزدلی کیا ہے؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زندگی سے محبت اور (شہادت کی) موت سے نفرت۔“

آج امت مسلمہ کی حالتِ زار انتہائی قابل رحم ہے اور اس کا فہم و شعور رخصت ہو چکا ہے اس وقت ہم سب معصیت کا شکار ہیں، اس وقت دنیا میں کتنی اسلامی ریاستیں ہیں اور کہاں کہاں نظامِ شریعت کا نفاذ ہے؟ دشمنوں کی یلغار سے روزانہ ہمارا ناقابل تلافی جانی و مالی نقصان ہو رہا ہے۔ اسی خسارہ کے باوجود ہمارے دل اس قدر سخت ہو چکے ہیں کہ اللہ کے حضور توبہ و انابت کے ساتھ نہیں جھکتے ہیں اور نہ ہی قران و سنت کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں۔ یاد رکھیے! ہماری عظمت رفتہ کا راز صرف اور صرف دین کی پیروی میں ہے۔

دعاء والتجاء:

« يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ »

”اے زندہ! اے تھامنے والے (رب) ہم آپ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔“

نئی حکومت کی اہم ذمہ داریاں

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى يَنَالَهٗ، ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهٗ جَوْرَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ غَلَبَ جَوْرُهٗ عَدْلَهٗ فَلَهُ النَّارُ » [فقه السنة، باب القضاء...... ابو داؤد]

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مسلمانوں پر قاضی (حاکم) کے عہدہ کی طلب وجستجو کی یہاں تک کہ وہ اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر اس کا عدل و انصاف اس کے ظلم وستم پر حاوی رہا تو اس کے لیے جنت ہے اور جس کا ظلم وستم اس کے عدل و انصاف پر چھایا رہا تو اس کے لیے جہنم ہے۔"

قرآنِ حکیم اسلامی حکومت کے اوّلین فرائض اس طرح بیان کرتا ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ [الحج:٤١]

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ کا نظام بحال کریں نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔"

یہ آیت اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالنے کے لیے اساس کا حکم رکھتی ہے، نماز کو قائم کرنے سے لوگوں میں اللہ کا خوف پیدا ہوگا۔صف بندی سے اتفاق و اتحاد اور اخوت و مروت کی صفات نشو ونما پائیں گی۔ امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے سے اطاعت و فرماں برداری کی سپرٹ پیدا ہوگی اور اس سے معاشرتی نظم و ضبط برقرار ہوگا۔ اور ایسا معاشرہ تعمیر و ترقی اور صلاح و فلاح کی منزل پر رواں دواں ہو جائے گا جب کہ زکوٰۃ کا نظام بحال ہونے سے تمام معاشی ناہمواریوں کا علاج مفید و موثر ثابت ہوگا نیکیوں اور بھلائیوں کو فروغ دینے سے نیز بدیوں اور بے حیائیوں کو مٹانے سے لوگوں کی اخلاقی حالت سدھرے اور سنورے گی ۔زندگی کو اطمینان وسکون میسر آئے گا۔ ایک فلاحی ریاست کچھ ایسی ہی خوبیوں سے آراستہ ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت،

ان کے درمیان عدل و انصاف کو جاری کرنا، تعلیم اور صحت کی نگرانی، شہریوں کو باعزت اور جائز روزگار کی فراہمی، علاج معالجے کی سہولتیں مہیا کرنا اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرنا بھی ہے آیئے ذرا قدرے تفصیل سے ان باتوں کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ ہمارے وطن عزیز میں سابقہ حکومتوں نے ان ذمہ داریوں کو کہاں تک نبھایا ہے؟

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ ملک محض اسلامی نظامِ حیات کو جاری و ساری کرنے کے لیے وجود میں آیا تھا؟ اس کے لیے جو اَن گنت جانی و مالی قربانیاں دی گئیں وہ تاریخ کا دلخراش باب ہے۔ قیامِ پاکستان اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھا کہ ہم اس کا شکر بجا لاکر اس کے دین کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں نافذ کرتے مگر افسوس کہ ۵۸ (اٹھاون) برس کا طویل عرصہ گذرنے کے باوجود وہ خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ نت نئے روپ میں سیاست دان آتے رہے اور قوم کو سبز باغ دکھا کر اقتدار سنبھالتے رہے اور مداریوں کی طرح قوم کو تماشا دکھا کر محض اپنا اُلّو سیدھا کرتے رہے، انھوں نے قومی خزانہ کو شاطرانہ چالوں سے لوٹا، اپنے بنگلے اور کوٹھیاں تعمیر کیں، بنک بیلنس کو بڑھایا، اپنے بچوں کو تعلیم اور علاج معالجہ کے لیے بھی بیرونِ ملک بھیجا مگر غریبوں کے بچے اندرونِ ملک بھی اچھی تعلیم و تربیت سے محروم رہے۔ اسلامی نظام کا قیام تو بڑی بات ہے۔ سلیقہ سے کوئی نظام بھی یہاں قائم نہ ہوسکا۔ سیاسی اور عدالتی نظام جو انگریز یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کا بھی اچھا خاصہ حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا گیا۔ قوم کی نہ صحیح خطوط پر تعلیم ہوئی اور نہ تربیت۔ اور نہ قانون کی بالا دستی ہی قائم ہوسکی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سی برائیوں اور بداخلاقیوں نے جنم لیا...... چوری چکاری، قتل اور غارت، لوٹ مار، اغوا، ڈکیتی، چوری اور سمگلنگ، رشوت اور سود اور اسی قبیل کی بے شمار خرابیوں میں قوم کے افراد مبتلا ہوگئے، اخلاقی انحطاط کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان ہاتھ سے جاتا رہا اور بچے کھچے پاکستان میں لسانی و صوبائی تعصّبات کے فتنے سر اٹھانے لگے۔ سندھ میں حالات جتنے سنگین اور کشیدہ ہوئے وہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ بے شمار قیمتی جانیں ان فتنوں کی نذر ہوچکی ہیں اور ہزاروں گھر اجڑ چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلام سے بغاوت اور اپنی نا اہلیوں کی وجہ سے ہمارے احوال دگرگوں ہوچکے ہیں۔ نئی آنے والی حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماضی کی تاریخ کو سامنے رکھ کر اپنی اصلاح کرے اور عزمِ صمیم اور خلوصِ نیت سے تعمیر وطن میں مصروف ہوجائے۔ اسی سلسلہ میں چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے قیام اور احکام معروف و منکر کے اجراء کے ساتھ ساتھ سب سے ضروری اور اہم بات عدل و انصاف کے فوری اور مضبوط قانون کا نفاذ ہے...... اسلام کا عطا کردہ وہ عادلانہ نظام کہ

جس میں حاکمِ وقت بھی اگر قصور وار ہو تو اسے کٹہرہ عدالت میں پیش ہونا پڑتا ہے۔ عدل ہی نیکی اور پرہیز گاری کی علامت ہے۔ عدل ہی سے امن و امان قائم ہوسکتا ہے ۔قرآن حکیم کی متعدد آیات میں عدل کو قائم کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ [المائدة:٨]

''عدل کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے۔''

عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ مجرموں کو بلا تاخیر فوری سزا دی جائے تاکہ جرائم کو پہنچنے کا موقع نہ ملے۔اسلامی تعزیرات کا فوری نفاذ کیا جائے اس سے بہت سے جرائم میں خود بخود کمی ہو جائے گی، جب چوروں کے ہاتھ کٹیں گے اور زانیوں کو سنگسار کیا جائے گا تو دوسروں کو عبرت ہوگی اور وہ ان جرائم کا ارتکاب کرنے سے ڈریں گے...... عدل وانصاف ہر شہری کو بلا معاوضہ ملنا چاہیے اگر عدالتوں میں وکلاء کی ضرورت قائم رہتی ہے تو ان کی فیس حکومت اپنے خزانہ سے ادا کرے نہ کہ انصاف کا طلب گار۔ ہمارے یہاں انصاف حاصل کرنے کے لیے نہ صرف بہت سا وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ روپیہ پیسہ بھی برباد ہوتا ہے اور پھر بھی انصاف کا ملنا غیر یقینی ہوتا ہے...... یہ طریق کار قطعی شریعت کے خلاف بلکہ انسانیت سے دور ہے ۔انگریزی زبان کا مشہور جملہ ہے:

"Delay in justice is Deny in justice"

''انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار ہے۔''

تعلیم و تربیت:

قومی تعمیر و ترقی میں مضبوط تعلیم اور پاکیزہ تربیت اہم رول ادا کرتی ہے...... اس سے شہریوں میں ذمہ داری کا شعور بیدار ہوتا ہے، حقوق و فرائض سے آگاہی ہوتی ہے، زندگی میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے اور صحت مند معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

پاکستان میں جو نظامِ تعلیم انگریز یہاں سے رخصت ہوتے وقت چھوڑ کر گیا تھا وہ جوں کا توں چلا آرہا ہے بلکہ معیارِ تعلیم بلند ہونے کی بجائے اس کا گراف نیچے گرا ہے اور یہ روز بروز گرتا جارہا ہے...... اب اسے اسلامی اور قومی امنگوں کے مطابق ڈھالنے کی اشد ضرورت ہے...... ایسا مضبوط نظامِ تعلیم درکار ہے جس سے مسلمان سائنس دان، جغرافیہ دان...... ماہرین معاشیات و سیاست وغیرہ پیدا ہوں جو اسلام کے سپوت اور ملت کے وفادار سپاہی بنیں۔

تعلیم کے ساتھ تربیت کو اس کا لازمی حصہ بنایا جائے کہ طلباء میں اخلاقی اقدار پیدا ہوں اور وہ

آدابِ زندگی سے آشنا ہوں۔ معیارِ تعلیم کو بلند کرنے کے لیے امتحانات کے طریق کار کو بدلنا، مارکیٹ میں ہلکی اور غیر معیاری معاون کتب، ٹیسٹ پیپرز اور گیس پیپرز کی روک تھام ضروری ہو گی۔ اساتذہ کو پابند کیا جائے کہ وہ کلاس میں ہی طلباء کی اتنی رہبری کر دیں کہ انھیں مزید ٹیوشن پڑھنے کی ضرورت نہ رہے۔ یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ ہمارے سکولوں اور کالجوں میں اساتذہ بچوں کو ٹیوشن پڑھنے پر مجبور کرتے ہیں یا ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ ٹیوشن پڑھنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ تعلیمی اداروں کے نزدیک انھوں نے ٹیوشن سنٹر کھول رکھے ہیں والدین کے لیے سینکڑوں روپے ماہانہ ٹیوشن چارجز پریشانی کا موجب بنے ہوئے ہیں غریب والدین کے لیے اپنے بچوں کو تعلیم دلانا بھی مشکل ہو رہا ہے۔

تمام تعلیمی اداروں کا معیارِ تعلیم اور نصابِ تعلیم یکساں ہونا چاہیے اور یہ تفریق ختم ہونی چاہیے کہ فلاں ادارہ تعلیمی طور پر بہتر ہے اور فلاں کمتر ہے نیز اردو میڈیم اور انگلش کا مسئلہ بھی ختم ہونا چاہیے۔ جب سب سکولوں اور کالجوں میں یکساں اور معیاری تعلیم ہو گی تو والدین کو بچوں کو داخل کرانے میں کوئی پریشانی نہ ہو گی۔ تعلیم ہر ادارے میں اچھی، سستی اور معیاری ہونے پر بچے احساسِ برتری اور کمتری کا شکار نہ ہوں گے۔ یاد رکھیے کہ قومیں سیم و زر سے نہیں بلکہ اچھے انسانوں سے بنتی اور ترقی کرتی ہیں اور اچھے انسان اچھی تعلیم و تربیت ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

تعلیم نسواں کا مسئلہ:

خواتین کا نصاب تعلیم ان کی ضرورت کے مطابق الگ مرتب کیا جائے۔ مخلوط تعلیم کو قطعی طور پر ختم کیا جائے کہ اس کے نقصانات سے ہر عقل مند واقف ہے۔ طالبات کے تمام اداروں کا نظم و نسق یہاں تک کہ حساب کتاب کے لیے ان اداروں کے دفاتر میں بھی خواتین ہی کام کریں۔ آٹھ سال سے زائد عمر کی طالبات کے لیے نقاب کا استعمال لازمی قرار دیا جائے۔ یہ بات انتہائی دکھ کا باعث ہے کہ ہمارے یہاں کئی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ہے اور نوجوان لڑکیاں نقاب تو کیا دوپٹہ کے بغیر ہی بے محابا لڑکوں کے درمیان گھومتی پھرتی ہیں۔ افسوس اس کھلم کھلی بے حیائی پر حکومت نے آج تک توجہ نہ دی۔ اس کی نہ والدین کو پروا اور نہ یونیورسٹیوں کی انتظامیہ کو فکر اور سب مسلمان اور اسلام کے دعویدار، اور تو اور پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو وہاں بھی بغیر نقاب کے طالبات دکھائی دیتی ہیں اگرچہ کچھ کم۔

طلباء اور سیاست:

یہ بات کہی جاتی ہے کہ طلباء کو محنت اور یکسوئی سے اپنی تعلیم پر توجہ دینی چاہیے اور انھیں سیاست سے الگ رہنا چاہیے مگر یونینیں (Unions) بنا کر انھیں بھی درحقیقت سیاست کی راہ پر ڈال دیا گیا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ تعلیمی اداروں میں طلباء کی کئی سیاسی پارٹیاں بن چکی ہیں، جن کے درمیان مخالفت اور مخاصمت کی فضا برقرار رہتی ہے اور حسد و بغض کی چنگاریاں یہاں تک بھڑکتی ہیں کہ یہ تعلیمی درس گاہیں بعض اوقات گولہ بارود کی لپیٹ میں آجاتی ہیں...... آئے دن اخبارات میں یہ پڑھتے ہیں کہ فلاں گروپ نے فلاں گروپ کا طالب علم گولیوں سے چھلنی کردیا...... فلاں نے فلاں کی ہوسٹل میں ٹانگیں توڑ ڈالیں۔ افسوس اور صد افسوس کہ یہ نوجوان جن میں سے کل کو وزیر اور سفیر بننا ہیں اور ملک کے مختلف اداروں میں کام کرنا ہے آج ان کی تربیت کی یہ زبوں حالی! میرے خیال میں اگر ان طلباء کو صحیح تعلیم دینی ہے اور پاکیزہ تربیت سے آراستہ کرنا ہے تو تعلیمی اداروں کے تقدس کو بحال کرنا ہوگا۔ تمام یونینوں اور سیاسی پارٹیوں کو سختی سے ختم کرنا ہوگا۔ سابقہ حکومتوں نے شعبہ تعلیم پر بہت کم توجہ دی ہے۔ حالانکہ کسی قوم کو اخلاقی طور پر توانا و تندرست نیز معاشی طور پر بھی بلند و بہتر بنانے میں اس کا بڑا عمل دخل ہے۔

ذرائع ابلاغ:

دورِ حاضر میں ریڈیو، ٹیلی ویژن سے ذہن وفکر کی تعمیر، دعوت وتبلیغ اور اشاعتِ علم میں بڑا کام لیا جا سکتا ہے...... مثبت اور تعمیری پروگرام جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ مفید اور موثر بھی ہوں، پیش کئے جائیں، ہمارے معاشرے میں جو جو خرابیاں موجود ہیں، ان کی نشاندہی کرکے اصلاح کی طرف توجہ دلائی جائے۔ لوگوں کو سادہ اور دل نشین انداز میں قرآن و حدیث کا علم دیا جائے ایسی فلمیں دکھائی جائیں جن سے جذبہ جہاد بیدار ہو۔ غرضیکہ قوم کی اصلاح وتعمیر کو پیش نظر رکھا جائے اور ایسی کوئی بات نہ پیش کی جائے جس سے اخلاق پر زد پڑتی ہو اور علماء و فضلاء کا بورڈ مقرر کیا جائے جس کی منظوری سے پروگرام پیش کیے جاسکیں۔

ذرائع نشر و اشاعت:

اسلامی حکومت نہ صرف لوگوں کے جان و مال، اور عزت آبرو کی بلکہ ان کی تعلیم وتربیت اور اخلاق

وکردار کی بھی محافظ ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

« اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ »

''یعنی حاکم وقت نگہبان ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی۔''اس نگرانی اور نگہبانی کا اطلاق ہر شعبہ حیات میں ہوتا ہے۔

کسی ملک میں اچھی اور معیاری کتب نیز مفید اور کار آمد رسائل و اخبارات چھپنا ایک صحت مند معاشرہ کا پتہ دیتے ہیں اور یہ لوگوں کے ذہن وفکر کو سنوارنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں جب کہ خراب اور بے مقصد لٹریچر کسی مریض معاشرہ کی غمازی کرتا ہے اور لوگوں کی روح کو مضمحل اور کمزور کر دیتا ہے۔ افسوس کہ ہمارے یہاں ادھر ادھر کافی کانٹے بکھرے پڑے ہیں جنھیں صاف کرنا ضروری ہی نہیں لازمی ہے اور ایسے کانٹوں کا وجود زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے جس سے نوجوان نسل کے جسم و روح کھوکھلے ہو چکے ہیں حکومت بلا تاخیر ملک کے اندر چھپنے والے تمام جاسوسی اور جنسی ڈائجسٹوں، فحش ناولوں اور عقیدہ بگاڑنے والی کتب پر قبضہ کر کے آئندہ ان کی نشر و اشاعت پر پابندی لگا دے۔ نیز باہر سے آنے والے رسائل و کتب پر بھی گہری نگاہ رکھے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ذہنوں کی تعمیر میں ہر دن اور اس کا ہر لمحہ بڑا اہم ہوتا ہے۔ جن قوموں نے وقت کی قدر کی ہے اور دنیا میں ایک آزاد اور با عزت زندگی بسر کرنے کے لیے اپنے لائحہ عمل کے مطابق ایک نظامِ اوقات مرتب کیا ہے وہ انتہائی عروج و اقبال کو پہنچ گئی ہیں، عربی زبان کا مشہور جملہ ہے'' اَلْوقت سیفٌ '' یعنی زندگی کو علم و عمل کی خوبیوں سے آراستہ کرنے اور اعلیٰ انسانی صفات کی تسخیر کے لیے وقت تمہارے ہاتھ میں ایک تلوار ہے۔ درد نے کیا خوب کہا ہے:

بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے درد
ہر دم ، دمِ عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

افسوس کہ ہمارا (۵۸) برس کا طویل عرصہ یونہی سیاسی محاذ آرائی کی لپیٹ میں رہا۔ موجودہ حکومت جو اسلام کے نام پر برسرِ اقتدار آئی ہے اب اس کے لیے نظامِ حق کو برپا کرنے میں کوئی رکاوٹ اور مجبوری نہیں ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں صحت مند پالیسی اور تبدیلی کی ضرورت ہے۔

اسلامی معیشت:

ہماری معیشت کو سود، لاٹری، جوا، خواہ وہ انعامی بانڈ کی شکل میں ہو یا ریفل ٹکٹ کی فروخت کی

صورت میں ، بنکاری سود ہو ، یا مکانات کی تعمیر میں قرضوں پر سود، قطعی طور پر فوراً بند کر دیا جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صرفِ رزق حلال کو ہمارے لیے جائز قرار دیا ہے۔

﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ [البقرة: ٢٧٥]

”اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو تو حلال کیا ہے جب کہ سود کو حرام۔“

پھر دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ [المائدة: ٩٠]

”اے ایمان والو! شراب ، جوا ، بت اور فال کے تیر، یہ سب شیطان کے گندے کام ہیں۔ سو تم ان سے بچو شاید تمہارا بھلا ہو۔“

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

” قرآن حکیم نے اخلاق انسانی کی پوری حفاظت کی ہے اور ان تمام چیزوں کو ناجائز ٹھہرایا ہے جو اخلاقی طور پر مذموم ہیں اور جن کا استعمال نسلِ انسانی کے لیے تباہ کن ہے۔ شراب اور جوا بہت پرانی بیماریاں ہیں ۔ عرب کے جہلاء سے لے کر یورپ کے مہذب ملکوں تک اس میں مبتلا ہیں۔ آج باوجود تعلیم و تربیت کے ارتقاء کے یہ دونوں چیزیں سوسائٹی کا جزو قرار پا گئی ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ ان کی برائیاں تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیں۔

قرآن حکیم نے جو برائیاں گنائی ہیں وہ اس درجہ اہم اور درست ہیں کہ ان میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں...... یعنی بغض و عداوت کی تخلیق اور نماز سے تغافل...... شراب پینے اور جوا کھیلنے سے ہمیشہ لڑائیاں ہوتی ہیں اور نفسانی رقابتیں بروئے کار آتی ہیں جس کی وجہ سے امن وسعادت کو ہمیشہ خطرہ ہے نیز نیک جذبات کا خاتمہ ہو جاتا ہے ہر وقت دل و دماغ پر بہیمانہ خیالات چھائے رہتے ہیں اور انسان کوشاں رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح آتشِ ہوس کو ٹھنڈا کیا جائے۔ دماغی و اخلاقی نشو ونما رک جاتی ہے فضائے ذہنی میں شہوانی خیالات کے طوفان اٹھتے ہیں اور آندھیاں چلتی ہیں ۔ تابش حق کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔ دل مردہ اور تاریک ہو جاتا ہے اللہ کی یاد اور محبت کا کوئی جذبہ موجود نہیں رہتا یعنی مسجودِ ملائکہ انسان ہمہ ہوس وشہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔“ [تفسیر سراج البیان، ج:٢]

ہماری قومی معیشت میں انہی جذبات کی عکاسی ہوتی ہے ہوسِ زر کا نشہ اس قدر سوار ہے کہ اس کے

حصول کے لیے دوڑ لگی ہوئی ہے، ملک میں سودی کاروبار، انعامی بانڈز اور ریفل ٹکٹوں کی خرید و فروخت ہے۔ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز اٹھ چکی ہے ...... ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ ناجائز منافع۔ دھوکہ اور فریب سے کمانا، رشوت اور جوا سے مال و دولت کا حاصل کرنا، اسلام کی اخلاقی و معاشی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے۔

رزقِ حلال سے محرومی کے سبب ہماری معاشرتی زندگی سے خیر و برکت بھی رخصت ہو چکی ہے۔ معقول تنخواہیں اور منافع وصول کرنے کے باوجود رزق میں تنگی اور کمی ہی محسوس ہوتی ہے۔ اس آیت پر غور کیجیے۔

﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴾

[طٰهٰ: ۱۲٤]

”اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ (خیر و برکت سے محروم) ہو جائے گی اور روزِ جزا ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔“

اسلامی معیشت کو ملک میں جاری و ساری کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت ایسے اقدامات کرے کہ ہمارا لین دین اور کاروبار اسلامی اصولوں کے مطابق ہو جائے اور جیسا کہ چند دن پہلے وزیراعظم پاکستان نے الحمراء ہال میں تقریر کرتے ہوئے کہا بھی ہے کہ ایسا رزق نہیں آنے دیں گے جو پرواز میں کوتاہی پیدا کرے۔ دیکھئے کہ اب یہ کوتاہی کتنے عرصہ میں رفع ہوتی ہے؟

[الاعتصام=۳۰ نومبر:۱۹۹۰ء]

فحاشی اور غنڈہ گردی کی روک تھام:

محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

« مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ » [رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف]

”یعنی جو بھی تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے زورِ بازو سے روک دے، اور ایسا کرنے کی قوت و طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر زبان سے بھی نہ روک سکتا ہو تو کم از کم دل سے تو برا جانے مگر یہ کمزور ترین ایمان ہے۔“

کوئی شخص اپنے گھر میں اپنے بیوی بچوں کے درمیان کسی بُرائی کو زورِ بازو سے تو روک سکتا ہے مگر معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو روکنے کے لیے حکومتِ وقت ہی اپنی قوت اور طاقت استعمال میں لا سکتی

ہے اور اسلامی حکومت کی اوّلین ذمہ داریوں میں جہاں نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا قیام ہے۔ وہاں نیکیوں کو فروغ دنیا اور برائیوں کو مٹانا بھی ہے، اس کے بغیر معاشرے میں قیام امن کبھی ممکن نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک تعلیمی ادارہ میں صدر مدرس اور اساتذہ مل کر وہاں کی تعلیم و تدریس اور نظم و ضبط کا خیال رکھتے ہیں اگر وہ انتظامی امور میں تساہل برتیں تو طلباء کے درمیان لڑائی جھگڑے اور فتنہ وفساد برپا ہو جائے اور دھینگا مشتی سے...... مار کٹائی تک نوبت پہنچ جائے، جب ماحول ہی پر سکون اور صحت مند نہ رہا تو تعلیم وتدریس کا کام کیسے سرانجام پائے گا۔ ٹھیک اسی طرح اگر کوئی حکومت برائیوں اور بے حیائیوں کو سختی سے نہیں مٹاتی تو نتیجتاً نئی نئی برائیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً چور کو اگر بر وقت سزا نہ دی گئی تو وہ ڈکیتی پر اتر آئے گا اور پھر لوگوں کی عزت و آبرو پر حملے کرنے سے بھی اُسے باک نہ ہوگا...... اصول یہ ہے کہ نیکیاں نیکیوں کو اور برائیاں برائیوں کو نشو ونما دیتی ہیں...... بدقسمتی سے ہمارے ملک کے حکمران آج تک نیکیوں کو فروغ دینے سے تو محروم رہے۔ ستم یہ ہوا کہ برائیوں کی روک تھام نہ کی گئی گویا معاشرے کو آزاد چھوڑ دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس معاشرے میں برائیاں اکاس بیل کی طرح پھیلتی رہیں اور افرادِ قوم کی مثال ایسے جسم کی مانند ہوگئی ہے جو پھنسی پھوڑوں سے بھر چکا ہو اور اس کا کوئی حصہ بھی صحیح وسلامت نہ رہا ہو۔ اگر اس کی مناسب اور فوری دیکھ بھال اور علاج معالجہ نہ کیا گیا تو ہوسکتا ہے کہ اطباء مریض کے مرض کو لا علاج قرار دے دیں۔ صحیح تعلیم و تربیت کے فقدان اور مضبوط نظم و ضبط سے محرومی کے باعث معاشرتی زندگی میں اخلاقی اقدار غائب ہو چکی ہیں۔ فحاشی اور غنڈہ گردی نے سر اٹھایا ہے۔ راہ چلتے شرفاء کی عزتیں لٹ جاتی ہیں۔ بے گناہ مارے جاتے ہیں۔ معصوم بچے اغوا کر لیے جاتے ہیں، نوجوان لڑکیوں کو اوباش قسم کے لوگ سرِ راہ ستاتے اور زبردستی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ سینکڑوں نہیں ہزار ہا والدین کے دل داغدار ہیں۔ کتنے والدین ان صدمات کے بوجھ تلے دبے دماغی توازن کھو بیٹھے ہیں اور اولاد کا غم لیے ہوئے دنیا سے چل بسے ہیں۔ اگر ایسے واقعات کی صرف اخباری خبروں کو ہی اکٹھا کریں تو ایک سال کی ہی طول طویل فہرست بن جائے گی۔ شہروں کے ہر گلی کوچے میں سرکشوں نے شرفاء کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ میرے ایک ملنے والے نے بتایا کہ الیکشن میں سیاست دان انھیں استعمال کرتے ہیں اس لیے ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ میں نے جواب میں کہا اس طرح کرسی کا حصول رحمت کی بجائے زحمت ہے اور ہر خیر و برکت سے محرومی ہے سچ تو یہ ہے کہ حکومت عوام کے لیے کھیت کے گرداگرد باڑ کی مانند ہے اگر کوئی حکومت لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت نہیں کرتی تو

اس کا وجود بے مقصد اور بے معنی ہے اگر نئی منتخب حکومت فحاشی اور غنڈہ گردی کا سختی سے فوری محاسبہ کرے تو ملک کی سلامتی کی امید ہوسکتی ہے وگرنہ پھر لا علاج جسم کی طرح تباہی و بربادی اس کا مقدر ٹھہرے گا۔

پولیس کا کردار:

سنا اور پڑھا ہے کہ انگلستان میں پولیس کا اخلاق اور کردار بہت بلند ہے وہ قانون کی محافظ عوام کی وفا دار اور نگران ہے۔ شاہراہ پر کھڑا کانسٹیبل بھی بھولے بھٹکے مسافر کے لیے رہبری اور روشنی کا سامان بنتا ہے اور اسے منزلِ مقصود تک پہنچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ یہ خوبی کی بات ہے۔ اسلامی تعلیمات تو ایک مسلمان کو کئی خوبیوں سے آراستہ کرتی ہے اور اس کے اچھے اخلاق و آداب کے ثمرے میں ابدی باغ و بہار کی نوید سنائی جاتی ہے مگر کیا کیجیے کہ آج کے مسلمان نے دولتِ اسلام کو ورثہ میں تو پالیا مگر افسوس کہ اس لازوال دولت کی قدرو قیمت کو نہ جانا اور نہ ہی پہچانا...... اس بے عملی کی وجہ سے ہی ہمارا تمام تر تنزل ہوا......

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

ہمارے یہاں معاملہ برعکس ہے یہاں پر پولیس کی اکثریت خائن اور بد دیانت ہے اور تمام تر اخلاقی صفات سے نہ صرف محروم ہے بلکہ مجرموں کی پشت پناہ بھی ہے ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ بعض سماج دشمن عناصر نے پولیس کے ساتھ مل کر کسی کاروباری اور تجارتی مرکز میں نہیں بلکہ ادبی اور تعلیمی مرکز میں رات کے وقت نہیں دن دہاڑے سورج کی چکا چوند روشنی میں کمرۂ امتحان میں غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا اور امتحان دینے والے طلبہ اور نگران عملے سے جبراً پیسے چھین لیے، اس پر مدیر نوائے وقت لکھتے ہیں:

> کوئی مہذب معاشرہ اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اس کا امتحانی نظام غنڈہ گردی کی نذر ہو جائے اور مستقبل کی لیڈر شپ کے سوتے خشک ہو جائیں، امتحانی مراکز کے گرد دفعہ ۱۴۴ نافذ ہوتی ہے اور غیر متعلق افراد روکنے کے لیے پولیس متعین ہوتی ہے لیکن اگر پولیس کی موجودگی میں مسلح عناصر امتحانی مراکز میں گھس کر امیدواروں اور نگران عملے کو لوٹ مار کا نشانہ بناسکتے ہیں تو اس امتحانی نظام پر انا للہ پڑھنے کے سوا کیا کیا جا سکتا ہے؟''

[اداریہ نوائے وقت۔ ۱۹ نومبر ۱۹۹۰]

میں کہتا ہوں کہ آج جا بجا جو غنڈے اور بد معاش للکارتے پھرتے ہیں۔ چوری اور ڈاکہ زنی کی

کثرت ہے ۔ انسانی جانیں بد معاشوں اور ظالموں کے ہاتھوں مولی گاجر کی طرح کٹ جاتی ہیں اور مجرمین بچ نکلتے ہیں اس میں پولیس کا ہاتھ بھی ہوتا ہے محکمہ پولیس کی اصلاح کے لیے چند باتیں درج کی جاتی ہیں۔

☆ اس محکمہ میں باقاعدہ ملازمت شروع کرنے سے پہلے ایک سال کی تعلیم و تربیت لازمی قرار دی جائے...... اسلامی آداب و اخلاق کی نہ صرف تعلیم ہی ہو بلکہ اس کی عملی تربیت کا سامان بھی بہم پہنچایا جائے...... پانچ وقت نماز کی پابندی قرآن حکیم کی تلاوت اور بعض سورتیں ترجمہ وتفسیر کے ساتھ پڑھائی جائیں...... ہسپتالوں میں مریضوں کی دیکھ بھال اور ان کے لیے دور دراز سے لانے میں مدد اور اسی طرح دوسرے خدمتِ خلق کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ ان کے لیے کتابی اور عملی تعلیم کا باقاعدہ نصاب مقرر کیا جائے اور اس کا آخر میں باقاعدہ امتحان بھی لیا جائے ۔ جس میں پاس ہونا لازمی قرار دیا جائے۔ جو لوگ اِن سروس ہیں ان کے لیے بھی اس نصاب کی تکمیل ضروری قرار دی جائے۔

☆ جس طرح کہ شیر شاہ سوری نے اپنے دورِ حکومت میں اضلاع کے پرگنوں (جاگیرداروں) کو اپنے اپنے علاقوں میں جرائم کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا اور وہ اتنا زبردست انتظام و انصرام رکھتے تھے کہ ماتحت عملے کو اس قدر چوکس ومحتاط رکھتے کہ شاذ و نادر ہی کوئی جرم ہو پاتا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی ہر ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو جرائم کا ذمہ دار اور مسئول ٹھہرایا جائے ۔ امید ہے کہ یہ ترکیب کافی مؤثر ثابت ہوگی۔

☆ پولیس کا محکمہ ہو یا کوئی دوسرا محکمہ سرکاری ملازمین کی تنخواہیں اتنی معقول ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مناسب گذر بسر کر سکیں اور رشوت لینے کا کوئی جواز نہ رہے۔

یاد رکھیے کہ اس ملک کو ہم نے ہی بنانا اور سنوارنا ہے آسمان سے کوئی فرشتے آکر یہ کام نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بصیرت اور ہمت عطا فرمائے آمین۔

امن کیسے قائم ہوسکتا ہے؟

آج دنیا سے امن وسلامتی نے جو بوریا بستر لپیٹا ہے اور اس کی جگہ فساد اور انتشار پھیل چکا ہے اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ بحیثیت مجموعی انسانوں نے ہدایت ربانی سے منہ موڑا ہے اور وہ خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے چل پڑے ہیں۔ خالقِ کائنات نے انسان کے لیے جو نظامِ حیات تجویز کیا تھا۔

اس سے اس نے روگردانی اختیار کی ہے۔ نتیجتاً تباہی و بربادی اس کا مقدر ٹھہرا ہے۔ افسوس کہ آج مسلمان بھی جس کا وجود انسانیت کے لیے راستی اور سلامتی کا پیغام تھا، انھی خرافات کی لپیٹ میں آچکا ہے کتنے اسلامی ملکوں میں اسلام کا نظامِ عدل رائج ہے اور لوگ امن و عافیت سے زندگی گزار رہے ہیں؟...... قرآنی تعلیمات کیا تھیں، اور ہم کدھر بھٹک رہے ہیں۔ قرآن کا پیغام حکومت کرنے کے بارے میں یہ ہے۔

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ [صٓ:٢٦]

''اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تم لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرنا، کہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گی۔''

اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان سیدھی اور سچی راہ سے صرف اس وقت بھٹکتا ہے جب وہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت کو بھلا کر نفس کی پیروی میں لگ جاتا ہے۔

پاکستانی قوم کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے حصولِ پاکستان کے لیے جو قربانیاں دی گئی تھیں اور اللہ تعالیٰ سے قوم نے جو وعدے کیے تھے انھیں فراموش کر دیا گیا اور پوری کی پوری قوم خواہشات کے سیلاب میں ایسی بہکی کہ اس پر سلامتی کے دروازے بند ہو گئے اور اب حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ یہاں پر نہ تو عوام کو ہی قانون کا پاس و لحاظ ہے اور نہ ہی قانون نافذ کرنے والے اداروں میں ہی کوئی طاقت اور قوت ہے کہ وہ قانون شکنی کرنے والوں کا سختی سے محاسبہ کر سکیں...... روزانہ اخبارات میں نہایت ہی روح فرسا اور غمناک خبریں آ رہی ہیں کہ جنھیں پڑھ کر ایک حساس دل تڑپ اٹھتا ہے اور وہ گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے کہ اس ملک میں لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کا کوئی محافظ ہے بھی یا نہیں؟ حکومت اور اس کی تمام تر مشینری کا آخر مقصد ہی کیا ہے؟ یہ اندھیر نگری اور چوپٹ راجہ کب تک رہے گا ذرا ان خبروں پر نظر ڈالیے۔

''گڑھی شاہو تھانہ کے بالکل قریب دو سنگین وارداتوں میں ڈاکو ایک نو بیاہتا دلہن صبوحی عثمانی کو ذبح کرنے کے بعد لاکھوں روپے مالیت کے طلائی زیورات اور ایک پٹرول پمپ سے ہزاروں روپے لوٹ کر فرار ہو گئے۔ قتل اور ڈکیتی کی پہلی واردات ۱۰۶ علامہ اقبال روڈ پر سلیم کاٹج میں ہوئی۔ جہاں ایک شخص سلیم کی بیوی صبوحی گھر میں اکیلی تھی اور ڈاکوؤں نے ۷ ماہ کی حاملہ اس خاتون کو ذبح کر دیا اور پھر چھریوں کے پے در پے وار کر کے اس کے جسم کو بری

طرح کاٹ کر رکھ دیا۔'' [نوائے وقت: ۴دسمبر ۱۹۹۰ء]

ذرا غور کیجیے کہ یہ المناک واقعہ کہیں دُور افتادہ مقام پر نہیں بلکہ انتہائی بارونق شاہراہ پر روزِ روشن میں پولیس تھانہ کے بالکل قریب ہو رہا ہے جہاں کے ملازمین لوگوں کے جان و مال کو تحفظ دینے پر مامور ہیں۔ ذرا بتلایئے کہ جس ملک میں چادر اور چار دیواری کا تقدس ہی مجروح ہو جائے وہاں پیچھے کیا رہ جاتا ہے۔ پھر غور کیجیے کہ ان حالات میں اب کوئی شخص اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر اپنے کام کاج پر اطمینان سے جا سکتا ہے؟ اسے تو ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے...... ہر وقت تشویش کی کیفیت طاری رہتی ہے نہ معلوم اگلے لمحہ کیا حادثہ پیش آنے والا ہے۔ دو فریقوں کے تصادم میں ان کی گولیوں کی بوچھاڑ بے گناہ راہگیروں کا خون بہا لے جاتی ہے اس واقعہ پر نگاہ ڈالیے۔

''نوجوانوں کی اندھا دھند فائرنگ...... راہگیر جاں بحق، یہ افسوس ناک واقعہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے دو متحارب گروپوں کے درمیان گذشتہ برس سے جاری دشمنی کا نتیجہ ہے جس میں اب تک متعدد معصوم افراد اور راہگیر ہلاک و زخمی ہو چکے ہیں۔'' [نوائے وقت: ۴دسمبر ۱۹۹۰ء]

بے گناہ ہلاک ہونے والوں کے ماں باپ، بیوی بچوں اور بہن بھائیوں پر کیا گزرتی ہو گی۔ اگر مرنے والا ہی خاندان کے لیے روزی کمانے کا سہارا تھا تو اب ان کی گذر بسر کا سرو سامان کیا ہو گا...... حکومت تو اشک شوئی کے لیے صرف چند ہزار کے معاوضہ کا اعلان کر دیتی ہے مگر یہ رقم اس خاندان کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے کتنے ماہ کے لیے کافی ہو گی؟ ایسے درد بھرے واقعات ہمارے یہاں روز مرہ کا معمول بن چکے ہیں اور روز بروز ان میں کمی نہیں بلکہ زیادتی ہوتی جا رہی ہے۔

حکومت ملک میں خواہ بڑے بڑے پراجیکٹ اور کارخانے لگانے کا اعلان کرے۔ خواہ بلند و بالا عمارات کھڑی کر دے مگر جب تک لوگوں کی عزت و آبرو کی حفاظت اور عدل و انصاف مہیا نہیں کرتی اس کی ساری دوڑ دھوپ لا حاصل اور بے سود ہے۔ ایک فلاحی ریاست کی سب سے بڑی علامت ہی عدل و انصاف کا قیام اور لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہے۔

میں یہ بات علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ اس کا حصول صرف اور صرف اسلامی قوانین کے اجراء سے ہو سکتا ہے یہ قوانین نہ صرف اپنوں کی بلکہ بیگانوں کی بھی عزت و آبرو کے رکھوالے ہیں اس سے امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو گی۔ ہر شخص سکھ اور چین کی نیند لے گا تاریخ پاکستان میں مختلف حکومتیں آئیں۔ اور صرف زبانی جمع خرچ تک رہیں۔ عملاً کچھ نہ کر سکیں۔ موجودہ حکومت کو جس نے کہ اسلامی نظام ہی کو برپا کرنے کے لیے لوگوں سے ووٹ لیے تھے۔ فوری طور پر زندگی کے تمام شعبہ جات پر اسے جاری و ساری

کرنا چاہیے۔ وقت گذرتے دیر نہیں لگتی اور وہ کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

صحت و صفائی:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

« اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَان » [رياض الصالحين، باب الصبر]

''یعنی پاکیزگی نصف ایمان ہے۔''

اسلام مسلمان سے نہ صرف قلب و روح کی صفائی کا بلکہ جسم ولباس کی پاکیزگی کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ بندہ مؤمن کا دل جہاں کفر وشرک اور حسد وبغض ایسی غلاظتوں سے پاک و صاف ہوتا ہے وہاں ظاہری طور پر اس کا جسم ولباس میں میل کچیل اور بول و براز کی نجاستوں سے بھی صاف ستھرا ہوتا ہے۔ وہ روحانی و جسمانی طہارت کے ساتھ بندگی ٔ ربّ کے احکام بجا لاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی لوگ پسند ہیں:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ [البقرة:٢٢٢]

'' کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اسلام ''الدین'' ہے جو زندگی گذارنے کا کامل نظام عطا کرتا ہے اور دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی کی نوید سناتا ہے کھانے کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صٰلِحًا ﴾ [المؤمنون:٥١]

''پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔''

طیب سے مراد ایسا رزق ہے جو نہ صرف حلال ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہو بلکہ فی نفسہٖ خالص اور صاف ستھرا بھی ہو۔ اَطِبّاء کا کہنا ہے کہ اچھی غذا اور صاف فضا صحت کی ضمانت ہیں اور جب صحت اچھی رہے گی تو تعلیم و تدریس ، عبادت و ریاضت ، محنت و مشقت ، تبلیغ و جہاد اور دوسرے فرائض زندگی صحیح طور ادا کیے جاسکیں گے جب کہ خرابی صحت کی وجہ سے معاشرتی و معاشی فلاح و بہبود کی رفتار رک جائے گی۔

حکومت کی بہت سی ذمہ داریوں میں سے لوگوں کی صحت و صفائی کا خیال رکھنا بھی ہے۔ اس لیے کابینہ میں وزارتِ صحت کا شعبہ بھی قائم کیا جاتا ہے جس کے ذمہ صحت و صفائی کی نگرانی ہوتی ہے۔

افسوس کہ ہمارے یہاں دوسرے شعبہ جات کی طرح یہ شعبہ بھی اپنی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ نہ ہو سکا...... پاکستان کے عوام ، خالص غذا اور فضا دونوں سے محروم ہیں۔ خالص دودھ ،شہد، گھی، آٹا، یہاں تک کہ خالص نمک اور مرچ مسالحہ جات تک ملنا دشوار ہی نہیں تقریباً محال ہو چکا ہے۔ یوں کہیے کہ ان چیزوں کا حصول عنقاء ہے۔ آپ اپنی جیب میں پیسے لے کر مارے مارے پھریے شاید بائد ہی کہیں سے آپ کو یہ چیزیں خالص شکل میں مل سکیں ، دیہات سے شہروں میں دودھ لا کر بیچنے والے وہیں سے پانی ملا کر چلتے ہیں ۔ پھر جو دوکاندار ان سے خریدتے ہیں وہ رہی سہی کسر پوری کر دیتے ہیں یہاں تک کہ گاہک کے ہاتھ میں جب وہ پہنچتا ہے تو اچھی خاصی لسّی ہوتی ہے وہ صبر وشکر کر کے پوری قیمت ادا کر کے گھر لے جاتا ہے۔ اس کے ننھے ننھے بچے اسی دودھ سے نشو ونما پاتے ہیں یہ تو غذا کا حال ہے۔ فضا کا حال بھی سن لیجیے۔

دوسرے شہروں کا تو ذکر ہی کیا لاہور ایسے مرکزی اور تعلیمی شہر میں جا بجا گندگی کے ڈھیر بکھرے پڑے ہیں۔ سڑکیں ٹوٹی پھوٹی ہیں اور چند کو چھوڑ کر اکثر گرد وغبار سے اٹی پڑی ہیں۔ اتنے بڑے شہر میں کوڑا کرکٹ اٹھانے والی گاڑیاں اتنی تھوڑی ہیں کہ ان سے بروقت صفائی کا انتظام نہیں ہو سکتا ہے۔ ٹیلیفون کا ،سوئی گیس کا یا کوئی اور محکمہ لائن بچھانے کے لیے سڑک توڑتا ہے تو گھنٹوں کا کام دنوں میں اور دنوں کا کام مہینوں میں سرانجام پاتا ہے ترقی اور سپیڈی دور میں اس قدر غفلت اور سست رفتاری کا مشاہدہ یہاں کیا جا سکتا ہے ۔ کھدائی کے گڑھوں میں بچے اور خواتین گرتی ہیں ، انھیں چوٹ لگ جاتی ہے مگر وہ جوں کی رفتار سے کام کرتے رہتے ہیں۔ انھیں کسی کے دکھ اور تکلیف کی کیا پروا...... اور پھر چاہیے تو یہ کہ اس محکمہ کے کام کی تکمیل ہوتے ہی سڑکیں بنانے والا محکمہ وہاں سڑک کی فوراً مرمت کر ڈالے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ ہفتوں نہیں بلکہ بسا اوقات مہینوں وہاں سے دھول اڑتی رہتی ہے مگر اس محکمہ کو احساس تک نہیں ہوتا کہ آخر معزز شہری وہاں سے گزرتے ہیں انھیں تکلیف ہوتی ہو گی۔ بعض اوقات مرمت طلب سڑک کے کنارے روڑے پھینک دیے جاتے ہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اب اس سڑک کی بھی سنی گئی ہے اور یہ مرمت ہونے کو ہے۔ مگر آپ اطمینان رکھیے کہ ہفتوں وہ روڑے اور پتھر وہاں پڑے رہتے ہیں...... لوگ پھسلتے اور گرتے ہیں مگر اس پریشانی اور تکلیف کی کوئی داد فریاد نہیں...... محکمہ اپنی مرضی سے وہاں کام کرائے گا...... البتہ قومی وصوبائی سطح پر الیکشن قریب آرہے ہوں تو اس محکمہ کی کارکردگی بھی تیز ہو جاتی ہے ۔ یقین جانئے کہ حالیہ الیکشن سے پہلے عاجز نے راتوں رات سڑکیں کیا گلی کوچے تک پختہ بنتے

دیکھے ہیں۔ اس لیے کہ ان سیاست دانوں نے عوام سے ووٹ لینے ہیں۔ الیکشن ختم ہوتے ہی عوامی مسائل نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ یہ مکاری نہیں تو اور کیا ہے؟

چند تجاویز ......:

حکومت کا فرض ہے کہ عوام کو خالص غذا اور فضا مہیا کرنے کا انتظام کرے۔

☆ شہروں سے دور بڑے پیمانے پر ڈیری فارم بنائے جائیں۔ فارم میں صحت و صفائی کے اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے ۔اگرچہ پرائیویٹ سیکٹر میں کچھ اس طرح کا کام ہو رہا ہے ۔ ڈبوں اور پیکٹوں میں دودھ اور گھی مارکیٹ میں نظر آتا ہے مگر وہ اتنا معیاری نہیں ہے اور نہ ہی بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے کافی ہے۔حکومتی سطح پر ایسے فارم بنیں گے تو اس سے نہ صرف لوگوں کو روزگار ہی ملے گا بلکہ حکومت کے خزانہ کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ اسی طرح شہد کی مکھیاں پالنے اور لوگوں کو خالص شہد مہیا کرنے کا بھی انتظام ہونا چاہیے۔

☆ روزمرہ کی خوارک میں آٹا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔عوام کو گندم کا خالص آٹا(بغیر سوجی اور میدہ نکلے) ملنا چاہیے ۔ اور یہ اتنا عام ہونا چاہیے کہ کسی شخص کو اس کے حصول میں پریشانی نہ ہو۔ حکومت خود بھی گندم پیسنے کی ملیں بنائے اور نجی سطح پر جوملیں کام کر رہی ہوں ان کے معیار کی بھی سختی سے جان پڑتال کی جائے...... مارکیٹ میں کوئی ناقص مال نہیں آنا چاہئے۔اسی طرح سبزیاں اور پھل بھی صاف ستھرے اور مقررہ نرخوں پر ملنے چاہئیں۔

☆ صفائی کا اتنا اچھا انتظام ہونا چاہیے کہ نمازِ فجر سے پہلے تمام شاہراہوں اور گلی کوچوں کی نہ صرف صفائی ہو بلکہ کوڑا کرکٹ اٹھانے کا انتظام بھی ہو جائے اور جن علاقوں میں تانگے چلتے ہیں وہاں صبح و شام چھڑکاؤ کیا جائے تاکہ مٹی جم جائے اور فضا گرد آلود نہ ہو۔

☆ مرمت طلب سڑکوں پر فوری توجہ دی جائے ، سڑکوں کے اطراف پر پیدل راستہ(Foot path) ہونا چاہیے۔ یہاں کئی سڑکوں پر یہ کمی دیکھنے میں آتی ہے اور پیدل چلنے والوں کو مشکل پیش آتی ہے۔

جن لوگوں نے یورپ کا سفر کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ وہاں فضا بڑی صاف ستھری ہے ۔ گرد کا نام و نشان نہیں ہے۔ پیکٹ اور ڈبوں میں ملنے والی کھانے پینے کی چیزیں بھی خالص ملتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ لیبل تو شہد کا لگا ہو اور اندر شیرا بھرا ہو۔ سرکاری قوانین سخت ہیں کسی کے ساتھ رورعایت نہیں ہے یہ

اچھی بات ہے اور اچھائی تو مؤمن کا گمشدہ مال ہے وہ جہاں بھی اسے پائے اختیار کرے۔ صفائی اور ایمانداری تو اس کے ایمان کا حصہ ہے۔ کیا ہم اپنے ملک میں صفائی اور دیانتداری کی عمدہ مثال قائم نہیں کر سکتے؟

علاج معالجہ کی سہولتیں:

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

« مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً اِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً اِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَكَانَ لَهُ خَرِيْفٌ فِي الْجَنَّةِ » [الترمذی، ریاض الصالحین ، کتاب عیادة المریض]

"کوئی مسلمان کسی مسلمان کی عیادت صبح کے وقت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اگر بوقتِ شام بیمار پرسی کے لیے جاتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے بہشت کی میوہ خوری ہے۔"

اللہ اللہ! یہ تو بیمار کی عیادت اور بیمار کی بیمار پرسی پر اجر و ثواب ہے۔ بعد تیمار داری اور علاج معالجہ پر کیا کیا انعامات ہوں گے۔ اللہ کریم کی رحمتیں اور بخشش لامحدود اور بے انتہا ہیں۔

ایک فلاحی ریاست کے ذمہ عوام الناس کی نہ صرف جان و مال کی حفاظت، ان کے درمیان عدل وانصاف کا قیام، ان کے لیے تعلیم و تربیت کی فراہمی اور روزگار مہیا کرنا ہے بلکہ انھیں علاج معالجہ کی سہولتیں بہم پہنچانا بھی ہے...... اس کے سالانہ بجٹ میں سے ہسپتالوں کی تعمیر کے فنڈز بھی مختص ہوتے ہیں جن مریضوں کی گھر پر مناسب دیکھ بھال اور علاج معالجہ نہیں ہو سکتا انھیں ہسپتال میں داخل کرا دیا جاتا ہے۔ سائنسی میدان میں ترقی یافتہ ملکوں میں علاج و معالجہ کی نہ صرف جدید سے جدید تکنیک استعمال میں لائی جاتی ہے بلکہ عوام کو پریشانیوں سے بچانے کی حتی الوسع کوشش بھی کی جاتی ہے۔ ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیے میرے ایک قریبی رشتہ دار بیان کرتے ہیں۔

"میں اپنی اہلیہ کے ساتھ سیر و تفریح کی غرض سے انگلستان اپنے بھائی کے پاس گیا جو تعلیم کے سلسلے میں وہاں مقیم تھے۔ ایک دن میری اہلیہ بھائی کے بچوں کو سکول چھوڑنے کے لیے سڑک کے کنارے پیدل جا رہی تھی کہ سوءِ اتفاق سے کسی کار کی سائڈ انھیں چھو گئی اور وہ گر گئیں...... کار چلانے والے شخص کو پتہ چل گیا فورًا اس نے گاڑی روکی اور تیزی سے انھیں ہسپتال پہنچا دیا۔ پتہ پوچھ کر گھر پر ٹیلیفون کیا گیا۔

میں بھائی کو لے کر وہاں پہنچا تو انھیں سر پر ٹانکے لگ چکے تھے اور انھیں علاج کی مکمل سہولتیں فراہم کر دی گئی تھیں وہ کہتے ہیں کہ وہاں پر آپ ہسپتال میں صرف ٹیلیفون کر دیجیے کہ فلاں مریض کو داخل کرانا ہے۔ ہسپتال کی ایمبولینس آ کر مریض کو لے جائے گی۔ اس مریض کی دیکھ بھال اور علاج و معالجہ کی فکر اب ہسپتال کے عملہ کو ہے آپ کے سر سے بوجھ ہلکا ہو چکا ہے۔

ہمارے ملک میں وسائل کی کمی تو نہ تھی مگر نا اہل حکمرانوں نے یہاں پر تمام شعبہ جات میں بگاڑ اور فساد پیدا کیا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں پر کسی غریب مریض کے لیے ہسپتال میں داخلہ کوئی آسان مرحلہ نہیں ہے۔ سفارش ہے تو آپ کی سنی جائے گی وگرنہ پڑے ہوئے ہیں اگر کسی نہ کسی طرح داخلہ ہو بھی جائے تو پھر غریب آدمی کے لیے اس ہوش ربا مہنگائی میں قیمتی ادویات اور مختلف ٹیسٹ، جو وہ کرتے ہیں ان کا بوجھ پریشانی کا سامان بنتا ہے۔ گھر والے تو پہلے ہی مریض کی بیماری سے پریشان ہوتے ہیں اور پریشانی کا بوجھ کم کرنے کے لیے مریض کو ہسپتال لے کر جاتے ہیں کہ وہاں پر علاج و معالجہ اور نگرانی ونگہداشت کی تمام سہولتیں میسر آ جائیں گی مگر یہاں پر ایسا نہیں ہوتا ہے۔ آج سے چند سال پہلے کی بات ہے کہ میری ننھی بچی مرحومہ آسیہ بیمار ہوئیں کئی ماہ گھر پر علاج کیا۔ بیماری نے جب شدت اختیار کی تو اسے لاہور کے سروسز ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔ اس ننھی سی جان کے کئی قسم کے ٹیسٹ کرائے گئے ان میں سے بعض ٹیسٹ ہسپتال سے باہر پرائیویٹ کلینک میں کرانے کے لیے کہا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ گرمی کی شدت میں کس طرح ادھر ادھر بھاگا پھرا۔

چند تجاویز:

ہسپتال اتنے عام ہونے چاہئیں کہ ملک میں بسنے والے شہریوں کو علاج معالجہ کے سلسلہ میں کوئی دقت پیش نہ آئے نیز انھیں ہر جدید مشینری اور قابل عملہ سے آراستہ کیا جائے۔ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حکومت کے پاس اتنے فنڈز کہاں ہیں کہ مزید ہسپتال تعمیر کرائے...... اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر عشر و زکوٰۃ کا نفاذ ہو جائے تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ رفاہِ عامہ کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں پھر دولت مند لوگوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ اپنے مال نیک مقاصد میں زیادہ سے زیادہ خرچ کریں۔ نیکی کے جذبات کو ابھارنے اور پروان چڑھانے کے لیے افرادِ قوم کی ذہنی و فکری تربیت کرنا ہو گی اس کے لیے رسائل و اخبارات ٹیلی ویژن اور ریڈیو کو بھی مثبت اور مؤثر کردار ادا کرنا ہو گا۔

مساکین و یتامیٰ کی مدد:

کسی بھی فلاحی معاشرہ میں نادار اور غرباء، مساکین اور یتامیٰ کو بے سہارا نہیں چھوڑ دیا جاتا بلکہ ان کی اس طرح مدد کی جاتی ہے کہ ان کی خودداری مجروح نہ ہونے پائے اور وہ باعزت و باوقار زندگی گذار کر ملک وملت کے کارآمد شہری بن جائیں۔ اسلام کی پاکیزہ اور بلند تعلیمات نے اس طرف خصوصی توجہ دی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ﴾

”اور تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (نیکیوں کے بلند مقام پر پہنچنا) کیا ہے؟ کسی گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا، یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔“

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان آیاتِ مبارکہ کی قدر و قیمت کا احساس تھا۔قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے:

﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ ﴾ [الدھر:۸]

”(اور باوجود یہ کہ ان کو طعام کی خواہش اور حاجت ہے پھر بھی) مسکینوں، تیمیوں اور قیدیوں کو (بے غرض) کھلاتے ہیں۔“

اسلامی حکومت کی مشینری اتنی ہوشیار اور فعال ہونی چاہیے کہ اس قسم کے محتاج و بے کس لوگوں کی فہرست اس کے سامنے رہے تاکہ وہ ان کی پوری طرح سر پرستی کر سکے۔ مردم شماری کرتے وقت ہی ایسی لسٹیں بھی تیار ہو جانی چاہئیں...... ہمارے حکمرانوں کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نظامِ حکومت کا بار بار مطالعہ کرنا چاہیے اور اپنے آپ کو عوام کی بھلائی اور خدمت کا ہمہ وقت خیال رکھنا چاہیے۔

ٹرانسپورٹ اور ٹریفک:

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« خَيْرُ النَّاسِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ » [کنز العمال، ج:۱۵، ص:۷۷۷]

”لوگوں میں بہترین وہ ہیں جو دوسروں کے فائدے اور بھلائی میں پیش پیش رہتے ہیں۔“

حکومت کے قیام کا مقصد ہی لوگوں کی خدمت وحفاظت اور فلاح و بہبود ہے۔اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب بھی بہت زیادہ ہے اگر قومی خدمت کو نظر انداز کر کے محض اپنی منفعت ہی

سامنے رہے تو اس کے لیے سزا بھی اتنی ہی شدید ہے۔عوام کو ٹرانسپورٹ کی سہولتیں بہم پہچانا اور ٹریفک کنٹرول کرنا حکومت کی بڑی اہم ذمہ داری ہے۔ معاشرتی زندگی کے دوسرے شعبہ جات کی طرح ہمارے یہاں اس کا نظم ونسق بھی بڑا ناقص ہے۔ اندرونِ شہر چلنے والی بسوں اور منی بسوں کی حالتِ زار قابلِ افسوس ہے۔ جن لوگوں کو شہر میں اِدھر اُدھر سفر کرنا پڑتا ہے۔ وہ میری اس بات کی تائید کریں گے کہ وہ بس، جس میں اگر پچاس سواریوں کی گنجائش ہوتی ہے تو اس میں اس تعداد سے دو گنے لوگ سوار ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو اطمینان سے کھڑے ہونے کے لیے بھی جگہ نہیں ہوتی۔ اس میں معمر لوگ خواتین اور بچے بھی ہوتے ہیں جنھیں سخت تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے صبح اور دوپہر کو جب کہ تعلیمی اداروں اور دفاتر میں آنے جانے کے اوقات ہوتے ہیں۔ لوگوں کی مشکلات اور بھی بڑھ جاتی ہے جب میں طلباء کو بسوں کی چھتوں پر بیٹھے ہوئے۔ اور دروازوں پر لٹکتے ہوئے دیکھتا ہوں تو بڑا دکھ ہوتا ہے کہ قوم کے یہ ہونہار فرزند اور مستقبل کے علماء کتنی بدنظمی اور بے سلیقگی سے تعلیم حاصل کرنے جارہے ہیں اس قدر ریلا پیلی اور دھکم دھکا میں بارہا قیمتی جانیں حادثات کا شکار ہو چکی ہیں مگر ہماری مثال اس احمق کی مانند ہے کہ جو نقصان پر نقصان اٹھائے جا رہا ہو۔ مگر اپنی اصلاح کے لیے تیار نہ ہو۔ زندہ اور بیدار قومیں تو نہ صرف اپنی غلطیوں کو درست کر لیتی ہیں بلکہ فکرِ فردا کو بھی پیش نظر رکھتی ہیں۔

بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے حکومت مزید بسوں کا انتظام کیوں نہیں کرتی؟ نیز ان بسوں میں سفر کے لیے اصول وضوابط کیوں نہیں بناتی ؟ اور پھر لوگوں کو آدابِ سفر کیوں نہیں سکھاتی کہ وہ ہر بس سٹاپ پر لائن بنا کر کھڑے ہوں اور ہر شخص کو چند منٹ میں اپنی منزل کی طرف سفر کرنے کے لیے آسانی سے سیٹ مل جائے اور وہ عزت و آرام سے وہاں پہنچ جائے۔ یہ دوڑ بھاگ اور کھینچا تانی تو بہر حال ختم ہونی چاہیے اور ہر شخص کی عزتِ نفس اور وقار کو بحال ہونا چاہیے۔ اگر حکومت ٹرانسپورٹ کا وسیع پیمانے پر خود انتظام نہیں کرسکتی تو پرائیویٹ کمپنیوں کو اجازت دے مگر انھیں بھی اصولوں اور ضابطوں کا سختی سے پابند کیا جائے ...... افسوس کہ ہمارے ملک میں قوانین وضوابط کی پابندی قطعی غیر تسلی بخش ہے۔

ہمارے یہاں ٹریفک کا مسئلہ بھی پریشانی کا باعث بن چکا ہے۔ اس میں بھی نظم و ضبط کا فقدان نظر آتا ہے اگرچہ بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے یہاں کی شاہراہیں چھوٹی ہیں مگر بدنظمی اور لاقانونیت نے اس صورتِ حال کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا ہے آیئے ذرا دیکھیں کہ وہ کیسے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ یہاں پر عوام کو نہ تو چلنے پھرنے کی تربیت دی گئی ہے اور نہ قانون کو ہی بالا دستی حاصل ہے کہ وہ لوگوں کو با اصول شہری بنائے۔ لوگ ٹریفک کی ترتیب اور نظم کو قائم نہیں رکھتے مثلاً تانگے والے اور سائیکل سوار اپنی قطار میں

چلیں ، کاروں اور بسوں والے اپنی قطار برقرار رکھیں تو ٹریفک رکنے نہ پائے مگر یہاں تو ہر شخص قطار کو توڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اس کے نتیجہ میں نہ صرف حادثات ہوتے ہیں بلکہ ٹریفک بھی جام ہو جاتی ہے ۔ بین الاضلاع چلنے والی ٹریفک کے حادثات کی روح فرسا خبریں روزانہ اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں اور اب تک ہزارہا قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ مگر افسوس کہ کسی بھی حکومت نے اس پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دی ۔ یہاں کی سڑکیں اتنی کشادہ اور ہموار نہیں ہیں کہ ان پر تیز رفتار گاڑیاں چل سکیں۔ ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ رفتار کی حد مقرر کی جائے اور پھر اس رفتار پر کڑی نگرانی بھی رکھی جائے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو جرمانہ و سزا دی جائے ، اگر ٹریفک کے قوانین وضوابط کی پابندی نہ کرائی جائے اور حادثات پر دیت و قصاص کے قانون پر بھی عمل درآمد نہ ہو تو پھر بھلا اتنے بڑے نقصان کو کیسے روکا جا سکتا ہے؟

ہمارا دفتری نظام:

ہمارے یہاں کا دفتری نظام شاید دنیا کا بدترین نظام ہے ۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی آزاد ریاست کے آزاد شہری نہیں بلکہ غلام باشندے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ کسی اچھی ریاست میں غلام باشندوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک روا نہیں رکھا جاتا، جیسا کہ یہاں آزاد باشندوں کے ساتھ رکھا جاتا ہے آپ نے بجلی کا کنکشن لینا ہو یا ٹیلیفون نصب کروانا ہو، تو نہ معلوم کتنا عرصہ آپ کو ان دفاتر میں پریشان ہونا پڑتا ہے اور پھر دفتری عملہ کے رویہ سے کوئی شخص اس قدر تنگ آجاتا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے۔

بجلی کے کنکشن کے لیے تو دنوں اور ہفتوں کی نوبت ہے اور ٹیلیفون لینے کے لیے مہینوں نہیں سالہا سال تک انتظار کرنا پڑتا ہے وہاں کسی وزیر کی سفارش لے آیئے تو آپ کا کام فوری ہو جائے گا کسی محکمہ کے متعلقہ آفیسر سے ملنے کے لیے اس کے کمرہ کے باہر تختی پر ''اوقاتِ ملاقات'' درج ہوتے ہیں آپ مقررہ وقت پر پہنچتے ہیں تو چپڑاسی بتاتا ہے ۔'' صاب (صاحب) میٹنگ میں ہیں؟'' آپ کہتے ہیں: بھائی یہ تو ملاقات کا وقت ہے ۔'' جی ہاں میٹنگ بھی ضروری ہے۔ حسرت و یأس کے عالم میں آپ یہ سوچتے ہوئے واپس ہوتے ہیں : کیا میٹنگ کے لیے کوئی اور وقت نہیں ہو سکتا تھا'' دو چار روز کے بعد آپ کا وہاں پھر جانا ہوتا ہے تو پتہ چلتا ہے ''صاحب'' دورے پر ہیں۔ آپ بتایئے کہ غم و غصہ کے کن جذبات میں آپ مبتلا ہوں گے وہ کام جو اصولی طور پر خود بخود ہو جانا چاہیے وہ پریشانی مول لینے کے

بعد بھی سرانجام نہیں پا رہا۔ غلامی کے یہ بندھن کب ٹوٹیں گے؟ اور معزز شہریوں کو آزاد فضا کب میسر آئے گی کیا ہمارا فرسودہ نظام یونہی چلتا رہے گا ...... میں نے سنا ہے کہ یورپ میں ٹیلیفون کنکشن کے لیے آپ صرف متعلقہ محکمہ کو اطلاع دیجیے کہ فلاں جگہ کنکشن درکار ہے عملہ فوراً آپ کے پاس پہنچ جائے گا اور فوری طور پر آپ کو کنکشن مل جائے گا...... یہاں پر تو ٹیلیفون میں خرابی کو دنوں اور بعض اوقات ہفتوں میں درست کیا جاتا ہے کیا موجودہ حکومت اس پر توجہ دے گی؟

خواتین اور الیکشن:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ امْرَأَةً » [صحیح بخاری وغیرہ]

"وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے حکومت کسی عورت کے سپرد کردی۔"

اس ارشاد مبارک پر ذرا گہری نظر ڈالیے اور پھر آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ، صحابہ کرام اور سلف صالحین کے طرز عمل کو سامنے رکھیے اور دیکھیے آیا، انھوں نے خواتین کو حکومت میں کوئی عہدہ اور منصب دیا، کیا انھیں مردوں کے شانہ بشانہ مجلس مشاورت میں بیٹھنے کی اجازت دی گئی؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ملے گا۔ اسلام نے عورت کو جو قدر و منزلت عطا کی ہے وہ اتنی ارفع و اعلیٰ ہے کہ دنیا کے کسی بھی مذہب و ملت میں نہ اسے عطا ہوئی اور نہ کبھی ہو سکے گی ......عورتوں کے فرائضِ زندگی مردوں سے مختلف ہیں۔ مرد اگر تجارت وصنعت کے شعبہ میں کام کرتا ہے تو عورت بچوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہتی ہے ۔ وہ اگر میدان کا شہسوار بنتا ہے تو یہ گھر کی نگران ہوتی ہے اس کی حکمرانی کا دائرہ کار اگر میدان ہے تو اس کی حکومت چار دیواری کے اندر اپنے بچوں پر ہے۔ پھر غور کیجیے حجاب و نقاب کا استعمال مسلمان عورت کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ وہ اگر اسمبلیوں میں جاتی ہے تو مردوں کے درمیان بیٹھ کر اس کی حفاظت کیونکر ہوسکتی ہے ۔ افسوس کہ ہم کہلاتے تو مسلمان ہیں اور اسلام کے سچے شیدائی ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں مگر ہماری سوچ اور فکر تمام تر مغربی ہے، یہ کیا تُک ہے کہ خواتین حق ووٹ بھی استعمال کریں اور اسمبلیوں میں ان کی نشستیں بھی مخصوص کی جائیں اور کبھی انھیں کوئی شعبہ وزارت سونپ دیا جائے بلکہ وزارتِ عظمیٰ دینے میں بھی کوئی باک نہ رہے ہمیں واضح فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہم محمدی اسلام چاہتے ہیں (ﷺ) یا اپنی مرضی اور خواہش کا اسلام...... میں دین کا ادنیٰ سا طالب علم ہوں ، میں نے قرآن و حدیث کے مطالعہ سے یہی سمجھا ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر کی سرداری عطا کی ہے نہ کہ باہر کی، اب یہ علمائے کرام کا فرض ہے کہ وہ دوٹوک فیصلہ کریں اور حکومت کو واضح کریں کہ شریعت کی رُو سے عورت کی حیثیت

ووٹ ڈالنے یا اسمبلی میں جانے کی کیسی ہے؟ ماشاء اللہ اب تو قومی اسمبلی میں بھی علمائے کرام موجود ہیں اور حکومت بھی اسلام کے نام لیواؤں کی ہے۔

الیکشن کا طریق کار اور دولت کا بے جا اسراف:

ہمارے یہاں الیکشن کے دوران ملک وملت کی قیمتی دولت کا انتہائی بے جا اسراف ہوتا ہے پاکستان ایسا غریب ملک ہے جہاں کا بسنے والا ہر شہری غیر ملکی قرضے کے نیچے دبا ہوا ہے۔ حال یہ ہے کہ الیکشن کے موسم میں ہر امیدوار اندھا دھند اپنی پبلسٹی پر لاکھوں روپے ضائع کر ڈالتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ الٹے سیدھے طریق سے دولت لٹانے والے ہی الیکشن میں حصہ لے سکتے ہیں کسی غریب، صاحب علم و فضل کا اس میدان میں کوئی کام نہیں، اس کے لیے ایسا خیال کرنا بھی جرم ہے۔ تاریخ پاکستان اٹھا کر دیکھ لیجیے کتنے اہل علم وفضل برسر اقتدار آئے؟ اگر ایسا ہوتا تو ملک ترقی کی بلند منازل پر پہنچ گیا ہوتا ...... آہ آج عالمِ اسلام کے مسلمان انفرادی و اجتماعی سطح پر اپنی دولت وصلاحیت کو ضائع کر رہے ہیں یہ سطور لکھتے ہوئے قلم لرز رہا ہے۔ اور دل مغموم ہے جب میں نے ریڈیو پر سنا کہ امریکہ نے عراق پر ہوائی حملہ کیا ہے۔ یہی عراق کچھ عرصہ پہلے ایران کے ساتھ سالہا سال تک بے مقصد جنگ لڑتا رہا۔ دونوں ملکوں کا بے حساب جانی و مالی نقصان ہوا۔ اور دونوں کا شمار دنیا کی اسلامی ریاستوں میں ہوتا ہے۔ اسی طویل جنگ میں یورپی ملکوں کی اسلحہ فیکٹریاں خوب چمکیں اور دھڑا دھڑ ان کا سامانِ حرب بکا...... بالآخر دونوں تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ ابھی دو چار ماہ پہلے عراق نے کویت پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور اسے اپنے ملک کا حصہ بنا لیا اس پر امریکہ، برطانیہ اور ان کے ہمنواؤں کو سرزمین عرب میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ بالآخر اس کا نتیجہ جنگ کی شکل میں سامنے آیا۔ اب اس نقصان کا اندازہ کتنا شدید ہوگا لیکن یہ سب نتیجہ ہے مسلمانوں کا ہدایتِ الٰہی سے منہ پھیرنے کا...... کاش کہ وہ کتاب وسنت کو اپنی زندگیوں کا رہنما بناتے ...... کاش کہ ان میں اتحاد واتفاق ہوتا اور وہ اجتماعی طور پر یہودیوں سے فلسطین اور ہندوؤں سے کشمیر کو آزاد کراتے اور دنیا کے جس کسی حصہ میں بھی مسلمان پریشان ہیں ان کی مدد کو پہنچتے۔ مختصر یہ کہ حکومت کا فرض ہے کہ مال کو ضائع ہونے سے بچائے، وہ الیکشن میں ضائع ہو رہا ہو یا کسی اور شکل میں ...... یہ مال جمع کر کے قرضے اتارنے اور قوم کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جا سکتا ہے اور الیکشن کرانے کا کوئی نیا طریق کار وضع کیا جائے۔

غیر ملکی قرضہ جات:

قرض اٹھانا آسان ہے جب کہ اسے واپس کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے پاکستان میں ہر آنے والی

حکومت نے دوسرے ملکوں سے اچھے خاصے قرض اٹھائے اور وہ بھی سود پر جو کہ اسلامی مملکت کی شان سے بعید ہے ان میں بیشتر رقوم یونہی وزراء کے غیر ملکی دوروں اور اندرونِ ملک ضیافتوں میں ضائع ہوتی رہیں اور قومی تعمیر کے کاموں میں بہت کم خرچ ہوا۔ موجودہ حکومت کی اہم ذمہ داری ہے کہ ان قرضوں سے خلاصی حاصل کرے۔ مقام شکر ہے کہ موجودہ حکومت نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے نئی نئی صنعتیں لگانے کی افرادِ قوم کو نہ صرف ترغیب دی ہے بلکہ قرضوں کی سہولتیں فراہم کرنے کی مزید حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی گزارش ہے کہ یہ تمام قرضے، قرضہ حسنہ کے طور پر دیے جائیں جن میں سود شامل نہ ہو تو ان شاء اللہ یہ بات خیر و برکت کا باعث ہوگی۔

شریعت کا نفاذ محض وعدوں سے ممکن نہیں:

عَنْ مَّعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَيُّمَا وَالٍ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَلَمْ يَنْصَحْ لَهُمْ وَلَمْ يَجْهَدْ لَهُمْ كَنُصْحِهٖ وَ جُهْدِهٖ لِنَفْسِهٖ كَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فِي النَّارِ وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمْ يَحْفَظْهُمْ بِمَا يَحْفَظُ بِهٖ نَفْسَهٗ وَاَهْلَهٗ » [طبرانی کتاب الخراج]

”سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کسی نے مسلمانوں کے اجتماعی معاملہ کی ذمہ داری قبول کر لی پھر اس نے ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کی اور ان کے معاملات کی انجام دہی میں اپنے آپ کو اس طرح نہیں تھکایا جس طرح وہ اپنی ذات کے لیے اپنے آپ کو تھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو منہ کے بل جہنم میں گرادے گا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس طرح ہے کہ لوگوں کی حفاظت ایسے طریقے سے نہ کی جس طرح اپنی اور اپنے اہل خانہ کی کرتا ہے۔“

شریعت بل:

کون نہیں جانتا کہ قیامِ پاکستان کا مقصد ہی شریعت حقہ کا نفاذ تھا تاکہ مسلمان تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلام کے پاکیزہ اصولوں کو جاری و ساری کر سکیں۔ حصولِ وطن کے لیے جس قدر جانی و مالی قربانیاں دی گئی تھیں وہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ مگر افسوس کہ حریص سیاست دان اپنے مفاد کی خاطر ملک کی قسمت سے کھیلتے رہے۔ شریعت کا نفاذ تو بڑی بات تھی یہاں تو اس قانون کا پاس و لحاظ بھی نہ رہا جو انگریز یہاں سے رخصت ہوتے وقت چھوڑ گیا تھا۔

گذشتہ (۵۸) برس میں یہاں پر کئی حکمران آئے اور گئے ہر آنے والے نے عوام کو یہی دلاسا دیا

کہ وہ خادم المسلمین ہے اور وہ اسلامی نظامِ عدل کو قائم کرے گا مگر معاملہ عملاً صفر رہا۔ اور حالات سدھرنے کی بجائے بگڑتے ہی چلے گئے اور اب ہماری حالت اس مثال پر منطبق ہوتی ہے کہ ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔''

شریعت بل کے متعلق کئی سالوں سے سنتے چلے آرہے ہیں۔ اخبارات و جرائد میں یہ لفظ اتنا مانوس ہو چکا ہے کہ ہر عالم و جاہل، شہری و دیہاتی کی زبان سے سنا جا سکتا ہے۔ اس بل کو آج سے تقریباً ایک برس قبل ایوانِ بالا (سینٹ) نے اتفاق رائے سے پاس کر کے ایوانِ زیریں (قومی اسمبلی) کے سپرد کر دیا تھا تاکہ وہاں سے منظور ہونے کے بعد ملک میں نافذ کر دیا جائے جس کی آج تک منظوری نہیں ہو سکی۔ کبھی اخبارات میں آجاتا ہے ......اسلامی نظریاتی کونسل غور و خوض میں مصروف ہے...... کبھی یہ خبر شائع ہوتی ہے کہ حکومت نے اپنا شریعت بل پیش کر دیا ہے، اس سے اگلے دن یہ خبر آتی ہے کہ حکومت شریعت بل اور پرائیویٹ شریعت بل کو یکجا کیا جا رہا ہے، کبھی شرعی قوانین کے بارے میں وزیر اعظم خوش کن الفاظ میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر عوام سے خطاب کرتے ہیں کہ عنقریب شریعت کا نظام آجائے گا۔ ہر شخص کو بلا قیمت عدل و انصاف مہیا کیا جائے گا۔ ہر شخص کی عزت و آبرو محفوظ ہو جائے گی، ہر شخص تعلیم، علاج، روٹی کپڑا، مکان کی سہولت سے بہرہ ور ہو گا۔ قانون کو بالا دستی حاصل ہو گی۔

میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو شریعت بل پاس یا فیل کرنے کا حق ہی کیا ہے؟ شریعت تو اللہ عزوجل کی ہے جو اس نے اپنے آخری رسول اللہ ﷺ کو نافذ کرنے کے لیے عطا فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے اسے من وعن جاری فرما دیا۔ آپ نے اس کو پاس کرنے کے لیے کون سی پارلیمنٹ ترتیب دی تھی۔ کسی مجلس شوریٰ کے سپرد کیا تھا؟ قرآن کا تو یہ واضح فیصلہ ہے کہ اگر تم اس شریعت کے مطابق اپنا نظامِ حیات نہیں چلاتے تو سن لو۔

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ [المائدة:٤٤]

''اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔''

پھر اسی سورت کی آیت ۴۵ میں ان لوگوں کو ظالم اور آیت ۴۷ میں فاسق قرار دیا گیا ہے۔

اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو شدتِ جرم کی خبر دی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام کامیابی و کامرانی نہیں بلکہ تباہی و بربادی ہے۔

افسوس کہ شریعت سے بغاوت کی وجہ سے ہمارے اخلاقی و سماجی حالات روز بروز بگڑتے جا رہے

ہیں ظلم و ستم اور قتل و غارت کی ایسی وحشتناک خبریں آتی ہیں کہ جو دَورِ جاہلیت کے جور و جفا کو بھی مات کردیتی ہیں۔ ابھی چند دن پہلے میں نے اخبار میں پڑھا کہ ایک شخص نے گلی کوچہ کے چند اوباشوں کو غیروں کی بہو بیٹیوں کو تنگ کرنے سے منع کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے کیے پر نادم و شرمسار ہوتے اس شخص کے مکان میں گھس کر اس کی نوجوان بیٹی کو گھسیٹ کر باہر لائے اور اسے شہید کرڈالا اس حال میں کہ وہ شریف زادی رمضان میں روزہ کے ساتھ قرآن کی تلاوت کررہی تھی۔

میں صدر اور وزیراعظم سے پوچھتا ہوں؟ یہ کس کی بیٹی کو شہید کیا گیا ہے؟ کیا قوم کی بہو بیٹیوں کی عزت و ناموس ان کی اپنی بہو بیٹیوں جیسی نہیں ہے؟ اگر ان کی اپنی بہو بیٹی کے ساتھ ایسا ہوتا تو ان پر کیا گذرتی؟ اگر انھیں اس کا قلق نہیں ہوا اور مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے وہ بے قرار نہیں ہیں تو تُف ہے ان کی کرسی صدارت و وزارت پر اور افسوس ہے ان کی حکمرانی پر۔

ایسے واقعات تو آئے دن کا معمول بن چکے ہیں ابھی کل پرسوں کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ننھے بچوں کے اغوا کرنے والا ایک گروہ پکڑا گیا جو ان کے جسم کے نازک حصوں پر جلے ہوئے سگرٹوں سے تشدد کرتا تھا۔ نہ معلوم ایسے سفاک و مکار کتنے گروہ ملک میں والدین کے سینے چھلنی کررہے ہیں۔ یہ سلسلہ بچوں سے پھیل کر بڑوں تک پہنچ چکا ہے اب کوئی شخص نہیں جانتا کہ شام کو وہ اپنے کام کاج سے گھر واپس بھی آسکے گا یا نہیں نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال۔ محلوں اور بستیوں میں غنڈے دندناتے پھرتے ہیں۔ ذرا بتلایئے کہ آخر آپ کی حکومت کس مرض کی دوا ہے؟ پھر یہ سود، رشوت، چور بازاری، گرانفروشی، فحاشی و بے حیائی ایسی لعنتیں ملک سے کب ختم ہوں گی؟ کب شریف آدمی کو عزت نصیب ہوگی؟

اسلامی فلاحی مملکت کی خصوصیات (۱)

وَ عَنْ مَّعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ ، قَالَ ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مِنْ وَالٍ يَلِيْ رَعِيَّةً مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَّهُمْ ، اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ›› [متفق عليه، مشكوٰة كتاب الامارة والقضاء]

”سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مسلمانوں پر نگہبان بنایا گیا اور وہ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوا کہ اس نے ان کے معاملات میں دھوکہ اور خیانت سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ ایسے

شخص پر جنت حرام کر دے گا۔"

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے وہ انفرادی و اجتماعی، معاشی و سیاسی ، ملکی اور بین الاقوامی مسائل کا کافی و شافی حل پیش کرتا ہے ، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈال دی گئی اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل ہوئی۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ [الحج:۴۱]

"یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں نیک کاموں کا حکم اور برے کاموں سے روکیں اور سب معاملات کا انجام تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔"

دراصل یہ آیت مبارکہ نظام اسلامی کے سلسلہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اسلامی حکومت کے لیے روشنی فراہم کرتی ہے۔ غور کیجیے کہ نظامِ صلوٰۃ معاشرتی زندگی کو استحکام بخشتا ہے جب کہ نظامِ زکوٰۃ تمام معاشی ناہمواریوں کا مؤثر ترین علاج ہے اور جب تک کسی ریاست میں معاشرتی و معاشی استحکام نہ ہو وہ کبھی بھی فلاحی اور خوشحال نہیں بن سکتی۔ اسی طرح نیکیوں کے فروغ سے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا سامان مہیا ہوتا ہے جب کہ برائیوں کی روک تھام سے تمام ناجائز اور غلط باتوں کا سدِ باب ہو جاتا ہے نیکیوں کی ترویج اور برائیوں کو مٹانے کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جسے جھاڑ جھنکار سے صاف ستھرا بنا کر کاشت کاری کی گئی ہے۔ اور پھر مناسب نگہداشت کے ساتھ اس کی آبیاری بھی ہوتی رہی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ کھیتی خوب سرسبز و شاداب ہو گی اور اچھی خاصی فصل دے گی بعینہٖ انسانی معاشرہ کی صلاح و فلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے احکام نازل فرمائے ہیں ۔ انبیاء و رسل کو بھیجا ہے جن کی زندگیاں اعمالِ حسنہ سے آراستہ ہوئیں اور وہ لوگوں کے لیے بہترین نمونہ بنیں۔ ہمارے لیے خاتم النبیین ﷺ کی حیاتِ طیبہ بہترین نمونہ ٹھہری۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب:۲۱]

"بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ بہترین نمونہ ہے۔"

آپ ﷺ کی زندگی ہر جہت اور رُخ سے نمونہ بنی۔ بحیثیت حق گو داعی اور مبلغ کے ، دیانت دار اور

امین تاجر کے، حلیم اور با حیا نوجوان کے، وفا دار اور خدمت گذار شوہر کے، زیرک اور دانش مند سپہ سالار کے، عادل و منصف مزاج حکمران کے، غرضیکہ جہاں دیکھئے اور جس طرح دیکھئے زندگی با کمال نظر آتی ہے۔ آیئے اب قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں اسلامی فلاحی مملکت کی خصوصیات پر غور وفکر کریں۔

اقتدارِ اعلیٰ:

علم سیاسیات کی رُو سے کسی بھی ریاست کے وجود کے لیے چار چیزیں ضروری سمجھی گئی ہیں۔ رقبہ، آبادی، اقتدار اعلیٰ اور حکومت، اگر ان میں سے کوئی جزو بھی ساقط ہو جائے، تو ریاست کا وجود ساقط ہو جاتا ہے۔ ان میں سے اقتدارِ اعلیٰ یا خود مختاری وہ برتر قوت ہے جس سے ریاست کا نظریہ متعین ہوتا ہے۔ دورِ حاضر میں اہل مغرب کے نزدیک برتر قوت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں اور ریاست میں عوام کی امنگوں اور خواہشوں کے مطابق نظام چلنا چاہیے اس نظام میں کوئی خوبی ہو یا خامی ہو اس سے کوئی مطلب نہیں چونکہ اسے اکثریت نے پسند کیا ہے اس لیے قابلِ قبول ہے۔

اسلام کے نظامِ حکومت میں اللہ تعالیٰ ہی اقتدارِ اعلیٰ کا حقیقی مالک ہے حکمت اس کی یہ ہے کہ انسان اور تمام اشیاء کا خالق و مالک صرف اللہ وحدہٗ لا شریک ہے۔ ظاہر ہے کہ جس نے یہ سارا کارخانہ بنایا ہے اور جس نے انسان اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور جو ہمہ وقت اس جہان کی نگرانی کر رہا ہے وہی اس کے نظام کو بہتر جانتا ہے اور پھر انسان اس دنیا میں اس کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے اس آقا و مالک کے احکام بجا لائے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ اس کی سعادت مندی ہے اور اس کے لیے کامیابی کی نوید جانفزا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اگر وہ اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کی نا اہلی اور نافرمانی ہے جس کا لازمی نتیجہ دنیا میں نقصان اور آخرت میں بھی خسران ہے اس لیے قرآن کہتا ہے کہ حکمرانی فقط ربّ العالمین کو زیبا ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ [یوسف:٤٠]

علامہ اقبال نے اسی بات کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا نظریہ دنیا کے دیگر نظریہ ہائے حاکمیت کے درمیان انوکھا اور انقلابی نظریہ ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہر نوعیت کی عصبیتوں اور عداوتوں سے بالا تر اپنی تمام مخلوق کے ساتھ

منصفانہ، عادلانہ، مساویانہ اور بے غرضانہ تعلق صرف پروردگارِ عالم کا ہی ہوسکتا ہے جو صرف ہمہ دان اور ہمہ بین ہے بلکہ جسے کبھی فنا نہیں ہے۔اور جس کے سامنے انسانوں کا ماضی، حال اور مستقبل ہے اور جو اپنی مخلوق کے ساتھ انتہائی مہربان ہے اور جس کی رحمت ہر وقت جاری و ساری ہے اور جس کی قدرت زمین و آسمان کو تھامے ہوئے ہے اور جس کے ہاتھ میں موت و حیات ہے۔

بعض معتدل مزاج مغربی مصنفین کو بھی اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارا نہیں کہ اقتدارِ اعلیٰ کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے چنانچہ عہد حاضر کا فرانسیسی ماہر سیاسیات ڈی ٹوکویل، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے متعلق لکھتا ہے:

"مطلق اقتدار فی الواقعہ ایک بری چیز ہے اور خطرناک بھی، کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اقتدارِ مطلق کو دُورِ اندیشی اور احتیاط کے ساتھ استعمال کر سکے۔ اقتدارِ مطلق کا مرجع صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے کیونکہ اس کے اقتدار کی کارفرمائی کے پہلو بہ پہلو اس کی حکمت اور عدل بھی کارفرما ہے۔لیکن دنیا میں کوئی ایسا معتبر اور قابل اطاعت اقتدار نہیں پایا جاتا جس کے احکام کو میں ہر معاملے میں غیر مشروط طور پر قبول کرتا جاؤں، جب میں یہ معلوم کرتا ہوں کہ کسی قوم یا کسی ملک کو یا کسی حکومت کو خواہ وہ شخص ہو یا ڈیموکریٹک، بادشاہت ہو یا ری پبلک، اقتدار سونپ دیا گیا ہے تو مجھے اسی وقت انتشار و انارکی کے بیج نظر آنے لگتے ہیں اور میں فوراً ایک ایسی ریاست کی تلاش کرنے لگتا ہوں جو میری حقیقی آرزو پوری کرے۔" [حوالہ: اسلام کے کارہائے نمایاں۔ چوہدری غلام رسول علمی کتب خانہ لاہور]

حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی اسلامی ریاست فلاحی نہیں بن سکتی جب تک اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ کو تسلیم نہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی احکامِ الٰہی کو جاری کرنے کا بندوبست فرمایا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسجد نبوی ﷺ میں مسلمان نہ صرف دن میں پانچ بار جمع ہوکر نماز ادا کرتے ہیں بلکہ یہاں پر ان کی تعلیم و تربیت بھی ہوتی ہے، ان کے اختلافات اور جھگڑوں کو بھی نپٹایا جاتا ہے، انھیں یہاں جہاد کی تربیت بھی دی جاتی ہے اور سیاسی امور پر اہم فیصلہ جات بھی طے پاتے ہیں اور یہ تمام معاملات احکام الٰہی اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں حل کیے جاتے ہیں اس کے ثمرات سالوں میں نہیں مہینوں اور ہفتوں میں ظاہر ہونے لگتے ہیں، زیادہ وقت نہیں گذرتا کہ مدینہ منورہ مثالی اسلامی ریاست بن جاتا ہے۔

مقامِ غور ہے کہ پاکستان بنے ۵۸ برس کا طویل عرصہ بیت چکا ہے ہم نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو

مانا تو ضرور مگر عملاً قائم نہیں کیا۔ نتیجتاً ظلم و ستم بڑھتا ہی گیا اور اب حال یہ ہے کہ یہاں کسی شخص کی جان و مال، عزت و آبرو محفوظ نہیں ہے اور پاکستان میں فلاحی اسلامی مملکت کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس کے ذمہ دار کون ہیں؟ اس کی ذمہ داری زیادہ تر اسلام پسند حلقوں پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا نہیں کیا ہے۔ اس طرح اشرار کو ان پر حکومت کرنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔

اسلامی فلاحی مملکت کی خصوصیات (۲)

اصولی اور نظریاتی ریاست:

اسلامی ریاست میں چونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو حاکم اعلیٰ مان لیا ہے اور یہ بات اصولی طور پر تسلیم کرلی ہے کہ صرف اور صرف ہم اسی کے احکام کو جاری و ساری کریں گے اس لیے اس ریاست کی بنیاد کسی سیاسی نظریہ یا معاشی مفاد پر نہیں رکھی جائے گی بلکہ خالصتاً رضائے الٰہی اور اس کے احکام کی تنفیذ ہی اس کے قیام کا باعث ہو گی۔ لا ریب احکم الحاکمین کا نظام ہی سب سے بہتر اور برتر ہے۔ اس نظام میں سب کو عدل و انصاف ملتا ہے کیونکہ یہ تمام کائنات اس کی ہے اور اس میں بسنے والی تمام مخلوق کا وہ تنہا مالک ہے اور جس طرح عرش سے فرش تک اس کا قانون جاری ہے اسی طرح لازم ہے کہ وہ زمین پر اپنا تشریعی فرمان یعنی شریعت جاری فرمائے۔ اس کو جاری کرنے کے لیے اس نے انبیاء و رسل کو کتاب (احکام) اور میزان (عدل) کے ساتھ بھیجا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ [الحدید:۲۵]

”ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا، اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (قواعدِ عدل) بھی عطا کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“

اس آیہ مبارکہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ لوگوں پر کوئی خود ساختہ نظام ٹھونسا نہیں جا سکتا بلکہ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام کی حکمرانی قائم کی جانی چاہیے تاکہ وہ اطمینان و سکون کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ نیز یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ انسانوں کو انسانوں پر اپنی خواہشات و مفادات کے مطابق حکمرانی کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ وہ نظامِ حق کے پیروکار اور نگران ہیں۔

اور جب تک وہ اس نظام کو جاری کرتے رہیں گے تب تک وہ اس عہدہ اور منصب کے حقدار ہیں۔ اور جونہی وہ مفاد پرستیوں اور اغراض کا شکار ہوئے ان سے یہ جاہ و اقتدار چھین لیا جائے گا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل کا پہلا خطبہ جو انھوں نے لوگوں کے درمیان دیا، قابل توجہ ہے، فرمایا:

”لوگو! میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر برا کروں تو مجھ کو سیدھا کردو۔ سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے چنانچہ میں اس کا شکوہ دور کردوں گا۔ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، چنانچہ میں اس سے حق لوں گا، جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت کو مسلط کر دیتا ہے اور جس قوم میں بُری باتیں عام ہو جاتی ہیں اللہ ان پر مصیبت کو مسلط کر دیتا ہے جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت فرض نہیں ہے اچھا اب جاؤ نماز پڑھو۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔“

[صدیق اکبر، مولانا سعید احمد اکبر آبادی]

یہ ہے حقیقی صدیقیت و جمہوریت، اسلام کے نزدیک اصلی بات صداقت ہے ......اس کے نزدیک حقیقی جمہوریت کی پہچان قلت اور کثرت کے فرق پر نہیں ہے بلکہ حق اور باطل کی تمیز میں ہے۔ حق کا پلڑا بھاری ہوتا ہے خواہ اس کا ساتھ دینے والے تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں اور باطل کا پلڑا ہلکا ہوتا ہے خواہ اس کا ساتھ دینے والے کثیر ہی کیوں نہ ہوں انصاف کا پرچم ہمیشہ بلند رہتا ہے، قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے موحد اور حق پرست ہونے کا ذکر کیا ہے جبکہ ان کی پوری قوم کفر و بت پرستی کے عمیق اور تاریک گڑھے میں گری ہوئی تھی یہاں تک کہ ان کا والد ان بت پرستوں کا سردار تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم کا رتبہ اور مقام اس قدر بلند تھا کہ اس مردِ مؤمن کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ ﴾ [النحل: ۱۲۰]

”ابراہیم علیہ السلام تو ایک فرمانبردار امت کی حیثیت رکھتے تھے۔“

اسلامی ریاست میں صدارت و امارت کی نہ حرص اور طمع رکھی جاتی ہے اور نہ اس کے حصول ہی کے لیے بے جا دوڑ دھوپ کی جاتی ہے بلکہ جو لوگ اس کے لیے حریص اور لالچی ہوں انھیں ردّ کر دیا جاتا ہے کیونکہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ حریص اور لالچی افراد قوم کے لیے مخلص اور بہی خواہ ہوں اس روایت پر غور کیجیے۔

''سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے دو بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ، تو ان میں ایک شخص نے عرض کی:'' اے اللہ کے رسول! اس اختیار کے تحت جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے ہمیں بھی حکومت میں کوئی منصب عطا کر دیجیے۔'' دوسرے شخص نے بھی کچھ ایسی ہی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اِنَّا وَاللّٰهِ لَا نُوَلِّيْ عَلٰى هٰذَا الْعَمَلِ اَحَدًا سَأَلَهٗ وَلَا اَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ "

اللہ کی قسم ہم کسی شخص کو یہ منصب عطا نہیں کرتے جو اس کو طلب کرے یا اس کے لیے حریص ہو۔'' [متفق علیہ، مشکوۃ کتاب الامارۃ والقضاء]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے صحابی سے فرمایا:'' اے عبد الرحمٰن! کبھی امارت کی طلب نہ کرو۔ اگر تمھیں مانگنے سے ملے تو نفس کے پھندوں میں پھنس جاؤ گے، اگر بے طلب ملے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری امداد ہوگی۔'' [متفق علیہ...... مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء]

پھر اسلام یہ کہتا ہے کہ حکومت کا کوئی عہدہ اور منصب سنبھالنا بھی امانت ہے اور اس کی حفاظت زبردست ذمہ داری ہے اور اس کے لیے حکمران روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور مسئول ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

« فَالْاِمَامُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ » [مشکوٰۃ کتاب الامارۃ]

'' امام بھی ایک راعی (نگران) ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

معلوم ہوا حکومت کرنا پھولوں کی سیج نہیں ، کانٹوں سے عبارت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین اور بعد میں آنے والے کئی نیک دل خلفاء میں مسئولیت کا یہ احساس انھیں بے چین اور پریشان کیے رکھتا تھا۔ وہ احکامِ الٰہی کے نفاذ اور خدمتِ خلق میں پوری لگن اور تڑپ کے ساتھ مصروف رہتے اور پھر بھی روتے تھے کہ نہ معلوم ان کی خدمات میں کون کونسی خامیاں اور کوتاہیاں رہ گئی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں پر اقتدار ملنے کے بعد کسی حاکم کے لیے قطعی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ احکامِ الٰہی کے نفاذ میں سرِ مو بھی تجاوز یا غفلت برتے۔ قرآن حکیم نے اس سلسلے میں سخت وعید سنائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ [المائدۃ:٤٤]

''اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔''

پھر ایسے ہی لوگوں کے لیے ظالموں اور فاسقوں کے الفاظ بھی آئے ہیں ، گویا کہ احکامِ الٰہی سے

روگردانی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر، ظالم اور فاسق ہیں خواہ وہ اپنے نام مسلمانوں جیسے رکھیں اور زبان سے اسلام کی تعریف کرتے رہیں۔

میں کہتا ہوں کہ پاکستان بھی ایک نظریاتی ریاست ہے اس کے حصول کے لیے صرف اور صرف یہی نظریہ سامنے تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' اس کے لیے انتھک جدو جہد کی گئی، بے شمار جانی و مالی قربانیاں دی گئیں۔ مگر یہاں پر حریص اور لالچی سیاست دانوں نے اس ملک کو مالِ غنیمت کی طرح لوٹا، انھوں نے اپنے مفادات کو تو حاصل کرلیا۔ مگر نظریہ پاکستان کا خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ جو نظام انگریز چھوڑ کر گیا وہ جوں کا توں قائم ہے۔ بلکہ اس کا بھی حلیہ بگاڑ دیا گیا ہے۔

نظامِ اسلامی کے لیے آنکھیں ترس گئی ہیں۔ ۵۸ برس گزرنے کے بعد بھی اس کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی ہے۔

الیکشن جسے جمہوری طرز حکومت کی روح قرار دیا گیا ہے سرے سے دھوکہ اور فراڈ ہے لالچی اور مالدار لوگ اس میں حصہ لیتے ہیں اور دھن دولت کی بنیاد پر وہ اقتدار حاصل کر لیتے ہیں جس سے لاکھوں اور اربوں روپیہ پبلسٹی پر ضائع ہو جاتا ہے۔ اقتدار ملنے پر خزانہ عامرہ کا بے دریغ استعمال شروع ہو جاتا ہے، اپنے اور اپنی پارٹی کے گھر بار کو بھرا جاتا ہے۔ غریب عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ بڑھا کر خزانے کی کمی کو پورا کیا جاتا ہے۔

اپنے کسی شعبہ پر نظر ڈالیں تو کسی بھی حساس اور دردمند دل کے لیے آنسو بہائے بغیر چارہ نہیں ہے۔ تعلیم ہے تو تجارت بن چکی ہے، طلباء کو محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ امتحانی مراکز میں نوٹ دیجیے اور حل شدہ سوالات لیجیے۔ امن عامہ کا حال یہ ہے کہ راہ چلتے شہریوں کو ڈاکو بندوق کی نالی دکھا کر لوٹ لیتے ہیں۔ ننھے ننھے بچے اغوا کر لیے جاتے ہیں عورتوں کی عصمتیں لٹ رہی ہیں۔ مرد کام کاج پر بیوی بچوں کو خوشی خوشی چھوڑ کر جاتے ہیں۔ شام گھر لوٹتے ہیں تو گھر مقتل بنا ہوتا ہے ...... نہ کوئی شکایت کی جگہ ہے اور نہ کہیں داد فریاد ہے۔ پولیس رسمی طور پر کیس کا اندراج کرلیتی ہے اور وزیر مگر مچھ کے آنسو بہا کر ہمدردی کے بیان دے دیتے ہیں صرف آخری عدالت ربّ العالمین کے دربار میں فریاد کرکے زبانیں چپ ہو جاتی ہیں۔

اس عاجز گنہگار طالب علم نے بارہا علمائے کرام سے دردمندانہ اپیل کی ہے کہ ان حالات میں ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ کیا ہم سر جوڑ کر ان ظالموں کے خلاف جہاد نہیں کریں گے؟ کیا ہم یہ تمام ظلم وستم اپنی آنکھوں سے دیکھتے چلے جائیں گے کیا ہماری صفوں میں اتحاد پیدا نہ ہو گا؟ کیا ہماری رگِ

حمیت سوئی ہی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں کامیابی کی امید کیسے ہو سکتی ہے؟

اللہ کی زمین پر اسی کی حکومت:

گزشتہ سطور میں یہ بتایا گیا تھا کہ کسی خطہ زمین پر قوت و اقتدار ملنے پر وہاں کے مسلمان کہلانے والے حکام، اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق لوگوں کو عدل و انصاف مہیا نہیں کرتے تو وہ قرآن کی رو سے کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔'' [المائدة: ٤٤، ٤٥، ٤٧]

اب اہل حق کا فرض بنتا ہے کہ ایسے فساق و کفار کے خلاف ہر قسم کا جہاد...... زبان اور قلم سے، اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں سے جاری رکھیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ ﴾ [الفرقان: ٥٢]

''تو تم کافروں کا کہا نہ مانو اور ان سے اس قرآن کے حکم کے مطابق بڑے شد و مد سے لڑو۔''

جب اہل حق ان ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت ان کے شاملِ حال ہوگی، لاریب اس کا وعدہ سچا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ ﴾ [الانبياء: ١٠٥]

''بے شک میرے نیکو کار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔''

اے اہلِ حق! تم کس غفلت میں پڑے ہو۔ ان ظالموں نے اقتدار اور کرسی کے نشے میں اللہ کی زمین کو ظلم و فساد سے بھر دیا ہے خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور اللہ کی مخلوق کو اسی کا نظام برپا کر کے ظالموں کے چنگل سے ان سسکتے ہوئے انسانوں کو نجات دلاؤ۔ آخر روزِ جزا مالکِ کائنات کو کیا جواب دو گے؟

اقامتِ صلوٰۃ کا نظام:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلامی ریاست کے معرضِ وجود میں آتے ہی وہاں پر قائم ہونے والی حکومت کی اوّلین اور بنیادی ذمہ داری ہے کہ ملک میں اقامتِ صلوٰۃ کے نظام کو جاری کرے۔ اس سے معاشرتی زندگی کی بنیاد صحیح رخ پر پڑتی ہے۔ افرادِ معاشرہ کے قلب و ذہن پاکیزہ سانچے میں ڈھلتے ہیں ان کے سیرت و کردار کی تشکیل ہوتی ہے۔ نہ صرف جسمانی طور پر وہ صحت و صفائی کے خوگر ہوتے ہیں بلکہ ان کے لیے روحانی اور فکری بالیدگی کا بھی انتظام ہوتا ہے جب مسلمان مل کر نمازوں میں پانچ وقت کی پابندی کرتے ہیں اور امیر و غریب، شاہ و گدا، ایک ہی صف میں پاؤں کے ساتھ پاؤں اور کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں اور ربّ کائنات کے حضور جبینِ نیاز کو خم کرتے ہیں تو نہ

صرف اپنے آقا و مولا کی رحمتوں کو اپنے دامنوں میں سمیٹتے ہیں بلکہ ان کے دلوں میں حسد و بغض، کینہ و نفرت بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط و مستحکم بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کا ایسا ہی اتحاد پسند ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾

[الصف:٤]

”جو لوگ اللہ کی راہ میں (ایسے طور پر) پرقدم جما کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی دیوار ہیں، وہ بے شک محبوب پروردگار ہیں۔“ [ترجمہ فتح محمد جالندھری]

نماز اسی صف بندی اور نظم ونسق کا سبق سکھاتی ہے پھر امام کی اقتداء میں مقتدیوں کے اندر اطاعت کا انتہائی خوبصورت مظاہرہ ہوتا ہے۔ ایک مثالی اور فلاحی معاشرہ وہی کہلا سکتا ہے جس کے افراد میں مہر و محبت ہو وہ دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے ہمدرد و غمخوار اور رنج و راحت میں معاون و مددگار ہوں۔ نیز ان میں اطاعت وفرماں برداری کا سلیقہ بھی ہو اور وہ برائیوں سے دُور اور نیکیوں کی طرف راغب ہوں۔ ایسا معاشرہ ہر طرح سے پھلتا پھولتا ہے اور مادی و روحانی لحاظ سے ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

نماز کے ثمرات و برکات بے شمار ہیں...... بندگی ربّ سے تزکیہ نفس اور تقویٰ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وضو سے طہارت اور صفائی سے آراستگی ہوتی ہے وقت پر نماز کی ادائیگی سے پابندی وقت کا شعور اجاگر ہوتا ہے باہم مل کر نماز ادا کرنے سے اجتماعیت اور اتحاد پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے تصور سے انسان گناہوں سے بچتا ہے۔ اسے یہ خیال رہتا ہے کہ اگر وہ کسی کے حق کو غصب کرے گا یا کسی پر ظلم و زیادتی کرے گا تو کس دل اور چہرے کے ساتھ اپنے ربّ کے حضور جائے گا...... بس یہی خیال اسے حق تلفیوں سے روکتا ہے اسی کا نام تقویٰ ہے، یہی پرہیز گاری ہے اور اسی وصف میں شرفِ انسانیت ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے:

﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝﴾ [البقرة: ٤٣]

”کہ تم آپس میں مل کر نماز پڑھو۔“

وہاں انھیں خوشخبری بھی سنائی جاتی ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [العنکبوت:٤٥]

”بلاشبہ نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے روکتی ہے۔“

اور پھر زندگی میں صبر و ثبات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔

﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ [البقرة: ٤٥]

''(تم مشکلات اور مصائب میں) صبر اور نماز سے قابو پاؤ۔''

ذرا بتلایئے کہ جس قوم اور جن افراد میں مندرجہ بالا صفات پیدا ہوں وہ قوم اور افراد کیوں نہ بلند ہوں گے اور زندگی کی شاہراہ پر کیوں ترقی نہ کریں گے؟ اور انسان کا خاصا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مشق اور تمرین سے سیکھتا ہے اور نماز سے روزانہ پانچ مرتبہ یہ مشق اور تمرین ہوتی ہے سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نماز کے اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی فوائد پر رقمطراز ہیں:

''نماز تو درحقیت ایمان کا ذائقہ، روح کی غذا اور دل کی تسکین کا سامان ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کے اجتماعی، اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی اصلاحات کا بھی کارگر آلہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اخلاق وتمدن و معاشرت کی جتنی اصلاحیں وجود میں آئیں ان کا بڑا حصہ نماز کی بدولت حاصل ہوا۔ اور اسی کا اثر ہے کہ اسلام نے ایک ایسے بدوی، وحشی اور غیر متمدن ملک کو جس کو پہننے، اوڑھنے کا بھی سلیقہ نہ تھا۔ چند سال میں ادب وتہذیب کے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا۔'' [سیرت النبی، ج:٥]

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے، فرمایا:

« اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ »

''نماز دین کا ستون ہے۔''

جس طرح کہ کوئی عمارت بغیر ستونوں کے کھڑی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح مسلمانوں کا کوئی بھی دینی و اجتماعی نظام بغیر نماز کے پھل پھول نہیں سکتا۔ لہٰذا اسلامی ریاست میں حکومت اپنی توجہ فوری طور پر نظام صلوٰۃ کو قائم کرنے میں لگاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر کا سرانجام دیا۔ بلکہ مدینہ پہنچنے سے پہلے قباء کی بستی میں چند دن قیام فرمایا۔ تو وہاں بھی مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر صحابہ کرام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے کی۔

مسجد کی تعمیر ہوتے ہی پنجگانہ باجماعت نماز کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ساتھ ہی لوگوں کی تعلیم وتربیت کا بھی آغاز ہوا۔ بلکہ ان کے درمیان کوئی نزاع اور جھگڑا ہو جاتا۔ تو اس کو بھی نپٹا دیا جاتا۔

مولانا محمد ظفیر الدین مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت پر لکھتے ہیں:

''اسلام کی یہ مسجد صرف رسمی مسجد نہ تھی بلکہ اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ تھی۔ جہاں دین و دنیا کے سارے قوانین ترتیب پاتے تھے۔ لشکرِ اسلام کو قواعدِ جنگ بتائے جاتے تھے یہیں سے

جہاد میں فوج روانہ کی جاتی تھی۔ وفود یہیں اترتے تھے۔ اسی میں مدینہ کا پہلا دار العلوم اسلامی تھا۔ اس میں رسول الثقلین ﷺ کا دربار لگتا تھا اسی میں فصلِ خصومات سنائے جاتے تھے اور اسی میں مجرمین کو قید بھی کیا جاتا تھا گویا کہ دار الشریعۃ (پارلیمنٹ) دار العلوم (یونیورسٹی) دارالعسکر (فوجی چھاؤنی) اور دار الحبس (جیل خانہ) سب کا کام اسی مسجد سے لیا جاتا ہے۔" [اسلام کا نظام مساجد، ندوۃ المصنفین۔ دھلی]

آپ نے غور کیا نماز مسلمانوں کی صلاح و فلاح میں کیا رول ادا کرتی ہے اور مسجد سے مسلمانوں کے اخلاقی و معاشرتی کتنے مسائل حل ہوتے ہیں افسوس کہ مسلمان اپنے دین کی تمام خوبیوں کو بھلا چکے ہیں اور نام نہاد مسلمان حکومتیں اور لالچی و حریص مسلمان حکمران عقل کے اندھے اور اسلام کی خوبیوں سے ناواقف ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ سعادت میں مرد تو مرد خواتین بھی مسجد میں نماز ادا کرتی تھیں اور ان کی آمد و رفت انتہائی سلیقہ اور باقاعدگی سے ہوتی تھی جو لوگ جماعت میں شامل نہ ہوتے، ان کا پتہ چل جاتا تھا لوگ ان کی خیر و عافیت پوچھنے کے لیے ان کے گھر پہنچ جاتے۔ اگر بیماری کی وجہ ہوتی تو اس طرح ان کی عیادت بھی ہو جاتی۔ اس وقت رقبہ اور آبادی کم تھی اور نظامِ صلوٰۃ قائم کرنے میں اتنی دشواری نہ آتی تھی، اب جب کہ شہروں کا حدود اربعہ خاصا لمبا چوڑا ہے بلکہ قصبے اور دیہات بھی کافی پھیل چکے ہیں تو اب اس نظم کو کیسے قائم کیا جا سکتا ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ حکومت محلّہ وار نماز کمیٹیاں تشکیل دے۔ جس میں اراکین کمیٹی کے ذمہ لوگوں کی حاضری اور پابندی کا کام سپرد کیا جائے۔ بلکہ ان کمیٹیوں کے ذمہ اہل محلّہ کے چھوٹے موٹے مسائل کو حل کرنے کے اختیارات بھی سونپے جائیں۔ تارکینِ نماز کے لیے اسلامی تعزیرات کا نفاذ کیا جائے۔ نماز کمیٹیوں کے سپرد اہل محلّہ کے بچوں اور بالغوں کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔

پاکستان میں اس وقت معاشرتی زندگی میں جو تعفن اور بدبو اٹھ رہی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر نظامِ صلوٰۃ قائم نہیں ہو سکا اور معاشرتی برائیوں نے اس قدر گھیر رکھا ہے کہ ہم تباہی و بربادی کے کنارے کھڑے ہیں بلکہ حالیہ سیلاب ہمیں جھنجوڑ رہے ہیں کہ عذابِ الٰہی سے ڈر جاؤ اور اپنی روش درست کرلو، کیا افراد اور حکمران اس سے عبرت پکڑیں گے؟

نظام زکوٰۃ:

گزشتہ سطور میں بتایا گیا تھا کہ نظامِ صلوٰۃ سے جہاں اللہ تعالیٰ سے وفاداری کا اعلان ہوتا ہے وہاں

انسانوں کی حیثیت متعین ہوتی ہے، بندگی کا سلیقہ اور قرینہ آتا ہے معاشرتی زندگی کا رخ مقرر ہوتا ہے اور زندگی کا حسن اجاگر ہونے لگتا ہے اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کا فوری طور پر نظام قائم کرے، آج یہ بتائیں گے کہ نظامِ زکوٰۃ سے اسلامی معاشرے میں تمام معاشی ناہمواریوں اور مشکلات پر قابو پایا جاتا ہے...... گویا کہ سماجی فلاح و بہبود کی یہ ہمہ گیر اسکیم ہے جس سے ملک وملت کے بے کس اور بے سہارا لوگوں کی مدد، بیماروں اور تنگدستوں کی خدمت، غرباء اور مساکین کی تعلیم وتربیت، اسلامی فوج کی سرپرستی اور ایسے ہی رفاہی امور پر زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جاتا ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر معاشرے میں بسنے والا ہر فرد باوقار اور باعزت زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتا ہے اور ہر طرف سکون و اطمینان کی ریل پیل ہو جاتی ہے اور یہی فلاحی مملکت کی پہچان ہے...... اگر کسی ریاست میں بے کس، اور بے سہارا لوگوں کو بے یارو مددگار چھوڑ دیا جائے، دکھیاروں اور ستم رسیدہ انسانوں کو نظر انداز کردیا جائے اور ان کی تعلیم وتربیت کو فراموش کردیا جائے تو یہی لوگ کئی قسم کی برائیوں کے عادی بن کر پوری معاشرتی زندگی کو تہ و بالا کر ڈالیں گے جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ سے مال گردش میں آجاتا ہے جو معاشرے کے تمام افراد کی صلاح وفلاح کا باعث بنتا ہے اور بخل وحرص ایسے رذائل کا خاتمہ ہو جاتا ہے، غرباء اور مساکین کی مدد سے ہمدردی وغمخواری ایسی اچھی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں اور مسلمان بندہ زر و مال کا نہیں بلکہ اپنے ربّ کا سچا اور وفا دار بندہ بن کر مقام عبدیت پر فائز ہو جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ ﴾ [اللیل: ۱۷-۲۰]

"اور جو پرہیز گار ہے وہ اس (آتشِ جہنم) سے بچا لیا جائے گا جو تزکیہ نفس کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اس لیے نہیں کرتا کہ اس پر کسی کا احسان ہے اور وہ اس کا بدلہ اتارتا ہے بلکہ وہ ربّ الاعلیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔"

انسان کی روحانی بیماریوں میں حبِّ مال اور حبِ جاہ سخت تباہ کن بیماریاں ہیں وہ مال و دولت کے حصول میں اور دوسروں پر اپنی شان وشکوہ کا سکہ جمانے کے لیے بہت سی اخلاقی حدود کو بھی پامال کر ڈالتا ہے۔ رشوت، خیانت، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ، لوٹ کھسوٹ اور فخر و غرور، نمود و نمائش انھیں بیماریوں سے پیدا ہونے والے نتائج ہیں اور یہ حرص وخواہش قبر کی مٹی ہی ختم کرتی ہے۔ فرمایا:

﴿ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ ﴾ [التکاثر: ۱-۲]

"(لوگو) تمھیں کثرتِ مال کی خواہش نے ہلاک کردیا حتی کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔"

زکوٰۃ کی ادائیگی روح کی ان بیماریوں کا موثر ترین علاج ہے۔ انسان کی محبت مال و دولت سے نہیں بلکہ غرباء اور مساکین سے بڑھتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے جو کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [الحشر:۹]

"اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فوز و فلاح سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔"

پھر دیکھا جاتا ہے کہ باہمی چپقلش اور طبقاتی کش مکش سے معاشرتی زندگی کو سخت نقصان پہنچتا ہے جس سے افراد کے درمیان حسد و بغض اور نفرت و عداوت کی چنگاریاں سلگنے لگتی ہیں اس کے نتیجے میں دنگہ وفساد اور قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے اسلام نے اس کا حال یہ بتایا ہے کہ دولت صرف امیر لوگوں کے ہاتھ میں نہ رہے بلکہ سرکولیشن (Circulation) سے غرباء تک پہنچتی رہے اور نفرتوں کی خلیج کو پاٹنے کی صرف یہی شکل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ﴾ [الحشر:۷]

"تا کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مال دولت مندوں کے ہاتھوں ہی میں نہ پھرتا رہے۔"

رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَآءِ هِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَآءِ هِمْ »

"کہ زکوٰۃ معاشرے میں بسنے والے امیر لوگوں سے جمع کی جائے اور وہیں کے رہنے والے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر ڈالی جائے۔"

اسلام کے نزدیک ارتکازِ دولت پسندیدہ چیز نہیں ہے...... جس طرح کہ پانی کہیں ٹھہرا رہے تو اس میں تعفن اور بد بو پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح دولت بھی اگر سینت سینت کر رکھی جائے اور اسے نہ اپنے اوپر صرف کیا جائے اور نہ اپنے عزیز و اقارب اور غرباء و مساکین پر ہی خرچ کیا جائے تو یہ خبثِ نفس کا باعث بن جاتی ہے۔ یعنی نفس میں کمینگی اور خست، حرص اور لالچ پیدا ہوتا ہے پھر وہ کبھی سیر نہیں ہوتا، جوں جوں دولت ہاتھ لگتی ہے توں توں مزید کی خواہش بڑھتی ہے۔ گویا کہ ایسا شخص قارون بن جاتا ہے جو نفس اور دولت کا پجاری ہوتا ہے اور ایسی دولت اس کے لیے وبالِ جان ثابت ہوتی ہے۔ قارون کا انجام دنیا میں بھی عبرتناک ہوا اور آخرت میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ [التوبة:۳۴]

"اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے پس

انھیں اس دن کے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکاۃ نہ دیتا ہو تو قیامت کے دن اس کا مال ایک گنجے سانپ کی شکل بن کر جس کی آنکھوں پر دو کالے داغ ہوں گے اس کے گلے کا طوق (ہار) بن جائے گا، پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میرا تیرا خزانہ ہوں۔ (رواہ البخاری)

وہی مال جو بڑی محبت اور چاہت سے جمع کیا تھا اور جو ان کے لیے بڑی شان و وجاہت کا باعث ہے مگر حرص و بخل کے سبب روزِ جزا وہی ان کے لیے کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوگا۔

نفس کی اس خباثت سے بچنے کے لیے اسلام نے زکوٰۃ کو مقرر کیا ہے۔غور کیجیے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باغ و چمن کی محبت کے سبب کہ وہ پھلوں سے لدے کھڑے تھے، شریکِ غزوہ نہ ہو سکے تو انھیں بعد میں اپنی اس سستی اور غفلت کا شدید احساس ہوا، بلکہ ندامت کے آنسو آنکھوں سے بہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرمادیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے۔

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا ﴾

"کہ ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے کر انھیں پاک وصاف کیجیے۔"

طبیعت میں صفائی اور پاکیزگی اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال لٹانے سے اسی مالک کی طرف توجہ لگ جاتی ہے جس سے تقویٰ و طہارت پیدا ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ زکوٰۃ کی اہمیت پر رقمطراز ہیں:

"جب آدمی زکوٰۃ دینے کی مشق وتمرین کرتا ہے اور اس کا خوگر ہو جاتا ہے تو اس سے اس کا نفس، حرص و بخل ایسے رذائل سے پاک ہو جاتا ہے اور وہ درجہ اخبات پر فائز ہو جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے سامنے ہر وقت جھکے رہتا ہے۔ اس کے علاوہ فضیلت سماحت سے بھی بہرور ہوتا ہے یعنی اس میں سخاوت نفس ایسی صفت پیدا ہوتی ہے یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ جس سے بندہ اپنے ربّ سے لو لگاتا ہے اور اس کی صفتِ ملکیت (فرشتوں جیسی) صفتِ بہیمیت (حیوانوں جیسی) پر غالب رہتی ہے۔"

یہ تو زکوٰۃ کے فرد پر ثمرات واثرات تھے۔ اس کے اجتماعی فوائد پر شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"زکوٰۃ سے شہری نظام کو بہتر طریق سے قائم رکھنا مقصود ہوتا ہے شہری زندگی خواہ کتنے ہی چھوٹے پیمانے پر ہو۔ وہاں کمزور و ناتواں، اپاہج و بے کس ضرور نظر آئیں گے۔ اس کے علاوہ حادثات ومشکلات، آفاتِ ارضی و سماوی کا ہر قوم کسی نہ کسی صورت میں نشانہ بنتی ہے۔ اگر غریبوں اور مسکینوں، ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی طرف دستِ تعاون نہ بڑھایا

جائے تو اس کا نتیجہ اس قوم کی ہلاکت ہوگا۔'' [حجة الله البالغة، ج:۲]

مسلمان ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کا باقاعدہ نظام مقرر فرمایا اور زکوٰۃ کو جمع کرنے کے لیے عاملین مقرر کیے جن کی تنخواہیں زکوٰۃ کی آمدنی ہی سے ادا کی جاتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو پہلے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ جن کے خلاف خلیفہ اوّل نے باقاعدہ جہاد کیا اور زکوٰۃ کے نظام کو مضبوطی سے قائم کردیا، اس نظام کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی حکومتوں کو غیروں کا محتاج نہ ہونا پڑا۔ وہ اپنے پاؤں پر خود کھڑی ہوئی اور عوام کو بھی ہر طرح سے خوشحالی نصیب ہوئی۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ ملک عطا فرمایا کہ ہم اس میں اسلامی نظام کو جاری کرسکیں اور شریعتِ مطہرہ کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ مگر افسوس کہ نا اہل اور بدنیت سیاست دان اسلام کا نام لے کر حکومت تو کرتے رہے مگر عملاً اسلامی نظام کو نافذ نہ کیا۔ نتیجہ ہم تباہی و بربادی سے دوچار ہوئے اب حال یہ ہے کہ ہر شہری بلکہ ہر پیدا ہونے والا بچہ مقروض پیدا ہوتا ہے جسے قرض کے علاوہ سود بھی ادا کرنا ہوتا ہے پوری قوم اربوں ڈالر کی مقروض اور سود تلے دبی ہوئی ہے اور حکمران دوسرے ملکوں سے مزید قرضے اٹھائے جا رہے ہیں۔ زکوٰۃ کا نظام جزوی طور پر رائج ہے بینکوں میں سیونگ اکاؤنٹ پر زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے تو کرنٹ اکاؤنٹ کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ سیونگ اکاؤنٹ عام طور پر کم آمدنی والے لوگ کھلواتے ہیں جب کہ کرنٹ اکاؤنٹ تاجر پیشہ اور بڑی بڑی ملوں والے کھلواتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اہل حق کو توفیق دے کہ وہ اسلام کے نظام کو جاری و ساری کرسکیں۔ آمین

امر بالمعروف و نهي عن المنكر:

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی زمین پر توحید کی روشنی پھیلے اور شرک کے اندھیرے چھٹ جائیں۔ نیکی اور سچائی کے پھول کھلیں جب کہ برائی اور بدی کے کانٹے صاف کردیے جائیں۔ عدل و انصاف کی خوشگوار ہوائیں چلیں جب کہ ظلم و ستم کے شعلوں کو بھسم کر ڈالا جائے۔ الفتوں اور محبتوں کے چراغ روشن ہوں۔ جب کہ نفرتوں اور عداوتوں کے انگارے بجھا دیے جائیں۔ شرم و حیا کے گلستان شاداب ہوں جب کہ فحاشی و بے حیائی کی غلاظتیں دور کردی جائیں اور یہ کرۂ ارض گہوارۂ امن و سلامتی بن جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ [الانفال:۳۹]

'' اور اللہ کے باغیوں سے لڑتے رہو۔ یہاں تک کہ فتنہ و فساد نابود ہو جائے اور ہر طرف لوگوں کا نظامِ اطاعت اللہ کے لیے مختص ہو جائے۔''

ویسے تو بحیثیت مجموعی تمام انسان اس زمین پر امن و سلامتی ہمدردی و غمخواری کی فضا کو قائم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اس لیے کہ خلافتِ ارضی کا بوجھ ان کے کندھوں پر ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ [الاحزاب:۷۲]

''ہم نے بارِ امانت (خلافت کا بوجھ) آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس ذمہ داری سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔''

اس ظلم و جہالت کی وجہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر انسان اپنی اس ذمہ داری سے غافل ہو چکے ہیں تو اب اس عظیم فریضہ کی ذمہ داری امتِ مسلمہ پر عائد ہوتی ہے اس امت کے ہر فرد پر یہ بات ضروری ہے کہ اصلاحِ احوال کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے۔ اپنے گھر سے شروع کرے اور اپنے اردگرد ماحول میں نیکی پھیلاتا اور بدی کو مٹاتا چلا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [التوبة:۷۱]

''مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے ہمدرد اور معاونِ کار ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔''

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دائرہ گھروں سے شروع ہو کر خاندانوں اور قبائل تک پھیلتا ہوا بڑھتا ہے اور بستیوں، شہروں اور پھر نسلِ انسانیت پر محیط ہو جاتا ہے۔

ارشاد ہوا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

[آل عمران:۱۱۰]

''تم ایک بہترین امت ہو جسے نسل انسانیت کے لیے پیدا کیا گیا ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔''

معروف کو پھیلانے اور منکرات کو روکنے کی ذمہ داری ویسے تو ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور ضروری ہے کہ وہ حتی المقدور اس ذمہ داری کو نبھاتا رہے، اس کے ساتھ ساتھ مستقل طور پر چند افراد ایسے ہونے چاہئیں جو علم و عمل سے آراستہ ہو کر ہمہ تن، فہم و بصیرت اور عقل و دانش سے اس فریضہ کو سرانجام دیتے

رہیں۔ایسے اصحابِ علم وفضیلت کی ضروریات زندگی کو معاشرے کے دوسرے افراد پورا کرتے رہیں۔ اگر اسلامی ریاست میں وہ بستے ہوں تو پھر وہاں کی حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ ان کی کفالت کرے۔ ایسی جماعت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [آل عمران:۱۰۴]

”اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔“

نیکی کو پھیلانے اور برائی کو روکنے کے لیے جہاں حکمت و بصیرت کے ساتھ زبان اور قلم سے کام لیا جاتا ہے وہاں بعض اوقات سزا اور مار، قوت اور طاقت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ مثلاً گھر کے محدود حلقہ میں بچوں کو کبھی تو نصیحت کی جاتی ہے اور کبھی زجر و توبیخ اور سزا اور مار سے کام لیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ » [مشکوٰۃ، کتاب الصلوۃ]

”اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات برس کے ہوں۔ (یہ ترغیب جاری رہے یہاں تک کہ) وہ دس برس کے ہو جائیں اور پھر نماز نہ ادا کریں تو اس پر انھیں سزا دو۔“

اسی طرح بچے اگر غلط کام کریں تو ان کی اصلاح کے لیے نرمی و گرمی سے کام نکال لیا جاتا ہے مگر معاشرتی زندگی کے وسیع دائرے میں نیکیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو روکنے میں قوت و طاقت کی ضرورت پیش آتی ہے جو عوام کے بس کا روگ نہیں ہے۔ بلکہ صرف حکومت اس کام کو سرانجام دے سکتی ہے۔ مثلاً حدود و تعزیرات کا نفاذ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ چوروں اور قاتلوں کو حکومت گرفتار کرتی ہے اور انھیں قانونِ اسلامی کے مطابق سزا دیتی ہے۔ اس حدیث پر غور کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ »

[رواہ مسلم، ریاض الصالحین، باب الامر بالمعروف و نہی عن المنکر]

”جو کوئی تم میں سے بُرائی دیکھے تو اسے قوت و طاقت سے روکے، اگر اس کی ہمت نہ ہو تو زبان و بیان سے منع کرے اور اگر اس کی ہمت نہ پائے تو (کم از کم) دل سے تو بُرا جانے

اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔"

دل سے بُرا جاننے کی تاکید اس لیے کی گئی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے دل سے ایمان کا شعلہ ہی بجھ جائے اور تم خود برائی میں ملوث ہو جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ کل کو اللہ تعالیٰ تمھیں زبان و بیان سے برائیوں کے خلاف آواز اٹھانے کی توفیق عطا کردے اور پھر تمھیں شوکت و سطوت نصیب فرمائے کہ قوت و طاقت سے برائیوں کو روک سکو۔

مکی زندگی میں مسلمان کمزور تھے، اس کے باوجود ان کی عظمت تھی کہ وہ برائیوں کے خلاف آواز بلند کرتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں بے شمار تکلیفیں اور اذیتیں بھی برداشت کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے قوت و طاقت عطا فرمائی اور اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی برائیوں کا طاقت وقوت سے قلع قمع ہونے لگا۔ حدیث مبارک میں یہی وہ پہلا درجہ ہے (یعنی قوت سے برائیوں کو روکنا) جو اسلامی حکومت کی اہم ذمہ داری ہے۔

نیکی کی نشرو اشاعت اور برائی کی روک تھام میں اسلامی حکومت پوری طرح بااختیار ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کے شعبہ جات، ریڈیو، ٹی وی حکومت کے ساتھ ہوتے ہیں ۔ پریس پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے۔ پولیس اور فوج حکومت کے ماتحت ہوتی ہے ۔ عدلیہ پر حکومت نگران ہوتی ہے۔ تجارت اور تعلیم کے شعبوں پر حکومت ہی کی دسترس ہوتی ہے نیکی کے پرچار اور برائی کی روک تھام میں حکومت اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکتی ہے۔

اسلامی حکومت جہاں نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرتی ہے وہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے...... وہ لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ بھی ہوتی ہے۔ لوگوں کے لیے معاش کمانے کی جائز راہیں ہموار کرتی ہے ۔ سود اور سمگلنگ ایسی برائیوں کا خاتمہ کرتی ہے۔ قوم کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ صحیح خطوط پر نشو ونما دیتی ہے کہ افرادِ قوم معاشرے کے فعال رکن بن جائیں۔

اگر کسی اسلامی ریاست پر قائم ہونے والی حکومت مندرجہ بالا صفات سے تہی دامن ہو، وہاں نظامِ صلوٰۃ اور زکوٰۃ قائم نہ ہو ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شعبے فارغ پڑے ہوں۔ ملک میں ہر قسم کی بدامنی اور بے چینی پھیل رہی ہو۔ ظلم و ستم کا دور دورہ ہو۔ فحاشی اور بے حیائی نے سر اٹھایا ہو تو اہلِ حق پر فرض ہو جاتا ہے کہ ایسے ظالم حکمرانوں سے زبان و جان سے جہاد کریں۔ اس حدیثِ مبارک پر غور کیجیے۔

''سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی امت میں حواریّین اور اصحاب پیدا کیے وہ ان کی سنتوں کو اختیار کیا کرتے اور ان کے حکم کی پیروی کرتے ، پھر پیچھے آنے والے ان کے جانشین ہوتے۔ وہ کہتے سب کچھ تھے اور عمل کچھ نہ کرتے تھے اور کرتے وہ تھے جس کا حکم نہیں دیا گیا تھا، پس جو ان سے اپنے ہاتھ سے لڑے وہ مؤمن ہے اور جو اپنی زبان سے لڑے وہ مؤمن ہے اور جو اپنے دل سے لڑے (ان کے بُرے کاموں سے نفرت کرے) وہ مؤمن ہے (اگر اس میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو) ایمان کا ایک ذرہ بھی نہیں بچتا۔'' [ریاض الصالحین...... باب فی الامر بالمعروف و النھی عن المنکر]

آیئے اپنے وطن پر نگاہ ڈالیں۔گذشتہ ۵۸ برس میں یہاں پر کتنی حکومتیں بنیں اور ٹوٹیں سب اسلامی نظام کو قائم کرنے کی امید دلاتی رہیں۔ امیدوار اسلام کے نام پر ووٹ حاصل کرتے رہے مگر عملی طور پر کچھ نہ ہوا۔افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ معاشرتی نظم و ضبط دَورِ غلامی سے بھی زیادہ بگڑا ہوا ہے۔ ہر طرف فسق و فجور، لوٹ مار، قتل و غارت برائی اور بے حیائی کا بازار گرم ہے اور ایسے واقعات سننے پڑھنے میں آتے ہیں کہ دَورِ جاہلیت کے عرب معاشرے میں بھی ایسا نہ ہوا تھا۔کسی شہری کا جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں ہے ۔ لاقانونیت کی انتہا ہے ۔ ایسے حالات میں اہل حق کی ذمہ داری کیا ہے؟

قیامِ عدل:

کسی شے کے ٹھیک اپنے محل اور اپنی حدود کے اندر ہونے کا نام عدل یا انصاف ہے۔اگر حدود کو توڑ دیا جائے اور حقوق کو پامال کردیا جائے تو اسے ظلم اور زیادتی کا نام دیں گے۔ مثلاً معاشرتی زندگی میں ہر شخص کو عزت و آبرو سے رہنے سہنے کا حق ہے اگر کسی غریب اور کمزور انسان کا جان و مال خطرے میں پڑ جائے اور کوئی زبردست زیردست پر ظلم و زیادتی شروع کردے اور کوئی اس ظالم کا ہاتھ روکنے والا اور اس مظلوم کو بچانے والا نہ ہو تو یہ بات عدل کے خلاف ہوگی ۔ ظالم حدود کو توڑ کر ظلم کا مرتکب ہوا ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ اسے اس ظلم کی سزا دی جائے اور مظلوم کو عدل مہیا کیا جائے اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر معاشرتی زندگی میں جنگل کا قانون چل نکلے گا، جس کی لاٹھی اس کی بھینس ، کا ماحول طاری ہو جائے گا۔ ایسے ماحول میں طاقتور کمزور کے حقوق غصب کرنے لگیں گے کئی قسم کی برائیاں پھوٹ پڑیں گی اور معاشرتی نظم وضبط تہ و بالا ہو جائے گا۔

سچ تو یہ ہے کہ قیامِ عدل ہی قیام امن کی اساس اور بنیاد ہے۔ عدل سے ہی حقوق کی پاسبانی ممکن ہے،عدل سے ہی قانون کی حفاظت اور اس کی بالادستی قائم رہ سکتی ہے۔ عدل ہی غریب سے غریب انسان کوعزت و وقار دلاتا ہے عدل ہی دوست بلکہ دشمن تک کوسکون اور ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ عدل ہی کسی ریاست کے استحکام اورکسی حکومت کے قیام کا ضامن بنتا ہے اور عدل ہی سے ایک مسلمان اپنے ربّ کا قرب حاصل کرکے پرہیز گاری کے بلند مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِعۡدِلُوۡا قف هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ﴾ [المائدۃ:۸]

''انصاف کیا کرو یہی پرہیز گاری سے قریب تر ہے۔''

اسلام کی پاکیزہ اور بلند تعلیمات پر غور کیجیے۔ وہ یہ نصیحت کرتا ہے کہ اگر تمہارا دشمن بھی تم سے انصاف کا طالب بنے تو اسے ٹھیک ٹھیک انصاف مہیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنی کی بنا پر تم انصاف کی راہ چھوڑ بیٹھو، فرمایا:

﴿ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ﴾ [المائدۃ:۸]

''اس واقعہ پر غور کیجیے:

''نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں کمزور ایمان کے ایک مسلمان نے جس کا نام طعمہ بن ابیرق تھا۔ اپنے پڑوسی کی زِرہ چرا لی اور ایک یہودی کے پاس چھپا دی۔ لوگوں کو چونکہ طعمہ پر ہی چوری کا شبہ تھا۔ اس لیے اس سے پوچھ گچھ کی گئی۔ مگراس کے پاس سے زرہ نہیں ملی۔ اس پر طعمہ نے قسم کھا کر کہا کہ نہ اس نے زرہ چرائی ہے اور نہ ہی اس کو زرہ کی بابت کوئی علم ہے۔ بالآخر زرہ تلاش کرنے پر یہودی کے پاس سے نکل آئی جس نے دریافت کرنے پر بتایا کہ وہ زرہ اس کو طعمہ نے ہی رکھنے کو دی تھی جس کی گواہی چند یہودیوں نے بھی دی اب یہ بات طعمہ اور اس کی قوم کے لیے عزت و وقار اور آن کا مسئلہ بن گئی۔ چنانچہ وہ لوگ شرم کے مارے طعمہ کو بَری کرانے اور یہودی کو پھنسانے کی تگ و دو میں لگ گئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر یہودیوں کی مسلم دشمنی کے حوالہ سے خود بھی اوردوسرے مسلمانوں کے ذریعہ بھی آپ ﷺ پر یہودی کو مجرم قرار دینے کے لیے زور ڈلوانا شروع کر دیا۔ اور عین ممکن تھا کہ آپ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر بتقاضائے بشریت ان کی باتوں کی طرف مائل ہو جاتے اور انہی کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیتے۔ لیکن وحیِ الٰہی نازل ہوئی جس نے حقیقت حال کو پوری طرح واشگاف کر دیا۔ اور نبی اکرم ﷺ کو مذکورہ معاملہ میں بلا رو رعایت کام لے

کر فیصلہ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو کسی بھی معاملہ میں حق و انصاف سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝﴾ [النساء:۱۰۵]

''یقیناً ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ اس کے مطابق کرسکیں جو اللہ نے آپ کو سمجھا دیا ہے اور ان خائنوں کے طرفدار نہ ہو جایئے۔''

[الاسلام، عقیدہ وشریعت۔محمود شلتوت مصری۔ترجمہ نفیس اکیڈمی]

اسلام کی ان عادلانہ تعلیمات کے اثرات ہی تھے کہ انسانوں کے دل مسخر ہوتے چلے گئے اور تھوڑے عرصہ ہی میں اس کا پرچم مشرق اور مغرب میں لہرانے لگا:

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے ، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی۔

[بانگ درا۔اقبال]

انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود اور اس کا امن وسکون عدل و انصاف سے ہی برقرار رہ سکتا ہے جس کا اوّلین مقصد ہی اللہ کے بندوں کے درمیان نیکیوں کو پھیلانا ، برائیوں کو مٹانا اور امن و سلامتی کو قائم کرنا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ [الحدید:۲۵]

''ہم نے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو(یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔''

مسلمانوں کی اپنی زندگی نہ صرف عدل و انصاف کا نمونہ پیش کرتی ہے بلکہ وہ انصاف کا جھنڈا لے کر اٹھتے ہیں اور پوری ہمت و قوت کے ساتھ ظلم کے خلاف صف آراء ہو جاتے ہیں۔ شہادتِ حق کے

لیے انھیں کوئی چیز روک نہیں سکتی، ان کا ہر عمل اور ہر قول صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔ ذاتی مفاد اور خاندانی لحاظ کبھی بھی آڑے نہیں آ سکتا ہے۔ فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ ﴾ [النساء: ۱۳۵]

”اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بنو، خواہ (اس میں) تمہارے یا تمہارے ماں باپ اور عزیز و اقارب کا نقصان ہی ہو، (فریقِ معاملہ) خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا، تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر ہے۔“

عدلِ اجتماعی اسلامی حکومت کے ذریعہ ہی ممکن ہے جس کی بہترین مثال رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قائم فرمائی اور پھر آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے اسے مضبوط بنایا اور یہی نظام قیامت تک قائم ہونے والی حکومتوں کے لیے نمونہ بنے گا۔

جہاں ظالم اور سرکش حکمرانوں کے لیے عذاب اور وعید ہے وہاں عادل اور منصف حکمرانوں کے لیے انعام اور خوشخبری بھی ہے، یوم جزا جب میدانِ حشر میں جھلسا دینے والی تپش ہوگی وہاں اللہ تعالیٰ کے عرش کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے خوش نصیب اور نیک بندوں کو ملے گا، ان میں سے عادل اور رحم دل حکمران کو بھی یہ سعادت نصیب ہوگی۔ نبی مکرّم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ عَنْ يَّمِيْنِ الرَّحْمٰنِ » [مسلم]

”انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے داہنے جانب نور کے ممبروں پر ہوں گے۔“

اللہ اکبر! قیامِ عدل کے سلسلہ میں اسلام کی کتنی پاکیزہ، صاف ستھری، بے لاگ، بلند اور مضبوط تعلیمات ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے سے، دنیا سے یقیناً ظلم وستم، حق تلفیاں اور زیادتیاں مٹ سکتی ہیں۔

آج نہ صرف مسلمان ریاستوں میں بلکہ مجموعی طور پر پوری دنیا سے عدل و انصاف رخصت ہو چکا

ہے۔ افسوس تو مسلمانوں پر ہے کیوں کہ ان کے ذمہ ہی بنی نوع انسان کو عدل فراہم کرنا تھا اور اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون جاری و ساری کرنا تھا مگر کیا کیجیے وہ خود ہی قرآن و حدیث کی زرّیں تعلیمات کو فراموش کر چکے ہیں اور ان کے اپنے ملکوں میں ہی ظلم و فساد پھیلا ہوا ہے۔ مسلمان ملکوں کے خائن حکمرانوں کو جھوٹی شہرت اور ہوا و ہوس نے انھیں راہِ حق سے دُور جا پھینکا ہے وہ حکومت تو مسلمانوں پر کرتے ہیں اور مشورے یہود و نصاریٰ سے لیتے ہیں کہ جس سے احکم الحاکمین نے سختی سے روکا ہے۔ آج اکثر و بیشتر اسلامی ریاستیں اسلام کے عادلانہ نظام سے محروم ہیں جس کی وجہ سے عوام ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ خود پاکستان بھی جسے اسلامی جمہوریہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جسے آزاد ہوئے۔(۵۸) سال بیت چکے ہیں آج تک اسلامی قوانین کے نفاذ سے محروم ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا شعبہ فارغ پڑا ہے۔ نتیجتاً ہر طرف برائیاں اور بے حیائیاں پھیل رہی ہیں۔ ظلم و ستم کا دور دورہ ہے۔ روزانہ اخبارات اس پر گواہ ہیں اور ان میں بھی (میرے خیال میں) بیس فیصد خبریں چھپتی ہیں۔ کتنے ہی غریبوں کے بچے اغوا ہوتے ہیں جن کا اخبارات میں ذکر تک نہیں ہوتا۔ کتنے ہی کمزوروں کا حق دبایا گیا ہے جن کی کوئی خبر نہیں چھپتی۔ شہریوں کے آپس میں ظلم و ستم کے علاوہ سیاست دانوں کے ہاتھوں جو ظلم و جور ہوئے ہیں ان کی فہرست بھی طول طویل ہے۔ ذرّہ ذرّہ کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں درج ہے اور اسے ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ ﴾ [الطارق:۹] (جس دن دلوں کے راز تک ظاہر کردیے جائیں گے) لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے گا اس وقت ندامت اور رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

گزشتہ سطور میں بتایا گیا تھا کہ کوئی ریاست اس وقت تک فلاحی نہیں کہلا سکتی جب تک اس میں شہریوں کو عدل و انصاف فراہم نہ کیا جاتا ہو۔ اسلامی ریاست کی فلاح و بہبود قیامِ عدل سے وابستہ ہے اس کے بغیر ریاست کا وجود اس کھوکھلی لکڑی کی مانند ہے جسے دیمک نے چاٹ کھایا ہو اور اسے محض رنگ و روغن سے چمکا کر دیدہ زیب بنا دیا گیا ہو۔ ایسی لکڑی کسی وقت بھی ٹوٹ کر نقصان کا باعث ہوسکتی ہے گویا کہ عدل و انصاف حکومت کی عمارت کا مضبوط ستون ہے اگر کوئی حکومت عدل و انصاف مہیا کرنے سے غافل ہے تو اس کے کمزور ستون سے حکومت کی پوری عمارت کسی وقت بھی زمین بوس ہوسکتی ہے، کیا خوب کسی نے کہا ہے:

"اَلْمُلْكُ يَبْقٰى مَعَ الْكُفْرِ وَلَا يَبْقٰى مَعَ الظُّلْمِ"

''کفر کے ساتھ تو سلطنت باقی رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ نہیں رہ سکتی ہے۔''

بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی:

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ وہ کونسی بنیادی ضروریات ہیں جن کی فراہمی ریاست میں بسنے والے تمام شہریوں کے لیے ضروری ہے۔ تعلیم، روزگار، علاج معالجہ، بے کس اور بے سہارا لوگوں کی روٹی، کپڑا مکان کی فراہمی بنیادی ضروریات زندگی ہیں، اس میں سب سے پہلے ہم تعلیم پر بات چیت کرتے ہیں۔

ا۔ تعلیم:

اسلام کے نزدیک علم کی بڑی اہمیت ہے۔ خوراک اگر انسان کی جسمانی صحت و سلامتی کے لیے ضروری ہے تو علم انسان کی روحانی بقاء و حفاظت کے لیے ناگزیر ہے۔ اسلام دونوں کی حفاظت کی تدابیر بتا تا ہے مگر وہ یہ کہتا ہے کہ اپنی روح اور اخلاق کی قوت کو جسم و جان کی قوت پر برتر رکھو۔ اس لیے کہ تمہاری روحانی تندرستی ہی تمہاری صحت کی ضامن بنے گی۔ حقیقی علم تمھیں اپنے خالق و مالک کی پہچان کرائے گا اور اس کی بندگی سے تمہاری روح کو سنوارے اور نکھارے گا، تم میں حقوق و فرائض کی ادائیگی کا شعور پیدا ہوگا۔ زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہو گا۔ سلیقہ اور قرینہ آئے گا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلی وحی میں ترغیب علم پر توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ ﴾ [العلق:۱]

”پڑھیے اپنے ربّ کے نام سے کہ جس نے (تمام کائنات) کو پیدا کیا۔“

رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ اپنے ربّ کے حضور یوں دعا گو رہیے۔

﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ ﴾ [طٰہٰ:۱۱۴]

”اور کہو اے پروردگار، میرے علم میں اضافہ فرما۔“

پھر غور کیجیے کہ انسان جب اس عالم آب وگل میں آنکھیں کھولتا ہے تو مسلمان ماں کی گود میں سب سے پہلے اس کے کانوں میں اذان کی آواز پہنچائی جاتی ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا مقصدِ زیست ربّ تعالیٰ کی معرفت اور بندگی ہے۔

مزید غور کیجیے کہ انسان کا کائنات میں اشرف المخلوقات ہونا اسی علم کی وجہ سے ہے اور علم ہی اسے خلافتِ ارضی کا حق دار بناتا ہے۔

﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾ [البقرة:۳۱]

”اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو (زمین پر نیابت ادا کرنے کے لیے) تمام اشیاء کے حقائق سکھا دیئے۔“

اور قرآن پر وہی لوگ صدق و یقین کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں جو علم و بصیرت سے بہر ور ہوتے ہیں۔

﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ﴾ [آل عمران:۷]

”اور جو لوگ علم میں پکے ہیں وہ اپنے ربّ کے ہر حکم کو بے چون چرا مان لیتے ہیں۔“ (اور کسی شک اور تذبذب کا شکار نہیں ہوتے۔)

اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی سچے اور کھرے اہل علم کی قدر و منزلت ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾ [المجادلة:۱۱]

”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم و بصیرت سے نوازا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے گا۔“

اور پھر علم و بصیرت اور صحت و سلامتی نیز امانت و دیانت ہی ایسے فضائل ہیں جو ریاست وحکومت کی نگرانی ایسے اہم فرائض سرانجام دینے کے لیے ضروری ہیں۔ بنی اسرائیل پر جب طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا تو فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ﴾ [البقرة:۲۴۷]

”(سیدنا شموئیل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کہا) کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان (طالوت) کو تم پر (حکومت کے لیے) پسند فرمایا اور علم و جسم (قوت ذہنی و جسمانی دونوں) میں انھیں فراوانی عطا فرمائی ہے۔“

اس میں بھی علم کو جسم پر مقدر رکھا گیا ہے کیونکہ علم کی روشنی سے ہی جسم سے صحیح طور پر کام لیا جا سکتا ہے مثلاً جنگ میں اگر حکمتِ عملی کو اختیار نہ کیا جائے تو نقصان کا اندیشہ ہوسکتا ہے پھر پوری سلطنت کی رہنمائی کے لیے دانش و بینش کی زبردست ضرورت ہے جب کہ لوگوں کی فوجی قیادت کے لیے قوتِ جسمانی درکار ہے۔

پھر غور کیجیے کہ سورۃ یوسف میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے بادشاہِ مصر کو اس کے خواب کی تعبیر بتائی اور قحط سالی کے زمانے کی تدبیر بھی بتا دی تو بادشاہ نے ان کی ذہانت و فطانت کی وجہ سے انھیں وزیر و مشیر بنانا چاہا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ [یوسف:۵۵]

”(اگر واقعی مجھ سے خاص ہی کام لینا ہے تو) مجھے ملک کے خزانوں پر مامور کر دیجیے کیونکہ

میں (مال و دولت کی) حفاظت کر سکتا ہوں اور (اس کا صحیح مصرف بھی) خوب جانتا ہوں۔‘‘
معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدہ پر فائز ہونے کے لیے علم و بصیرت کے علاوہ دیانت و امانت کی بھی شدید ضرورت ہے۔ افسوس کہ آج انتخابات کے وقت ہمارے معیار اس سے قطعاً مختلف ہیں۔
رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ علم و عمل کا بہترین نمونہ تھی۔ جبریل امین سے وحی کے جو الفاظ سیکھتے آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھلا دیتے۔
مدینہ منورہ میں مسجد نبوی دنیا میں پہلی اسلامی درس گاہ تھی جہاں دنیا کے کامل ترین معلم نے دنیا کے بہترین انسانوں کی تعلیم و تربیت فرمائی اور وہ نفوسِ قدسیہ سیرت و کردار کے ایسے سانچے میں ڈھلے کہ نسلِ انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے وہ جہاں کہیں گئے انسانوں کو درسِ اخلاق دیا۔ علم پھیلایا اور نظامِ عدل قائم کیا۔
علم سے مراد صرف علم دین ہی نہیں بلکہ ہر وہ نافع علم ہے جس سے انسانوں کو نفع پہنچایا جا سکے...... قرآن و حدیث کی تعلیم کے علاوہ سائنس، ریاضی، جغرافیہ، معاشیات، شماریات، سیاسیات، طب و جراحت وغیرہ علوم بھی مفید اور قابلِ تحصیل ہیں۔
سیدنا داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:
﴿ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ ﴾ [الانبیاء: ۸۰]
’’اور ہم نے تمہارے لیے ان کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا۔ تاکہ تمھیں لڑائی (کے ضرر) سے بچائے۔‘‘
سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جناب زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔‘‘ [ریاض الصالحین باب الحث علی الاکل من عمل یدہ]
خود رسول اللہ ﷺ نے تجارت میں مہارت حاصل کی اور بہترین امانت دار تاجر کہلائے۔
اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے زمین و آسمان کی ہر چیز کو اس کے تابع بنا دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:
﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ﴾ [الجاثیة: ۱۳]
’’اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے لیے کاموں میں لگا دیا ہے۔‘‘
اہل علم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:
﴿ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [آل عمران: ۱۹۱]

"(اہل فکر و دانش وہ ہیں جو پروردگارِ عالم) کی تخلیقاتِ ارضی و سماوی میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔"

تمام علومِ انسانی کا سرچشمہ غور و فکر اور تدبر و تفکر کا مرہونِ منت ہے۔ ہمارے اسلاف نے اسی فکر و اندیش کے ساتھ بہت سے علوم میں کمال حاصل کیا۔ مگر وہ کبھی دینی تعلیم سے غافل نہ ہوئے۔ اس لیے مسلمان ہونے کے ناطے سے وہ سائنسدان، ماہرین معاشیات، اقتصادیات اور سیاسیات بنے۔ یہی وجہ تھی کہ ان علوم نے انھیں باغی اور سرکش نہیں بنایا۔ انھوں نے جو بھی خدمات سرانجام دیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے بلکہ نسلِ انسانیت کی بھلائی اور بہتری کے لیے سرانجام دیں۔ انھوں نے نہ صرف قران و حدیث ، صرف ونحو ،زبان و ادب، تاریخ و جغرافیہ، منطق و فلسفہ میں مہارت پیدا کی۔ بلکہ طب و جراحت ، ناپ تول، مساحت اور پیمائش، زراعت و باغبانی، اسلحہ سازی و جہاز رانی، باربرداری اور مشین سازی، فن تعمیر اور ایسے بہت سے علوم میں بھی دسترس حاصل کی ۔ ان تمام شعبہ جات میں درجہ کمال کو پہنچے۔ آج بھلا یعقوبی ۔ ابن الہیثم ،جابر بن حیان ، الخوارزمی، رازی ، الطبری، الفرغانی ایسے ماہرین طب و سائنس سے کون واقف نہیں ہے ؟ مشرق و مغرب کے سائنس دان ان کی خدمات کے معترف ہیں انہی کی قائم کی ہوئی بنیادوں پر ہی مزید تحقیق کا سلسلہ جاری ہوا اور نت نئی ایجادات ہوئیں۔ مسلمانوں کی قائم کردہ قرطبہ اور بغداد کی یونیورسٹیوں نے عروج و کمال کی ایسی بہاریں دیکھی ہیں کہ دنیا بھر کے لوگ وہاں سے حصولِ علم کو باعثِ فخر خیال کرتے تھے اور چاردانگِ عالم میں ان کی شوکت وسطوت کا ڈنکہ بجتا تھا۔ آہ ، افسوس ہماری وہ عظمتِ رفتہ کہاں رخصت ہوگئی؟ ہمارے جاہ و جمال کا آفتاب کیوں غروب ہوگیا؟ ہمارے علم و بصیرت کو زنگ کیسے لگ گیا اور ہماری عقل و دانش کیوں جاتی رہی؟ اس کا جواب صرف ایک ہی ہے کہ ہم نے قران و حدیث سے منہ موڑ لیا ہے۔

تعلیم کے مقاصد:

گذشتہ سطور میں بتایا گیا تھا کہ اسلامی ریاست میں شہریوں کو ملنے والی بنیادی ضروریات میں تعلیم بڑی اہمیت رکھتی ہے جس سے ان میں فرض شناسی پیدا ہوتی ہے اور اسلام ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے اس کا حصول ضروری قرار دیتا ہے تاکہ اس سے ان کے دل نورِ ایمان سے چمک جائیں اور ان میں ایسا نکھار پیدا ہو کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پہچانتے ہوئے زندگی کا سفر خوش اسلوبی سے طے کر کے فوز و فلاح سے ہمکنار ہوسکیں چشمہ علم سے سیرابی پر کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اَلْعِلْمُ فِيْهِ حَيَاةٌ لِّلْقُلُوْبِ
كَما تَحْيَا الْبِلَادُ اِذَا مَسَّهَا الْمَطَرُ
وَالْعِلْمُ يَجْلُوا الْعَمٰى عَنْ قَلْبِ صَاحِبِهٖ
كَمَا يُجْلِى سَوَادَ الظُّلْمَةِ الْقَمَرُ

''دلوں کے لیے علم میں اس طرح زندگی ہے جس طرح بارانِ رحمت سے بستیوں اور شہروں کے میدان سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں۔علم تاریکی قلب کو اس طرح زائل کردیتا ہے جس طرح چاند گھپ اندھیرے کو۔''

علم سے روشنی اس وقت ملتی ہے جب اس کا حصول محنت و مشقت، خلوص ولگن سے ہو، اور اس کی طلب سے عمل کی شاہراہ پر گامزن ہونا مقصود ہو۔ امام شافعی نے طلباء کو کیسی خوبصورت نصیحت کی ہے:

اَخِیْ لَنْ تَنَالَ الْعِلْمَ اِلَّا بِستَّةٍ
سَاُنَبِّئُکَ عَنْ تَفْصِیْلِهَا بِبَیَانٍ
ذَکَاءٌ وَحِرْصٌ وَاجْتِهَادٌ وَبُلْغَةٌ
وَاِرْشَادُ اُسْتَاذٍ وَطُوْلُ زَمَانٍ

''اے میرے بھائی تم جب چھ باتوں پر کاربند ہو جاؤ گے تو صحیح معنوں میں علم حاصل کرو گے۔ ذہانت، شوق ومحنت، لگن، استادوں کی فرمانبرداری اور حصولِ علم کے لیے زیادہ وقت دینا۔''

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم نے اسی ذوق و شوق، لگن اور تڑپ سے علم حاصل کیا اور اکتسابِ علم کے بعد اس کی روشنی کو دور ونزدیک پھیلایا، خود ان کی زندگیاں حسنِ عمل سے آراستہ تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کی بدولت ہمارا ماضی بڑا تابناک اور روشن نظر آتا ہے۔ ان کے زیرِ سایہ مختلف علوم وفنون نے نشو ونما پائی ان کے یہاں دین و دنیا کی تفریق نہ تھی ان کی دنیا بھی دین کے ماتحت تھی اور یہی بات ان کی سرخروئی کا باعث بنی۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر [اقبال]

تعلیم اور تربیت:

تعلیم اور تربیت کا آپس میں چولی دامن کا ساتعلق ہے، تربیت کے بغیر تعلیم بے معنی اور بے مقصد ہے۔ تربیت کے بغیر تعلیم اس پھول کی مانند ہے جو خوشبو سے خالی ہے اور ایسے پھل کی طرح سے جس میں مٹھاس نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد جہاں لوگوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دینا تھا وہاں ان کی تربیت و تزکیہ بھی کرنا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾

[الجمعة:٢]

”وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں ہی میں سے رسول اکرم ﷺ کو (علم وعمل سے آراستہ بنا کر) ان میں پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتے اور ان کا تزکیہ (تربیت) فرماتے ہیں اور انھیں (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔“

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ تربیت فرماتے تھے۔ اس واقعہ پر غور کیجیے۔ عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ننھے سے صحابی تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ بچوں کی عادت کے مطابق دستر خوان پر ہاتھ اِدھر اُدھر چلا جاتا تھا تو رسول اکرم ﷺ فرماتے:

« سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ » [متفق علیه، کتاب الطعام، ریاض الصالحین]

”اللہ کا نام لے کر اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔“

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات مختلف مقامات پر بیان کی ہیں۔ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا مطلوب و مقصود جناب یحییٰ علیہ السلام کے ذکر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

﴿ یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَّاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِیًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَیْهِ وَلَمْ یَكُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ۝ ﴾ [مریم: ١٢تا١٤]

”اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھامو (اس پر عمل پیرا ہو جاؤ) ہم نے اسے بچپن میں دانائی عطا کی اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی سے نوازا۔ وہ بڑا پرہیزگار اور اپنے والدین کا حق شناس تھا وہ نہ جبار (سرکش) تھا اور نہ نافرمان۔“

یہ وہ صفات ہیں جو ایک صالح نوجوان میں ہونی چاہئیں اس کی اختصار سے وضاحت اس طرح کی

جاسکتی ہے۔

ا۔ کتاب الٰہی سے تعلق:

اللہ تعالیٰ کی کتاب کو حرزِ جاں بنائے اس پر غور وفکر کرے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو۔

۲۔ دانائی اور بصیرت:

علمی بصیرت اتنی روشن ہو کہ معاملات کو پرکھ سکے، کھرے اور کھوٹے میں تمیز اور حق اور باطل میں فرق کرنا جانتا ہو، علم حاصل کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے۔

۳۔ نرم دلی اور پاکیزگی:

نرم دلی اور پاکیزگی اخلاق کی بلند صفات ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« اِنَّ الرِّفُقَ لَا یَکُوْنُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَهُ وَ لَا یُنْزَعُ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَهُ »

[رواہ مسلم، ریاض الصالحین، الحلم والاناۃ والرفق]

”جس چیز میں نرمی ہوتی ہے وہ اس کو زینت دے دیتی ہے اور جس چیز سے نکل جاتی ہے اس کو برا کردیتی ہے۔

۴۔ تقویٰ:

یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں سمایا رہے اور یہ اسلامی تعلیمات کا مغز اور نچوڑ ہے۔ علم حقیقی انسان میں یہ صفت پیدا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ دعاء فرمایا کرتے تھے:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی »[باب فی التقوی، ریاض الصالحین]

”اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت، پرہیز گاری، پاکدامنی اور تونگری (دل کی بے نیازی) کا۔“

۵۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک:

اسلام کی تعلیمات کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ٹھیک ٹھیک سرانجام دینا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حکم ہے۔ وہاں اللہ کے بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی بھی تاکید ہے اور بندوں میں سرفہرست والدین کے ساتھ حسن و مروت کی نصیحت ہے۔ جناب لقمان بڑے دانا اور صاحبِ فراست انسان تھے، انھوں نے اپنے لخت جگر کو بڑی عمدہ نصیحتیں کی ہیں

اس میں سب سے پہلی نصیحت یہ ہے۔

﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان:۱۳]

”اے بیٹا! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا، شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔“

اس آیت مبارکہ کے متصل ہی اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ﴾ [لقمان:۱۴]

”اور ہم نے انسان کو تاکید کی (حسنِ سلوک کی) اس کے ماں باپ سے متعلق۔“

گویا حصولِ علم کے بعد اگر طالب علم میں والدین کے لیے ہمدردی اور احترام پیدا نہیں ہوتا تو اس کا علم بے مقصد اور اس کا جینا بے کار ہے۔“

۶۔ تندخوئی اور سخت مزاجی سے بچنا:

یہ منفی صفات بتا کر متنبہ کر دیا کہ اس کے اثرات کبھی اچھے ثابت نہیں ہوتے۔ خاص کر معاشرتی زندگی میں، دعوت و تبلیغ کے مواقع پر اپنی بات کو پہنچانے میں یہ مذمومہ صفات رکاوٹ بنتی ہیں۔ جناب لقمان ہی کی اپنے بیٹے کو یہ نصیحت بھی تھی۔

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ﴾ [لقمان:۱۸]

”اور لوگوں سے بے رخی اختیار نہ کر۔“

بلکہ قرآن حکیم کی بلند تعلیمات تو یہ ہیں کہ جو برائی اور تندخوئی سے پیش آئے، تم اسے بھی نرمی اور بھلائی سے جواب دو۔ اس کے اثرات یہ ہوں گے کہ تم دشمن کے دلوں کو بھی موہ لو گے۔ ارشاد ہوا۔

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾

[حٰمٓ السجدة:۳٤]

”آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسے ہو جائے گا۔ جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔“

غور کیجیے کہ نوجوان طلباء میں یہ صفات پیدا کرنے میں کتنی محنت، ریاضت، توجہ اور نگرانی کی ضرورت ہے۔

۷۔ نافرمانی اور سرکشی سے الگ رہنا:

نافرمانی اور سرکشی ذلت و رسوائی کا سبب بنتی ہے۔ بالآخر انسان کو قعر مذلت میں گرا دیتی ہے جیسا کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہ مانا اس نافرمانی پر رحمتِ الٰہی سے دور ہوا اور نارِ جہنم اس کا ٹھکانا بنا۔

معلوم ہوا کہ تند خوئی اور سخت مزاجی، نافرمانی اور سرکشی ایسی مذمومہ صفات ہیں جس سے انسان کی دنیاوی فوز و فلاح اور اخروی نجات اور کامیابی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

سیدنا یحیٰی علیہ السلام کی زندگی صفات محمودہ سے آراستہ اور صفاتِ مذمومہ سے بری تھی۔ اس لیے انھیں کامیابی کی نوید سنائی گئی۔ارشاد ہوا:

﴿ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ ﴾ [مریم:۱۵]

”اور انھیں سلام (پہنچے) جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ وفات پائیں گے اور جس دن کہ وہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔“

مذکورہ بالا صفات کا حامل نوجوان ہی ایک مثالی نوجوان ہوسکتا ہے۔ وہ گھر، خاندان، والدین اور معاشرہ کے لیے عزت و سربلندی کا باعث ہوتا ہے ملک و ملت کو اس سے فیض پہنچتا ہے اس کی مثال اس چراغ کی سی ہوتی ہے جو خود بھی روشن ہو اور دوسرے بھی اس سے فیض یاب ہو کر منزل مقصود کو پالیں وہ دنیا و آخرت میں سرخروئی حاصل کرتا ہے۔ ہمارے مدارس اور درس گاہوں میں طلباء کی انہی خطوط پر تعلیم و تربیت ہونی چاہیے۔مگر افسوس کہ ہم نے تعلیم کے مقاصد کو نہیں سمجھا، ہمارے بچوں کی عمریں گل رہی ہیں اس کی نہ والدین کو فکر ہے اور نہ ہی حکومت کو پروا۔ ؎

آہ شاہین بچے تباہ و برباد ہو رہے ہیں

عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

”اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ“

بہرِ مومن کس قدر راحت فزا ہے یہ عمل
یہ صفائی منہ کی استعمال یہ مسواک کا
حق تعالیٰ بھی خوش پاکیزگی کے ساتھ ساتھ
کتنا جاں پرور ہے یہ فرماں رسولِ پاک ﷺ کا

متفرق مضامین

کامیاب زندگی کا شاندار تصور

وَعَنْ اَبِی یَحْیٰی صُهَیْبِ بْنِ سِنَانٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: « عَجَبًا لِّاَمْرِ الْمُؤْمِنِ ، اِنَّ اَمْرَهٗ کُلَّهٗ لَهٗ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّهٗ »

[رواہ مسلم ۔ریاض الصالحین : باب الصبر]

''سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کی بھی عجیب شان ہے اس کی زندگی کا ہر پہلو اس کے لئے بھلائی ہے اور یہ شرف صرف اس مؤمن کے لیے ہے کہ اگر اسے کوئی مسرت ہوتی ہے تو وہ (اس پر اللہ تعالیٰ کا) شکر ادا کرتا ہے تو (یہ شکر کرنا بھی) اس کے لئے بہتر ہوتا ہے (یعنی اس میں اجر ہے) اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے (کہ صبر بھی بجائے خود نیک عمل اور باعث اجر ہے)۔''

لغوی تشریح: **الصبر** کے لغوی معنی کسی کو تنگی کی حالت میں روک رکھنا، عربی کا محاورہ ہے۔

''صبرت الدابة'' میں نے جانور کو چارہ کھلائے بغیر باندھ رکھا ہے ۔[مفردات القرآن]

اصطلاحی اور شرعی طور پر قرآن حکیم اور حدیث میں لفظ صبر مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

① کسی جانی و مالی نقصان پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا اور جزع و فزع نہ کرنا۔

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ [البقرة : ١٥٥]

''اور ہم ضرور تمہیں کسی قدر خوف اور فاقہ میں مبتلا کر کے نیز جان و مال ، فصلوں اور پھلوں کے

خسارہ سے آزمائیں گے اور (ان نقصانات) پر صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے۔"

(٢) جنگ کے وقت اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھنا اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ [آل عمران: ٢٠٠]

"اے اہل ایمان! صبر و ثبات سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی اور بہادری دکھاؤ، حق کی خدمت کے لئے کمر بستہ اور جڑے رہو اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ فوز و فلاح سے ہمکنار ہو گے۔"

(٣) زندگی کے بہت سے مواقع پر صبر سے کام لینا، مثلاً رزق کی تنگی، کسی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہونے پر حرف شکایت زبان پر نہ لانا، ہاں ربّ کریم کے حضور نماز پڑھ کر گریہ وزاری سے چپکے چپکے دعا کرتے رہنا کہ وہ بیماری اور مصیبت سے نجات دے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾

[البقرة: ١٥٣]

"اے ایمان والو! (اپنے مصائب میں) صبر اور نماز سے مدد لو، یقیناً اللہ تعالیٰ ضرور صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

جیسا کہ سیدنا ایوب علیہ السلام بیماری کی شدت میں اللہ تعالی کے حضور فریاد کرتے ہیں:

﴿ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ [الانبياء: ٨٣]

"اور ایوب (علیہ السلام) نے اپنے ربّ کو پکارا کہ مجھے بیماری نے آلیا ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"

(٤) عفت اور پرہیز گاری کی راہ اختیار کرنا اور اپنے نفس کو برائی سے روکے رکھنا۔ جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بے حیائی اور برائی کو پاؤں تلے روند کر پارسائی اور پاکیزگی کی راہ اختیار فرمائی۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [یوسف۔ ٩٠]

"جو اس سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

(٥) عبادت و ریاضت میں دوام اور استقامت کی راہ اختیار کرنا۔

﴿ فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ﴾ [مريم: ٦٥]

''اسی کی عبادت کیجئے اور اس پر ڈٹے رہیئے ۔''

⑥ کسی کے ظلم اور زیادتی پر صبر کرتے ہوئے اسے معاف کردینا،جیسا کہ ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ نے صرف نہ دشمنوں کی زیادتیوں پر انہیں معاف کیا بلکہ ان کے لئے دعا فرمائی۔ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ [الشوریٰ:۴۳]

''اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے ۔''

⑦ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مواقع پر صبر وتحمل کی سخت ضرورت پیش آتی ہے ۔حکیم لقمان اپنے لخت جگر کو قیمتی نصائح کرتے ہوئے یہ بھی نصیحت کرتے ہیں :

﴿ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ [لقمان : ۱۷]

''(اے بیٹے)نیکی کا حکم کرو اور برے کام سے منع کرو اور (اس موقع پر)اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کرو۔''

⑧ اور کبھی جرأت (سرکشی اور بغاوت)کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ کفار اور منکرین کے متعلق ارشاد ہوا

﴿ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴾ [البقرۃ:۱۷۵]

''(یہ لوگ)آتش جہنم کیسے برداشت کرنے والے ہیں؟''

⑨ حدیث شریف مین صبر کو ضبط نفس کی بہترین شکل قرار دیا گیا ہے ۔چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے رمضان کو ''شَهْرُ الصَّبْرِ'' اور ''شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ'' فرمایا ہے یعنی یہ ضبط نفس اور ہمدردی وغمخواری کا مہینہ ہے۔

''الشکر'' کے معنی کسی نعمت کا تصور اور اس کے اظہار کے ہیں ۔شکر کی ضد کفر ہے جس کا مطلب نعمت کو چھپا رکھنے اور اسے فراموش کردینے کے ہیں۔ [مفردات القرآن]

شکر تین قسم پر ہے ۔قلبی شکر یعنی جب بندہ مؤمن اللہ تعالیٰ کے ان گنت انعامات واحسانات پر غور وفکر کرتا ہے تو وہ دل سے اپنے خالق ومالک کا شاکر وممنون ہوجاتا ہے اور پھر بے اختیار اس کی زبان پر ربّ تعالیٰ کی تعریف جاری وساری ہوجاتی ہے جسے لسانی شکر کہتے ہیں ۔یہ کیفیت پیدا ہوتے ہی وہ ہمہ تن اپنے مالک کی اطاعت وبندگی کے لئے تیار ہوجاتا ہے ۔ادھر مسجد سے مؤذن کی صدا ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ''سنی ادھر وہ لبیک کہتے ہوئے دنیا کے تمام کام کاج چھوڑ کر اپنی جبین نیاز اس کی چوکھٹ پر جھکانے کے لئے روانہ ہوجاتا ہے ۔اس کے ساتھ ساتھ وہ مالک کے تمام احکام جاننے کے لئے اس کی

کتاب مبین قرآن حکیم کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو حرزِ جان بناتا ہے ۔پھراس کی زندگی علم وعمل کی سراپا تصویر بن جاتی ہے ۔وہ ایک طرف خالق ومالک کے حقوق ادا کرتا ہے تو دوسری طرف حسن و مروت سے پیش آتا ہے ۔بڑوں کا ادب ولحاظ چھوٹوں پر شفقت ورحمت ،غرباء ومساکین کے ساتھ احسان ومروت ،پڑوسیوں سے نیک برتاؤ،مہمانوں سے خندہ پیشانی ،قرابتداروں سے ہمدردی اور مہربانی، تیمارداری، اپنوں اور غیروں کی جان ومال کا تحفظ وغیرہ ،اس کی زندگی کا مشن بن جاتا ہے ۔یہ گویا کہ عملی شکر ہے ۔

ایسے شکرگزار بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی رہتی ہیں ۔اور وہ انہیں دنیاوآخرت کی نعمتوں سے مالامال کردیتاہے۔اسی کا فرمان ہے ۔

﴿ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ ﴾ [ابراهيم : ٧]

’’اگرتم شکرکروگےتو میں تم کواورزیادہ عطاکروں گا‘‘

﴿ وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ ۝ ﴾ [آل عمران:١٤٥]

’’اورشکرگزاروں کوعنقریب ہم جزادیں گے ۔(زندگی مختصرہے اور جنت میں شکرگزاروں کو عنقریب لامحدودصلہ ملنے والاہے)

یادرکھئے کہ زندگی میں دکھ سکھ سے کافراورمسلم دونوں کا واسطہ پڑتا ہے۔اس سے کسی کومفرنہیں ہے مگردونوں کی سوچ اور اندازفکر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔کافرخوشی میں پھول بھی جاتا ہے اور اپنے خالق کو بھول بھی جاتا ہے ۔اور ابتلاء و آزمائش میں رونے دھونے اور تقدیر اور خالق تقدیر کے گلے شکوے کرنے لگتاہے ۔جب کہ مسلم کا زاویہ نگاہ اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے ۔وہ خوشی اور رنج دونوں صورتوں میں خیرکا ایک روشن پہلو تلاش کرلیتاہے جو اسے پستی کی طرف لے جانے کی بجائے بلند اقدار سے ہمکنار کردیتاہے ۔اسے راحت وآرام اورغم واندوہ کی دونوں کیفیتوں میں روشنی کی کرنیں دکھائی دیتی ہیں ۔قول شاعر۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضامیں
کرگس کاجہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اے ربّ کریم تو ہمیں اپنے صابر وشاکر بندے بنالے ۔آمین

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّىۡ اَسۡأَلُكَ الۡعَفۡوَ وَالۡعَافِيَةَ فِىۡ دِيۡنِى وَدُنۡيَاىَ وَاَهۡلِىۡ وَمَالِىۡ »

”اے اللہ! میں آپ سے اپنے دین ودنیا اور اہل واعیال میں عفو وعافیت مانگتا ہوں“

سینے کو کینے سے پاک رکھو

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : « اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ اَوْ قَالَ الْعُشْبَ » [رواہ ابو داؤد، باب تحریم الحسد۔ریاض الصالحین]

”سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حسد اور کینے سے بچو کیوں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے (ضائع کر دیتا ہے) جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے یا فرمایا خشک گھاس کو۔“

حسد: زوال نعمت کی آرزو، یعنی کسی کے عہدہ ومنصب یا دولت وثروت کے بارے میں یہ چاہنا کہ یہ اس سے محروم ہوجائے اور پھر اس کے لیے باقاعدہ سازش، تدبیر اور جتن کرنا، اس کے مقابلے میں ”غِبطَةٌ“ کا لفظ ہے جس کے معنی رشک کے ہیں رشک اور حسد میں نفسیاتی فرق یہ ہے کہ حاسد تو دوسروں کی آسودہ حالی وکامیابی پر کڑھتا ہے اور غابط خوش ہوتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ بھی ان کامرانیوں سے بہرہ مند ہوجائے۔[لسان القرآن جلد دوم۔مولانا محمد حنیف ندوی]

ایمان سے فکر ونظر کو طہارت نصیب ہوتی ہے۔دل ودماغ روشن ہوجاتے ہیں اعمال پاکیزہ اور نکھر جاتے ہیں اور زندگی سدابہار پھول کی طرح تروتازہ رہتی ہے۔بندہ مؤمن کی زندگی کے شب و روز رضائے الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔اس کی محبت اور عداوت، مسرت اور غمی، غصہ اور نرمی، پسند اور ناپسند محض اللہ کی رضا کے لئے ہوتی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

« مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ »

[رواہ ابوداؤد۔مشکوۃ : کتاب الایمان]

”جس نے اللہ کے لیے ہی محبت کی اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھا اور اللہ ہی کے لئے عطا کیا اور اللہ ہی کے لئے روکا تو اس نے ایمان کو مکمل کرلیا۔“

وہ اللہ کے دوستوں سے محبت اور دوستی رکھتا ہے، اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی اور نفرت رکھتا ہے، بلکہ انسان ہونے کے ناطے سے ان کے عقیدہ وعمل سے تو نفرت ہوتی ہے، ان کی ذات سے کوئی عداوت اور

دشمنی نہیں ہوتی اور اپنی خوش اخلاقی اور عمدہ رویہ سے انہیں دین حق کی طرف کھینچ لاتا ہے قرآن کی بلند تعلیمات ایسی ہی روشنی فراہم کرتی ہیں۔

﴿ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴾

[حٰمٓ السجدہ : ٣٤]

”تو (سخت کلامی کا) ایسے طریقے سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں تم سے دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔“

اپنے بھائیوں کے ساتھ کینہ وکدورت رکھنے سے انہیں تو کیا نقصان پہنچے گا، کینہ رکھنے والوں کے اپنے ہی ایمان کا چمن ویران ہونے لگتا ہے اور اس کے خوشنما پھول مرجھانے لگتے ہیں اور وہ خود ہی بلندیوں سے پستیوں کی طرف گرنے لگتے ہیں۔

حاسد تجھ پر حسد اگر کرتا ہے
کر صبر کہ وہ خود کارِ بد کرتا ہے
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہے

[اکبر الہٰ آبادی]

کینہ اور عداوت اتنی ناپسندیدہ چیز ہے کہ ربّ کائنات نے مسلمانوں کو دل کی صفائی کے لیے دعا سکھلادی اور تاکید کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے دعائے مغفرت طلب کریں۔ جو ان سے پہلے ایمان میں سبقت لے گئے۔ ارشاد ہوا:

﴿ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴾ [الحشر : ١٠]

”اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ وحسد نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پرودگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے“

کینہ اور کدورت سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کتنے شیریں الفاظ میں نصیحت فرمائی۔

« لَا تَبَاغَضُوا ، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَاتَدَابَرُوا ، وَلَا تَقَاطَعُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ » [رياض الصالحين :باب النهى عن التباغض]

''ایک دوسرے کے ساتھ بغض نہ رکھو، آپس میں دلوں کے اندر کینہ اور کدورت نہ رکھو، آپس میں دشمنیاں نہ رکھو، اور نہ ہی آپس کے تعلقات (دوستیاں اور رشتہ داریاں) توڑا کرو اور تم سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔''

حسد اتنی بری چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین کی آخری سورتوں (معوّذتین) میں حاسدین کے شر اور فتنہ سے بچنے کے لئے جامع کلمات نازل فرمادیئے ہیں۔اسلام نے حسد سے بچنے کی یہ تدبیر بتائی ہے کہ مال ودولت کے لحاظ سے اپنے سے برتر کی طرف نہ دیکھو بلکہ اپنے سے کم تر پر نگاہ رکھو اس سے شکر کے جذبات پیدا ہونگے۔اگر تمہارے کسی پڑوسی کے پاس کار اور کوٹھی ہے تو دوسرے پڑوسی کے پاس رہنے کے لئے اپنا مکان بھی نہیں ہے اور تم بڑے اچھے مکان میں رہتے ہو۔کرائے کی مضرت سے بچے ہوئے ہو۔پھر اللہ نے تمہیں صحت وعافیت دے رکھی ہے تمہیں چاہیئے کہ اس کا شکر بجالاؤ۔

آج ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے جرائم کے اسباب میں حسد وبغض بھی ایک سبب اور بری بیماری ہے۔اس کی وجہ سے دوستوں اور رشتہ داروں میں دوری اور مغائرت پیدا ہوچکی ہے۔اہل علم میں تناؤ اور کھچاؤ پیدا ہوچکا ہے۔محبت ومودّت کی فضا رخصت ہوچکی ہے۔یہ روحانی مرض ہمارے اخلاق کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔کیا ہم اس طرف توجہ دیں گے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس غفلت پر ہم اپنی عاقبت کو خراب کرلیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں فہم وشعور سے نوازے۔آمین

دعاء والتجاء:

«قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝» [الفلق:۱-۵]

(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے! میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے مالک کی (جس نے رات کی تاریکی چاک کرنے کے بعد صبح کو روشن کیا ہے) تمام مخلوق کی برائی سے،اور اندھیری رات کی برائی سے جبکہ وہ چھاجائے،اور (جادوگر) عورتوں کی برائی سے جو گرہوں میں پھونک مارنے والی ہیں اور حاسد کی برائی سے جبکہ وہ حسد کرے''

پانچ نصیحتیں

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مَنْ یَّأْخُذُ عَنِّیْ هٰـؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْیُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِهِنَّ ؟ » قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ: فَقُلْتُ: اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ: « اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ، وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُّؤْمِناً، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُّسْلِمًا وَلَا تُکْثِرِ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَةَ الضَّحِکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ »

[من کنوز السنة، محمد علی الصابونی: بحواله جامع الترمذی]

”سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو مجھ سے یہ کلمات (نصائح) حاصل کر کے ان پر خود عمل پیرا ہو جائے۔ یا کسی ایسے شخص کو سکھلا دے، جو اسے حرزِ جاں بنا لے؟ ابوہریرہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں (سیکھوں گا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ باتیں ارشاد فرمائیں:

① اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں (محارم) سے بچو، تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔
② جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے، اس پر راضی ہو جاؤ، تم لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔
③ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، تو (حقیقی) مؤمن بن جاؤ گے۔
④ لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، تم (حقیقی) مسلمان بن جاؤ گے۔
⑤ زیادہ ہنسا نہ کرو اس لیے کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔“

ان نصائح میں سے ہر نصیحت آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور ان پر عمل کی توفیق مل جائے تو دنیا و آخرت میں کامیابی کی بشارت ہے۔ دنیا میں سکون و سلامتی اور آخرت میں ابدی راحت اور آرام کی ضمانت ہے۔

① ان میں سب سے پہلی نصیحت محارم سے بچنے کی ہے، جس کے صلے میں عبادت گزاری کا ثمر ملتا ہے، عبادت کا مفہوم محض صوم و صلوٰۃ تک محدود نہیں ہے بلکہ پوری زندگی میں احکام الٰہی کی

پابندی اور شریعتِ مطہرہ کی پیروی کا نام ''عبادت'' ہے اور جو شخص محارم (ناجائز) سے بچتا ہے اس کے دل میں لازماً مباحات (جائز) کو اختیار کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ محارم اور مباحات کی فہرست بڑی طویل ہے۔ یہ تمام احکام قرآن و سنت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مثلاً محارم کے سلسلے میں قرآن حکیم کی اس آیۂ مبارکہ پر غور کیجئے:

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ [الاعراف: ۳۳]

''کہہ دو کہ میرے ربّ کی حرام کردہ چیزیں تو یہ ہیں: بے حیائی ظاہر ہو یا خفیہ اور گناہ کے تمام کام اور ناحق زیادتی اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں لگاؤ، جو تم جانتے ہی نہیں۔''

یہ آیۂ مبارکہ اتنی جامع ہے کہ معنیٰ و مفہوم کا ایک سمندر سمیٹے ہوئے ہے۔ فواحش وہ اعمال ہیں جو اپنی بیہودگی میں بڑھے ہوئے ہوں۔ "اَلْاَعْمَالُ الْمُفْرَطَةُ فِی الْاَقْبَحِ" [تفسیر القرطبی]

قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر کھلی بے حیائی کو "فاحشة" کہا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ۝﴾ [بنی اسرائیل: ۳۲]

''اور زنا کے قریب (بھی) نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بُرا راستہ ہے۔''

حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، زنا کرنے والے شادی شدہ مرد اور عورت کو تو اللہ تعالیٰ نے زندہ رہنے کا حق ہی نہیں دیا بلکہ انہیں پتھر مار مار کر رجم کرنے کا حکم ہے جب کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت زانی کے لیے سو کوڑے مارنے کی سزا مقرر فرمائی ہے۔

زنا کے قریب نہ جانا ایسے اعمال سے بچنا ہے جو کہ زنا کی طرف لے جانے والے ہوں، مثلاً غیر محرم مرد اور عورت کا علیحدگی میں جمع ہونا، خواتین کی بے حیائی اور بے پردگی، مخلوط محفلیں، عریاں تصاویر اور فحش لٹریچر وغیرہ'' (اور آج کل ٹی وی، کیبل، ڈش شادی ہال کے اجتماعی پروگرام بھی اس میں شامل کر لیجیے۔ [تیسیر القرآن]

پھر وہ لوگ یا حکومت جو فاحشۃ (بے حیائی) کو پھیلانے میں معاون و مددگار بنتی ہو، قرآن اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النور: ۱۹]

''جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی کی اشاعت ہو، ان کے لیے دنیا میں بھی المناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی اور (اس کے نتائج کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔''

یہ آیۂ مبارکہ پاکستانی عوام اور حکمران سب کے لیے تازیانۂ عبرت ہے کہ یہاں پر آنے والی ہر حکومت نے سابقہ حکومت سے بڑھ چڑھ کر بے حیائی اور عریانی کو پھیلانے میں حصہ لیا ہے، جس کے نتیجے میں آج پوری قوم اخلاقی لحاظ سے دیوالیہ ہو چکی ہے۔ خاص طور پر نوجوان نسل تباہی و بربادی کی عمیق غار میں دھکیلی جا رہی ہے۔

سورۃ الاعراف کی مذکورہ بالا آیۂ کریمہ میں لفظ ''اِثْم'' کے تحت وہ تمام گناہ آ جاتے ہیں جن سے معاشرتی زندگی فتنہ و فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔ مثلاً دھوکہ اور فریب، چوری اور ڈاکہ، رشوت اور سود خوری، خیانت اور بددیانتی وغیرہ ''بغی'' کے معنی راہِ صواب و اعتدال سے ہٹ جانا، زبان درازی اور دست درازی پر اتر آنا، ناحق دوسروں کے جان و مال سے کھیلنا کے ہیں کہ یہ تمام باتیں معاشرتی زندگی کو تہ و بالا کر دیتی ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ [النحل: ۹۰]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔''

''محارم'' میں شرک سب سے بڑا ظلم ہے، فرمایا:

﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمٰن: ۱۳]

''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

اس کائنات کا خالق و مالک یکتا ہے، اس کی سب سے بڑی شہادت نظامِ کائنات کی ترتیب، نظم و ضبط، یکسانی اور باقاعدگی ہے، قرآن اس کی یوں شہادت دیتا ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ [الانبیاء: ۲۲]

''اگر ارض و سما میں اللہ کے سوا کچھ اور (بھی) الٰہ ہوتے تو دونوں حدِ اعتدال سے نکل

جاتے۔'' یعنی ان کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

غرضیکہ اسلام نے ہر شعبۂ زندگی کے متعلق واضح اور روشن ہدایات دی ہیں۔ ماکولات اور مشروبات کے سلسلے میں واضح ہدایات کے ساتھ ساتھ حلال وحرام میں واضح فرق بتایا ہے۔ خاندانی نظام کو بھی منظّم و مربوط کرنے کے لیے اس میں بھی حلال اور حرام رشتوں کی نشان دہی کر دی ہے۔ پس جو شخص محارم سے بچتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار اور وفادار بندہ بن جاتا ہے۔

② حدیثِ مبارک میں دوسری نصیحت اپنی قسمت پر شاکر و صابر رہنے کی ہے، جس کے نتیجے میں تونگری کی نعمت ملتی ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ دولت مند اور امیر ہونے کے باوجود کنجوس اور بخیل ہوتے ہیں اور کئی غریب و مسکین ہوتے ہوئے بھی کشادہ دل اور سخی ہوتے ہیں۔ سچ ہے:

تونگری بدل است نہ بمال
بزرگی بعقل است نہ بسال

''دولت مندی تو درحقیقت دل سے ہوتی ہے نہ کہ مال سے اور بزرگی کا تعلق عقل و دانش سے ہے نہ کہ عمر سے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کامیاب ہوگیا وہ شخص جو اسلام لایا اور اسے بقدرِ کفاف روزی دی گئی (بس اتنی روزی جس سے ضروریات پوری ہو جائیں) اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دیا، اس پر اسے قناعت کرنے کی توفیق عطا فرمائی'' [اسوہ حسنہ جلد دوم، بنت الاسلام: بحوالہ صحیح مسلم]

قناعت پسندی اور صبر وشکر کی دولت اسے نصیب ہوتی ہے جو مال و دولت اور شکل وصورت کے لحاظ سے اپنے سے کمتر پر نگاہ رکھے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کسی ایسے شخص کو دیکھے جو مال اور صورت میں اس سے بڑھ کر ہو تو اسے چاہیے کہ اسے (بھی) دیکھ لے جو (ان صفات میں) اس سے کم ہے۔'' [اسوہ حسنہ، بنت الاسلام: بحوالہ صحیح بخاری]

③ حدیث مبارک میں تیسری نصیحت پڑوسی سے حسنِ سلوک کی ہے جس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ دراصل معاشرتی زندگی کی بنیاد ہی ہمدردی اور غم خواری سے پڑتی ہے اور اسلام معاشرتی اصلاح کا اوّلین علمبردار ہے۔

والدین، رشتہ داروں، یتامیٰ اور مساکین سے حسنِ سلوک اور تعاون کے بعد پڑوسیوں کا ذکر کیا گیا

ہے، پڑوسی خواہ نزدیک کے ہوں یا دور کے ان سے ہمدردی اور غمخواری ضروری ہے اور وہ صرف گلی کوچے میں بسنے والے ہی نہیں ہوتے بلکہ مکتب اور مدرسہ کے ساتھی، کارخانے اور فیکٹری میں باہم کام کرنے والے، یہاں تک کہ بس اور ریل میں ساتھ سفر کرنے والے بھی ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں قرآن ان کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ ﴾ [النسآء: ٣٦]

''(اللہ نے) قرابت دار ہمسائے، اجنبی ہمسائے اور پہلو کے ساتھی (مسافر) کے ساتھ (نیکی کا حکم دیا ہے)''

ایک روز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اور ایک خاص دلنشین انداز سے فرمایا: ''اللہ کی قسم وہ مؤمن نہ ہوگا، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہ ہوگا، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہ ہوگا۔'' (تین بار فرمانے سے معاملے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے) جان نثاروں نے پوچھا: کون یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا: ''وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔'' [سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ششم: بحوالہ صحیح مسلم]

④ حدیثِ مبارک میں چوتھی بات ''لوگوں کے لیے وہی بات پسند کرنا ہے جو ہم اپنے لیے پسند کرتے ہیں'' اس سے اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ارکانِ اسلام کا صدقِ دل سے یقین کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے سے کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے مگر مسلمان کی عملی زندگی میں اس کے اثرات ظاہر ہونے چاہئیں کہ اس کی زندگی امن و سلامتی کی آئینہ دار ہو، اس کے لیل و نہار، اس کی نشست و برخاست، اس کا قول و کردار، اس کی بات چیت اور اس کے معاملات، ہر جگہ اور ہر موقع پر لوگوں کے لیے راحت و آرام کا پیغام ہوں۔

اسی لیے مسلمان اور مؤمن کی تعریف حدیثِ مبارک میں اس طرح فرمائی گئی ہے:

« اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ » [معارف الحدیث : بحوالہ جامع الترمذی]

''(حقیقی) مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف و خطرہ نہ ہو۔''

اور پھر ایمان کی تکمیل کے لیے یوں ارشاد ہوا:

« لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ »

[متفق علیہ۔ ریاض الصالحین باب تعظیم حرمات المسلمین]

''تم میں سے اس وقت تک کوئی مؤمن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔''

صرف اسی حدیث مبارکہ پر عمل پیرا ہونے سے تمام قسم کے مکرو فریب، ظلم وزیادتی، سرکشی اور بغاوت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ جب ہم پسند نہیں کرتے کہ ہمارے ساتھ کوئی کسی قسم کی قباحت اور زیادتی کرے تو ہمیں کس طرح یہ زیب دیتا ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ ایسا کریں؟

⑤ آخری نصیحت میں زیادہ ہنسنے سے روکا گیا ہے، اس لیے کہ زیادہ ہنسی مذاق سے انسان عقل وخرد سے فارغ اور فکر وشعور سے خالی ہو جاتا ہے، یہ نقصان یقیناً ناقابل تلافی ہے۔ دعا ہے کہ ربّ کریم ہمیں ان جامع نصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعاء والتجاء:

﴿ رَبَّنَا اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ﴾ [الاعراف:۱۲۶]

''اے ہمارے رب! آپ ہم پر صبر کا فیضان کیجیے اور ہمیں مسلمان کی حیثیت میں موت دیجیے۔''

پانچ خوفناک برائیاں

عَنِ ابۡنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ﴿ يَا مَعۡشَرَ الۡمُهَاجِرِيۡنَ خِصَالٌ خَمۡسٌ اِنِ ابۡتَلَيۡتُمۡ بِهِنَّ وَنَزَلۡنَ بِكُمۡ وَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ اَنۡ تُدۡرِكُوۡهُنَّ، لَمۡ تَظۡهَرِ الۡفَاحِشَةُ فِيۡ قَوۡمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعۡلِنُوۡا بِهَا اِلَّا فَشَا فِيۡهِمُ الۡاَوۡجَاعُ الَّتِيۡ لَمۡ تَكُنۡ فِيۡ اَسۡلَافِهِمۡ وَلَمۡ يَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ اِلَّا اُخِذُوۡا بِالسِّنِيۡنَ وَشِدَّةِ الۡمُؤۡنَةِ وَجَوۡرِ السُّلۡطَانِ عَلَيۡهِمۡ، وَلَمۡ يَمۡنَعُوۡا زَكَاةَ اَمۡوَالِهِمۡ اِلَّا مُنِعُوا الۡمَطَرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوۡ لَا الۡبَهَائِمُ لَمۡ يُمۡطَرُوۡا وَلَا نَقَضُوۡا عَهۡدَ اللّٰهِ وَعَهۡدَ رَسُوۡلِهٖ اِلَّا سُلِّطَ عَلَيۡهِمۡ عَدُوٌّ مِنۡ غَيۡرِهِمۡ فَيَأۡخُذُ بَعۡضَ مَا فِيۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا لَمۡ تَحۡكُمۡ اَئِمَّتُهُمۡ بِكِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا جُعِلَ بَأۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ ﴾ [بیہقی-ابن ماجہ]

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''پانچ برائیاں ایسی ہیں اگر تم ان میں مبتلا ہوئے اور یہ تمہارے

اندر گھس آئیں (تو بہت برا ہوگا) میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ یہ پانچوں برائیاں تمہارے اندر پیدا ہوں ۔یاد رکھو......!

① اگر کسی گروہ میں زنا علانیہ ہونے لگے تو انہیں ایسی ایسی بیماریاں آگھیرتی ہیں جو پہلوں میں نہیں تھیں۔

② اگر کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنا شروع کردے تو اللہ تعالیٰ ان پر قحط اور خشک سالی مسلط کردیتا ہے اور وہ ظالم اقتدار کے ظلم کا نشانہ بنتی ہے۔

③ جب وہ زکوۃ دینے سے ہاتھ کھینچ لیں تو ان پر آسمان سے پانی برسنا رک جاتا ہے، اگر اس علاقے میں جانور یا چرند پرند نہ ہوں تو وہ یکسر بارش سے محروم کردیئے جائیں۔

④ جب وہ قوم اللہ کے اور اس کے رسول سے عہد شکنی کی مرتکب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر غیر مسلموں کو مسلط کردیتا ہے جو ان سے بہت کچھ چھین لیتے ہیں۔

⑤ اگر ان کے حاکم کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کریں (احکام الٰہی ملک میں جاری وساری نہ کریں) تو اس معاشرے میں اللہ تعالیٰ پھوٹ ڈال دیتا ہے اور وہ آپس میں لڑنے بھڑنے اور کشت وخون کرنے لگتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث مبارک مسلمانوں کو دعوت فکر عطا کرتی ہے۔

1 پہلی بات میں زنا کی خرابیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔یہ اتنی زبردست برائی ہے کہ جب کسی معاشرہ میں پھیلتی ہے تو وہ روحانی وجسمانی بیماریوں کا شکار ہوجاتا ہے، اخلاقی قدریں وہاں سے گم ہوجاتی ہیں، روح مضمحل، پژمردہ، کمزور اور ایمان سے خالی اور جسم مختلف بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔اطباء کا کہنا ہے کہ مردوں میں آتشک، سوزاک وغیرہ اور خواتین میں سیلان الرحم، لیکوریا ایسی بیماریاں زنا کے سبب جنم لیتی ہیں اس کے مہلک اثرات یورپی اقوام میں دیکھے جاسکتے ہیں، جہاں مادر پدر آزادی نے انہیں قعر مذلت میں دھکیل دیا ہے۔ایسی علت کی وجہ سے وہاں خودکشی اور جنسی امراض کی بیماریاں مشرقی اقوام سے کہیں زیادہ ہیں بالخصوص ''ایڈز'' جیسی خطرناک بیماری نے ان کے مستقبل کو تاریک تر کردیا ہے۔قرآن وحدیث میں اس شرمناک جرم کے ارتکاب پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

«لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَمُؤْمِنٌ اِیَّاکُمْ اِیَّاکُمْ»

[مشکوۃ بحوالہ اسلام کا نظام عفت وعصمت مولانا ظفیرالدین]

''زنا کار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مؤمن نہیں ہوتا۔بچو بچو''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

« اِذَا ظَهَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِیْ قَرْیَةٍ فَقَدْ اَحَلُّوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللّٰهِ »

[بحوالہ تطہیر المتجمعات۔شیخ احمد بن حجر]

’’جس بستی میں زنا کاری اور سود خوری کا ظہور ہوتا ہے تو بستی والے اپنے اوپر اللہ کا عذاب حلال کر لیتے ہیں‘‘

اس لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کتنی زبردست تنبیہ کے ساتھ اس برائی سے منع فرمایا ہے۔ارشاد ہوتا ہے

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل : ۳۲]

’’اور زنا کے نزدیک بھی نہ جایا کرو کیونکہ یہ بے حیائی اور بہت برا راستہ ہے۔‘‘

اس آیۂ مبارکہ پر پھر غور کیجیے کہ اس برائی کو کرنا تو درکنار اس کی طرف لے جانے والے فکر ونظر کے تمام محرکات سے بچنے کی بھی نصیحت کی جارہی ہے۔

۲ دوسری بات اس حدیث مبارک میں ناپ تول میں کمی کے نقصانات کے متعلق ارشاد کی گئی ہے۔ناپ تول میں یہ کمی خواہ کاروبار میں دھوکہ اور فریب کی شکل میں ہو یا ملاوٹ اور جعل سازی کی صورت میں۔مقصد اس کا دوسروں کے حق پر ہاتھ ڈالنا ہوتا ہے۔ جناب شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اس بری عادت پر اس طرح نصیحت کرتے ہیں :

﴿ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ ﴾

[الشعرا:۱۸۱۔۱۸۲]

’’اور پورا بھر دو ناپ اور نہ ہوؤ نقصان دینے والے اور تولو سیدھی ترازو سے اور مت گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں۔اور مت پھرو ملک میں فساد پھیلاتے۔‘‘

یہی بات جناب شعیب علیہ السلام مدین والوں کو سمجھا کر کہتے ہیں جو مشرق ومغرب کے تجارتی قافلوں کے راہ گذر میں آباد تھے۔پھر سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

’’ناپ تول کی بے ایمانی سے خیر وبرکت جاتی رہتی ہے یا ظاہری نظر سے دیکھیئے تو یوں کہیے کہ بازار میں ایسے لوگوں کی جو ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں ساکھ جاتی رہتی ہے اور یہ بالآخر ان کے بیوپار کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔یہ چاہتے تو یہ ہیں کہ اس بے ایمانی سے

کچھ اپنا سرمایہ اور نفع بڑھالیں گے مگر ہوتا یہ ہے کہ ان کی یہ اخلاقی برائی ان کی اقتصادی اور معاشی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔[سیرت النبی ﷺ، جلد:۶]

اس سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایسی قوم باران رحمت سے محروم ہوجاتی ہے۔قحط اور خشک سالی ان پر مسلط کردی جاتی ہے۔مزید برآں ظالم وحریص حکمران انہیں اپنے ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں۔

۳ حدیث مبارک میں تیسری بات یہ فرمائی کہ جب مسلمان زکوۃ کی ادائیگی میں بخل سے کام لینے لگیں تو وہ رحمت الٰہی سے اور دور ہوجاتے ہیں اور کبھی کبھار وہاں جو بارش ہوجاتی ہے تو اس کا سبب جانوروں اور چرندوپرند کی اللہ کے حضور فریاد وپکار ہوتی ہے۔

۴ ارشاد مبارک میں چوتھی بات اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کے سبب غیر مسلموں کا مسلط ہوجانا ہے جوان کی شوکت وعظمت کو ختم کرنے کے علاوہ ان کی تہذیب وتمدن کو بھی تباہ وبرباد کرڈالتے ہیں اوران کو مالی واقتصادی لحاظ سے بھی کمزور وناتواں بناڈالتے ہیں۔

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت پر جو زوال آیا ، یا اسپین میں مسلمانو ں پر جوگزری اس کا عبرتناک نمونہ ہے۔یا اب جن حالات سے عرب دوچار ہیں وہ بھی انتہائی ذلت آمیز ہیں مال ودولت کی فراوانی اور نفری کی کثرت کے باوجود اسرائیل سے خائف ہیں جس نے زبردستی ان کی زمین پر قبضہ کررکھاہے۔اوروہ ہروقت انہیں زبردستی جانی ومالی نقصان پہنچارہاہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان احکام الٰہی اور سنت رسول ﷺ سے غافل ہوچکے ہیں ان کی زندگیاں شرعی اصولوں سے خالی نظر آتی ہیں۔ ہمارے اسلاف دین وشریعت کے پابند تھے تو دنیاوآخرت کی کامیابیاں انہیں ملیں۔ہم خواہشات نفسانی کے پیچھے چل پڑے تو ذلت وخواری ہمارا مقدر ہے۔

۵ پانچویں بات رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ اگر مسلمانوں کے حکام کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور تعزیرات اسلامی کے فقدان کی وجہ سے افراد قوم میں فتنہ وفساد کی چنگاریاں سلگنے لگتی ہیں، لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت کا بازار گرم ہوجاتا ہے، امن وچین اپنا بوریا بستر لپیٹتا ہے۔اور ہرطرف نفسی نفسی اور بے اطمینانی چھاجاتی ہے۔اس کا مشاہدہ اپنے ملک میں کیا جاسکتا ہے یہاں کے حکمران اسلام کا نام تو بڑھ چڑھ کر لیتے ہیں اور نظام اسلام کی خوبیوں سے بھی رطب اللسان رہتے ہیں مگر عملی طور پر معاملہ صفر ہے،نہ تو ان کی اپنی زندگیاں اسلام کے سانچے میں ڈھلی نظر آتی ہیں اورنہ ہی وہ عوام کو اسلام کا نظام عدل دے سکے ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ عوام اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کریں اور یہ عہد کریں کہ وہ ہمیشہ سچائی پر قائم رہیں گے اور صرف ایسے لوگوں کا انتخاب کریں گے جو ایماندار اور دیندار ہوں گے اور جنہیں ہوس اقتدار کی حرص وتمنا نہیں ہوگی بلکہ اس اہم ذمہ داری کو نبھانے کے لیے انہیں مجبور کیا جائے گا اللہ تعالیٰ ہمیں فہم وبصیرت سے نوازے۔ آمین

دعاء والتجاء:

﴿ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ، اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ ﴾ [الفرقان: ٦٥-٦٦]

''اے ہمارے ربّ: آپ ہم سے جہنم کے عذاب کو دور فرمایئے بلاشک جہنم کا عذاب (جان سے) چمٹ جانیوالا ہے، اور وہ بہت بری جگہ اور بہت برا مقام ہے۔''

دینداری ......معیار نکاح

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ)) [كتاب النكاح بخاری ومسلم و ابو داؤد و النسائی وابن ماجه]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورت سے لوگ چار اغراض سے نکاح کرتے ہیں مال و دولت کی وجہ سے یا حسب ونسب کی وجہ سے یا حسن و جمال کی وجہ سے یا دین و اخلاق کی وجہ سے (پس تم سب سے آخری بات) یعنی دیندار عورت کو اختیار کرو اگر ایسا نہ کرو تو تمہارے ہاتھوں کو مٹی لگے (یعنی کسی وقت ندامت و پریشانی سے دوچار ہونا پڑے۔)''

مرد اور عورت کے نکاح سے معاشرتی زندگی کی بنیاد پڑتی ہے پاکیزہ اور خوشگوار ازدواجی زندگی باعث رحمت و برکت ہوتی ہے۔ میاں بیوی دیندار، بااخلاق ہوں تو اس کے اثرات آنے والی نسل میں منتقل ہوتے ہیں اور معاشرہ پھلتا پھولتا ہے اور امن وسکون کا گہوارہ ہوتا ہے۔ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ لوگوں کو قانون کا اس قدر پاس و لحاظ نہیں ہوتا جس قدر کہ دینی اقدار کی پروا ہوتی ہے۔ مجھے اس وقت مشہور محدث عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا واقعہ یاد آتا ہے عبد اللہ کے والد مبارک ایک ترک آقا

کے پھلوں کے باغ میں ملازمت کرتے تھے مالک نے ایک دن غلام سے کہا کہ ذرا باغ سے کھٹا انار توڑ لاؤ، غلام نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے انار لا کر پیش کیا، مالک نے چکھا تو وہ میٹھا تھا مالک نے غلام سے کڑک کر پوچھا کہ تمہیں ملازمت کرتے ہوئے اتنا عرصہ بیت چکا ہے اور ابھی تک یہ بھی نہیں جانتے ہو کہ کونسے پیڑ میٹھے پھل کے ہیں اور کونسے ترش کے۔غلام نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے، آپ نے مجھے باغ کی رکھوالی پر مقرر کیا ہے اور پھل چکھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ آقا غلام کی امانت و دیانت داری سے بڑا خوش ہوا اور لڑکی کی شادی ان سے کر دی اس دختر نیک اختر سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسے دنیا عبد اللہ بن مبارک کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔ اور سنئے!

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں دودھ میں پانی ملانے کی ممانعت فرما دی تھی ایک رات اطراف مدینہ میں لوگوں کے احوال معلوم کرنے نکلے اچانک ایک عورت کی آواز سنی وہ اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی بیٹی تم نے ابھی دودھ میں پانی نہیں ملایا؟ صبح ہونے کو ہے لڑکی بولی دودھ میں پانی کیسے ملاؤں، امیر المؤمنین نے اس سے منع کر رکھا ہے؟ بڑھیا نے کہا اور لوگ بھی تو ملاتے ہیں تم بھی ملاؤ امیر المؤمنین کو کیا خبر؟ لڑکی بولی اگر عمر کو خبر نہیں تو ربِّ عمر تو جانتا ہے۔''

اس لڑکی کی گفتگو امیر المؤمنین کو بہت پسند آئی صبح ہوئی تو اپنے صاحبزادہ عاصم کو بلا کر یہ واقعہ سنایا اور اس پرہیز گار لڑکی سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ عاصم نے والد محترم کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اس سے نکاح کر لیا۔ اس کے بطن سے ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن خطاب پیدا ہوئیں ام عاصم کا نکاح عبد العزیز بن مروان بن حکم سے ہوا اور ان سے عمر بن عبد العزیز پیدا ہوئے

[تلخیصہ۔ سیرت عمر بن عبد العزیز۔ ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکم۔ المتوفیٰ ۲۳۴ھ]

غور کیجئے! کہ امیر المؤمنین کے بیٹے کی شادی گوالن کی بیٹی سے ہو رہی ہے صرف نیکی اور پرہیز گاری کی بنیاد پر۔

آج جو ہماری معاشرتی زندگی تہ و بالا ہو چکی ہے اور اس میں امن وسکون کی فضا رخصت ہو چکی ہے میرے نزدیک اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم میں دینی ذوق وشوق اور فکر وشعور ختم ہو چکا ہے۔ ہماری تمام سعی و جستجو کا محور مال و دولت بن چکا ہے۔ ہماری پرکھ اور تلاش دولت کے پیمانہ سے ہوتی ہے، نتیجہ اس کا بگاڑ اور فساد کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔ دین داری ہو تو روکھی سوکھی حق حلال کی روزی سے محبت و اتفاق کی فضا برقرار رہتی ہے اور دکھ سکھ کے ایام بھی کٹ ہی جاتے ہیں اور انعام یہ ملتا ہے کہ جذبہ قناعت پسندی سے روح اطمینان اور یکسوئی سے سرشار رہتی ہے۔ اور جب دین میں کمزوری

پیدا ہوجائے تو دنیا کی محبت دل میں گھر کر جاتی ہے۔ پھر تھوڑے مال سے من نہیں بھرتا بلکہ ہر وقت ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ'' کی آرزو رہتی ہے اور جب خواہش کے مطابق دولت نہ ملے تو ایسے حریص انسان کے نزدیک اخلاقیات کی کوئی قدرو قیمت نہیں رہتی ایسے کئی واقعات ہمارے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ میرے قرابتداروں میں ایک صاحب ہیں جو محکمہ تعلیم میں اچھے عہدہ پر فائز رہے ہیں ان کی بیٹی کا نکاح ایک جگہ ہوا جس لڑکے سے نکاح ہوا وہ سعودیہ میں معقول تنخواہ پر ملازم تھا ابھی نکاح ہوا تھا اور رخصتی چند ماہ بعد ہونی تھی لڑکے نے اپنے سسر کے نام خط لکھا کہ مجھے بنگلہ اور کار کے علاوہ اتنے لاکھ نقد بھی چاہئے اگر فلاں تاریخ تک مطلوبہ چیزیں فراہم کر دیں تو بہتر ہے وگرنہ لڑکی کو طلاق نامہ بھیج دوں گا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص نے لڑکی سے نکاح نہیں کیا بلکہ دھوکہ اور فریب سے دولت کمانے کا سودا کیا ہے۔ لڑکی والے اس کے لمبے چوڑے مطالبات پورا کرنے سے قاصر رہے چنانچہ اس نے طیش میں آ کر طلاق نامہ بھجوادیا۔ میں کہتا ہوں کہ ایسی شادی اگر ہو بھی جائے تو کامیاب نہیں رہتی اس لئے کہ حرص اور لالچ انسانوں کے درمیان الفت و محبت پیدا نہیں کرتا یہ بات تو صبر و قناعت سے پیدا ہوتی ہے۔

دینی ماحول کا واقعہ بھی سن لیجئے کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک مثالی نکاح دیکھنے کا اتفاق ہوا لڑکے والے اور لڑکی والے دونوں دیندار گھرانے تھے نہ وہاں کوئی مطالبات تھے اور نہ ہی کوئی رسم و رواج انتہائی سادگی سے مسجد میں نکاح ہوا دعا اور مختصر سی شیرینی تقسیم ہونے کے بعد رخصتی ہوگئی، مجھے معلوم ہوا کہ وہ جوڑا خوشگوار ازواجی زندگی گزار رہا ہے اور دونوں گھرانوں میں بھی الفت و محبت پیدا ہو چکی ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر بی بی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جس پاکیزگی اور سادگی کے ماحول میں ہوا اس کی مثال رہتی دنیا تک کے لئے کافی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب درخواست کی تو آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ کی مرضی دریافت کی وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ نے سیدنا علی سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے بولے کچھ نہیں آپ نے فرمایا وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی (جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کیا وہ تو موجود ہے۔ آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔ ناظرین کا خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا سو روپے، زرہ کے سوا اور جو کچھ سیدنا علی کا سرمایہ تھا وہ

ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ سب سرمایہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نذر کیا۔[سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج:۱]

یہ تو حق مہر تھا اب ذرا جہیز پر نظر ڈال لیجئے بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑے۔[سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج:۱]

یہ تھا مہر اور یہ تھا جہیز مگر الفت و محبت اور مہر و وفا کے پھول جو کاشانۂ علی میں کھلے اس کی مہک رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ مسلمانو! تمہیں اپنے اسلاف سے بھلا کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا

آج ہماری حالت دگرگوں ہو چکی ہے آئے دن اخبارات میں خاندانوں کے درمیان جھگڑے خاوند اور بیوی میں لڑائیاں یہاں تک کہ قتل و غارت کے واقعات چھپتے رہتے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر ایک حساس مسلمان کا دل گھائل ہو جاتا ہے اور وہ گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری فکر کی بنیاد دین نہیں بلکہ دولت بن چکی ہے اور ستم یہ ہے کہ ابھرنے والی نسل کی تربیت کا کوئی سامان نہیں ہے اس کی فکر نہ تو حکومت کو ہے اور نہ ہمارے دیندار طبقہ کو ان حالات میں ایک گنہگار انسان اپنے مولا کے حضور صرف یہی فریاد کرتا ہے کہ وہ ربّ کریم ہمارے دلوں میں دین کی سچی محبت پیدا فرمادے۔ آمین

دعاء و التجاء:

« اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ »

”اے اللہ! ہمیں ایمان کی محبت سے بہرہ ور فرمایئے اور اسے ہمارے دلوں کی زینت بنا دیجئے اور کفر، گناہ اور نافرمانی کو ہمارے لئے باعث نفرت بنایئے اور ہمیں نیکی کی راہ پر چلنے والوں میں سے بنا دیجئے۔“

مشابہت سے ممانعت

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: الرَّجُلَ یَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ))

[رواہ ابو داؤد...... مشکوٰۃ کتاب اللباس]

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی جو عورت کی پوشاک پہنے اور اس عورت پر لعنت فرمائی جو مرد کا لباس زیب تن کرے۔“

اللَّعْنُ: کسی کو ناراضگی کی بناء پر اپنے سے دُور کر دینا اور دھتکار دینا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی شخص پر لعنت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی رحمت اور توفیق سے اثر پذیر ہونے سے محروم ہو جائے اور آخرت میں سزا کا مستحق قرار پائے اور انسان کی طرف سے کسی پر لعنت بھیجنے کے معنی بد دعا کے ہوتے ہیں۔[مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی]

اس بات میں کوئی کلام نہیں ہے کہ مرد اور عورت سے معاشرتی زندگی کی بنیاد پڑتی ہے مگر اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں کا دائرۂ کار مختلف ہے، مرد اگر میدان میں کام کرتا ہے تو عورت گھر کی نگہبان بنتی ہے۔ مرد کے ذمہ اگر معاشی ذمہ داریاں ہیں تو عورت کے ذمہ بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال ہے۔

طاقت اور قوت کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے دونوں میں فرق رکھا ہے۔ مرد کی جفاکشی، محنت، زور اور قوت و شجاعت سے نوازا گیا ہے تو عورت میں ہمدردی، غمخواری، مٹھاس، محبت، شرم و حیا اور خدمت گزاری ایسی صفات ودیعت کی گئی ہیں۔

ذمہ داریوں کے اس اختلاف سے دونوں کی شکل و صورت اور لباس کی وضع قطع میں لازمی طور پر فرق آنا چاہیے تھا۔ عورت کے لیے چار دیواری باعثِ زینت بنی تو ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے زیورات بھی باعثِ خوب صورتی ہوئے۔ اسی طرح حریر و سمور کے لباس بھی عزت کا سامان بنے، جب کہ مرد نے گھر سے باہر کام کرنا ہوتا ہے اس لیے موٹا اور کھردرا لباس اس کے لیے مناسب ہوا۔ کبھی اسے اپنے دشمنوں سے میدانِ جنگ میں لڑنا پڑتا ہے تو اس میں نرم و نازک لباس بھلا کیسے کام دے سکتا ہے؟ اور کبھی اسے چٹانوں اور پہاڑوں کے اندر کام کرنا ہوتا ہے تو اس میں ریشم و حریر کیسے کام آ سکتا ہے۔

پھر غور کیجیے کہ عورت کی خوب صورتی چہرے پر بال نہ ہونے میں ہے جب کہ مرد کی مردانگی چہرے پر بالوں کی وجہ سے ہے ، اگر وہ بھی اپنے بال صاف کر کے عورتوں کا روپ دھار لیں تو وہ اپنی مردانگی کھو بیٹھیں گے۔ پھر انھیں کہا جائے کہ زیورات اور ریشمی لباس بھی پہن لو تو کیا وہ اچھے معلوم ہوں گے؟ اسی طرح عورت کی عزت و عصمت کا فطری تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنی وضع قطع اور لباس کی تراش و خراش کو قائم رکھے، اگر وہ اس کی خلاف ورزی کرے گی تو اس کا خمیازہ اسے دنیا و آخرت میں بھگتنا پڑے گا۔

اسلام دینِ فطرت ہے ، اس لیے وہ ہمیشہ انسانی فطرت کو جگانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ مرد اور عورت دونوں کے حقوق و فرائض متعین کرتا ہے، دونوں کے دائرہ کار کی نشاندہی کرتا ہے ، اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ عورت کو زندگی کے میدان میں پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم نہیں کرتا ہے ۔ جہاں تک حصولِ علم اور اشاعتِ علم کا تعلق ہے وہ اسے حدود و قیود میں رہتے ہوئے ہر طرح سے سہولتیں اور آسانیاں دیتا ہے۔

مگر افسوس کہ خواتین و حضرات دونوں نے حد یں توڑی ہیں اور اس میں زیادہ تر قصور مردوں کا ہے۔ یورپی ممالک تو سالہا سال سے مرد و زن کے آزادانہ اختلاط اور بے راہ روی کا شکار ہیں اور اس کا زبردست نقصان اور خمیازہ اس دنیا میں بھگت رہے ہیں۔ ہم پاکستانی اندھے بن کر ان کی تقلید میں آگے بڑھ رہے ہیں ، مردوں نے سر سے ٹوپی اتاری تو عورتوں نے پہلے نقاب اور پھر دوپٹہ اتار پھینکا۔ اب جدھر دیکھو خواتین بغیر نقاب اور دوپٹہ کے بے محابا پھر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بلکہ جو لڑکیاں نقاب اوڑھ کر جائیں تو انھیں دقیانوسی اور قدامت پسند خیال کیا جاتا ہے۔

اور اس دور میں سب سے آگے ہمارا ٹی وی ہے ، اس کا کوئی اشتہار اور ڈرامہ بے پردہ نوجوان خواتین کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ پاکستان کی ہر حکومت نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کی ہر آنے والی حکومت بے حیائی پھیلانے میں ادھار کھائے بیٹھی ہے، انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور اس آیہ مبارکہ پر بار بار غور کرنا چاہیے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ﴾ [النور:۱۹]

”جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی کی اشاعت ہو، ان کے لیے دنیا میں بھی المناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔“

میں دیندار لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں جو مختلف ٹولیوں اور جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں اور اللہ کے دین کو سر بلند کرنے کے لیے اکٹھے نہیں ہو رہے ہیں، اس کھلی بے حیائی کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھاتے؟ ہمارے نوجوان بیٹے اور بیٹیاں ان کی آنکھوں کے سامنے اخلاقی زوال کا شکار ہو رہے ہیں۔ کیا اب بھی وہ اپنے دھڑے بندیوں پر قائم رہیں گے؟ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس طرح سرخرو ہو جائیں گے۔؟

ہائے افسوس معاملہ کچھ اور آگے بڑھ رہا ہے، اولمپک کھیلوں (سڈنی میں) مسلم اور غیر مسلم ممالک کے مرد تو مرد رہے خواتین بھی ہر شعبہ کھیل میں نمایاں حصہ لے رہی ہیں۔ گویا شیاطین کا ٹولہ پوری طرح رقص کرتا نظر آ رہا ہے۔ جس طرح اور جیسے ملبوسات میں مرد ہیں تو ویسے ہی ملبوسات میں خواتین بھی ہیں۔ یورپین ملکوں پر کیا افسوس کیا جائے اس لیے کہ وہاں حیاء کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہے، ہمیں افسوس تو ان ملکوں پر ہے جو اپنے ساتھ اسلام اور مسلمانی کا لیبل لگائے ہوئے ہیں، حقیقی مسلمان اور حیاء تو لازم و ملزوم ہیں۔

« اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ »

شرم و حیا تو ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ اور جو مرد خواتین کی نقالی کرتے ہیں یا خواتین، مردوں کی نقالی کرتی ہیں کیا ان میں شرم و حیا رہ جاتی ہے؟

شیخ احمد بن حجر قاضی محکمہ شرعیہ قطر اپنی کتاب "تطهير المجتمعات" میں لکھتے ہیں:

"مشابہت کی اس سے زیادہ تلخ اور اذیت ناک صورتیں وہ ہیں جنھیں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ویڈیو سیٹ پر دیکھا جاتا ہے، جن میں آدمی عورت اور عورت آدمی بنتی ہے اور صنفِ مخالف کی حرکات و سکنات اور اس کی آوازوں کی نقل کرتا ہے۔ افسوس کہ اطلاعات و نشریات کے اکثر وزیروں نے بھی آج وہ روش اختیار کر رکھی ہے جو اسلام اور اس کی تعلیمات کے منافی ہے اور (مسلمانوں کو) اندر سے کھوکھلا کرتی جا رہی ہے۔ چنانچہ موجودہ زمانے کی نشریات نے سراپا عریانیت کا روپ اختیار کر لیا ہے اور مردوں، عورتوں کی تفریق ان کے اندر سے مٹتی جا رہی ہے۔"

[ترجمہ کتاب، معاشرہ کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج۔ مولانا نصیر احمد ملی]

شیخ احمد بن حجر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"شوہر کا یہ فریضہ ہے کہ وہ بیوی کو مردوں کی مشابہت پر ٹوکتا رہے، رفتار و گفتار اور پوشاک میں ہر

گز ان کی تابع داری نہ کرنے دے تاکہ وہ (حدیث کے مطابق) لعنت میں گرفتار نہ ہو۔ ورنہ اگر شوہر نے اس کو نہ روکا، تو اس لعنت میں عورت کے ساتھ وہ بھی گرفتار ہوگا۔'' [کتاب ایضاً]

عاجز کے نزدیک والدین، سرپرستوں اور بڑوں پر بھی یہی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں اور بچوں کو ٹیلی ویژن پر (اشتہارات اور کھیل ڈرامہ) میں کام کرنے سے روکیں، ورنہ ان کے عذاب کیساتھ وہ بھی گرفتار ہوں گے اور حکومت جو پوری قوم کی سر پرست ہوتی ہے اس کی گرفت اور سزا تو لامحدود ہوگی اور وہ دیندار جو فرقوں میں بٹ کر اس منظر پر خاموش بیٹھے ہیں وہ بھی اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔

رب کریم کا حکم ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ [التحریم:٦]

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آتشِ جہنم سے بچالو۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ ، اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِىْ اَهْلِهِ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ ، وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ فِىْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَّعِيَّتِهَا ، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِىْ مَالِ سَيِّدِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ »

[متفق علیه، رياض الصالحين، باب امر ولدة الامور]

''یاد رکھو تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اسے اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔ ایک امام (صدر مملکت، وزیراعظم وغیرہ) اپنی رعایا پر نگران ہے اور اس سے رعایا کے بارے میں باز پُرس ہوگی اور آدمی کو اس کے اہل و عیال کے متعلق پوچھا جائے گا۔ کیونکہ وہ ان پر نگران ہے۔ اور عورت سے اس کے خاوند کے گھر بار کے متعلق سوال ہوگا کیونکہ وہ بچوں پر نگران ہے اور خادم سے اس کے آقا کے مال کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اور جو کچھ اس کے ماتحت ہے اس کے بارے میں وہ مسئول ہوگا۔ غرضیکہ تم میں سے ہر فرد اپنی اپنی جگہ نگہبان ہے اور (یوم جزا) وہ مسئول ہوگا۔''

حدیث مبارک میں ہے:

« اِنَّ هِلَاكَ الرِّجَالِ طَاعَتُهُمْ لِنِسَاءِ هِمْ » (معاشرہ کی مہلک بیماریاں)

"مردوں کی ہلاکت کا باعث ان کی عورتوں کی تابعداری ہے۔"

اس لیے جناب حسن رحمہ اللہ نے فرمایا:

"واللہ! اگر آج مرد نے اپنی عورت کے حسبِ خواہش اس کی پیروی شروع کردی تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں جھونک دے گا۔

مسلمانو! ذرا ہوش کے ناخن لو، کدھر جا رہے ہو، تمھیں اپنے انجام کی فکر بھی ہے؟

دعاء و التجاء:

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ»

"اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت بڑا ظلم کیا ہے اور آپ کے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں، بس اپنی خاص بخشش سے مجھے معاف کردیجیے اور مجھ پر رحم فرمائیے بلاشبہ آپ ہی بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔"

مشورہ اور اس کی اہمیت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: «اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ۔» [ابوداؤد، بحوالہ اسوہ حسنہ جلد دوم: بنت الاسلام]

"سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس سے مشورہ لیا جائے، وہ امانت دار ہوتا ہے۔ (اور اسے امانت دار ہونا چاہیے۔)"

"شَاوَرَ یُشَاوِرُ" مشورہ کرنا "تشاوُر" ایک دوسرے سے مشورہ کرنا۔ "مَشُوَرَہ" صلاح، باہمی تجویز "مُسْتَشَارُ" جس سے مشورہ لیا جائے "مُشِیْرٌ" راہنما، ناصح، مشورہ دینے والا۔ کونسلر "الشوریٰ" ایسی مجلسِ مشاورت جس کے اراکین جماعتی، ملکی اور سیاسی معاملات میں ملک و ملت کی خیرخواہی کے لیے باہم مشورے کرتے ہیں۔ مشہور جملہ ہے "تَرَکَ عُمَرُ الْخِلَافَۃَ شُوْرٰی" یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ خلافت کو باہم مشورہ کے لیے چھوڑ دیا۔

آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ پُرسکون معاشرتی زندگی آپس میں الفت و محبت سے رہنے سہنے، ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آنے دستِ تعاون بڑھانے اور آپس میں مفید اور کارآمد مشوروں سے

عبارت ہے اور ترقی کی راہیں اسی سے ہموار ہوتی ہے۔

چھوٹوں کو چاہیے کہ اپنے معاملات میں بڑوں سے مشورہ لیتے رہیں کیوں کہ زندگی کی گزرگاہوں میں انہوں نے بہت سے تجربات حاصل کیے ہوتے ہیں، اکابر کے مفید مشورے اصاغر کو روشنی کا سامان فراہم کرتے ہیں، مشورہ دینے میں جہاں بڑوں میں خلوص اور شفقت ضروری ہے تو چھوٹوں کے لیے اطاعت اور فرماں برداری سے اسے قبول کرنا بھی بڑا اہم ہے۔

طلباء اساتذہ کرام سے تعلیم اور امتحان کی تیاری میں مشورہ لیتے ہیں، ان کی بہتر تعلیم و تربیت، رہنمائی اور مشورے سے وہ اپنی منزل کو عبور کرتے ہیں، اس سلسلے میں تھوڑی سی غفلت بھی انہیں نشانِ منزل سے دور لے جاسکتی ہے۔

مریض اطباء اور ڈاکٹر صاحبان سے اپنے امراض کے بارے میں مشورہ کرتے ہیں تاکہ ان کی صحیح اور بہتر تشخیص اور علاج معالجے سے وہ صحت یاب ہوسکیں، اگر معالج میں ہمدردی، مروت اور خلوص ہوگا تو وہ مریض کو ٹھیک اور درست مشورہ دے گا، اگر صرف مشورے کی فیس حاصل کرنے کا لالچ ہے اور محض خانہ پُری کے طور پر دوائی تجویز کر دیتا ہے جس سے مریض کو فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے تو اس کی وہ آمدنی یقیناً ناجائز ہوگی، نہ معلوم اس مسکین اور لاچار بیمار نے کتنی محنت و مشقت سے روپیہ کمایا تھا اور مجبور ہو کر علاج کے لیے ڈاکٹر کے پاس چلا آیا تھا۔ اس بے کس کی جان سے کھیل رہا ہے۔ ایسا طبیب یا ڈاکٹر جو مریض کے مرض کو سمجھ نہیں پایا اور محض روپے حاصل کرنا اس کا مقصد ہے، ملکی قانون سے بچ بھی نکلا تو آخرت کے محاسبے سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔

معاشرتی معاملات خاص طور پر شادی بیاہ کے سلسلے میں خاندان کے اکابر سے صلاح مشورے ہوتے ہیں، ان کے ٹھیک اور درست مشورے دینے سے گھرانوں میں الفت و محبت پیدا ہوتی ہے جب کہ غلط اور نادرست مشورے سے وہ فتنہ و فساد کھڑا ہوتا ہے جن کے نقصانات کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا۔

ملکی معاملات کو سلجھانے کے لیے مجلسِ شوریٰ کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ [الشوریٰ: ۳۸]

''اور ان کے معاملات باہم مشورے سے طے پاتے ہیں۔''

اراکین شوریٰ علم و شعور سے آگاہ اور خدمتِ خلق کے جذبہ سے سرشار ہوں تو ان کے اچھے اور مفید مشوروں سے ملک و ملت کو فائدہ پہنچتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ صدر یا وزیراعظم کے ناقص العقل اور غافل مشیروں سے انہیں تخت و تاج سے محروم ہونا پڑتا ہے، پاکستان میں تو اس کا مشاہدہ آئے

دن ہوتا رہتا ہے۔

درست مشورہ لینا اور مفید مشورہ دینا بہت اچھی بات ہے اور مشورہ دینے والوں کو امین اور دیانت دار ہونا چاہیے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مشورہ دینے میں کامل بصیرت و شعور، پہچان اور آ گہی حاصل ہو، اگر کوئی رائے دینے میں ان کی عقل قاصر ہو تو بڑے حوصلے سے معذرت کر دینی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد ان لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو نیک نیتی سے اپنے امور کو سرانجام دیں، اس حدیث مبارک پر غور کیجئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم میں سے جو شخص کسی کام کا والی بنایا جائے (کسی خدمت کو سرانجام دینے کے لیے کوئی عہدہ اس کے سپرد کیا جائے اور اللہ اس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہو (اس کی نیک نیتی پر اسے یہ پھل ملتا ہے) تو وہ اسے نیک وزیر عطا فرما دیتا ہے، اگر وہ (کوئی ضروری اور مفید کام کرنا) بھول جائے گا تو وزیر اسے یاد دلا دے گا اور اگر اسے (اپنے فرائض) یاد ہوں گے تو وزیر (انہیں سرانجام دینے میں) اس کی مدد کرے گا۔''

[نسائی بحوالہ اسوہ حسنہ جلد ۲: بنت الاسلام]

بنت الاسلام اس حدیثِ مبارک کی تشریح میں لکھتی ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ کسی حکمران یا صاحب اقتدار اور بااختیار انسان کا اپنے اختیارات سے کام لے کر اچھے اور مفید کام کرنا یا برے اور مضر طریقے اختیار کر لینا اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ اس کو مشورہ دینے والے اور اس کے مقرب لوگ کیسے ہیں، اگر مشورہ دینے والے نیک نیت اور ملک و ملت کے خیر خواہ ہوں گے تو وہ صاحبِ اقتدار شخص عدل و انصاف سے کام لے گا اور مفید کام کرے گا۔ لیکن اگر یہ مشیر ہی خود غرض، بدنیت اور ذاتی مفاد کو ملک و ملت کے مفاد پر ترجیح دینے والے ہوں گے تو وہ حکمران یا صاحبِ اختیار شخص ان کے زیر اثر غلط اور مضر کام کرنے شروع کر دے گا اور برے مشورے ملک و ملت کے ساتھ خود اس نادان کو بھی برباد کر کے رہیں گے۔ وزیر کا مطلب ہے بوجھ اٹھانے والا، مدد کرنے والا، جس شخص کو کوئی خاص خدمت انجام دینے کے لیے عہدہ دیا جائے، اس عہدے کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں جو شخص اس کا مددگار ہوگا وہ گویا اس کا وزیر ہوگا کہ وہ اس کام کو انجام دینے میں اس کا ہاتھ بٹا رہا ہوگا۔ کسی ذمہ دار شخص کے کام میں امداد دینے کی ایک اہم شکل یہی ہے کہ اسے اچھا مشورہ دیا جائے۔ جس مشیر نے کسی ذمہ دار شخص کو اچھا مشورہ دیا وہ دیانتدار ہے۔'' [اسوۃ حسنہ جلد ۲۔ بنت الاسلام]

مشورے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ رسول اللہ ﷺ کو ربِ کریم کا حکم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کریں۔ حالانکہ آپ ﷺ کا ایمان و یقین، ذہانت و فراست رائے اور شعور اپنی جگہ مسلم ہیں، چنانچہ آپ خود بھی اچھے مشیر تھے کہ لوگوں کو مفید مشورے دیتے اور صحابۂ کرام سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق مشورے لیتے بھی تھے:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

''اور معاملات میں ان سے مشورہ کیجئے۔''

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد لوگوں کو نماز کے لیے اکٹھا کرنے پر مشورہ طلب کیا گیا، مختلف تجاویز سامنے آئیں۔ بالآخر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز کو سراہا گیا کہ اذان کے ذریعے لوگوں کو مسجد کی طرف بلایا جائے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا، آپ نے انصار و مہاجرین سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا:

''لوگو! مجھے مشورہ دو، ہمارا طریق کار کیا ہو؟''

سب سے پہلے مہاجرین نے اپنی وفا داری کا یقین دلایا جن میں سے ابوبکر صدیق، عمر، علی اور عثمان رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے، پھر آپ کی نگاہِ مبارک انصار پر پڑی تو سعد بن عبادہ نے اٹھ کر کہا:

''کیا آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟'' تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ:

''اللہ کی قسم! آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں'' [سیرت النبی ﷺ: شبلی نعمانی]

سبحان اللہ! صحابہ کرام جان نثاری کی عمدہ مثالیں رقم فرما گئے! (رضی اللہ عنہم) پھر غور کیجئے! قریشِ مکہ مقامِ بدر میں مسلمانوں سے پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کی طرف کوئی چشمہ اور کنواں تک نہ تھا، ریتلی زمین کہ اونٹوں کے پاؤں اس میں دھنس جاتے تھے، سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ''آیا اس جگہ کا انتخاب وحیِ الٰہی سے ہوا یا فوجی تدبیر سے؟'' ارشاد ہوا کہ ''یہ محض جنگی حکمت عملی کے طور پر ہے'' سیدنا حباب بن منذر نے عرض کیا: ''تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمے پر قبضہ کر لیا جائے پھر ہم بقیہ چشمے پاٹ دیں گے اور اپنے چشمے پر حوض بنا کر پانی بھر لیں گے اس کے بعد ہم قریش سے جنگ کریں گے تو ہم پانی پیتے رہیں گے اور انھیں پانی نہ ملے گا۔'' آپ ﷺ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔

غزوۂ بدر میں فتح و نصرت کے بعد جنگی قیدیوں کے بارے میں مشورہ ہوا، مختلف تجاویز آئیں، آخر

فدیہ لے کر انہیں رہا کرنے پر عمل کیا گیا، غزوۂ احزاب میں مدینہ منورہ کے اردگرد خندق سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے سے کھودی گئی کہ انہیں دفاعی جنگ لڑنے کا وسیع تجربہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمارے اسلاف نے خلوص نیت اور اچھے مشوروں سے کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کیں، آج امتِ مسلمہ پر نکبت وادبار کی گھٹائیں چھا رہی ہیں، ان کی دوستیاں اور وفاداریاں صلاح ومشورے یہود ونصاریٰ سے ہیں، جن کا شب وروز کا مشغلہ ہی مسلمانوں کو زک دینا اور نقصان پہنچانا ہے۔ مسلمانوں کا خون ہر جگہ بہہ رہا ہے، روزانہ کتنے ہی لوگ کشمیر اور فلسطین میں جام شہادت نوش کر رہے ہیں، کاش کہ حج کے ایام میں عالم اسلام کے نمائندے مرکز اسلام بیت اللہ میں بیٹھ کر آپس میں صلاح ومشورے کریں، ایک دوسرے کے معاشرتی اور معاشی، سماجی اور سیاسی مسائل حل کریں اور اپنی قوتوں کو اکٹھا کریں، مل کر اجتماعی فوج بنائیں اور اسے جدید اسلحہ سے آراستہ کریں، اجتماعی قوت سے دشمنوں کا مقابلہ کریں۔ ہماری کامیابی اور سلامتی کا صرف یہی راستہ ہے۔

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُّنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَآءِ »

”الٰہی! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، بری عادتوں، برے اعمال اور بری خواہشات سے۔“

مفلس کون ہے؟

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”أَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ؟“ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ: ”اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّأْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِیَامٍ وَزَكَاةٍ وَیَأْتِیْ وَ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَ قَذَفَ هٰذَا وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَ سَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَیُعْطٰی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ یُقْضٰی مَا عَلَیْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ“

[رواہ مسلم۔ ریاض الصالحین، باب تحریم الظُّلم]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے ارشاد

فرمایا: ''جانتے ہو مفلس کون ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''ہم میں مفلس وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ اور مال و متاع نہ ہو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو روزِ قیامت نماز، روزے زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا لیکن اس کے ساتھ یہ برائیاں بھی ہوں گی کہ فلاں کو گالی دی ہے، فلاں پر تہمت لگائی ہے، فلاں کا مال کھایا ہے، فلاں کا خون بہایا ہے اور فلاں کو مارا پیٹا ہے، پس اس کی بعض نیکیاں فلاں کو اور بعض نیکیاں فلاں کو دے دی جائیں گی، اب اگر اس کی سب نیکیاں ختم ہوگئیں اور ادائیگی باقی رہی تو پھر ان سب کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا۔''

لغت: اَلْمُفلِسُ، تنگدست، کنگال، نادار، تہی دست۔ دِرْهَمٌ، کیش، نقدی، روپیہ پیسہ، درہم و دینار۔ شَتَمَ (شَتَمَ، یَشْتِمُ، شَتْمًا) گالی دینا، برا بھلا کہنا۔ الشَّاتِمُ، بدزبان، دشنام طراز، سب وشتم، گالی دینا، لعن طعن کرنا، اردو میں استعمال ہوتا ہے۔

'' مِنَ الْكَبَائِرِ اَنْ يَّشْتِمَ وَالِدَيْهِ''

''ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔''

لوگوں نے عرض کیا اپنے ماں باپ کو کون گالی دے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس طرح کہ کوئی شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالی دے اور جواب میں وہ اس کے ماں باپ کو گالی دے۔ تو گالی دلوانے کا سبب یہ خود ہوا گویا اس نے خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دیں۔ (لغات الحدیث۔ علامہ وحید الزمان)

قذَف، تہمت لگانا، اَلْقَذْف، تہمت سَفَكَ، بہایا (سَفَكَ، يَسْفِكُ، سَفْكًا) بہانا، گرانا، سَفَكَ الدَّم، خون بہانا۔

حَسَنَاتٌ، نیکیاں اس کا مفرد حَسَنَةٌ، نیکی، خَطَایا، برائیاں اس کا مفرد خَطِيَّة برائی۔

تشریح:

اس شخص کے مفلس ہونے میں کیا شک ہے جس کی عمر بھر کی کمائی دوسرے لوگ لے جائیں اور جب وہ خالی ہاتھ ہو جائے تو لوگ اپنا بوجھ بھی اس کے ذمہ ڈال دیں، اِس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کا حق کسی کے ذمہ واجب ہو تو دنیا ہی میں اسے ادا کر دے یا معاف کرالے تاکہ قیامت کے دن کی رسوائی اور مطالبے سے بچ جائے۔

افلاس مالی لحاظ سے ہو تو بھی پریشان کن بات ہے لیکن اُس سے کہیں بڑھ کر روحانی اور اخلاقی

افلاس ہے...... جب افراد اور قومیں اخلاقی و روحانی لحاظ سے تہی دست ہو جائیں تو ان کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ اس سے بڑا نقصان کوئی نہیں ہے۔

﴿ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ، ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ [الحج: ۱۱]

''اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی، یہ تو صریح خسارہ ہے۔''

آخرت کا عذاب اتنا شدید اور ہولناک ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا ہے، یہاں پر ناجائز اور ناحق تھوڑا سا حرص بھی ابدی پریشانی کا باعث ہوسکتا ہے، اس حدیث مبارکہ پر غور کیجئے:

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے (کسی شخص) کی بالشت بھر زمین غصب کی تو روزِ قیامت اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔''

(بخاری، مسلم، ریاض الصالحین باب الظلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جو انتہائی پُر مغز خطبہ ارشاد فرمایا اور مسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں کیں، اس میں خاص طور پر ایک دوسرے کے جان و مال کی حفاظت کا ذکر فرمایا ''لوگو! سن لو کہ اللہ نے تم پر تمہارے خون، تمہارے مال، تمہارے اِس دن (ذوالحجہ کی دس تاریخ) کی حرمت کی طرح تم پر حرام کیے ہیں، دیکھنا میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔'' (حوالہ: ایضاً)

گویا اس میں صاف اشارہ ہے کہ معاشرتی زندگی میں رہتے ہوئے لوگ ناجائز اور ناحق ایک دوسرے کے جان و مال پر ہاتھ صاف کرنے لگیں تو ایمان سے فارغ اور خالی ہو جاتے ہیں۔

اور مسلم شریف کی اِس روایت پر بھی غور کریں:

حضرت ایاس بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کا حق مار لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ واجب کر دی اور جنت حرام، ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! اگر معمولی چیز ہو، آپ نے فرمایا اگرچہ ایک پیلو کی لکڑی ہو

''وَإِنْ قَضِيْبًا مِنْ أَرَاكٍ'' (رواہ مسلم۔ ریاض الصالحین حوالہ ایضاً)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کا حصول کتنا بلند جذبہ اور درجہ ہے، مگر شہید کے ذمہ اگر کسی کا قرضہ ہو تو وہ معاف نہیں ہوتا۔ (حوالہ ایضاً)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

''قیامت کے دن حقوق سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اول تو آدمی کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھے بلکہ پوری دیانت و امانت کے ساتھ اپنے معاملات کو صاف رکھے اور کسی کی غیبت وغیرہ سے پرہیز کرے اور اگر غفلت و کوتاہی کی وجہ سے اس کے ذمہ کچھ حقوق

لازم ہوں تو ان کی تلافی و تدارک کی کوشش کرے اور تلافی کی تفصیل یہ ہے کہ حقوق یا مالی ہوں گے یا عزت و آبرو سے متعلق اور دونوں صورتوں میں صاحب حق معلوم ہو گا یا نہیں؟ پس یہ کل چار صورتیں ہوئیں۔

☆ اول: حق مالی ہو اور صاحب حق معلوم ہو، اس صورت میں اس کا حق ادا کر دے اور اگر ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس سے معاف کرا لے۔

☆ دوم: حق مالی ہو اور صاحب حق معلوم نہ ہو، مثلاً کسی شخص سے کوئی چیز خریدی تھی، اس کے دام ادا نہیں کئے تھے اور وہ شخص کہیں غائب ہو گیا، اب اس کا کچھ اتا پتا نہیں چلتا یا وہ شخص فوت ہو چکا ہے اور اس کا کوئی وارث بھی معلوم نہیں تو اس صورت میں اتنی رقم اس کی طرف سے صدقہ کر دے۔

☆ سوئم: اگر حق غیر مالی ہو اور صاحب حق معلوم ہو مثلاً کسی کو مارا تھا یا اسے گالی دی تھی یا اس کی غیبت کی تھی یا اس کی تحقیر کی تھی تو اس سے معافی مانگنا ضروری ہے۔

☆ چہارم: اگر حق غیر مالی ہو اور اصحاب حقوق معلوم نہ ہوں یعنی یہ یاد نہیں کہ زندگی بھر کس کس کو ستایا، کس کس کی غیبتیں کیں وغیرہ وغیرہ تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اُن سب کے لئے دعا و استغفار کرتا رہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ و ندامت کے ساتھ یہ دعا کرتا رہے کہ:

”بارِ الٰہی! میرے ذمہ تیرے بہت سے بندوں کے حقوق ہیں اور میں ان کو ادا کرنے یا اصحابِ حقوق سے معافی مانگنے پر بھی قادر نہیں ہوں، یا اللہ! ان تمام لوگوں کو آپ اپنے خزانہ رحمت سے بدلہ عطا فرما کر ان کو مجھ سے راضی کرا دیجئے۔ (دنیا کی حقیقت)

حدیث مبارک سے استنباط:

۱) آج کی حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق العباد کا معاملہ ایک لحاظ سے حقوق اللہ سے زیادہ سنگین ہے۔ حقوق اللہ تو رب کریم اپنی رحمت سے معاف فرماتا رہتا ہے ہاں شرک ناقابل معافی جرم ہے اور جب تک بندہ شرک سے توبہ نہیں کرتا، آخرت میں سخت سزا کا مستحق رہتا ہے اور حقوق العباد میں جب تک بندوں سے اس دنیا میں معافی نہ حاصل کر لی جائے۔ اُس وقت تک معاملہ لٹکتا رہتا ہے اور روزِ جزا تک فیصلہ طول کھینچ جاتا ہے، اُس دن سوائے ندامت اور پشیمانی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

۲) ہمارے ملک میں حقوق و فرائض کتنے غصب ہو چکے ہیں اور روزانہ ہو رہے ہیں کہ اس کے لئے

عدالتیں بھری پڑی ہیں، اس میں زور و زر پر غلط فیصلے بھی ہوئے ہونگے اور روزانہ ہو رہے ہیں، اگر جانتے بوجھتے جج صاحبان صداقت کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں تو وہ مجرم ہوں گے اور اگر چرب زبان کے ساتھ جھوٹی شہادتوں سے لوگ اپنے حق میں فیصلہ لے جاتے ہیں تو پھر جھوٹے لوگ سزا کے مستحق ہوں گے۔

۳) بہرحال اللہ کے برگزیدہ فرشتے انسانوں کی ہر بات بلکہ ہر سانس نوٹ کر رہے ہیں اور روزِ جزا انہیں کھول دیا جائے گا۔

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾

(الزلزال:۷–۸)

’’پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا (دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا)۔‘‘

دعاء والتجاء:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ مِنَ الۡفَقۡرِ وَ اَعُوۡذُ بِكَ مِنَ الۡقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَ اَعُوۡذُبِكَ اَنۡ اَظۡلِمَ اَوۡ اُظۡلَمَ »

’’اے اللہ! میں محتاجی سے اور نیکی (میں کمزوری دکھانے) اور ذلت سے، نیز اس سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر کوئی ظلم کرے، آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔‘‘

توکل کا صحیح مفہوم

عَنۡ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ قَالَ: سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ يَقُوۡلُ: ’’لَوۡ اَنَّكُمۡ تَتَوَكَّلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمۡ كَمَا يَرۡزُقُ الطَّيۡرَ، تَغۡدُوۡ خِمَاصًا وَ تَرُوۡحُ بِطَانًا

[رواہ الترمذی۔ ریاض الصالحین، بابُ الیقین والتّوکل]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم اللہ پر بھروسہ کرو جیسا کہ بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح رزق دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس آتے ہیں

لغت:

تَتَوَ کَّلُوْنَ، تم سب بھروسہ کرتے ہو، صیغہ جمع مذکر مخاطب۔ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''توکل کے لفظی معنی بھروسہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کو کہتے ہیں، کسی کام کے کرنے میں اور نہ کرنے میں جھوٹے صوفیوں نے ترک عمل، اسباب و تدابیر سے بے پروائی اور خود کام نہ کر کے دوسروں کے سہارے جینے کا نام توکل رکھا ہے، حالانکہ توکل نام ہے کسی کام کو پورے ارادۂ و عزم اور تدبیر و کوشش کے ساتھ انجام دینے اور یہ یقین رکھنے کا کہ اگر اس کام میں بھلائی ہے تو اللہ تعالیٰ اِس میں ضرور ہی ہم کو کامیاب فرمائے گا۔''

(سیرت النبی، جلد پنجم)

تَغْدُوْ، (غَدَا، یَغْدُوْا، غُدُوًّا) صبح کو جانا، خِمَاصًا، خالی پیٹ ہونا، تَرُوْحُ (رَاحَ، یَرُوْحُ، رَوَاحًا) شام کے وقت آنا، بِطَانًا، یہ لفظ بَطَنٌ سے ہے، اس کے معنی پیٹ کے ہیں، بِطَانًا، بھرا ہوا پیٹ، پوری طرح سَیر،

تشریح:

جس طرح کہ پرندے صبح کے وقت خالی پیٹ ادھر ادھر پرواز کرتے ہیں اور تگ و دو سے رزق کی تلاش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں رزق بہم پہنچاتا ہے اور وہ بوقت شام فرحاں و شاداں اپنے گھونسلوں کو لوٹتے ہیں، اِسی طرح مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر میدان اور ہر موڑ پر محنت و مشقت سے کام لیں مگر بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کریں تو ان کی کامیابی یقینی ہو جائے گی۔ امن کی حالت ہو یا جنگ کی کیفیت، صحت و سلامتی ہو یا مرض اور بیماری ان کا بھروسہ صرف اور صرف خالقِ کائنات پر ہونا چاہیے۔

سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''توکل مسلمانوں کی کامیابی کا اہم راز ہے، حکم ہوتا ہے کہ جب لڑائی یا کوئی اور مشکل کام پیش آئے تو سب سے پہلے اس کے متعلق لوگوں سے مشورہ لے لو، مشورہ کے بعد جب رائے ایک نقطہ پر ٹھہر جائے تو اُس کے انجام دینے کا عزم کر لو اور اس عزم کے بعد کام کو پوری مستعدی اور تندہی کے ساتھ کرنا شروع کر دو اور اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھو کہ وہ تمہارے کام کا حسب خواہ نتیجہ پیدا کرے گا، اگر ایسا نتیجہ نہ نکلے تو اس کو اللہ کی حکمت و مصلحت اور مشیت سمجھو اور اس سے مایوس اور بودے نہ بنو اور جب نتیجہ خاطر خواہ نکلے، تو یہ غرور نہ ہو، کہ یہ

تمہاری تدبیر اور جدوجہد کا نتیجہ اور اثر ہے بلکہ یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل و کرم ہوا اور اُسی نے تم کو کامیاب اور بامراد کیا، سورۃ آل عمران میں ہے:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴾(ال عمرآن:۱۶۰)

''(اے نبیؐ) دینی معاملات ہوں (یا جنگی امور) ان (صحابہ کرام) سے مشورہ لیجیے، پھر جب آپ کا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کیجیے، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں، اللہ تمہاری مدد پر ہو، تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو؟ پس جو سچے مومن ہیں، ان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔''

اس آیہ مبارکہ نے توکل کی پوری اہمیت اور حقیقت ظاہر کر دی کہ توکل بے دست و پائی اور ترکِ عمل کا نہیں، بلکہ اس کا نام ہے کہ پورے عزم و ارادہ اور مستعدی سے کام کو انجام دینے کے ساتھ اثر اور نتیجہ کو اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ دیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اللہ مددگار ہے تو کوئی ہم کو ناکام نہیں کر سکتا اگر وہی نہ چاہے تو کسی کی کوشش اور مدد کارآمد نہیں ہو سکتی۔ (سیرت النبی، جلد: پنجم)

جب ہر طرف سے مشکلات و مصائب کا ہجوم ہو جائے اور ظاہری طور پر کسی جانب سے خلاصی اور نجات پانے کی راہ نہ رہے تو اُس وقت اللہ تعالیٰ پر توکل و یقین ہی بندہ مومن کو ساحلِ مراد سے ہمکنار کرتا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے (ہر طرف سے دشمن گھراؤ کیئے ہوئے تھا) تو کہا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلَ، (ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی حقیقی کارساز ہے) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگوں نے کہا ''تمہارے لئے لوگوں نے بڑا سامان اور تیاری کی ہے، اُن سے ڈرو تو اُن کا ایمان زیادہ ہو گیا، انہوں نے کہا:

((حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلَ)) (ریاض الصالحین، باب الیقین و التوکل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرما رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے گرد دشمنوں نے گھیرا ڈالا ہوا ہے۔ بوقت سحر اللہ توکل و یقین پر وہاں سے نکلے تو دشمن پر غنودگی طاری ہو چکی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخیر و عافیت ان کے گھیرے سے باہر آ چکے تھے، پھر ابوبکر صدیق کی رفاقت میں بڑھے تو پہلا پڑاؤ غار ثور میں ہوا۔ اپنی طرف سے اُسے پتھروں اور کنکریوں سے بند کیا گیا، ظاہراً تدبیر سے اسلام

نہیں روکتا مگر اصل بھروسہ اور یقین اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، اِدھر دشمن بھی تعاقب میں نکلا ہوا ہے، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے مشرکین کے قدم دیکھے، ہم غار میں تھے اور وہ ہمارے سروں پر، میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر ان میں سے ایک بھی اپنے قدم کے نیچے دیکھے تو ہمیں پالے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تم ایسے دو کے متعلق کیا گمان کرتے ہو جن کا تیسرا اللہ ہے۔

(بخاری، مسلم، ریاض الصالحین)

توکل ایک ایسا زاد راہ ہے جو بندہ مومن کو ہمیشہ اطمینان اور سکون مہیا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ متوکلین کو مایوسیوں اور پریشانیوں سے نکال کر آسانیوں اور راحتوں سے بہرہ ور فرماتا ہے۔

﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ (الطلاق:۳)

''جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اُس کیلئے کافی ہے (وہ اسے روزی کی تنگی اور مشکلات کی سختی سے نکالتا ہے)۔''

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکلتے تھے تو یہ کلمات ادا فرماتے تھے:

((بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ، أَوْ اَذِلَّ اَوْ اُذَلَّ اَوْ اُزَلَّ، اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَّى))

(ابوداؤد، ریاض الصالحین، باب، حوالہ ایضاً)

''شروع کیا میں نے اللہ کے نام سے اور میں نے اُسی پر بھروسہ کیا، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں، خود ڈگمگاؤں یا دوسروں کے ذریعے پھسلا دیا جاؤں، میں دوسروں پر ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، دوسروں کے ساتھ جہالت کروں یا میرے ساتھ جہالت کی جائے۔''

پھر رب کریم نے خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعا سے نوازا:

﴿ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴾

(التوبہ:۱۲۹)

(اگر عرب کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان دعوت سے منہ موڑ لیں) تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، میں نے اُسی پر توکل کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

سنن ابی داؤد میں بسند صحیح ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص ہر دن صبح و شام ''حَسْبِيَ

اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ" سات بار پڑھ لیا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلات کو آسان کر دے گا اور اُس کی حاجتوں کو پوری کرے گا۔

(بحوالہ تیسیر الرحمن، لبیان القرآن)

حدیث مبارکہ سے استنباط:

۱) توکل ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ مسلسل اور پیہم کوشش کر کے اللہ تعالیٰ پر یقین و اعتماد رکھنے کا نام ہے، کہ حقیقی کامیابی صرف اس کے یہاں سے ملتی ہے۔

۲) توکل ایمان کو توانا اور مضبوط بناتا ہے اور جب ایمان مضبوط ہوتا ہے تو، توکل کی صفت بھی اسی قدر مضبوط ہوتی ہے گویا کہ توکل اور ایمان کا گہرا تعلق ہے۔

۳) توکل سے سستی، بزدلی، پست ہمتی اور کمزوری ایسے رذائل ختم ہو جاتے ہیں، اس کے برعکس قوت، شجاعت دلیری اور مردانگی ایسی صفات پروان چڑھتی ہیں، کیونکہ بندہ مومن کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسے سے ہمیشہ کامیابی ہوتی ہے۔

۴) اس وقت عالم اسلام کے مسلمانوں کو سر جوڑ کر اپنے دشمنوں کے خلاف سینہ سپر ہو جانا چاہئے، اپنی عسکری قوتوں کو اکٹھا کر کے صرف اور صرف رب العزت پر توکل کرنے سے ان کی کامیابی یقینی ہو جائے گی۔

دعاء والتجاء:

« حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَ نِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ »

"ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔"

مسلمان اور مہاجر کی جامع تعریف

عَنۡ عَبۡدُ اللّٰهِ بۡنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُ عَنِ النَّبِىِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالۡمُهَاجِرُ مَنۡ هَاجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنۡهُ)) (رواہ البخاری و ابوداؤد)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسلمان وہ ہے جو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور مہاجر وہ ہے جو

ان باتوں سے دور رہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔"

لغت:

اَلْمُسْلِمُ اس کا مادہ (س ل م) اَلسَّلْمُ وَ السَّلَامَۃ کے معنی ظاہری اور باطنی آفات سے پاک اور محفوظ رہنے کے ہیں، قلب سلیم، ایسا دل جو دغا اور کھوٹ سے پاک ہو، اسلام، دین اسلام، کے معنی سلامتی میں آنے کے ہیں۔ پھر اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ہیں احکام الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کر دینا، جیسا کہ سورۃ بقرہ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے:

﴿ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ ، قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴾(۱۳۱)

"جب ان سے ان کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔"

اور مُسْلِم کے معنی مطیع اور فرمانبردار کے ہیں، احکام الٰہی کی اطاعت کرنے والا، حدیث مبارک کی روشنی میں معنی میں وسعت پیدا ہوگئی ہے۔

یعنی مسلم وہ شخص ہے جس کی زبان درازی اور دست درازی سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، السّلَامُ، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہ عیوب و نقائص سے پاک ہے اور مخلوق کو سلامتی عطا کرنے والا ہے، اور مسلمان جب آپس میں ملتے ہیں تو السَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں جس کا مفہوم ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو، سبحان اللہ! اسلام لانے کے بعد فضا ہر طرف سلامتی سے معمور ہو جاتی ہے۔

اَلْمُھَاجِرُ، ہجرت سے ہے، اس کے معنی ایک شہر یا جگہ کو ترک کر کے دوسرے شہر یا کسی دوسری جگہ جانے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں دارالخوف سے دارالامن کی طرف جانے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے قریش مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جانے کو بھی ہجرت ہی کہا جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی، حدیث مبارک نے ہجرت کے معنی میں مزید وسعت پیدا کر دی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن باتوں اور چیزوں سے منع فرما دیا ہے انہیں چھوڑنے اور ترک کر دینے کو بھی ہجرت کہا جاتا ہے۔

اَلْمُھَاجِر، ہجرت کرنے والا، اس کی جمع مُھَاجِرون ہے۔

تشریح:

جسم انسانی میں زبان اور ہاتھ دو ایسے اعضاء ہیں جن سے لڑائی جھگڑے اور فتنہ و فساد رونما ہوتے ہیں، زبان درازی سے ابتدا ہوتی ہے جو بڑھتے بڑھتے دست درازی تک پہنچ جاتی ہے، اگر یہ دونوں اعضاء قابو میں رہیں تو بہت سے فتنے اور فسادات نابود ہو سکتے ہیں بلکہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ نہ صرف افراد کے درمیان ہی بلکہ قوموں اور ملکوں کے درمیان بھی کبھی کوئی جنگ نہیں ہو سکتی ہے۔

اس زبان کو بے لگام چھوڑنے سے نہ معلوم کتنے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں...... کذب و دروغ گوئی، چغلی اور غیبت، کسی پر ناحق تہمت اور بہتان لگانا، جھوٹی شہادت اور غلط بیانی، ٹھٹھہ اور مذاق، کسی کی دِل آزاری اور رسوائی کرنا وغیرہ زبان ہی کے کارنامے ہیں، یہ تمام باتیں معاملات کو بگاڑنے اور معاشرتی زندگی کو برباد کرنے میں کتنا اہم رول ادا کرتی ہیں۔

اس لئے رسول اللہ ﷺ کی زریں نصیحت ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَصْمُتْ))

(متفق علیه۔ ریاض الصالحین، باب حفظ اللسان)

”جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔“

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں میں سب سے اچھا شخص کون ہے، ارشاد ہوا:

((مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ))

”وہ شخص جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“ (حوالہ ایضاً)

سفیانؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! آپ مجھے کوئی ایسی بات بتلایئے جس کو میں مضبوطی سے پکڑ لوں، آپ نے فرمایا:

((قُلْ رَبِّيَ اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ))

کہو میرا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہو۔“

میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! آپ کو میرے لئے سب سے زیادہ کس چیز کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔“ آپ ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک کو پکڑ کر فرمایا: ”اس سے فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهٖ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا“ (ترمذی۔ ریاض الصالحین، حوالہ ایضاً)

انگریزی زبان میں کہتے ہیں: If speech is silver, Silence is gold ''اگر (اچھا) بول چاندی ہے تو خاموشی سونا ہے۔''

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ خاموشی کے فوائد بولنے سے کہیں زیادہ ہیں بہت سے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ خاموش طبع انسان میں حکمت ودانائی پیدا ہوتی ہے جس سے اس کا دل نرم اور شاداب رہتا ہے اور زیادہ بولنے والا قساوتِ قلبی کا شکار ہو جاتا ہے، دیکھئے طبیب کامل ﷺ اس بات کو کیسے فرماتے ہیں:

((لَاتُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ: فَاِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ! وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِیْ))

(رواه الترمذی، ریاض الصالحین، حواله ایضاً)

''تم اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ بات نہ کیا کرو، (یاد رکھو) زیادہ بولنا دِل کو سخت کر دیتا ہے اور سخت دِل آدمی اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہوتا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ سلامتی اور عافیت کا راستہ خاموشی میں ہے، عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، پیارے رسول ﷺ سے دریافت کرتے ہیں: ''اے اللہ کے رسول ! کس بات سے نجات حاصل ہو سکتی ہے؟'' ارشاد ہوا:

((أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَ لْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلَى خَطِيْـَٔتِكَ))

(رواه الترمذی، ریاض الصالحین، حواله ایضاً)

''اپنی زبان کو روکو، (ادھر ادھر پھرنے کی بجائے) گھر تمہارے لئے کافی ہو اور اپنی خطاؤں پر (ندامت کے) آنسو بہایا کرو۔''

اللہ اکبر! آبِ زر سے لکھی جانے والی کیا عمدہ نصائح ہیں!

دراصل زبان کی سلامتی سے دوسرے اعضاء و جوارح بھی صحیح و سالم رہتے ہیں، زبان ہی خیر یا شر کو کھولنے کا ذریعہ بنتی ہے، اِس حقیقت کو رسول اللہ ﷺ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

((اِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَاِنَّ أَلْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ تَقُوْلُ: اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّمَا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ، اَعْوَجَجْنَا)) (رواه الترمذی، ریاض الصالحین)

''ہر صبح کو انسان کے تمام اعضا زبان کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ سے ہمارے بارے میں ڈر، اگر تو سیدھی ہے تو ہم بھی سیدھے ہیں، اگر تو ٹیڑھی ہے، تو ہم بھی

ٹیڑھے ہیں۔"

یہ زبان جھوٹ اور غیبت سے بھی نہیں چوکتی ہے، جونہی خواتین و حضرات کہیں اکٹھے ہوتے ہیں۔ خصوصاً خوشی غمی کے مواقع پر، تو یہ لمحات برائے عبرت و نصیحت کے، دوسروں کی بُرائی بیان کرنے اور غیبت میں صرف ہونے لگتے ہیں۔ جھوٹ سے متعلق سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دائرہ بہت وسیع ہے، وہ دنیا کے ذرہ ذرہ کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی رحمت کی چھاؤں میں ساری کائنات آرام کر رہی ہے، مگر رحمتِ الٰہی کے اس گھنے سایہ سے باہر وہ شخص ہے جس کا منہ جھوٹ کی بادِ سموم سے جھلس رہا ہے۔

اسلام کی لغت کا سخت ترین لفظ "لعنت" ہے، اس کے معنی اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی" کے ہیں، قرآن پاک میں اس کا مستحق شیطان بتایا گیا ہے اور اس کے بعد یہودیوں، کافروں اور منافقوں کو اس کی وعید سنائی گئی ہے، لیکن کسی مومن کو کذب (جھوٹ) کے سوا اس کے کسی فعل کی بنا پر لعنت سے یاد نہیں کیا گیا۔ (سیرت النبی، جلد ششم)

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴾ (المومن:۲۸)

"بیشک اللہ اُس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ جھوٹا ہے۔"

کون شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو رہا ہے جس نے جھوٹ کو اپنی زندگی کا وطیرہ بنا لیا ہے، اسی طرح غیبت سے بھی زبان پر انمٹ داغ لگ جاتا ہے، غیبت کیا ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس بات کو اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے بھائی کو ایسی بات کہو جو اسے ناپسند ہو، کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں نے وہی بات کہی جو میرے بھائی میں موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی تو غیبت ہے، اگر وہ بات نہیں ہے جو تم کہتے ہو تو یہ بہتان ہوگا۔" (مسلم، ریاض الصالحین)

قرآن حکیم میں غیبت کی مذمت اس طرح کی گئی ہے۔

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ﴾ (الحجرات:۱۲)

"تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اِس سے تم ضرور نفرت کرو گے۔"

غیبت کے لئے انگریزی میں بڑا جاندار لفظ (Back-Bite) ہے یعنی پشت سے کاٹنا، ظاہر ہے کہ اچانک کسی کی پشت پر کاٹنا کتنا نقصان دہ ہوسکتا ہے، ان احادیث پر بھی غور کر لیجئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! پس صفیہ رضی اللہ عنہا (ام المومنین) تو اتنی ہی ہیں (یعنی پَستِ قد) آپ نے فرمایا تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں ملائی جائے تو اس کا بھی پانی تلخ ہو جائے۔ (ابوداؤد۔ ریاض الصالحین)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں معراج کو گیا تو ایک ایسی قوم پر میرا گزر ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے، اور ناخن سے منہ اور سینوں کو کھرچتے تھے میں نے کہا اے جبریل علیہ السلام یہ کون ہیں؟ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی غیبت کرتے تھے اور پس پشت ان کی آبروریزی کرتے تھے) [ریاض الصالحین، ابوداؤد]

حدیث مبارک سے استنباط:

۱) انسان اور حیوان میں نمایاں فرق ہے......شکل وصورت میں عقل وفکر میں، بود و باش میں اور کھانے پینے میں۔اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ زبان و بیان اور قول وفعل میں بھی اپنے آپ کو نمایاں کرے۔

۲) اس کائنات میں انسان بحیثیت مجموعی اشرف المخلوقات ہے، مگر ایک مسلمان کی حیثیت سے اُس کی ذمہ داری کہیں بڑھ جاتی ہے، کیونکہ وہ احکام الٰہی کا پابند ہوتا ہے۔

۳) ہماری معاشرتی زندگی تہہ و بالا ہو چکی ہے، ہمارے گھروں کا سکون اور امن غارت ہو چکا ہے، اس کی بڑی وجہ آپس میں زبان درازیاں ہیں اور پھر اس سے بڑھ کر دست درازیاں ہیں۔

۴) ہماری گفتگو کا ہر ہر لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے۔ٹیپ ریکارڈر نے گفتگو محفوظ کرنے کی دلیل فراہم کر دی ہے۔سورہ 'ق' میں اس طرح آتا ہے "کوئی لفظ (انسان) کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لئے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔ (ترجمہ:۱۸)

۵) یہ زندگی عارضی اور ناپائیدار ہے، عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ابدی اور لازوال زندگی کے لئے کوئی اچھے اعمال سرانجام دیتے جائیں۔

دعاء والتجاء:

« رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا »

''اے میرے رب! مجھ کو جہاں بھی آپ لے جائیں سچائی کے ساتھ لے جائیں اور جہاں سے بھی نکالیں سچائی کے ساتھ نکالیں اور مجھے ایسا اقتدار عطا کیجیے جو (آپ کیحکومت قائم کرنے میں) مددگار ثابت ہو۔''

گناہوں کے اثرات اور ان کا ازالہ

عَنْ أَبی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ ''اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ کَانَتْ نُکْتَةٌ سُودَاءُ فِیْ قَلْبِهٖ، فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ، وَاِنْ زَادَ، زَادَتْ حَتّٰی تَعْلُوْ قَلْبَهٗ، فَذٰلِکُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَاللّٰهُ تَعَالٰی (کَلَّا، بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ)''

(رواه احمد...... مشکوٰة بابُ الاستغفار والتّوبه)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومن جب گناہ کرتا ہےتو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور گناہ چھوڑ دیتا ہےتو وہ سیاہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے، (پھر سے صاف ستھرا ہوجاتا ہے) اور اگر وہ (توبہ نہیں کرتا ہے) اور گناہوں میں اضافہ ہوتا ہےتو سیاہ نقطوں میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے تا آنکہ اس کا دل خاک سیاہ ہو جاتا ہے اور یہی وہ سیاہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ان کے دلوں پر انہی کے اعمال کے زنگ پھیل گئے ہیں''

(سورة المطففين: ١٤)

لغت:

(اَذْنَبَ، یُذْنِبُ) گناہ کرنا، غلطی کرنا، اس کا مادہ (ذ ن ب) ہے الذّنْبُ کے اصل معنی کسی چیز کی دم پکڑنا کے ہیں، کہا جاتا ہے۔ ذَنَبْتُهٗ، میں نے اُس کی دُم پر مارا، دُم کے اعتبار سے ہر اس فعل کو جس کا انجام برا ہو اسے ذَنْبٌ کہا جاتا ہے، اسی بناء پر انجام کے اعتبار سے گناہ کو تِبْعَةٌ بھی کہتے ہیں۔ (مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی)

حقیقت میں گناہ وہ ہے جو قرآن و حدیث کی نظر میں ممنوع ہو جسے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہو۔

تَابَ۔ اس نے توبہ کی (تابَ، یَتُوبُ، تَوْبَةً) توبہ کرنا گناہ پر نادم و پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اس کے حضور معافی مانگنا۔

توبہ کا صلہ اگر حرف اِلی ہو تو اس کے معنی اِنابت یا اللہ کی طرف لوٹنے کے ہوتے ہیں، قرآن حکیم میں: ﴿ وَتُوْبُوْ اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ (النور: ۱۳) ''اور تم سب اللہ کی طرف لوٹو۔''

اور اگر لفظ تَابَ کا فاعل اللہ ہو تو اُس کے معنی اللہ تعالیٰ کے کرم و بخشش کی ارزانیاں ہوتی ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَار ﴾ (توبہ: ۱۱۷)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے نبیؐ پر اور مہاجرین اور انصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی۔''

انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں توّاب بھی ہے۔ یعنی اس کا کوئی بندہ جب گناہ کی زندگی کو ترک کر کے اللہ کی جانب بڑھتا اور نیکیوں کو اپنا لینے کا قصد کرتا ہے تو اللہ کی رحمتیں جوش میں آ جاتی ہیں اور اس کی قدم قدم پر رہنمائی کرتی ہیں۔ (لسان القرآن، مولانا محمد حنیف ندویؒ)

اِسْتَغْفَرَ، اس نے اللہ تعالیٰ سے (اپنے گناہوں کی) معافی چاہی (اِسْتَغْفَرَ، یَسْتَغْفِرُ، اِسْتِغْفَارٌ) بخشش و مغفرت کا طلبگار ہونا، گویا توبہ میں بندہ اپنے گناہوں پر شرمندہ اور شرمسار ہوتا ہے اور نیک راہ پر چلنے کا عزم کرتا ہے جبکہ استغفار میں اس کی بخشش و مغفرت کو زبان سے طلب بھی کرتا ہے، ان دونوں باتوں کا اظہار اس طرح ہوتا ہے:

((اَسْتَغْفِرُ اللّٰه الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ)) (حصن حصین)

''میں بخشش چاہتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا (آسمان و زمین) کو قائم رکھنے والا ہے، میں اسی کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

نُكْتَةٌ سُوْدَاءُ، سیاہ نقطہ، اَسْوَدُ، سیاہ اور اس کا مؤنث سوداءُ، نقطہ، چونکہ مونث ہے اس لئے اس کی صفت سوداء بھی مونث آتی ہے، عربی میں صفت، موصوف برابر رہتے ہیں یعنی موصوف اگر مذکر ہے تو صفت بھی مذکر ہو گی اور اگر موصوف مونث ہے تو اس کی صفت بھی مونث ہو گی۔ صُقِلَ، صاف کیا گیا، فعل ماضی مجہول، (صَقَلَ، یَصْقُلُ، صَقْلًا) صاف کرنا (زنگ اتارنا) پالش کرنا، چمکانا، جیسا کہ صقل المِرْأَةَ آئینہ صاف کرنا، صقل الْكَلَام، بات کو آراستہ و شائستہ بنا کر پیش کرنا تَعْلُوَ، بلند ہونا، چھا جانا (عَلَا، یَعْلُوْ، عُلُوًّا) بلند ہونا تَعْلُوَ قَلْبَهٗ، گناہوں کی زیادتی دِل پر چھا جاتی ہے (یعنی وہ خاک

سیاہ ہو جاتا ہے) رَانَ، زنگ، امام راغب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''الرَّین، اس زنگ کو کہتے ہیں جو کسی صاف چیز پر لگ جائے قرآن حکیم میں: ﴿كَلَّا، بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ ''نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ان کے دلوں میں زنگ بیٹھ گیا ہے۔'' یعنی ان کے مجلّیٰ قلوب پر زنگ بیٹھ گیا ہے جس کی وجہ سے وہ خیر وشرّ میں تمیز نہیں کر سکتے۔'' (مفردات القرآن)

تشریح:

یہ روز مرہ کے مشاہدہ کی بات ہے کہ اُجلے اور سفید لباس پر کوئی داغ دھبہ لگ جائے تو وہ کیسا بدنما معلوم ہونے لگتا ہے، اسے صابن اور پانی سے صاف کیجئے تو لباس کی پھر سے خوشنمائی ظاہر ہو جاتی ہے، اگر پروا نہ کریں تو پھر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ سفید لباس اپنی شناخت تک کھو بیٹھتا ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیت بندہ مومن کی ہے، اس کا دل بھی مثل آئینہ کے روشن و شفاف ہوتا ہے...... جونہی اس سے کوئی خطا ہو جائے یا کوئی گناہ سرزد ہو تو اُس کے آئینہ دل پر داغ پڑ جاتا ہے۔ جس کا اسے فوراً احساس ہوتا ہے اور اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑتا ہے۔ پھر وہ اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع کرتا ہے اور توبہ کے ساتھ ندامت کے آنسو بھی بہہ نکلتے ہیں تو رحمت الٰہی سے وہ نکھر کر صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾

(النساء: ۱۱۰)

''اور جو شخص کوئی برائی کر بیٹھے یا اپنے نفس پر کوئی ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہو، تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔''

اور پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدق دل سے توبہ کرنے والے کو یہ خوشخبری بھی سنائی ہے:

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ))

''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا کہ کبھی اس سے کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔''

یہ ان لوگوں کا معاملہ ہے جو گناہوں کو جمع ہونے کا موقع ہی نہیں دیتے بلکہ رب تعالیٰ سے معافی مانگتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کی خطائیں جھڑتی رہتی ہیں، اس کے برعکس وہ لوگ جو گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں، نہ تو اپنے کئے پر انہیں کوئی ندامت وشرمساری ہوتی ہے اور نہ ہی توبہ و انابت کی طرف اُن کا قدم بڑھتا ہے تو ایسے لوگوں کے دل گناہوں کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان

سے فہم وشعور اور عقل وفکر بھی رخصت ہو جاتی ہے یعنی ان کے دلوں پر اُن کے اعمال کا ہی زنگ پھیل جاتا ہے اور جب اس زنگ کی تہہ بڑھتی جاتی ہے تو اس وقت کوئی شخص بصارت رکھنے کے باوجود بصیرت سے تہی دامن ہو جاتا ہے، اس میں نیکی اور بدی کا شعور جاتا رہتا ہے، کھرے اور کھوٹے کی تمیز چھن جاتی ہے۔ برے اور بھلے کی شناخت ختم ہو جاتی ہے، شرم و حیا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور یہ محرومی بہت بڑے نقصان کا پتہ دیتی ہے۔

﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ ﴾

(الحج:٤٦)

”بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔“

افراد ہوں یا قومیں گناہوں کی وجہ سے نہ صرف عقل وبصیرت سے محروم ہو جاتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے رزق میں خیر و برکت بھی اٹھ جاتی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے۔

” اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحۡرَمُ الرِزۡقَ بِالذَّنۡبِ يُصِيۡبُهٗ “ (المسند الجواب الكافى ابن قيم)

سیدنا نوح علیہ السلام کفر وشرک میں ڈوبی ہوئی باغی اور نافرمان قوم کو خطاب کرتے ہیں:

﴿ اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا ۙ وَّيُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا ؕ ﴾

(نوح: ۱۰ تا ۱۲)

”(اے قوم) اپنے رب سے معافی مانگو، بلاشبہ وہ بڑا ہی معاف کرنے والا ہے، وہ تمہیں باران رحمت سے نوازے گا، تمہارے مال اور اولاد میں برکت دے گا۔ تمہاری کھیتی باڑی پھلے پھولے گی اور تمہاری نہروں میں پانی جاری وساری فرما دے گا۔“

سبحان اللہ! سچی توبہ و استغفار سے معاشی اور معاشرتی مسائل کے لگے ہوئے انبار حل ہو جاتے ہیں، گھروں اور بستیوں کی رونق بحال ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس اگر افراد اور قومیں گناہوں پر مصر رہیں، ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے فسق و فجور میں مبتلا رہیں تو فقر و فاقہ کے ساتھ کم ہمتی اور بزدلی بھی در آتی ہے، اور دشمن للچائی نظروں کے ساتھ ان کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يُوۡشِكُ الۡاُمَمُ اَنۡ تَدَاعٰى عَلَيۡكُمۡ كَمَا تَدَاعَى الۡاَكِلَةُ اِلٰى قَصۡعَتِهَا، فَقَالَ قَائِلٌ:

وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: "بل اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ، كَثِيْرٌ، وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءَ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلُيَنْزَعَنَّ اللّٰه مِنْ صُدُورِ عُدُوِّكُمُ الْمُهَابة مِنْكُمْ، وَ لُيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ" قَالَ قَائِلٌ: يَارَسُولَ اللّٰهِ (ا)! وَمَا الْوَهْنُ؟ قَال، "حُبُّ الدنيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ

(رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ باب تغیر الناس)

''عنقریب (ایک وقت ایسا آئے گا) کہ دنیا کی قومیں تم پر ہرطرف سے ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کہ بھوکے کھانے کے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، صحابیؓ نے پوچھا ''کیا اُس وقت ہماری تعداد تھوڑی ہوگی؟ ارشاد ہوا، نہیں بلکہ اُس وقت تم تعداد میں بہت زیادہ ہو گے مگر تمہاری حالت سیلاب کے خس و خاشاک جیسی ہوگی، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اور دبدبہ اٹھا دے گا اور وہ تمہارے دلوں میں ''وھن'' پیدا فرمائے گا۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ، وھن کیا ہے؟ فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت سے ڈر۔''

آج امت مسلمہ کی حالت زار انتہائی قابل رحم ہے اس کا فہم وشعور رخصت ہو چکا ہے، اِس وقت ہم سب معصیت کا شکار ہیں، سب سے بڑی معصیت یہ ہے کہ ہم میں اتفاق و اتحاد نہیں ہے، دولت بھی ہے، نفری بھی ہے، مگر کیا کیجئے زندگی کا سلیقہ اور قرینہ نہیں ہے، شاعر کے ہم زباں ہوکر آنسو بہا رہا ہوں۔

کون ہے تارکِ آئین رسول مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار؟
ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار؟

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

ظالم و غاصب امریکہ نے گزشتہ سال افغانی مسلمانوں پر بے انتہا بارود گرایا تھا، اب وہ عراق پر بلا جواز گرا رہا ہے، ہائے افسوس امت مسلمہ اس وقت تماشائی بنی ہوئی ہے۔

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

دعاء و التجاء:

«رَبِّ اِنِّیُ ظَلَمُتُ نَفُسِیُ فَاغُفِرُلِیُ»

''اے میرے رب! بے شک میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، پس آپ مجھے (اپنی رحمت سے) بخش دیجیے۔''

مسلمان خائن نہیں ہوتا ہے

وَعَنُ أَبِیُ هُرَیُرَة رَضِیَ اللّٰهُ عَنُهُ أَنَّ رَسُوُلَ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلیهِ وَسَلَّمُ قَالَ: ''مَنُ حَمَلَ عَلَیُنَا السِّلَاحَ فَلَیُسَ مِنَّا، وَمَنُ غَشَّنَا فَلَیُسَ مِنَّا'' وَ فِیُ رِوَایَةٍ لَهٗ أَنَّ رَسُوُلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمُ مَرَّ عَلٰی صُبُرَةِ طَعَامٍ فَأَدُخَلَ یَدَهُ فِیُهَا فَنَالَتُ أَصَابِعُهُ بَلَلاً، فَقَالَ: ''مَاهٰذا یَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟'' قَالَ أَصَابَتُهُ السَّمَاءُ یَا رَسُوُلَ اللّٰهِ قَالَ: ''أَفَلَا جَعَلُتَهُ فَوُقَ الطَّعَامِ حَتّٰی یَرَاهُ النَّاسُ! مَنُ غَشَّنَا فَلَیُسَ مِنَّا''

(رواہ مسلم۔ ریاض الصالحین باب النھی عن الغشِّ والخداعِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جس نے ہم سے دغا بازی کی وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر غلہ کے ایک ڈھیر سے ہوا تو اسے دست مبارک سے دیکھا بھالا، آپ ﷺ کی انگلیاں تر ہو گئیں، آپ ﷺ نے اس کے مالک سے کہا، ایسا کیونکر ہے؟ اُس نے عرض کی کہ بارش ہو گئی تھی اس لئے بھیگ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر اس بھیگے ہوئے کو اوپر کیوں نہ کر دیا کہ لوگ دیکھ لیتے (اور دھوکہ نہ کھاتے) پھر ارشاد فرمایا: جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے

لغت:

السِّلَاحَ، جمع أَسُلِحَة، ہتھیار، فوج کا ایک حصہ سِلَاحُ الُجَوِّیّ، ایئر فورس، ہوائی فوج،

سِلَاحُ البَحرِیّۃ، بحری بیڑہ، سِلَاحُ الفُرسَان، گھوڑ سوار فوج۔ پرانے زمانے میں اگر تیر و تفنگ اسلحہ تھا تو آج کل توپ اور ٹینک وغیرہ اسلحہ کہلائے گا۔

الْغِشَّ، دھوکہ، فریب، کینہ، خیانت، اس کے فعل غَشَّ یَغُشُّ، دھوکہ دینا، فریب دینا، یہ زبان سے بھی ہوسکتا ہے اور معاملات میں بھی، معاشی میدان میں بھی اور سیاسی دائرہ کار میں بھی "فَلَیْسَ مِنَّا" ہم میں سے نہیں ہے، اس کا تعلق مسلم معاشرے سے نہیں ہے۔

الصُّبرَۃَ، غلہ کا ڈھیر۔ بَلَلًا، تری، گیلا پن، اِبْتَلَّ، تر ہونا۔

تشریح:

مسلمان اپنے حسنِ اخلاق اور پاکیزہ کردار سے جانا پہچانا جاتا ہے، اُس کی گفتگو، اُس کی نقل و حرکت، اس کے عہد و پیمان، اس کا رویہ اور معاملات دوسروں کے ساتھ دیانتدارانہ اور مثالی ہوتا ہے، جہاں وہ اپنے رب کی بندگی کرتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ رب کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے، نماز ادا کرتا ہے تو پڑوسیوں کے حقوق کا خیال بھی رکھتا ہے، تسبیح و مناجات کے لئے وقت نکالتا ہے تو یتیموں اور بیواؤں کی خدمت بھی پیش نظر رہتی ہے، رزق حلال کے حصول میں تگ و دو کرتا ہے تو انفاق فی سبیل اللہ کی تمنا بھی رکھتا ہے، علم کی جستجو کرتا ہے تو اسے پھیلانے کی تڑپ بھی رکھتا ہے گویا کہ اُس کی کتابِ زندگی کا ہر ورق رضائے الٰہی سے مزین ہوتا ہے

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان

اسلام نے ایسی تمام باتوں سے منع کیا ہے کہ جس سے مسلمانوں کو تکلیف و اذیت دینا تو کجا، دل آزاری تک بھی ہو، ذرا ان احادیث پر غور کیجئے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مسجد کے پاس سے ایک شخص تیر لے کر گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کی نوکیں تھام لو۔" (بخاری، کتاب الفتن)

مقصد یہ تھا کہ تیر کی نوک نہ کسی کو لگے اور نہ ہی کھلا دیکھ کر کسی کے دل میں کوئی خیال پیدا ہو۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ہماری مسجد یا ہمارے بازار میں سے تیر لے کر گزرے تو وہ اس کی نوک تھام لے یا یوں فرمایا کہ اس پر اپنی ہتھیلی رکھ لے، ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اس سے (جسمانی یا روحانی) اذیت پہنچے۔ (بخاری، کتاب الفتن)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر امت مسلمہ کو جو بہت سی نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک

یہ بھی تھی۔

”لَا تَرۡجِعُوۡا بَعۡدِیۡ کُفَّارًا یَضۡرِبُ بَعۡضُکُمۡ رِقَابَ بَعۡضٍ“

دیکھو! میرے بعد کہیں ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔ (حوالہ ایضا)

اور قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡہَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ لَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا ﴾ (النساء:۹۳)

”اور جو شخص کسی مومن کو قصداً مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا، اللہ کا اس پر غضب ہو گا، اُس پر وہ لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

”ایک مومن کا قتل عمد شدید ترین جرم ہے، یہاں اس کی سزا جہنم میں ہمیشگی، غضب الٰہی، اس کی لعنت اور عذاب عظیم بتائی گئی ہے، اتنی شدید سزائیں کسی اور گناہ کے لئے ذکر نہیں کی گئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی توبہ کی قبولیت کے بھی قائل نہ تھے، گناہ کی شدت کا اندازہ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں شرک کی مذمت کے فوراً بعد ایک مومن کے قتل عمد کا ذکر کیا ہے، جیسے: ”(عبادالرحمٰن) اللہ کے ساتھ کسی اور اِلٰہ کو نہیں پکارتے نہ ہی اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں۔“ (الفرقان:۶۸)

حدیث مبارک سے استنباط

۱) کسی مسلمان پر بلا جواز ہتھیار اٹھانے والا یا دھوکہ دینے والا اسلامی معاشرے کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے، وہ اپنے آپ کو خواہ کچھ ہی خیال کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی سزا لکھ دی جاتی ہے اور جتنا بڑا جرم ہو گا اسی حساب سے سزا بھی بڑی ہو گی، اور کسی کی ناحق جان لینے والے تو بدترین سزا کے مستحق ہوں گے۔

۲) اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی حکومتیں، اگر جرائم کا سدباب نہ کریں اور مجرموں کو تعزیرات اسلامی کے تحت سزائیں نہ دیں تو وہ بھی روز جزا مجرمین کی صف میں کھڑی کر دی جائیں گی۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ مِنَ الۡجُوۡعِ فَاِنَّہٗ بِئۡسَ الضَّجِیۡعُ وَ اَعُوۡذُبِكَ مِنَ الۡخِیَانَۃِ فَاِنَّہٗ

بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ »

''اے اللہ! میں بھوک سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں پس یہ بھوک بہت ہی برا ساتھی ہے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں خیانت سے کیونکہ وہ بری عادت ہے۔''

حسنِ اسلام

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ ''مِنْ حُسْنِ اِسلامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ'' (ترمذی۔ اربعین نووی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جس بات سے اسے سروکار نہ ہو اسے چھوڑ دے۔''

مسلمان کا (اللہ تعالیٰ کا مطیع ورفرمانبردار) بندہ ہونا یقیناً خوش بختی اور سعادت مندی کی دلیل ہے اور اسلام (اطاعت اور فرمانبرداری) کا راستہ لاریب فلاح و کامرانی کی ضمانت ہے۔ اِس حدیث مبارکہ میں ایک مسلمان کو یہ نصیحت کی جا رہی ہے کہ اِس دین حنیف کو قبول کرنے کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ ہر لایعنی بات اور تمام بیکار اشغال سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے اور زندگی کو ہر لحاظ سے قیمتی اور کارآمد بنائے۔ ایسے علم کا حصول جس کا دینی یا دنیاوی لحاظ سے کوئی فائدہ نہ ہو، ایسے دوستوں کی رفاقت جس سے کوئی روحانی اور علمی فیض نہ ملے، ایسی ملازمت یا تجارت جس میں جھوٹ اور فریب ہو، ایسی گفتگو جس میں دوسروں کی غیبت اور برائی ہو، ایسی تمام باتیں یقیناً اچھے اخلاق کے منافی ہیں اور ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ان لغویات سے کنارا کش رہے، قرآن حکیم فصاحت و بلاغت اور ادب و اخلاق کا بے مثل شاہکار (Master piece) ہے، کیوں نہ ہو کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔ ایک چھوٹے سے جملے میں ابرار و صالحین کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴾ (الفرقان: ۷۲)

''اور جب ان کا بیہودہ (لایعنی) چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں۔''

مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں:

''یعنی نظریں نیچی کیے ہوئے سلامت روی کے ساتھ اِن بیہودگیوں سے گزر جاتے ہیں، نہ

ان لا یعنی مشاغل کی طرف مشغول ہوتے ہیں، نہ عاصیوں کی تحقیر کر کے اپنا کبر ظاہر کرتے ہیں۔" (تفسیر ماجدی، ج:۲)

اس کائنات رنگ و بو میں انسان رتبے کے لحاظ سے یقیناً اشرف ہے اور انسانوں میں مسلمان کی حیثیت گل سرسبد کی سی ہے۔ اُسے اللہ کا مقرب بندہ ہونا چاہیے، ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اسلام سے احسان کے درجے تک پہنچائے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس استحضار کے ساتھ کرے گویا کہ وہ دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ خیال کر لے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو لازماً وہ کوئی کام ایسا نہ کرے گا جس میں اس کے خالق و مالک کی ناراضگی ہو۔

اس بات کی تربیت دینے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں صحابہ کرام کو اس طرح سمجھایا:

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ایک دن تشریف فرما تھے تو آپ ﷺ ان سے گویا ہوئے: "اِستحیُوا من اللّٰہِ حق الحیَاءِ" اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کا حق ادا کرو۔ انہوں نے عرض کیا "اِنَّا نَستَحیِی مِنَ اللّٰہِ یا نَبِیَّ اللّٰہ والحَمدُ لِلّٰہِ" اے اللہ کے نبی! ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں اوراس بات پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا

"لَیسَ ذٰلِكَ، وَلٰکِنُ مَنِ اسۡتَحیٰ مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الۡحَیَاءِ، فَلۡیَحۡفَظِ الرَّأسَ وَ مَا حوَی، وَ لِیَحۡفَظِ الۡبَطۡنَ وَمَا حَوَی، وَلۡیَذۡکِرِ الۡمَوۡتَ وَالۡبَلٰی، وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ تَرَكَ زِیۡنَةَ الدُّنۡیَا، فَمَنۡ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدۡ اسۡتَحیٰ مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الۡحَیَاءِ"

(مشکوٰۃ۔ باب تمنی الموت و ذکرہ)

"بات یوں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سے حقیقی طور پر حیا کرنے والا وہ ہے جو اپنے سَر کو اور دماغ کو (غلط اور بیکار) خیالات سے محفوظ رکھے، اپنے پیٹ میں (حرام اورناجائز اشیاء) جانے والی چیزوں سے حفاظت کرے اور وہ ہمہ وقت موت اور آزمائش کو یاد رکھے، (سچ تو یہ ہے) جو آخرت کا طلبگار ہوتا ہے وہ دنیا کی زیب و زینت کو چھوڑ دیتا ہے اور جس نے اس بات کو اختیار کرلیا اس نے اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کا حق ادا کر دیا۔ جس قدر کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف جاگزیں ہوتا ہے اور اُس کے حضور اپنے اعمالِ زندگی کیلئے جوابدہ ہونے کا ڈر سمایا رہتا ہے۔ اسی قدر وہ شرم و حیا سے زندگی گزارتا ہے اور ہر وقت اسے اپنی موت کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔

کچھ خبر بھی ہے تجھے اے تشنہ کامِ زندگی
ہو چکا پُر اب چھلکنے کو ہے جامِ زندگی
جو تجھے کرنا ہے کر لے آخری سانسیں ہیں اب
بھیس میں اس صبح پیری کے ہے شامِ زندگی

جب خوف و حیا ہی نہ رہے تو پھر انسان آزاد ہے کہ جو جی میں آئے کرے، لِسان نبوت سے اس بات کو اس طرح ادا کیا گیا ہے:

"اِنَّ مِمَّا اَدُرَکَ النَّاسُ مِنُ کَلَامِ النُبُوَّةِ الْاُوْلٰی: اِذَا لَمُ تَسُتَحِ فَاصُنَعُ مَاشِئُتَ"

[رواہ البخاری، ریاض الصالحین باب احادیث الرجال و اشراط الساعة]

''جو بات اگلے کلامِ نبوت سے لوگوں نے پائی ہے وہ یہ ہے کہ جب تم کو شرم نہ آئے تو جو جی چاہے کرو۔''

ہم لا یعنی گفتگو اور بے مقصد امور میں مبتلا کیوں ہو جاتے ہیں؟اس کا جواب واضح ہے کہ ہمارے اندر نہ تو شرم و حیا کی حقیقت جاگزیں ہوتی ہے اور نہ ہی فکرِ آخرت دامن گیر ہوتا ہے۔

اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کی زندگیاں تقویٰ وطہارت سے عبارت تھیں۔

ایک صحابیؓ کے مرضِ وفات کے وقت کچھ لوگ اُن کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اُن کا چہرہ اطمینان و آسودگی سے دمک رہا ہے، لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا ''دو عادتوں سے زیادہ میرے پاس کوئی مضبوط عمل نہیں ہے، ایک تو یہ کہ میں اس چیز کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا تھا جس کا مجھ سے سروکار نہ ہو، دوسرے یہ کہ میرا دِل تمام مسلمانوں کی طرف سے صاف اور ان کی خیر خواہی سے لبریز رہتا تھا۔

حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا: ابھی تمہارے پاس جو سب سے پہلا شخص آئے گا (چند لوگوں کو آتے ہوئے دیکھ کر) وہ جنتیوں میں سے ہو گا، اتنے میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آ گئے، لوگوں نے ان کے پاس جا کر یہ خوشخبری سنائی اور کہا کہ ہمیں اپنا سب سے زیادہ قابل بھروسہ عمل بتائیے، انہوں نے کہا ''میرا عمل کمزور ہے اور جس عمل کے ذریعے مجھے نجات کی سب سے زیادہ امید ہے، وہ ہے: دل کو صاف ستھرا اور ہمدرد رکھنا اور جس چیز کا مجھ سے سروکار نہ ہو اُسے چھوڑ دینا۔'' (جامع العلوم والحکمة۔ ابن رجب حنبلی)

رب کریم نے یہ بات کتنے خوبصورت الفاظ میں اپنے بندوں کو سمجھا دی ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ ، كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلًا﴾ (بنی اسرائیل: ٣٦)

”(اور دیکھو) کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ، کان اور دِل سب ہی کی باز پرس ہوگی۔“

غرضیکہ زندگی کو ایسے ہی اعمال سے زینت دینی چاہیے جن کا دنیا و آخرت میں فائدہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس بات کی طلب رکھنی چاہئے اور ایسے تمام امور سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے جو فائدہ سے خالی ہوں:

دعاء و التجاء:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَ مِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَ مِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا»

”اے اللہ! اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جو آپ سے نہ ڈرے اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ ہو، میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔“

تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى

[متفق عليه ......مشكوة باب الشّفقةِ والرّحمة على الخلق]

”نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم مسلمانوں کو ان کی باہمی رحمدلی، شفقت و محبت، ہمدردی و غمخواری میں ایک جسم کی مانند دیکھو گے، ان کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو بخار اور بیداری سے پورا جسم بے قرار ہو جاتا ہے۔“

لغت:

تراحم، تواد، تعاطف اور تداعی یہ سب الفاظ باب تفاعل سے آئے ہیں، ان سے

(مشارکت) یعنی ایک دوسرے کے معین و مدد گار ہونے کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

تَرَاحم۔ ایک دوسرے پر رحم کرنا جبکہ قرآن حکیم میں آتا ہے، رحماء بینھم، کہ وہ آپس میں رحمدل ہوتے ہیں 'توادّ' ایک دوسرے سے انس اور محبت رکھنا۔ 'تعاطف' ایک دوسرے سے ہمدردی و غمخواری کا اظہار کرنا۔ تداعی، ایک دوسرے کو پکارنا (یعنی جسم کا ایک حصہ بیمار ہوتا ہے) تو دوسرے اعضا بھی اس کے لئے بیقراری ظاہر کرتے ہیں) سائر، تمام کے تمام بالسھر، جاگنے کے ساتھ، الحمی بخار(Fever)

تشریح:

جناب رسول اللہ ﷺ نے کتنی خوبصورت تمثیل سے مسلمانوں کی باہم محبت و مودت، ہمدردی و غمخواری کا احساس دلایا ہے کہ وہ جسد واحد کی طرح ہیں اور انہیں یقیناً ایسا ہونا چاہئے کہ اگر اس کا ایک حصہ بیمار پڑتا ہے تو جسم کے تمام اعضاء اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں اور جب تک وہ صحت مند نہیں ہو جاتا انہیں کسی کروٹ سکون اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ مثلاً دانت میں درد پیدا ہو تو اس کی چبھن سے تمام اعضا و جوارح کام کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور جب تک اس درد میں افاقہ نہ ہو سب تکلیف میں رہتے ہیں، آنکھ میں چھوٹا سا ذرہ پڑ جائے تو سب اعضاء پریشان ہو جاتے ہیں اور ذرہ نکلتے ہی سب آسودہ حال ہو جاتے ہیں بعینہ اگر کسی بستی اور محلّہ میں کسی مسلمان کو تکلیف اور نقصان پہنچ رہا ہے تو اہل بستی اور اہل محلّہ کو اس کے دکھ درد میں شامل ہونا چاہئے اور ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ ضرور اس کی مدد کو پہنچیں، اس بات کو پھیلا کر عالمی سطح پر لے جائیے کہ دنیا میں کسی مسلمان ملک کو دشمن کا کوئی خطرہ لاحق ہو تو اس کی مدد کے لئے اقوام عالم کے مسلمانوں کو پہنچنا فرض ہو جاتا ہے، ہمارے اسلاف الفت و اتحاد کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

امن کی حالت ہوتی یا جنگ کا میدان وہ ایک دوسرے کے دست و بازو تھے اور یہی ان کی کامیابیوں کا راز تھا:

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

غور کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو اہل مدینہ نے ان کا کس گرمجوشی سے استقبال کیا اور کس محبت سے دیدہ ودل فرش راہ کئے کہ انہیں وطن عزیز کی جدائی پریشان کن نہ رہی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان جس ''مواخات'' (بھائی چارے) کو قائم فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے پھران کی ایسی تعلیم وتربیت فرمائی کہ صفحۂ ہستی پر وہ ایک مثالی قوم بن کر ابھرے اور انہوں نے چار دانگ عالم میں امن اور سلامتی کے پھریرے لہرائے:

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی

بات دراصل یہ ہے کہ قرآن وسنت کی مضبوط اور پاکیزہ تعلیمات ہمیں بلندیوں اور عظمتوں سے ہمکنارکرتی ہیں، مگر کیا کیجئے کہ ہم اس مادی اور فانی دنیا کو سمیٹنے میں لگ جائیں اور اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دیں تو سرفرازیاں اور بلندیاں کیونکر حاصل ہوسکتی ہیں!

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطاکار و خطابیں، وہ خطاپوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

حدیث مبارک سے استنباط:

۱) مسلمان جب تک ہمدردی وغمخواری کی تصویر نہ بنیں، ان میں قوت واتحادنہیں پیدا ہوسکتا ہے، وہ ''اشداء علی الکفار'' اسی وقت بنیں گے جب وہ ''رحماء بینھم کی صفت سے متصف ہوں گے۔

۲) ان کا آپس میں رحمت وشفقت ، دنیا کو امن اور سلامتی کا پیغام بن جاتا ہے، جہالت اور ظلم کا خاتمہ ہوتا ہے وہ انسانیت کے لئے سلامتی کے سفیر ثابت ہوتے ہیں۔

۳) اس وقت ہنود و یہود سر جوڑ کر مسلمانوں کے خلاف صف بندی کر رہے ہیں خصوصاً امریکہ تو مسلمانوں کے خلاف ادھار کھائے بیٹھا ہے اور ہر طرح سے ان کے درپے آزار ہے مسلمان جب اتفاق ومحبت کے ساتھ جی رہے تھے تو فارس و روم ایسی سلطنتیں ان کے زیرنگیں آگئیں، اب بھی اگر اتفاق واتحاد سے دشمنوں کا مقابلہ کریں تو کامیابی انہیں کا مقدر ٹھہرے گی۔

۴) کامیابی کے لئے، ایمان شرط ہے اور ایمان کا لازمی تقاضا آپس کی ہمدردیاں و غمخواریاں ہیں، اور اس کا نتیجہ مژدہ کامیابی ہے۔

﴿ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾

(آل عمران: ۱۳۹)

"دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔"

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

دعاء و التجاء:

« اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ وَ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عُدُوِّكَ وَ عَدُوِّهِمْ »

"اے اللہ! ہمیں بھی اور تمام مومن مردوں اور تمام مومن عورتوں، مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دیجیے، اُن کے دلوں میں الفت ڈال کر انھیں باہم متحد کر دیجیے۔ اُن کے درمیان اصلاح فرما دیجیے، اپنے اور ان کے دشمنوں پر اُن کی مدد فرمایے۔"

اچھے اخلاق کے نتائج

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا"(رواہُ الترمذی۔ ریاض الصالحین باب حسن الخُلق)

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" کہ کامل ترین ایمان اُس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔"

لغت:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں میں افضل اور بہتر۔ اِيْمَانًا، ایمان میں۔ أَحْسَنُهُمْ، جو ان میں سب سے اچھا۔ خُلُقًا، اخلاق میں، خوش خلقی میں۔

خَلْقٌ (خ کی زبر کے ساتھ) اور خُلُقٌ (خ کی پیش کے ساتھ) دونوں حرفوں کا مادہ ایک ہی ہے مگر معنوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا لفظ (خَلْقٌ) بمعنی خِلْقَتُ یعنی شکل و صورت پر بولا جاتا ہے، جس کا

تعلق اِدراک بصر (دیکھنے کی قوت سے) ہوتا ہے اور دوسرا لفظ (خُلُقٌ) قوائے باطنہ اور عادات وخصائل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کی جھلک انسانی رویوں سے نمایاں ہوتی ہے۔ معاشرتی زندگی میں بودوباش اختیار کرنے پر عادات و خصائل میں سے بہت سی باتیں آ جاتی ہیں۔ آپس کے معاہدات و معاملات کی پاسداری اور پابندی، صداقت اور راستبازی کے اصول، احسان ومروت کا رویہ، ایثار وقربانی کا جذبہ، تواضع و خاکساری کا وطیرہ، کلام میں نرمی اور شائستگی، آپس کے دکھ درد میں شرکت خوشی اورغمی میں ساتھ دینا وغیرہ یہ تمام باتیں اخلاقیات کا حصہ ہیں۔

غور کریں تو یہ وہ باتیں ہیں جن سے معاشرتی زندگی سنورتی اورنکھرتی ہے اوران سے پُر امن ماحول پیدا ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ حسن اخلاق سے مزین ہی نہیں بلکہ اس کی بلندیوں پر فائز نظر آتی ہے، قرآن اس کی شہادت دیتا ہے:

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (ن: ٤)

''بلاشبہ آپ اخلاقِ حسنہ کی بلندیوں پر فائز ہیں۔''

یہ رب کائنات کی شہادت ہے اوراس سے بڑھ کر اور کس کی شہادت ہوسکتی ہے؟

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا، انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کچھ کہتا تھا، گھر کے خلوت کدہ میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا، اخلاق وعمل کا جونکتہ وہ دوسروں کوسکھاتا تھا، وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتا تھا، بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اورکون راز داں ہو سکتا ہے۔ چند صاحبوں نے آ کر بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق بیان کیجئے، انہوں نے پوچھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے، « اِنَّ خُلُقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْاٰن » ''آپ ﷺ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔''
(سیرت النبی جلد دوئم)

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا جس رخ سے بھی مطالعہ کیجئے پاکیزہ اور پسندیدہ اخلاق کے علاوہ کوئی بات نظر نہ آئے گی۔ مروّت اورحسنِ سلوک کے اِس واقعہ کو پڑھیئے:

''سیدنا علی اور سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کو حکم ہوا کہ...... جاؤ پانی تلاش کر کے لے آؤ، یہ ارشادِ نبوی ﷺ اس وقت ہوا جب اسلامی لشکر سفر میں تھا۔ پیاس کی شدت سے سب کا بُرا حال تھا، یہ دونوں صحابی رسول ﷺ پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑتے رہے لیکن

میلوں پانی کا پتہ نہ لگا، بڑی دیر بعد دیکھا کہ ایک عورت اونٹ پر سوار نہ جانے کہاں سے چلی آ رہی ہے، اس کے پاس پانی کے دو مشکیزے تھے، تپتے ہوئے صحرا میں جہاں ہر طرف ریت ہی ریت تھی، دھوپ کی شدت اور گرمی کی حدت سے جھاڑ جھنکار جل رہے تھے، وہاں پانی کا ایک ایک قطرہ دولتِ دنیا سے کم نہ تھا، جب اس عورت سے پوچھا گیا کہ...... تجھے یہ پانی کہاں سے ملا؟ تو اس نے جواب دیا...... آٹھ پہر گزرے کہ میں چلی آ رہی ہوں، اب سمجھ لو کہ یہاں سے کتنی دور پر یہ پانی ملا ہوگا، تم لوگوں کا وہاں پہنچنا بہت مشکل ہے۔ سیدنا علی اور سیدنا عمران رضی اللہ عنہما اس عورت کو اپنے ساتھ لے آئے اور سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا...... تم چاہو تو ہم تمہارے مشکیزوں میں سے تھوڑا سا پانی لے لیں، اس نے جواب دیا...... لے لیجئے مگر تھوڑا...... کیونکہ میں بڑی مصیبتیں اٹھا کر بڑی دُور سے اسے لائی ہوں، اِس اجازت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ برتنوں میں تھوڑا تھوڑا پانی نکالا گیا، پھر آپ کی دعا اور برکت سے وہ پانی سب کے لئے کافی ہوگیا۔ حتیٰ کہ لشکر کے تمام آدمی ہی نہیں جانور بھی اس سے سیراب ہو گئے، فوج کی فوج ساتھ تھی، چاہتے تو مسلمان زبردستی اس سے مشکیزے چھین لیتے لیکن اسلام نے بتایا کہ بلاوجہ کسی کا مال اس کی اجازت کے بغیر نہیں لیا جا سکتا۔ (خواہ تم کتنی ہی مشکل میں ہو)''

حکم ہے احسان کا بدلہ احسان ہے، کوئی تمہیں کچھ دے تو کوشش کرو کہ تم بھی اسے کچھ دو! اس عورت سے پانی لینے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اسے کھانے کا کچھ سامان دیا جائے! صحابہ رضی اللہ عنہم نے بہت کچھ جمع کر دیا، جب یہ چیزیں جمع ہوگئیں تو ان کی ایک گٹھڑی بنائی گئی اور اس عورت کو سواری پر بٹھا کر رخصت کر دیا۔ وہ جانے لگی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دیکھ لو! تمہارے پانی میں کچھ بھی کمی نہیں ہوئی۔ لشکر نے جو پانی پیا ہے وہ اسے ربِ ذوالمنن نے پلایا ہے۔ صحیح بخاری میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: اس عورت کے مشکیزے پہلے سے بھی زیادہ بھرے ہوئے تھے۔

یہ عورت چلی گئی تو جناب ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اس عورت کے احسان مند رہو!...... شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ احسان کو ہمیشہ یاد رکھا جائے، وہ بڑے کم ظرف ہوتے ہیں جو کسی کا احسان بھلا دیتے ہیں اور اپنا کام نکل جانے کے بعد طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس احسان کو یاد رکھنے کا حکم اس وقت دیا جبکہ احسان کی کوئی خاص بات نہ تھی کیونکہ اس عورت کے مشکیزوں میں پانی کم نہ ہوا تھا، یہ تو اللہ کے رسول ﷺ کی برکت تھی۔

اس کے بعد جب کبھی ایسا ہوتا کہ اسلامی لشکر اس علاقے سے گزرتا تو اس عورت کے قبیلے والوں کا خاص خیال رکھا جاتا، ایک دن اس عورت نے اپنے قبیلے والوں سے کہا...... کبھی تم لوگوں نے یہ بھی سوچا کہ ایک مرتبہ کے تھوڑے پانی کی وجہ سے یہ مسلمان ہمارا کتنا خیال کرتے ہیں، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کا مذہب سچا ہے اور ان کے ہادی اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جب یہ بات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو پھر کیوں نہ ہم ایسے اچھے مذہب کو قبول کر لیں! چنانچہ وہ سارا قبیلہ اسلام لے آیا، اللہ اکبر! (تجلی...... شاہ بلیغ الدین)

حدیث مبارک سے استنباط:

۱) مسلمان اپنے کردار اور رویہ (Conduct and Behaviour) سے پہچانا جاتا ہے، یہی اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ خوبی ہے۔

۲) ایمان کی تکمیل اچھے اخلاق سے ہوتی ہے۔

۳) اچھے اخلاق وہی ہوتے ہیں جو قرآن وسنت نبوی ﷺ کے مطابق ہوں۔

۴) خاتم النبیّین جناب محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ قرآنی اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الۡاَمۡرِ وَالۡعَزِیۡمَةَ عَلَی الرُّشۡدِ وَ أَسۡئَلُكَ شُكۡرَ نِعۡمَتِكَ وَ حُسۡنَ عِبَادَتِكَ وَ اَسۡئَلُكَ قَلۡبًا سَلِیۡمًا وَ لِسَانًا صَادِقًا وَ اَسۡئَلُكَ مِنۡ خَیۡرِ مَا تَعۡلَمُ وَ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡ شَرِّ مَا تَعۡلَمُ وَ اَسۡتَغۡفِرُكَ لِمَا تَعۡلَمُ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ »

"اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنے معاملات میں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ اور ہدایت اور سچائی (راست روی) پر مضبوطی سے جمع رہنے کی طاقت عطا فرمایئے، میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی نعمتوں پر شکر گزاری کی توفیق اور اپنی عبادت بہترین طریقے سے کرنے کی صلاحیت عطا فرما، اور میں آپ سے قلب سلیم اور سچ بولنے والی زبان مانگتا ہوں اور ہر اس خیر (بھلائی) کا طلب گار ہوں جسے آپ جانتے

ہیں ، اور ہر اس شر(برائی) سے پناہ مانگتا ہوں جو آپ کے علم میں ہے ،ا ور میرے جو گناہ اور سیاہ کاریاں آپ کے علم میں ہیں، میں ان (سب) کی معافی کا طلب گار ہوں، بیشک صرف آپ ہی ہرغیب کو جاننے والے ہیں ۔''

قربِ قیامت ۔زلزلوں کی کثرت

« عَنْ سَلَمَةَ بِنْتِ نُفَيْلٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ : بَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ مُوْتَانِ شَدِيْدٌ وَ بِعده سَنَوَاتُ الزِّلَازِلِ »

(احمد(۱۱/ ۱۰٤)، مجمع الزوائد:۳۰٦/۷)

سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ'' اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت سے پہلے موت کی سخت وبا پھیلے گی پھر زلزلوں والے سال آئیں گے۔''

حدیث مبارک سے استنباط:

۱) زلزلوں کا ظہور قیامت کی ایک علامت ہے۔

۲) قیامت کی مذکورہ نشانی ایک عرصہ سے ظاہر ہوتی چلی آرہی ہے۔

۳) کچھ عرصہ قبل زلزلوں کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو ہند اور سندھ سے لے کر امریکہ تک پھیل گیا تھا۔ اس میں ہزاروں افراد لقمہ اجل ہوئے۔سینکڑوں علاقے قور بستیاں نیست و نابود ہوئیں اور لاکھوں ،کروڑوں کا نقصان ہوا۔

۴) اسی طرح کچھ عرصہ پہلے ترکی اور ایران کو بھی یکے بعد دیگرے کئی زلزلوں کا سامنا کرنا پڑا جس میں فلک بوس عمارتیں زمین بوس ہوگئیں اور ہزاروں افرادان کے ملبے تلے کچلے گئے۔

۵) زیر نظر کتاب''الحکمۃ'' پر نظر ثانی کی جا رہی تھی کہ پاکستان میں 8۔اکتوبر 2005ء کی صبح 8:56 منٹ پر شدید ترین زلزلہ آیا۔پاکستان کے کئی شہروں (اسلام آباد،مظفر آباد، میر پور، بالاکوٹ، مانسہرہ وغیرہ) میں عمارتیں مکینوں سمیت ملبے کا ڈھیر بن گئیں۔ بچے سکولوں کی عمارتوں میں ہی دفن ہوگئے، ہسپتال ڈاکٹروں اور مریضوں سمیت تباہ و برباد ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ ان علاقوں میں موت کا اندھا کھیل دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اعمال کے سبب اللہ کی طرف سے پکڑ ہے اور ہمارے لیے ایک مہلت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف

رجوع کر کے اپنے گناہوں کی اس سے معافی طلب کریں، جھک جائیں۔ اور آئندہ صراط مستقیم پر چلنے کا عزم کر لیں۔

٦) زلزلوں کے کچھ آثار تو ماضی قریب میں ہم دیکھ چکے ہیں مگر یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ جیسے جیسے قیامت قریب آتی جائے ویسے ویسے یہ سلسلہ بڑھتا جائے اور اخر کار قیامت کا آخری زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

﴿ يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴾ [الحج:١]

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ، بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔''

٧) ''زلزلہ'' زمین کے جھٹکے اور مخصوص حرکت کا نام ہے جب کہ کوئی چیز اذن الٰہی کے سوا حرکت نہیں کر سکتی خواہ درخت کا پتہ ہو یا زمین کا زلزلہ ہو اور سائنسدانوں کے مختلف مفروضات محض وہم وگمان ہیں۔

دعاء و التجاء:

« رَبَّنَا لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَ لَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَ عَافِنَا قَبْلَ ذَالِكَ »

''اے ہمارے رب! ہمیں اپنے غضب سے نہ ماریئے ، اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کیجیے، اور اس سے پہلے ہی ہمیں اپنی عافیت اور رحمت میں ڈھانپ لیجیے۔''

اسلام، ایمان اور احسان

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَ لَا يَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَ وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَ قَالَ يَامُحَمَّدُ اَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِسْلَامِ ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِىَ الزَّكَاةَ وَ تَصُوْمُ رَمَضَانَ وَ تَحُجُّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ ، قَالَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْأَلُهٗ وَ يُصَدِّقُهٗ، قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِيْمَانِ ؟ قَالَ اَنْ

تُؤمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُومِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ قَالَ صَدَقْتَ ، قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ ؟ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ، قَالَ فَاَخْبِرْنِی عَنِ السَّاعَۃِ ؟ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ ، قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِھَا قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَۃُ رَبَّتَھَا وَ اَنْ تَرَی الْحُفَاۃَ الْعُرَاۃَ الْعَالَۃَ رِعَاءَ الشَّاءِ یَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْیَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِیًّا ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا عُمَرُ اَتَدْرِیْ مَنِ السَّائِلُ؟ قُلْتُ ،اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّہٗ جِبْرَائِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ ...... (رواہ مسلم)

’’سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا، جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے، اور اس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا(جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی اس نئے آنے والے کو پہچانتا نہ تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی اجنبی آدمی ہے، اور حاضرین کے حلقہ میں سے گزرتا ہوا آیا ہے) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر دوزانو اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا دیے اور اپنے ہاتھ آپ کی رانوں پر رکھ دیے اور کہا اے محمد! مجھے بتلائیے کہ ’’اسلام‘‘ کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا: ’’اسلام‘‘ یہ ہے(یعنی اس کے ارکان یہ ہیں ، کہ دل و زبان سے) تم یہ شہادت ادا کرو کہ ’’ اللہ‘‘ کے سوا کوئی ’’ الٰہ‘‘ (کوئی ذات عبادت و بندگی کے لائق) نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور ماہِ رمضان کے روزے رکھو اور اگر حجِ بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو...... اس اجنبی سائل نے جواب سن کر کہا، آپ نے سچ کہا...... راویٔ حدیث سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے، ...... اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا، اب مجھے بتائیے کہ ’’ایمان‘‘ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت یعنی روز قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو بھی حق جانو، اور حق مانو (یہ سن کر بھی) اس نے کہا آپ نے سچ کہا...... اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا مجھے بتلائیے

کہ ''احسان'' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو، پر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا، مجھے قیامت کی بابت بتلائیے (کہ وہ کب واقع ہوگی؟) آپ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا، تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلائیے؟ آپ نے فرمایا (اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور (دوسری نشانی ایک یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں، وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے...... سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کرکے یہ اجنبی چلا گیا پھر مجھے کچھ عرصہ گزر گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اے عمر! کیا تمھیں پتہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبرائیل تھے، تمھاری اس مجلس میں اس لیے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھا دیں۔''

تشریح:

اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ امور کا بیان فرمایا ہے۔ (۱) اسلام (۲) ایمان (۳) احسان (۴) قیامت کے متعلق انتباہ کہ اس کا وقتِ خاص اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں اور (۵) قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی بعض علامات...... ان پانچوں چیزوں کے متعلق جو کچھ اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے وہ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

ایمان اور اسلام میں فرق:

دونوں لفظ (اسلام و ایمان) ایک ساتھ آتے ہیں وہاں تھوڑا سا فرق کیا جاتا ہے وہ یوں کہ ایمان دل کی تصدیق و اقرار ہے اور اسلام اللہ تعالیٰ کے سامنے بندے کی خود سپردگی اور جھکنا ہے اور یہ عمل ہی کے ذریعے ہوتا ہے اور اسی کا نام دین ہے جیسا کہ قرآن میں اسلام کو دین کہا گیا ہے۔﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ یعنی جب دونوں لفظ ساتھ آئیں تو ایمان سے مراد دل کی تصدیق ہوگی اور اسلام سے مراد عمل۔

مسند امام احمد میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام علانیہ ہوتا ہے

اور ایمان دل میں'' کیوں کہ اعمال ظاہر ہوتے ہیں اور تصدیق دل میں رہتی ہے ظاہر نہیں ہوتی اسی لیے رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ کی دعا میں یہ فرماتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَأَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ))

''اے اللہ! ہم میں سے جسے آپ زندہ رکھیں اسلام پر زندہ رکھیے اور جسے موت دیں ایمان پر موت دیجیے۔''

کیونکہ اعمال اعضائے بدن سے ہوتے ہیں اور یہ زندگی ہی میں ممکن ہے موت کے وقت تو دل کی تصدیق ہی رہ جاتی ہے۔

اس لیے محققین کہتے ہیں کہ ہر مومن مسلمان ہوتا ہے کیونکہ جس کے دل میں ایمان پختہ و جاگزیں ہو گیا وہ اسلام کے اعمال کرے گا ہی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:'' جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ صحیح ہے تو پورا جسم صحیح ہے اور اگر وہ خراب ہو گیا تو پورا جسم خراب ہو گیا اور وہ دل ہے۔''

لیکن ہر مسلم لازماً پورا مومن نہیں ہو جاتا۔ کبھی ایمان کمزور ہوتا ہے اور دل میں پوری طرح مضبوطی سے جاگزیں نہیں ہوتا جب کہ اعضائے بدن اسلام کے اعمال کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا ﴾(الحجرات:١٤)

''یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے۔''

گویا کہ ......!

- ''اسلام'' پانچ ارکان (کلمہ طیبہ کا اقرار، نماز، روزہ، حج ، زکاۃ) کے مجموعہ کا نام ہے۔ جو ایک بندہ مومن کے اعمال سے ظاہر ہوتا ہے
- ''ایمان'' دل کے یقین اور تصدیق کا نام ہے۔
- ''احسان'' کا مفہوم یہ ہے کہ بندۂ مومن نہ صرف نماز میں بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی ناراضی ہو۔
- ''قیامت کا علم'' سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ اس سلسلے میں اللہ کے

رسول ﷺ نے فرمایا: کہ پانچ چیزوں کے بارے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ ﴾ [لقمان:٣٤]

''اس گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برستا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا پرورش پا رہا ہے، کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کی موت آنی ہے، اللہ ہی سب کچھ جاننے والا ہے اور باخبر ہے۔''

''علاماتِ قیامت'' مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی جو نشانی آپ ﷺ نے بیان فرمائی اس کا مطلب شارحین حدیث نے کئی طرح سے بیان کیا ہے، راقم کے نزدیک سب سے زیادہ راجح توجیہ یہ ہے کہ قرب قیامت میں ماں باپ کی نافرمانی عام ہو جائے گی ،حتی کہ لڑکیاں جن کی سرشت میں ماؤں کی اطاعت اور وفاداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے اور جن سے ماں کے مقابلہ میں سرکشی بظاہر بہت ہی مشکل اور مستبعد ہے، وہ بھی نہ صرف یہ کہ ماؤں کے مقابلہ میں نافرمان ہو جائیں گی بلکہ الٹی اس طرح ان پر حکومت چلائیں گی جس طرح ایک مالکہ اور سیدہ اپنی زرخرید باندی پر حکومت کرتی ہے، اسی کو حضرت نے اس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے کہ عورت اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی۔'' یعنی عورت سے جو لڑکی پیدا ہو گی وہ بڑی ہو کر خود اس ماں پر اپنی حکوتم چلائے گی اور کوئی شک نہیں کہ اس نشانی کے ظہور کی ابتدا ہو چکی ہے۔

اور دوسری جو نشانی آپ ﷺ نے بیان فرمائی کہ ''بھوکے ننگے اور بکریوں کے چرانے والے اونچے اونچے محل بنوائیں گے'' تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں دنیوی دولت و بالاتری ان بھوکے ننگوں کے ہاتھوں میں آئے گی جو اس کے اہل نہ ہوں گے اور ان کو بس اونچے اونچے شاندار محل بنوانے سے شغف ہو گا اور اسی کو وہ سرمایہ فخر و مباہات سمجھیں گے اور اسی میں اپنی اولوا العزمی دکھائیں گے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔

ایک دوسری حدیث میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

((اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ))

"یعنی جب حکومتی اختیارات اور مناصب و معاملات نا اہلوں کے سپرد ہونے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔"

دعاء و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَ اَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ »

"اے اللہ! ہمارے تمام معاملات کا انجام بخیر کیجیے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی رسوائیوں سے بچائیے۔" (آمین یا رب العالمین)

عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ

" اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّ اِنْ قُطِعْتَ وَ حُرِّقْتَ "

" وَ لَا تَتْرُكْ صَلَاۃً مَّكْتُوْبَۃً مُّتَعَمِّدًا "

یہ ابو درداء نے فرمایا کہ اک دن آپؐ نے
یہ نصیحت کی تھی مجھ کو انتہائی پیار سے
چھوڑنا ہرگز نہ دانستہ نمازِ فرض کو
شرک سے بہتر ہے مرنا ظلم کی تلوار سے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ:
«وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ
فِی الْیَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً »

سیّد الاستغفار

((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْٓءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْٓءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ))

توبہ واستغفار

استغفار کو لازم پکڑیئے

عَنۡ أَبِیۡ هُرَيۡرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ قَالَ: سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَقُوۡلُ: «وَاللّٰهِ اِنِّیۡ لَأَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوۡبُ اِلَيۡهِ فِی الۡيَوۡمِ أَكۡثَرَ مِنۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً»

[رواہ البخاری ریاض الصالحین، باب التوبہ]

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا: ''اللہ کی قسم! میں دن میں ستر (۷۰) مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔''

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« يَـٰاَيُّهَا النَّاسُ تُوۡبُوۡا اِلَى اللّٰهِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ فَاِنِّیۡ أَتُوۡبُ فِی الۡيَوۡمِ مِائَةَ مَرَّةٍ »

[رواہ مسلم، ریاض الصالحین، باب التوبہ)

''اے لوگو! اللہ سے توبہ کیا کرو اور اس سے بخشش کے طلبگار رہو، بیشک میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔''

اِسۡتِغۡفَارٌ: اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنا۔

امام راغب رحمہ اللہ کے نزدیک اس بخشش میں قول اور عمل دونوں کا تعلق ہے:

اَلۡاِسۡتِغۡفَارُ طَلَبُ ذٰلِكَ بِالۡمَقَالِ وَالۡفِعَالِ

''یعنی زبان سے اپنی خطاؤں پر رب کریم کے حضور بخشش کی درخواست ہو رہی ہے تو عمل سے راہ راست پر چلنے کا عزم وارادہ بھی ہے۔''

التَّوبَة (تَابَ، يَتُوبُ، تَوۡبَةً): گناہوں پر نادم و پشیمان ہونا، توبہ کا صلہ اگر حرف 'الیٰ' ہو تو اس کے معنی

انابت یعنی اللہ کی طرف لوٹنے کے ہوتے ہیں۔جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ [النور: ۳۱]

''اور تم سب اللہ کی طرف لوٹو۔'' (رجوع کرو)

اور اگر لفظ تابَ کا صلہ 'عَلٰی' ہو اور فاعل اللہ ہو تو اُس کے معنی اللہ تعالیٰ کے کرم وفضل کی ارزانیاں ہوتی ہیں۔جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ﴾ [التوبہ: ۱۱۷]

''بیشک اللہ تعالیٰ نے نبی پر، مہاجرین اور انصار پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمائی۔''

انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود خطا اور نسیان کا پتلا ہے۔گناہ اور غلطیاں کرنا اس کی جبلّت میں ہے، خواہشات کی پیروی میں بسا اوقات وہ راہِ حق سے بھٹک جاتا ہے، ادھر اُس کا ازلی ابدی دشمن ابلیس اپنے لاؤلشکر کے ساتھ اسے بھٹکانے اور پھسلانے میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے، وہ اُسے نِت نئی چالوں اور حربوں سے بھٹکاتا ہے، سبز باغ دکھاتا ہے، شکّر کے لیبل لگا کر زہر کی پڑیاں کھلاتا ہے۔

ربِّ کائنات نے نفس اور شیطان کے حملوں کا توڑ اور تریاق توبہ و استِغفار میں رکھا ہے، وہ مہربان پروردگار اپنے بندوں کی خطائیں نہ صرف معاف فرما دیتا ہے بلکہ انہیں اپنے سایہء رحمت میں ڈھانپ بھی لیتا ہے اور انہیں ہر طرح کی مادی و روحانی نعمتوں سے نوازتا ہے۔نوح علیہ السلام اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

﴿ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ ﴾

[نوح: ۱۰ تا ۱۲]

''لوگو! اپنے رب سے معافی مانگو، بیشک وہ بڑا ہی معاف کرنے والا ہے، وہ تمہیں بارانِ رحمت سے خوب نوازے گا، تمہاری اولاد اور اموال خوب پھیلا دے گا، تمہیں (لہلہاتے) باغات اور (بہتی) نہریں عطا فرمائے گا۔''

مگر ضروری ہے کہ یہ توبہ صدق دل سے ہو، قرآن حکیم اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ﴾ [التحریم: ۸]

''اے ایمان والو! اللہ سے توبہ کرو، خالص توبہ۔''

صدق دل سے توبہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص توبہ کرنے کے بعد ایمان اور اعمال صالحہ سے اپنی زندگی کو آراستہ کرے تو مشفق و مہربان پروردگار برائیوں کو بھی حسنات میں تبدیل فرما دیتا ہے۔ سبحان اللہ! ذرا اس آیت مبارکہ کو پڑھیے اور جھوم جائیے۔

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ [الفرقان: ۷۰]

''جس نے توبہ کی (اپنے گناہوں سے) اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا، ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو ہے ہی بڑا غفورٌ رحیم۔''

یہ خوش خبریاں دین اسلام کے علاوہ اور کہاں مل سکتی ہیں؟ مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''گناہ کا اسلامی تصور بنیادی طور پر یہودیوں سے مختلف ہے۔ اسلامی نقطہء نظر سے گناہ کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ ایک انسان صحیح راہ سے بھٹک گیا، لیکن جونہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس کے قدم دوبارہ راہ پر پڑ گئے، اِس کا تعلق یکسر فکرو ذہن کی لغزش سے ہے، جس کی تلافی ہر وقت ممکن ہے۔ گناہ ہرگز ایسی چیز نہیں جو انسان سے چپک جائے اور اس سے کسی طرح بھی خلاصی حاصل نہ کی جا سکے، اور قیامت تک نوع انسانی اس کی اذیتوں اور نتائج سے دو چار ہوتی رہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ گناہ بہر حال قابلِ عفو ہے، توبہ شرط ہے اگر ایک مسلمان گناہ کی برائیوں کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہے، اسے ترک کر دیتا ہے اور اس کے مقابلے نیکیوں کو اختیار کرنے کا تہیّہ کر لیتا ہے تو گناہ اپنے تمام اثراتِ بد کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ یہی مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا:

«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ» [لِسان القرآن، جلد۱]

''گناہ سے توبہ کر لینے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے سِرے سے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔''

کن لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی:

وہ لوگ جو اپنے سے شرم وحیا کو رخصت کر دیں، ضد اور ڈھٹائی سے اپنی خطاؤں پر ڈٹے رہیں اور زندگی میں کبھی بھی احساس ندامت پیدا نہ ہو۔ موت کے آثار نظر آنے لگیں تو ایسے موقع پر توبہ کرنے لگیں ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾ [النساء: ١٨]

''مگر توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو بُرے کام کیے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے اس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی اور اسی طرح (توبہ ان لوگوں کے لیے بھی نہیں ہے) جو مرتے دم تک کافر رہیں (حق بات کا انکار کرتے رہیں) ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔''

کسی شخص کو بھی اپنی موت کا وقت اور جگہ معلوم نہیں ہے کہ کب اور کہاں آجائے لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ جلد از جلد اپنی خطاؤں اور گناہوں پر نادم ہو کر اپنے خالق و مالک کے حضور توبہ کر لے۔ یہ سوچتے اور خیال کرتے ہوئے کہ شاید اس کی زندگی کا یہ آخری دن ہو، ویسے بھی ہر شخص سے دن بھر میں کوئی نہ کوئی بھول چوک ہوتی رہتی ہے، اس لیے اسے استغفار کا ورد کرتے رہنا چاہیے۔ جب رسول اللہ ﷺ (جنہیں رب کریم نے بخشش کا پروانہ دے رکھا تھا) اپنے رب کے حضور کثرت سے توبہ و استغفار فرماتے تھے تو ہماری کیا حیثیت ہے؟

توبہ کی شرائط:

علماء کا اتفاق ہے کہ ہر گناہ پر توبہ واجب ہے۔ اگر گناہ اللہ اور بندے کے درمیان ہے کسی آدمی کے متعلق نہیں ہے تو اس کی تین شرطیں ہیں:

① یہ کہ گناہ سے باز آئے۔
② یہ کہ اپنے فعل پر نادم و پشیمان ہو۔
③ یہ کہ ارادہ کرے کہ گناہ کی طرف کبھی نہیں پلٹے گا۔

اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک بھی پوری نہ ہوئی تو پھر توبہ صحیح نہیں ہے۔ اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک شخص مسلمان ہوتے ہوئے نماز سے راہ فرار اختیار کرتا رہا، اس کے کانوں میں دن میں پانچ بار مؤذّن کی صدائے دلنواز پہنچتی رہی۔ مگر سالہا سال اس نے اس کا جواب نہ دیا، ایک دفعہ کسی مخلص دوست کے سمجھانے بجھانے پر اس کی خوابیدہ حس بیدار ہوئی، اسے اپنی غفلت پر شرمساری

سی پیدا ہوئی، وہ باوضوء ہو کر مسجد کی طرف چلا اور ندامت کے آنسو بہا کر اپنی جبین نیاز رب کریم کے حضور جُھکا دی اور آئندہ عزم کر لیا کہ وہ کبھی نماز نہیں چھوڑے گا۔ ادھر رب رحیم نے اس کے آنے کو قبول فرما لیا۔ نہ صرف اس غفلت پر اسے معاف فرما دیا بلکہ اس کی چھُٹی ہوئی نمازوں کو بھی اپنی رحمت سے لکھ ڈالا۔

یہ تو رب اور اس کے بندے کے درمیان معاملہ تھا۔ اگر گناہ کسی آدمی کے متعلق ہے تو اس سے توبہ کی چار شرطیں ہیں، تین تو وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئی ہیں، چوتھی یہ کہ جس کا جرم کیا ہو اُسی سے معافی کروائے، اگر مال دبایا ہوا ہے تو اُسے واپس کر دے، اگر تہمت وغیرہ کی کوئی سزا اس پر واجب ہوتی ہے تو اس کو موقع دے یا معاف کرائے۔ یا غیبت کی ہے تو اس سے معاملہ صاف کر لے۔ [امام نووی رحمہ اللہ، ریاض الصالحین]

اسلام پر توبہ و استغفار کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جیسا کہ کپڑا میلا ہو جانے پر صابن لگا کر دھونے سے اُجلا ہو جاتا ہے اسی طرح جب کسی شخص کا دامن خطاؤں اور گناہوں سے آلودہ ہو جاتا ہے تو توبہ و استغفار سے وہ بھی صاف ستُھرا بن جاتا ہے، قرآن حکیم کی یہ خوشخبری کانوں میں پڑتی ہے۔

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾ [الزمر: ۵۳]

”(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے یقیناً وہی تو ہے غفور رحیم۔“

توبہ و استغفار میں جلدی:

جس طرح میلے کپڑے کو جلد دھونے میں فائدہ ہوتا ہے اور اس طرح آسانی سے صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جونہی کوئی غلطی سرزد ہو جائے فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لی جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے، موت کا کیا پتہ ہے کہ کس لمحے اور عمر کے کس حصے میں آ جائے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ [النساء: ۱۷]

”ہاں جان لو! کہ اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت انہی لوگوں کے لیے ہے جو بُرائی کی کوئی بات نادانی و بے خبری میں کر بیٹھتے ہیں اور پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں (اور اُن کا ضمیر اپنے کیے پر پشیمانی محسوس کرتا ہے) تو بلا شبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ اللہ بھی (اپنی رحمت سے) اُن پر لوٹ آتا ہے وہ یقیناً علیم و حکیم ہے۔“

ویسے تو انسان خطاؤں کا پتلا ہے، اس سے زبان و بیان کی کوئی غلطی سرزد ہو ہی جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ توبہ و استغفار کو اپنے اوپر لازم کر لے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے کلمات استغفار پڑھے جاسکتے ہیں۔ ابرار و صالحین کے بارے میں آتا ہے۔

﴿ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ ﴾

[آل عمران: ١٧]

”(یہ لوگ) صبر کرنے والے، راست باز (سچے) فرماں بردار، فیاض (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے) اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔“

نماز سے بھی گناہ دُھلتے ہیں:

دن میں پانچ بار رب کریم کے حضور خلوصِ دل سے جھکنے پر کیا انعام ملتا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ [هود: ١١٤]

”اور دن کے دونوں سِروں (یعنی صبح و شام کے اوقات میں) اور رات کی چند ساعات میں نماز پڑھا کرو، کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں، یہ ان کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔“

توبہ و استغفار کے کلمات:

رب کریم کے حضور اپنے گناہوں اور خطاؤں کا اعتراف کئی طرح سے کیا جاتا ہے۔ جناب آدم و حوا علیہما السلام سے بھول ہوگئی اور رب کا حُکم یاد نہ رہا تو اللہ تعالی نے یہ کلمات سکھلا دیئے۔

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾

[الاعراف: ٢٣]

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔''

سیدنا یونس علیہ السلام کی دعا جو آپ نے سخت تکلیف کی حالت میں یعنی جب ایک خاص مچھلی نے بحکم الٰہی آپ (علیہ السلام) کو نگل لیا تھا، مانگی تھی۔

﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ [الانبیاء: ۸۷]

''اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، تیری ذات پاک ہے بلا شبہ میں ہی قصور وار ہوں۔''

اس کا ورد سیدنا یونس علیہ السلام کرتے رہے حتی کہ رب کریم نے انہیں اس کربِ عظیم سے نجات دی اور ساتھ ہی ارشاد ہوا:

﴿ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ [الانبیاء:۸۸]

''اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں''

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ بشارت ان سب مومنوں کے لیے ہے جو مصائب و ابتلاء میں اس آیۂ کریمہ کا ورد کرتے ہیں اور اپنی خطاؤں اور گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو اور توبہ کرنا چاہے تو اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے آگے پھیلائے، پھر یہ دعا پڑھے۔

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَتُوْبُ اِلَیْكَ مِنْهَا، لَآ اَرْجِعُ اِلَیْهَآ اَبَدًا »

''اے اللہ! میں آپ کے سامنے اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں پھر میں کبھی اس کی طرف نہ لوٹوں گا۔''

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے اپنے گناہ پر افسوس کا اظہار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ دعا پڑھ:

« اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ » [حوالہ ایضاً]

''اے اللہ! میرے گناہوں سے آپ کی بخشش کہیں زیادہ ہے اور اپنے عمل کی نسبت مجھے آپ کی رحمت کی زیادہ امید ہے۔''

اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے کم از کم یہ الفاظ آسان ہیں۔

« اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ »

''اے اللہ میں آپ سے بخشش کا طلب گار ہوں''
اور کبھی یوں بھی۔
« اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ »
''اے میرے رب! میں آپ سے بخشش کا طلب گار ہوں ہر گناہ سے اور آپ سے توبہ کا خواہشمند ہوں (اور آپ کی طرف پلٹ آیا ہوں)۔''

سید الاستغفار:

سیدنا شدّاد بن اوس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ دعاء (سید الاستغفار) صبح کو صدقِ دل سے پڑھے گا پھر اسی دن شام سے پہلے مرجائے وہ شخص جنتی ہوگا اور جو رات کو پڑھے اور صبح سے پہلے مرجائے وہ شخص بھی جنتی ہوگا۔

« اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْٓءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْٓءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ »

''اے اللہ! آپ میرے رب ہیں، آپ کے سوا میرا کوئی معبود برحق نہیں، آپ نے میری تخلیق کی اور میں آپ کا بندہ ہوں میں آپ سے کیے عہد اور وعدے پر اپنی بساط اور طاقت کے مطابق قائم ہوں، جو بُرے کام مجھ سے سرزد ہوئے، ان کے وبال سے میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، مجھے آپ کے احسانات کا اقرار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنے گناہوں کا بھی اعتراف ہے، پس مجھے بخش دیجئے اور میرے گناہ معاف فرما دیجئے کیونکہ آپ کے سوا میرے گناہ کوئی بخش نہیں سکتا۔''

اصل بات تو احساس ندامت اور شرمساری ہے اور آئندہ کے لیے اصلاح احوال ہے اور جب تک یہ بات پیدا نہ ہو، خواہ زبان سے طوطے کی طرح ہزاروں بار استغفار اور توبہ کہے کچھ فائدہ نہ ہوگا، قرآن وحدیث کے الفاظ تو یقیناً خیرو برکت کا باعث ہیں۔ کوئی شخص اگر اپنی زبان سے بھی سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے اور اس کے احکام کی پیروی میں اپنی زندگی ڈھال لیتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان ہے وہ اس کے لیے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، اس کے لطف وکرم کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کا حکم ہے۔

﴿ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴾ [المومن: ۵۵]

''اپنے گناہوں سے معافی مانگو اور صبح و شام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جس نے استغفار کو لازم پکڑ لیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے، ہر غم سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو۔ [سنن ابی داؤد، بحوالہ دعائیں اور اذکار ڈاکٹر صالح]

امت مسلمہ کی زبوں حالی:

اس وقت امت مسلمہ پر نکبت و اِدبار کی گھٹائیں چھا رہی ہیں، امریکہ اپنے دوستوں کے ساتھ اس کے درپے آزار ہے، کتنے اپنے ہی اس شیطان سے وفاداریاں کر رہے ہیں۔

ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اٹھاون برس قبل آزادی کی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا، ہمارے بزرگوں نے اس سلسلے میں ان گنت جانی اور مالی قربانیاں دیں تھیں، یہ سب کچھ اس لیے ہوا تھا کہ اس سرزمین میں اسلام کا عادلانہ نظام جاری و ساری کیا جائے گا مگر افسوس کہ آج تک یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ کیا ہم سب مجرم نہیں ہیں؟

آیئے ہم سب مل کر اپنے رب کے حضور سچے دل سے توبہ و استغفار کریں، فرقہ بندیوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے ایک صف بنا لیں، دنیا و آخرت میں ہماری کامیابی یقینی ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

دعا و التجاء:

« رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ » [الاعراف:۲۳]

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر آپ ہمیں معاف نہ فرمائیں اور ہمیں اپنے سایۂ رحمت میں نہ ڈھانپیں تو ہم ضرور بضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

”اے ہمارے رب...... !“ (مسلمانوں کو ملادے)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخُوْنُهٗ وَلَا يَكْذِبُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهٗ وَمَالُهٗ وَدَمُهٗ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا، بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ » [رواہ الترذی، ریاض الصالحین باب تعظیم حرمات المسلمین]

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ مسلمان نہ اپنے بھائی کی خیانت کرے، نہ اس سے جھوٹ بولے اور نہ ہی اسے بے یارو مددگار چھوڑے، ہر مسلمان پر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو حرام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے (یعنی خوفِ الٰہی کا اصل مقام دل ہے) اور انسان کے لیے اتنی ہی بُرائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔“

دین اسلام اپنوں ہی کے لیے نہیں، دنیائے انسانیت کے لیے رحمت و سلامتی کا پیغام ہے، لفظ اسلام سے ہی امن اور سلامتی کی مہک اٹھتی ہے اور اپنے اردگرد کے ماحول کو معطر کرتی چلی جاتی ہے، اسلام یہ کہتا ہے کہ اے انسانو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ لہٰذا تم اپنے پروردگار کی بندگی بجالاؤ اور اس کے شکر گزار بندے بنو۔ اور آپس میں ایک دوسرے کی حفاظت کرو۔ احسان و مروت کا سلوک کرو۔ دکھ درد میں کام آؤ کہ یہی مقصدِ حیات ہے اور اسی میں شرفِ انسانیت ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ ﴾

[البقرة:۱۷۷]

”مسلمانو! نیکی یہ نہیں ہے کہ تم (عبادت کے وقت) اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی تو ان لوگوں کی ہے جو اللہ پر، روزِ آخرت پر، فرشتوں پر اور آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیا اور پھر غلاموں کی رہائی پر خرچ کیا اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور جب قول و قرار کرلیا تو اپنے قول پر پورے اُترے، اور تنگی ترشی اور (حق و باطل کی) جنگ کے موقع پر صبر کرنے والے ثابت ہوئے، یہی لوگ ہیں جو (دعویٰ اسلام) میں سچے نکلے اور یہی درحقیقت متقی ہیں۔“

اس آیہ مبارکہ پر بار بار غور کیجیے اور دیکھیے کہ زندگی کس شان سے چمک رہی ہے اس کے برعکس دوسروں کے جان و مال پر ڈاکے ڈالنا، انھیں مکروفریب سے لوٹنا، ذلیل و رسوا کرنا اور ان کی عزت کے درپے ہونا شانِ بندگی نہیں علامتِ درندگی ہے۔

یاد رکھئے کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو اللہ کی بندگی، نیکی اور راستی، شرم و حیاء اور امانت و دیانت کا سبق سکھانے کے لیے تشریف لاتے رہے اور ان کی اپنی زندگیاں بھی عبادت و ریاضت، صدق و صفا، جود وسخا اور عدل وانصاف میں دوسروں کے لیے عمدہ نمونہ بنیں۔ خاتم النبیین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کی پاکیزہ تعلیمات تو ہمارے لیے زندگی کی تاریکیوں میں روشنی کا سامان فراہم کرتی ہیں۔

ہم نے یہ خطہ زمین اللہ تعالیٰ سے اس لیے مانگا تھا کہ ہم آزادی سے اسلام کی زریں تعلیمات کے مطابق زندگی گذار سکیں۔ ہماری تہذیب و ثقافت، ہمارا علم و ادب، ہماری معاشرت اور معیشت، ہماری حکومت و سیاست، غرضیکہ زندگی کا ہر شعبہ اسلامی روایات کا مظہر بن سکے۔

مگر افسوس اور صد افسوس کہ آزادی کی قدر و قیمت کو ہم نے مطلق نہیں پہچانا، انگریز کی غلامی سے نجات پانے کے بعد ہم اس سے بدتر غلامی یعنی خواہشاتِ نفس کی غلامی میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ اخلاقی اقدار کو پامال اور سچائی کے اصولوں سے انحراف کیا ہے۔ نتیجتاً ہمارا ہر شعبہ زندگی انحطاط کا شکار ہے لوٹ کھسوٹ ہمارا شعار اور دھوکہ فریب ہماری عادت بن چکی ہے۔

ہماری سیاست بھی مکروفریب کا شیطانی جال ہے، ہمارے سیاست دانوں کو اسلام سے محبت اور قومی خدمت کا خیال بھلا کہاں ہے؟ وہ تو محض اپنے نفس اور خواہشات کے پجاری ہیں، اقتدار اور کرسی کے بھوکے ہیں، اسلامی نظام کے داعی اور شیدائی بن کر قوم سے ووٹ لیتے ہیں۔

برسرِ اقتدار آنے کے بعد ان کے تمام عہد و پیمان سراب کی طرح بے حقیقت نظر آتے ہیں۔ گزشتہ اٹھاون

برس سے قوم اسلامی عدل و انصاف سے محروم ہے۔ ظلم وستم کی چکی میں وہ پس رہی ہے اور پستی جا رہی ہے۔

ذرا غور کیجیے ہمارے یہاں انتخابات کے مواقع پر، وہ قومی انتخابات ہوں یا صوبائی اور بلدیاتی انتخابات...... کس طوفانِ بدتمیزی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ انتخابات سے قبل پبلسٹی پر اربوں روپیہ ضائع ہو جاتا ہے ...... اس غریب قوم کا روپیہ پیسہ کہ جس کا ہر چھوٹا بڑا غیر ملکی قرضوں کے نیچے دبا ہوا ہے...... پھر کیا پوسٹروں پر ضائع ہونے والے کروڑوں روپے، علمی و ادبی کتابیں شائع ہونے پر صرف نہیں ہو سکتے کہ جس سے غریب قوم کے غریب بچوں کو تعلیم دلائی جا سکے۔ اور کیا بینرز پر ضائع ہونے والے لاکھوں روپے بیوگان و یتامیٰ کا پہناوا نہیں ہو سکتے کہ جن کی آنکھیں کسی کی مدد تلاش کر رہی ہیں اور اس شور و شغب اور غل غپاڑے میں جو قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے وہ الگ ہے اور سب سے خطرناک پہلو آپس کے لڑائی جھگڑوں، عداوتوں اور دشمنیوں کا ہے۔ حالیہ بلدیاتی انتخابات میں اخباری اطلاعات کے مطابق ۱۴ آدمی ہلاک اور درجنوں زخمی و ناکارہ ہو گئے۔ ذرا سوچیے کہ جس انتخاب کی بنیاد ہی فتنہ وفساد پر ہو، اس میں خیر و برکت کیسے ہوسکتی ہے۔

آپ کے خیال میں شاید یہ معمولی نقصان ہو مگر قرآن و حدیث کی روشنی میں ناحق کسی ایک جان کا بھی ضائع ہونا بہت بڑا نقصان ہے۔ انتخابات سے کتنے خاندان اجڑ جاتے ہیں۔ کتنی خواتین بیوہ ہو جاتی ہیں۔ کتنی ماؤں کے لخت جگر انھیں مستقل داغِ مفارقت دے جاتے ہیں کتنی بہنیں اپنے بھائیوں کی جدائی سے نڈھال ہو جاتی ہیں۔ اور پھر کتنے خاندانوں کے درمیان دشمنیوں اور رنجشوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کیا جمہوریت اسے کہتے ہیں؟ کیا انتخابات کا یہ اسلامی طریقِ کار ہے؟

حکومت یہ سب کچھ دیکھتی ہے مگر اس غیر شرعی نظام کو تبدیل کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ علمائے کرام یہ فسادات رونما ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر سر جوڑ کر نظامِ باطل کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ اب صرف اور صرف رب کائنات کے پاس فریاد ہے کہ وہ اپنی رحمت و قدرت سے ایسے لوگ پیدا کر دے جو اس کی زمین پر اس کا نظام جاری و ساری کر سکیں۔ آمین۔[الاعتصام، ۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء]

دعا و التجاء:

« اَللّٰھُمَّ نَجِّنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ »

''اے اللہ ہمیں ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرما۔''

مختصر مگر وزنی عمل

عَنْ أَبِی هرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ :كَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ ،خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ،ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ : « سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ » [رواہ البخاری]

’’ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:’’ دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں ، یہ زبان پر ہلکے پھلکے ہیں، (روزِ جزا وسزا) اعمال کے ترازو میں بھاری اور وزنی ہوں گے ، وہ کیا ہیں:« سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ »

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کا آغاز « اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ» سے کیا ہے اس لیے کہ جب تک ہمارے اعمال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ ہوں نیز وہ قرآن وسنت کے مطابق نہ ہوں اس وقت تک وہ قبول نہیں ہوتے ہیں اور ہمارا چھوٹا بڑا عمل یہاں تک کہ رائی کے برابر نیکی یا بدی بھی روزِ قیامت ہمارے سامنے آ جائے گی۔

﴿ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝ ﴾

[الزلزال:۷،۸]

’’پھر جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی وہ اسے پا لے گا۔‘‘

اور پھر وہاں اعمال تُلیں گے ، اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا وہ ترازو کس قدر حسّاس اور درست ہوگا۔

﴿ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ۝ ﴾

’’پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے ، وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اُس کی جائے قرار گہری کھائی ہوگی۔‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب کا اختتام کتنی خوبصورت حدیث مبارک سے کیا ہے اور اہل ایمان کو خاتم النبیّین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مژدہ جانفزا سنایا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے

کے بعد اگر اپنے اعمال کا پلڑا وزنی بنانا چاہتے ہیں تو اللہ جل شانہ کی حمد وثنا اور عظمت و کبریائی کو اٹھتے بیٹھتے ، چلتے پھرتے ادا کیا کریں،((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))

دعا و التجاء:

((رَبَّنَا اَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ))

''اے ہمارے رب ! ہمیں توفیق عطا فرما اپنے ذکر، شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے کی۔''

(تمت بالخير)

« عَنْ مَّالِكِ بْنِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ : تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ رَسُوْلِهٖ »[مؤطا]

مالک بن انسؓ سے مؤطا میں مروی ہے حدیث
یہ کہ دو شے پر وصیت ہے رسول اللہؐ کی
تھام کر ان کو نہ بھٹکوگے خدا کی راہ سے
ایک قرآن ، ایک سنت ہے رسول اللہؐ کی

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

" اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ"

وضو لازمی ہے برائے نماز
طہارت عبادات کی جان ہے
رسولِ مکرمؐ کی ہے یہ حدیث
کہ پاکیزگی نصف ایمان ہے

" بَیْنَ الْعَبْدِ وَ بَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ"

موجۂ گرداب میں تسکینِ ساحل ہے نماز
علم و عرفانِ خداوندی کا حاصل ہے نماز
حضرتِ جابرؓ سے مروی ہے حدیث مصطفیٰؐ
درمیانِ کفر و مُسلم حدِ فاصل ہے نماز

" اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا وَ اِنْ قَلَّ"

عائشہؓ سے مستند ہے یہ حدیث
کاش اس پر ہوں مسلماں کاربند
کم سہی ، لیکن مدامی ہو اگر
یہ عمل ہے حق تعالیٰ کو پسند